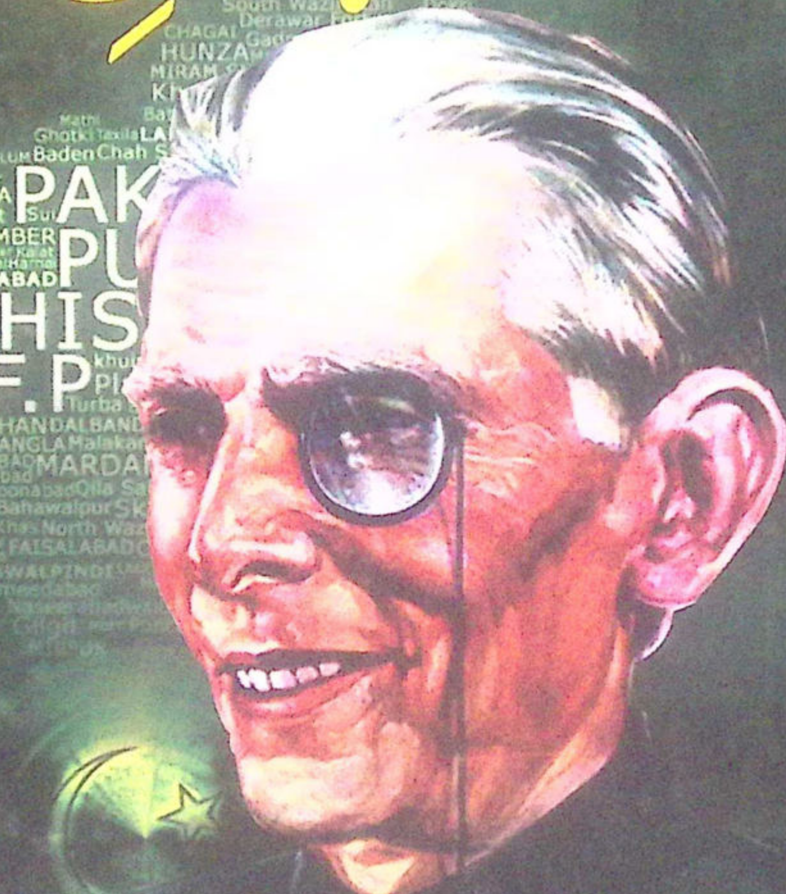
انسائیکلوپیڈیا

جہانِ قائدؒ

تالیف

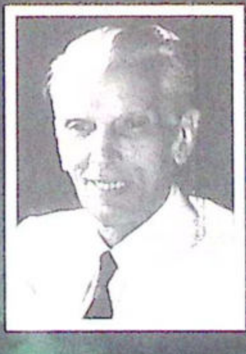
علامہ عبدالستار عاصم













بسم الله الرحمن الرحيم

نام کتاب	انسائیکلوپیڈیا جہانِ قائدؒ
تحقیق و تالیف	علامہ عبدالستار عاصم
اہتمام	پروفیسر ڈاکٹر، رانا عامر رحمٰن
ناشر	قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل لاہور
قانونی مشیر	رانا شہناز احمد خاں ایڈووکیٹ
مطبع	احسن طارق پرنٹرز
قیمت (فی جلد)	3000 روپے
مکمل سیٹ (5 جلد)	15,000 روپے
بیرونِ ملک قیمت	500 یو ایس ڈالر (مکمل سیٹ)

ISBN 978-969-9007-01-9

قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل لاہور

بینک سٹاپ والٹن روڈ لاہور کینٹ پاکستان

0333/0323-4393422,0300-0515101
qalamfoundation3@gmail.com,allamaasim077@gmail.com
fallow us at facebook.com/
www.encyclopediajahanequaid.com

انتساب



ہر اک مقام سے آگے گزر گیا مہ نو
کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تگ و دو (علامہ اقبالؒ)

لازوال تگ ودو سے پاکستانی معاشرہ کو علم، شعور اور ترقی دینے کے لئے پرعزم

جناب میاں عامر محمود

چیئرمین پنجاب گروپ آف کالجز



چیتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن (علامہ اقبالؒ)

علم و حکمت کے پیکر، بندہ مومن

جناب اوریا مقبول جان عباسی

محقق، دانشور، تجزیہ نگار



یا مذاق دید کی تہمت نے لیتے اے جگر
یا سراپا دل مجسمہ آنکھ بن کر دیکھتے (جگر مرادآبادی)

سچ اور حق کی خاطر ہر ظالم سے ٹکرا جانے کا جذبۂ صادق رکھنے والی قابل دید شخصیت

جناب مجیب الرحمٰن شامی

چیف ایڈیٹر روزنامہ پاکستان

کے نام



انتساب

میری نگاہ نے کیا کام لاجواب کیا
کہ سب حسینوں میں بس ان کا انتخاب کیا (علامہ عاصم)

محنت، دیانت اور غریب کی اعانت کا جذبہ
رکھنے والے کردار و عمل کے حُسینؑ

جناب چودھری محمد سرور گورنر پنجاب

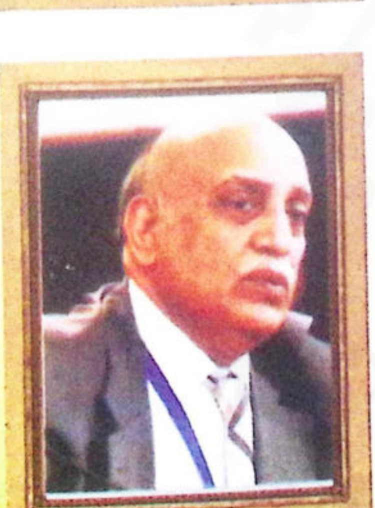


فطرت نے جسے بخشے ہیں جوہر ملکوتی
درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی (علامہ اقبالؒ)

محسن پاکستان، فخر عالم اسلام

جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان

ایٹمی سائنسدان



وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا (علامہ اقبالؒ)

تعلیم و تعلم کے لئے ہر لحظہ کوشاں صاحب امروز

جناب پروفیسر ڈاکٹر مجاہد کامران

وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی کے نام



قائداعظم محمد علی جناحؒ۔ 1946

ع

عابد علی عابد

سید عابد علی عابد نے قائداعظم کے عنوان سے اس نظم میں قائداعظم محمد علی جناح کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا:

گہنا گیا وہ چاند مگر اس کے نور سے
دیوار و در وطن کے ہیں تاباں اسی طرح
مرجھا گیا وہ پھول مگر اس کے رنگ سے
قوسِ قزح ہے صحن گلستاں اسی طرح
چپ ہو گیا وہ ساز مگر اس کے سوز سے
نغمے ہیں وادیوں میں پر افشاں کی طرح
لہرا چکی وہ برق مگر اس کی تاب سے
ذروں میں زندگی ہے غزل خواں اسی طرح
وہ نقش مٹ گیا مگر اس کے طلسم سے
صرف چمن ہے فصل بہار اسی طرح
وہ شمع بجھ گئی مگر اس کے فروغ سے
قندیل آرزو ہے فروزاں اسی طرح
دیکھو تو اس کے کوکبِ اقبال کا عروج
سہمی ہوئی ہے گردش دوراں اسی طرح
بالیدہ ہے زمین وطن کی نمو سے وہ
مضطر ہے مثلِ شعلہ ہمارے لہو میں وہ

سید عابد علی 21 ستمبر 1906ء کو ڈیرہ اسماعیل خان میں سید غلام عباس کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے وہیں ابتدائی تعلیم مکمل کی لیکن جب ان کے والد صاحب لاہور آئے تو انہیں رنگ محل میں مشن ہائی سکول میں داخلہ مل گیا۔ میٹرک کے بعد یہاں کے ہیڈ ماسٹر کے ایل رلیارام کے زیر اثر موسیقی کا ذوق پیدا ہوا۔ 1923ء میں بی اے اور 1925ء میں ایل ایل بی کی سند لی۔ اسی اثناء میں ماہنامہ ہزار داستان میں بھی ادارتی کالم لکھتے رہے۔ اس رسالے کے مدیر حکیم احمد شجاع تھے۔ انہوں نے مجلس وضع قانون (پنجاب) میں بھی بطور مترجم کام کیا، پھر گجرات میں وکالت شروع کی۔ اس کے بعد دیال سنگھ کالج لاہور میں فارسی کے استاد مقرر ہوئے، اور 25 سال تک اسی درسگاہ سے منسلک رہنے کے بعد سبکدوش ہوئے۔ یہاں سے سبکدوشی کے بعد مجلس ترقی ادب لاہور سے وابستگی اختیار کر لی۔

عارف شاہ، ڈاکٹر سید

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے تین بار ملاقات کی۔ پہلی ملاقات 30 ستمبر 1930ء کو کراچی میں ڈی جے سندھ کالج کے سبزہ زار میں ہوئی جہاں کالج کے مسلمان طلباء نے ان کو (قائد اعظم) کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا۔ ان دنوں عارف شاہ کالج کی مسلم سٹوڈنٹس یونین کے سیکرٹری جنرل تھے۔ دوسری ملاقات جنوری 1938ء کے آخری ہفتہ میں بمبئی میں مالابار ہل کی کوٹھی پر ہوئی۔ تیسری ملاقات پولوگراؤنڈ کراچی میں ہوئی، جب قائداعظم محمد علی جناح نے پہلی پاکستان اولمپکس کا افتتاح کیا تھا۔

عافیت پسندی

مسلمان کی شان ہے کہ عفو و درگزر سے کام لے اور صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات میں ان گنت ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ایذا پہنچانے والے کافروں کو یکسر معاف کر کے شان نبوت ﷺ کا ثبوت دیا۔ آپ ﷺ کی عفو و درگزر کا نتیجہ یہ نکلا کہ کافر حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔

قائداعظم محمد علی جناح اسلام کے فرزند اور عاشق رسول تھے۔ انہوں نے اسوۂ رسول ﷺ کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اور اسلامی تعلیمات کی ان پر گہری چھاپ تھی۔ جب بہار کے مسلمانوں پر مظالم روا رکھے گئے اور ان کا جینا حرام کیا گیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کو پرامن رہنے کی تلقین فرمائی۔ انہوں نے توازن برقرار رکھنے اور صبر و رضا کو ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا درس دیا۔ انہوں نے 11 نومبر 1946ء کو فرمایا:

''وقت کا تقاضا ہے اور مجھے اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہر ایمان دار، سمجھدار آدمی اچھی طرح جانتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں جو کچھ ہو رہا ہے، مسلمانوں اور مسلم لیگ کو ذمہ دار ٹھہرانے کے لیے اس کا پروپیگنڈہ بڑے زور و شور سے کیا جا رہا ہے۔ مسلم لیگ کے خلاف جو کچھ الزامات لگائے جا رہے ہیں وہ بالکل بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں کو ہر جگہ بڑا سخت نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے، لیکن سانحہ بہار کے سامنے دیگر تمام واقعات اور مظالم کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ میں بربریت اور ظلم کو سخت نفرت سے دیکھتا ہوں۔ خواہ وہ کسی شکل و صورت میں ہو لیکن بہار میں جو قیامت برپا کی گئی اس کی نہ تو کوئی مثال ہے اور نہ اس کا ثانی ہندوستان میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ سفاکانہ قتل عام ہے جو ہندو اکثریت نے مسلمان اقلیت کا نہایت بے دردی کے ساتھ کیا ہے۔

مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہے، مگر میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ان مظلوم مسلمانان بہار کا بدلہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں لینا ایک بڑی بھاری سیاسی اور اخلاقی غلطی ہوگی، اور اگر ایسا ہوا تو ہم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلیں گے۔

اگر آپ حقیقت میں پاکستان چاہتے ہیں تو خداوند کریم سے دعا کرتا ہوں کہ مسلمان کے دامن پر وہ بدنما داغ نہ لگے جس کا مظاہرہ مظلوم مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کر کے بہار میں کیا گیا ہے۔ ہمیں تہذیب و شرافت کو کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہے ہیں ان سے ہمارا کلیجہ چھلنی ہو رہا ہے، مگر ہم مسلم اکثریت والے صوبوں میں بے گناہوں کو مار کر اپنا دل ٹھنڈا نہ کریں گے ہم کو سیاسی طور پر بتا دینا چاہئے کہ ہم بہادر، اپنے دشمنوں کو معاف کر دینے والے، ایماندار اور سچے مسلمان ہیں۔ پاکستان میں غیر مسلم اپنی جان و مال اور عزت کی حفاظت مسلمان سے بڑھ کر پائیں گے۔ اگر مسلمانوں نے دامن صبر و رضا کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنا توازن کھو دیا تو اسلام نے جو عدیم المثال سبق دنیا کو سکھایا ہے اسے بھلا دیا تو سمجھ لیجئے کہ آپ نہ صرف اپنا حق پاکستان کھو دیں گے بلکہ ہندوستان میں وہ کشت و خون ہوگا۔ جس سے ہماری آزادی کے دن دور ہٹ جائیں گے اور ہم اپنی غلامی کی بیڑیاں اپنے ہاتھوں سے مضبوط کر لیں گے۔

مجھے خوشی ہے کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں امن

وامان ہے، اور وہ اس ظلم وفساد اور کشت وخون میں شامل نہیں ہیں۔ جس کا مظاہرہ باقی تمام ہندوستان میں ہو رہا ہے۔ میں ایک بار پھر ان تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جہاں بھی اکثریت میں ہوں، غیر مسلموں کی حفاظت جان ومال کے لیے جو کچھ بھی ممکن ہو کریں اور ان میں بھروسہ پیدا کریں۔"

(اسلام اور قائداعظم، محمد حنیف شاہد، ص:109، 111)

عاشقانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

(دیکھیے: مملکت خداداد پاکستان)

عاصمہ گل عصمی

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

السلام اے فخرِ ملت ، قائد اعظم سلام
کاروانِ دیت میں زعمیوں کے امام
سر زمین پاک ہے تیری مساعی کا صلہ
شاعر مشرق کے خوابوں کو دیا تو نے دوام
اتحادِ ملت بیضا ترے دم سے ہوا
رہبران قوم میں اونچا ترا سب سے مقام
مرحبا تونے کیا بیدار خفتہ قوم کو
کس قدر جادو اثر قائد ہے تیرا پیام
جرأت کردار سے انگریز کو پسپا کیا
ہو گئے مغلوب تجھ سے بے گماں ہندو تمام
منتشر تھے ہم مگر تو نے اکٹھا کر دیا
آ گئی ہاتھوں میں تیرے جب قیادت کی زمام
کر لیا مقصود حاصل قوت اخلاق سے
تھا سیاست کا تری سب سے انوکھا اہتمام
تیری حکمت سے ہوئے آزاد مسلم ہند کے
مدتوں رہتے وگرنہ غیر کے وہ سب غلام
جہل میں جکڑے ہوئے تھے قعر گم نامی میں تھے
کر دیا بابائے ملت تو نے ہم کو نیک نام
تیرا احسان ہم نہ بھولیں گے قیامت تک کبھی
بچہ بچہ کر رہا ہے دل سے تیرا احترام

عالم۔ ایس ایس ڈاکٹر

پاکستان کے نامور ریڈیالوجسٹ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اپنی زندگی کے آخری ایام میں جب بستر علالت پر تھے تو ان کے علاج کے لیے جو ٹیم تشکیل دی گئی اس میں ڈاکٹر ایس ایس عالم بھی شامل تھے۔

عالمی پریس (کا خراج عقیدت)

قائداعظم محمد علی جناح کے انتقال پُر ملال پر عالمی پریس نے بھی ان کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا، اس سلسلے میں درج ذیل اخبارات نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں عقیدت کے پھول پیش کیے:

روزنامہ سٹیٹ مین نئی دھلی

"ہمیں رنج ہے کہ پاکستان کا سب سے بڑا آدمی اور ان کا گورنر جنرل محمد علی جناح ہمیشہ کے لئے چھن گیا۔ بظاہر مسٹر جناح کی شخصیت میں بعض کمزوریاں موجود تھیں لیکن مسٹر جناح کی عظمت کسی آنکھ سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ ان کی مثال ایک ہیرے کی سی تھی جو انتہائی سخت ہوتا ہے، لیکن پھر بھی ہیرا ہے۔ وہ ایک عظیم اور غیر متزلزل قوت ارادی کے مالک تھے۔ جس استقلال اور عزم کے ساتھ انہوں نے اپنے مقاصد حاصل کیے اس کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے

اپنے لیے منزل مقرر کی اور اس پر پہنچ کر ہی دم لیا۔ ان کی تحصیل بے مثال ہے۔"

نیویارک ٹائمز

"وہ قائد اعظم تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے حقیقی رہبر، وہ مسلم لیگ کے دماغ تھے اور مسلم قوم کا قلب۔"

ڈیلی ایکسپریس لندن

ڈیلی ایکسپریس لندن نے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر لکھا:

"مسٹر جناح کے عزم واستقلال اور محنت وہمت نے پاکستان کو ایک لڑی میں پرو رکھا تھا ہندوستان میں برطانیہ کے رخصت ہونے کے بعد نوزائیدہ مملکت پاکستان کو جن مصائب ومشکلات سے گزرنا پڑا۔ یہ آزمائش اس سب سے زیادہ کڑی ہے۔ یعنی قائد اعظم کی وفات۔"

نیویارک ہیرلڈٹر بیون (امریکہ)

"قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے سال احترام اور اعزازات سے پر تھے۔ ان کا انتقال اس وقت ہوا جب وہ اپنا کام پورا کر چکے تھے۔ تاریخ سیاسیات میں تخلیق پاکستان ایک بے مثال معرکہ ہے اس کام کو جو بظاہر ناممکن معلوم ہوتا تھا مسٹر جناح نے ممکن بنا دیا۔"

روزنامہ صدائے مر دم تہران

"مرحوم محمد علی جناح برصغیر کے بزرگ ترین لیڈروں میں سے تھے۔ جنہوں نے مملکت پاکستان کے قیام کے سلسلے میں حوصلہ فرسا اور قوت شکن تلخیاں اور تکالیف برداشت کیں۔ ان کی ذات گرامی نے مسلمانان ہندوستان کو نشیب اور افتراق سے نکال کر وحدت، یگانگی بخشی اور اس کے نتیجے میں آخر کار تمام مسلمانوں کی امداد وفداکاری سے ایک ایسی آزاد اسلامی مملکت کے بنانے میں کامیاب ہوئے جس کی آبادی سات کروڑ سے زائد نفوس پر مشتمل ہے۔

ہم روزنامہ صدائے مردم کے کارکنوں اور کار پردازوں کی جانب سے پاکستان سے اس عظیم سانحہ میں اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔"

روزنامہ کیہان انٹرنیشنل تہران

"محمد علی جناح نے کسی ہتھیار، اسلحہ اور بغاوت کے بغیر صرف اور صرف امن کے اصولوں کے ذریعے ایک مملکت حاصل کی۔ انہوں نے اپنی ذہانت اور قوت ارادی سے فتح حاصل کی۔ ان کی قوت ارادی کا سامنا اور کوئی قوت نہ کر سکی، کیونکہ ان کے ساتھ ان کے تمام عوام کی قوت اور عزم شامل تھا۔"

لندن ٹائمز

"قائداعظم نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک کے ہندوستانیوں کا خاصا ہے۔ ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت واضح اور شفاف ہوتے ہیں۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہ تھی بلکہ وہ جس نقطہ نظر کو اپنا ہدف بناتے تھے اس پر براہ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے۔ وہ ایک ناقابل تسخیر حریف تھے۔"

روزنامہ بھارت دھلی

''ہمیں یہ بھی اعتراف کرنا چاہیے کہ متحدہ ہندوستان کی تمام قوتیں ایک شخص سے شکست کھا گئیں۔ غیر جانبدار مورخ مجبور ہوں گے کہ مسٹر جناح کو دنیا کے بڑے آدمیوں میں شمار کریں۔ یقیناً وہ بہت بڑے آدمی تھے نہ ہوتے تو تاریخ کا رخ نہ پلٹ سکتے۔''

روزنامہ پرتاب

''مسٹر جناح زبردست قوت ارادی کے مالک تھے۔''

نیوز کرانیکل برطانیہ

''صرف موت ہی وہ دشمن تھا جس سے وہ شکست کھا گئے، لیکن وہ موت کے سوا کسی دشمن کے آگے نہیں جھکے۔''

روزنامہ ھندو دھلی

''مسٹر جناح اپنی قوم کے نجات دہندہ تھے یا نہ تھے اس کا جواب تاریخ ہی دے سکتی ہے، لیکن اس چیز سے بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے ارادے میں حقیقتوں کو مٹانے اور خوابوں کو حقیقت بنانے کی طاقت تھی۔''

روزنامہ امرت بازار پتریکا

''اگر ہندوستان نے اپنی آزادی کے معمار کو آزادی ملنے کے چند ہی ماہ بعد کھو دیا تو پاکستان بھی کم بدقسمت نہ تھا کیونکہ پاکستان کے قیام کے تیرھویں مہینے میں ہی قائداعظم کو چھین لیا گیا۔ قائداعظم نے مسلمانوں کو وہ دے دیا جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا۔ اب پاکستانیوں اور ان کے لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ اسے قائم رکھیں اور مضبوط اور ترقی یافتہ ملک بنائیں۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔''

عاقبت اندیش و نا اندیش علماء

دیوبند اور دہلی کے وہ علماء جو کانگریس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں، اور مسلم لیگ و پاکستان کی مخالفت کرتے رہتے ہیں، انہیں علماء کرام کے ذمہ دار طبقہ میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے؟ اس کا اندازہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ التفسیر جامعہ عثمانیہ کے اس مکتوب گرامی سے ہو سکتا ہے، جو موصوف نے عبدالماجد صاحب دریا بادی کو لکھا تھا اور جو جنوری 1946ء کے ''صدق'' میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا نے تحریر فرمایا تھا:

''دیوبند ہی میں نہیں، طبقہ علماء کا حال ہر جگہ قابل رحم حد تک پہنچ چکا ہے۔ اپنی فوج کو خود اپنے ہاتھوں انہوں نے ضائع کیا۔ اب اگر مذہبی بیساکھیوں کی طرف سے کوئی اقدام خدانخواستہ پیش آیا تو ان مولویوں سے کوئی پوچھے کہ اپنی کمسن قوت کا دباؤ ڈال کر ان شرارتوں کا مقابلہ کریں گے؟ جمعیۃ علماء کلکتہ نے ایک محاذ مولویوں کے لیے قائم کر دیا ہے، لیکن عوام ان کے ہاتھوں سے نکل چکے۔ اب ان پر قابو پانا آسان نہیں ہے۔ افسوس کہ خود اپنے ہاتھوں اپنے پیر پر کلہاڑی ان مولویوں نے چلائی، تاہم محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کے محافظ وہی ہے جس جس نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ علماء ہمارے ہاں کسی نسل کا نام نہیں، مجھے تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ تعلیم یافتوں کو تعلیم میں دین کا عنصر شریک کر کے علماء کی قیادت کی باگ قدرت اب تعلیم یافتوں کے سپرد کر دے گی۔ آئندہ میدان انشاء اللہ

محمد علیوں اور اقبالوں کے ہاتھ میں رہے گا۔"

بہتر طرز عمل

"علمائے کرام کی ایک جماعت وہ بھی ہے جو اب تک پاکستان کے فوائد اور خصائص کی پورے طور پر قائل نہیں ہوئی ہے۔ جو مسلم لیگ کی قیادت کو غیر مذہبی سمجھ رہی ہے اس لیے اس میں شریک ہوتے ہوئے ہچکچاتی ہے لیکن وہ یہ نہیں کرتی کہ کانگریس کی قیادت تسلیم کر لے، پاکستان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہو جائے، اور مسلم لیگ کے خلاف کفر کے فتوے شائع کرنے لگے، وہ حالات کا جائزہ لے رہی ہے اور خاموشی کے ساتھ صورت حال کے مطالعہ میں مصروف ہے۔"

مولانا سید سلیمان ندوی کا حسب ذیل شذرہ 26 دسمبر 1945ء کے صدق میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے تائیدی نوٹ کے ساتھ شائع کیا:

"مجلس دارالمصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے۔ اس ادارہ میں بھی طرز سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہیں، تاہم ہمارے ارکان مجلس اس بات میں متحد ہیں کہ ادارہ کو سیاسیات کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے اور اس کو عملی سرگرمیوں کا بازیچہ نہ بنایا جائے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جب مسلمانوں کی اکثریت ایک طرف ہے۔ خطا وصواب اپنی اپنی جگہ پر لیکن اکثریت کی رائے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اس وقت جب اس میں بعض مصالح اسلامیہ کا پرتو بھی نظر آتا ہے۔"

دیوبند اور دہلی کے علمائے کرام اگر یہ طرز عمل بھی رکھتے تو عامۃ المسلمین کو ان سے شکایت نہ ہوتی۔"

مولانا ظفر احمد کی تصریحات

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے ایک مفصل اور مدلل بیان میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے مزعومات اور شرکت کانگریس کے تخیلات پر خالص مذہبی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ یہ بیان 26 اکتوبر 1945ء کے متعدد مقامی اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ اس طویل بیان کے جستہ جستہ حصے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

مولانا حسین احمد صاحب نے اپنے خطبہ صدارت سہارنپور میں کانگریس سے اشتراک عمل کو جائز ٹھہرایا تھا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا:

"مسلمانوں کا مشرکین کے ساتھ جہاد آزادی میں اشتراک عمل اس شرط سے جائز ہے کہ حکم اہل شرک غالب نہ ہو۔ مسلمان مشرکین کے جھنڈے تلے نہ ہوں بلکہ مشرکین اسلامی جھنڈے کے نیچے ہوں۔ چنانچہ شرح اسیر صفحہ 241 جلد 3 میں یہ مسئلہ مذکو ہے۔

اب فیصلہ اہل انصاف کے ہاتھ میں ہے کہ کانگریس میں اس وقت حکم شرک غالب ہے یا حکم اسلام؟"

اب مولانا موصوف پاکستان کے بارے میں فرماتے ہیں:

"رہا مطالبہ پاکستان سو جب کہ تمام ہندوستان کو اسلامی سلطنت بنانا بحالت موجودہ کسی طرح ممکن نہیں تو کم از کم ان صوبوں کو جہاں مسلم اکثریت ہے اسلامی سلطنت بنالینا کہ وہاں اسلامی سلطنت اسلامی اصول پر قائم کی جاسکے لازم اور ضروری ہے اور اس کی نظیر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت

ہے۔ جب کہ مکہ معظمہ میں اسلامی حکومت اور نظام اسلامی قائم نہ ہو سکا تو مدینہ منورہ کو مرکز بنایا گیا، پھر اسی مرکز سے اسلام کو ترقی ہوئی۔ اسی طرح کیا عجب ہے کہ پاکستان سے بھی اسلام کو ترقی حاصل ہو۔"

مولانا شبیر احمد عثمانی کے ارشادات

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مفسر و مترجم قرآن شارح حدیث نبویؐ کے نام نامی و اسم گرامی سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے۔ مولانا موصوف اپنے علم و فضل زہد و ورع، تقویٰ اور پرہیزگاری، ہر اعتبار سے یگانہ اور فرد فرید ہیں۔ مولانا کے فضل و کمال کو ان کے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں اور ہندوستان کے چند گنے چنے خطیبوں اور واعظوں میں مولانا کا شمار ہوتا ہے۔

موصوف، مسلم لیگ کے نصب العین پاکستان کے دل و جان سے حامی ہیں، اور علالت و نقاہت کے باوجود اس مقصد عظیم کے حصول کے لیے سعی و جہد فرمایا کرتے ہیں۔ مولانا کا ایک اہم بیان نومبر 1945ء کے عصر جدید (کلکتہ) میں شائع ہوا تھا۔ جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"کیا کانگریس کے دائرے میں جہاں ہندو عناصر کے کھلے ہوئے غلبہ سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، مٹھی بھر مسلمان داخل ہو کر تو یہ امید کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں ان سب کو راہ راست پر لے آئیں گے لیکن مسلم لیگ کے متعلق جو خالص مسلمانوں کی جماعت ہے اسی امید کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ یہ چیز کم از کم میری سمجھ سے باہر ہے۔ اچھا مان لو کہ لیگ نے وہ سب غلطیاں کی ہیں جو اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، مگر کیا ترکوں نے شرعی نقطہ نگاہ سے اس سے کچھ کم غلطیوں کا ارتکاب کیا تھا، تاہم جب کبھی کوئی معاملہ ترکی سلطنت کا ہمارے سامنے آتا ہے۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ ان تمام غلط کاریوں کے باوجود کلمہ گو ہیں۔ مسلمان ہیں۔ اس لیے ہم ہر دوسری غیر اسلامی طاقت کے مقابلہ میں ان کی طرف جھکتے ہیں۔ آج ہندوستان میں بھی مسلم لیگ کلمہ گو مسلمانوں کی جماعت ہے اس میں ہزار عیب سہی تاہم غیر مسلم قوموں کی نسبت وہ ہم سے قریب تر اور مفید تر ہے۔ ادھر جوں جوں اب عام مسلمان اس میں بکثرت شامل ہوتے جاتے ہیں۔ اس کے قائدین بھی پہلے کی نسبت ذرا احتیاط سے کام کرنے لگے ہیں، پھر اس وقت جس اصول پر وہ الیکشن لڑ رہی ہے وہ عقلی اور شرعی حیثیت سے مرجع اور بے غبار ہے۔ اگر مسلم لیگ موجودہ الیکشن میں ناکامیاب ہوگئی تو قوی اندیشہ ہے کہ ایک سچا اصول ہی شاید ہمیشہ کے لیے دفن ہو جائے اور مسلمانوں کے قومی و سیاسی استقلال کی آواز فضائے ہندوستان میں پھر کبھی نہ سنائی دے۔ پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے یہ نام سن کر کسی کو بھی یہ غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں پیدا ہونی چاہئے کہ اس خطہ میں فوراً بلاتاخیر خلافت راشدہ یا خالص قرآنی اور اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ ضرورت سے زیادہ امیدیں دلانا تو قعات باندھنا کسی عاقبت اندیش حقیقت پسند کے لیے زیبا نہیں۔ ہاں یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ایک ایسا ابتدائی قدم ہے جو انجام کار قرآنی اصول کے مطابق احکم الحاکمین کی حکومت عادلہ قائم ہونے پر کسی وقت منتہی ہو سکتا ہے جس کے قیام کا نام نہاد قومیت متحدہ کی

حکومت کے ذریعہ بظاہر کوئی امکان نہیں۔"

عبدالباری، میاں

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما تھے۔ 1952ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح لائل پور (فیصل آباد) تشریف لے گئے تو انہوں نے مجلس استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اس طرح انہیں اپنے جذبے اور خلوص کی وجہ سے بہت جلد قائداعظم محمد علی جناح کا قرب حاصل ہوگیا۔

عبدالجبار بنتوری

4 نومبر 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں مالابار ہل سے یہ خط لکھا۔

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل

4 نومبر 1943ء

ڈیئر سر!

مجھے آپ کا 27/ اکتوبر 1943ء کا محررہ خط ملا۔ میں یہاں صرف اس حالیہ پیغام کو دہرا سکتا ہوں جو میں نے مسلمانوں کے نام عید کے موقع پر دیا تھا۔ اس کی ایک نقل بھی بھیج رہا ہوں، اور تم ایسے راستے اختیار کر سکتے ہو جنہیں تم موزوں سمجھتے ہو۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

اے جے بنتوری اسکوائر

سیکرٹری مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نمبر ۶

چن سوامی مڈلئیر روڈ

ٹسکر ٹاؤن بنگلور

عبدالحامد بدایوانی، مولانا

قائداعظم محمد علی جناح نے صوبہ سرحد میں ریفرنڈم میں خدمات انجام دینے کی بنا پر مولانا عبدالحامد بدایونی کو فاتح سرحد کا خطاب دیا تھا۔

عبدالحامد 14 جمادی الآخر 1318ھ بمطابق 1898ء بدایوں میں مولانا حکیم عبدالقیوم قادری کے ہاں پیدا ہوئے۔ ایام طفولیت ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو بڑے بھائی مولانا عبدالماجد اور والدہ نے تربیت کی۔ مدرسہ قادریہ اور مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں ممتاز علماء سے اکتسابِ فیض کیا۔ تحصیل علم کے بعد مولانا شاہ مطیع الرسول اور مولانا شاہ عبدالمقتدر سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ دس سال تک مدرسہ شمس العلوم بدایوں کے مدرس رہے۔

مولانا عبدالحامد بدایونی نے 1914ء میں تحریک خلافت میں حصہ لے کر سیاسی زندگی میں قدم رکھا۔ 1918ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ مارچ 1940ء میں جب منٹو پارک لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو مولانا عبدالحامد بدایونی نے اس کی حمایت کی۔ 30 اگست 1941ء کو لدھیانہ میں پاکستان کانفرنس سے خطاب کیا۔ 1946ء میں مولانا عبدالحامد بدایونی نے مسلم لیگ کے نامزد امیدواروں کے حق میں سندھ، بلوچستان، پنجاب اور یوپی کے دورے کیے۔ 1947ء کے ریفرنڈم میں صوبہ سرحد میں اہم کردار ادا کیا۔ 1948ء میں مولانا عبدالحامد بدایونی کی تحریک پر مولانا شاہ عبدالعلیم کی سربراہی میں قائداعظم محمد علی جناح سے ایک وفد کی ملاقات کی 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا متعدد کتب لکھیں فلسفہ عبادات اسلامی اور اسلام کا معاشی نظام مقبول ہوئیں۔

21 جولائی 1970ء کو 72 سال کی عمر میں انتقال کیا۔

عبدالحمید خان بھاشانی

1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب بنگال اور آسام کا دورہ کر رہے تھے تو اس دوران صوبائی مسلم لیگ کے صدر مولانا عبدالحمید خان بھاشانی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں مولانا عبدالحمید بھاشانی نے مسلم لیگ کی تنظیمی سرگرمیوں کا ذکر کیا اور بڑے دردناک طریقے سے مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا عبدالحمید بھاشانی کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"سیاست شطرنج کی طرح ہے اس میں جذباتیت نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے لیے ہمت اور ارادوں کی ضرورت ہے۔ مولانا اچھے مبلغ تو ہو سکتے ہیں اور لوگوں کو رلا بھی سکتے ہیں، لیکن ایک اچھے لیڈر نہیں بن سکتے۔ اگر انہوں نے اپنا وطیرہ نہ بدلا تو وہ سیاست میں بھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔"

عبدالحمید بھاشانی 1879ء میں سراج گنج پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے جاگیرداری اور سرمایہ داری کے خلاف طویل جدوجہد کی۔ تحریک خلافت، کانگریس، مسلم لیگ، عوامی لیگ اور بعد ازاں نیشنل عوامی پارٹی میں شامل رہے، اور انگریزوں کے خلاف برصغیر کی بیشتر تحریکوں میں سرگرم حصہ لیا۔ قیام پاکستان سے قبل انہوں نے آسام میں تبلیغ اسلام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور جمعیت العلماء ہند کی شاخ بھی قائم کی۔ انگریزی میں آسام میرٹھ اور بنگال میں مجاہد کے نام سے اخبار بھی جاری کیے۔ بھاشان گاؤں میں سکونت رکھنے کی وجہ سے بھاشانی کہلائے۔

مولانا عبدالحمید بھاشانی آسام اسمبلی کے رکن ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کے صدر بھی رہے اور کسانوں کی تحریک کی قیادت کی۔ انہوں نے سلہٹ میں پاکستان کے حق میں رائے شماری میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔

قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کی مخالف جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کی زبردست کوشش کی۔ صدر محمد ایوب کے دور کے آخری ایام میں پاکستان میں گھیراؤ جلاؤ کی تحریک کو پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار متعارف کرایا۔ مشرقی پاکستان میں جامعہ ملیہ کالج اور اکیڈمی کا قیام ان کا اہم کارنامہ ہے۔

اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے لیے بھی کوشاں رہے بالآخر 17 نومبر 1976ء کو دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کیا۔

عبدالحمید قاضی، ڈاکٹر

تحریک پاکستان کے رہنما تھے۔ ابتداء میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے رکن تھے، لیکن 1942ء میں اس سے علیحدگی اختیار کر کے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اسی سال انہیں قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ بمبئی صوبہ مسلم لیگ کی 25 رکنی مجلس عاملہ کا رکن بنایا گیا۔ علاوہ ازیں قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں صوبہ بمبئی کے نیشنل گارڈ کا سالار بھی مقرر فرمایا۔ 1925ء میں بی اے کیا ممتاز اساتذہ میں محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکر حسین اور ڈاکٹر عابد حسین شامل تھے۔ 1932ء میں بار ایٹ لا کے لیے انگلستان کا ارادہ باندھا۔ جس اطالوی بحری جہاز میں وہ انگلستان گئے اس میں علامہ اقبال بھی سوار تھے۔ لندن میں پروفیسروں نے انہیں برلن یونیورسٹی سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کا مشورہ دیا۔ قیام جرمن کے دوران تحریک آزادی کے سلسلے میں متعدد مضامین لکھے۔ انہوں نے تعلیم سے فراغت کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ بمبئی کو منظم کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

اپریل 1943ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں انہوں نے پاکستان میں حکومت الٰہیہ کے قیام کے سلسلے میں

قرارداد تیار کی، جسے دہلی کے اخبار روزنامہ خلافت نے شائع کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد جامعہ ملیہ سے منسلک ہوئے پھر اردو کالج سے وابستگی اختیار کی۔ بالآخر 1952ء سے 1961ء تک سندھ یونیورسٹی میں فلسفہ اور نفسیات کی تعلیم دیتے رہے۔

11 جنوری 1961ء کو کراچی میں انتقال ہوا۔

عبدالحیٔ

عبدالحیٔ قائداعظم محمد علی جناح کے ڈرائیور تھے۔

14 مئی 1940ء کو خط میں قائداعظم محمد علی جناح نے عبدالحیٔ کی 15 دن کی چھٹیوں کی منظوری اس شرط پر دی کہ وہ اپنی جگہ کسی موزوں شخص کو چھوڑ کر جائیں ساتھ ہی یہ تاکید بھی کی تھی کہ جانے سے پہلے اطلاع دینا کہ کیا کچھ انتظامات کر کے جا رہے ہو۔ بعدازاں قائداعظم محمد علی جناح نے 21 مئی 1940 کو خط میں لکھا:

''تمہیں 15 دن سے زیادہ کی چھٹی نہیں دی جاسکتی۔ اگر تم 15 دن کے بعد واپس نہ آئے تو میں دوسرا ڈرائیور رکھ لوں گا۔''

اس خط میں انہوں نے یہ بھی لکھا تھا:

''میں 10 جون کو بمبئی پہنچنے والا ہوں۔ اس لیے تم 8 جون تک واپس آجاؤ ورنہ مجھے دوسرا ڈرائیور رکھنا پڑے گا۔ تم نے اپنی جگہ اپنے جس رشتے دار کو کام پر رکھا ہے وہ صرف کار کی دیکھ بھال کرسکتا ہے۔ وہ اچھا ڈرائیور نہیں ہے۔ بمبئی جیسے شہر میں اس سے کام نہیں لیا جاسکتا۔'' (ماخذ روزنامہ حریت 24 دسمبر 1986ء)

وہ 1914ء میں پیدا ہوئے۔ 22 سال کی عمر میں قائداعظم محمد علی جناح کے ڈرائیور بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ قائداعظم کے ہاں انہوں نے جون 1940ء تک ملازمت کی اور اس دوران میں قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ایک شیعہ سکول میں داخل کرادیا۔ جہاں تین سال تک تعلیم حاصل کی اور اس کے تمام اخراجات خود برداشت کیے۔ ابتداء میں انہیں نوے روپے تنخواہ ملتی تھی۔ جسے بعدازاں بڑھا کر ایک سو روپیہ کر دیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں بھی خطوط لکھے۔

ہوٹل سیسل
شملہ یکم ستمبر 1939ء
مسٹر عبدالحیٔ!

میں ایک کارڈ منسلک کر رہا ہوں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریلوے اسٹیشن پر کوئی پارسل پہنچا ہے۔ براہ مہربانی اسے چھڑا لیجئے اور مجھے بتایئے کہ یہ کیا ہے، اور اگر خراب ہوئے بغیر شملہ بھیجا جاسکتا ہے تو پھر ایسا ہی کریں۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

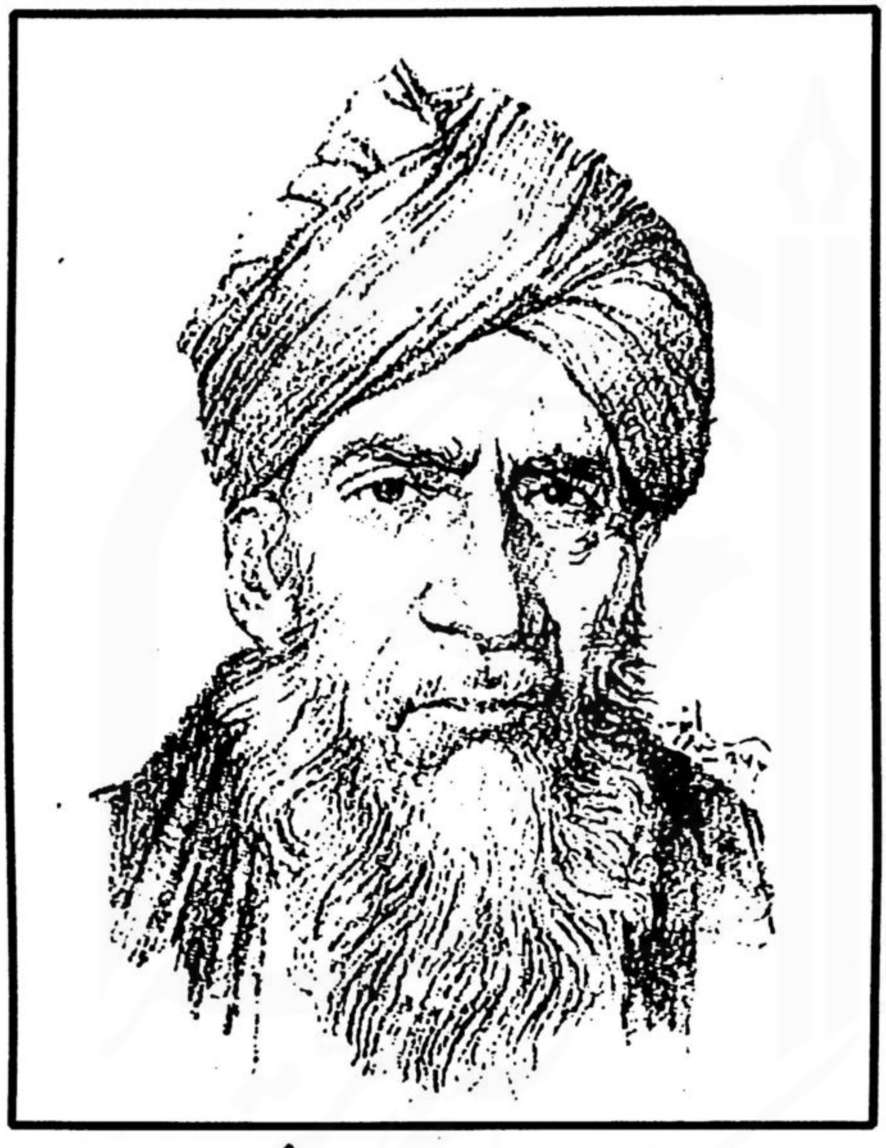
ہوٹل سیسل
شملہ 2 ستمبر 1939ء
مسٹر عبدالحیٔ!

میں آپ کو ایک ریلوے رسید بھیج رہا ہوں برائے مہربانی پارسل چھڑا کر اسے بمبئی میں رکھیں۔ میں سمجھتا ہوں اس میں کتابیں ہیں مجھے نہ بھیجیں جب تک میں واپس نہ آؤں انہیں رکھیں۔

آپ کا
ایم اے جناح

ہوٹل سیسل
شملہ 19 ستمبر 1939ء
مسٹر عبدالحیٔ!

یہ صرف آپ کو مطلع کرنے کے لیے ہے کہ میں کل شملہ چھوڑ رہا ہوں اور 23 کی صبح کو دہلی پہنچ رہا ہوں چنانچہ براہِ



مولانا عبدالحامد بدایونی

1970 - 1898

آپ تحریک خلافت، تحریک پاکستان اور تحریک فلسطین کے مجاہد تھے۔ آپ تحصیل علم کے بعد مدرسہ شمس العلوم میں دس سال تک مدرس اور مفتی رہے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی کی سیاسی زندگی کا آغاز 1919ء میں تحریک خلافت سے ہوا۔ پہلی مرتبہ دسمبر 1918ء میں مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کی۔ 1937ء کے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لکھنؤ میں بھی شرکت کی۔ 23 مارچ 1940ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان کی بھرپور حمایت کی۔ 1946ء کے انتخابات کے وقت صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں پیر مانکی شریف کے ہمراہ شاندار خدمات پر قائداعظمؒ نے آپ کو فاتح سرحد کا خطاب دیا۔ تخلیق پاکستان کے بعد کراچی میں جامعہ تعلیمات اسلامیہ کے نام سے دینی درسگاہ قائم کی۔ آپ کی تصانیف میں اسلام کا معاشی نظام، اسلام کا زراعتی نظام اور فلسفۂ عبادات اسلامی مشہور ہیں۔

مہربانی میرے تمام خطوط نمبر 10 اورنگ زیب روڈ پر میری طرف سے آئندہ اطلاع ملنے تک بھیج دیں۔

باورچی کے بارے میں براہ مہربانی ہمارے پرانے باورچی کو رکھنے کو کوشش کیجئے یا پھر کسی اور کو رکھیے۔ مجھے امید ہے کہ 22 یا 23 تاریخ کو بمبئی میں ہوں گا، اور آپ کو ایک تار دے دوں گا۔

براہ مہربانی مجھے بتایئے کہ نئے بنگلے میں کیا ہو رہا ہے اور گھر کے بارے میں دیگر معلومات جو آپ فراہم کر سکیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

مسٹر عبدالحیٔ

معرفت ایم اے جناح

لٹل گبز روڈ مالا بار ہل بمبئی

الفنسٹن لاج میتھران

11 مئی 1940ء

مسٹر حیٔ!

جہاں تک مالیوں کا تعلق ہے اگر وہ آپ کی ہدایات نہ مانیں تو بہترین بات یہ ہے کہ انہیں برطرف کر دیں اور دیگر کسی ملازم کو رکھیں۔

جہاں تک پٹرول کا تعلق ہے آپ کو تین گیلن کی سپلائی مل سکتی ہے اور ایک میرا یہ خط اپنے اجازت نامے کے طور پر بمبئی گیراج کو دکھا سکتے ہیں۔ مجھے وہ چیک مل گئے ہیں جو مجھے بھیجے گئے اور وہ ٹھیک ہیں، دیگر چیک مجھے براہ راست مل گئے ہیں۔

براہ مہربانی مجھے غلام مستری کا پتہ بھیجیں میں نے لٹل گبز روڈ پر بنگلہ کرایہ پر دینے کے بارے میں کل ایک تار بھیجا ہے۔ اور مجھے ان کے جواب کا انتظار ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے گھر میں سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ براہ مہربانی مجھے لیکٹو پیپٹائن نامی دوا کی ایک بوتل بھیج دیجئے۔ یہ آپ کو میری ڈریسنگ ٹیبل پر میرے بستر کے قریب میرے کمرے میں ملے گی لیکن اگر آپ اسے تلاش نہ کر سکیں تو نہ بھیجیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

میتھران الفنسٹن لاج

14 مئی 1940ء

مسٹر حیٔ!

مجھے آپ کا 12 مئی کا خط مل گیا ہے۔ آپ 18 سے 15 دن کے لیے اپنی تجویز کے مطابق جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ اپنی جگہ پر کام کرنے کے لیے ایک شخص کا بندوبست کر دیں جو کاروں کا چارج لے کیونکہ جیسا کہ آپ کو توقع ہے 12 تاریخ کو مسٹر محمد یامین بمبئی پہنچ رہے ہیں۔

براہ مہربانی اپنی روانگی سے قبل مجھے لکھیں اور مطلع کریں کہ آپ نے کیا انتظامات کیے ہیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

الفنسٹن لاج میتھران

31 مئی 1940ء

مسٹر عبدالحیٔ!

مجھے آپ کا ٹیلی گرام ملا اور میں نے نوٹ کیا ہے کہ اگرچہ میں نے آپ کو بتا دیا تھا کہ میں آپ کو پندرہ دن سے زیادہ چھٹی پر اجازت نہیں دے سکتا اور آپ نے واضح طور پر مجھے یقین دلایا تھا کہ آپ کو زیادہ ضرورت بھی نہیں۔ آپ مجھ سے مزید پندرہ دن کی رخصت مانگ رہے ہیں۔

میں دس جون سے پہلے بمبئی واپس آ رہا ہوں، چنانچہ آپ سے کہتا ہوں کہ آپ فوراً بمبئی پہنچیں۔ اگر آپ واپس نہ ہوں اور 8 جون کو یا اس سے پہلے بمبئی نہ پہنچیں تو پھر مجھے نیا اہل

ڈرائیور رکھنا پڑے گا، کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی جگہ کام کرنے والے ڈرائیور کو جو آپ کا رشتہ دار بھی ہے بے حد بادل نخواستہ قبول کیا تھا اور آپ کی غیر موجودگی میں اسے صرف کاروں کی دیکھ بھال ہی سونپی گئی وہ ایک اچھا ڈرائیور نہیں اور بمبئی میں کاروں کے چلانے اور دیکھ بھال کرنے کے معاملے میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ میں امید کرتا ہوں کہ آپ زیادہ سے زیادہ 8 جون کو واپس آجائیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

عبدالحیٔ منشی

تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی اپیل پر مسلم لیگ کے لیے جنوبی افریقہ سے دو لاکھ پونڈ تحریک کے لیے دیے۔ منشی عبدالحیٔ لاہور میں پیدا ہوئے۔ یہیں تعلیم حاصل کی۔ 1935ء میں جب مسجد شہید گنج کے تنازعہ کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے تو منشی عبدالحیٔ ان کا استقبال کرنے والوں میں تھے۔ 1945ء میں جب مسلم لیگ کے لیے فنڈز جمع کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے اپیل کی تو منشی عبدالحیٔ نے اس وقت جوہانسبرگ سے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں دو لاکھ پونڈ جمع کر کے بھیجے۔ قیام پاکستان کے بعد منشی عبدالحیٔ نے مہاجرین کی بحالی اور آباد کاری کے لیے بھی اہم خدمات سرانجام دیں۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں قومی دفاعی فنڈ میں کثیر رقم مہیا کی۔ 1988ء میں انہیں تحریک پاکستان میڈل سے نوازا گیا۔

عبدالرب نشتر، سردار

قائداعظم کے معتمد ساتھی تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح ان پر بڑا اعتماد تھا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے کارکن تھے۔ کوئی خصوصی مشاورت ایسی نہ تھی جس میں شریک نہ ہوئے۔

(دیکھیے: نشتر، سردار عبدالرب)

عبدالرحمٰن، کرنل

قائداعظم محمد علی جناح کے پرنسپل فزیشن تھے۔ وہ 882 میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کلکتہ اور ایڈنبرا میں تعلیم مکمل کی ازاں بعد ریاست بھوپال میں چیف میڈیکل آفیسر رہے۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں قائداعظم محمد علی جناح کا پرنسپل فزیشن مقرر کیا گیا۔ نومبر 1951ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے انہیں اپنا ذاتی معالج مقرر کیا۔ انہوں نے 20 اپریل 955 میں کراچی میں انتقال کیا۔

عبدالرحمٰن، منشی

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں کتابیں لکھیں۔

1. قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ
2. کردار قائداعظم

منشی عبدالرحمٰن 1913ء میں ملتان میں پیدا ہوئے میٹرک تک تعلیم مکمل کی اور صحافت کے شعبے سے منسلک گئے۔

ملتان کے مشہور اخباروں آفتاب، بیدار، بے دھڑک، طوفان، ملتان پنچ کے علاوہ روزنامہ شمس ملتان، روزنامہ زمیندار، شہباز، آزاد اور نوائے وقت میں صحافتی خدمات انجام دیں۔

عبدالرحیم، خواجہ

قائداعظم محمد علی جناح نے جب لائل پور (فیصل آباد) کا دورہ کیا تو ان دنوں وہ لائل پور کے ڈپٹی کمشنر تھے۔ چنانچہ جلسہ عام میں جا کر وہ قائداعظم محمد علی جناح کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ انگریز حکومت نے اس بات پر انہیں اظہارِ وجوہ کا نوٹس دیا۔ انہوں نے کہا:

''میں نے یہ سب کچھ عقیدتاً کیا ہے۔''

تاہم ملازمت سے علیحدہ ہو گئے۔

خواجہ عبدالرحیم 1909ء میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کرنے کے بعد کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ بار ایٹ لاء کرنے کے بعد آئی سی ایس کا امتحان پاس کیا، اور انڈین سول سروس کے رکن بنے۔ علامہ اقبال سے بھی ان کی ملاقاتیں رہیں۔

قیام پاکستان کے بعد راولپنڈی ڈویژن کے کمشنر اور بعد ازاں محاذ آزادی کشمیر کے انچارج بنا دیے گئے۔ انہوں نے باؤنڈری کمیشن میں سیکرٹری کی حیثیت سے کام کیا۔ پنجاب کے چیف سیکرٹری بھی رہے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد حسین شہید سہروردی کے ساتھ مل کر کام کیا۔ 1946ء میں مرکزی مجلس اقبال کے صدر بنے۔

ان کا انتقال 5 نومبر 1974ء کو لاہور میں ہوا۔

عبدالرحیم، سر

مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس دسمبر 1925ء میں علی گڑھ میں منعقد ہوا اس اجلاس میں ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں کے سلسلے میں ایک قرارداد پیش کی۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح بھی موجود تھے۔ ووٹنگ کے لیے جب قرارداد کو پیش کیا گیا تو اجلاس کی صدارت سر عبدالرحیم کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں ہندوؤں سے علیحدگی اختیار کرنے کی ترغیب دی، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے کوئی اثر قبول نہ کیا، بعدازاں جب نواب مزمل اللہ خان کی رہائش گاہ پر ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مرکزی و صوبائی اسمبلیوں میں مسلم پارٹی بنانے کی تجویز پیش ہوئی تو سر عبدالرحیم نے بھی اس تجویز سے اتفاق کیا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی شرکت کے بغیر انہوں نے اس تجویز کو ناقابل عمل قرار دے دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 20 مارچ 1927ء کو جب میثاق لکھنؤ میں ترمیم و تنسیخ کر کے ملک میں مخلوط انتخابات کرانے کی تجویز پر غور کرنے کے لیے ہندوستان کے تیس سر بر آوردہ اور مختلف الخیال مسلمان رہنماؤں کو دہلی کے ویسٹرن ہوٹل میں مدعو کیا تو سر عبدالرحیم نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی۔

سر عبدالرحیم 1867ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مڈل ٹمپل لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ وطن واپسی پر کلکتہ ہائی کورٹ میں بطور ایڈووکیٹ رجسٹرڈ ہوئے، بعدازاں کلکتہ میں پریذیڈنسی میں مجسٹریٹ اور مدراس ہائی کورٹ میں جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1920ء تا 1925ء حزب اختلاف کے رہنما رہے۔ 1935ء میں انڈین لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1925ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جو سالانہ اجلاس علی گڑھ میں منعقد ہوا۔ اس کی صدارت کے فرائض انجام دیے۔

حکومت برطانیہ نے انہیں سر کا خطاب بھی دیا۔ سر عبدالرحیم نے 1948ء میں وفات پائی۔

عبدالرشید خان

بلوچستان سے تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن تھے۔ انہوں نے نئی دہلی میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کے بعد

مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور بلوچستان مسلم لیگ کے سرپرست اعلیٰ رہے۔ جب حکومت برطانیہ کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک قائداعظم محمد علی جناح کے حکم پر مسلم لیگ نے چلائی تو عبدالرشید خان نے قائداعظم محمد علی جناح کے فرمان پر لبیک کہتے ہوئے بلوچستان سے سب سے پہلے اپنے خان بہادر اور دوسرے خطابات وغیرہ حکومت برطانیہ کو واپس کر دیے۔ انہوں نے تحریک پاکستان میں بھی نہایت اہم کردار ادا کیا، اوران کی اوران کے دوستوں کی کوششوں سے بلوچستان پاکستان میں شامل ہوا۔ عبدالرشید خان 1885ء میں نصیرآباد سب ڈویژن میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے کوئٹہ میں تعلیم پائی۔ متعدد گولڈ میڈل حاصل کیے۔ ساری عمر سرکاری ملازمت کی۔ آخری عہدہ ڈپٹی سیکرٹری کا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح جب کوئٹہ تشریف لائے تو ان کا خیر مقدم کرنے والوں میں وہ پیش پیش تھے۔

عبدالرشید خان کی خدمات کا اعتراف سبی دربار منعقدہ 1948ء میں کیا گیا۔ قیام پاکستان سے پہلے جب فسادات ہوئے تو انہیں بلوچستان امن کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ 1947ء میں جموں کشمیر کی ریاست کی آزادی کے سلسلے میں انہیں بلوچستان کشمیر ریلیف کمیٹی کا صدر بنایا گیا۔ وہ بارہ سال تک جہاد کشمیر اور امدادی کاموں میں حصہ لیتے رہے۔ 1930ء میں کوئٹہ میں یتیم خانہ قائم کیا اور 1935ء کے زلزلے میں تعمیر نو میں حصہ لیا۔ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہے۔ 1938ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ وہ اے آر سی بلوچستان کے عہدے پر فائز تھے۔ جس کی منشا کے بغیر کوئی تقرر و تبادلہ کسی محکمہ میں نہیں ہوسکتا تھا۔ اسی بنا پر غیر مسلم ان کو اورنگ زیب ثانی کہتے تھے۔ ہندو اور سکھ انہیں اورنگا کے نام سے پکارتے تھے۔ انجمن اسلامیہ بلوچستان سے منسلک رہے اور بعدازاں اس کے سیکرٹری جنرل، نائب صدر اور صدر ہوئے۔ ان کا انتقال 14 اپریل 1962ء کو ہوا۔

عبدالرشید، سرمیاں

وہ پاکستان کے پہلے چیف جسٹس تھے۔ پاکستان کی نئی آزاد مملکت میں سب سے سینئر جج کی حیثیت سے انہیں 15 اگست 1947ء کو کراچی میں پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح سے حلف لینے کا اعزاز حاصل ہوا۔

عبدالرشید، کیپٹن

قائداعظم محمد علی جناح نے کیپٹن عبدالرشید (آزاد ہند فوج) کو دی گئی سزا کو امتیازی سلوک قرار دیا اور کہا:

"میری رائے میں ٹریبونل نے کیپٹن عبدالرشید کو شدید زخم پہنچانے کے الزام میں غلط سزا دی ہے۔ یہ بات ہر ایک کو معلوم ہے کہ شدید زخم پہنچانا قتل اور اعانت قتل کے الزامات سے کم خطرناک جرم ہے۔ اب عوام کے سامنے مسئلہ یہ ہے کہ عبدالرشید کو رہا کیا جائے اور اگر ہند فوج کے افسروں اور سپاہیوں کے خلاف مقدمات چلانے کی پالیسی کو فوراً ختم کر دیا جائے تو ملک بھر میں جو تلخی اور اشتعال پھیل چکا ہے اس میں اضافہ کرنے کا خواہاں نہیں ہوں۔ صرف کلکتہ میں 44 معصوم جانیں تلف ہوچکی ہیں اور تقریباً 700 اشخاص زخمی ہوئے۔

میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ دہلی سے لے کر کلکتہ تک ہر کہیں کیپٹن عبدالرشید کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھے جانے پر میں نے عوام کی آنکھوں میں خون اترا ہوا دیکھا۔ ہر ایک شخص اس کی سزایابی پر غم و غصے سے بھرا ہوا ہے۔ یہ توقع بالکل عبث ہے کہ حکومت کی

یہ کارروائی بہت جلد فراموش کردی جائے گی۔''

عبدالرؤف شاہ، سر

وہ سی پی سے لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن تھے، 23 مارچ 1940ء کو جب قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں اجلاس منعقد ہوا اور قرار داد لاہور پیش کی گئی تو انہوں نے اہل سی پی کی نمائندگی کرتے ہوئے اس قرارداد کی بھرپور حمایت کی۔

عبدالرؤف، مولانا

7 ستمبر 1920ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں قائداعظم محمد علی جناح کی زیرِ صدارت منعقد ہوا تو مولانا عبدالرؤف نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کا استقبال کیا اور حاضرین کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔

عبدالستار اسحٰق سیٹھ، حاجی

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھی تھے اور تحریک پاکستان کے سرگرم رکن بھی۔ عبدالستار اسحٰق 1886ء میں کیرالہ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ مالا بار سے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کی حمایت میں روزنامہ ہند نکالا۔ قائداعظم محمد علی جناح ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور اس عزت و احترام کے باعث انہیں اپنی مجلس عاملہ میں سال بہ سال نامزد فرماتے رہے اور جب حصول آزادی کے بعد مملکت خداداد پاکستان کو ان کی خدمات کی ضرورت ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح کے ایک تار کے جواب میں اپنا تمام مالی اثاثہ اور املاک چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔

سیٹھ عبدالستار اسحٰق نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز آل انڈیا مسلم لیگ سے کیا اور آخری دم تک قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھی کی حیثیت سے زندہ رہے۔ وہ بلڈ پریشر کے عارضہ میں مبتلا تھے اور دو سال تک جناح ہسپتال میں زیر علاج رہنے کے بعد 31 مئی 1988ء کو کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر 102 برس تھی۔

عبدالستار خان نیازی

1936ء مین عبدالستار خان نیازی نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے صدر کی حیثیت سے خلافت پاکستان کا نقشہ پیش کیا تھا۔ 1939ء میں خلافت پاکستان سکیم پیش کی۔ 1940ء میں اسلامیہ کالج کے ہال میں خلافت پاکستان کانفرنس منعقد کی۔

عبدالستار خان نیازی یکم اکتوبر 1915ء کو پنیالہ (اٹک) میں پیدا ہوئے۔ 1933ء میں تحصیل عیسیٰ خیل سے میٹرک پاس کیا، پھر اشاعت اسلام کالج سے قرآن، حدیث، فقہ، سیرت النبی، تاریخ اسلام، مذاہب کے تقابلی مطالعہ اور دیگر اسلامی فتاویٰ میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا فقیر قادر بخش (پپلاں شریف) سے بے حد متاثر تھے، چنانچہ ان کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی۔

1936ء میں عبدالستار خان نیازی نے مجلس اصلاح قوم کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ 1938ء میں لاہور سے بی اے کیا اور اپنے چند ساتھیوں کے تعاون سے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کی۔ وہ اس کے صدر رہے۔ مولانا عبدالستار خان نیازی ایم اے کرنے کے بعد سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہو گئے۔ 1945ء میں ''پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا'' نامی کتاب لکھی۔ تحریک ختم نبوت 1953ء اور 1974ء میں بھرپور حصہ لیا۔ پہلی تحریک میں انہیں سزائے موت بھی ہوئی۔ 1988ء میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب

ہوئے۔ جمعیت علمائے پاکستان کے جنرل سیکرٹری رہے۔

مولانا عبدالستار خان نیازی نے 16 مئی 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو لاہور سے خط لکھا۔ جس میں انہوں نے پنجاب میں مسلم لیگ کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس خط کے جواب میں اوٹا کمنڈ سے 29 مئی 1941ء کو خط لکھا۔ اس میں انہوں نے مولانا عبدالستار خان نیازی سے کہا:

''آپ اپنے صوبے میں اپنا کام تندہی سے جاری رکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو کامیابی ہوگی۔''

6 جون 1941ء کو لاہور سے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھا۔ جس میں انہوں نے ایسٹرن ٹائمز کا تراشا بھی بھیجا جس میں انہوں نے لائل پور (فیصل آباد) کے جلسے کی روداد بیان کی۔ 14 جون 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس خط کا جواب دیا اور لکھا:

''آپ کے بمبئی پہنچنے کے لیے کون سی تاریخ زیادہ بہتر ہوگی۔''

22 جون 1941ء کو مولانا عبدالستار خان نیازی نے عیسیٰ خیل سے قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا۔ جس میں انہوں نے لکھا:

''ضلع مسلم لیگ کے قیام کے سلسلے میں راہ ہموار ہو گئی ہے۔''

14 جولائی 1941ء کو مولانا عبدالستار نیازی نے قائداعظم محمد علی جناح کو خط کا جواب دیا۔ ازاں بعد 23 جولائی 1941ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا عبدالستار خان نیازی کو خط لکھا۔ ازاں بعد بھی خط وکتابت جاری رہی۔ یہاں صرف چند خطوط درج کیے جا رہے ہیں۔

لاہور

16 مئی 1941ء

جناب قائداعظم!

السلام علیکم!

ہمارے پاکستان سیشن اور دیہی نشر و اشاعت کمیٹی کے دستور کی منظوری کو تقریباً اڑھائی مہینے ہو رہے ہیں۔ ہم 1939ء میں جب ہم نے لیگ کی دستوری کمیٹی کو پاکستان خلافت اسکیم پیش کی تھی میں پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا صدر تھا اور ہماری کوششوں کے باوجود جب 1940ء میں لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تو آپ کو ہم سے دور رکھا گیا۔ ہمیں بڑی مسرت ہوئی کہ اب 1941ء میں ہم نے اپنے درمیان آپ کو پایا۔ اگر ہم نے پچھلے مارچ سے اب تک کے درمیانی عرصے میں آپ کو کوئی اطلاع نہیں دی تو اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ہم ایسے عناصر کے درمیان گھرے ہوئے تھے جو لیگ کی تنظیم کو اپنے لیے موت کا باعث سمجھتے تھے۔ ایسی لیگ جو ان لوگوں کے ہاتھوں میں آلہ کار نہ بن سکے، اور آپ کے سامنے جواب دہ ہو۔ ان لوگوں نے ہمیں بہلانے اور پھسلانے کی بہت کوشش کی، روکنا چاہا، دھمکیاں دیں اور ہر قسم کا لالچ دے کر اور ہر قسم کا خوف پیدا کر کے دیکھ لیا۔ اب جب وہ ناکام ہو چکے ہیں تو بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ کو سول اینڈ ملٹری گزٹ کے اس تراشے سے بخوبی ہوگا جو اس خط کے ساتھ منسلک ہے۔ جن صاحب نے ہمیں نیم تعلیم یافتہ کہا ہے یہی صاحب کچھ دنوں پہلے ہمارے بچاؤ کے لیے مضطرب تھے۔ دس بارہ مرتبہ انہوں نے ہمیں مختلف لوگوں کے ساتھ چائے پر بلایا۔ بہت عمدہ چائے پر، اس وقت ہم ان کے لیے اپنی ملت کو بھول چکے تھے۔ ہمارے کاندھوں پر بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ ان کے بیان کے مطابق سر سکندر حیات خاں وزیراعلیٰ پنجاب نے خود انہیں مقرر کیا تھا، کہ وہ ہمیں یہ بتائیں کہ وزیراعلیٰ پنجاب بے چین ہیں کہ کہیں یہ زہر آلود فرقہ وارانہ پروپیگنڈہ پانچ دریاؤں کی خوبصورت

سرزمین کو ناپاک نہ کر دے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں بھی ڈھاکہ اور بمبئی کی طرح فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم کو کوئی نقصان پہنچا دیں۔ پہلے ہم بہت قابل تعریف نوجوان تھے۔ ہماری زندگی قوم کے لیے بہت قیمتی تھی اور اب ہم ان کے خیال میں نیم تعلیم یافتہ اور سماج کے ٹھکرائے ہوئے لوگ ہیں۔ مگر سرمایہ کی کمی ہمارے لیے ان سب باتوں سے زیادہ اہم ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں عوام سے چندہ جمع کرنے کے لیے ایک وسیع تنظیم چاہئے اور نشرواشاعت دونوں کے لیے پہلے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اس صوبے میں پڑھے لکھے لوگ اتنے مالدار نہیں اور نہ وہ اس وقت تک اپنی شناخت پوری طرح لیگ کے ہاتھ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جب تک کہ انہیں اس بات کا یقین نہ ہو جائے کہ یہ یونینسٹ لیگ نہیں ہے مسلم لیگ ہے۔ اس کے لیے ہمیں پہلے اپنی نشرواشاعت کی مہم میں کامیابی حاصل کرنا ہے، اور اس کے لیے بھی سرمایہ کی ضرورت ہے۔ پس ہمارے ساتھ وہی لوگ ہیں جن کے کچھ مفاد بھی ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ اس پر توجہ دے رہے ہیں، لیکن ہماری مشکلات واضح ہیں۔ انوار احمد صدیقی صاحب نے جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مسلم لیگ کے سیکریٹری ہیں مجھ سے کہا کہ آپ نے اس سے فرمایا ہے کہ اگر پنجاب کے کسی ضلع میں لیگ کی ایک مثالی شاخ قائم ہو جائے تو آپ ہمیں مزید سرمایہ مہیا کر سکتے ہیں۔

ہم اس تجویز پر آپ سے ذاتی طور پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں اور ایسی صورت حال پر بھی جو برسر اقتدار پارٹی کے مخالفانہ رویہ کے نتیجے میں پیدا ہو سکتی ہے۔ موجودہ مالی صورت حال کے پیش نظر ہمارے لیے یہ بات زیادہ آسان ہوتی اگر آپ سے ہم پنجاب کے قریب ہی کہیں ملاقات کر سکتے۔ بہر حال کسی صورت میں بھی ہم دیر نہیں چاہتے۔ کئی دنوں تک ہمیں آپ کی صحت کے بارے میں تشویش رہی۔ خدا آپ کو آپ کے مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

فتح ونصرت اور مستقبل اسلام کے ساتھ ہے۔

آپ کا مخلص

محمد عبدالستار نیازی

اوٹا کمنڈ

29 مئی 1941ء

ڈیئر سر!

مجھے آپ کا 16 مئی کا خط ملا۔ شکریہ۔ میں اپنی صحت کے بارے میں آپ کی تشویش کے لیے ممنون ہوں۔ اطلاع کے لیے تحریر کر رہا ہوں کہ اب خدا کے فضل سے میں بالکل ٹھیک ہوں۔

مجھے آپ سے اور آپ کے رفقائے کار سے مل کر بڑی خوشی ہوگی، مگر میرا موجود پروگرام یہ ہے کہ جون کے پہلے ہفتے تک مجھے بمبئی واپس پہنچنا ہے اور کچھ عرصے کے لیے پنجاب کے قریب کسی مقام تک جانے کا موقع ملتا ہوا نظر نہیں آتا۔

میں نے آپ کا خط بڑی احتیاط سے پڑھا ہے۔ مجھے آپ کی مشکلات کا احساس بھی ہے، لیکن ان سے آپ کی ہمتیں پست نہیں ہونی چاہئیں۔ واقعی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ مجھ سے آ کر ملنے کے سلسلے میں غیر ضروری خرچ اور تکلیف کیوں اٹھانا چاہتے ہیں اور اگر آپ کے پاس کوئی قطعی تجویز ہے تو میرے سامنے رکھ سکتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو میرا مشورہ بھی لے سکتے ہیں۔ میرے خیال میں مجھے یہ بات صاف طور پر نظر آتی ہے کہ آپ کی مدد کے لیے چاہے وہ روپیہ پیسوں کے سلسلے میں ہو یا کسی اور سلسلے میں بنیادی طور پر اپنے صوبے پر انحصار کرنا چاہئے اور کام تندہی سے جاری رکھنا چاہئے عزم و ارادے کے ساتھ۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو کامیابی ہوگی اور اس طرح آپ مشکلات پر بہت جلد فتح پا لیں گے۔ جتنا کہ آپ سوچ رہے ہیں، بشرطیکہ آپ اپنا کام پرسکون

طور پر تندہی کے ساتھ اور انکسار کے ساتھ جاری رکھیں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

لاہور

6 جون 1941ء

جناب قائداعظم!

السلام علیکم! میں 16 مئی کو پہلے ہی ایک خط آپ کی خدمت میں روانہ کر چکا ہوں، لیکن اب تک آپ کا جواب نہیں ملا۔ ہم بڑی شدت سے آپ کے جواب کا انتظار کر رہے ہیں، لیکن اس دوران ہم خاموش نہیں بیٹھے کچھ کرتے رہے ہیں اور ہم نے کچھ ابتدائی کام کر لیا ہے۔

➊ سب سے پہلے تو یہ کہ لائل پور میں پاکستان پروپیگنڈہ کمیٹی کی مقامی شاخ کی بنیاد رکھ دی ہے۔ ہم نے ایک جلسہ عام بھی کیا تھا۔ ایسٹرن ٹائمز لاہور کا تراشہ آپ دیکھ سکتے ہیں۔ جون کے تیسرے ہفتے میں ایک پاکستان کانفرنس منعقد کی جائے گی نواب بہادر یار جنگ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کی صدارت کریں گے۔

➋ 30 مئی کو لاہور میں پاکستان دیہی نشر و اشاعتی مہم کے سلسلے میں ایک بڑا جلسہ ہوا۔ اس کی تفصیلات روزنامہ احسان اور سول اینڈ ملٹری گزٹ کے منسلکہ تراشوں میں درج ہیں۔

➌ 20 جون سے ہم لوگ خود نشر و اشاعت کی ایک وسیع اور شدید مہم شروع کر رہے ہیں۔ شدید کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ لیگ کی اصلاح ہو سکے اور وسیع کا مطلب یہ ہے کہ جہاں لیگ نہیں ہے وہاں لیگ کی شاخیں قائم کی جائیں۔

اخباروں کے تراشوں میں آپ ہر جگہ دیکھیں گے کہ ہماری کوشش یہی رہی ہے کہ ہم آپ کے ہاتھ مضبوط کریں کیونکہ آپ ہی آل انڈیا مسلم لیگ کے امین اور سربراہ ہیں۔ ہمیں آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ ہماری درخواست پر جو پچھلے خط میں ہم نے آپ سے ہمارے وفد کے لیے ذاتی انٹرویو کے سلسلے میں کی تھی جب بھی آپ کے لیے آسانی ہوگی غور فرمائیں گے۔

آپ کا مخلص

محمد عبدالستار نیازی

بمبئی

14 جون 1941ء

جنابِ من!

مجھے آپ کا 6 جون کا خط ملا اور مجھے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ آپ کے 16 مئی کے خط کے جواب میں میں نے جو 29 مئی کو خط لکھا تھا وہ آپ کو اب تک نہیں ملا۔

بہر حال میں اس خط کی ایک نقل آپ کی اطلاع کے لیے بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ میرے خط پر غور کرنے کے بعد بھی مجھ سے ملنے کے خواہشمند ہیں تو میں آپ کو خوش آمدید کہوں گا۔ براہِ کرم مجھے مطلع کیجیے کہ آپ کے بمبئی پہنچنے کے لیے کون سی تاریخ زیادہ بہتر ہوگی۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

عیسیٰ خیل

22 جون 1941ء

جناب قائداعظم السلام علیکم!

مجھے آپ کے دونوں خط یعنی 29 مئی اور 14 جون کے لکھے ہوئے ملے۔ مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں چونکہ پندرہ دن لاہور سے باہر تھا اس لیے خط کے جواب جلد نہیں دے سکا۔ اس درمیانی عرصے میں اپنے ضلع کے دورے میں مشغول رہا۔ خاص طور پر ان علاقوں میں جہاں ابھی ابتدائی کام بھی نہیں ہوا ہے مجھے امید ہے کہ تھوڑے عرصے میں ضلع مسلم لیگ قائم ہو جائے گی۔

میں آج ہی اپنے گھر لوٹا ہوں اور مجھے آج ہی آپ کے خط ملے ہیں۔ میں نے آپ کا 29 مئی کا خط بڑی احتیاط سے پڑھا ہے اور میں ذاتی طور پر مطمئن ہوں کہ مجھے لکھ کر آپ کے مشوروں سے فائدہ اٹھانا چاہیے، لیکن بعض معاملات میں خط و کتابت کافی نہیں ہوتی۔

میں جولائی کے پہلے ہفتہ میں لاہور واپس آؤں گا اور اپنے رفقائے کار سے مشورہ کرنے کے بعد اپنے آخری فیصلے سے مطلع کروں گا۔

آپ کا مخلص

محمد عبدالستار خان نیازی

عبدالستار خیری

علی گڑھ یونیورسٹی کے طالب علم تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں 8 نومبر 1944ء کو ایک خط تحریر کیا جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے اس اعتماد کا اظہار کیا کہ اگر ہم نے متحد ہو کر اپنی کوششیں جاری رکھیں تو ہم ایک دن پاکستان کی صورت میں اپنی منزل کو پا لیں گے، اس خط کے علاوہ بھی قائداعظم محمد علی جناح نے متعدد خطوط تحریر کیے اس خط کا متن یہ ہے۔

10 اورنگ زیب روڈ

نئی دہلی

8 نومبر 1944ء

مائی ڈیئر مسٹر خیری!

میں آپ کے 29 اکتوبر کے تحریر کردہ خط کے لیے بے حد مشکور ہوں مجھے خوشی ہے کہ اب آپ ایک آزاد فرد ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کو کیوں نظر بند رکھا گیا تھا لیکن آپ کو تو علم ہے کہ میں ہمیشہ سے بغیر کسی قانونی چارہ جوئی کے کسی شخص کی آزادی چھین لینے کا سخت مخالف ہوں۔

مجھے خوشی ہے کہ آپ خیریت سے ہیں اور بے شمار امیدوں کے ساتھ مسلم انڈیا کی بہتری کے لیے کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ ہمارے راستے میں لاتعداد رکاوٹیں ہیں، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم نے شاندار ترقی کی ہے اور لاکھوں افراد کی حمایت اور ہمدردیاں ہمیں حوصلہ فراہم کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر ہم اتحاد و تنظیم کی روح سے بہرہ ور ہو کر کام کریں تو مجھے یقین ہے کہ ہم اپنی منزل پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

عبدالستار خیری 1886ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انہوں نے علی گڑھ میں داخلہ لیا لیکن وہاں سے قاہرہ چلے گئے اور وہاں جامعہ الازہر میں داخلہ لے لیا۔ وہاں مفتی محمد عبدہ کے درس میں شرکت کا موقع ملا۔ انگریزی تعلیم کے لیے امریکن کالج بیروت (لبنان) میں داخل ہوئے۔ عیسائیوں کے متعصبانہ رویے کے باعث انہوں نے بیروت میں 1909ء میں اسلامی دارالعلوم قائم کیا۔

جنگ عظیم اول میں ترکی آ کر ایک تنظیم ہند اخوت الاسلامی انجمن قائم کی اور اس کے دو سال بعد ایک اردو ہفت روزہ اخوت نکالا۔ 1917ء میں سوشلسٹ انٹرنیشنل کانفرنس بمقام اسٹاک ہوم میں شرکت کی۔ 1937ء میں ہندوستان آ کر ایک ماہنامہ اسپرٹ آف دی ٹائم جاری کیا، اور پھر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جرمن اور فرانسیسی زبان کے استاد مقرر ہوئے۔ انہوں نے ڈیڑھ دو ن جیل اور جھانسی سے قائداعظم محمد علی جناح سے خط و کتابت کی۔ ستمبر 1945ء میں رہائی کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ (قائداعظم خطوط کے آئینے میں)

عبدالستار خیری قائداعظم مراسلت

ڈیرہ دون جیل

7 نومبر 1940ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ عید کے دن کی آپ کی تقریر بہت پسند آئی۔ دیگر نام نہاد مسلم رہنماؤں کی تقاریر اور آپ کی تقریر میں زمین آسمان کا فرق تھا، خدا گواہ ہے جناح صاحب آپ میری محبوب شخصیت ہیں۔ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ آپ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ ہم اقلیت نہیں ہیں۔ اس ملک کے لیے ہم نام نہاد جمہوری پارلیمانی طرزِ حکومت پر یقین نہیں رکھتے، ہم ایک قوم ہیں۔ چنانچہ ہماری اپنی حدود اور اپنا ملک ہونا چاہئے۔ ان الفاظ اور اس سچائی نے مجھے خوشی سے پاگل کر دیا ہے۔ اس قید تنہائی نے جہاں مجھے آزادی سے محروم کر دیا ہے آپ نے اپنے الفاظ میں مسلم لیگ کے حقیقی موقف کی ترجمانی کر دی ہے۔ ہندوستان کے ہر مسلمان کو یہ محسوس کرنا چاہیے۔ جاننا چاہئے اور اس موقف کے لیے جدو جہد کرنا چاہئے۔ کیا یہی موقف میرے اخبار، آپ کے اخبار اسپرٹ آف دی ٹائم کا مستقل موضوع نہیں تھا؟ کیا علی گڑھ میں ان الفاظ کی بازگشت سنائی نہیں دیتی۔ جناح صاحب علی گڑھ سے بے توجہی مت اختیار کیجئے۔ مجھے معلوم ہے آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں دوسروں کی نسبت زیادہ جانتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ آپ علی گڑھ سے بے توجہی نہیں برت سکتے لیکن میں نے اڑتی ہوئی خبر سنی ہے کہ وہاں کانگریسیوں، کمیونسٹوں اور ملحدوں نے پھر سر اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ یہ اطلاع مجھے کسی اور نے نہیں بلکہ مسلم یونیورسٹی وارڈ مسلم لیگ کے صدر ڈاکٹر عابد نے تحریراً دی ہے۔ رجسٹرڈ گریجویشن کے حلقہ انتخاب میں کورٹ کا گزشتہ الیکشن آپ کے اس خادم نے کروایا تھا۔ جس میں زبردست مخالفت کے باوجود سو فیصد کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں آئندہ الیکشن کے سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں، موسم بہار میں متوقع آئندہ الیکشن لیے حلقہ انتخاب میں نئے اراکین کے ناموں کا اندراج 15 دسمبر 1940ء تک ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں موجودہ وائس چانسلر سر سلیمان کی معیاد بھی اپریل 1941ء میں ختم ہو جائے گی۔ ہمیں ابھی سے نئے وائس چانسلر کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہئے۔ اگر صاحب زادہ صاحب کو اس مرتبہ کے لیے مختص کر دیا جائے، تو کیا کہنے وگرنہ کانگریسیوں، کمیونسٹوں اور ملحدوں سے مقابلہ کرنے کے لیے ڈاکٹر سر ضیاء الدین سے بہتر ہم کو کوئی دوسرا شخص نہیں ملے گا۔ یہ بات میں نہایت غور و خوض، تمام امکانات کا جائزہ لینے کے بعد بغیر کسی بغض کے دل و دماغ کی تمام تر سچائی کے ساتھ کہہ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ وہ چونکہ یونیورسٹی کی صورت حال سے پوری طرح واقف ہیں اس لیے مشکل حالات میں یونیورسٹی کے لیے بہترین آدمی ثابت ہوں گے۔ جب کہ دوسرا شخص ان حالات میں ناکام ہو سکتا ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ ڈاکٹر ضیاالدین میں بہت سی خامیاں اور خرابیاں ہیں اور یہ کس میں نہیں ہوتی ہیں۔ ہم کو زیادہ اہم اور بنیادی چیزوں کے تحفظ کے لیے غیر ضروری امور کو نظر انداز کرنا پڑے گا۔ مجھے سر ضیاالدین سے اس معاملے پر گفتگو کرنا ہوگی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ تیار ہیں یا نہیں۔ آپ ان کو حکم دے سکتے ہیں مجبور کر سکتے ہیں آپ کا کہنا ماننا پڑے گا اور آپ کا کہا کرنا ہوگا۔

میں یونیورسٹی کورٹ میں اپنی جدو جہد اس وقت تک جاری رکھوں گا جب تک کہ مسلم یونیورسٹی کورٹ سے کانگریسیوں کمیونسٹوں یا ملحدوں کا بالکل خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ جیل میں کانگریسی رہنماؤں کے ساتھ میرے تجربے نے مجھے بلند حوصلہ کر دیا ہے۔ میں نے ان کی سچائی اور عدم تشدد کے اصول دیکھ



مولانا عبدالستار خان نیازی

2002-1915

آپ ایک شعلہ بیان مقرر، بہت بڑے عالم اور تحریک پاکستان کے معروف اور سرگرم کارکن تھے۔ آپ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے تیسرے صدر کی حیثیت سے قابل ذکر خدمات انجام دیں 1938ء میں ضلع مسلم لیگ میانوالی کی بنیاد رکھی اور اس کے کنوینیر اور پھر صدر مقرر ہوئے 1942ء میں آپ صوبائی مسلم لیگ کونسل اور آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن چنے گئے۔ آپ نے 1946/45 کے انتخابات کے دوران اہم کردار ادا کیا۔ قائداعظمؒ نے آپ کی خدمات کو سراہا۔

لیے ہیں۔ میں نے ان عظیم کانگریسی رہنماؤں کو غریب قیدیوں پر تشدد کرتے اور گالیاں دیتے دیکھا ہے۔ جناح صاحب بے بنیاد انسان مضبوط گھر تعمیر نہیں کر سکتے۔ ریاکاری زیادہ عرصہ پوشیدہ نہیں رہتی۔ میں مسلم لیگ کے پروگرام کے بارے میں بہت پرامید ہوں لیکن ہم کو اپنی ہائی کمان میں مخلص افراد رکھنا ہوں گے۔ ایک مضبوط زنجیر کے لیے کڑی کا مضبوط ہونا بھی ضروری ہے۔ میں یونیورسٹی اور مسلم لیگ کے لیے اپنے کام سے مطمئن ہوں، اور مزید بہتری کی امید رکھتا ہوں۔

آج کل میں بہت بلند حوصلہ ہوں۔ جناح صاحب یاد رہے کہ آپ اور میں لیگ کے سب سے زیادہ نوجوان اراکین میں شمار ہوتے ہیں، اور ہم اس وقت تک بوڑھے نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارا کام ختم نہیں ہو جاتا۔ ہم ماضی کی بات نہیں کرتے۔ سوائے ان بنیادوں کے جس کے منصوبوں پر ہم اپنا حال اور مستقبل تعمیر کریں گے۔ اگر برطانوی حکومت ہمارے منصوبوں کی تکمیل میں مدد دے گی تو ہم بھی بخوشی اس سے تعاون کریں گے، لیکن ہم صرف خدا کے بندے ہیں اور ہر قسم کی مدد کے لیے اس سے رجوع کرتے ہیں اس لیے ہمارے قدم آگے کی طرف بڑھتے جائیں گے۔ ہمیشہ خدا پر اس بھروسہ کے ساتھ کہ وہی مدد کرنے والا ہے۔

آپ کا مخلص اور وفادار

محمد عبدالستار خیری

نوٹ: میں نے اس سے پہلے بھی آپ کو دو خط ارسال کیے تھے میں تو اس وقت بھی جواب کا منتظر نہیں تھا اور نہ اب ہوں۔ اگر ہو سکے تو کسی سے اتنا کہہ دیں کہ مجھے بذریعہ کارڈ مطلع کر دے کہ میرے خط آپ تک پہنچ رہے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ پچھلے خط آپ تک پہنچے یا نہیں۔ یا وہ پوسٹ بھی کیے گئے؟

ڈسٹرکٹ جیل ڈیرہ دون (یوپی)

منگل 12 اگست 1941ء

8 بجے شب

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

مجھے آپ کی قیادت پر پورا پورا بھروسہ ہے۔ مسلم لیگ گزشتہ تین برس میں جو اہمیت حاصل کر چکی ہے۔ اس کا اعتراف نہ کرنے والا کوئی بے وقوف ہی ہوگا۔ جس نوع کے لوگوں کی قیادت آپ کر رہے ہیں اس کے باوجود ہماری پیش رفت مسلسل جاری ہے، اور وہ بھی نہایت تیزی کے ساتھ اگرچہ مسٹر ایمری نے اپنی تازہ ترین تقریر میں اس اسکیم پر جسے اپنی انتہائی شکل میں نام نہاد پاکستان اسکیم کہا گیا ہے ان اعتراضات کا ذکر کیا جو (بقول ان کے) ناقابل تردید ہیں۔ پھر بھی میں اس بیان کو حوصلہ افزا سمجھتا ہوں۔ ان کی تقریر میں اس سے کہیں زیادہ حوصلہ افزا باتیں موجود ہیں، بالآخر انہوں نے برطانوی پارلیمانی نظام کو ہندوستان کے لیے غیر موزوں قرار دے کر مسترد کر دیا ہے پھر لگتا ہے کہ انہیں یہ بھی یقین ہے کہ کانگریس کو شاید کبھی حکومت ہندوستان میں وہ طاقتور حیثیت حاصل نہیں ہو سکے گی، جو اسے اب تک مردہ آئین کے تحت حاصل تھی، تاہم سیاست میں کوئی چیز حتمی نہیں ہوتی۔ وہ مسٹر ایمری ہوں یا مسٹر چرچل یا کوئی اور کوئی بھی ہماری جنگ نہیں لڑے گا۔ ہم کو اپنے طور پر اپنے مسائل حل کرنا ہوں گے اور مجھے امید ہے کہ آپ کی قیادت میں ہم ایسا کر سکیں گے۔

قائداعظم بنام عبدالستار خیری

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل

بمبئی

27 اگست 1941ء

مسٹر خیری!

آپ کا خط مورخہ 14 اگست مجھے ملا۔ بہت بہت شکریہ آپ نے اپنے خط میں مختلف تجاویز پیش کی ہیں۔ میں یقیناً ان پر نہایت احتیاط سے غور کروں گا۔ والسلام

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

عبدالستار خیری بنام قائداعظم

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

29 اکتوبر 1944ء

ڈیئر مسٹر جناح!

شانتی۔ آپ کو صرف یہ اطلاع دینا ہے کہ میں علی گڑھ واپس آ گیا ہوں۔ آپ نے میری نظر بندی کے ابتدائی ایام میں جو کچھ میری رہائی کے لیے کیا اس کے لیے میں آپ کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ کسی کی بھی کوششیں بار آور ثابت نہ ہوئیں کیونکہ اللہ کو یہی منظور تھا۔ میں جانتا ہوں کہ حکومت بھی مجھے رہا نہ کرے گی۔ اگرچہ اس نے متعدد بار کوشش کی لیکن جب آپ کو خط لکھا تھا۔ ہر چند نینی تال کے پیرول کیمپ میں مجھے سیاسی شخصیات سے خط و کتابت کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی، اور پھر ان دنوں مجھے خط لکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ اس وقت تک میرا یقین آپ پر اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ میں پ کو امین کہہ کر پکار سکتا تھا۔ میں آپ کے قول و عمل سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیشہ مجھے پہلے سے علم ہو جاتا ہے کہ اس معاملے میں آپ کا کیا طرز عمل ہو گا اور ہمیشہ میں درست نکلا۔

میں یہ محسوس کرتا ہوں، جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اس امر کا زیادہ سے زیادہ احساس رکھتے ہوں گے اور واقف ہوں گے کہ ہم نام نہاد مسلمانوں میں اسلامی کردار کا فقدان ہے اور اس کے بغیر کوئی اسلامی کام نہیں کیا جا سکتا۔ آج میں رہائی کے بعد یہ پہلا خط لکھ رہا ہوں۔ جناح صاحب! جیل اور کیمپ میں مجھے غور و فکر اور منصوبہ بندی کے بہترین مواقع ملے، میں نے اپنا وقت ضائع نہیں کیا اور اب جبکہ میں ازسرنو کام کا آغاز کر رہا ہوں مجھے اپنی عمر بیس سال کم محسوس ہو رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان ضرور معرض وجود میں آئے گا، لیکن صرف اس صورت میں جب ہم اپنی کامیابی کے لیے اللہ اور اس کی جانب سے عطا کی ہوئی اپنی قوت پر بھروسہ کریں اب وقت آ گیا ہے۔ پاکستان دیانت دار اور پرخلوص مسلمانوں کی جدوجہد سے معرض وجود میں آئے گا چاہے وہ دوسروں کے لیے کتنا ہی ناپسندیدہ، ناراضگی کا باعث اور قابل نفرین ہو۔ مجھے اللہ تعالیٰ پر ایمان، آپ پر یقین ہے اور اپنی ذات پر بھروسہ ہے۔

جب میرے سامنے کام ہوتا ہے تو میں خود کو تندرست و توانا اور جوان محسوس کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی صحت بھی اچھی ہو گی، اور آپ بھی خود کو روز بروز زیادہ جوان محسوس کرتے ہوں گے۔ خدا آپ کو ان کاموں کے لیے سلامت رکھے جو آپ کو ابھی سرانجام دینے ہیں۔

آپ کا مخلص

ستار خیری

عبدالستار عاصم، علامہ

علامہ عبدالستار عاصم کہنہ مشق ادیب اور صحافی ہیں۔ انہوں نے اپنے قلم کو ہمیشہ تحفظ پاکستان کے لیے استعمال کیا۔ انہیں کالم نگاری اور فیچر نگاری میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ وہ مسلم لیگ کو متحد کرنے پر یقین رکھتے ہیں اور ان کا مخاطب ہر خطہ کا مسلمان ہوتا ہے۔ ان کے مضامین کا معیار اس قدر بلند ہے کہ انہیں ''علامہ'' تسلیم کر لیا گیا۔ انہوں نے القلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل کی بنیاد رکھی۔ ان کے مخاطبین پوری دنیا کے مسلمان

ہیں۔

علامہ عبدالستار عاصم کی تاریخ پیدائش پاکستان کے تاریخ پیدائش سے ہم آہنگ یعنی 14 اگست ہے۔ وہ شیخوپورہ میں اس وقت پیدا ہوئے جس وقت پاکستان 23 برس کا ہو چکا تھا۔ یہ 1970ء کا سال تھا۔

علامہ عبدالستار عاصم نے متعدد کتب تصنیف کیں۔ قائداعظم محمد علی جناح پر بھی ایک کتاب بعنوان ''بانیِ پاکستان'' لکھی۔ یہ بچوں اور بڑوں کے لیے لکھی گئی عام فہم کتاب ہے۔ ان کا اسلوب اتنا سادہ اور دلنشین ہے کہ بات قاری کے دل میں نقش ہو کر رہ جاتی ہے۔

عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر

ممتاز صحافی اور معلم تھے۔ ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کی قائداعظم محمد علی جناح سے خط و کتابت رہی۔ وہ مولانا عبدالمجید سالک کے ہاں بٹالہ (گورداسپور) میں 12 اگست 1919ء کو پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1942ء میں صحافت میں ڈپلومہ لیا۔ 1955ء میں ایم اے تاریخ کا امتحان اول پوزیشن میں پاس کیا۔ سٹریس برگ یونیورسٹی (فرانس) سے سیاسیات اور سماجی سائنس میں ڈپلوما لیا۔ پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی لی، اور پنجاب یونیورسٹی سے وابستگی اختیار کر لی۔ 1951ء تا 1958ء پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کے صدر رہے۔ صحافت پاکستان و ہند میں پر داؤد ادبی انعام ملا۔ روزنامہ مشرق میں عالمی حالات حاضرہ پر ہفتہ وار کالم بھی لکھتے رہے۔

عبدالسلام خورشید قائداعظم مراسلت

29 اگست 1938ء کو عبدالسلام خورشید نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام آرمی ریکروٹ منٹ بل کے بارے میں خط لکھا وہ لکھتے ہیں:

''مجھے آرمی ریکروٹ منٹ بل کے بارے میں آپ کا خط مل گیا۔ میں نے (آپ کے ارشاد کے مطابق) آپ کی تقریر کا پورا متن پڑھا اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس بل کی حمایت کرنے میں کاملاً حق بجانب تھے۔

بر سبیل تذکرہ کیا میں آپ سے بعض اہم مسائل کے بارے میں گفتگو کر سکتا ہوں۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سلسلے میں مسلم طلباء سے میرا گہرا رابطہ ہے۔ میں ہمیشہ انہیں مسلم لیگ کے وجود کے جواز کا قائل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں، لیکن جو چیز انہیں لیگ سے بغاوت پر آمادہ کرتی ہے وہ آپ کی مجلس عاملہ میں خطاب یافتگان کی موجودگی ہے۔ طلباء کہتے ہیں اور میں اس سے بڑی حد تک اتفاق کرتا ہوں کہ جب کبھی مسلم لیگ نے برطانوی سامراج کے خلاف کوئی راست اقدام شروع کیا۔ یہ خطاب یافتگان اس میں کبھی حصہ نہیں لیں گے۔

حکومت برطانیہ وقت کے اہم سیاسی مسائل کے بارے میں کانگریسی رہنماؤں سے مشورے کرتی رہتی ہے، لیکن مسلم لیگی رہنماؤں سے کبھی مشورے نہیں کرتی۔ ہماری جانب حکومت کا رویہ نہایت مخاصمانہ ہے۔ اس کے باوجود لیگ پر وہ عنصر غالب ہے جس کے حکومت برطانیہ سے دوامی روابط ہیں، یہ لوگ یا تو اپنے خطابات ترک کر دیں یا لیگ سے علیحدہ ہو جائیں۔ اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں کافی ترقی پسند عناصر موجود نہیں۔ پنجاب سے مسلم لیگ کی تنظیم میں مولانا ظفر علی خان نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔ اس کے باوجود مجلس عاملہ میں نہیں لیے گئے۔ مولانا حسرت موہانی اسی قسم کی ایک اور مثال ہیں۔ مسلمان عوام کی کوئی ایسی تنظیم زندہ نہیں رہ سکتی جس کا راست اقدام کرنے میں پختہ یقین نہ ہو اور اس سلسلے میں مندرجہ بالا دو شخصیات نہایت مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔

یہ بات میرے ضمیر کے خلاف ہے کہ میں ان معاملات کو اخبارات میں لاؤں یا ان کا پلیٹ فارم پر ذکر کروں ۔ ایک سچے اور مخلص مسلم لیگی کی حیثیت سے مجھے آپ کی خدمت میں اپنی معروضات پیش کرنی چاہئیں ۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اول و آخر مسلم لیگی ہوں اور صرف مسلم لیگی ہوں ۔ یہی وجہ ہے کہ میں چاہتا ہوں آپ میرے اس خط کا جواب دیں اور اس طرح ایک ایسے مسئلے کے بارے میں میرا اطمینان کرا دیں جس نے میرے دماغ کو پریشان کر رکھا ہے۔

اس کے علاوہ میں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ تحریک پاکستان کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے۔ یہ تحریک پنجاب میں خاصی نمایاں ہو رہی ہے اور یہ منصوبہ بظاہر قابل عمل اور مناسب نظر آتا ہے۔

آپ کا مخلص

عبدالسلام خورشید

مجھے تمہارا 29 اگست 1938ء کا خط مل گیا تھا، علالت کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ تم نے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ میں نے نوٹ کر لی ہیں اور اس کے لیے شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ مجھے یقین ہے کہ تم مجھ سے یہ توقع نہیں کرو گے کہ میں ان مسائل پر خط و کتابت میں بحث کروں۔ میرے نزدیک ابھی مسلمانوں کو سیاسی زبان سیکھنی ہے، اور کسی قدر صبر سے کام لینے کی بھی تربیت حاصل کرنی ہے۔ اب مجھے کامیابی کی کچھ امید ہے کیونکہ مسلمان بیدا ہو رہے ہیں۔ ان میں عزت نفس اور خود اعتمادی پیدا ہو رہی ہے، لیکن مکمل طور پر منظم ہونے میں ابھی کچھ وقت اور لگے گا۔

اس کے بعد بھی خط و کتابت جاری رہی۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح کے ایک خط کا جو انہوں نے عبدالسلام خورشید کو لکھا متن دیا جا رہا ہے۔

”مجھے تمہارا 3 فروری 1939ء کا خط مل گیا ہے۔ اس کے لیے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ہاں پنجاب بد قسمتی سے پورے طور پر متحد نہیں لیکن حوصلہ نہ ہارنا۔ ہمارا مقصد صحیح اور انصاف پر مبنی ہے۔ کوئی کام بھی مشکل نہیں ہوتا۔ ہمیں آل انڈیا مسلم لیگ کا کام بھی کرنا چاہیئے اور اس کی حمایت بھی جو معلومات تم نے مہیا کی ہیں وہ میں نے نوٹ کر لی ہیں۔ میں پنجاب میں اس وقت جو حالت پیدا ہو چکی ہے مجھے بڑے دکھ کے ساتھ اس کا احساس ہے اور میں رائے درست کرنے کے لیے پوری ہمت سے کام لے رہا ہوں۔“

عبدالسمیع

ممتاز آرٹسٹ تھے، انہوں نے چاول کے دانے پر قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر بنائی تھی، اور اردو میں قائداعظم بھی لکھا ہوا تھا۔ یہ تصویر اور قائداعظم محمد علی جناح کی آئل پینٹنگ 45 سو روپے میں فروخت ہوئیں۔ وہ پہلے مسلمان آرٹسٹ تھے جنھوں نے کارٹون سازی کا سلسلہ شروع کیا حالانکہ وہ پنسل سکیچ بنایا کرتے تھے۔ ان کے کارٹون ہندوستان ٹائمز، نیشنل کال، ہندو ریاست، تیج، ڈان، جنگ، انقلاب، مسلمان، مارننگ نیوز اور سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع ہوتے رہے۔

عبدالسمیع 21 نومبر 1900ء کو ہوشنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1923ء میں بمبئی کے جے جے سکول آف آرٹس سے ڈپلوما لیا۔ ازاں بعد رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کے ساتھ ان کے اخبارات کامریڈ اور ہمدرد میں کام کیا۔ قیام پاکستان سے قبل روزنامہ ڈان سے اور پھر روزنامہ جنگ سے منسلک رہے۔ روزنامہ جنگ کے بعد ہمدرد دواخانہ سے وابستہ ہوئے، اور ہمدرد نونہال، ہمدرد صحت کے ٹائٹل اور قلمی تصاویر بناتے رہے۔ ٹائٹل ڈیزائن بنانے کی طرح بھی انہوں نے ڈالی۔ دہلی کے مشہور رسالہ ماہنامہ ساقی کے لیے سب سے

پہلا ٹائٹل انہوں نے ہی بنایا تھا۔
ان کا انتقال 30 اکتوبر 1967ء کو ہوا۔

عبدالسمیع، مولوی

21 اکتوبر 1937ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے بجنور میں ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ووٹ مولوی عبدالسمیع صاحب نمائندہ لیگ کو دیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ بات اس لیے کہی کہ گزشتہ انتخاب میں حافظ ابراہیم مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بلامقابلہ کامیاب ہوئے تھے، لیکن حافظ ابراہیم مسلم لیگ کو چھوڑ کر کانگریس میں شامل ہو گئے اور انہوں نے کانگریسی وزارت قبول کر لی تھی۔

عبدالعزیز

وہ صوبہ سرحد کے رہنما تھے۔ 1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی ملاقات ہوئی جب صوبہ سرحد کے عبدالقیوم خان اور سردار عبدالرب نشتر کی درخواست پر منظر عالم نے وفد تشکیل دیا تھا، تاکہ صوبہ سرحد میں کانگریس پارٹی کے امیدواروں کا موثر مقابلہ کیا جا سکے۔ یہ وفد علی گڑھ سے براستہ دہلی پشاور کے لیے روانہ ہوا۔ دہلی پہنچنے پر معاً یہ جذبہ پیدا ہوا کہ قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کر لی جائے، چنانچہ یہ وفد ان کی رہائش گاہ 10 اورنگ زیب روڈ پر پہنچا اور گارڈ کو داخلے کی درخواست کی۔ گارڈ نے فوری طور پر اجازت حاصل کرنے کے بعد بٹھایا اور ساتھ مادرملت محترمہ فاطمہ جناح نے وفد سے ملاقات کی۔ قائداعظم محمد علی جناح اس وقت ایڈیٹر ڈان الطاف حسین سے ملاقات کر رہے تھے۔ ان کی ملاقات کے بعد وفد ان سے ملا، اور اسے تلقین کی:

''ہم لوگ قانون کے دائرے میں رہ کر مسلم لیگ کی انتخابی مہم میں حصہ لیں اور جلسوں، جلوسوں کے ذریعے مسلم لیگ کے امیدواروں کے لیے کنویسنگ کریں۔''

عبدالعزیز، سید

26-29 دسمبر 1938ء آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقد پٹنہ میں سید عبدالعزیز نے بطور چیئرمین مجلس استقبالیہ قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا:

''نیشنلزم اور سوشلزم اسلامی تصورات کے خلاف ہیں۔ مسلمان ہرگز سوشلسٹوں سے ہاتھ نہیں ملا سکے۔ زندگی کے بارے میں سوشلسٹوں کا نظریہ مساوی ہے۔ سوشلسٹ مذہب کو فضول سمجھتے ہیں اس لیے مسلمانان عالم اس معاشی حل سے متفق نہیں ہیں جو یہ لوگ پیش کرتے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''ہمارے عوام اور ہمارے نوجوان دوست سب کانگریس کی دل فریب باتوں سے مسحور ہو گئے، اور ان کے نعروں اور دلفریب فقروں پر یقین کر لیا اور ان کے دام میں آ گئے۔ ان کو یقین دلایا گیا تھا کہ کانگریس مادر وطن کی آزادی کے لیے جنگ کر رہی ہے۔ ہمارے بچے ایماندار ہیں لہٰذا وہ اس کا گمان تک نہ کر سکے کہ دوسرے لوگ دوسری قسم کے بھی ہو سکتے ہیں۔ ہمارے نوجوانوں کو بھی یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ اس وقت مسئلہ صرف معاشی ہے اس لیے جنگ وجدال بھارت کے لیے مزدوروں کے لیے اور کسانوں کے لیے ہو رہی ہے۔ ہمارے بچے

اپنی صاف ستھری اور نیک فطرت ہونے کی بنا پر بڑی آسانی سے کانگریسی جال میں پھنس گئے۔ ہم نے چال بازیوں کو دیکھا اور اپنے بچوں کو اصل حقیقت سمجھا کر یہ واضح کرنے کی کوشش کی کہ تمہیں فریب دیا جا رہا ہے۔ کانگریس کی طرف سے ہم پر رجعت پسندی، فرقہ پرستی اور اسی قسم کے طرح طرح کے الزامات عائد کیے گئے۔ اب یہ پرانا کھیل اس ملک میں نئے کھلاڑی نئے انداز میں کھیل رہے ہیں اور ووٹ سے پہلے روٹی کا نعرہ لگا رہے ہیں۔"

سید عبدالعزیز نے قائداعظم محمد علی جناح سے اس وقت پہلی ملاقات کی جب وہ لنکنز ان میں بیرسٹری کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

سید عبدالعزیز 19 اگست 1872ء کو مولوی الہٰی بخش کے ہاں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ بیرسٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان کے مشہور لاء کالج لنکنز ان میں داخلہ لیا وہیں قائداعظم محمد علی جناح سے 1895ء میں ان کی ملاقات ہوئی۔ 1898ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور ہوشیار پور آ کر وکالت کا آغاز کیا۔

1919ء میں لاہور آ گئے اور وکالت ہی کو بطور پیشہ اپنایا۔ سال تک لاہور میونسپل کمیٹی کے وائس پریذیڈنٹ اور پھر پریذیڈنٹ رہے۔ 1948ء میں انہیں بلا مقابلہ لاہور کارپوریشن میئر منتخب کیا گیا۔

1924ء میں لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن بنے اور دس سال تک اس کے رکن رہے پھر سرکاری ملازمتیں کیں۔ مسلم انشورنس کمیٹی کے صدر بھی اور امپرومنٹ ٹرسٹ لاہور کے رکن رہے۔ لاہور سے لارڈ لارنس کا مجسمہ ہٹانے اور پرنس آف ویلز کی آمد پر بائیکاٹ کی قراردادیں ان کی صدارت میں منظور ہوئیں۔ 1936ء میں کانگریس سے علیحدگی اختیار کر لی اور 29 اپریل 1936ء کو مسلم لیگ کی رکنیت اختیار کی اور وفات تک تحریک قیام پاکستان اور پاکستان کی ترقی وخوشحالی کے لیے کام کرتے رہے۔ 28 جولائی 1971ء کو لاہور میں ان کا انتقال ہوا۔

عبدالعلیم صدیقی

وہ ممتاز عالم دین تھے، مولانا شاہ احمد نورانی انہی کے فرزند تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان کے بعد پہلی نماز عیدان کی اقتداء میں ادا کی۔

وہ 3 اپریل 1892ء کو میرٹھ میں مولانا محمد عبدالحکیم کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ جامعہ قومیہ میرٹھ سے سولہ برس کی عمر میں درس نظامی کی سند لی۔ 1917ء میں ڈویژنل کالج میرٹھ سے بی اے کیا۔ کالج کی چھٹیوں کے دوران اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ 1951ء میں پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا، اور اس دوران انگلستان، فرانس، اٹلی، گیانا، سعودی عرب، ٹرینی ڈاڑ اور ٹوباگو، امریکہ، کینیڈا، فلپائن اور دیگر ممالک کا دورہ کیا۔

انہوں نے متعدد ممالک میں مساجد بھی تعمیر کرائیں۔

1949ء میں سنگاپور میں تنظیم بین المذاہب قائم کی۔

1946ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں شرکت کی۔

انہوں نے 12 اگست 1954ء کو مدینہ منورہ میں وفات پائی۔

عبدالغفار خان، خان

وہ سرحدی گاندھی کے نام سے مشہور ہوئے اور کانگریسی رہنما تھے، انہوں نے 14 دسمبر 1947ء کو گورنر جنرل ہاؤس کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور کشمیر اور

سرخ پوشوں کے بارے میں اہم فیصلے کیے، جن میں ایک فیصلہ یہ بھی تھا کہ خان عبدالغفار کشمیر جا کر شیخ عبداللہ کو پاکستان آنے کی دعوت دیں تا کہ کشمیر کو پاکستان میں شامل کرنے کے بارے میں ضروری فیصلے کیے جاسکیں۔ اس ملاقات میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح بہت جلد پشاور جا کر سرخ پوشوں کے ہیڈ کوارٹرز جائیں گے جہاں سرخ پوش اور خدائی خدمت گار پاکستان کے ساتھ وفاداری کا اظہار کرنے اور ہر قسم کے شکوک وشبہات دور کرنے اور اختلافات کے خاتمے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کو سلامی دیں گے، لیکن بقول نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈر مسٹر اجمل خٹک کے خاں عبدالقیوم خان نے اس پروگرام کو سبوتاژ کر دیا تھا جو اس وقت صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ تا کہ قائداعظم محمد علی جناح اور سرخ پوشوں کے مابین کوئی مفاہمت نہ ہو سکے، اور خان قیوم کا اقتدار محفوظ رہے۔ (روزنامہ امروز لاہور 21 فروری 1970ء)

خان عبدالقیوم نے قائداعظم محمد علی جناح سے تعاون کرنے کے لیے تین نکات پیش کیے تھے۔ اس کا انکشاف اس رپورٹ میں کیا گیا ہے جو صوبہ سرحد کے سابق گورنر لیفٹیننٹ جنرل سر آرلاک ہارٹ نے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو پیش کی تھی۔ نکات یہ تھے۔

1. مکمل صوبائی خود مختاری
2. صوبہ سرحد سے متصل جن علاقوں میں پٹھان آباد ہیں انہیں صوبہ سرحد میں شامل کرنے کا حق۔ اس سے اس کی مراد بلوچستان کا قبائلی علاقہ اور دریائے سندھ کے کنارے واقع مغربی پنجاب کے بعض حصوں سے تھی دیا جائے۔
3. اگر صوبہ سرحد چاہے تو اسے پاکستان سے علیحدہ ہونے کا حق بھی حاصل ہوگا۔

خان عبدالغفار خان نے 20 اگست 1977ء کو پہلی بار مزار قائداعظم محمد علی جناح پر فاتحہ خوانی کی اس موقع پر انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو پشتو میں مخاطب کر کے کہا:

"ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے۔ بدقسمتی سے مفاد پرستوں نے ہمیں ایک دوسرے سے دور کر دیا، اور میرے بارے میں غلط فہمیاں پھیلائیں جو ملک کے مفاد کے خلاف ثابت ہوا۔ اللہ ہمیں معاف کرے۔"

خان عبدالغفار خان نے کہا:

"میں قائداعظم کے مزار پر اس جذبے کے ساتھ گیا کہ میں خدائی خدمت گار ہوں، اور خدائی خدمت گار کوئی بات دل میں نہیں رکھتا اس لیے فاتحہ کے لیے گیا تھا۔"

خان عبدالغفار خان 1890ء میں حاجی بہرام خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ بعد ازاں مشن ہائی سکول پشاور میں داخلہ لیا اور ایک سال تک علی گڑھ میں بھی زیر تعلیم رہے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں واپس آئے تو تعلیم ادھوری چھوڑ دی اور برطانوی فوج میں شمولیت اختیار کر لی۔ فوج میں ملازمت کرنا چاہتے تھے مگر کامیابی نہ ہوئی۔

1911ء میں حاجی ترنگ زئی کی تحریک سے وابستہ ہو گئے۔ 29 سال کی عمر تک خاموش کارکن کی حیثیت سے رہے، لیکن 1919ء میں رولٹ ایکٹ کے خلاف برصغیر میں تحریک چلی تو انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔ 1920ء میں رہا ہوئے۔ اسی برس ہجرت کی تحریک چلی تو وہ بھی کابل چلے گئے۔ تحریک نبوت کو دوبارہ زندہ کیا تو خان عبدالغفار خان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ 1924ء میں رہائی ملی تو خلافت کمیٹی کے لیے کام کرنے لگے۔ 1930ء میں انگریزوں کے خلاف آزادی کا آہنگ تیز ہو گیا تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اسی سال خدائی خدمت گار تحریک کا آغاز کیا۔ 1931ء میں انہیں رہائی ملی۔ 1939ء میں پوری خدائی خدمت گار تحریک سمیت جنگ میں انگریزوں کی حمایت

کا اعلان کیا تھا۔ 1944ء میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک میں دو پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ 1946ء میں مرکزی دستور ساز اسمبلی کے رکن بعد ازاں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن رہے۔ 1948ء میں پیپلز پارٹی آف پاکستان قائم کی۔ اسی سال گرفتار ہوئے۔ ون یونٹ کے خلاف تھے۔ 1956ء میں گرفتار ہوئے۔ جنوری 1957ء میں نیشنل عوامی پارٹی بنی تو اس کے رکن بنے۔

1919ء سے 1946ء تک 45 برس میں سے 30 برس جیل میں گزرے۔ 1980ء تا 1988ء خود ساختہ جلاوطنی کی زندگی گزاری۔

19 جنوری 1988ء کو پشاور میں انتقال ہوا اور افغانستان کے شہر جلال آباد میں 20 جنوری 1988ء کو دفن کر دیے گئے۔

عبدالغفور سیٹھی

قائداعظم محمد علی جناح جب پہلی مرتبہ پشاور تشریف لائے تو ریلوے اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں میں عبدالغفور سیٹھی بھی شامل تھے۔ آپ نے السلام علیکم کے بعد قائداعظم محمد علی جناح سے ہاتھ ملایا اور پھر اپنے مخصوص لہجے میں قائداعظم محمد علی جناح کو عربی میں کہا محطہ، محطہ، محطہ، ساتھ یہ اشارہ کرتے ہوئے بتایا ریلوے اسٹیشن کو عربی زبان میں محط کہتے ہیں۔

عبدالغفور سیٹھی پشاور کے مشہور سیٹھی خاندان میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد تبلیغ اسلام کا کام شروع کیا، اور زندگی کے آخری لمحات تک اسلام اور مسلمان قوم کی خدمت کرتے رہے۔ وہ مسلمانوں کو ہمیشہ یہ تلقین کرتے رہتے تھے:

> ''اذان کی آواز سننے کے بعد اپنے کاروبار چھوڑ کر نماز پڑھیں۔''

انہوں نے قیام پاکستان سے پہلے برصغیر کے تمام بڑے شہروں کا دورہ کیا اور ہر شہر میں مسلمانوں کی دکانوں، عدالتوں، دفتروں، سکولوں اور کالجوں میں جا کر عربی زبان میں تعلیم دی۔ انگریز حاکموں کے علاوہ گاندھی، سردار ولبھ بھائی پٹیل اور پنڈت جواہر لال نہرو کو بھی مذہب اسلام کے متعلق دلائل دے کر بتایا:

> ''یہی ایک مذہب ہے جو دنیا کو تباہی کے راستے سے ہٹا کر صحیح راستے پر گامزن کرتا ہے، لہٰذا اس مذہب کو قبول کر کے مسلمان ہو جائیں۔''

قیامِ پاکستان سے قبل وہ قائداعظم محمد علی جناح کے پاس آ گئے۔ انہیں کہا:

> ''کشمیر اور حیدرآباد کے بغیر پاکستان نامکمل رہے گا۔ اس کے بغیر پاکستان کا قیام منظور نہ کیا جائے۔ نیز مشرقی اور مغربی پاکستان کو خشکی کے راستے آپس میں ملانے کے لیے تیس میل چوڑا راستہ پاکستان کو ملنا چاہیے۔''

اسی طرح قیام پاکستان کے بعد انہوں نے حکومت پر زور دیا:

> ''سکولوں اور کالجوں میں عربی کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔''

عبدالغفور ہزاروی، مولانا

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے قریب رہے اور انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو وزیر آباد تشریف لانے اور جلسہ سے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ علامہ عبدالغفور ہزاروی پر ان دنوں اسی بنا پر قاتلانہ حملہ کیا گیا کیونکہ احرار اور یونینسٹ نہیں چاہتے تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح وزیر آباد آئیں۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی 23 مارچ 1940ء کو قرارداد لاہور کے جلسہ میں سٹیج پر موجود تھے۔

مولانا عبدالغفور ہزاروی دسمبر 1910ء میں ہری پور میں

پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے والدمحترم سے گھر پر حاصل کی اور کافیہ تک کتابیں پڑھیں۔ مولانا احمد دین، بھوئی (اٹک)، مولانا یار محمد بندیالوی، مولانا قطب الدین غورغشتوی، مولانا عبدالحق غورغشتوی اور علامہ مشتاق احمد کانپوری سے بھی استفادہ کیا، دورہ حدیث کے لیے مولانا حامد رضا خان بریلوی کی خدمت میں حاضری دی اور وہیں (دارالعلوم منظر السلام) سے سند فراغت حاصل کی۔

تکمیل کے بعد بجار ضلع فیصل آباد اور پھر مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی کا تدریسی امور میں شہرہ دور دور تک بلند ہو گیا تھا، لہٰذا اہل وزیر آباد کے کہنے پر وزیر آباد تشریف لے آئے اور 1935ء میں ریلوے اسٹیشن کے قریب جامعہ نظامیہ کی بنیاد رکھی۔ اس جامعہ کو یہ شرف بھی حاصل رہا کہ یہاں نابغہ روزگار علماء کرام تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ یہیں مولانا عبدالغفور ہزاروی نے دورہ قرآن کی ابتداء کی جسے انہوں نے تاحیات برقرار رکھا۔ اس دورہ قرآن میں بڑے بڑے فضلا کو شامل ہونے کا موقع ملا۔

دورانِ تعلیم حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑی سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ ان کے دست حق پرست پر بیعت کر لی۔ پیر و مرشد کے روحانی فیض کے زیر اثر انہوں نے علماء کرام میں جلد ہی اہم مقام حاصل کر لیا۔ وہ تحریک پاکستان میں بھی شریک رہے۔ 1946ء میں سنی کانفرنس منعقدہ بنارس میں ان کی شرکت بھی اس بات کی غماز ہے۔ مولانا عبدالغفور ہزاروی نے تحریک قیام پاکستان کے دوران پاکستان کو نظریاتی مملکت بنانے کے حق میں پرزور تقاریر بھی کیں۔ تحریک پاکستان، نیز تحریک ختم نبوت 1953ء میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ 1968ء میں جمعیت العلمائے پاکستان کے صدر منتخب ہوئے۔ وہ عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ پائے کے شاعر بھی تھے، اور چشتی تخلص کرتے تھے۔ ان کی تقریر میں جادو کا سا اثر ہوتا تھا۔ 19 اکتوبر 1970ء کو وزیر آباد میں جی ٹی روڈ پر کار کے حادثے میں جام شہادت نوش کیا۔

عبدالغنی

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی قبر کی کھدائی کی تھی۔ وہ 1907ء میں پیدا ہوئے اور 12 ستمبر 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی قبر تیار کی۔ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر اور محترمہ فاطمہ جناح کی قبریں بھی عبدالغنی نے تیار کیں۔

قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کی قبر کا درمیانی فاصلہ 120 فٹ ہے۔

عبدالغنی میاں

تحریک پاکستان کے کارکن اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد خاص تھے۔

نومبر 1942ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح جالندھر تشریف لائے تو سٹی مسلم لیگ کے سیکرٹری کی حیثیت سے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ اس وقت کی ملکی اور لیگی سرگرمیوں پر تبادلہ خیال کیا۔

عبدالقادر قصوری، مولانا

28 فروری 1936ء کو مسجد شہید گنج کے سلسلے میں بادشاہی مسجد میں جو جلسہ عام منعقد ہوا اس کی صدارت مولانا عبدالقادر قصوری نے کی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے انگریزی زبان میں فصیح و بلیغ تقریر کی۔

مولانا عبدالقادر قصوری دلاور ضلع گوجرانوالا میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے عربی اور فارسی کی تعلیم گھر پر اور کچھ اورینٹل کالج لاہور میں حاصل کی۔ اپنی جماعت میں اول رہے، پھر

مختاری امتحان پاس کیا اور وکالت شروع کر دی۔ ایک مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں جب قصور تشریف لے گئے تو تحصیلدار نے بحث سنتے ہی مولانا عبدالقادر سے کہا:

”آپ قصور چلے آئیں کیونکہ یہاں کوئی اچھا وکیل نہیں ہے۔“

چنانچہ مولانا عبدالقادر قصور چلے گئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

تحریک خلافت اور ترک موالات میں بھرپور حصہ لیا۔ خود پنجاب کی مجلس خلافت کے صدر تھے۔

نومبر 1942ء میں لاہور میں ان کا انتقال ہوا لیکن قصور میں دفن کیے گئے۔

عبدالقدیر، شیخ

راولپنڈی کے رئیس تھے۔ راولپنڈی چیمبر آف کامرس کے چیئرمین بھی تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب مری کے راستے سری نگر تشریف لے گئے تو واپسی پر شیخ عبدالقدیر نے اپنی کار میں قائداعظم محمد علی جناح کو کوہالہ میں بیٹھنے کی دعوت دی۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ یہ کارواں جب مری پہنچا تو قائداعظم محمد علی جناح نے آسٹریا کلب (ایمپیسڈر کلب) میں خطاب فرمایا۔ دوسرے روز قائداعظم محمد علی جناح نے شیخ عبدالقدیر کے ہاں کھانا کھایا۔ تیسرے روز کمپنی باغ راولپنڈی میں ایک بڑے جلسہ عام میں شیخ عبدالقدیر سے قائداعظم محمد علی جناح نے اپیل کی:

”پاکستان کی جنگ لڑنے کے لیے چاندی کی گولیاں دی جائیں۔“

شیخ عبدالقادر نے لبیک کہتے ہوئے دس ہزار روپے پیش کیے۔ جب قائداعظم محمد علی جناح راولپنڈی سے روانہ ہوئے تو انہوں نے شیخ عبدالقدیر سے دہلی میں ملنے کو کہا، لہٰذا وہ دہلی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

شیخ عبدالقدیر 1916ء میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کلکتہ میں حاصل کی۔ سینیئر کیمبرج کے بعد 1932ء میں اپنے والد شیخ عبدالعزیز کے کاروبار میں شریک ہو گئے۔ والد کے کاروبار سے الگ راولپنڈی مری کے مابین سٹیشن سروس کا اجرا کیا۔ اس طرح وہ راولپنڈی کے ٹرانسپورٹر بن گئے۔ 1942ء میں بیرسٹر ایم اے جان کو شکست دے کر کنٹونمنٹ بورڈ راولپنڈی کے کونسلر بنے۔ پنڈی کشمیر ٹرانسپورٹ کے قیام کا سہرا بھی انہی کے سر ہے۔ قیام پاکستان کے بعد پنڈی کشمیر ٹرانسپورٹ کی چالیس گاڑیاں کمشنر راولپنڈی کے کہنے پر مجاہدین کی خدمت میں پیش کیں، جو واپس نہ کی گئیں۔

17 جولائی 1947ء کو مولانا شبیر احمد عثمانی کی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات ہوئی تو شیخ عبدالقدیر کو قائداعظم محمد علی جناح نے بطور ترجمان منتخب کیا تھا۔ بات چیت میں قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا شبیر احمد عثمانی سے کہا تھا:

”پاکستان میں قرآن و سنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا۔“

جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ بھی شیخ عبدالقدیر نے قائم کی۔

عبدالقیوم خان

مرکزی اسمبلی میں کانگریس کے ڈپٹی لیڈر خان عبدالقیوم خان نے لکھنؤ سے 16 اگست 1945ء کو حسب ذیل مکتوب قائداعظم محمد علی جناح خدمت میں روانہ کیا۔

میرے محترم قائداعظم!

میں یہاں ایک ذاتی کام سے آیا ہوں اور شاید 25-08-45 تک یہاں رہوں گا اس کے بعد پٹنہ چلا جاؤں گا۔ میں آپ کو اپنی زندگی کے سب سے عظیم الشان فیصلہ سے مطلع کرنا چاہتا ہوں۔ یہ فیصلہ مہینوں



خان عبدالقیوم خان

1981 - 1901

آپ ایک عظیم قومی رہنما، ممتاز قانون دان اور اعلیٰ پایہ کے مدبر اور منتظم تھے۔ آپ نے لندن سے بارایٹ لا کیا۔ پشاور آئے تو کانگریس کے ٹکٹ پر مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوگئے۔ 1942ء میں انہیں مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کا لیڈر بنادیا گیا بعدازاں 1945ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہوگئے۔ 1946ء کے انتخابات کے بعد صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ تحریک پاکستان میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا اور قیام پاکستان کے بعد اپریل 1953ء تک صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ رہے، 1972ء سے 1977ء تک وفاقی وزیر داخلہ بھی رہے۔ آپ نے پاکستان مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔

اور ہفتوں کی دلسوزی کا نتیجہ ہے۔ میں نے مسلم لیگ میں شامل ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میرا ایمان ہے، آپ نے جو حکمت عملی اختیار کی ہے وہ بالکل درست ہے اور جو مسلمان بھی آپ کی مخالفت کرتا ہے وہ اسلام سے غداری کرتا ہے۔ میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں اور جیسا فرمائیں گے، ویسا ہی کروں گا۔

آپ کا مخلص

عبدالقیوم

عبدالقیوم خان قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھیوں میں سے تھے۔ انہیں قائداعظم کی رفاقت میں رہنے کا موقع ملا۔ 1946ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور قائداعظم محمد علی جناح کے ارشاد پر مسلم لیگ کو صوبہ سرحد میں منظم کرنے اور خدائی خدمت گار تنظیم کے خلاف ایک محاذ قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ انہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو ریفرنڈم میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔

عبدالقیوم خان 16 جولائی 1901ء کو چترال صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم کے بعد اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لیا۔ وہاں سے تحصیل علم کے بعد انگلستان جاکر لندن سکول آف اکنامکس سے بی ایس سی کیا اور پھر 1926ء میں بیرسٹرایٹ لاء بنے۔

پاکستان کی آزادی کی جدوجہد میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کا بھرپور ساتھ دیا۔ راست اقدام کی تحریک میں ڈاکٹر خان صاحب نے انہیں جیل بھیج دیا۔ 20 فروری 1947ء تا 3 جون 1947ء تک قید میں رہے۔ آزادی کے بعد جب وزیراعلیٰ سرحد ڈاکٹر خان صاحب نے آزادی کی تقریب میں شرکت سے انکار کردیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں صوبہ سرحد کا وزیراعلیٰ بنایا۔ 1945ء میں ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان کے کہنے پر صوبہ سرحد کی قیادت سے الگ ہو گئے اور مرکزی وزیر صنعت بنا دیے گئے۔ جونہی عبدالقیوم خان کو صوبہ سرحد کی وزارت اعلیٰ سے علیحدہ کردیا گیا تو صوبے کی ترقی رک گئی۔ ان کے عہد میں صوبے میں پشاور یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ میٹرک تک طلباء اور طالبات کے لیے مفت تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ گاؤں گاؤں بجلی پہنچائی گئی۔ عدلیہ کا نظام بہتر بنایا گیا۔ محمد سکندر مرزا کے عہد حکومت میں حکومت سے علیحدہ ہو گئے اور سردار عبدالرب نشتر کے معاون بن گئے، پھر انہیں مسلم لیگ کا صدر بنا دیا گیا۔ اس حیثیت سے انہوں نے اکتوبر 1958ء میں جہلم سے گجرات تک 32 میل لمبا جلوس نکالا جس نے ایوان حکومت کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے نتیجے میں اسی ماہ ملک میں مارشل لاء نافذ ہوگیا اور عبدالقیوم خان کو ایک بار پھر جیل میں ڈال دیا گیا، تاہم رہائی کے بعد کافی عرصہ تک سیاسی سرگرمیوں سے علیحدہ رہے۔ 1970ء میں قومی اسمبلی کے رکن اور پھر وفاقی وزیر داخلہ بنا دیے گئے۔ وہ اپریل 1972ء تا 1977ء اس عہدے پر فائز رہے۔ ازاں بعد وفات تک سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لیا ان کی وفات 1981ء میں ہوئی۔

عبدالقیوم، صاحب زادہ

1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) کا دورہ کیا تو نو دن تک ان کے مکان پر قیام پذیر رہے اور اس دوران صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی تنظیم نو سے متعلق تبادلہ خیالات کیا۔

عبدالقیوم 1864ء میں اپنے آبائی گاؤں ٹوپی تحصیل صوابی میں صاحب زادہ عبدالرؤف کے ہاں پیدا ہوئے۔ دس برس کی عمر کو پہنچے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ والدہ پہلے ہی انتقال کر چکی تھیں۔ ماموں سید احمد نے ان کی تربیت کی۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد انہیں ایڈورڈز ہائی سکول پشاور میں داخل کر

دیا گیا، جہاں انہوں نے میٹرک پاس کیا اور محکمہ مال میں پٹواری تعینات ہوئے، پھر ترقی کرتے کرتے تحصیل دار کے عہدے تک جا پہنچے۔ 1894ء سے 1919ء تک اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ اور بعد ازاں پولیٹیکل ایجنٹ رہے۔ صاحب زادہ سر عبدالقیوم صوبہ سرحد کے سرسید کہلاتے ہیں کیونکہ انہوں نے 1913ء میں اسلامیہ کالج پشاور کی بنیاد رکھی۔ سر جارج روس کیپل خیبر کا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوا تو اس نے صاحب زادہ عبدالقیوم کا تعاون حاصل کیا۔ انگریزوں نے صاحب زادہ عبدالقیوم کی خدمات کا ذکر اپنی دستاویزات میں بھی کیا ہے جن میں 1888ء کی کوہ سیاہ کی لڑائی۔ 1891ء میں سامانہ کی مہم، 98-1897ء میں مہم تراہ 1908ء کی مہم زغہ خیل وغیرہ۔ انگریزوں نے انہیں خان بہادر، سی آئی ای، نواب، اور سر کے خطابات سے نوازنے کے علاوہ 1929ء میں قیصر ہند گولڈ میڈل بھی دیا۔ وہ 1913ء سے وفات تک کالج کونسل کے اعزازی معتمد رہے۔ 1923ء میں صوبہ سرحد کی طرف سے محمد اکبر خاں ہوتی اور صاحب زادہ عبدالقیوم اس کے رکن بنے۔ 32-1930ء میں منعقدہ گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ 1923ء میں حکومت سرحد کے وزیر اعلیٰ رہے۔ 1925ء میں آزادی ہند کی تحریک کے دوران مولانا ظفر علی خان اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو خیبر یونین کی دعوت پر اسلامیہ کالج پشاور آئے تو اٹک کے پل پر انہیں روک لیا گیا تاہم صاحب زادہ عبدالقیوم کے کہنے پر صوبہ میں داخلے پر پابندی ختم کر دی گئی۔ نومبر 1937ء میں اپنے ہی گاؤں ٹوپی میں انتقال کیا۔

عبدالکریم، حاجی

قائداعظم محمد علی جناح کے قیام پاکستان کے دوران ان کے کمپاؤنڈر اور ڈرائیور تھے۔

ایک مرتبہ حاجی عبدالکریم نے محترمہ فاطمہ جناح سے کہا:

''قائداعظم سے آپ ہماری سفارش کرادیں۔''

تو انہوں نے لکھ دیا:

''عبدالکریم نے میری خدمت کی ہے۔ لہٰذا اسے خاص طور پر جگہ دی جائے۔''

عبدالکریم، مولانا

تحریک پاکستان کے اہم کارکن تھے، انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے حکم پر ہفتہ وار الاسلام جاری کیا۔

مولانا عبدالکریم جنوری 1906ء میں روجھان ضلع راجن پور میں پیدا ہوئے۔ والد بزرگوار مولانا حافظ شیخ احمد بہت بڑے عالم دین تھے۔ 1921ء میں نواب غوث بخش رئیسانی کے اتالیق کی حیثیت سے بلوچستان آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ بلوچستان کی تحریک آزادی کے علمبردار میر یوسف علی مگسی ان کے شاگرد تھے۔ انہوں نے بلوچستان میں قاضی عیسیٰ کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کے قیام میں بھرپور کردار ادا کیا۔ یکم ستمبر 1947ء کو انہوں نے اپنے اخبار کا نام الاسلام سے میزان رکھا اور آزاد پالیسی اختیار کی۔ 1961ء میں میزان روزنامہ بن گیا تو وہ بھی صحافت سے عملی طور پر ریٹائر ہو گئے۔ وہ حضرت خواجہ غلام فرید کے مرید خاص تھے۔ مٹھن کوٹ میں 19 فروری 1969ء کو انتقال ہوا۔

عبدالکریم، مولانا حافظ

جون 1938ء میں جب دہلی میں وائسرائے کونسل کا اجلاس منعقد ہوا تو بلوچستان سے نواب اسداللہ خان رئیسانی دہلی تشریف لے گئے تو قائداعظم محمد علی جناح نے اس بات کا اظہار کیا:

''بلوچستان میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا جائے۔''

نواب اسداللہ خان نے کہا:

"میں مخصوص ذمہ داریوں کے باعث ایسا نہیں کرسکتا البتہ ایسے لوگوں کے نام پیش کرسکتا ہوں جو یہ قومی خدمت بہ طریق احسن انجام دے سکتے ہیں۔"

نواب اسد اللہ خان نے جن حضرات کے نام بتائے ان میں مولانا حافظ عبدالکریم کا نام بھی شامل تھا۔ چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح کے کہنے پر انہوں نے بلوچستان میں مسلم لیگ قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

مولانا عبدالکریم 1906ء میں پیدا ہوئے۔ جید علمائے کرام سے دینی تعلیم مکمل کی اور بلوچستان کے عوام میں آزادی کی نئی روح پھونکنے کے لیے انتھک محنت کی۔ انہوں نے بلوچستان میں سیاسی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لیے جن شخصیات کو سیاسی تربیت دی ان میں نواب یوسف علی خان عزیز مگسی، میر سیف اللہ مگسی اور نواب غوث بخش رئیسانی شامل تھے۔ وہ جامعہ یوسفیہ جھل مگسی کے ناظم بھی رہے۔ 1939ء سے 1947ء تک حصول پاکستان کے لیے بڑی لگن سے کام کیا۔ بلوچستان میں مسلم لیگ کے ترجمان الاسلام کے مدیر رہے۔

عبداللہ، خان بہادر ایس

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اور ان سے عقیدت رکھتے ہوئے اپنے ایک ساتھی رشید کے تعاون سے نیڈوز ہوٹل میں 27 اپریل 1936ء کو دعوت طعام دی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جام صحت کی تجویز کے جواب میں تقریر کی۔

عبداللہ، مرزا محمد

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے محافظ تھے۔

نومبر 1944ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ سیالکوٹ میں تشریف لائے تو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ پر اپنے دستہ سمیت پہرہ دیا۔

محمد عبداللہ نے 18 سال کی عمر میں تحریک پاکستان میں حصہ لینا شروع کیا۔ 1944ء میں مسلم لیگ نیشنل گارڈ میں بھرتی ہوئے، اور ایک رضا کار دستے کے سالار بنائے گئے۔ انہوں نے چوہڑکانہ (فاروق آباد) ریلوے اسٹیشن پر قائداعظم محمد علی جناح کو سلامی بھی دی۔

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد کاری میں سرگرم حصہ لیا۔ پنجاب رجمنٹ میں قومی تربیت مکمل کر کے پی این جی جی کے حوالدار مقرر ہوئے، اور ڈرل انسٹرکٹر کی حیثیت سے مجاہدین کو تربیت دے کر جنگ آزادی میں بھیجتے رہے۔ 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں بھی حصہ لیا۔ ان کا انتقال دسمبر 1986ء میں دل کا دورہ پڑنے سے ہوا۔

عبداللہ میر

تحریک پاکستان کے کارکن تھے اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد تھے۔ 1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر بہار میں مسلم کش فسادات کے موقع پر بہاری مسلمانوں کی دیکھ بھال کے لیے جو وفد پٹنہ بھیجا گیا تھا وہ اس وفد کے قائد تھے۔

عبداللہ میر 1890ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ زرگری ان کا آبائی پیشہ تھا، لہٰذا اس پیشہ کو اپنایا اور تشکیل پاکستان تک امرتسر میں اسی پیشے سے وابستہ رہے۔ علاوہ ازیں پہلوانی کا شوق بھی رکھتے تھے۔ اسی سلسلے میں انہوں نے امرتسر میں اکھاڑہ بھی قائم کیا تھا۔ جہاں بڑی چھوٹی کشتیوں کے مقابلے بھی ہوتے تھے۔ جلیانوالہ باغ کے حادثے کے وقت امرتسر میں جن نوجوانوں نے انگریزی سامراج کے خلاف تحریک

چلائی ان میں عبداللہ میر پیش پیش تھے۔ برطانوی ہند کی حکومت نے ان کے خلاف مقدمہ بھی قائم کیا تھا۔

مولانا ظفر علی خان سے ان کے مراسم تھے۔ وہ ان کے ساتھ اتحاد ملت اور نیلی پوش تحریک میں بھی کام کرتے رہے۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے موقع پر ہزاروں افراد کو بحفاظت سرحد پار کرائی۔ تین بار جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔ قیام پاکستان کے بعد وفات تک لاہور میں زندگی کے ایام گزارے۔

عبداللطیف پیر آف زکوڑی شریف

تحریک پاکستان کے ممتاز راہنما اور قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد خاص تھے۔ انہوں نے 1947ء میں صوبہ سرحد میں ہونے والے ریفرنڈم میں اہم کردار ادا کیا اور قائداعظم محمد علی جناح سے داد وصول کی۔ پیر آف زکوڑی عبداللطیف حضرت فقیر محمد عبدالقادر کے ہاں زکوڑی شریف صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ بچپن ہی میں والد بزرگوار کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ والدہ اور پردادا اکبر کی کوششوں سے دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ علوم قدیمہ اور جدیدہ میں مہارت حاصل کرنے کے سلسلے میں جن اساتذہ نے اہم کردار ادا کیا ان میں مولانا محمد داؤد، مولانا عبدالرحمٰن، مولانا نیاز محمد اور مولانا عبدالباقی جیسے نابغہ روزگار عالم دین شامل ہیں۔

تحریک پاکستان کے ایام میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے سلسلے میں ان کی کوششیں فراموش نہیں کی جاسکتیں۔

صوبہ سرحد میں ان کی کوششوں ہی سے مسلم لیگ نے ریفرنڈم میں کامیابی حاصل کی۔ وہ اپنے بڑے بھائی کے وصال پر سجادہ نشین بنے۔

عبداللطیف، ڈاکٹر

9 اکتوبر 1940ء کو ڈاکٹر عبداللطیف نے حیدر آباد دکن سے قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا جس میں انہوں نے مسز سروجنی نائیڈو کے خط کا حوالہ دیتے ہوئے یہ دریافت کیا تھا کہ ان کو کانگریسی رہنماؤں سے دستور کے مسائل پر گفتگو کرنے کی دعوت دی گئی۔ چنانچہ آپ اس سلسلے میں اپنی رائے دیں۔ اسی روز قائداعظم محمد علی جناح نے بذریعہ تار انہیں مطلع کیا کہ وہ کانگریس کے کسی رہنما سے نہ ملیں۔ 7 اکتوبر کو ڈاکٹر عبداللطیف نے اس کا جواب دیا اور 21 اکتوبر کو قائداعظم محمد علی جناح نے ان کو ایک خط کے ذریعے مطلع کیا کہ وہ بمبئی کے بجائے دہلی میں ملاقات رکھیں کیونکہ میں چند روز بعد دہلی روانہ ہو رہا ہوں۔

ڈاکٹر عبداللطیف عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ انہوں نے تین مشہور کتابیں بھی لکھیں جن کے نام یہ ہیں:

- ۱ The Muslim Culture in India
- ۲ Cultural Future of india
- ۳ Federation of Cultural Zones for India (1938)

10 اگست 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے نام ڈاکٹر محمد افضال حسین قادری نے جو خط تحریر کیا۔ اس میں بھی عبداللطیف کا ذکر کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر افضال نے لکھا تھا:

> ”ڈاکٹر عبداللطیف نے اس نازک وقت پر بھی مسلمانوں کے ساتھ غداری کی۔ ان کا حالیہ بیان جان بوجھ کر غداری اور فریب کاری کے مترادف ہے۔“

عبدالمتین چودھری

20 مارچ 1927ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی کے ویسٹرن ہوٹل میں مسلم لیگی لیڈروں کا جو اجلاس میثاق لکھنؤ کے بارے میں طلب کیا تھا عبدالمتین چودھری بھی اس میں شامل تھے۔ 2 مارچ 1932ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں لندن سے خط لکھا جس میں انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں اس موقف کو ایک مرتبہ پھر دہرایا:

''مسلمان صرف تحفظات کے ذریعے زندہ نہیں رہ سکتے۔ ان کو اپنی صلاحیتوں اور جدوجہد کے سہارے زندہ رہنا ہوگا۔ مسلمان بہت پیچھے ہیں اور انہیں بہت کچھ کرنا ہے۔ مسلمانوں کے لیے اب صرف ایک راستہ رہ گیا ہے کہ وہ متحد ہو کر چودہ مطالبات کی تائید کریں اور کسی کے آلہ کار نہ بنیں۔ ذمہ دار مرکزی حکومت اس صورت میں منظور کی جائے گی جب ہمارے تحفظات دستور میں موجود ہوں لیکن اس جال میں نہ پھنسئے کہ پہلے صوبوں کو خودمختاری دی جائے۔ بعد میں ذمہ دار مرکزی حکومت کے معاملے پر غور کیا جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کو ایسی صورت میں جب کہ ہم متحد ہوں گے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔''

5 مئی 1932ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے چودھری عبدالمتین کو ایک اور خط لکھا جس میں انہوں نے خوشگوار موسم کا تذکرہ کیا تھا اور لکھا تھا:

''میں یہاں آرام سے ہوں اور کام کر رہا ہوں مگر دل ہندوستان میں اٹکا ہوا ہے۔ میری اور میری ہمشیرہ کی جانب سے تسلیمات، دینا اسکول گئی ہوئی ہے۔''

لندن میں قیام کے دوران قائداعظم محمد علی جناح ہندوستان کی صورت حال کے غیر جانبدار اور درست جائزے کے سلسلے میں چودھری عبدالمتین پر دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے زیادہ خط و کتابت چودھری عبدالمتین سے کی۔

جون 1936ء میں لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمانی بورڈ کے جو اجلاس منعقد ہوئے ان میں بھی چودھری عبدالمتین نے شرکت کی۔

عبدالمجید بٹ

وہ تحریک پاکستان کے بےلوث کارکن اور قائداعظم محمد علی جناح کے باڈی گارڈ تھے۔ عبدالمجید بٹ امرتسر میں پیدا ہوئے۔

تقسیم سے قبل مطالبہ پاکستان کی تحریک میں شریک تھے اور آزادی کے بعد وطن کی تعمیر میں مصروف رہے۔ انہوں نے آزادی وطن کے لیے بےحد قربانیاں دیں۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل جب امرتسر میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی تو انہوں نے سکھوں اور ہندوؤں کا مقابلہ کرنے کے لیے 34 تلواریں خریدیں تین اپنے پاس رکھیں اور باقی علاقے کے نوجوانوں میں تقسیم کر دیں۔

1940ء میں قرارداد پاکستان کے تاریخی جلسے میں شرکت کے لیے قائداعظم محمد علی جناح تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں لوگوں نے مطالبہ کیا:

''جلسے میں سانحہ مسجد شہید گنج کا ذکر ضرور کریں۔''

چنانچہ عبدالحمید بٹ نے باڈی گارڈ کی حیثیت سے حالات کو بھانپنے کے بعد ایک خیمے سے لکڑی کا پرانا میز نکالا اور قائداعظم محمد علی جناح کو سہارا دے کر میز پر کھڑا کر دیا۔ انہوں نے میز کو پکڑا تاکہ کسی کو شرارت کا موقع نہ ملے۔

عبدالمجید سندھی

انہوں نے روزنامہ الوحید کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی سرگرمیوں کو سندھ کے دور افتادہ مقامات پر پہنچانے کے لیے اہم کردار ادا کیا۔

عبدالمجید سندھی 7 جولائی 1889ء کو سندھ کے ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر 10 فروری 1901ء کو اسلام قبول کیا اور پھر سندھ میں آزادی اسلامی تعلیمات کے فروغ اور عوامی فلاح و بہبود کی تحریکوں میں نمایاں طور پر حصہ لیتے رہے۔

قبولِ اسلام کے بعد اگرچہ انہیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تاہم انہوں نے اس کی پروا کیے بغیر اپنے مشن کو جاری رکھا۔ پہلے سندھ سے ہفتہ وار الحق (سکھر) جاری کیا پھر پے در پے چھ اور ہفتہ وار اخبارات کی ادارت سنبھالی۔

1920ء میں الوحید جاری کیا۔ سندھی اور انگریزی میں کم و بیش ایک درجن کتب لکھیں۔ تحریک خلافت، آزدی ہند اور تحریک پاکستان میں ان کے کردار کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ان تحاریک میں انہیں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں، لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی۔ غرض کہ انہوں نے ہر اس تحریک میں شریک ہونا اپنے لیے فرض سمجھا جس سے ملک اور عوام کو فائدہ پہنچنے کا امکان ہو۔

مولانا شوکت علی نے انہیں اسلام کا سپاہی کہا تھا۔

عبدالمجید سندھی نے 25 مئی 1978ء کو وفات پائی۔

عبدالواحد خان

تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب پہلی بار صوبہ سرحد تشریف لائے تو انہوں نے سردار عبدالرب نشتر کے ہمراہ قائداعظم محمد علی جناح کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ وہ امان کوٹ (نوشہرہ) میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی سکول نوشہرہ سے ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایل ایل بی کی ڈگری لی۔ 1935ء میں انہوں نے اسلامیہ جرگہ صوبہ سرحد کی بنیاد رکھی جسے بعدازاں قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر مسلم لیگ میں شامل کر دیا گیا۔ اسی سال دارالعلوم عربیہ کے صدر منتخب ہوئے۔ عبدالواحد خان 1947ء تک اس عہدہ پر فائز رہے۔ وہ صوبہ سرحد کے ان تین ارکان میں شامل تھے جنہوں نے 1937ء میں لکھنؤ کے مقام پر آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی تھی۔ 1936ء کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کے جتنے بھی اجلاس منعقد ہوئے انہوں نے ان سب میں شرکت کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ اور پاکستان مسلم لیگ کی مرکزی کونسل کے رکن رہے۔ وفات تک صوبہ سرحد مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری رہے۔ معاہدہ تاشقند کی مخالفت میں گرفتار ہوئے۔ 13 / اپریل 1984ء کو وفات پائی۔

عبوری حکومت

① جولائی 1946ء میں مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ مسلم لیگ کونسل کے اس اجلاس کے بعد روزنامہ ٹیلی گراف کے نمائندے نے قائداعظم محمد علی جناح سے انٹرویو کیا اور پوچھا:

''راست اقدام سے کیا مراد ہے؟''

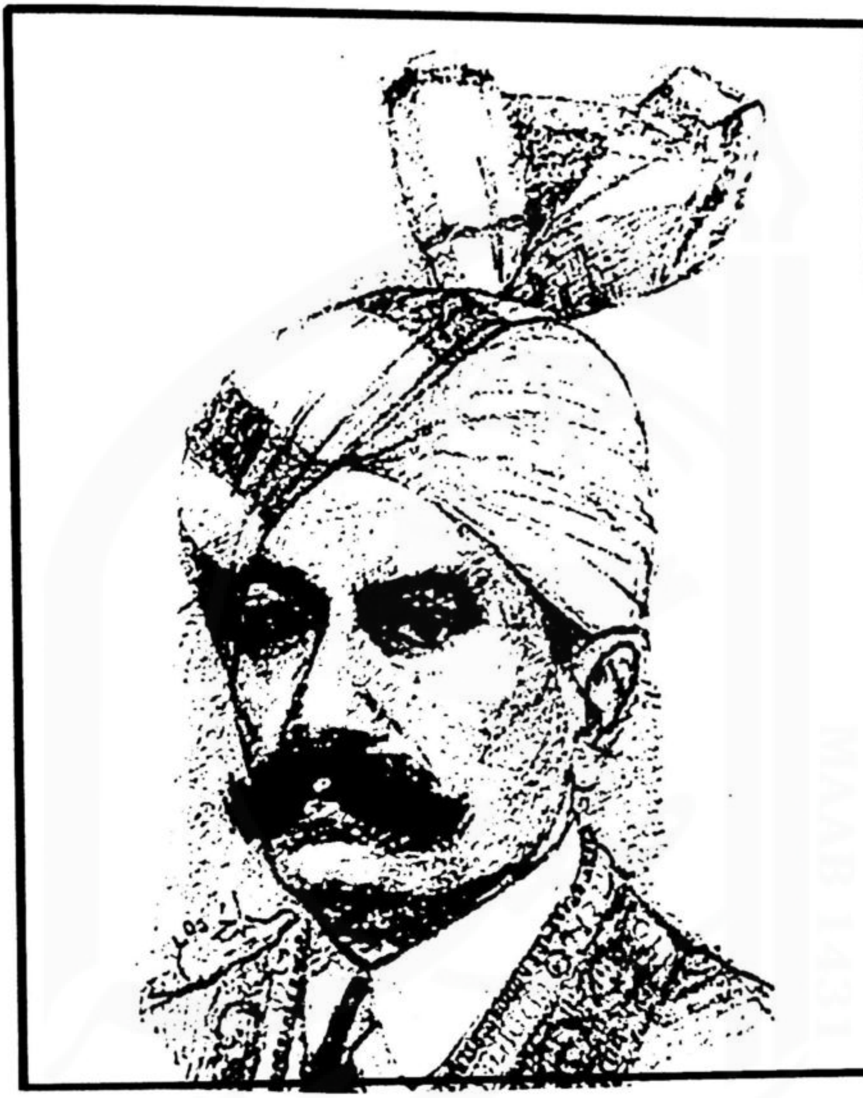
قائداعظم محمد علی جناح نے پہلے تو کہا:

''غیر قانونی عبوری تحریک چلائی جائے۔''

اخباری نمائندہ نے مضمون کا متن انہیں دکھایا تو انہوں نے لفظ غیر قانونی کو ''غیر آئینی'' سے بدل دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح سے کے سیکرٹری نے انکشاف کیا:

''ورکنگ کمیٹی نے 16 اگست 1946ء بروز جمعہ،



صاحبزادہ عبدالقیوم خان

1937 - 1864

آپ کے والد صاحبزادہ عبدالرؤف صاحب علم وسیف تھے اور انہوں نے چھتیس سال کی عمر میں شہادت پائی۔ صاحبزادہ عبدالقیوم نے پشاور سے میٹرک کیا۔ اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ رہے' آپ کی کوششوں سے 1913ء میں پشاور میں اسلامیہ کالج کا قیام عمل میں آیا جس نے تحریک پاکستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ نے 1930' 1931 اور 1932 میں گول میز کانفرنسوں میں صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ آپ صوبہ سرحد کے وزیراعلیٰ بھی رہے آپ نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ اور تحریک آزادی کے لیے بھی بھرپور کردار ادا کیا۔

مسلمانوں کی طرف سے عام ہڑتال کی تاریخ مقرر کی ہے۔''

وائسرائے کے ڈپٹی پرائیویٹ سیکرٹری کو ایک دھچکا لگا۔ اس امر کے امکانات تھے کہ عام ہیجان کی کیفیت طاری ہو جائے، تاہم وائسرائے ہند لارڈ ویول زیادہ پریشان نہیں ہوا۔ اس نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ مسٹر جناح کو حقیقی معنوں میں پتہ نہیں کہ اس دن کیا کرنا ہے۔

6 اگست 1946ء کو پیتھک لارنس کی رضا مندی سے کانگریس کے صدر نہرو کو دعوت دی:

''آپ عبوری حکومت کی تشکیل کے لیے اپنی تجاویز پیش کریں۔ یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ اس بارے میں آپ پہلے مسٹر جناح سے تبادلہ خیال کریں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اس نازک مرحلہ پر ایک مخلوط حکومت زیادہ موثر انداز میں ہندوستان کی منزل کی طرف بہترین رہنمائی کرسکتی ہے۔''

جواہر لال نہرو نے 10 اگست 1946ء کو گاندھی کے آشرم (واردھا) سے جواب میں اس پیشکش کو قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ 13 اگست کو نہرو نے وہیں سے قائداعظم محمد علی جناح کو لکھا:

''مجھے عبوری مخلوط حکومت کی تشکیل کے لیے آپ کا تعاون مطلوب ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کا جواب بڑا ہی حیران کن تھا:

''آپ کے اور وائسرائے کے مابین کیا بات چیت ہوئی ہے، مجھے اس کی بابت کچھ علم نہیں۔ نہ ہی میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ دونوں کے مابین کیا طے پایا ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ وائسرائے نے آپ کو انتظامی کونسل کی تشکیل کا حکم دیا ہے اور آپ کے مشورہ کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے پر پہلے ہی آمادگی ظاہر کردی ہے تو میرے لیے اس پوزیشن کو قبول کرنا ممکن نہیں، تاہم اگر آپ کانگریس کی طرف سے میرے ساتھ ملاقات کرکے ہندو مسلم قضیہ طے کرنے اور سنگین بحران حل کرنے کے خواہاں ہیں تو آج شام 6 بجے میں آپ سے ملاقات کے لیے تیار ہوں۔''

یہ 15 اگست 1946ء کی تاریخ تھی، پاکستان و ہندوستان کے قیام سے ٹھیک ایک سال پہلے نہرو نے بعد دوپہر مطلع کیا:

''میں آج شام 6 بجے آپ کے ہاں آرہا ہوں۔''

ملاقات کے بعد انہوں نے لارڈ ویول کو بتایا:

''میں نے مسٹر جناح کو یقین دہانی کرائی ہے کہ مجلس دستور ساز میں کسی فرقہ وارانہ مسئلہ پر عمل نہیں کیا جائے گا، تاوقتیکہ دونوں پارٹیوں کی اکثریت ان کے حق میں ووٹ نہ ڈالے۔ یہ کہ اختلافی نکات تصفیہ کے لیے فیڈرل کورٹ کو بھیجے جائیں گے یہ کہ کانگریس چونکہ گروپ سازی کے تصور کو پسند کرتی اور مرکز کے ماتحت خودمختار صوبوں کو ترجیح دیتی ہے، اس لیے اگر صوبوں نے گروپ سازی کو پسند کیا تو وہ مخالفت نہیں کرے گی۔''

نہرو نے قائداعظم محمد علی جناح کو 14 افراد کی کابینہ میں مسلم لیگ کے لیے 5 نشستیں پیش کیں۔ تاہم وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ اگر کانگریس اپنے 5 کے کوٹہ میں ایک نیشلسٹ مسلمان کو شامل کرتی ہے تو مسلم لیگ کو اس پر کیوں اعتراض ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ایسی شمولیت پر نہ صرف اعتراض کیا بلکہ اس صورت میں عبوری حکومت میں شریک نہ ہونے کی دھمکی بھی دی۔

نہرو کی رپورٹ کے مطابق جناح کی واحد تجویز یہ تھی۔

''اس ساری کارروائی کو 6 ماہ کے لیے ملتوی کر دیا جائے۔''

ہندوستان کی خانہ جنگی کے بد ترین سال کے موقع پر غروب آفتاب کے وقت مالابار ہل پر واقع قائداعظم محمد علی جناح کے بنگلہ سے نکلتے ہوئے نہرو نے مزید استفسار کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔

24 اگست 1946ء کو لارڈ ویول نے اعلان کیا:

''نہرو اور ان کی پسند کے 13 دیگر ساتھی عبوری حکومت تشکیل دیں گے جو اوائل ستمبر سے کام شروع کرے گی۔''

وائسرائے نے کہا:

''کلکتہ کے حالیہ واقعات سنجیدگی سے یاد دلاتے ہیں کہ اگر ہندوستان کو آزادی کے عبوری دور میں زندہ رہنا ہے تو بہت زیادہ صبر و تحمل سے کام لینا ہوگا۔''

وائسرائے کی نشری تقریر کے دو دن بعد قائداعظم محمد علی جناح نے اعلان کیا:

''وائسرائے نے مسلم لیگ اور مسلم ہندوستان کو سخت صدمہ پہنچایا ہے، تاہم مجھے یقین ہے کہ مسلمانان ہند اسے حوصلہ اور جرأت سے برداشت کریں گے اور عبوری حکومت میں اپنی جائز اور باعزت پوزیشن حاصل کرنے میں ناکامی سے سبق حاصل کریں گے۔ اب میں یہی دعویٰ سے کہتا ہوں کہ انہوں نے جو قدم اٹھایا ہے وہ غیر دانش مندانہ اور غیر مدبرانہ ہے، جو خطرناک اور سنگین نتائج پر مبنی ہے، اور اس نے تین ایسے مسلمانوں کو نامزد کر کے محض ہمارے زخموں پر نمک چھڑکا ہے، جن کے بارے میں انہیں علم ہے کہ انہیں مسلم ہندوستان میں نہ احترام حاصل ہے نہ اعتماد۔''

اب لارڈ ویول نے نہرو اور گاندھی سے اپیل کی:

''آپ گروپ سازی کا ایک نیا فارمولا قبول کر لیں ورنہ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس نہیں بلایا جائے گا۔''

گاندھی نے 28 اگست کو وائسرائے کے نام خط میں لکھا تھا:

''گزشتہ شام آپ نے یہ بات کئی بار دہرائی کہ آپ ایک کھرے آدمی اور سپاہی ہیں اور یہ کہ آپ قانون نہیں جانتے۔ ہم سب کھرے آدمی ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ ایسے طریقے اختیار کیے جائیں جن کے استعمال سے کلکتہ کے حالیہ ہولناک واقعات کی روک تھام کی جا سکے۔ ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ یہ کام بہترین طریقے سے کیسے کیا جائے۔ کل شام آپ کی زبان تہدید آمیز تھی۔ بادشاہ کے نمائندہ کی حیثیت سے آپ کا محض ایک فوجی ہونا کافی نہیں، نہ ہی آپ قانون کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ کانگریس سے بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ اپنے اندر اتنی لچک پیدا کرے جس سے درست کو غلط سمجھتی ہے۔ بنگال میں ہونے والی وحشیانہ غارت گری کو دیکھتے ہوئے اس راہ پر چلنے لگے۔ میں یہ بات ایک ہندو یا مسلمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ہندوستانی کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں براہِ کرم میرا پورا خط برطانوی کابینہ کو سنا دیں۔''

لارڈ ویول نے مذکورہ خط کے سرنامہ میں لکھا:

''میری اس تجویز پر کہ کانگریس کو گروپ سازی کی بابت کھل کر یقین دہانی کرانی چاہیے۔ گاندھی کے شدید ردعمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کی سابقہ یقین دہانیوں کی بابت جناح کے خدشات کتنے درست تھے۔''

وائسرائے لارڈ ویول نے مزید لکھا:

''میرا ذہن اس شہادت پر یقین رکھتا ہے کہ کانگریس ہمیشہ سے یہ سوچتی رہی ہے کہ عبوری کابینہ میں اپنی پوزیشن کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلم لیگ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور دستور ساز اسمبلی میں گروپ سازی سکیم کو تباہ کر دیا جائے، جو مسلمانوں کے لیے ایک موثر تحفظ کی حیثیت رکھتی ہے۔''

سیکرٹری آف سٹیٹ اور وزیراعظم نے لارڈ ویول کی سوچ سے اتفاق نہیں کیا۔ پیتھک لارنس نے جواب میں تار دیا:

''ہمیں فرقہ وارانہ فساد کے خطرہ کی سنگینی کا مکمل احساس ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم آپ سے کہیں گے کہ آپ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس کا نتیجہ کانگریس سے بگاڑ کی شکل میں نکلے۔''

لارڈ ویول اس مرحلہ پر استعفیٰ دینے کا ارادہ کر چکا تھا۔ اسے اس بات پر ندامت ہو رہی تھی کہ جون میں جناح کو نظر انداز کیا گیا۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ مدافعانہ انداز میں نہرو کے ساتھ کام کرنا کم خوشگوار اور زیادہ تکلیف دہ ہوگا۔

اگلے روز ڈی جی برلا نے کرپس کو لکھا:

''جب تک جناح یہ سمجھتے ہیں کہ وہ وائسرائے کے ذریعے اپنا وسیع اختیار استعمال کر سکتے ہیں۔ اس وقت تک وہ سخت رویہ ترک نہیں کریں گے۔ لیگ کے کارکنوں میں اس احساس کی علامت پائی جاتی ہے کہ جناح انہیں تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔''

ادھر 29 اگست کو عید کے پیغام میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے پیروکاروں سے اپیل کی:

''آپ مسلم لیگ کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ ہمیں ایک جھنڈے کے نیچے ایک پلیٹ فارم پر ایک متحدہ قوم کی حیثیت سے بدترین صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ماٹو اتحاد، یقین محکم اور تنظیم کے ساتھ پختہ عزم اور تیاری کرنی ہوگی۔ خدا ہمارے ساتھ ہے اور ہم یقیناً کامیاب ہوں گے۔''

چند دن بعد یکم ستمبر کو کانگریس کی عبوری حکومت کا چارج سنبھالنے کے موقع پر فرقہ وارانہ فساد نے بمبئی کو بھسم کر ڈالا، کیونکہ اس دن مسلمانوں نے سینڈ ہرسٹ روڈ کے ساتھ ساتھ تمام مکانوں پر احتجاجی سیاہ جھنڈے لہرائے، شہر میں کرفیو لگا دیا گیا۔ فوج طلب کر لی گئی۔

گاندھی نے 2 ستمبر کو برلا ہاؤس نئی دہلی میں اعلانیہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''آخر کار قومی سوراج کا دروازہ کھل گیا ہے۔''

اس دن بے تاج بادشاہ جواہر لال نہرو اور ان کے رفقائے کار نے پھولوں سے سجے ہوئے دارالحکومت دہلی میں اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا تھا۔ نہرو واقعی ہندوستان کے وزیراعظم تھے، انہوں نے پٹیل کو وزارت داخلہ اور بلدیو سنگھ کو وزارت دفاع کا تحفہ سونپا۔ چند دن بعد پنڈت نہرو نے ایک نشری تقریر میں کہا:

''اس پرانی سرزمین میں ایک نئی حکومت کا قیام عمل میں آ چکا ہے جسے ہم عارضی یا عبوری حکومت کہتے ہیں۔ ہمارا پرانا اور پیارا وطن ہندوستان آج پھر اپنے آپ کو سخت مشکلات اور مصائب میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہے۔ وہ ایک بار پھر اولوالعزمی کی درخشاں نگاہوں کے ساتھ جوان ہو گیا ہے۔ اس کا سینہ اپنے مشن پر اعتماد کی لازوال دولت سے مالا مال ہے۔''

◆ 16 جون 1946ء کو برطانوی حکومت نے آئین سازی میں پیشرفت کے ساتھ ساتھ مرکز میں عبوری حکومت کے قیام پر بھی زور دیا۔ برطانوی حکومت کی یہ خواہش تھی کہ

اس حکومت کو سیاسی جماعتوں کی حمایت بھی حاصل ہونی چاہئے۔ کابینہ مشن کے ارکان کے مشورے سے وائسرائے نے ایک چودہ رکنی ایگزیکٹو کونسل تشکیل کرنے کا اعلان کیا۔
قائداعظم محمد علی جناحؒ نے یہ اعتراض کیا:

''عبوری حکومت کا قیام مسلم لیگ کے مشورے کے بغیر ہی عمل میں لایا گیا ہے۔''

علاوہ ازیں شملہ میں دونوں بڑی جماعتوں کانگریس اور مسلم لیگ کو برابری کی بنیاد پر حکومت میں شامل کرنے کا جو منصوبہ بنایا گیا تھا اسے نہیں اپنایا گیا اور عبوری حکومت میں پارسی فرقہ کے ایک رکن کو شامل کرلیا گیا ہے۔
قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ان ترمیموں سے عبوری حکومت میں مسلمانوں کے تناسب کے خلاف اثر پڑے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے عبوری حکومت میں اپنے نام کی شمولیت پر بھی اعتراض کیا کیونکہ انہوں نے وائسرائے کو بتا دیا تھا کہ وہ جب تک مسلم لیگ کے صدر رہیں گے، حکومت میں کسی قسم کا کوئی بھی عہدہ قبول نہیں کریں گے۔ کانگریس نے کابینہ مشن کا منصوبہ صرف اسی حد تک قبول کیا تھا جس حد تک کہ اس کا تعلق آئین ساز اسمبلی کی تشکیل سے تھا۔ اس کا کہنا تھا:

''جب آئین ساز اسمبلی معرض وجود میں آئے گی تو وہ ایک خود مختار ادارہ ہوگی اور اس لیے اسے کابینہ مشن کے منصوبہ میں ترمیم کرنے کا اختیار ہوگا۔''

کانگریس نے عبوری حکومت نہ بنانے کا فیصلہ کیا۔
کابینہ مشن تو 29 جون 1946ء کو واپس برطانیہ چلا گیا، لیکن وائسرائے ہند لارڈ ویول نے کانگریسی لیڈروں کی حمایت سے عبوری حکومت کے قیام کے سلسلے میں اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ 29 جولائی 1946ء کو مسلم لیگ نے کابینہ مشن کو دی جانے والی منظوری واپس لے لی اور حصول پاکستان کے سلسلے میں راست اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ بالفاظ دیگر مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح نے کابینہ مشن کے منصوبے کو مسترد کر دیا۔ 6 اگست 1946ء کو وائسرائے لارڈ ویول نے کانگریس کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی جسے کانگریس نے 8 اگست کو قبول کرلیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر 16 اگست 1946ء کو یوم راست اقدام منایا گیا، تاہم مسلم لیگ نے یہ سمجھا کہ اگر اس نے عبوری حکومت میں اپنے نمائندے نہ بھیجے تو سیاسی اعتبار سے مسلمان اس حد تک کمزور ہو جائیں گے کہ وہ کبھی حکومت میں نہ آسکیں گے۔ چنانچہ 2 ستمبر 1946ء کو آل انڈیا مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شمولیت کا فیصلہ کیا، جس کے تحت 26 اکتوبر 1946ء کو لیگ کونسلروں نے حلف اٹھایا۔ اس طرح مسلم لیگ اور کانگریس نے مل کر حکومت بنائی۔

عبوری حکومت میں جن کونسلروں نے شرکت کی ان کے نام یہ ہیں۔ کونسلروں کی کل تعداد چودہ تھی۔

آل انڈیا مسلم لیگ

1. نواب زادہ لیاقت علی خان — وزیر خزانہ
2. آئی آئی چندریگر — وزیر تجارت
3. سردار عبدالرب نشتر — وزیر مواصلات، ڈاک اور فضائیہ
4. راجا غضنفر علی خان — وزیر صحت
5. جوگندر ناتھ منڈل (اچھوت نمائندہ) — وزیر قانون

آل انڈیا کانگریس

6. پنڈت جواہر لال نہرو — وزیر خارجہ اور تعلقات دولت مشترکہ
7. سردار ولبھ بھائی پٹیل — وزیر داخلہ، اطلاعات ونشریات
8. سردار بلدیو سنگھ (سکھ) — وزیر دفاع
9. راجندر پرشاد — خوراک اور زراعت

۱۰	سی راجگوپال اچاریہ	تعلیم اور فنون لطیفہ
۱۱	آصف علی	نقل وحمل اور ریلوے
۱۲	جگ جیون رام	(اچھوت)
۱۳	جان متھائی (عیسائی)	صنعت اور رسد
۱۴	بھابھا (پارسی)	تعمیرات معاون اور برقی طاقت

کابینہ میں کونسلروں میں مسلم لیگ کے پانچ، سکھوں کا ایک، پارسیوں کا ایک، عیسائیوں کا ایک اور کانگریس کے چھ نمائندوں نے شمولیت اختیار کی۔

عبوری حکومت اور مسلم لیگ

۱ قائداعظم محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے عرب نیوز ایجنسی کے ایک نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے، اس امید کا اظہار کیا:

''جلد ہی ہندوستان میں ایک کانفرنس منعقد کی جائے گی جس میں تمام مسلمان ملکوں کے ممتاز (زعماء شرکت کریں گے۔)''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''یہ تجویز قاہرہ میں سب سے اول پیش کی گئی اور مسلم لیگ نے اس تجویز کا خیر مقدم کیا۔''

آپ نے کہا:

''اس جلسہ کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان لیڈروں کو مصر، عراق، سعودی عرب، شام و لبنان ایران اور تمام ان ممالک کے لیگی لیڈروں سے ملاقات کرنے کا موقع ملے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ہم سب کے بہت سے مفاد مشترک ہیں اور ہمیں باہمی تہذیبی اور نظریاتی مفاہمت کی وجہ سے بہت کچھ فائدہ پہنچے گا اور اس قسم کے جلسہ سے باہمی روابط میں اضافہ ہو گا۔ یہ کانفرنس اس مفہوم میں سیاسی کانفرنس نہ ہو گی جس مفہوم میں بلوان کانفرنس ایک کانفرنس تھی، البتہ اس قسم کی کانفرنس میں سیاسی مسائل پر غور کرنا ایک حد تک ضروری ہے اور ہم سب کے لیے یہ بہتر ہو گا کہ ہم ایک دوسرے کے سیاسی سوالات کو سنیں اور سمجھیں۔ ہم سب کے سوالات مخصوص قسم کے ہیں اور یہ جاننا کہ کس طرح ایک ملک نے ان سوالات کو حل کیا۔ جو کسی ایک ملک سے مخصوص ہیں سب کے لیے مفید اور فائدہ رساں ہے کہ آخر کس طرح اس قسم کے سوالات کو کس نے حل کیا۔ اس لیے اس پہلو سے بھی اس کانفرنس سے فائدہ پہنچے گا۔ یہ کانفرنس مفید اور نتیجہ خیز ہو۔ اس کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ ان تمام ملکوں کے زعماء جو اس کانفرنس میں شریک ہوں گے وہ ان ملکوں کے بااثر نمائندے ہوں گے۔ عملی مشاورتیں ہو رہی ہیں تاکہ یہ معلوم کیا جائے کہ کیا اس وقت یعنی موسم سرما میں جب کہ ہندوستان میں بہترین موسم ہوتا ہے۔ اس کانفرنس کا انعقاد ممکن ہے یا نہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مسلم ہندوستان اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کے درمیان قریبی روابط کا ہونا ضروری ہے۔ خصوصاً اس صورت حال کے پیش نظر کہ مسلم لیگ عارضی حکومت میں شریک ہو گئی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:

''مسلم لیگ عارضی حکومت میں مسلمانوں اور دوسرے فرقوں کے مفادات کا تحفظ کرنے کے لیے شریک ہوئی ہے، چونکہ عارضی حکومت وائسرائے نے ہماری شرکت سے پہلے بنائی تھی اور عارضی حکومت صرف اونچی ذات کے ہندو کے اقتدار والی کانگریس

کے اثر میں تھی اور مسلمان قوم اونچی ذات کے ہندوؤں سے کسی بھی چیز میں مشترک نہیں ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کسی بھی قسم کا اشتراک و اتحاد مقاصد نہیں ہے، بلکہ اتنا ہی نہیں، ہمارے انفرادی اور قومی مفاد کے مختلف اہم پہلوؤں کے پیش نظر ہندو مسلمانوں کے بالکل ہی مخالف ہیں، ان حالات میں ہم نے سوچا کہ حکومت کے نظم ونسق کی ساری مشینری کانگریس کے ہندوؤں کے قبضہ میں دے دینا سخت مہلک ثابت ہوگا۔ ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ اگر مسلم لیگ کے نمائندے عارضی حکومت میں شرکت نہ کرتے تو مرکز میں ہندو حکومت اور وائسرائے ایسے مسلمانوں کو شامل کر لیتے جن پر مسلم ہندوستان کو نہ کوئی اعتماد ہوتا اور نہ بھروسہ یہ چیز سخت نتائج کی حامل ہوتی بلکہ حامل ہوئی بھی۔

اس سے ہندوستان بھر میں اضطراب و بے چینی کے احساسات پھیل گئے، جن سے وہ صورت حال پیدا ہوئی جس میں سخت فرقہ وارانہ فسادات ہو رہے ہیں۔ ان فسادات میں ہزارہا آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے اور یہ ابھی تک ملک کے مختلف حصوں میں ہورہے ہیں۔ موجودہ حالات میں حکومت کا اثر ونفوذ اور اس کے اقدامات عملاً ہماری زندگیوں کے تمام پہلوؤں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ حکومت تمام فرقوں کے مفادات کو ترقی دینے کا خیال رکھے۔ اونچی ذات کے ہندو مسلمانوں کے مفادات سے یہ دلچسپی نہیں رکھتے۔ تاریخ، روایات، مذہب، غرضیکہ ہر عنصر کے پیش نظر ہندو مسلمانوں سے بالکل ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے اگر مسلمان قوم کو ترقی کرنا ہے تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ہمیں بھی عارضی حکومت کے لیے اپنے نمائندے منتخب کرنے چاہئیں، چنانچہ انہوں نے چارج لے لیا ہے اور اب وہ مالیات و تجارت ڈاک و ہوا، صحت اور قانون کے محکموں کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ میں مستقبل کی بابت کچھ کہنے سے معذور ہوں میرے خیال میں ہندو اور مسلمان اس سے زیادہ اشتراکِ عمل نہیں کر سکتے جتنا اب تک ہو چکا ہے، میرے خیال میں وہ دو قطعی جدا گانہ قومیں ہیں اور انہیں جُدا جُدا اپنے اپنے مستقبل کو بنانا چاہیے۔''

◆ یکم اکتوبر 1946ء کو وائسرائے ہند لارڈ ویول کو یقین ہوگیا کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے مسئلہ میں کانگریس پر مزید دباؤ ڈالنے کی کوشش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب اس نے ایک بہترین حکمت عملی بروئے کار لانے کا فیصلہ کیا:

''میں جناح کو صرف یہ ترغیب دوں گا کہ وہ مجھے مسلم سیٹوں کے لیے 5 نام دے دیں۔''

وائسرائے ہند لارڈ ویول اس بات کا قائل ہوگیا:

''جلد از جلد حکومت میں شامل ہونا مسلم لیگ کے مفاد میں ہے۔''

لہٰذا اگلے روز لارڈ ویول نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور مسلم لیگ کو عبوری حکومت میں لانے کے لیے اپنی حکمت عملی سے آگاہ کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے نیشنلسٹ معاون کے سوال پر کچھ نہیں کہا اور نہ ہی اعتراض کرنے کی کوشش کی۔

لارڈ ویول نے واضح کیا:

''نائب صدر کا کام محض وائسرائے کی عدم موجودگی میں کابینہ کے اجلاسوں کی صدارت کرنا ہوتا ہے اور یہ کہ میں مسلم پارٹی کے لیڈر کے لیے یہ اہتمام کرا سکتا

ہوں کہ اسے کابینہ کمیٹی کا چیئر مین مقرر کردیا جائے
جو حقیقت میں ایک بااثر منصب ہے۔''

وائسرائے ہند لارڈ ویول نے یہ بخوبی جان لیا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح کے نزدیک وقار کا مسئلہ کتنا اہم ہے اور اس موقع پر انہیں ان کے اختیاررات سے صاف آگاہ کردیا جو اس نے بحیثیت گورنر جنرل مشتہر کیے بغیر اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔

اور یوں دو ہفتہ کے ریکارڈ توڑ مذاکرت کے نتیجہ میں مسلم لیگ کا کانگریس کے ساتھ مخلوط حکومت میں شامل ہونا ممکن ہو گیا۔ نہ ہی نہرو یا کانگریس نے ان کی انا کو رجھانے یا بھڑکانے کی کوشش کی، شاید اس طرح کے منفی اشارے پرانے فریقوں کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کو یہ یقین دلانے کے لیے دیے جارہے تھے:

''یہ ان کے لیے واقعی اچھا وقت ہے کہ وہ زائد سامان کو چھوڑ دیں اور جہاز پر سوار ہوجائیں، کیونکہ ابھی پکڑنے کے لیے ایک اور موجود ہے اور جہاز کا کپتان ان کا پرتپاک خیر مقدم کرنے کو تیار ہے۔''

وائسرائے نے اگلے روز بعد دوپہر قائداعظم محمد علی جناح سے اس وقت ایک اور ملاقات کی جسے اس نے ''نازک انٹرویو'' کا نام دیا۔ جب اسے خبر ملی کہ مسلم لیگ حکومت میں شامل ہونے پر راضی ہے تاہم جناح کابینہ کے لیے پانچ مسلمان ناموں میں سے ایک اچھوت کا نام تجویز کرکے کانگریس پر اچانک تیز بال پھینکنے والے ہیں، لارڈ ویول نے نوٹ کیا:

''میں نے ان سے کہا کانگریس کی طرف سے ایک نیشنلسٹ مسلمان کی نامزدگی کے جواب میں مسلم لیگ کی شیڈولڈ کاسٹ کو نامزد کرنا ''جیسے کو تیسا'' والی بات ہوگی اور یہ چیز میرے لیے کس قدر پریشانی کا موجب بنے گی۔''

لارڈ ویول نے مزید لکھا:

''میں نے قیاس کیا کہ جناح جس شخص کو نامزد کرنا چاہتے ہیں وہ اس وقت بنگال میں وزیر ہے۔''

جوگندر ناتھ منڈل ان دنوں بنگال کا وزیر قانون بنا وہ ایک کامیاب وکیل تھا۔ مسلم لیگ کے لیے اس میں سب سے بڑی کشش یہ تھی کہ وہ پیدائشی اچھوت تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے خود حکومت سے باہر رہنے کا فیصلہ کیا اور نواب زادہ لیاقت علی خان کو مسلم ٹیم کا سربراہ بنادیا۔ ان کے ساتھ آئی آئی چندریگر (بمبئی) سردار عبدالرب نشتر (سرحد) اور راجہ غضنفر علی خان (پنجاب) عبوری حکومت میں شمولیت کے لیے نامزد ہوئے۔

نہرو نے کابینہ میں سے دو مسلمانوں (شفاعت خان اور سید ظہیر) اور ایک ہندو (سبھاش چندر بوس کے بھائی سرت چندر بوس) کو نکال کر لیگی وزرا کے لیے جگہ بنائی۔ اس نئی مخلوط کابینہ کا سرکاری اعلان 15 اکتوبر 1946ء کو کیا گیا، چونکہ فرقہ وارانہ فسادات بنگال سے سرحد تک پھیل گئے تھے، اس لیے کانگریس لیگ مخلوط حکومت کو ابتدا ہی میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک بڑی الجھن یہ پیدا ہوئی کہ حکومت میں شامل لیگ تین انتہائی طاقت ور وزارتوں یعنی خارجہ، داخلہ اور دفاع، جن کے قلمدان علی الترتیب نہرو، پٹیل اور بلدیو سنگھ کے پاس تھے، مسلم لیگ ان میں سے کم از کم ایک وزارت چاہتی تھی۔ جبکہ کانگریس ان میں سے کوئی عہدہ چھوڑنے پر تیار نہیں تھی۔ نہرو لیاقت علی خان کی ایک تقریر کی رپورٹ پر جو انہوں نے 20 اکتوبر کو کراچی میں کی تھی، اس کے بارے میں بڑے پریشان تھے جس میں انہوں نے مبینہ طور پر کہا تھا:

''مسلم لیگ نے حکومت میں شامل ہونے کا فیصلہ اس لیے کیا کہ کانگریس دلی طور پر اس کی شرکت کے خلاف تھی اور سیاستدانوں کو حسب سابق اپنے مقصد،

پاکستان کے حصول کے لیے جہاد کی تیاری رکھنی چاہیے۔''

نہرو نے ان دو بیانات کی تردید کا مطالبہ کیا۔ نیز مسلم لیگ کے طویل عزائم کی وضاحت اور اس کی یقین دہانی چاہی کہ لیگ ،کانگریس کے ساتھ تعاون اور ایک ٹیم کے طور پر کام کرے گی۔

لارڈ ویول کو خدشہ تھا:

''کانگریس مسلم لیگ کو حکومت میں آنے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔''

قبل ازیں نہرو یہ عندیہ دے چکے تھے:

''وزارت خزانہ جس پر جنوبی ہند کا ایک عیسائی ڈاکٹر جان متھائی فائز تھا مسلم لیگ کو دے دی جائے گی۔''

حالات سے بہت زیادہ تنگ ہوتے ہوئے لارڈ ویول نے لندن تار دیا:

24 اکتوبر 1946ء کی شام کو نہرو نے اس امر کی توثیق کر دی۔

''اگر پٹیل کی وزارت داخلہ مسلم لیگ کو دے دی جائے تو کانگریس مستعفی ہو جائے گی۔''

وائسرائے لارڈ ویول نے شام ساڑھے سات بجے قائداعظم محمد علی جناح کو بلایا اور ان سے پوچھا:

''آپ وزارت خزانہ قبول کر لیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے تیور مصالحانہ نہیں تھے، تاہم وہ اس شرط پر مان گئے کہ یہ رضامندی ورکنگ کمیٹی کی منظوری کے بعد ہوگی۔

پھر لارڈ ویول نے ساڑھے نو بجے نہرو کو طلب کیا اور انہیں بتایا:

''لیگ فنانس کا محکمہ قبول کرنے کو تیار ہے۔''

پھر ان سے پوچھا:

''آپ جان متھائی کے لیے کون سا متبادل تجویز کریں گے۔''

نہرو نے جو بہت زیادہ تھکے ماندے اور افسردہ لگ رہے تھے، لارڈ ویول کی بات خاموشی سے مان لی اور کہا:

''متھائی کے بارے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے آپ کو بتادوں گا۔''

کابینہ کے نئے ممبران نے 26 نومبر 1946ء کو اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔

عبوری مشترکہ دفاعی کونسل

حکومت برطانیہ کی خفیہ دستاویزات میں سے دستاویز نمبر 276 کا متن

عبوری مشترکہ دفاعی کونسل کا اجلاس

خفیہ

یہ اجلاس بتاریخ 29 جولائی 1947ء بوقت پانچ بجے شام ہوا جس میں وائسرائے کے علاوہ مسٹر جناح، مسٹر لیاقت علی خان، سردار پٹیل، ڈاکٹر راجندر پرشاد، سردار بلدیو سنگھ، فیلڈ مارشل سر کلاڈ آکنلک، مسٹر کرسٹی، مسٹر ایچ ایم پاٹل، مسٹر محمد علی، بریگیڈیئر ایلیٹ مسٹر عثمان علی، لیفٹیننٹ کرنل ارسکائن کروم شریک ہوئے۔

کیس نمبر جے ڈی سی 47/2/9 15 اگست کے بعد برطانوی فوج کی پوزیشن فضیلت مآب وائسرائے نے کہا کہ اس امر پر اتفاق آچکا ہے کہ 14 اگست کے بعد ہندوستان میں برطانوی سپاہی کسی فوجی عمل یا کارروائی کے ذمہ دار نہیں ہوں گے اور وہ یہ سوچتے رہے ہیں کہ کیونکر اس بات کو عام کیا جائے۔ اس پر اتفاق ہوا کہ وائسرائے حکومت برطانیہ کو تجویز کریں کہ پارلیمنٹ میں سوال کر دیا جائے اور اس کا مناسب جواب دیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر ایک بیان اس مضمون

کا جاری کیا جائے۔

کیس نمبر جے ڈی سی 47/2/9 پنجاب سرحد پر صورتحال

وائسرائے نے ایک نوٹ تقسیم کیا جو انہیں موصول ہوا تھا جس میں بٹوارے کے نتیجے میں ہونے والے فسادات کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ میں نے وضاحت کی کہ یہ اطلاع ننکانہ صاحب میں آنے والے سکھوں کے اجتماع پر پابندی عائد کرنے کے فیصلے سے پہلے فراہم کی گئی تھی۔

کمانڈر رجمنٹ نے کہا کہ جنرل ایس کی فوج تو یکم اگست کو اپنی پوزیشن سنبھالے گی۔ انہوں نے کہا کہ فوج میں قیادت کی کوششیں تو ہمیشہ سے رہی ہیں۔ مگر انہیں ایسی کوئی اطلاع نہیں کہ وہ ماضی سے زیادہ کامیاب ہوسکیں گی۔ یہ تجویز کیا گیا کہ گورنر کی عائد کردہ پابندی نے صورتحال کی سنگینی میں کمی کی تھی، اور یہ کہ احتیاطی اقدامات عقل مندی تھی حالانکہ غیر ضروری طور پر دبانے کی کوشش اس گڑ بڑ کو کم کرنے کی بجائے اسے بڑھا دیتی ہے۔ وائسرائے نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ گورنر کو پابندی عائد کرنے سے پہلے یہ اندازہ لگانا پڑا کہ سکھوں کی بھاری تعداد اس میں شرکت کرنے والی تھی، اور اس نے محسوس کیا کہ اس قدر بڑے اجتماع سے فوری ہنگامے اور فساد کے پھوٹ پڑنے کا خطرہ تھا، اور اس پر پابندی نے اس خرابی کو کم کیا۔ دوسری صورت میں جن کا سامنا کرنا پڑتا۔ وائسرائے نے کہا کہ جنرل ایس کی فوج کے تقریباً ہر یونٹ میں برطانوی افسر موجود ہیں جو ان کے نزدیک نہ صرف فوج میں بدنظمی کے خلاف سب سے بڑی ضمانت ہیں بلکہ دونوں ملکوں کی فوج کے مابین تصادم کے انسداد کا سبب بھی ہوں گے، کیونکہ کسی حال میں بھی برطانوی افسر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا نہیں ہوسکتے۔

عبوری منصوبہ

مسلم لیگ کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ انگریز ملک تقسیم کر کے جانا چاہتے ہیں، اس لیے اس نے فوری طور پر قرارداد دہلی پیش کر دی۔ 19 فروری 1946ء کو برطانوی وزیراعظم لارڈ ایٹلی نے دارالعوام میں اعلان کیا تھا:

''برعظیم پاک و ہند کے سیاسی مسائل کے حل کے لیے حکومت کی طرف سے ایک وفد ہندوستان بھیجا جائے گا۔ جس میں کابینہ کے یہ تین رکن ہوں گے:

1. لارڈ پیتھک لارنس وزیر ہند
2. سر سٹیفورڈ کرپس صدر بورڈ آف ٹریڈ
3. اے وی الیگزینڈر فرسٹ لارڈ آف ٹریڈ

15 مارچ 1946ء کو کابینہ وفد کے تقرر اور اس کے ہندوستان بھیجنے کے مسئلے پر دارالعوام میں بحث ہوئی جس میں وزیراعظم نے بتایا:

''کابینہ وفد وائسرائے ہند لارڈ ویول کے ساتھ مل کر ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے گفت وشنید کر کے دستوری مسائل کے بارے میں کوئی مفاہمت کی راہ تلاش کرے گا۔''

انہوں نے وفد کے دورے کے بارے میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''میں خوب جانتا ہوں کہ میں ایک ایسے ملک کے بارے میں اظہار خیال کر رہا ہوں جس میں نسلوں، مذہبوں، اور زبانوں کے کئی مجموعے ہیں۔ اس طرح جو مشکلات پیدا ہوگئی ہیں۔ ان سے میں بھی واقف ہوں لیکن ان مشکلات پر ہند کے لوگ ہی قابو پا سکتے ہیں۔ اقلیتوں کے حقوق کا بھی پورا خیال ہے، مگر کسی اقلیت کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ

اکثریت کی راہ میں حق استرداد (ویٹو) کا روڑا اٹکا دے۔"

ایٹلی کی یہ تقریر گویا کانگریس کی حمایت کا رنگ لیے ہوئی تھی۔ اس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے 17 مارچ کو ایک بیان میں فرمایا:

"یہاں ویٹو برتنے یا اکثریت کی ترقی روکنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس پر ایک مثال چسپاں ہوتی ہے۔ مکڑی نے مکھی سے کہا کہ "میرے محل میں آجاؤ"۔ اب اگر مکھی انکار کرتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ "ویٹو کا استعمال کیا جا رہا ہے"، اور مکھی ضدی ہے۔"

کابینہ کے تین ارکان وزیر امور ہند لارڈ پیتھک لارنس، سر سٹیفورڈ کرپس، اور اے وی الیگزینڈر 24 مارچ 1946ء کو دہلی پہنچے۔ انہوں نے لیڈروں سے الگ الگ ملاقاتیں کیں، شملہ کی دوسری کانفرنس بلائی جس میں باہمی گفت وشنید کے لیے کانگریس کے چار نمائندے (آزاد، پٹیل، موتی لال نہرو، اور عبدالغفار خاں) اور مسلم لیگ کے چار نمائندے (قائداعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خاں، نواب محمد اسماعیل، اور عبدالرب نشتر) ایک کمیٹی کی شکل میں اکٹھے ہوئے۔ بحث وتمحیص کے باوجود اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ کانگریس مضبوط اور بااختیار مرکز اور مرکزی حکومت کے ہنگامی اختیارات (صوبوں میں صدر راج نافذ کرنا) چاہتی تھی، البتہ وہ مذہبی بنیادوں پر صوبوں کے گروپ بنانے اور اہم فرقہ وارانہ مسائل میں متعلقہ فرقہ کے نمائندوں کی اکثریت کی لازمی حمایت کو تسلیم کرنے کو تیار تھی۔ البتہ اگر مسلم صوبوں اور ہندو صوبوں کے گروپ بنا کر دونوں کو برابر نمائندگی دی جائے تو دستور ساز اسمبلی کے مشترکہ اجلاس کو قبول کرنے کو تیار تھی۔ دو الگ دستور ساز اسمبلیوں کی خواہشمند تھی، البتہ اگر مسلم صوبوں اور ہندو صوبوں کے گروپ بنا کر دونوں کو برابر نمائندگی دی جائے تو دستور ساز اسمبلی کے مشترکہ اجلاس کو قبول کرنے کو تیار تھی، بشرطیکہ متنازع امور کا فیصلہ تین چوتھائی اکثریت سے کرنے کی شرط مان لی جائے۔ پاکستان کی تشکیل کے امکانات کا جائزہ لیا گیا۔ پنجاب، سرحد، سندھ، اور بلوچستان کو ملا کر جو مسلم زون بنتا تھا، اس میں غیر مسلم 37ء93 فیصد تھے، اور بنگال و آسام میں 31، 41 فیصد۔ اس طرح اقلیتوں کا مسئلہ کمیشن کے نزدیک الجھا ہوا تھا، اور اس نے قائداعظم محمد علی جناح پر واضح کر دیا:

"پاکستان کی تشکیل کی صورت میں اس کا رقبہ کم ہو جائے گا یعنی بنگال اور آسام، اور پنجاب کے ہندو اکثریت کے اضلاع کاٹ دیے جائیں گے۔"

دوسری رکاوٹ کمیشن کے نزدیک یہ تھی:

"دفاع اور مواصلات میں کمزوری واقع ہو جائے گی۔"

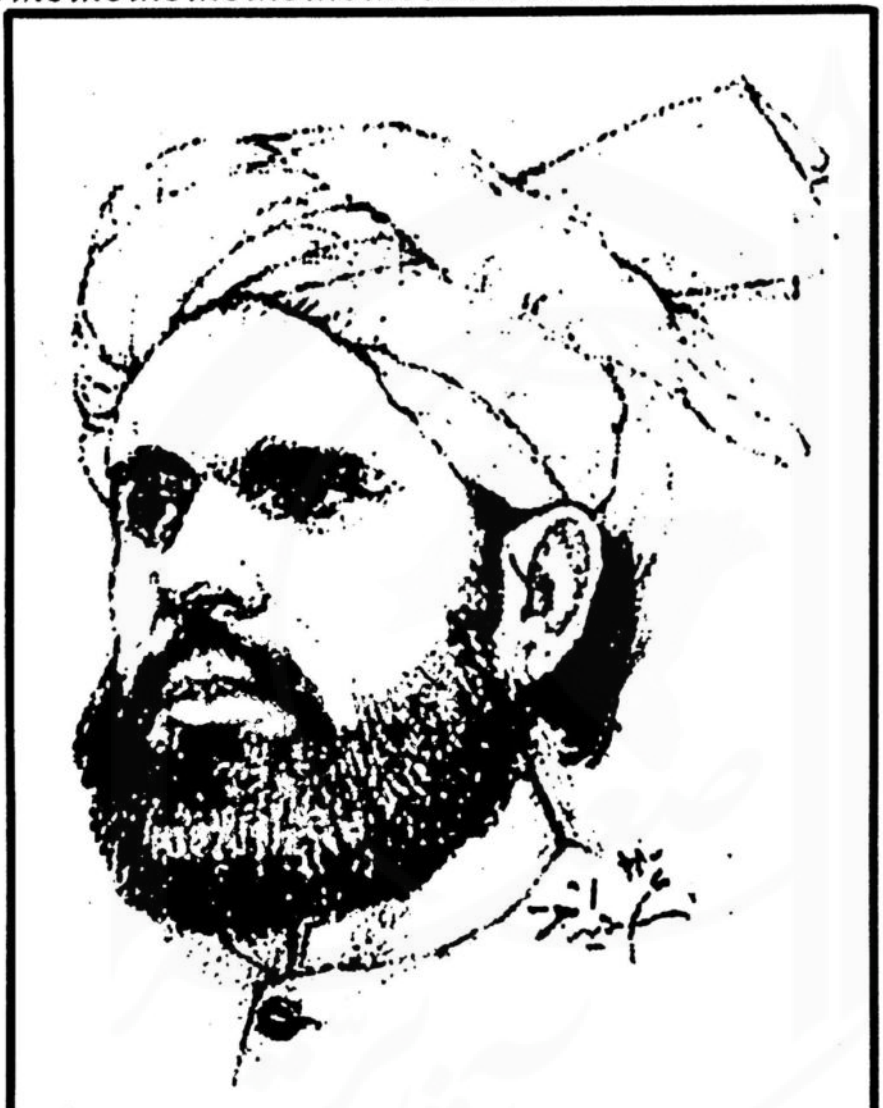
تاہم بات ابھی تک مسلم اکثریت کے اضلاع تک نیچے اتری تھی۔ مسلم لیگ کی قیادت اس فتنے کا اندازہ نہیں کر رہی تھی جو اضلاع کی تقسیم کے بعد وجود میں آنا تھا۔

12 مئی کو اس بات پر اتفاق ہو گیا تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں کے درمیان گفت وشنید جاری رکھنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ سب سے پہلے 3 اپریل کو کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات کی گئی۔ انہوں نے مطالبہ کیا:

"ہندوستان کو مکمل آزادی دی جائے، اور دستور بنانے کے لیے دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے۔ عبوری دور کے لیے مرکز میں عبوری حکومت قائم کی جائے۔"

ہندوستان کے دستور کے متعلق انہوں نے وفد کو بتایا:

"کانگریس محدود اختیارات یعنی دفاع، امور خارجہ، اور مواصلات کے امور پر مشتمل وفاق کے حق میں ہے جس میں صوبوں کو خودمختاری حاصل ہوگی۔



پیر عبداللطیف زکوڑی شریف

1978 - 1914

زکوڑی شریف' صوبہ سرحد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار تحریکِ پاکستان میں شامل نامور علمائے دین اور مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ نے دینی' قومی' سیاسی اور معاشرتی محاذ پر اہل اسلام کی بھرپور رہنمائی فرمائی۔ 1935ء میں مسجد شہید گنج کے معاملے پر صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں میں عوام کو منظم کیا۔ 1940ء میں اپنے ہزار ہا مریدوں اور ساتھیوں کے ہمراہ لاہور میں مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کی۔ صوبہ سرحد کی پاکستان میں شمولیت کے سلسلے میں ہونے والے ریفرنڈم کو کامیاب بنانے میں اتنا زبردست کردار ادا کیا کہ انہیں ''فاتح ریفرنڈم'' کہا جانے لگا۔ جہادِ کشمیر میں بھی پیش پیش رہے۔

ہندوستان کی تقسیم پر کانگریس رضامند نہیں ہوسکتی۔"

مولانا ابوالکلام آزاد کے بعد کابینہ وفد نے گاندھی سے گفتگو کی۔گاندھی نے مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کی مخالفت کی اور کہا:

"راج گوپال اچاریہ کے فارمولے میں مسلمانوں کی تہذیبی اقدار کے تحفظ کو معین صورت دے دی گئی ہے،اوراس کی بنیاد پر گفتگو کی جاسکتی ہے۔"

دوقومی نظریہ کے بارے میں گاندھی نے کہا:

"یہ نہایت خطرناک ہے۔ مذہب کی تبدیلی سے قوم نہیں بدل جاتی۔"

4 اپریل 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے وفد سے ملاقات کی اور برعظیم کے مسلمانوں کا مطالبہ وفد کے سامنے پیش کیا اور کہا:

"ہندو، اور مسلمان دو جدا جدا قومیں ہیں۔اس لیے ان کے لیے علیحدہ علیحدہ مملکتیں ہونی چاہئیں۔"

دوقومی نظریے پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے وفد کو بتایا:

"زندگی کے متعلق مسلمانوں کا تصور ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔مسلمانوں کا کلچر بالکل مختلف ہے۔ جو بجائے سنسکرت کے عربی اور فارسی سے پیدا ہوا ہے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے معاشرتی رسوم و رواج قطعی الگ الگ ہیں۔ ہندو معاشرہ اور ہندو فلسفہ دنیا میں انتہا سے زیادہ علیحدگی پسند ہے۔ ہندو اور مسلمان ہندوستان میں ایک ہزار برس سے ساتھ ساتھ رہتے ہیں، لیکن اگر کوئی ہندوستان کے کسی شہر میں جائے تو وہ دیکھے گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے محلے الگ الگ ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کے بعد کابینہ نے سکھوں، اچھوتوں کے نمائندوں سے اور ہندو مہاسبھا، اور لبرل پارٹی کے لیڈروں سے گفتگو کی۔ان سب کے خیالات اگرچہ ایک دوسرے سے مختلف تھے،لیکن سب کانگریس کے نقطہ نظر کے حامی تھے،اور ہندوستان کو متحد ہی رکھنا چاہتے تھے۔

16 اپریل 1946ء کو وفد نے قائداعظم محمد علی جناح سے دوبارہ ملاقات کی اور ہندو مسلم سمجھوتے کی اہمیت جتانے کے بعد جس کا قائداعظم محمد علی جناح کو وفد سے زیادہ احساس تھا، اور جس کے لیے وہ برسوں کوشش کر چکے تھے۔انہیں بتایا گیا:

"مطالبہ پاکستان کو مکمل طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا۔"

اوران کے سامنے دوصورتیں پیش کی گئیں اگر پورا پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان، سندھ، اور بنگال پر مشتمل پاکستان چاہتے ہیں تو اس صورت میں پاکستان مکمل خودمختار نہیں ہوسکتا بلکہ وفاقی ہند کا ایک حصہ ہوگا، اور اگر وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان مکمل آزاد اور خودمختار ہو جو کہ نسبتاً چھوٹا ہو گا تو ان صوبوں میں سے ان علاقوں کو الگ کرنا ضروری ہو گا جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں، کیوں کہ مطالبہ پاکستان کے اصول پر ہندوآزادی کو پاکستان میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک غلط بات تھی ۔ مذہبی بنیاد پر تبادلہ آبادی طے نہیں تھا۔اس طرح تو مسلم اقلیت کے صوبوں سے مسلم اکثریت والے اضلاع کو پاکستان میں شامل ہونا چاہیے تھا۔اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

"پہلے اصولی طور پر پاکستان کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر علاقوں کی تقسیم اور تعین کے بارے میں بات چیت کی جاسکتی ہے۔"

17 اپریل کو وفد نے یہی بات چیت کانگریس کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد سے کی تو انہوں نے کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کی منظوری کے بغیر اس پر گفتگو کرنے سے معذوری ظاہر کی۔

وفد کا منصوبہ

جب کابینہ وفد مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان مفاہمت ومصالحت نہ کرا سکا تو اس نے 16 مئی 1946ء کو اپنی طرف سے ایک سکیم کا اعلان کیا جو ''کابینہ وفد کا منصوبہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ کابینہ وفد نے اپنے بیان میں سب سے پہلے مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کا جائزہ لیا اور تسلیم کیا:

''مسلمانوں کے خدشات بجا ہیں اور یہ کاغذی تحفظات سے رفع نہیں ہو سکتے۔''

لیکن پاکستان کی آزاد ریاست وفد کے نزدیک قابل عمل نہیں تھی۔ اس لیے وفد نے اپنی طرف سے ایک تین مرحلہ آئینی منصوبہ پیش کیا جس کا مرکز ومحور ایک ہی مملکت کو برقرار رکھنا تھا۔

❶ سارے ہندوستان کی ایک یونین ہو جس میں برطانوی ہند اور دیسی ریاستیں شریک ہوں گی۔ امور خارجہ، دفاع، مواصلات کے شعبے یونین کی تحویل میں ہوں گے اور انتظام وانصرام کے لیے یونین کو ٹیکس لگانے کا اختیار بھی ہوگا۔

❷ یونین کی ایک انتظامیہ، اور مقنّنہ ہوگی، جو برطانوی ہندوستان اور دیسی ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ فرقہ وارانہ مسائل کو طے کرنے کے لیے دونوں بڑے فرقوں (ہندو، مسلمان) کے نمائندوں کی اکثریت کی ضرورت ہوگی۔

❸ یونین کے لیے مخصوص شعبوں کے علاوہ باقی تمام شعبے صوبوں کے سپرد ہوں گے، اور دیسی ریاستوں کے پاس وہ تمام شعبے اور اختیارات ہوں گے جو یونین کے سپرد نہ کیے گئے ہوں گے۔

❹ صوبوں کی حسب ذیل طریق پر گروپ بندی کی جائے گی۔

(الف) مدراس، بمبئی، یوپی، بہار، اور اڑیسہ۔
(ب) پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ۔
(ج) بنگال آسام۔

❺ ہر ایک گروپ کی اپنی علیحدہ علیحدہ انتظامیہ اور مقننہ ہوگی، اور ہر ایک گروپ یہ فیصلہ کرے گا کہ صوبائی شعبوں میں سے کون کون سے شعبے گروپ کے زیر انتظام ہوں۔

❻ دستور ساز اسمبلی کی تشکیل کے لیے مندرجہ ذیل اصولوں کا خیال رکھا جائے گا۔

(الف) آبادی کی صحیح تعداد کی بنیاد پر نشستیں دی جائیں۔
(ب) صوبوں کی نشستوں کو وہاں کے بڑے فرقوں میں ان کی آبادی کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے۔
(ج) ہر فرقہ کے نمائندوں کا انتخاب جداگانہ انتخاب کے اصول کے مطابق ہوگا۔ دستور ساز اسمبلی میں مختلف قوموں کی نمائندگی مندرجہ ذیل ہوگی۔

صوبہ	غیر مسلم نشستیں	مسلم نشستیں	کل تعداد
مدراس	۴۵	۴	۴۹
بمبئی	۱۹	۲	۲۱
گروپ الف			
یوپی	۴۷	۸	۵۵
بہار	۳۱	۵	۳۶
اڑیسہ	۹	......	۹
سی پی	۱۶	۱	۱۷
میزان	۱۶۷	۲۰	۱۸۷

صوبہ	غیر مسلم نشستیں	سکھ	مسلم نشستیں	کل تعداد
گروپ ب				
پنجاب	۸	۴	۱۶	۲۸
سرحد	......	......	۳	۳
سندھ	۱	......	۳	۴
میزان	۹	۴	۲۲	۳۵

صوبہ	غیر مسلم نشستیں	مسلم نشستیں	کل تعداد
گروپ ج			
بنگال	۲۷	۲۳	۶۰
آسام	۷	۳	۱۰
میزان	۳۴	۲۶	۷۰

کل تعداد برائے ہندوستان: ۲۹۲
دیسی ریاستیں: ۹۲
کل تعداد ۳۸۴

◆ ۷ ہر گروپ یہ فیصلہ کرے گا کہ آیا وہ اپنے لیے دستور بنانا چاہتا ہے یا نہیں۔ اگر دستور بنانے کا فیصلہ کیا جائے تو یہ فیصلہ بھی کیا جائے گا کہ کون کون سے شعبہ جات گروپ کی تحویل میں دیے جائیں گے، اور کون سے اختیارات صوبوں کے پاس رہیں گے۔

◆ ۸ اگلے مرحلے پر تمام نمائندے مل کر ہندوستان کی یونین کا دستور بنائیں گے۔

◆ ۹ ان انتظامات کے نفاذ کے بعد ہر صوبے کی نئی مجلس قانون ساز کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اگر چاہے تو گروپ سے علیحدگی کا فیصلہ کرے۔

◆ ۱۰ مجوزہ دستور کی تیاری اور نفاذ تک مرکز میں تمام بڑی سیاسی جماعتوں کی شمولیت سے عبوری حکومت قائم کی جائے گی، جس میں وزارت دفاع سمیت تمام عہدے ہندوستانیوں کو دیے جائیں گے۔

یہ ایک نیم وفاقی ریاست کا منصوبہ تھا۔ گاندھی نے کیبنٹ مشن کے منصوبے کو قابل فخر قرار دیا اور کہا کہ اسے منظور کر لیا جانا چاہیے لیکن ایک دلچسپ تاویل کے ذریعے سے اسے بے معنی بنا دیا۔ گاندھی نے کہا یہ تجاویز محض اپیل کا درجہ رکھتی ہیں۔ دستور ساز اسمبلی ایک خودمختار ادارہ ہوگی۔ اس لیے وہ منصوبے میں تبدیلیاں کرنے کی مجاز ہوگی۔ 24 مئی 1946ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے کہا کہ وہ صرف آزاد اور خودمختار ہندوستان کا دستور بنانے کے لیے دستور ساز اسمبلی میں شامل ہوگی۔ جولائی 1946ء میں کانگریس کے صدر پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا:

''ہم دستور ساز اسمبلی میں جانے کے لیے تیار ہو گئے ہیں اور اس کے علاوہ ہم کسی بات پر راضی نہیں ہوئے۔ یہ طے کرنے کے لیے ہم بالکل آزاد ہیں کہ اس میں ہم کیا کریں گے۔ ہم نے کسی ایک معاملے میں بھی کسی سے کوئی وعدہ نہیں کیا''۔

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا مطالبہ تسلیم نہ کیے جانے پر افسوس کا اظہار کیا۔ 5 اور 6 جون 1946ء کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں منصوبے پر غور کیا گیا۔ ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا:

''خودمختار پاکستان اب بھی مسلمانانِ ہند کا نصب العین ہے۔ اس کو حاصل کرنے کے لیے وہ ہر ایسا ذریعہ اختیار کریں گے جس کی ان میں طاقت ہے۔ وہ اپنے مقصد کے حصول میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے''۔

تاہم مسلم لیگ نے یہ کہا:

''منصوبے کی گروپ سکیم سے قیام پاکستان کی موہوم سی امید پیدا ہو گئی ہے اور اس لیے مسلم لیگ منصوبے

سے تعاون کے لیے تیار ہے، البتہ وہ دستور ساز اسمبلی
کے دوران میں یا اس کے بعد کسی مرحلے پر اپنے
فیصلے پر نظر ثانی کا حق محفوظ رکھتی ہے۔"

16 جون 1946ء کو کابینہ مشن کے منصوبے کی تکمیل کے پہلے مرحلے کے طور پر لارڈ ویول نے عبوری حکومت کے قیام کے سلسلے میں ایک بیان جاری کیا اور ایگزیکٹو کونسل میں کانگریس، مسلم لیگ اور دیگر جماعتوں کے چودہ نمائندوں کو شرکت کی دعوت دی۔ اعلان میں کہا گیا:

"اگر دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک بڑی جماعت
حکومت میں شرکت کے لیے تیار نہ ہوئی تو وائسرائے
حکومت کی تشکیل کے لیے متبادل انتظام کریں گے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے عبوری حکومت میں شرکت سے اتفاق ظاہر کیا، لیکن 25 جون 1946ء کو کانگریس نے بعض اعتراضات کی بناء پر عبوری حکومت میں شرکت سے انکار کر دیا۔ اب وائسرائے کے 16 جون کے بیان کی رو سے حکومت کا یہ فرض تھا کہ وہ مسلم لیگ اور دیگر جماعتوں کو حکومت بنانے کی دعوت دیتی، لیکن اس نے وعدہ خلافی کی۔ کانگریس کے انکار کو بنیاد بناتے ہوئے عبوری حکومت کی تشکیل کو ملتوی کر دیا۔

27، 28 اور 29 جولائی 1946ء کو مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعے کانگریس اور برطانوی حکومت کے نامناسب طرز عمل پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے مسلم لیگ نے کابینہ مشن کے منصوبے کے لیے اپنی منظوری واپس لینے کا اعلان کر دیا۔

اس مرحلے پر قائداعظم جیسے دستوری، اور قانونی طریقوں کے شیدائی قائد نے راست اقدامات شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ کانگریس نے تشدد کی راہ اختیار کی اور قوت سے مسلمانوں کو دبانے کا فیصلہ کر لیا۔ ملک بھر میں آگ اور خون کا کھیل کھیلا جانے لگا۔ لارڈ ویول نے کلکتہ میں ایک فساد کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تو اس کا دل خون خون ہو گیا۔ اس موقع پر خواجہ ناظم الدین نے اسے بتایا کہ یہ سب کچھ ان کی جانب دارانہ وعدہ خلافی کے سبب ہوا۔ ان فسادات کی خبریں انگلستان پہنچیں تو پارلیمنٹ میں کہرام مچ گیا۔ ایٹلی کی غیر معمولی جانب داری پر خوب لعن طعن ہوئی۔ چرچل نے ایٹلی وزارت کی بدعہدی پر اس کی خوب خبر لی اور حکومت نے وائسرائے کو لکھا:

"جناح کے ساتھ گفت و شنید کر کے مسلم لیگ کو
وزارت میں شامل کر لیا جائے۔"

عبوری حکومت کا اعلان 24 اگست کو کیا گیا تھا۔ جس میں جواہر لال نہرو، پٹیل اور راجندر پرشاد، راج گوپال اچاریہ، سرت چندر بوس، جگ جیون رام اچھوت، آصف علی، شفاعت احمد خاں، علی ظہیر (تینوں مسلم لیگ کے دشمن)، بلدیو سنگھ (سکھ)، جان متھائی (عیسائی) اور سی ایچ بھابھا (پارسی) شامل تھے۔ بعد میں حالات نے پلٹا کھایا تو غیر مسلم وزیر مستعفی ہو گئے۔ قائداعظم نے لیگ کی طرف سے لیاقت علی خاں، آئی آئی چندریگر، سردار عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی اور جوگندر ناتھ منڈل (اچھوت) کو نامزد کیا۔ کانگریس کے سرت چندر بوس کی بجائے ابوالکلام آزاد شامل ہوئے تھے اور وزیراعظم کا ان پر کوئی اختیار نہ تھا۔

24 اگست کو عبوری حکومت کے ارکان کے ناموں میں کہا گیا:

"دو مسلمان اراکین کی نامزدگی بعد میں کی جائے گی۔ اگست کے آخری ایام اور ستمبر کے آغاز میں ہندوستان کے متعدد مقامات پر فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ وائسرائے کی یہ کوشش تھی کہ حالات کو مزید ابتری سے بچانے کے لیے مسلم لیگ کو بھی حکومت میں شامل کیا جائے۔ وائسرائے نے جواہر

لال نہرو، گاندھی اور قائداعظم سے ملاقات کی، پھر عبوری حکومت کے مسئلے پر نہرو اور قائداعظم میں مذاکرات ہوئے۔ کانگریس کے رویے میں واضح تبدیلی محسوس کرتے ہوئے مسلم لیگ نے 13 اکتوبر 1946ء کو عبوری حکومت میں شمولیت پر رضا مندی کا اظہار کر دیا۔ 27 اکتوبر کو مسلم لیگ کے پانچ نمائندوں نے اپنے عہدوں کا حلف اٹھایا۔ان کے نام اور محکمے یہ تھے۔

لیاقت علی خاں (خزانہ)، آئی آئی چندریگر (تجارت) سردار عبدالرب نشتر (ڈاک،اور فضائیہ) غضنفر علی خاں (صحت) جوگندر ناتھ منڈل (قانون سازی) بعد کے حالات نے یہ ثابت کیا کہ مسلم لیگ کا کابینہ میں شمولیت کا فیصلہ بالکل بروقت اور درست تھا۔ مسلم لیگ بجا طور پر سمجھتی تھی کہ کابینہ میں شمولیت کے ذریعے سے وہ مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کر سکے گی، ورنہ کانگریس اپنے اختیارات کی وجہ سے قیام پاکستان کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کرے گی۔

عبوری حکومت قائم ہوگئی لیکن مسلم لیگی،اور کانگریسی وزراء کی مستقل محاذ آرائی کے باعث یہ حکومت مثبت انداز میں کام نہ کرسکی۔

دوسری طرف کانگریس مطالبہ کر رہی تھی کہ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس فوری طور پر طلب کیا جائے۔ کانگریس کا دعویٰ تھا کہ یہ اسمبلی با اختیار ہوگی، اور اپنی مرضی سے کابینہ مشن کی تجاویز میں ردو بدل کر سکے گی۔ قائداعظم کا خیال تھا کہ دستور ساز اسمبلی کو کابینہ مشن کے منصوبے میں ردوبدل کا اختیار نہیں ہوگا۔ انہوں نے وائسرائے کو مشورہ دیا:

''اس بنیادی اصول پر اتفاق رائے کے بغیر اسمبلی کا اجلاس طلب کرنا مناسب نہیں ہوگا۔''

تاہم وائسرائے نے اس مشورے کو نظر انداز کرتے ہوئے 9 دسمبر 1946ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کرلیا۔ مسلم لیگ نے اسمبلی کا بائیکاٹ کر دیا اور مطالبہ کیا:

''پاکستان اور ہندوستان کے لیے دو الگ الگ دستور ساز اسمبلیاں ہونی چاہئیں۔''

یہ اختلاف رائے اور تلخی صرف سیاسی جماعتوں تک محدود نہیں تھی بلکہ عوام کی سطح پر بھی متحدہ ہندوستان اور پاکستان کے مسئلے پر محاذ آرائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ 16 اگست 1946ء سے شروع ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ ابھی جاری تھا اور روز بروز بڑھ رہا تھا۔ 1947ء کا سال شروع ہوا تو محسوس ہوا کہ ہندوستان ایک مکمل خانہ جنگی کے دہانے پر کھڑا ہے۔

مرکز میں کانگریس کی متحدہ قوت کے علاوہ مسلمانوں کو صوبائی سطح پر بھی بعض پاکستان دشمن حکومتوں کے خلاف جہاد کرنا پڑا۔ اگرچہ 1946ء کے انتخابات میں پنجاب میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی تاہم یونینسٹ پارٹی، کانگریس اور سکھوں نے متحدہ محاذ قائم کر کے مسلم لیگ کو حکومت سازی کے حق سے محروم کر دیا تھا۔ مطالبہ پاکستان کی مخالفت کے باعث یونینسٹ پارٹی پنجاب میں بتدریج غیر مقبول ہوتی گئی۔ 1947ء کے آغاز میں مسلم لیگ نے خضر حیات ٹوانہ کی یونینسٹ حکومت سے استعفیٰ کا مطالبہ کر دیا اور دعویٰ کیا کہ اسے اسمبلی میں اکثریت کی حمایت حاصل نہیں ہے۔ خضر حیات نے اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے سے گریز کیا، اور استعفیٰ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر مسلم لیگ نے جنوری 1947ء میں خضر وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں بالآخر 2 مارچ 1947ء کو خضر وزارت مستعفی ہونے پر مجبور ہوگئی۔

صوبہ سرحد میں کانگریس کی حمایت سے قائم عبدالغفار خاں اور خان عبدالستار کی حکومت کے خلاف فروری 1947ء میں سول نافرمانی کی مہم چلائی گئی جس کے نتیجے میں یہ ثابت ہوگیا کہ صوبہ سرحد کے عوام مسلم لیگ کے حامی بن چکے ہیں۔

3 جون 1947ء کے منصوبے کے اعلان کے بعد قائداعظم نے اس تحریک کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ کانگریس نے صرف اہم محکمہ وزارت خزانہ مسلم لیگ کو پیش کیا تھا۔ قائداعظم دفاع اور خارجہ کے محکمے مانگ رہے تھے، لیکن انہوں نے چودھری محمد علی سے جو اس وقت وزارت خزانہ کے بہت سینئر افسر تھے، بلا کر مشورہ کیا۔ ان کا مشورہ یہ تھا کہ وزارت خزانہ قبول کر لی جائے، کیوں کہ اس کے ذریعے سے ہر دوسرے شعبے میں مداخلت کی جاسکتی ہے۔ کانگریس کا خیال تھا کہ خزانہ ایک فنی نوعیت کا مسئلہ ہے لیگ اس پیشکش کو قبول نہیں کرے گی اور یہ محکمہ بھی انہیں واپس مل جائے گا اور اگر لیگ نے قبول کر لیا تو ہم مسلمانوں کی نااہلی کا مذاق اڑائیں گے لیکن چودھری محمد علی لیاقت علی خان کے مشیر بن گئے اور کانگریس نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ مسلم لیگ کی تحویل میں خزانہ دے کر اس نے بڑی فاش غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔

مسلم لیگ نے نہرو کو پوری کابینہ کا سربراہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، بلکہ لیاقت علی خان کے بیان کے مطابق وہ صرف کانگریسی وزارت کا لیڈر رہا۔ اس کے باوجود مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ وہ صرف مسلم عوام نہیں بلکہ پورے ملک کی بہتری کے لیے جدوجہد کرے گی۔ اس سلسلے کی واضح مثال ''غریب آدمی کا بجٹ'' تھا جو مسلم لیگی وزیر خزانہ لیاقت علی خان نے چودھری محمد علی کی مدد سے مرتب کیا تھا۔ اپنی بجٹ تقریر میں انہوں نے ہر چیز کے حقیقی معاشی مسائل کی نشاندہی کی، اور ان کے مسائل کے لیے وسائل کو عام آدمی کی جیب سے نکالنے کے بجائے اس کا بار متمول طبقہ پر ڈالنے کا عزم کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ریزرو بنک کے حصے قومیائے۔ حصص، اجناس اور سونے چاندی کی منڈیوں میں سٹہ بازی پر کنٹرول کرنے کی تجاویز پیش کیں۔ ٹیکس چوری سے جمع شدہ دولت کی تحقیق کے لیے ایک کمیشن بٹھانے کی تجویز پیش کی۔ نمک پر محصول منسوخ کر دیا۔ انکم ٹیکس سے مستثنیٰ آمدنی ہزار کی بجائے اڑھائی ہزار کر دی گئی۔ ایک لاکھ سے متجاوز کاروباری منافعوں پر 20 فیصد خصوصی انکم ٹیکس لگایا گیا۔ سرمائے میں افزائش پر 55 ہزار روپے سے اوپر ایک تدریجی ٹیکس لگایا گیا۔ کارپوریشن ٹیکس کی شرح ایک آنے سے بڑھا کر دو آنے کر دی گئی۔ سود پر ٹیکس کی بلند ترین شرح عائد ہونے کی حد کم کر دی گئی۔ چائے پر برآمدی محصول بڑھا دیا گیا۔ اس بجٹ کی سب نے تعریف کی۔ بہت سے کانگریسیوں نے بھی اسے پہلا قومی بجٹ اور غریب آدمی کا بجٹ قرار دیا، لیکن جلد ہی ہندو بنیے جو کانگریس کو چندے دیتے تھے ارکان اسمبلی کے گرد جمع ہو گئے کیوں کہ ٹیکس چوری کے کمیشن سے لے کر سو پر ٹیکس تک تمام کی زد ان پر پڑتی تھی۔ اب تک بالواسطہ ٹیکس لگائے گئے تھے جن کا بوجھ صارفین (عوام) ہی کی جیب پر پڑتا تھا۔ اب سرمایہ دار کے منافع پر اصل ضرب لگی تھی۔ اس لیے کانگریس نے اس بجٹ کی مخالفت کی تھی، تاہم مسلم لیگ اپنے مقصد پر ڈٹی رہی۔ کانگریس جن اصولوں کا اعلان کرتی رہی تھی، اب خود ہی ان کی مخالفت پر اتر آئی تھی۔ بالآخر نہرو لیاقت ملاقات میں ان تجاویز کو آخری شکل دی گئی اور ''سوشلسٹ'' نہرو نے سرمایہ داری پر بہت سے ٹیکس ہلکے کروا کر انہیں راضی کر لیا۔

وزارت خزانہ کے غیر معمولی اثر و رسوخ کا یہ نتیجہ نکلا کہ سوشلسٹ پٹیل سٹپٹا گیا، اور اس نے تقسیم ملک کی حمایت شروع کر دی۔ اس نے کانگریسی ورکنگ کمیٹی سے ایک قرارداد پاس کروائی جس میں تقسیم کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا، بشرطیکہ بنگال و پنجاب کی تقسیم کر دی جائے۔ نہرو نے بھی نظریہ بدل دیا اور کہا:

''مسلم لیگ اگر پاکستان چاہتی ہے تو لے سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ہند کے ایسے حصے نہ لے جائے

جو پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے۔''

(پاکستان ایک نظریہ یا تحریک، از ڈاکٹر عطش درانی مطبوعہ مکتبہ عالیہ، لاہور)

عثمان، سید محمد

وہ کلکتہ کارپوریشن کے آخری مسلمان میئر تھے اور ضلع کلکتہ مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل بھی تھے۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ایک خصوصی مشن پر کئی بیرونی ممالک میں بھیجا۔ واپسی پر کراچی آ کر رہے۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد تحریک خلافت میں شمولیت اختیار کی۔ ازاں بعد علی پور سنٹرل جیل میں علامہ راغب احسن کے ساتھ رہے۔ دونوں رہنماؤں نے عہد کیا:

''وہ آئندہ انگریزوں کی اعلیٰ سے اعلیٰ ملازمت قبول نہیں کریں گے۔''

چنانچہ وہ ساری زندگی ایک سکول میں پڑھاتے رہے۔ میئر بننے سے قبل کلکتہ کے ایک سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے، لیکن تحریک خلافت سے لے کر قیام پاکستان تک کے درمیانی عرصہ میں انہوں نے مسلم لیگ کے لیے جو خدمات انجام دیں، انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

عثمان، صحرائی

قائداعظم محمد علی جناح کی تقاریر کو عثمان صحرائی نے ''جناح کی تقریریں'' کے نام سے مرتب کیا۔ یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کی ان تقاریر پر مشتمل ہے جو انہوں نے 1945ء تک کی تھیں۔ یہ کتاب اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی زندگی کے ابتدائی اور آخری دور کے حالات کی صحیح صحیح عکاسی ہوتی ہے جو طلباء کی سیاست کے لیے بیش بہا خزانہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ 1945ء میں یہ کتاب ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن نے شائع کی۔

عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن)

27 ستمبر 1939ء کو قائداعظم محمد علی جناح حیدرآباد دکن تشریف لے گئے اور انہوں نے 28 ستمبر 1939ء کی شب کو جامعہ عثمانیہ کے قدیم طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میرے ملک کے مفادات کے لیے میرا عزم غیر متزلزل ہے اور میں اپنے ملک کے لیے حصول آزادی کی جدوجہد میں کسی سے ہار نہیں مانوں گا۔ میں ہر مسلمان سے کہتا ہوں کہ اسلام تم سب سے یہ توقع رکھتا ہے کہ تم اپنا فرض ادا کرو گے اور ایک قوم کی طرح اپنی جماعت کا ساتھ دو گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 18 جولائی 1944ء کو سری نگر سے عثمانیہ یونیورسٹی کانفرنس حیدرآباد کے نام پیغام دیتے ہوئے فرمایا:

''مجھے عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام اور اس کی ترقی سے ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ میں حیدرآباد کی اس عظیم درس گاہ کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی کانفرنس کامیابی سے ہمکنار ہو گی۔''

عثمانیہ یونیورسٹی کی بنیاد حیدرآباد دکن کے آخری مسلمان بادشاہ میر عثمان علی خاں نے رکھی تھی۔ جہاں ادبیات کے علاوہ سائنس، طب اور انجینئرنگ وغیرہ تمام علوم کے لیے اردو زبان میں تعلیم دی جاتی تھی۔ جامعہ کی لائبریری اور دارالترجمہ بھی ہے۔

عجز و انکسار

قائداعظم محمد علی جناح عاجزی اور انکساری کو ہمیشہ اولیت دیتے تھے، اور کبھی ایسی کوئی بات نہ کہتے جس سے ظاہر ہوتا کہ قائداعظم محمد علی جناح تکبر و غرور سے بات کر رہے ہیں۔

یہاں ایک واقعہ قارئین کرام کے لیے درج کیا جا رہا ہے۔
جناب سید ہاشم رضا اس واقعہ کے راوی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:
''14 اگست 1947ء کی روح پرور شام تھی جب گورنر ہاؤس کے وسیع چبوترے پر قائداعظم مسکرا مسکرا کر اپنے مداحوں سے مبارک باد وصول کر رہے تھے۔ میں اور ان کے اے ڈی سی ان کے قریب کھڑے تھے۔ ایک غیر ملکی صحافی نے ان سے کہا:
''آپ کتنے خوش نصیب ہیں کہ آپ نے آج اپنی قوم کے لیے ایک ملک حاصل کر لیا ہے۔ آپ بانی پاکستان ہیں۔''
قائداعظم محمد علی جناح کا جواب تھا:
''خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ پاکستان میری زندگی میں بن گیا، لیکن میں پاکستان کا بانی نہیں ہوں۔''
صحافی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا:
''آپ اس مملکت کے بانی نہیں تو پھر کون ہیں۔''
قائداعظم محمد علی جناح کا جواب تھا:

Every Mussalman

یعنی ہر ایک مسلمان

عثمانی شبیر احمد، مولانا

(دیکھئے: شبیر احمد عثمانی، مولانا)

عدلیہ کی برتری

انگریز کے زمانے میں بلوچستان اے اور بی ایریا میں تقسیم تھا۔ شہری علاقہ اے اور دیہاتی علاقہ بی ایریا کہلاتا تھا۔ اے ایریا پورے بلوچستان کا دس فیصد سے زیادہ نہیں تھا اور وہاں ریگولر لاء نافذ تھا جب کہ بی ایریا میں جرگہ سسٹم تھا۔ پاکستان بنا تو بلوچستان ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل (اے جی جی) ایک انگریز تھا۔ انگریز کے زمانے میں تو اے جی جی وہاں کے سیاہ، سفید کا مالک ہوتا تھا۔ وہاں جو ریونیو کمشنر ہوتا، اسے جوڈیشنل کمشنر کے اختیارات بھی حاصل ہوتے۔ اس طرح ہفتے میں دو دن وہ ہائی کورٹ کے طور پر کام کرتا، ریونیو کمشنر اے جی جی کے ماتحت ہوتا اور اے جی جی براہ راست گورنر جنرل کے آگے جوابدہ ہوتا۔

1948ء کا واقعہ ہے قائداعظم محمد علی جناح کوئٹہ میں تشریف فرما تھے کہ فورٹ سنڈیمن سے کسی نے جوڈیشنل کمشنر کو انتقال مقدمہ کی درخواست دی۔ اے جی جی بھی اس کیس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اس نے جوڈیشنل کمشنر کو فون کیا کہ یہ کیس دوسری عدالت میں منتقل کیا جائے۔ جوڈیشنل کمشنر اے آر خان تھے۔ یہ سن کر وہ خاموش رہے۔ دوسرے دن انہوں نے اے جی جی کو اظہار وجوہ کا نوٹس جاری کر دیا۔ اس پر عدالتی امور میں مداخلت کا الزام تھا۔ دو فرلانگ دور ریذیڈنسی تھی جہاں قائداعظم محمد علی جناح بحیثیت گورنر جنرل تشریف فرما تھے۔ جوڈیشنل کمشنر نے اس نوٹس کی ایک کاپی گورنر جنرل کو بھیجی۔ تاریخ پیشی پر اے جی جی حاضر نہ ہوئے تو جوڈیشنل کمشنر نے اے جی جی کو پھر سمن بھیجے کہ وہ اگر مقررہ تاریخ پر پیش نہ ہوا تو پھر اس کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیے جائیں گے، چونکہ اے جی جی کو انسپکٹر جنرل پولیس کے اختیارات بھی حاصل تھے پولیس اسے گرفتار نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے جوڈیشنل کمشنر نے اس نوٹس میں یہ بھی لکھا:
''یہ گرفتاری عدالت اپنے عملے کے ذریعے عمل میں لائے گی۔''
اس نوٹس کی کاپی بھی گورنر جنرل کو بھیجی گئی، اے جی جی اس صورت حال میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملا تو انہوں مشورہ دیا:
''جب آپ نے سمن تعمیل کر لیا ہے تو پھر عدالت میں

پیش کیوں نہیں ہوئے، مقررہ تاریخ پر عدالت پہنچو اور غیر مشروط معافی نامہ پیش کر دو۔ اگر عدالت آپ کو معاف کر دے تو ٹھیک ورنہ نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہنا۔''

مقررہ تاریخ کو اے۔ جی۔ جی کو ملزم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کوئی دو گھنٹے تک کھڑا رہنا پڑا۔ عدالت وکلاء سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی وہیں اس نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی روداد بھی سنائی اور کہا:

''میں بلوچستان انتظامیہ کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہر چھوٹی بڑی عدالت کا احترام کرتا ہوں۔''

عدم تعاون تحریک

28 دسمبر 1920ء کو کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح بھی شریک ہوئے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی کی عدم تعاون تحریک کی بھرپور مخالفت کی اور کہا:

''اس روش سے تفاوت اور علیحدگی پسندی کی تحریک ہوا پکڑتی ہے اور صورت حال تباہی کا پیش خیمہ ہوگی۔''

کانگریس کے اس اجلاس میں جو کچھ ہوا اس نے قائداعظم محمد علی جناح کو کانگریس سے قطعی طور پر بددل کر دیا۔ اس اجلاس میں چودہ ہزار مندوبین نے شرکت کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی کی انتہا پسندی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا:

''تم غلط راستے پر ہو، میرا راستہ ٹھیک ہے کیونکہ آئینی اور قانونی طریق کار ہمیشہ صحیح ہوتا ہے۔''

26 جنوری 1921ء بمبئی میں منعقدہ ایک جلسہ عام سے قائداعظم محمد علی جناح نے خطاب کیا۔ حکومت کی جانب سے عدم تعاون تحریک کے خلاف جو لسٹ بنائی جا رہی تھی، اس میں قائداعظم محمد علی جناح کا نام بھی شامل تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح جو ابھی تک قائداعظم نہیں تھے۔ انہوں نے اس اجلاس میں اس کارروائی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ناگپور میں گاندھی کی پیش کردہ تجاویز کی بھرپور مخالفت کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے حکومت کے کردار کے ذکر میں فرمایا:

''حکومت کا رویہ سراسر غیر ہمدردانہ ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید بتایا:

''گاندھی کی عدم تعاون کی تحریک بے وقعت اور غلط ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مزید کہا:

''میں گاندھی کی عزت کرتا ہوں، لیکن میں یہ برملا کہتا ہوں کہ گاندھی کا طریق کار غلط ہے۔''

اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی کی عدم تعاون کی تحریک کا ایک جائزہ پیش کیا اور اس کے پس پردہ ہندوؤں کے مفادات کا ذکر بھی کیا۔

دسمبر 1921ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی کی عدم تعاون کی تحریک کے خلاف حکومت ہند کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک اخباری بیان میں واضح کیا:

''تحریک عدم تعاون محض علامت ہے اس بے چینی اور عدم اطمینان کی جو اس وقت ہندوستان کے لوگوں میں پائی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ حکومت کی پالیسیوں سے مطمئن نہیں ہیں، ممکن ہے لوگ اس تحریک کا مزید ساتھ دیں کیونکہ حکومت نے

گزشتہ 9 ماہ سے لوگوں کے مطالبات اور حالات کے تقاضوں سے یکسر بے نیازی برتی ہے۔''

عدم تفرقہ

قائداعظم محمد علی جناح کو فرقہ واریت سخت ناپسند تھی اور وہ خود کو کسی فرقے سے منسلک ہونے کی بجائے مسلمان کہلانے کو ترجیح دیتے تھے۔ اس ضمن میں 11 اپریل 1985ء کو سندھ ہائی کورٹ کے ڈویژن بینچ نے 1971ء میں حسین جی ولی جی کے دائر کردہ مقدمہ پر جسٹس ظفر حسین مرزا کے فیصلے کو رد کر دیا جو انہوں نے 1976ء میں سندھ ہائی کورٹ کے جج کی حیثیت میں دیا تھا۔ ڈویژن بینچ نے جسٹس ظفر حسین مرزا کے فیصلے کے خلاف اپیل کی سماعت کرتے ہوئے کہا:

''قائداعظم کے بارے میں فرقہ وارانہ عقائد کا حوالہ قطعی غلط اور غیر متعلق ہے کیونکہ اس ضمن میں جناب جسٹس عبدالقادر شیخ پہلے ہی فیصلہ دے چکے ہیں کہ قائداعظم حقیقی مسلمان تھے، وہ کسی قسم کے فرقہ وارانہ عقائد کے حامل نہ تھے اور قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔''

فاضل عدالت نے یہ فیصلہ ڈپٹی اٹارنی جنرل آف پاکستان مسٹر لیاقت مرچنٹ، مسٹر عزیز بھٹی اٹارنی جنرل آف پاکستان۔ مسٹر اکبر مرزا اور شیریں جناح میڈیکل ٹرسٹ کی جانب سے پیروی کرنے والے وکیل اشرف فریدی کے دلائل سننے کے بعد عدالت میں اپنے فیصلے میں کہا ہے:

''عدالت تاریخ اسلام کے ابتدائی ڈیڑھ سو سالوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ اس دوران میں فرقے نہ تھے اور فقہ کے چار مکاتب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کی بنیادیں دوسری صدی ہجری میں پڑ گئی تھیں جب کہ سنی عقائد کے بارے میں کتابوں کی تالیف چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں عمل میں آئی۔''

فاضل عدالت نے کہا:

''کسی بھی مسلمان کے لیے شیعہ یا سنی ہونا ضروری نہیں ہے۔''

عدالت نے مزید کہا:

''ریکارڈ پر موجود شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ قائداعظم اور محترمہ فاطمہ جناح دونوں نے یہ کہا تھا کہ وہ نہ شیعہ ہیں اور نہ سنی اور صرف اور صرف سادہ سے مسلمان ہیں، اور یہ کسی مخصوص مکتب فکر کی عدم موجودگی میں وہ قرآن میں بتائے گئے خالص مسلم لاء کے تحت زندگی بسر کریں گے۔''

1971ء میں قائداعظم محمد علی جناح کے بھتیجے حسین بی ولی جی کی جانب سے محترمہ فاطمہ جناح کی جائیداد کے انتظام کے سلسلے میں ایک مقدمہ دائر کیا گیا تھا۔ جس میں گواہان سید شریف الدین پیرزادہ، ایم ایچ اصفہانی، ایم آر پیر بھائی اور محمد حنیف منیار نے اپنی شہادتیں قلمبند کرائیں۔

جسٹس ظفر حسین مرزا نے سنگل بینچ کی حیثیت سے اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہا:

''محترمہ فاطمہ جناح شیعہ تھیں چنانچہ ان کی چھوڑی ہوئی تمام جائیداد کی حقدار شیریں جناح رہیں گی۔''

فاضل جج نے مزید کہا تھا:

''دستاویزات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قائداعظم کے سلسلے میں شیعہ قانون وراثت پر عمل کیا گیا تھا۔''

اس موقع پر محترمہ فاطمہ جناح کا ایک بیان عدالت میں پیش کیا گیا جس میں انہوں نے کہا تھا:

''میں نہ شیعہ ہوں اور نہ سنی۔ میں ایک مسلمان ہوں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمیں دین اسلام دیا ہے نہ کہ فرقہ وارانہ مذہب دیا ہے۔''



مولانا ظفر علی خان

1956 - 1873

آپ کوٹ مہرتھ، وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار مسلم لیگ کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ تحریکِ خلافت کے دوران تحریر وتقریر کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کو بیدار کرنے کا فریضہ سرانجام دیا اور پابند سلاسل ہوئے تاہم انگریز حکومت آپ کے زبان وقلم کو کبھی قید نہ کرسکی۔ آپ کی زیرادارت شائع ہونے والا روزنامہ ''زمیندار'' برصغیر کے مسلمانوں اور مسلم لیگ کا حامی اور ترجمان اخبار تصور کیا جاتا تھا۔ 23 مارچ 1940ء کے اجلاس منعقدہ لاہور میں قراردادِ لاہور کا موقع پر اُردو ترجمہ کیا۔ آپ ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ اُردو نثر ونظم پر یکساں قدرت رکھنے کی وجہ سے آپ کو ''بابائے صحافت'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

ڈویژن بینچ کے اس فیصلے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کے مذہبی عقیدہ کے بارے میں تنازع ختم ہوگیا۔

عدیم المثال انقلاب

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے 11 اگست 1947ء کو دوران خطاب کہا:

"اس برصغیر میں دو آزاد اور خودمختار مملکتوں کے قیام کے منصوبے سے جو عدیم المثال انقلاب آیا ہے، اس پر ہم خود ہی حیران نہیں، بلکہ ساری دنیا ششدر رہ گئی ہے۔ یہ تو خیر ایک سوفیصدی حقیقت ہے کہ یہ واقعہ عدیم المثال ہے۔ دنیا کی تاریخ میں اس جیسا اور کوئی واقعہ نہیں ہوا ہے۔ برصغیر اور اس کی مختلف قومیتوں کے باشندے آج ایک ایسے منصوبے کے تحت آگئے ہیں، جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی اور اس انقلاب کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ یہ پرامن طور پر ہوا ہے، اور انتہائی بااصول ارتقاء کے ذریعے۔"

عربیک کالج (دہلی)

یہ اپریل 1946ء کا واقعہ ہے۔ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے منتخب ارکان کا کنونشن طلب کیا گیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے بھی نہ صرف اس میں شرکت کی بلکہ اس کنونشن کی صدارت بھی کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں پاکستان کا مطالبہ دہرایا اور کہا:

"ہم بنیادی اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے ایک آئین ساز اسمبلی ہمیں منظور نہیں۔"

اگلے روز قائداعظم محمد علی جناح نے جناح سپورٹس کلب کی جانب سے دیے گئے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"متحد ہوجائیں تو کامیاب ہوجائیں گے۔"

تمام شرکا کنونشن موجود تھے۔ بوہرہ فرقے کے مذہبی رہنما سیدنا طاہر سیف الدین نے اپنی رہائش گاہ پر قائداعظم محمد علی جناح کو عشائیہ دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح مہمان خصوصی تھے۔

9 اپریل کو صبح کا سیشن 10:30 تا 1:00 دوپہر قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ شام کو مسلم لیجسلیٹو کونسل کو دیے گئے ایٹ ہوم میں قائداعظم محمد علی جناح نے شرکت کی۔ رات کا سیشن بعد از نماز عشاء شروع ہوکر رات دو بجے ختم ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اختتامی تقریر کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جی ایم سید سے ملنے سے انکار کر دیا۔ تاوقتیکہ جی ایم سید غیر مشروط طور پر اس پر اثر انداز نہ ہوں۔

عرب لیگ

1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح لندن تشریف لے گئے تو انہوں نے واپسی پر عرب لیگ کے مہمان کی حیثیت سے شیفرڈ ہوٹل قاہرہ میں قیام کیا۔ اس موقع پر عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری اعظم پاشا نے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں استقبالیہ کیا جس میں مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی اور مسلم برادرہڈ ایسوسی ایشن کے رہنما شیخ حسن البنا نے بھی شرکت کی۔

عزام کا بیان

غازی عبدالرحمٰن عزام جو غازی انور پاشا مرحوم کے دست راست جہاد طرابلس کے مجاہد اعظم شیخ سنوسی کے کمانڈر انچیف

اور آٹھ عرب سلطنتوں، سعودی عرب، یمن، عراق، شرقِ اردن شام، لبنان، فلسطین اور مصر کی متحدہ عرب لیگ یعنی دول عربیہ کی مجلس اقوام کے جنرل سیکرٹری تھے نے قاضی محمد عیسیٰ، ممبر مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم لیگ کو ایک پیغام روانہ کیا جسے ہندوستان میں رائٹر نے 15 جنوری 1946ء کو نشر کیا:

''ہم دس کروڑ مسلمانان ہند کی نمائندہ آل انڈیا مسلم لیگ کی آواز اس سننے پر فخر کرتے ہیں۔ ہم خوش ہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ عرب لیگ کے مقاصد اور اعمال دونوں کی تائید کرتی ہے۔ خصوصاً فلسطین کی حمایت اور آزادی کے منصوبوں کے لیے ہماری جدوجہد کی تائید کرتی ہے۔ فلسطین کی حمایت اور آزادی دس کروڑ مسلمانوں کو استقلال اسلام کے لیے ایک اسلامی جھنڈے کے نیچے متحد و منظم کر رہی ہے۔''

وزیراعظم لبنان اور پاکستان

اخبار MORNING NEWS کلکتہ کے نامہ نگار خصوصی نے حسب ذیل بحری تار 19 جنوری 1945ء کو دیا:

''ریاض الصلح وزیراعظم لبنان نے جو اہم ترین بین الاقوامی کانفرنس لندن میں لبنان کے نمائندہ ہیں فرمایا بلاشبہ سلطنت پاکستان دنیا کی مضبوط ترین اسلامی سلطنت ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کی ہمسایہ ہندو قوم مسئلہ پاکستان و استقلال اسلام کے متعلق آپ کے جذبات کا احترام کرے گی۔''

حافظ وھبہ کا اعلان حق

''سلطنت سعودی عربیہ کے سفیر ہز ایکسی لینسی حافظ وہبہ نے جو اقوام متحدہ کی عالمگیر کانفرنس لندن میں سلطان ابن مسعود کے نمائندے ہیں۔ 12 فروری 1946ء کو کلکتہ کے مشہور اخبار MORNING NEWS کے نمائندے کو حسب ذیل بیان دیا:

''میرے لیے یہ سخت مشکل ہے کہ میں اس بات کا یقین کروں کہ مولانا ابوالکلام آزاد مسلم لیگ کے ماتحت مسلم اتحاد کے مخالف ہیں۔ یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد مسٹر جناح سے اختلاف رکھتے ہوں، لیکن یہ اختلاف رائے چاہے کتنا ہی شدید کیوں نہ ہو کیونکر اور کس طرح مولانا ابوالکلام آزاد کو مجاز کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ سے جدا اور ہندو جماعت کانگریس سے واصل اور وابستہ رہیں کیونکہ شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی حالت اور کسی صورت میں کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور سوادِاعظم سے اپنے آپ کو منقطع کر لے۔ غیر منصوص (یعنی وہ مسائل جو قرآن مجید میں درج نہیں ہیں۔ مولف) معاملات میں ایک مسلمان کا اختلاف رائے ہمیشہ امت کی اکثریت اور سواداعظم کی خواہش و مرضی کا تابع ہوتا ہے۔ اگر میں مولانا ابوالکلام آزاد کی جگہ ہوتا اور پاکستان کے خلاف بھی ہوتا تاہم پاکستان کی حمایت کرتا اور صرف اس لیے کہ مسلمان پاکستان چاہتے ہیں۔ میں بھی پاکستان کی تائید کرتا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہندوستان میں ایک مسلمان سلطنت کا ظہور و قیام نہ صرف مسلمانان ہند اور عالم اسلام کے لیے عظیم ترین فائدہ اور بھلائی کی بات ہوگی بلکہ امن عالم کے لیے بھی بڑی چیز ہوگی۔''

ہندوستان کے عرب

''ہندوستان میں جو عرب آباد اور مقیم ہیں وہ بھی مسلم

لیگ کے حامی ہیں اور پاکستان کے موید ہیں۔ بمبئی میں جناب زنیل علی رضا کا خاندان ہندوستان میں جو عرب مقیم ہیں ان میں سب سے زیادہ سربرآوردہ مانا جاتا ہے اور اس خاندان نے ہمیشہ دامے، درمے مسلم لیگ کی مدد کی ہے۔ اس کی تحریکوں میں حصہ لیا ہے۔ اس کی پکار پر لبیک کہا ہے۔

ممالک عربیہ کے جو کونسلر ہندوستان میں مقیم ہیں۔ وہ بھی مسلم لیگ سے اور اس کی تحریک سے پوری پوری دلچسپی اور ہمدردی رکھتے ہیں۔ مصر و عراق کے کونسلروں نے تو مسلم لیگ کے جلسوں میں شرکت کی ہے اور تقریریں کی ہیں۔''

شرقِ اردن اور پاکستان

شرق اردن کے فرمانروا امیر عبداللہ نے ترکیہ کے دورہ کے سلسلہ میں بمقام انقرہ ایک پریس کانفرنس میں عالم اسلام کو ایک سیاسی نظام میں منسلک کرنے کی تجویز پر گفتگو کرتے ہوئے 11 جنوری 1947ء کو فرمایا:

''دنیائے عرب اور ترکی کے علاوہ ممالک اسلامی کے اس نئے نظام سیاسی میں ایران، افغانستان، شمالی افریقہ کی اسلامی سلطنتیں اور سلطنت پاکستان بھی شریک ہوگی۔ یہ تمام ممالک ایک ہی خاندان کے مختلف فرد ہیں، اور ایک دوسرے کی مدد کریں گے تاکہ یہ ممالک اپنی جغرافیائی حدوں کی آزادی برقرار رکھ سکیں۔''

غرض اگر سنجیدگی سے اہل عرب کا نقطہ نگاہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو ماننا پڑے گا کہ من حیث القوم عرب اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کے ساتھ ہیں اور ان کے مطالبہ استقلال قومی وحریت ملی سے پورا پورا اتفاق رکھتے ہیں۔

(قائداعظم اور ان کا عہد، از: رئیس احمد جعفری)

عرب نیوز ایجنسی

7 نومبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس خبر رساں ایجنسی کو ایک انٹرویو دیا تھا جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا تھا:

''عارضی حکومت میں لیگ مسلمانوں اور دوسرے اقلیتی فرقوں کے مفادات کے لیے شریک ہوئی ہے، اور اگر مسلم لیگ کے نمائندے عارضی حکومت میں شرکت نہ کرتے تو مرکز میں ہندو حکومت اور وائسرائے ایسے مسلمانوں کو شامل کر لیتے جن پر مسلم ہندوستان کو نہ کوئی اعتماد ہوتا اور نہ کوئی بھروسہ۔ یہ چیز بدترین نتائج کی حامل ہوتی بلکہ ہوئی تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 16 دسمبر 1946ء کو قاہرہ میں مقیم عرب نیوز ایجنسی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا:

''میرے نزدیک ہندو اور مسلمان اس سے زیادہ اشتراک نہیں کر سکتے جو اس وقت ہے۔ میرے نزدیک یہ دونوں بالکل جدا قومیں ہیں اور انہیں اپنی قسمت کا فیصلہ علیحدہ قوموں ہی کی طرح کرنا چاہیے۔''

عزت اللہ

تحریک پاکستان کے ایک سرگرم کارکن تھے۔ انہوں نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن اور مسلم لیگ کے جھنڈے تلے قائداعظم محمد علی جناح کے لیفٹیننٹ کی حیثیت سے شب و روز کام کیا۔ قیام و استحکام پاکستان کے بعد مہاجر کیمپوں میں

خدمات سرانجام دیں۔ اس کے بعد کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے لیے حتی المقدور کام کیا۔

26 اگست 1952ء کو مسلم لیگ کی حکومت نے ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اردو بازار لاہور میں انہیں ایک بڑا پبلشنگ ہاؤس عطا کیا گیا جسے انہوں نے اقبال کمپنی سے موسوم کیا۔

اقبال کمپنی کے ذریعے انہوں نے جن بین الاقوامی کتب کی اشاعت کی ان میں چھ بین الاقوامی کتب کے انڈیکس ہر جگہ موجود ہیں۔

پھر پاکستانی سیاست میں ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں کہ ان جیسے بے لوث کارکنوں سے سب کچھ چھین لیا گیا اور ماہنامہ ''نوائے اقبال'' بھی بند ہوگیا۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے ان کے نقصانات کے ازالے کے لیے احکامات جاری کیے۔

عذر رفع ہو گئے

سید حسن ریاض اپنی کتاب ''پاکستان ناگزیر تھا'' میں رقمطراز ہیں:

''وزارتی وفد غیر مسلم پارٹیوں کے نمائندوں سے گفتگو میں مصروف تھا۔ ان ہی دنوں میں مسلم لیگ نے 19 اپریل کو دہلی میں ان تمام ارکان مجالس واضعان قانون کا ایک اجتماع منعقد کیا جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مرکز اور صوبوں میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس کونشن کی صدارت قائداعظم نے فرمائی۔ ہندوستان کے منتخب اور ممتاز مقرروں نے ہندوستان کی سیاسی صورت حال، ہندو مسلم کش مکش اور مسلمانان ہند کے جذبات اور تصورات کے اظہار میں، ایسی فصیح و بلیغ اور مدلل تقریریں کیں کہ مشن کے لیے یہ عذر باقی نہ رہا کہ وہ مسلمانوں کے نقطہ نظر اور اس کے ہر پہلو سے اچھی طرح آگاہ نہ تھا۔

کونشن نے ایک مفصل ریزولیشن با اتفاق رائے منظور کی۔ اس کے ابتدائی حصے میں ان اسباب کا ذکر کیا گیا تھا جن کی وجہ سے مسلمان ہندوستان کی تقسیم ضروری سمجھتے رہے تھے۔ اس کے بعد صاف اور قطعی الفاظ میں مسلمانوں کا مطالبہ تھا اور آخر میں مندرجہ ذیل اعلان:

''یہ کونشن مکرر اعلان کرتا ہے کہ متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر اگر کوئی دستور مسلط کرنے کی یا مرکز میں مسلم لیگ کے مطالبے کے خلاف جبراً عبوری انتظام قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو مسلمانوں کے لیے اس کے سوا کوئی مفر نہ رہے گا کہ وہ اپنی بقا اور قومی تحفظ کے لیے تمام ممکن طریقوں سے ان کی مخالفت کریں۔''

دو صورتیں

قائداعظم کی صاف گفتگو اور مسلم لیگ کونشن کی تقریروں اور ریزولیشن کا یہ اثر ہوا کہ ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل میں وزارتی وفد کو بھی پاکستان ناگزیر معلوم ہونے لگا۔ اس کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ بغیر پاکستان مستقبل کے ہند کے متعلق سوچے۔ وفد کو زیادہ یہ صورت محسوس ہوئی کہ قائداعظم اور صدر کانگریس سے گفتگو کر کے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان اتفاق رائے کی کوئی سبیل نکالے۔

16 جون کو وفد نے قائداعظم سے دوسری ملاقات کی اور باہمی سمجھوتے کی اہمیت جتانے کے بعد جس کا قائداعظم کو وفد سے زیادہ احساس تھا اور جس کے لیے وہ برسوں کوشش کر چکے تھے، وزیر ہند نے ان کے سامنے دو صورتیں پیش کیں۔ پہلی یہ کہ اگر پورا

پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان، سندھ اور بنگال پاکستان کے لیے الگ کرنا ہے تو کسی حد تک کل ہند یونین میں شرکت ضروری ہوگی، اور خودمختاری اور آزادی میں کمی کرنی پڑے گی۔ یہ اس لیے کہ پنجاب اور بنگال میں ایسے رقبے بھی ہیں جن میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ وہ کل ہند یونین سے الگ ایک مسلم دولت میں رہنا پسند نہ کریں گے۔ دوم یہ کہ اگر کامل آزادی اور خودمختاری کے دعوے پر اصرار ہے تو صوبے تقسیم ہوں گے اور اکثریت کے رقبے پاکستان سے الگ کرنے پڑیں گے۔ کلکتہ کے لیے وفد نے خصوصیت سے کہا کہ وہ اسی اصول خوداختیاری کی بنا پر پاکستان میں نہیں رہے گا۔ جو پاکستان کے دعوے کی بنیاد ہے اور کانگریس کو اس سے زیادہ دبایا بھی نہیں جاسکتا۔

اس کے مقابلے میں وفد نے یہ ایک متبادل تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ اور کانگریس کل ہند یونین کی اسکیم پر متفق ہو جائیں۔ مسلم لیگ مرکز کا ایک یونین قبول کر لے۔ اس صورت میں تین وفاق ہوسکیں گے۔ ایک پاکستان وفاق، جس میں پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان، سندھ اور بنگال سب پورے پورے صوبے شریک ہوں مگر آسام میں صرف سلہٹ کا ضلع، دوسرا وفاق ریاستوں کا ہو، بشرطیکہ والیان ملک اس کے لیے رضامند ہوں، اور تیسرا ہندو اکثریت کے صوبوں کا۔ مرکز کی تحویل میں اشد ضروری شعبے رہیں، مثلاً امور خارجہ، مواصلات اور دفاع۔ ایسے کل ہند یونین میں ہندو اور مسلم پارٹیوں کی نیابت مساوی ہوسکتی ہے۔ ایسی بھی کوئی دفعہ ہوسکتی ہے کہ ایک مرکز میں جو پارٹیاں شریک ہوں گی۔ ان میں سے جو چاہے وہ ایک معیاد کے بعد جو فرض کیجئے کہ پندرہ سال ہو، اس سے الگ ہو سکے گی۔ وزیر ہند نے یہ امید ظاہر کی کہ اس انتظام کے تحت بڑی طاقت ور مسلم فیڈریشن ہوگی، اور اس کا بھی امکان ہے کہ کانگریس اس کو منظور کرلے۔ اس سوال پر کہ اس میں پاکستان کی شرکت کیوں کر ہوگی۔ وزیر ہند نے یہ کہا کہ خودمختار چھوٹا پاکستان معاہدات کے ذریعے اور بڑا پاکستان مساوات کی بنیاد پر ہندوستان کے ساتھ ساتھ ایک کل ہند یونین کے اندر محض دفاع اور امور خارجہ کی اغراض کے لیے۔ اس دوسری صورت میں دو وفاق ہوں گے، اور ایک مرکزی یونین کے ذریعے ان کے درمیان تعلق ہوگا۔ دیسی ریاستیں اس میں یونین کی سطح پر داخل ہوں گی یا فیڈریشن کی سطح پر۔ یونین میں ہندوستان اور پاکستان کی نیابت برابر ہوگی۔ اگر ریاستیں داخل ہوئیں تب بھی فرقہ وارانہ تناسب برقرار رکھا جائے گا۔

اس پر قائداعظم نے سوال کیا کہ یونین کی مجلس عاملہ کس طرح بنے گی۔ اس پر اسٹیفورڈ کرپس نے جواب دیا کہ وفاق یونین کی عاملہ (ایگزیکٹو) کا انتخاب کریں گے۔ اس پر قائداعظم نے سوال کیا کہ مساوی نیابت ہونے کی صورت میں فیصلے کیوں کر ہوں گے۔ اسٹیفورڈ کرپس نے جواب دیا کہ یونین کی کوئی پارلیمنٹ نہیں ہوگی۔ ذمہ داری وفاقوں کی طرف واپس جائے گی اور حکومتوں کے باہمی اتفاق سے اختلافات کا فیصلہ ہوگا۔ قائداعظم نے اس میں شبہ ظاہر کیا کہ عملاً یہ انتظام چل سکے گا۔ روزمرہ اہم فیصلے کرنے ہوں گے، اور بالخصوص دفاع کے متعلق، قائداعظم نے یونین کے خیال کو قابل غور نہیں سمجھا۔

اس کے بعد وزیر ہند نے دوسری صورت پر گفتگو کی جس میں پاکستانی صوبوں کے وہ علاقے جن میں ہندوؤں کی تعداد زیادہ ہوتی پاکستان سے الگ کر کے ہندوستان کو دینے کی تجویز تھی۔ اس پر قائداعظم نے کہا کہ پہلے پاکستان کا اصول تسلیم کیا جائے، اس کے بعد دوسرے مسائل پر گفتگو ہو سکتی ہے۔ اگر ہم نے ابھی سے مراعات دینی شروع کیں تو اس سے قبل ہی کہ واقعی گفت وشند کا آغاز ہو، مسلمان سب کھو دیں گے۔

اس پر وزیر ہند نے کہا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ قائداعظم محمد علی جناح کوئی قرارداد پیش کریں لیکن بس اتنا بتا دیں کہ زیادہ رقبہ لے کر یونین کی بنیاد پر غور کرنا بہتر سمجھیں گے، یا کم رقبہ لے کر کامل خودمختاری کی بنیاد پر۔ قائداعظم نے جواب دیا کہ میرا دعویٰ چھ صوبوں کے لیے ہے۔ اگر کانگریس یہ سمجھتی ہے کہ یہ بہت ہے تو پھر کانگریس کو کہنا چاہئے کہ اس کے خیال میں اتنا ہو۔ قائداعظم نے اس پر رضامندی ظاہر کی کہ اگر کانگریس کامل خودمختار پاکستان کی بنیاد پر سمجھوتے کی گفتگو کرنا چاہے، تو وہ اس کے لیے تیار ہیں، لیکن اگر اس نے کوئی ایسی تجویز پیش کی جس کا صدمہ پاکستان کے دل پر پڑے یا اس نے پاکستان کا اصول ہی تسلیم نہ کیا تو پھر گفتگو کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

آخر میں وزیر ہند نے قائداعظم سے کہا کہ وہ اس پر دوبارہ غور کریں کہ آیا دوسری صورت (یعنی ایک یونین میں شرکت) کے متعلق وہ اپنی روش تبدیل کر سکتے ہیں۔ نیز وہ اس پر کوئی رائے ظاہر کر سکتے ہیں، یا نہیں کہ یہ دونوں تجاویز کانگریس کے سامنے پیش کی جائیں۔ قائداعظم نے جواب دیا کہ کانگریس کی اس میں جتنی حوصلہ افزائی کی جائے گی کہ وہ اس پاکستان میں سے قطع برید کرے جس کا میں مطالبہ کر رہا ہوں یا پاکستان کی خودمختاری میں کمی کرے، متفقہ فیصلے کے امکانات اتنے ہی کم ہو جائیں گے۔

دوسرے روز مشن نے ابوالکلام صاحب آزاد سے وفاقی مرکز کے متعلق گفتگو کی، اور اس تشکیل کے متعلق ان کی رائے معلوم کرنی چاہی، مگر انہوں نے اپنا جواب اس پر منحصر کر دیا کہ وہ ورکنگ کمیٹی سے اس تجویز کے متعلق گفتگو کر لیں۔ اس ملاقات کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بعد میں گاندھی اور نہرو نے اسٹیفورڈ کرپس کو مطلع کیا کہ ان کو ایسی آل انڈیا یونین منظور نہیں ہے جو تین منزلوں کی بنیاد پر قائم ہو۔ یعنی وہی جس کو قائداعظم نے ناقابل عمل قرار دیا تھا۔ اس کے بعد مشن کشمیر چلا گیا۔

کشمیر سے واپس آنے کے بعد سر اسٹیفورڈ کرپش نے 24 اپریل کو قائداعظم اور کانگریس کے سامنے ایک اور منصوبہ پیش کیا، مگر وہ دونوں نے منظور نہیں کیا۔ سر اسٹیفورڈ کرپس نے کانفیڈریشن کا ایک منصوبہ مرتب کیا، پھر وہ اسی سہ منزل وفاق کی اسکیم پر واپس آ گئے۔ اس پر قائداعظم نے یہ کہا کہ ان کو اس کا یقین دلایا جائے کہ کانگریس سہ منزلہ فیڈریشن پر غور کرنے کے لیے تیار ہے، تو میں اس کو مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں پیش کر دوں گا۔

کانگریس اگرچہ اس کو مسترد کر چکی تھی لیکن 26 اپریل کو ملاقات میں آزاد صاحب نے خود ہی سہ منزلہ وفاق کا ذکر کیا۔ سر اسٹیفورڈ کرپس نے ان سے کہا کہ آیا ان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ قائداعظم محمد علی جناح سے یہ کہہ دیں کہ کانگریس اس بنیاد پر گفتگو

کرنے کے لیے تیار ہے کہ دو وفاق ہوں، دونوں کی الگ الگ مجالس واضعان قانون ہوں، اور دونوں کے اوپر ایک یونین کی عاملہ اور مجلس واضعان قانون ہو جو لازمی شعبوں کا انتظام و انصرام کریں۔ آزاد صاحب نے جواب دیا کہ ان کو اس کی امید ہے کہ وہ ورکنگ کمیٹی کو اس پر رضامند کرلیں گے کہ وہ مشن اور مسلم لیگ کے نمائندوں سے ملے اور سمجھوتے کے امکان پر گفتگو کرے۔

صدر کانگریس سے یہ طے کرنے کے بعد سر اسٹیفورڈ کرپس قائداعظم سے ملے اور ان کو اس سے مطلع کیا کہ اس کی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ مسلم لیگ کانگریس اور کیبنٹ مشن ایک جگہ ملیں۔ قائداعظم نے یہ منظور کیا کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے سامنے یہ تجویز پیش کردیں گے۔

معین منصوبے

دوسرے روز 27اپریل 1941ء کو وزیر ہند، لارڈ پیتھک لارنس نے قائداعظم اور ابوالکلام آزاد صاحب کو ایک خط لکھا۔ اس میں یہ تھا کہ اس گفتگو کے بعد جو مشن نے مختلف پارٹیوں کے لیڈروں سے کی ہے وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان وہ ایک مرتبہ سمجھوتے کی کوشش اور کرے۔ انہوں نے اس گفتگو کی بنیاد کے طور پر دونوں پارٹیوں کے لیڈروں کو ایک ایک اسکیم کے بنیادی اصول بھیجے اور یہ خواہش کی کہ اپنے اپنے چار چار نمائندے بھیجیں جو برطانیہ کے ان چار نمائندوں سے گفتگو کریں جن میں ایک وائسرائے تھے اور تین وزارتی مشن کے ارکان۔

انہوں نے لکھا کہ ہندوستان کے آئندہ دستور کا قالب حسب ذیل ہونا چاہیے:

''ایک یونین گورنمنٹ ہو جو مندرجہ ذیل شعبوں کا انصرام کرے۔ امور خارجہ، دفاع اور مواصلات۔ صوبوں کے دو مجموعے ہوں، ایک مجموعہ ان کا جن میں غلبے کے ساتھ ہندو اکثریت ہو، اور دوسرا ان کا جن میں مسلمانوں کی غالب اکثریت ہو۔ صوبوں کے یہ دونوں مجموعے ان تمام دوسرے شعبوں کا اہتمام وانتظام کریں جن کے متعلق ان کے صوبے یہ مناسب سمجھیں کہ ان کا انتظام مشترکہ ہو۔ صوبوں کی حکومتیں ان کے علاوہ دوسرے تمام شعبوں کا انتظام کریں اور ان کو اختیارات ماتقی باختیار حاکمہ حاصل ہوں۔

یہ سوچا گیا ہے کہ دیسی ریاستیں ان شرائط پر، جو ان سے طے ہو جائیں اس منصوبے میں اپنے لیے موزوں جگہ حاصل کرسکیں گی۔''

وزیر ہند نے اشارتاً یہ بھی لکھ دیا کہ یہ مناسب اور موزوں نہیں معلوم ہوتا کہ اس خط میں ان اصولوں کی مزید صراحت کی جائے کیونکہ دوسرے تمام معاملات گفت وشنید کے دوران میں طے ہو جائیں گے۔

صدر مسلم لیگ نے اس خط کے جواب میں وزیر ہند کو اس سے آگاہ کیا کہ ان کے مراسلہ خط میں اصول اور مفصل کے کئی ایسے معاملات ہیں جن کی شرح اور وضاحت کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی مسلم لیگ کی طرف سے گفتگو کے لیے انہوں نے یہ چار نام بھیج دیے۔ مسٹر محمد علی جناح، نواب محمد اسماعیل خان، نواب زادہ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر۔

کانگریس نے حسب عادت اپنے خط میں وہ دعوے پیش کیے کہ اگر گفت وشنید ترک کرنا اس کو مفید معلوم ہو تو ان کو بہانہ قرار دے کر درمیان سے اٹھ آئے۔ اس نے لکھا کہ اس خط میں ہندوستان کی انڈیپنڈنس (کامل آزادی) کے بنیادی مسئلے کا ذکر نہیں ہے اور اس کا ذکر نہیں ہے کہ ہندوستان سے برطانوی افواج کب واپس بلائی جائیں گی۔ اس کے علاوہ خط میں دوسرے نکات بھی ہیں جن پر اختلاف ہے، مگر چوں کہ وزیر ہند نے خود ہی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان تمام مسائل پر گفتگو ہو سکتی ہے اس لیے کانگریس اس پر رضامند ہو گئی ہے کہ مجوزہ کانفرنس کے لیے اپنے نمائندے بھیج دے۔ وہ نمائندے یہ تھے۔ ابوالکلام آزاد، جواہر لال نہرو، ولبھ بھائی پٹیل، عبدالغفار خان۔ وہ بات بڑی دلچسپ تھی کہ ان نمائندوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کامل مساوات رکھی گئی۔''

عزمِ شہادت

26 دسمبر 1945ء کو دیوبند کے ایک عظیم الشان اجتماع میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک عرصہ سے عافیت نشین تھا اور میری طویل علالت وخرابی صحت کا تقاضہ بھی یہی تھا لیکن آج ملت اسلامیہ ایسی جدوجہد سے دوچار ہے اس کے نتائج و عواقب اس قدر اہم ہیں جو مجھے اس بیماری کی حالت میں بھی سیاست میں کھینچ لائے، تحریک خلافت کے بعد سے میں سیاست سے کنارہ کش ہوں لیکن عرصہ دراز کی کاوشوں اور غوروخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر حصول پاکستان کے لیے میرے خون کی ضرورت ہو تو میں اس راہ میں اپنا خون دینا باعث افتخار سمجھوں گا اور اس سے ہرگز دریغ نہ کروں گا اس وقت ملک وملت اسلامیہ کا وجود و بقا اور مسلمانوں کی باعزت زندگی قیام پاکستان سے وابستہ ہے میں اپنی زندگی کو کامیاب سمجھوں گا اگر اس مقصد کے حصول میں کام آجاؤں۔''

علمائے کرام کے ان ارشادات کو ملاحظہ فرمایئے اور دیکھیے کہ اب بھی بعض لوگ کہتے ہیں ''علماء'' مسلم لیگ سے الگ ہیں، نہ معلوم علماء سے ان کی مراد کیا ہے؟

(قائداعظم اور ان کا عہد، از رئیس احمد جعفری)

عزمِ صمیم

قائداعظم محمد علی جناح نے 30 اگست 1946ء کو جشن عید کے موقع پر باغ بمبئی میں دوران خطاب کہا:

''ہمارے راستے میں کوئی چیز مزاحم نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی چیز ہمیں اپنے نصب العین سے منحرف کر سکتی ہے۔ ہم تمام رکاوٹوں کا مقابلہ کریں گے، مصائب جھیلیں گے، یہاں تک کہ آگ کے شعلوں کو بھی پار کر کے نکل جائیں گے۔

راستے میں ہمیں ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑے گا، ہمیں نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا، لیکن کوئی چیز ہمارے راستے میں حائل نہ ہو گی۔ کوئی چیز ہمیں مغلوب نہیں کر سکے گی۔ ہمارے مطالبات حق و انصاف پر مبنی ہیں، خدا ہمارے ساتھ ہے، دس کروڑ مسلمانوں کی زندہ جاوید قوم مٹائی نہیں جا سکتی، خواہ ہمیں کتنی ہی مصیبتوں اور آزمائشوں سے گزرنا پڑے، ہم پاکستان لے کر رہیں گے، پاکستان کے بغیر مسلمانانِ ہند تباہ و برباد ہو جائیں گے۔''

عزیز الدین، چودھری

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے معتقد اور تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن تھے، عزیز الدین چودھری فیصل آباد کے باشندے تھے اور 1942ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح لائل پور (فیصل آباد) تشریف لائے تو اس سے وہ انہیں دعوت دینے کے لیے خود دہلی گئے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''نومبر 17، 18 اور 19 کی تاریخیں ٹھیک رہیں گی۔''

چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح لائل پور (فیصل آباد) تشریف لائے اور انہوں نے وہاں میاں محمد حیات رئیس کی کوٹھی پر قیام کیا۔

عزیز الدین چودھری 1946ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے رکن بنے، قیام پاکستان کے بعد بھی پنجاب اور قومی اسمبلی کے رکن رہے۔ ان کی صاحب زادی خورشید بیگم 1985ء میں پنجاب اسمبلی کی رکن منتخب ہوئیں۔

عزیز بیگ

وہ ممتاز صحافی تھے۔ مارچ 1947ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی کے مشہور تاج محل ہوٹل میں مسلم جرنلسٹس ایسوسی ایشن کے اراکین سے خطاب فرمایا۔ اس میں عزیز بیگ بھی شامل تھے۔ انہوں نے ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کو مدعو کیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے چائے سے فراغت کے بعد عزیز بیگ سے کہا:

''تقریریں نہیں ہوں گی۔''

لیکن وہ قائداعظم محمد علی جناح کی اس بات سے متفق نہ ہوئے اور انہوں نے ڈرامائی انداز میں کھڑے ہو کر تقریر کر ڈالی۔ قائداعظم محمد علی جناح کے لیے اس کا جواب دینا ضروری ہو گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جو چند الفاظ کہے وہ سنہری حروف میں لکھے جائیں گے۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا تھا:

''ایڈیٹروں، رپورٹروں اور نامہ نگاروں کو چاہیئے کہ وہ اپنے فن کو ایک مقدس امانت تصور کریں۔''

بالفاظِ دیگر ان کا مطلب یہ تھا:

''صحافیوں کو اپنے اندر دیانتداری اور صداقت کی خو پیدا کرنی چاہیے، کیونکہ یہ فن کردار کی عظمت اور پختگی کا تقاضا کرتا ہے۔''

عزیز بیگ نے تحریک پاکستان کے دوران اپنے ہفتہ وار اخبار گارڈین کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے پیغام کو مسلمانوں تک پہنچانے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ وہ اپنے دور میں انگریزی صحافت میں گنے چنے مسلمان صحافیوں میں شمار ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ انگریزی اخبار سے منسلک رہنے کے بعد انہوں نے گارڈین جاری کیا۔ بعدازاں سٹار ویکلی نکالتے رہے۔ آخری ایام میں قائداعظم محمد علی جناح پر ایک کتاب بھی لکھنا شروع کی۔

عزیز بیگ 1917ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، پھر پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اکنامکس کی ڈگری لی اور صحافت کو بطور پیشہ اپنا لیا۔ 1945ء میں ڈان دہلی کے مدیر معاون بنے پھر اپنا ہفت روزہ سٹار جاری کیا۔ ازاں بعد ہفت روزہ گارڈین کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔

13 دسمبر 1948ء کو ان کا انتقال ہوا۔

عزیز جاوید

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح پر ایک کتاب بعنوان ''قائداعظم اور سرحد'' مرتب کی۔ عزیز جاوید 1937ء میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے احیاء پر اس سے منسلک ہوئے

اور پھر قیام پاکستان تک تحریک پاکستان سے وابستگی اختیار کی۔ اس دوران 1937ء سے 1940ء تک سرحد مسلم لیگ کے نائب صدر اور پھر 1946ء تک جنرل سیکرٹری رہے۔

عزیز جاوید نے مذکورہ کتاب میں صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے قیام اور صوبے میں تحریک پاکستان کا آغاز کس طرح ہوا اور سرحدی عوام نے کس طرح کانگریسی اور برطانوی سازشوں کا مقابلہ کیا، اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب لکھ کر انہوں نے صوبہ سرحد کے عوام اور آنے والی نسلوں پر احسان کیا ہے۔

عزیز متاع بھی قربان

قائداعظم محمد علی جناح نے 7 اپریل 1946ء کو صوبائی اور مرکزی اسمبلی کے مسلم ارکین سے اپنے خطاب میں کہا:

''برصغیر میں کسی ایک مجلس قانون ساز کے قیام پر ہم ہرگز رضا مند نہیں ہو سکتے کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم خود اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر رہے ہیں، ہم اس قسم کے عارضی نظام پر بھی غور کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جب تک پاکستان سکیم کو ایک لازمی شرط کی حیثیت سے منظور نہیں کر لیا جاتا، اگر کوئی عارضی نظام یا آئین ہم پر زبردستی نافذ کیا گیا تو ہمارے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ ہوگا کہ ہم ہرممکن طریقے سے اس کی مخالفت کریں۔

میں پورے اعتماد کے ساتھ آپ کی جانب سے یہ اعلان کرتا ہوں کہ ہم ہر متاع عزیز حتیٰ کہ سب کچھ قربان کر دینے پر تیار ہیں، لیکن نظام حکومت کے متعلق کسی ایسی تجویز کو جو ہماری رضامندی کے بغیر مرتب کی گئی ہو، قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، اگر ہمارے ساتھ کسی نے غداری کی تو ہم پورے عزم و دلیری سے اس کا مقابلہ کریں گے، اور ہر ممکن طریقے سے مزاحمت کریں گے۔''

عشق رسول ﷺ

(دیکھئے: لنکنز ان میں داخلہ)

عشق لہر، استاد

وہ پنجابی زبان کے ممتاز شاعر تھے۔ ان کا اصل نام چراغ دین اور تخلص عشق لہر تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح ان کے محبوب رہنما تھے۔ وہ اپنی شاعری میں جگہ جگہ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں عقیدت کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے عنوان سے ایک نظم بھی لکھی۔ جس میں کانگریسی لیڈروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سالار کارواں کے نام سے یہ نظم لکھی۔

ے جہڑے مار دے سن سانوں آپ مر گئے
فیر وی رنگ لا گئی اے مار ساڈی
دکھی دلاں دا حال سناؤ نے نوں بدل چیر کے گئی پکار ساڈی
دریا رحمتاں دا آیا جوش اندر کشتی کس طراں لائی سو پار ساڈی
عشق لہر پہنچائے گا منزلاں تے محمد علی دے ہتھ مہار ساڈی

استاد عشق لہر 1869ء میں پیدا ہوئے۔ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا۔ لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے۔ زبانی علم خاصا تھا۔ حافظہ بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال کا عطا کیا تھا۔ ہزاروں اشعار ازبر تھے۔ وہ جب مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آئے تو پھر مسلم لیگ کی سٹیج پر ان کا طوطی بولنے لگا۔ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ انہوں نے تین برس افریقہ میں بھی گزارے نیز بصرہ، کوفہ، بغداد، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ کی بھی زیارتیں کیں۔ پہلے موچی کا کام شروع کیا پھر درزی کا کام سیکھ کر ریلوے ورکشاپ کے درزی خانے میں



قائداعظم محمد علی جناحؒ صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے نواب زادہ لیاقت علی خان ہمراہ ہیں

ملازمت اختیار کر لی۔ شعر بہت خوب کہتے تھے۔ موضوعات میں سیاست کا رنگ نمایاں ہوتا تھا۔ بڑی بڑی مجالس عامہ اور پنجابی زبان کے مشاعروں میں انہیں بہت داد ملتی تھی۔

ان کے شعر پڑھنے کا اپنا انداز تھا۔ وہ جب تک سٹیج پر رہتے سامعین انہیں داد دیتے رہتے۔ غرض کہ وہ مشاعرہ لوٹ لیتے تھے۔

استاد عشق لہر کا انتقال 26 نومبر 1948ء کو ہوا۔

عصر جدید (کلکتہ)

یہ کلکتہ سے جاری ہونے والا روزنامہ تھا۔ یہ روزنامہ مولانا شائق احمد عثمانی نے 10 اکتوبر 1921ء کو جاری کیا۔ یہ اخبار تھوڑے ہی عرصہ میں آسمان صحافت پر بدر کامل ہو کر چمکا۔ 10 دسمبر 1921ء کو مولانا شائق احمد عثمانی کو گرفتار کر لیا گیا تو ان کے دوستوں نے اسے جاری رکھنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی بالآخر ان کی رہائی پر نومبر 1922ء میں دوبارہ جاری ہوا۔ 1924ء میں عصر جدید کا اپنا ذاتی پریس قائم ہو گیا جس کے نتیجے میں اخبار کا دائرہ کار صوبہ بہار، اڑیسہ، یوپی، حیدرآباد دکن، آسام اور برما تک وسعت اختیار کر گیا۔ شدید مشکلات کے باوجود یہ جاری رہا حتیٰ کہ 1945ء میں اس کی شاندار جوبلی منائی گئی۔

اگست 1947ء تک نہایت کامیابی سے عصر جدید کلکتہ سے نکلتا رہا۔ عصر جدید نے مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا شائق احمد عثمانی فروری 1948ء میں کراچی آ گئے۔ حالات درست ہونے پر دسمبر 1951ء کو پھر عصر جدید جاری کیا لیکن 1954ء میں نقصان ہونے کی وجہ سے بند کر دیا۔

عطا ربانی، ایئر کموڈور

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے اے ڈی سی تھے۔ عطا ربانی نے قائداعظم محمد علی جناح کو سب سے پہلے 1939ء میں دہلی میں ایک جلسے میں دیکھا، تاہم ان کی پہلی ملاقات قائداعظم محمد علی جناح سے 1945ء میں ہوئی۔ اس وقت وہ برما کے محاذ پر خدمات انجام دے رہے تھے اور قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ فنڈ کے لیے اپیل کر رکھی تھی، چنانچہ انہوں نے جذبہ حب الوطنی کے تحت کچھ چندہ جمع کیا، پھر ان کا تبادلہ کلکتہ میں ہوا، وہاں بھی انہوں نے چندے کی مہم جاری رکھی اور 47 ہزار پانچ صد روپے اکٹھے کیے اور حسین شہید سہروردی کی وساطت سے قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی پہلی ملاقات ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں قائداعظم محمد علی جناح کا اے ڈی سی مقرر کیا گیا۔ عطا ربانی 7 اگست 1947ء کو اسی طیارے سے دہلی سے کراچی آئے جس میں قائداعظم محمد علی جناح بھی سوار تھے۔ وہ چھ ماہ تک قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ رہے۔ بعد ازاں ایئر فورس نے ان کی خدمات حاصل کر لیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی درخواست پر ایک یادگار تصویر جس پر ان کے دستخط تھے، انہیں دی۔

عطا ربانی 30 ستمبر 1922ء کو جالندھر میں میاں رحمت اللہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے 1940ء میں بی اے کیا اور انڈین ایئر فورس میں بطور پائلٹ بھرتی ہوئے۔ آر اے ایف سٹاف کالج برطانیہ، (1954-1953) جائنٹ سروسز سٹاف کالج برطانیہ (1959ء) جائنٹ سروسز سٹاف کالج لیٹی مر Latimar (برطانیہ) اور آر اے ایف سٹاف کالج اینڈ وزر برطانیہ سے بھی فضائیہ سے متعلق کورسز کی تکمیل کی۔

عطا ربانی اگست 1947ء میں قائداعظم محمد علی جناح گورنر

جنرل پاکستان کے پہلے اے ڈی سی (فضائی سروس) مقرر ہوئے۔ بعد ازاں امریکہ میں پاکستان کے ایئر اتاچی۔ کینیڈا میں پاکستان کے ایئر ایڈوائزر، چیئر مین سندھ روڈ ٹرانسپورٹ بورڈ، چیئر مین سندھ ملک بورڈ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ایئر کموڈور کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اعلیٰ خدمات کے اعترافات کے طور پر انہیں امریکہ کی حکومت کی جانب سے لیجینڈ آف یو ایس اے کا اعزاز بھی ملا۔

عظمت گہوارے میں

انتظار حسین نے یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کی مناسبت سے لکھی، اور تدوین کا کام سجاد رضوی نے انجام دیا۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے بچپن کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور نے شائع کی ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں مختلف افراد اور اداروں نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی طرف سے شائع ہونے والی یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد تصور کی گئی ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے یہ تاثر زائل ہو جاتا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کو بچوں سے کوئی لگاؤ یا دلچسپی نہ تھی۔ اس لیے ان کی زندگی میں بچوں کے لیے کچھ نہ تھا

عظمتوں کے چراغ (تیسری جلد)

اس کتاب کی تدوین شہاب الدین غوری سے قائداعظم تک کے حالات و واقعات پر کی گئی ہے۔ اسے تحریک پاکستان کے رہنما جناب ولی مظہر ایڈووکیٹ نے مرتب کیا ہے۔ اس جلد میں تقریباً 31 شخصیات کا با تصویر عکس جمیل ہے۔ اس میں خیری برادران، حاجی فضل واحد ترنگزئی، اللہ بخش یوسفی، مولانا عبدالحلیم شرر، آغا حشر کاشمیری، چودھری رحمت علی، ڈاکٹر افضال حسین قادری، مولانا ظفر علی خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مولانا محمود الحسن، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا احمد رضا خان بریلوی، پیر مہر علی شاہ، سر محمد یعقوب، مولوی عبدالحق، سر عبداللہ ہارون، سر عبدالقادر، سید شمس الحسن، میاں عبدالغفور بیرسٹر، نواب احمد سعید چھتاری، سید غلام بھیک نیرنگ، راجا صاحب پیر پور، سید حسن ریاض، مولانا اشرف تھانوی، علامہ راشد الخیری، سر شاہنواز ممدوٹ، خواجہ حسن نظامی، میر عثمان علی خان، مفکر پاکستان علامہ اقبال، نواب بہادر یار جنگ، مولانا آزاد سبحانی اور قائداعظم محمد علی جناح کے کارہائے نمایاں شامل ہیں۔

عظیم ترین سلطنت

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا:

''متحد ہو کر رہیے۔ قوم کی مجموعی بہبود کی خاطر اگر دکھ اور تکلیفیں پیش آئیں تو انہیں نظر انداز کر دیجیے، انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی قوم اور مملکت کی خاطر بڑی سے بڑی تکلیف، قربانی اور مشقت کو خاطر میں نہ لائیں اور نہ اس سے گریز کریں، صرف اس طریق سے آپ پاکستان کو دنیا کی ایک عظیم ترین سلطنت بنا سکتے ہیں۔ نہ صرف آبادی کے اعتبار سے جو وہ اب بھی ہے، بلکہ طاقت کے لحاظ سے بھی تا کہ دنیا کی تمام قومیں اس کی عزت کریں۔''

عظیم ترین ہستی

قائداعظم محمد علی جناح نے 25 جنوری 1948ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''رسول اللہ ﷺ کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ آپ

ﷺ نے جس چیز میں بھی ہاتھ ڈالا، کامیابی نے آپ ﷺ کے قدم چومے، تجارت سے لے کر حکمرانی تک ہر شعبہ حیات میں آپ ﷺ مکمل طور پر کامیاب رہے۔
رسالت مآب ﷺ پوری دنیا کی عظیم ترین ہستی تھے۔
تیرہ سو سال قبل ہی آپ ﷺ نے جمہوریت کی بنیادیں رکھ دی تھیں۔"

عظیم رہنما اور عظیم شہر

اس کتاب کو عتیق ظفر شیخ، اشرف علی اور ملک محمد ریاض نے 1987ء میں مرتب کیا اور اسے وزارت ثقافت و سیاحت اسلام آباد کے ادارے قومی ادارہ برائے تحفظ دستاویزات نے شائع کیا کتاب کے مندرجات یہ ہیں۔
قائداعظم کا دورہ کراچی، قائداعظم کا دورہ لاہور، قائداعظم کا دورہ لائل پور (فیصل آباد)، قائداعظم کا دورہ بلوچستان، قائداعظم کا دورہ سیالکوٹ، قائداعظم کا دورہ راولپنڈی، قائداعظم کا دورہ سرحد۔
جناب عتیق ظفر شیخ ڈائریکٹر جنرل قومی ادارہ برائے تحفظ دستاویزات نے پیش لفظ لکھا۔
یہ کتاب اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے جن جن شہروں کا دورہ کیا اور وہاں تقاریر کیں، ان سے عوام الناس کو بیش بہا معلومات میسر ہوتی ہیں۔

عظیم قائد

اس کتاب کو نواب زادہ محمود علی خان نے تصنیف کیا، اسے ادارہ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور نے شائع کرایا۔
طبع اول کی اشاعت جون 1982ء اور طبع دوم اگست 1984ء میں عمل میں آئی۔ طبع دوم کی قیمت 40 روپے تھی اس کتاب کو حصولِ پاکستان کی خاطر جانوں کا نذرانہ دینے والے شہدا کے نام منسوب کیا گیا ہے۔ تحریک پاکستان کے ممتاز رکن حسین امام نے اس پر تقریظ لکھی، جب کہ پیش لفظ میاں ممتاز دولتانہ نے لکھا۔

عظیم قائد

معروف شاعر اکبر کاظمی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

عظیم قائد عظیم انساں
وہ راز دار حیات نو تھا
برائے ملت نقاب نو تھا
وہ دارو انقلاب نو تھا
وہ دے گیا صبح نو کا عنوان
عظیم قائد عظیم انساں
اسے پڑھو زندگی ملے گی
اسے سنو آگہی ملے گی
انا کو تابندگی ملے گی
شعور اس کا ہے حسن امکاں
عظیم قائد عظیم انساں
وہ ارتقا کا پیام بھی ہے
ضمیر نو کا امام بھی ہے
وہ قوم سے ہم کلام بھی ہے
جو کھو چکی ہے شعور دوراں
عظیم قائد عظیم انساں

عظیم قائد کی ولادت اور شخصیت

قیوم نظامی قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کے بارے میں کہتے ہیں:

''25 دسمبر ایک مبارک اور تاریخی دن ہے ،خوش قسمت بچے کے جنم کا دن،جس کے مقدر میں برصغیر کا قائداعظم اور مسلمان ریاست پاکستان کا بانی ہونا لکھا تھا۔قائداعظم محمد علی جناح کی ولادت 25 دسمبر 1876ء کو کراچی میں ہوئی۔ان کے والد کا نام جناح پونجا اور والدہ کا نام مٹھی بائی تھا۔ والدین نے اپنے بیٹے کا نام محمد علی جناح رکھا۔قائداعظم کے تین بھائی رحمت علی ،بندے علی اور احمد علی اور تین بہنیں مریم، شیریں اور فاطمہ تھیں۔قائداعظم کی ابتدائی تعلیم غیر رسمی تھی ،ایک استاد ان کے گھر آ کر انہیں گجراتی زبان سکھاتا تھا جوان کی مادری زبان تھی۔وہ نو سال کی عمر میں پرائمری سکول میں داخل ہوئے ،اور دو سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد 30 جنوری 1883ء کو سندھ مدرستہ الاسلام میں داخل ہوگئے۔

اس سکول میں انگریزی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔قائداعظم نے کچھ عرصہ چرچ مشن ہائی سکول میں بھی تعلیم حاصل کی ۔قائداعظم کے بچپن کے دوست نانجی جعفر کے مطابق وہ قائداعظم کے ساتھ گولیاں کھیلا کرتے تھے ۔ایک دن قائداعظم نے اپنے دوست سے کہا:

''' بھائی گولیاں کھیلنا چھوڑ دو،ان سے کپڑے گندے ہوجاتے ہیں۔''

قائداعظم نے اپنے دوست کو کرکٹ کا سامان دیا اور دونوں کچھ عرصہ کرکٹ کھیلتے رہے۔قائداعظم نے ساری عمر صفائی کا بہت خیال رکھا۔

قائداعظم رات دیر تک لالٹین کی روشنی میں پڑھتے تھے۔

ایک دن ان کی والدہ نے کہا:

''رات کو دیر تک پڑھنے سے تمہاری صحت خراب ہوجائے گی۔''

قائداعظم نے کہا:

''میں پڑھوں گا نہیں تو بڑا آدمی کیسے بنوں گا۔''

قائداعظم نے قانون کی تعلیم لنکنز ان لا سکول لندن (Lincoln's Inn Law School London) سے حاصل کی۔وہ لندن میں کرسمس کی تقریب میں شامل ہوئے تو انگریز خاتون نے قائداعظم سے بغل گیر ہونے کی فرمائش کی۔ قائداعظم نے کہا کہ ان کی سماجی اخلاقیات ایسی حرکت کی اجازت نہیں دیتی۔

قائداعظم کھانے پینے کے معاملے میں بڑے محتاط تھے۔وہ کم کھاتے تھے اور شوربے کے بجائے خشک سالن زیادہ پسند کرتے تھے۔ناشتہ بڑے شوق سے کرتے ،ان کے ناشتے میں ابلا ہوا انڈہ ،شہد اور جام(Jam) شامل ہوتا۔آدھا توس انڈے اور آدھا توس شہد یا جام کے ساتھ کھاتے۔مہینے میں ایک یا دو سری پائے کھالیتے۔قائداعظم کو حلوہ پوری اور آم بھی پسند تھے۔1946ء میں بنگال اسمبلی کے انتخاب کے دوران ایم ایچ اصفہانی کے مخالف امیدوار نے 250 روپے کے عوض انتخاب سے دستبردار ہونے کی اس پیش کش کے بارے میں قائداعظم کو بتایا تو انہوں نے کہا:

''مائی بوائے،سیاست میں اخلاقیات نجی زندگی سے بھی زیادہ اہم ہوتی ہے کیونکہ اگر تم پبلک لائٹ میں کوئی غلط کام کرتے ہو تو تم ان ہزاروں لوگوں کے جذبات کو مجروح کرتے ہو، جو تم پر اعتماد اور انحصار کرتے ہیں۔''

قائداعظم اپنی ڈاک خود کھولتے تھے۔ ہر خط پڑھتے

اور اس کا جواب دیتے، پارٹی فنڈ کے چیک اور منی آرڈرز خود وصول کرتے اور ان کی رسیدیں بھی اپنے دستخطوں کے ساتھ بھیجتے۔ پارٹی فنڈ کا مکمل حساب کتاب رکھتے، اس لیے نہیں کہ وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے بلکہ لیڈر کے طور پر جنون کی حد تک ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے۔

خود اعتمادی اور بے خوفی قائداعظم کی شخصیت کی منفرد خوبی تھی۔ ایک واقعہ سے ان کی اس خوبی کا پتہ چلتا ہے۔ قائداعظم ریل کے سفر کے دوران اپنے لیے دو برتھیں کرایا کرتے تھے۔ ان کے ایک دوست نے وجہ دیارفت کی تو قائداعظم نے یہ واقعہ سنایا:

''میں پہلے ایک ہی برتھ بک کراتا تھا مگر ایک سفر میں لکھنؤ سے بمبئی جا رہا تھا۔ ایک اسٹیشن پر ٹرین رکی تو ایک اینگلو انڈین لڑکی میرے ڈبے میں آ کر برتھ پر بیٹھ گئی، چونکہ میں نے ایک ہی برتھ بک کرائی تھی اس لیے خاموش رہا۔ ٹرین چلی تو لڑکی نے کہا:

''تمہارے پاس جو کچھ ہے فوراً میرے حوالے کر دو، ورنہ میں زنجیر کھینچ کر پولیس کو بلوا لوں گی کہ یہ شخص مجھ سے زبردستی کرنا چاہتا ہے۔''

میں فائلوں کا مطالعہ کر رہا تھا۔ لہٰذا اس کی بات توجہ نہ دی۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی، میں پھر خاموش رہا۔ تنگ آ کر اس نے مجھے جھنجھوڑا۔ میں نے اسے اشارے سے بتایا:

میں بہرہ ہوں، مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا، جو کچھ کہنا ہے لکھ کر دو۔''

اس نے اپنا مدعا لکھ کر مجھے دیا، میں نے فوراً زنجیر کھینچی اور اسے تحریری ثبوت کے ساتھ ریلوے گارڈ کے حوالے کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد میں دو برتھیں بک کراتا ہوں۔''

دوسری روایت یہ ہے کہ اس کے بعد پورا کمپارٹمنٹ ہی بک کراتے تھے تاکہ کوئی دوسرا موجود ہی نہ ہو جو پریشانی کا باعث بنے۔

قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے ایک مسلمان سول آفیسر سنٹرل انٹیلی جنس ایجنسی میں متعین تھا۔ اس کی دلی ہمدردی پاکستان کے ساتھ تھی۔ ایک روز اسے ایک ایسی فائل ملی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہندو لیڈر در پردہ ایسے منصوبے بنا رہے ہیں کہ پاکستان کو قیام کے بعد ہی اپاہج بنا دیا جائے۔ مسلمان افسر نے محسوس کیا کہ قائداعظم کو اس منصوبے سے آگاہ کیا جائے، کیونکہ یہ پاکستان کے خلاف بہت بڑی سازش تھی۔ اس نے وہ فائل چرالی اور بھیس بدل کر بمبئی پہنچا اور قائداعظم سے ملاقات کر کے سرکاری فائل ان کی خدمت میں پیش کی۔ قائداعظم نے فائل کا مطالعہ کرنے کے بعد سرکاری اہل کار سے کہا:

''پاکستان میں ایسے افسروں کے لیے قطعاً جگہ نہیں جو دفتری راز غیر متعلقہ لوگوں پر فاش کریں۔''

قائداعظم سرکاری خزانہ بڑی احتیاط سے خرچ کرتے تھے۔ زیارت میں وہ شدید بیمار تھے۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے ان کے لیے اونی پاجامہ خریدنے کے لیے اجازت طلب کی تاکہ ان کو سردی سے محفوظ رکھا جا سکے۔

قائداعظم نے فرمایا:

''ڈاکٹر میری نصیحت پر عمل کرو۔ جب تم کسی چیز پر رقم خرچ کرو تو دو بار سوچو کہ کیا یہ ضروری ہے اور درحقیقت لازمی ہے یا نہیں۔''

ایک موقع پر قائداعظم نے فرمایا:

''پیسے کا ضیاع گناہ ہے اور اگر سرمایہ سرکاری خزانے کا ہو تو اسے ضائع کرنا بدترین گناہ ہے۔''

عظیم منصب

اس واقعہ کے راوی قائداعظم محمد علی جناح کے معالج ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش ہیں۔ یہ واقعہ انہی کی زبانی سنیئے:

''یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب قائداعظم علیل تھے، اور کوئٹہ میں زیر علاج تھے۔ جب ہم نے محسوس کیا کہ کوئٹہ میں ان کا قیام خطرے سے خالی نہیں تو میں نے اصرار کیا کہ وہ کراچی تشریف لے چلیں، مگر ہر بار انہوں نے اس تجویز کو رد کر دیا۔ رات کو میں نے محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی۔ میرے اصرار پر انہوں نے بتایا:

''قائداعظم بیماری کی حالت میں گورنر جنرل ہاؤس نہیں جانا چاہتے۔''

پھر انہوں نے ملیر کے بارے میں میری رائے پوچھی۔ میں نے عرض کیا:

''وہ بھی اچھی جگہ ہے، لیکن وہاں قیام کا مسئلہ ہوگا۔''

ملیر میں نواب بہاولپور کی کوٹھی تھی جس میں قائداعظم کے قیام کا انتظام ہو سکتا تھا۔ ان دنوں ولی عہد صاحب اس میں فروکش تھے تاہم ان سے کوٹھی خالی کرانا چنداں مشکل نہ تھا۔ یہ طے پایا کہ پہلے قائداعظم کو رضا مند کیا جائے، پھر ولی عہد کے ساتھ نامہ و پیام ہوگا۔ اگلی صبح میں نے ملیر کا نام لیا تو قائداعظم نے رضا مندی ظاہر کر دی، چنانچہ اس وقت کراچی کے جی او سی میجر جنرل محمد اکبر خان کو فون پر اطلاع دی کہ وہ بہاولپور ہاؤس میں قائداعظم کے قیام کا اہتمام کریں۔ اس شام انہوں نے اطلاع دی کہ ولی عہد کوٹھی خالی کرنے پر رضا مند ہو گئے ہیں، لیکن ان کا خیال ہے کہ نواب صاحب سے بھی اجازت لے لی جائے، کیوں کہ وہ 30 ستمبر کو لندن سے کراچی آ رہے ہیں۔

28 اگست کی صبح میں نے قائداعظم کی خدمت میں تمام صورت حال رکھی، اور امیر بہاولپور کو تار ارسال کرنے کی اجازت چاہی، میری بات سن کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں، اور قدرے توقف کے بعد فرمایا:

''آپ نے سنا ہوگا کہ پہلے زمانے میں کوئی وکیل ہائی کورٹ کا جج بن جاتا تو کلبوں اور نجی محفلوں میں جانا بند کر دیتا مبادا اس کی جانبداری پر اثر پڑے، چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے گورنر جنرل کے اعلیٰ منصب کا خیال رکھنا چاہئے۔ یہ درست ہے کہ اس وقت ہم ضرورت مند ہیں، لیکن میں اپنی ذات کی غرض کی خاطر اس عظیم منصب کی عظمت خاک میں نہیں ملا سکتا۔ اس لیے تیاری کے لیے اجازت دینے سے معذور ہوں۔''

عقیقہ

محمد علی جناح پیدائش کے وقت تو بہت کمزور تھے، لمبے لمبے ہاتھ، لمبوترا سر، والدین بچے کی صحت کے بارے میں کافی پریشان تھے، ڈاکٹروں کا کہنا تھا:

''کمزوری کے سوا بچے میں کوئی جسمانی نقص نہیں ہے، للٰہذا تشویش کی کوئی بات نہیں۔''

مگر ڈاکٹر کے کہنے سے ماں کی تشویش اور اندیشے تو کم نہیں ہوتے۔

اب بچے کا نام رکھنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ اب تک اس

خاندان میں جو کاٹھیاواڑ میں رہتا تھا۔ بیشتر مردوں کے نام ہندو ناموں سے ملتے جلتے تھے لیکن سندھ مسلمانوں کا صوبہ تھا۔ مزید برآں ہمسایوں کے بچوں کے نام اسلامی تھے۔ آخر میاں بیوی نے طے کیا کہ ان کے پہلوٹھی کے بچے کا نام محمد علی ہوگا۔

محمد علی جناح کی والدہ مٹھی بائی کو ننھے محمد علی سے بہت محبت تھی، اگر چہ ان کے چھ بچے اور ہوئے تاہم وہ زندگی بھر محمد علی سے محبت کرتی رہیں۔ ان کے دوسرے بچے رحمت، مریم، فاطمہ، شیریں، احمد علی، اور بندے علی تھے۔

جناح بھائی پونجا بھائی کو اپنے کاروبار پر کافی توجہ دینا پڑتی اور اکثر وہ رات گئے تک کام میں مصروف رہتے۔ مٹھی بھائی کا اصرار تھا کہ وہ بچے کے عقیقہ کے لیے اسے حسن پیر کی درگاہ پر لے کر چلیں۔ جو پانیلی سے تقریباً دس میل دور گینوڈ نامی گاؤں میں تھی۔ انہوں نے حسن پیر کی کرامات کے متعلق بہت کچھ سنا تھا۔ ماں کی حیثیت سے انہوں نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ محمد علی مستقبل کا ایک عظیم انسان ہوگا، لہٰذا وہ حسن پیر کی درگاہ پر جانے پر مصر تھیں۔ جہاں مخصوص روایتی انداز میں بچے کا سر مونڈا جاتا تھا، اور دعا مانگی تھی۔ پہلے تو جناح بھائی نے اپنی مصروفیات کا سہارا لے کر ٹالنا چاہا، مگر بعد میں انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور دونوں میاں بیوی چند ماہ کے بچے کو ساتھ لے کر بادبانی کشتی کے ذریعے کراچی سے کاٹھیاواڑ کی ایک چھوٹی سی بندرگاہ روانہ ہو گئے۔

ویراول پہنچ کر انہوں نے گینوڈ جانے کے لیے ایک بیل گاڑی کرائے پر لی، اور بے شمار تکالیف اٹھانے کے بعد حسن پیر کی درگاہ تک پہنچ ہی گئے جہاں ننھے محمد علی جناح کا عقیقہ ہونا تھا۔

حسن پیر کی زندگی کے متعلق حقائق اور ان کے پیروؤں کے عقائد آپس میں کچھ اس طرح گڈمڈ ہو کر رہ گئے ہیں کہ ان میں امتیاز کرنا ممکن نہیں رہا، تاہم یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حسن پیر اسماعیلی مبلغ کی حیثیت سے بلوچستان کے راستے ایران سے آئے تھے اور انہوں نے کچھ عرصہ ملتان میں قیام کیا تھا۔ ان کی سادہ اور پاکباز زندگی نے نہ صرف مسلمانوں کو ان کا گرویدہ بنا لیا بلکہ بہت سے غیر مسلم بھی ان کے دست حق پرست پر حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ اس کے بعد انہوں نے سندھ کے طول و عرض میں تبلیغ اسلام کی اور پھر کچھ سے گزر کر آخر پانیلی کے قریب ایک مقام پر ڈیرا ڈال دیا۔

کہا جاتا ہے کہ وہ مافوق الفطرت طاقتوں کے مالک تھے۔ ان سے کئی کرشمے اور خیالات منسوب کیے جاتے ہیں ایسے بزرگوں کے متعلق جن کی خدمات اور کارنامے تاریخی اور دستاویزی شواہد کی صورت بھی موجود نہیں ہوتے عام طور پر ایسی باتیں مشہور ہو جاتی ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حسن پیر مسلمان صوفیا کے مسلک کے پیرو تھے، جن کی زندگی قرآن پاک اور اسلام کی تعلیمات کی تبلیغ و ترویج اور معبودِ حقیقی کے عشق میں گزری۔ وہ رات کو جلد سو جاتے اور دو بجے اٹھ کر فجر کی نماز تک دریائے بھدر کے کنارے اپنے خیمے میں یادالٰہی میں مشغول رہتے۔ ایک رات وہ حسب معمول ذکر الٰہی میں مصروف تھے کہ پانی کی ایک زبردست لہر انہیں بہا کر لے گئی اور اس عالم میں بھی ان کی محویت ختم نہ ہوئی۔ اس طرح دریا میں ڈوب جانے سے ان کا وصال ہوگیا۔ ان کی لاش بہتی ہوئی پانیلی سے دور گینوڈ نامی گاؤں کے قریب پہنچ گئی۔ گینوڈ کی بیشتر آبادی ذات کے غیر مسلموں پر مشتمل تھی جن کا پیشہ مویشیوں کی نسل کشی تھی۔

صبح کچھ باشندے دریائے بھدر کے کنارے پہنچے تو انہیں کنارے پر ایک لاش نظر آئی چونکہ حسن پیر کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ اس لیے ان لوگوں نے لاش کی شناخت کرلی۔ بزرگوں کے مشورے سے گینوڈ کے باشندوں نے طے کیا کہ حسن پیر کی تجہیز و تکفین کی جائے، اور ان کا مقبرہ تعمیر

کیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ حسن پیر کی درگاہ سے گاؤں خوشحال ہوجائے گا اس طرح حسن پیر کو گینوڈ میں دفن کردیا گیا۔ سالہا سال گزرجانے کے باوجود ریاست گونڈل کے باشندوں کی عقیدت آج بھی اسی طرح موجود ہے، اور ہر سال ان کی درگاہ پر عرس ہوتا ہے جن میں اس کے ہندو اور مسلمان عقیدت مند جوق در جوق شرکت کرتے ہیں۔

عقیقہ کے بعد ماں باپ ننھے محمد علی جناح کو لیے اپنے گاؤں پانیلی آئے، اوراس مرتبہ بھی انہوں نے بیل گاڑی کے ذریعے سفر کیا۔ پانیلی اور گونڈل میں چند ہفتے قیام کے بعد وہ کراچی واپس آگئے۔ (از جی الانا، قائداعظم علی جناح، فیروزسنز لمیٹڈ)

علالت (علاج)

1946ء کا ذکر ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح دہلی سے بمبئی جارہے تھے۔ راستے میں سفر کے دوران یکا یک ان کی طبیعت ناساز ہوگئی۔ جب انہوں نے فیملی ڈاکٹر پٹیل سے رجوع کیا، اور ڈاکٹر نے ایکسرے لے کر اس کا رزلٹ دیکھا تو حیران رہ گیا کہ فولادی عزم وارادے کے اس انسان کے پھیپھڑے ٹی بی کے مہلک اثرات کی زد میں ہیں، جب قائداعظم محمد علی جناح کو ڈاکٹر نے اپنی تشخیص سے مطلع کیا تو انہوں نے اپنی صحت کی اس کیفیت کو بڑے اطمینان سے سنا، اور سکون کے ساتھ ڈاکٹر سے کہا:

''ڈاکٹر میں تمہارے پیشے کے تقدس اور روایت کے حوالے سے تمہیں یہ کہتا ہوں کہ تمہارے سوا کسی اور کو میری صحت کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلے۔''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے ایکسرے کی ان رپورٹس کو کسی محفوظ جگہ لاک کردیا، اس طرح قائداعظم محمد علی جناح کی صحت ایک سربستہ راز بنی رہی۔

اس سے پہلے بھی کئی سال قبل قائداعظم محمد علی جناح کو معدے کی تکلیف ہوئی تھی، جس کے لیے انہوں نے لندن کے ماہر ڈاکٹروں سے رجوع کیا تھا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح ان کی تشخیص سے مطمئن نہ ہوسکے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا باقاعدہ علاج کیوں نہ کرایا، بظاہر اس کے اسباب یہ ہیں کہ ایک تو وہ ڈاکٹروں کی متضاد رائے کی بناپر اپنی صحت کی کیفیت کے بارے میں کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہ پہنچ پائے اور یوں انہیں ڈاکٹروں کا تختہ مشق بننا گوارہ نہ تھا۔

دوسرے یہ ایک عظیم ترین مقصد جوان کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین تھا، اس کے پیش نظر حصول پاکستان اور اس سلسلہ میں انتھک جدوجہد، پاکستان بننے کے بعد ان پر بیماری کا پہلا حملہ لاہور کے دوران قیام ہوا اور یہ وہ دن تھے، جب کشمیر پر بھارتی جارحیت شروع ہوچکی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح اس صورت حال سے اس قدر پریشان تھے کہ انہوں نے ہر خطرے سے بے نیاز ہوکر اس وقت کے پاکستانی کمانڈر انچیف سے کشمیر میں فوجی مداخلت کو کہا تھا، لیکن اس کمانڈر انچیف نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے مشورے کے بغیر ان کا حکم ماننے سے انکار کردیا تھا۔

اس بات کا آپ کو اس قدر دکھ ہوا کہ آپ تقریباً 5 ہفتے لاہور کے گورنر ہاؤس میں بیماری سے نبردآزما رہے، اس کے بعد وقفے وقفے سے بیمار ہوتے رہے، لیکن مملکت کے کام بدستور سرانجام دیتے رہے۔ یہ عمل مملکت کی راہیں استوار کرتا رہا، لیکن ان کی صحت کو گھن کی طرح کھاتا رہا۔ یہ نہایت قابل افسوس بات ہے کہ پاکستان بننے کے بعد وہ علیل ہوئے اور یہ علالت کوئی رسمی یا معمولی علالت نہ تھی تو ان کا علاج بروقت اور قابل اعتماد ہاتھوں سے کیوں نہ کرایا گیا۔ عظیم قائداعظم کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ انتہا یہ ہے کہ جولائی کے دوسرے ہفتے تک کوئی قابل اعتماد ڈاکٹر یا اطمینان بخش دوا ان

کے لیے مہیا نہ ہوئی، خود ان کے بقول:

''تین ہفتے ہوئے سردی لگ جانے سے مجھے بخار اور کھانسی کی شکایت ہوئی، کوئٹہ کے سول سرجن نے پنسلین کی ٹکیاں تجویز کیں، اس وقت سے یہی استعمال کر رہا ہوں۔''

یہ وہ بات ہے جو انہوں نے 23 یا 24 جولائی 1948ء کو اپنے معالج ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو بتائی تھی۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انہیں اپنی وفات سے ڈیڑھ ماہ قبل سوائے پنسلین کی ٹکیوں کے اور کوئی دوائی میسر نہ تھی، اور قوم کے عظیم قائد کی صحت کے حوالے سے کس قدر لاپرواہی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر کی اولین تشخیص یہ تھی کہ آپ کو معدے نہیں، پھیپھڑوں میں ٹی بی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا عزم و حوصلہ مثالی تھا۔ انہوں نے ڈاکٹر کی زبانی اپنی صحت کے حوالے سے تشویش ناک خبر کو سکون سے سنا۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے قائداعظم محمد علی جناح کے علاج اور مرض کی تشخیص کے لیے ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ڈاکٹر عالم اور ڈاکٹر غلام محمد کو بھی ضروری سامان اور سفری ایکسرے آلات کے ہمراہ زیارت بلا لیا۔ یوں قائداعظم محمد علی جناح کا باقاعدہ علاج شروع ہوا، لیکن یہ سب کچھ کافی مرض بڑھ جانے کے بعد شروع ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح کے معالج ان کی صحت کے حوالے سے پریشان تھے، لیکن وہ خود اپنی صحت کے حوالے سے بے نیاز اور لاپرواہ تھے کہ ملاقاتیوں سے بات چیت اور کام میں مسلسل مصروف رہے۔

26 جولائی 1948ء کو امریکہ میں پاکستان کے سفیر حسن اصفہانی نے ان سے ملاقات کی۔

اصفہانی صاحب کا کہنا ہے:

''جب میں نے قائداعظم کو فائلوں کا مطالعہ کرنے اور روزمرہ کاموں کی فکر چھوڑ کر اپنی صحت کا خیال رکھنے کا مشورہ دیا تو قائداعظم مسکرائے اور انہوں نے کہا:

''آیا پاکستان ان بہت غیر متوقع صدموں سے جانبر ہو سکے گا، جو ہندوستان سے ہماری علیحدگی کے فوراً بعد ہمیں اس کے ہاتھوں پہنچے تھے، لیکن ہم نے انہیں برداشت کر لیا، اور آئندہ کبھی کوئی چیز ہمیں اتنا پریشان نہیں کرے گی۔ مجھے اب کوئی خوف نہیں رہا، آدمی تو آتے ہیں اور جاتے رہیں گے، لیکن پاکستان صحیح طور پر مضبوطی سے قائم ہو چکا ہے، اور اللہ کے فضل و کرم سے ہمیشہ باقی رہے گا۔''

29 جولائی 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے ایکسرے کی جو رپورٹ ملی، اس سے پتہ چلا کہ ان کے معالجین کے اندازے سے زیادہ ان کے پھیپھڑوں کی حالت ابتر ہے، یہ ایک تشویش ناک صورت حال تھی، ڈاکٹر ان کی حالت کی درستی کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔

ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق ان کی صحت کی بحالی کے لیے پہلے انہیں زیارت اور پھر کوئٹہ منتقل کیا گیا۔ اس دوران بھی قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے لیے کام کرنا نہ چھوڑا۔

چند دن بعد ڈاکٹر نے یہ محسوس کیا کہ اب قائداعظم محمد علی جناح کے لیے کوئٹہ کی بلندی بھی غیر موزوں ہے، اور ان کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ انہیں نشیبی علاقہ میں منتقل کیا جائے، ڈاکٹر چاہتے تھے کہ انہیں کراچی منتقل کیا جائے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح بیماری کی حالت میں کراچی جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں کراچی اس وقت جانا چاہتا ہوں جب میں خود چل سکوں، میں ہرگز گوارہ نہ کروں گا کہ مجھے سٹریچر پر

ڈال کر میرے کمرے تک لے جائیں۔''
قائداعظم محمد علی جناح کی بدستور بگڑتی ہوئی صحت کی بنا پر بالآخران کے معالجین نے محترمہ فاطمہ جناح کو یہ مشورہ دیا:
''انہیں ہر صورت کراچی لے جانا مناسب ہوگا۔''
قائداعظم محمد علی جناح کی آمد کی اطلاع کراچی بھیج دی گئی، جہاں سے تین طیارے قائداعظم محمد علی جناح کے سٹاف اور سامان کی منتقلی کے لیے فوری طور پر کوئٹہ بھیج دیے گئے۔ ان طیاروں میں قائداعظم محمد علی جناح کا نیا وائی کنگ طیارہ بھی شامل تھا۔

11 ستمبر 1948ء کو صبح کراچی روانگی کے تمام انتظامات مکمل کرنے کے بعد جب ڈاکٹر نے قائداعظم محمد علی جناح کو کراچی جانے کے بارے میں اطلاع دی تو اس فوری فیصلے پر انہوں نے کسی ردعمل کا اظہار کیے بغیر بلاچوں وچرا تسلیم کرلیا، اور اس طرح دو بجے دوپہر قائداعظم محمد علی جناح اسٹریچر پر لٹا کر ایئرپورٹ کی طرف لائے گئے، ایئر پورٹ پر موجود ہوابازوں نے انہیں سلامی دی تو وہاں موجود افراد نے بڑی حیرت سے یہ دیکھا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی چستی سے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ان کی سلامی کا جواب دیا۔
اتنی بیماری کے باوجود وہ کس قدر عظیم انسان تھے۔ سہ پہر کو سوا چار بجے ماڑی پور کے ایئرپورٹ پر قائداعظم محمد علی جناح کا جہاز اترا۔ وہاں ان کے استقبال کے لیے چند آدمیوں کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی آمد صیغہ راز میں رکھی گئی تھی۔ حد یہ ہے کہ کوئٹہ سے فون کے ذریعے وزیراعظم لیاقت علی خان کو بھی یہ کہا گیا تھا کہ وہ قائداعظم کے استقبال کے لیے ایئرپورٹ پر نہ آئیں۔
جہاز سے قائداعظم محمد علی جناح کا اسٹریچر باہر لاکر ایک فوجی ایمبولینس میں رکھ دیا گیا، اور گاڑی گورنر ہاؤس کی طرف روانہ ہوگئی۔

بدقسمتی کہ ابھی یہ گاڑی کچھ ہی دور گئی تھی کہ کسی خرابی کے باعث اس کا انجن یکایک رک گیا۔ ڈرائیور نے گاڑی درست کرنے کی تھوڑی دیر کوشش کی، اور جب وہ کامیاب نہ ہوسکا تو قائداعظم محمد علی جناح کا ملٹری سیکرٹری دوسری گاڑی لانے کے لیے شہر کی طرف روانہ ہوا۔
یہ بڑا تشویش ناک وقت تھا۔ گرمی اور حبس کے ماحول میں سڑک کے کنارے قائداعظم محمد علی جناح کا نحیف و نزار جسم اسٹریچر پر رکھا ہوا تھا اور بے بسی کے عالم میں ان کی نرس انہیں ہاتھ سے پنکھا جھل رہی تھی۔ خدا خدا کر کے دوسری گاڑی آئی، اور قائداعظم محمد علی جناح کو اس کے ذریعے گورنر جنرل ہاؤس لے جایا گیا۔ اسی روز قائداعظم کی وفات ہوئی۔

علالت سے وفات تک

شیخ عبدالرشید اپنے کالم بعنوان ''قائداعظم محمد علی جناح علالت سے وفات تک'' میں قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:
''بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی صحت اور علالت کے حوالے سے معلومات بہت کم ہیں، بالخصوص بچپن اور جوانی میں ان کی صحت اور بیماری کے حوالے سے صفحات تاریخ خالی ہیں، اور ان کی بیماری کی جو معلومات ہیں وہ ان کی زندگی کے آخری عشروں سے متعلق ہیں۔
سید شمس الحسن نے اپنی تالیف Plain Mr.Jinnah میں لکھا ہے:
''فروری 1927ء میں لیگ آفس کی دہلی منتقلی کے بعد مسٹر جناح جب کبھی دہلی تشریف لاتے تو میں ان کی دیکھ بھال کرتا۔ مسٹر جناح دوسرے امور میں تو محتاط تھے لیکن صحت کے معاملے میں احتیاط نہیں

برتتے تھے۔ دہلی کی سردی ان کے لیے موافق نہیں ہوتی تھی۔ وہ اکثر ٹھنڈ اور فلو کے شدید حملوں کا شکار ہوجاتے اور بیمار ہوجاتے، یہ ڈاکٹر انصاری سے علاج کرواتے تھے۔ ایک دفعہ ڈاکٹر انصاری نے ان کے لیے بنگال کیمیکلز کی تیار کردہ دوائی Lecivan تجویز کی۔ اس سے ان کی صحت خاصی بہتر ہوگئی۔ یہ دوائی کئی برسوں تک ان کے زیر استعمال رہی۔

1935ء میں انگلستان سے واپسی کے بعد وہ مس فاطمہ جناح کی زیرنگرانی رہے۔ انہوں نے قائداعظم کی دیکھ بھال انتہائی چاہت سے کی۔ وہ ان کی صحت کے بارے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی تھیں۔ ان سالوں میں انہیں انتخابی مہم چلانا پڑی اور انہوں نے تھکا دینے والی جدوجہد کی اور بالآخر قرارداد لاہور کی منظوری تک پہنچے۔

1940ء میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے دنوں میں 5 فٹ ساڑھے دس انچ کے ساتھ قائداعظم کا معمول کا وزن 112 پاؤنڈ تھا، مگر حصول پاکستان کی جدوجہد اور کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ ایک ایک اونس کرکے اپنا وزن کھونے لگے پھر بھی صحت کی طرف توجہ نہ دی صدر مسلم لیگ کی حیثیت سے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں پوری کرنے کے علاوہ سنٹر لیجسلیٹو اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی لیڈر کی حیثیت سے بھی کام کرنا پڑتا تھا۔

محترمہ فاطمہ جناح اپنی کتاب ''میرا بھائی'' میں رقمطراز ہیں:

''انہیں گزشتہ کئی روز سے بخار آرہا تھا اس کے باوجود اوائل نومبر 1940ء میں اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لیے بذریعہ ٹرین بمبئی سے دہلی روانہ ہوئے، اور دوران سفر رات کے کھانے کے بعد لیٹے ہی تھے کہ اچانک زور سے چلائے۔ ایسے لگا جیسے کسی نے لوہے کی گرم سلاخ ان کے جسم میں داغ دی ہو۔ چیخ سن کر ان کے پاس پہنچی تو بلبلا کر اٹھنے کی وجہ پوچھی مگر درد کی شدت نے ان کی قوت گویائی سلب کرلی تھی۔ چنانچہ کچھ بولنے کی بجائے انہوں نے انگلی سے ریڑھ کی ہڈی کی دائیں جانب اشارہ کیا۔ میں نے متاثرہ حصے کو ملنا شروع کیا، مگر تکلیف بڑھتی گئی۔ ٹرین ہی میں گرم پانی کی بوتل سے ٹکور کرنے سے کچھ افاقہ ہوا۔ علی الصبح دہلی میں اورنگ زیب روڈ پر واقع اپنی رہائش گاہ پر پہنچے اور ڈاکٹروں سے تفصیلی معائنہ کرایا، جنہوں نے بتایا کہ قائداعظم کے پھیپھڑے کی جھلی پر ورم آ گیا ہے۔ لہٰذا انہیں لازمی طور پر دو ہفتے آرام کرنا چاہیے، لیکن صرف دو دن آرام کرنے کے بعد وہ معمول کے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ بلاشبہ انتھک اور بے چین شخص نے جو اپنی قومی تاریخ کے پریشان دور میں پیدا ہوئے تھے۔ پھیپھڑے کی جھلی پر ورم کا یہ حملہ ان کے لیے مرض الموت ثابت ہوا۔ وہ مرض پر قابو پاسکتے تھے اگر وہ احتیاطی تدابیر اختیار کرتے، مگر انہوں نے کام کو آرام پر ترجیح دی۔ صحت کی شدید خرابی کے باوجود بانی پاکستان کام، کام اور بس کام کرتے رہے۔

20 اپریل 1948ء کو پشاور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران بارش شروع ہوگئی مگر عوام بارش سے بے نیاز اپنی جگہوں پر بیٹھے رہے۔ قائداعظم دوران جلسہ بری طرح بھیگ گئے۔ خراب موسم نے خراب صحت پر برے اثرات مرتب کیے۔ رات کو انہیں زکام ہوگیا۔ سردی لگ گئی، کھانسی اور بخار بھی تیز ہو

گیا۔ کراچی پہنچ کر معائنے کے بعد پتہ چلا کہ پرونکائٹس یعنی نرخرے کا ورم ہوگیا ہے۔ چند روز بستر پر پڑے رہنے کے بعد وہ پھر کام میں لگ گئے۔ بے آرامی نے ان کی صحت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا۔

27 اگست کو عیدالفطر کے موقع پر قوم کے نام پیغام دیا۔

29 اگست کو یکا یک ان کی قوت ارادی جواب دینے لگی۔ یکم ستمبر کو ڈاکٹروں نے فاطمہ جناح کو بتایا کہ قائداعظم پر ہیمرج کا حملہ ہوا ہے۔ ان کی حالت خراب ہونے لگی۔ 5 ستمبر کو مزید حملہ ہوا۔ پاؤں پر سوجن اور جسم پر سرخی مائل داغ پڑ گئے۔ 9 ستمبر کو حالت تشویش ناک ہوگئی۔ 10 ستمبر کو کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش نے فاطمہ جناح کو بتادیا کہ امید کی کوئی کرن باقی نہیں۔ اگلی صبح کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر تین طیارے اترے، جن میں ایک قائداعظم کا حسین Viking بھی تھا۔ دوپہر دو بجے قائد کو اسٹریچر پر ہوائی اڈہ لایا گیا تو جہاز کے عملے نے سلامی دی، اس پر قائداعظم نے بمشکل اپنا کمزور ہاتھ اٹھا کر جواب دیا۔ جہاز نے پرواز کی اور کوئٹہ کی ناہموار پہاڑیوں پر سات ہزار فٹ کی بلندی پر چلا گیا جس سے قائداعظم کو آکسیجن کی شدید کمی کے باعث ماسک لگا دیا گیا۔

سوا چار بجے جہاز کراچی کے ماڑی پور ایئرپورٹ پر اترا، تیرہ ماہ قبل اسی مقام پر لاکھوں پاکستانی اپنے مسیحا کے استقبال کے لیے جمع ہوئے تھے، مگر آج صرف چند آدمی تھے کیونکہ قائد کی کراچی آمد کو خفیہ رکھا گیا تھا۔ وزیراعظم کو بھی ہدایت تھی کہ وہ گورنر جنرل اور بابائے قوم کے استقبال کے لیے ایئر پورٹ نہ آئیں۔ جہاز کے پاس کرنل جیفر کھڑے تھے۔ انہوں نے اسٹریچر کو باہر جاتے دیکھا، اور جب اسٹریچر کا رخ سورج کی طرف ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ قائداعظم نے اپنا ہاتھ چادر میں سے نکالا اور آنکھوں پر رکھ لیا تا کہ سورج کی روشنی ان پر نہ پڑے۔ اسٹریچر ایک فوجی ایمبولینس میں رکھ دیا گیا۔ فاطمہ جناح اور سسٹر ڈنہم بھی ساتھ سوار ہوگئیں۔ تقریباً چار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد گاڑی مہاجروں کی گنجان بستی سے ذرا آگے پہنچی تو انجن نے ہچکی لی اور پھر اچانک بند ہوگیا۔

فاطمہ جناح لکھتی ہیں:

''پانچ منٹ بعد نیچے اتری تو بتایا گیا کہ ایمبولینس میں پٹرول ختم ہوگیا ہے۔ میں کچھ دیر بعد اندر آئی تو قائد نے آنکھوں سے استفہامیہ انداز میں دیکھا میں نے جھک کر کہا ایمبولینس کا انجن خراب ہوگیا ہے۔ پیچھے کیڈلک کار پر ڈاکٹر الٰہی بخش اور دوسرے آرہے تھے۔ گرمی ناقابل برداشت تھی بیسیوں مکھیاں ان کے چہرے کے نزدیک منڈلانے لگیں۔ میں اور سسٹر ڈنہم باری باری ان کے چہرے پر پنکھا جھلتے دوسری ایمبولینس کا انتظار کرنے لگے۔ اسٹریچر کو کیڈلک میں منتقل نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ کم از کم ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔''

فاطمہ جناح کے بقول:

''میری پوری زندگی میں کوئی گھنٹہ اس گھنٹے سے زیادہ طویل اور دردناک نہیں گزرا۔''

پھر دوسری ایمبولینس آئی اور چھ بج کر دس منٹ پر گورنر جنرل ہاؤس پہنچے۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کیا اور مقوی قلب دوا پلانے کی کوشش کی لیکن دوا حلق میں اترنے کی بجائے دہانے سے باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر نے اینٹیں رکھ کر پائنتی ذرا اونچی کردی تا کہ دل کی طرف

سے دوران خون تیز ہو سکے، پھر ٹیکہ لگانا چاہا مگر رگیں بے جان ہو چکی تھیں۔ نو بج کر پچاس منٹ پر کرنل الٰہی بخش نے کہا جناب ہم نے طاقت کا ٹیکہ لگا دیا ہے۔ آپ بہتر ہو جائیں گے۔ فاطمہ جناح ان کے پاس تھیں۔ ان کے بقول پھر انہوں نے اچانک آنکھیں کھولیں اور سرگوشی میں بات کرنے کی کوشش کی ''فاطمہ خدا حافظ'' اور پھر رک کر کلمہ پڑھا۔ ان کا سر دائیں جانب ڈھلک گیا اور آنکھیں بند ہو گئیں۔''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 11 ستمبر 2013ء)

علامہ اقبال اور قائداعظم (کے نظریات)

اس کتاب کو محمد حنیف شاہد نے جون 1975ء میں مرتب کیا اور قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے اس کتاب کو شائع کیا، اس کی قیمت 18 روپے مقرر کی گئی یہ کتاب 316 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

علامہ مشرقی اور جناح

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 5 نومبر 1939ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''چند روز سے ہندو اخباروں میں پروپیگنڈہ کیا جا رہا تھا کہ خاکساروں کے امیر علامہ مشرقی محمد علی جناح کو اچھا نہیں سمجھتے اور ان کی مخالفت کر رہے ہیں، لیکن ہمیں ایسے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے، اور ہمیں حیرت تھی کہ ہندو اخباروں کی اطلاع کا ماخذ کیا ہے۔ تعجب ہے کہ پچھلے دنوں ''اسٹیٹس مین'' نے بھی اس افواہ کو شائع کر دیا اس پر علامہ مشرقی نے اخباروں میں اعلان درج کرایا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:

''میرے اور مسٹر جناح کے درمیان اختلاف کی اطلاع بالکل بے بنیاد ہے، میں اس افواہ کی پرزور تردید کرتا ہوں۔ محترم مسٹر جناح مسلمانان ہند کی جو بے مثال خدمت کر رہے ہیں اس سے کسی شخص کو انکار نہیں ہو سکتا اور خاکسار ان کے اس اعلان پر بے حد مطمئن ہیں کہ ڈیماکریسی مسلمانوں کو کسی طرح قابل قبول نہیں۔''

اس کے بعد علامہ مشرقی مسٹر جناح کی ان مساعی کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتے ہیں جو انہوں نے یو پی کی حکومت اور خاکساروں کے قضیہ میں فرمائیں اور خاکسار تحریک سے ہمدردی اور دوستی کا کھلا اعتراف ہے۔

علامہ مشرقی نے اسٹیٹس مین کے بیان کو گمراہ کن قرار دیا ہے اور لکھا ہے:

''غالباً اس افواہ بازی میں کانگریسیوں کے خاص سیاسی مقاصد پوشیدہ ہیں۔''

ہمیں امید ہے کہ علامہ کے اس اعلان سے مخالفوں کی نفرت انگیز حرکتوں کا سد باب ہو جائے گا، اور مسلم لیگ اور خاکساروں کے درمیان اخوت کے زیادہ گہرے تعلقات قائم ہوں گے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 5 نومبر 1939ء)

علم الدین شہیدؒ

ایک ملعون ہندو راجپال نامی ایک آریا سماجی نے جب رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے ایک نازیبا کتاب لکھی تو انہوں نے راجپال پر چھری کے پے در پے وار کر کے اس ملعون کو قتل کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح ان کا مقدمہ لڑنے کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔

غازی علم الدین 1911ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔

انہوں نے کسی قسم کی کوئی تعلیم حاصل نہ کی، تاہم حب رسول (ﷺ) دل میں موجود تھی اسی لیے انہوں نے راجپال کو (معاذ اللہ) رنگیلا رسول نامی کتاب لکھنے پر قتل کر دیا تھا۔ قتل کے الزام میں مقدمہ چلا تو عدالت نے سزائے موت کا حکم دیا۔ ہائی کورٹ کے بعد پریوی کونسل نے بھی موت کی سزا بحال رکھی، چنانچہ انہیں 31 اکتوبر 1929ء کو جب کہ ان کی عمر صرف 28 برس تھی جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ ان کی میت کو لاہور لانے کے سلسلے میں فساد کا شدید خطرہ تھا، چنانچہ علامہ اقبال کی ضمانت پر انہیں لاہور لایا گیا۔ لاکھوں افراد نے نماز جنازہ پڑھی اور میانی صاحب کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

علی اکبر خان، مرزا جسٹس

قائداعظم محمد علی جناح ایک مقدمے کے سلسلے میں ایک بار جسٹس علی اکبر خان مرزا کی عدالت میں حاضر ہوئے، دورانِ بحث کہیں جسٹس مرزا کی زبان سے نکل گیا:

''یہ میری ذاتی رائے ہے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''یور لارڈ شپ۔ میں آپ کی ذاتی رائے کو پیتل کے دو بٹنوں کے برابر بھی وقعت نہیں دیتا۔''

علی ظہیر

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے مابین خط و کتابت بھی رہی 24 تا 26 اپریل 1943ء میں دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کا جو اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا اس کے شروع ہونے سے پیشتر مسلم لیگ کے ایک طبقہ نے تجویز کیا:

''مسلم لیگ کو اعلان کرنا چاہئے کہ قرآن پاکستان کے دستور کی بنیاد ہوگا۔''

(یعنی وہ اصول جو پہلے چار خلفاء کے دور میں ارتقاء پذیر ہوئے)۔ یہ تجویز ڈاکٹر قاضی عبدالمجید نے پیش کرنا تھی لیکن اس میں اسے پیش نہ کیا۔

(تشکیل پاکستان شیعان علی کا کردار از محمد وجی خان صفحہ نمبر 235)

اس ضمن میں جناب علی ظہیر نے قائداعظم محمد علی جناح کو 25 جولائی 1944ء کو یہ خط تحریر کیا:

ڈیئر مسٹر جناح!

''سید سخی حسن امروہی کے نام پریس میں شائع شدہ آپ کے خط اور سیالکوٹ کی تقریر میں شیعہ فرقہ کے حوالہ کے پیش نظر میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے حسب الحکم آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ پاکستان کی اسکیم میں مسلم لیگ کی تجویز کے مطابق شیعوں کے رتبہ وحیثیت کو معین اور واضح فرما دیں۔ اس اقدام کی ضرورت منجملہ دیگر وجوہات کے مندرجہ ذیل حالات کے تحت محسوس کی گئی۔

مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے جو تجویز پیش کرنے کی بارہا کوشش کی گئی ہے کہ پاکستان کی حکومت کو اس حکومت کے نمونہ پر ڈھالا جائے جو سرزمین عرب پر رسول اکرم (ﷺ) کی وفات کے فوراً بعد غالب آ گئی تھی، حالانکہ یہ احساس بھی پایا جاتا ہے کہ گزرے ہوئے برسوں کے زمانہ کو واپس لانا ممکن نہیں لیکن اس تجویز سے یہ تشویش ضرور ہوتی ہے کہ غالباً یہ کوشش اس آزادی کو سلب کرنے کی ہے جو اہل تشیع کو اپنے مذہبی عقائد اور رسومات میں حاصل رہی ہے۔

مسلم نشستوں کے انتخابات کے دوران یہ ایک عام تجربہ ہے کہ جب کبھی وہ (شیعہ) سنی امیدوار کے

خلاف کھڑا ہوتا ہے تو اکثریتی رائے دہندگان میں مذہبی تعصب کے نام پر اپیل کی جاتی ہے اور شیعہ صرف اس لیے ہرایا جاتا ہے کہ وہ شیعہ ہے۔ ایسے مواقع پر یہ عام دستور العمل ہے کہ شیعوں کے عقائد مذہبی کی خصوصیات کی بنا پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ سرے سے مسلمان نہیں اور اس لیے وہ ان (سنیوں) کے ووٹ کے مستحق نہیں۔ شیعوں کو یو پی کانگریس حکومت کے دور میں دو کانگریس وزراء سے جو تلخ تجربہ ہوا ہے اس کی بنا پر وہ مستقبل میں اس قسم کے مسلم وزراء پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں حالانکہ پاکستانی صوبوں میں کانگریسی وزارتیں نہیں ہوں گی تاہم انہیں خدشہ ہے کہ وہاں جو حضرات وزارتیں تشکیل دیں گے وہ اسی طبقہ اور مزاج کے حامل ہوں گے۔

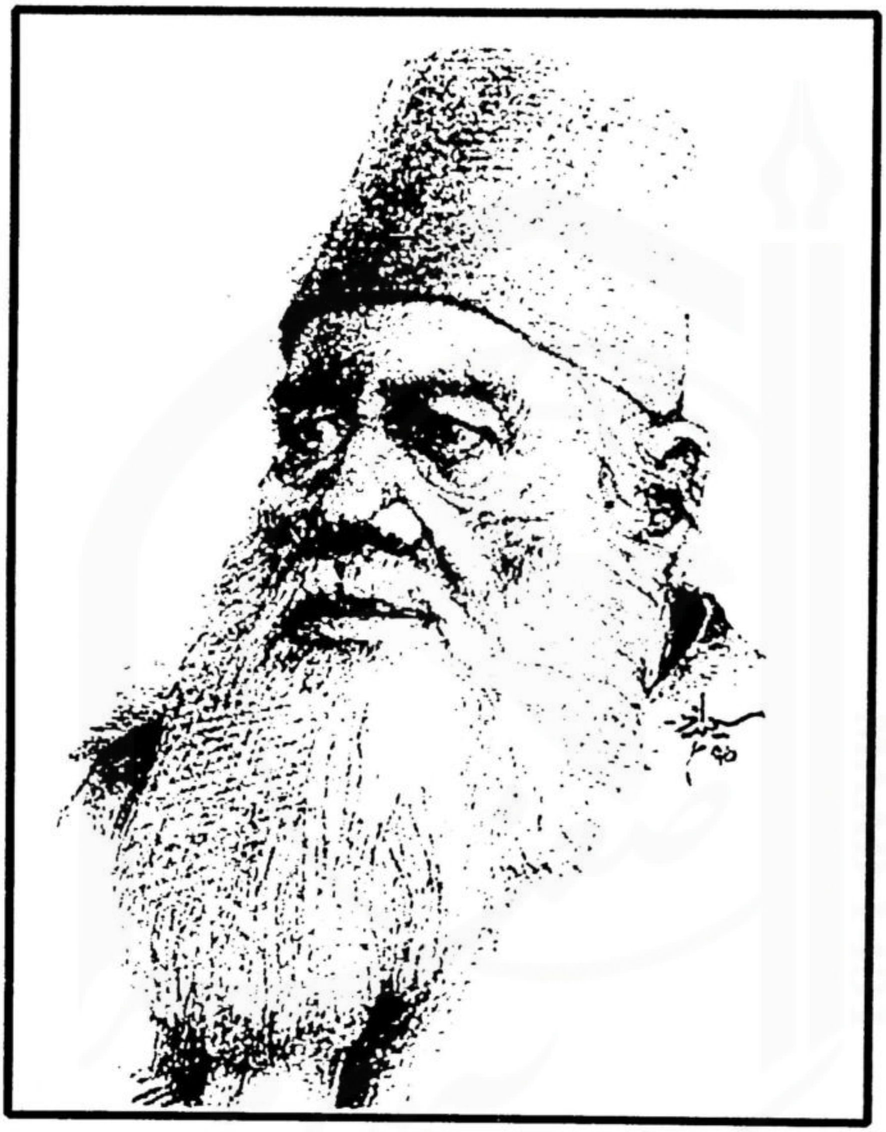
شیعہ کانفرنس ہندوستان کے لیے مکمل آزادی کے مسلک کو خصوصی اہمیت دیتی ہے اور دیگر ہم خیال جماعتوں کے ساتھ اس جدوجہد کو جاری رکھنے کی خواہاں ہے۔ شیعوں کو یقین ہے کہ ملک کی آزادی کے ساتھ ساتھ مسلمان اگر خواہش کریں تو پاکستان خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

حالانکہ مجھے عام شیعوں کی طرف سے کوئی کلی اختیار نہیں تاہم میں محسوس کر رہا ہوں کہ اگر مسلم لیگ انہیں مندرجہ ذیل یقین دہانیاں کرا دے تو وہ اپنے آپ کو بالکل مطمئن محسوس کریں گے۔

1. یہ کہ پاکستان میں ان کی مذہبی آزادی اور رسومات کی بجا آوری میں کوئی مداخلت نہ ہوگی، اور کوئی ایسا نیا طریقہ ایجاد نہ کیا جائے گا جس سے ان کے مذہبی جذبات مجروح ہوں۔
2. انتخابات کے دوران میں شیعوں کے عقائد اور رسومات کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ نہیں ہوگا اور اگر اس قسم کا پروپیگنڈہ ہوا تو اس ثبوت سے قطع نظر کہ اس سے الیکشن متاثر ہوا یا نہیں شیعہ امیدوار کے کہنے پر انتخابات کالعدم قرار دیا جائے گا۔
3. شیعوں کو کافی تعداد میں وزارتیں، مجالس واضعان قانون اور دیگر منتخب اداروں میں نشستوں کی ضمانت دی جانی چاہیے نیز تمام عدالتی اور انتظامی آسامیوں پر مسلمانوں کی تقرری میں ان کو معینہ حصہ ملنا چاہیے۔ یہ حصہ مختلف صوبوں میں یقیناً مختلف ہوگا جس کا تعین اس صوبہ کے شیعہ نمائندوں کے مشورے سے کیا جائے گا۔
4. مسلم لیگ حصول پاکستان کی جدوجہد کے ساتھ پورے ملک کی آزادی کی جدوجہد کرے گی، اور اس پر آمادہ رہے گی کہ دیگر سیاسی جماعتوں سے اپنے اختلافات نمٹائے تاکہ ملک کی آزادی خطرے میں نہ پڑنے پائے۔ یہ احساس ہونا چاہیے کہ پہلے پاکستان کے حصول پر اصرار کی بدولت پاکستان اور آزادی دونوں میں تاخیر نہ ہو جائے۔
5. آخر میں یہ ذکر کر دوں کہ میری نظر میں یہ بہت اہم نکات ہیں جن کی وجہ سے اب تک شیعہ پولیٹیکل کانفرنس اور اکثر شیعہ صاحبان مسلم لیگ سے علیحدہ ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ ان سوالات پر جیسے ہی تسلی بخش مفاہمت ہو جاتی ہے دونوں جماعتوں کے درمیان ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔

آپ کا مخلص

سید علی ظہیر صدر آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس



سر سید احمد خان

1898 - 1817

آپ دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ عظیم مصلح، ماہر تعلیم اور مفسر قرآن تھے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کے علمبردار اور علی گڑھ کالج کے بانی تھے۔ آپ نے 1859ء میں رسالہ ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' شائع کیا جس میں 1857ء کی جنگِ آزادی کے حقیقی اسباب پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس قائم کر کے مسلمانوں کو حصولِ تعلیم کی طرف راغب کرتے رہے۔ ایک رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا جس نے اُردو نثر کو ایک نیا اسلوب عطا کیا۔ آپ کی قائم کردہ درسگاہ علی گڑھ کے فارغ التحصیل طلبا نے تحریکِ پاکستان میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ آپ علی گڑھ کالج کی مسجد کے ایک گوشے میں دفن کئے گئے۔

علی ظہیر کے خط کا جو جواب قائداعظم محمد علی جناح نے دیا اس کی تفصیل اس طرح ہے۔

''مجھے یقین ہے کہ شیعوں کی اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہے اور ایسے شیعہ جو مسلم لیگ سے محض غلط فہمی کی بنا پر اب تک کنارہ کش ہیں، اور شیعوں و مسلم ہند کے مفاد میں غیر مشروط طور پر مسلم لیگ میں شمولیت سے قاصر رہے میرے خیال میں غیر دانشمندانہ ہیں۔ مسلم لیگ انصاف اور مساوی سلوک کی علمبردار ہے نیز یہ جماعت ہمیشہ بنیادی اصولوں کے لیے مبارز طلبی کرتی رہے گی اور شیعوں کے لیے یہ سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ ان کے ساتھ منصفانہ سلوک نہ کرے گی۔ میرے خیال میں مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق پیدا کرنا مسلمانوں کے موقف سے ناروا سلوک ہوگا اور مجھے اس سلسلے میں کوئی معقول وجہ اور مناسبت نظر نہیں آتی ہے۔ ہماری تنظیم اب اس حیثیت میں ہے کہ وہ ہر فرد کے ساتھ انصاف کر سکے اور جہاں تک ہماری آواز اور طاقت کو دخل حاصل ہو ان محاسن کا اعتراف کر سکے۔ مسلم لیگ کسی دوسری سیاسی تنظیم کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ علاوہ ازیں بہت سے ایسے نکات جنہیں آپ نے پیش کیا ہے مسلمانوں کے داخلی نوعیت کے ہیں کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جو بے ربط ہیں حقیقت سے بعید ہیں اور محض غلط فہمی کی بنا پر اٹھائے گئے ہیں۔''

علی گڑھ یونیورسٹی

علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبا کی دعوت پر قائداعظم محمد علی جناح وہاں جاتے رہتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح پہلی بار 5 فروری 1938ء کو علی گڑھ پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اس موقع پر انہوں نے طالب علموں کو ماضی کی جدوجہد سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

''1924ء سے گول میز کانفرنس کے انعقاد تک ہندو مسلم اتحاد کی متعدد کوششیں کی گئیں نامعلوم اس وقت میری خودداریوں کو کیا ہو گیا تھا کہ میں کانگریس کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا۔ میں نے اس مسئلہ کے حل کے لیے انتھک اور مسلسل کوششیں کیں کہ ایک روزنامے نے اس پر لکھا:

''مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سوال پر بھی بیزار نہیں ہوئے۔''

لیکن گول میز کانفرنس کے اجلاس میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا صدمہ پہنچا۔ خطرہ نمودار ہوتے ہی ہندو دل و دماغ ہندو جذبات اور ہندو روش نے ایسی صورت حال اختیار کر لی کہ اتحاد کی تمام توقعات اٹھ گئیں۔''

(قائداعظم کے 72 سال، از خواجہ رضی حیدر)

اسی موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے علی گڑھ یونیورسٹی کے طلباء سے وعدہ کیا:

''میں سال میں دو مرتبہ علی گڑھ آیا کروں گا۔''

مارچ 1939ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو علی گڑھ یونیورسٹی کے اساتذہ نے دعوت دی۔

یونین ہال میں جلسہ ہوا جس سے قائداعظم محمد علی جناح نے خطاب کیا۔ 6 مارچ 1940ء میں قائداعظم محمد علی جناح انجمن اتحاد طلبا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی دعوت پر پھر علی گڑھ گئے انہوں نے اس موقع پر ہندوستان کی دستوری تاریخ کا ایک اجمالی ساخاکہ طلبا کے سامنے پیش کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 10 مارچ 1941ء کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اب وقت آ گیا ہے کہ تم ایک تعمیری لائحہ عمل کے لیے خود کو وقف کر دو اور اپنے آدمیوں میں تعلیم کی اشاعت اور معاشرے کی اصلاح کرو۔ اقتصادی ارتقاء برتر، شعور سیاسی اور اپنی تنظیم کو وسیع کرو۔''

2 نومبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''مسلمانوں کا نعرہ ہے کہ پاکستان حاصل کرو یا مٹ جاؤ۔''

میں یقین دلاتا ہوں ''مسلمان مٹے گا نہیں بلکہ پاکستان حاصل کرلے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 10 مارچ 1944ء کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ہم اپنے مقصد کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔''

ابتداء میں اس کا قیام 1877ء میں کالج کے طور پر عمل میں آیا۔ 1920ء میں سر سید احمد خان کے صاحب زادے سید محمود کی کوششوں سے اسے یونیورسٹی کا درجہ ملا۔

عمدہ سپاہی

(دیکھیے: راغب احسن)

عمر (قائداعظم)

قائداعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو پیدا ہوئے اور 11 ستمبر 1948ء کو انتقال کیا۔ اس اعتبار سے ان کی عمر 71 سال 8 ماہ اور 16 دن بنتی ہے۔

عمر سوبانی

قائداعظم محمد علی جناح کا جب رتن بائی سے نکاح ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح کی جانب سے نکاح نامے پر عمر سوبانی نے دستخط کیے۔

قائداعظم محمد علی جناح اپنے نجی معاملات میں ذاتی طور پر بھی ان سے مشاورت کرتے تھے۔ وہ بمبئی کے ایک متمول خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ 30 دسمبر 1915ء سے یکم جنوری 1916ء تک بمبئی میں مسلم لیگ کا آٹھواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا جس میں اصلاحات مرتب کرنے کے لیے جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی۔ اس میں عمر سوبانی بھی شامل تھے۔ ان کے والد کروڑ پتی تھے۔ انہوں نے تحریک عدم تعاون کے سلسلے میں منعقدہ ایک اجلاس میں جو 24 فروری 1919ء کی رات کو ہوا میں شرکت کی۔ بعد ازاں آزادی ہند کی خاطر انہوں نے مسٹر گاندھی کو کورا چیک دیا۔ مسٹر گاندھی نے چیک پر ایک لاکھ روپے کا اندراج کیا۔

عمر سوبانی کا انتقال 6 جولائی 1926ء کو ہوا۔ جنازے میں متعدد شخصیات نے شرکت کی۔ ان کی وفات کے بعد خلافت کمیٹی نے بطور یادگار اپنی عمارت کے ایک دروازے کا نام ''باب عمر'' رکھا۔

عمر ماچس والا (سیٹھ جی)

5 جون 1938ء کو بمبئی کے مشہور قیصر باغ میں میمن برادری کا ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ کے اختتام پر کاٹھیاواڑ کے میمن رہنما جناب حاجی عمر ماچس والا نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سونے اور چاندی کا بنا ہوا ایک کاسکیٹ اور روپوں کی تھیلی پیش کی۔

عنایت کبریا

وہ سرحد مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری تھے۔ عنایت کبریا نے 1943ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا:

''سرحد مسلم لیگ کی تنظیم کر لی گئی ہے اور اس میں بڑی

حد تک ہم کامیاب رہے ہیں۔"

عوامی رائے

20 جولائی 1947ء کو برما کے دو لیڈروں کے قتل پر اظہار افسوس کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"دنیا کی کوئی طاقت منظم عوام کی رائے اور مرضی کی مزاحمت نہیں کر سکتی، عوامی رائے کبھی غلطی پر نہیں ہوتی۔"

عہد شکن علماء

رئیس احمد جعفری اپنی کتاب "قائداعظم اور ان کا عہد" میں رقمطراز ہیں:

"علمائے کرام کا کام گمراہوں کو ہدایت دکھانا ہے بھٹکے ہوؤں کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ کفر و شرک کے مقابلہ میں تلوار اور اسلام و ایمان کے مقابلہ میں حریر و پرنیاں بن جانا ہے۔ علمائے کرام کا آوازہ حق ہمیشہ باطل کے ایوانوں میں گونجا اور زلزلہ آفریں ثابت ہوا۔ علمائے کرام کا نعرہ صداقت کشور کشاؤں اور جہاں بانوں کے دربار میں ہمیشہ لرزہ خیز ثابت ہوا۔ قدوسیوں کی یہ جماعت ہمیشہ حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت کرتی رہی، اس نے اسلام کی سربلندی کے لیے مسلمانوں کی عروج و ترقی کے لیے قید و بند اور دار و رسن کے مصائب برداشت کیے اور جبیں استقامت پر شکن تک نہ آنے دی۔
پاکستان کا مسئلہ یعنی مسلمانوں کی آزادی و خودمختاری کا مسئلہ تھا کہ کم از کم علماء کے طبقہ میں دورائیں نہیں ہونی چاہئے تھیں، لیکن غلاموں میں ایسے اصحاب علم و فضل ایسے ارباب فہم و دانش، ایسے صاحبان زہد و تقویٰ ایسے حاملان کتاب وسنت بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں، جو کافروں اور مشرکوں کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے کے ذوق وشوق میں اپنے مذہبوں اور ہم قوموں سے "جہاد" کر سکے ہیں۔ فجز اہم اللّٰہ خیر الجزاء۔
علمائے کرام کی وہ شرزمعہ قلیلہ جو دہلی کی جمعیۃ علماء سے وابستہ ہے پاکستان کی سخت مخالف ہے، اور اکھنڈ ہندوستان اس کا آخری مطمع نظر اور نصب العین ہے، لیکن الحمدللہ کہ علمائے کرام کا بڑا طبقہ دہلی کی اس جماعت کے ساتھ نہیں ہے نہ اس کے نظریات و خیالات سے متفق ہے یہ گروہ مسلم لیگ کی حمایت، پاکستان کی تائید اور مسلمانوں کی آزادی و خودمختاری کے لیے سربکف میدان میں اتر چکا ہے۔"

عیدالفطر

قائداعظم محمد علی جناح نے 13 نومبر 1939ء سے مسلمانانِ ہند کے نام پیغام عیدالفطر کا آغاز کیا اور اپنی وفات سے 14 دن قبل یعنی 27 اگست 1948ء تک تقریباً یہ سلسلہ ہر سال جاری رکھا۔

13 نومبر 1939ء کو جو پیغام عید قائداعظم محمد علی جناح نے دیا اس میں انہوں نے آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"ہم پچھلی نسل کے لوگوں کو جتنی بھی آزمائشیں درپیش آتی تھیں درپیش آچکی ہیں۔ آج میں اپنے نوجوان دوستوں کے درمیان ان آزمائشوں کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ آج کی رات میں ان کے دلوں میں چھپے ہوئے جوان امنگوں کے تازہ سرچشموں کو چھونا چاہتا ہوں کیونکہ یہی ہیں وہ مردان عمل جو آئندہ ہماری قوم

کی تمناؤں کا بوجھ اٹھائیں گے۔"

عیسیٰ، قاضی محمد

بلوچستان کے ممتاز سیاسی رہنما اور قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھی تھے۔ مارچ 1940ء میں لاہور میں قراردادِ پاکستان قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں منظور کی گئی تو انہوں نے بلوچستان کی طرف سے اس کی تائید کی۔ 6 مارچ 1943ء کو جب قائداعظم محمد علی جناح فرنٹیئر میل کے ذریعے دہلی گئے تو ریلوے اسٹیشن پر استقبال کرنے والوں میں قاضی محمد عیسیٰ خان بھی موجود تھے۔ جون 1943ء کے آخری ہفتے میں قاضی محمد عیسیٰ نے قائداعظم محمد علی جناح کو بلوچستان کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔ ان کی دعوت پر جولائی 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح بلوچستان تشریف لے گئے۔ وہ جتنے روز وہاں رہے قاضی محمد عیسیٰ کی رہائش گاہ پر قیام کیا۔

20 اکتوبر 1945ء کو بلوچستان کے دورے پر جب قائداعظم محمد علی جناح کوئٹہ پہنچے تو انہوں نے قاضی محمد عیسیٰ کی رہائش گاہ پر قیام کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کا یہ دورہ مسلم لیگ کی تنظیم کے سلسلے میں تھا جو نہایت کامیاب رہا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے قرارداد پاکستان کی تشریح کرنے کے لیے صوبہ سرحد میں جو وفد بھیجا تھا اس کی قیادت بھی قاضی محمد عیسیٰ نے کی تھی۔ صوبہ سرحد میں انتخابات میں کامیابی کا سہرا بھی قائداعظم محمد علی جناح نے قاضی محمد عیسیٰ کے سر باندھا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"شاباش فرزند! سرحد کے حالیہ ضمنی انتخابات کی فتح تمہاری دستار میں ایک طرہ امتیاز ہے۔"

قاضی محمد عیسیٰ 1913ء میں پشین میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی پھر گورنمنٹ ہائی سکول کوئٹہ سے میٹرک کیا، اور اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ وہاں سے انہوں نے 1939ء میں بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ بیرسٹری کا امتحان پاس کرنے کے بعد سیدھا بمبئی گئے جہاں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ 1940ء میں بلوچستان کے مسلمانوں کی جانب سے تاریخی قرارداد پاکستان پر دستخط کیے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں ورکنگ کمیٹی کا رکن بھی بنایا تھا۔ وہ ورکنگ کمیٹی کے سب سے کم عمر رکن تھے۔ بلوچستان میں مسلم لیگ کو منظم کرنے اور صوبہ سرحد میں استصواب رائے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں برازیل میں پاکستان کا سفیر مقرر کیا گیا۔ صدر محمد ایوب خان کے مارشل لاء کے بعد قاضی محمد عیسیٰ عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئے، اور تمام تو توجہ وکالت پر دینے لگے۔ 1976ء میں جب حضرت قائداعظم محمد علی جناح کا صد سالہ جشن منایا گیا تو انہیں بھی تقریبات کمیٹی کا رکن بنایا گیا۔

انہوں نے بلوچستان میں تعلیم کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ قاضی محمد عیسیٰ نے 19 جون 1976ء کو انتقال کیا۔ پشین سے تین میل دوری پر اپنے آبائی قبرستان میں دفن ہوئے۔

عیسیٰ قاضی، بیگم

انہوں نے بلوچستان میں بلوچستان گرلز سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کی، اور اس کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کا پیغام بلوچستان کے کونے کونے میں پہنچایا، انہیں قائداعظم محمد علی جناح کی میزبانی کا شرف بھی حاصل رہا۔ قائداعظم محمد علی جناح 1943ء میں پہلی بار بلوچستان تشریف لائے تو انہوں نے کوئٹہ میں 5 جولائی 1943ء کو بڑی عیدگاہ میں خواتین کے جلسے سے خطاب کیا۔ اسی سال وہ آل انڈیا خواتین مسلم لیگ بلوچستان کی رہنما بنیں۔ انہوں نے ایک کتاب بھی تصنیف کی جس میں مسلم لیگی نقطہ نظر کو بڑے واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔



قاضی محمد عیسیٰ

1976 - 1913

انگلستان سے بارایٹ لاء کیا۔ 1939ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بلوچستان میں مسلم لیگ کی تنظیم کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی۔ قرارداد پاکستان پر بلوچستان کے مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے دستخط کیے۔ 1946ء کے تاریخ ساز انتخابات میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے موقع پر اہم خدمات انجام دیں۔ مئی 1947ء میں مسلم لیگ بلوچستان کے صدر منتخب ہوئے اور آپ کی کوششوں سے بلوچستان کے شاہی جرگے کے اراکین نے پاکستان میں شمولیت کے حق میں ووٹ دیا۔ 1951ء میں آپ کو برازیل میں سفیر مقرر کیا گیا۔

غ

غازی، مرزا ابراہیم

1941ء کی بات ہے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ جب آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کے لیے مدراس تشریف لے گئے تو انہوں نے مرزا ابراہیم غازی کے دومنزلہ بنگلے پر قیام فرمایا، جو متمول لوگوں کے کم گنجان علاقے ایگمور میں واقع تھا۔

مرزا ابراہیم غازی اس وقت گھڑیوں کی تجارت کرتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کر کے کراچی آ گئے اور زیب النساء سٹریٹ میں گرینچ ایجنسیز قائم کی۔

مرزا محمد ابراہیم کا انتقال 1982ء میں ہوا۔

غالب، اسداللہ

قائداعظم محمد علی جناح سے اسد اللہ غالب کی ملاقات 1942ء میں پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس منعقدہ جالندھر میں ہوئی۔ دوسری ملاقات 18 نومبر 1942ء کو لائل پور فیصل آباد میں اور تیسری 1945ء میں کوئٹہ میں ہوئی۔

غداری

(دیکھیے: ناکامی کے اسباب)

غذا

قائداعظم محمد علی جناح انتہائی سادہ غذا پسند کرتے تھے۔ وہ مرغن کھانوں سے پرہیز کرتے اور اسی قدر کھاتے کہ کام کر سکیں۔ صبح کے ناشتے پر قائداعظم محمد علی جناح کو پوری اور سوجی کا حلوہ بڑا مرغوب تھا۔ کڑک تنوری روٹی سے بھی رغبت تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بریانی کو کبھی ہاتھ تک نہ لگایا اور صرف تنوری روٹی اور چکن کری کا سالن ہی کھایا کرتے۔ ان کے کھانے کی میز پر کبھی بھی دو سے زیادہ کھانے موجود نہ ہوتے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے:

> "جب میرے ہم وطنوں کو ایک وقت کا کھانا بھی مشکل سے میسر آ رہا ہے تو پھر مجھے طرح طرح کے کھانے پکوانا اور کھانا کب زیب دیتا ہے۔"

غزنوی اور مہاراجا بردوان معاہدہ

14 جنوری 1937ء کو قائداعظم محمد علی جناح جب بنگال کے دورے پر تشریف لائے تو انہوں نے غزنوی بردوان معاہدے کے بارے میں ایسوسی ایٹڈ پریس کو دوران ملاقات بتایا:

> "مسٹر غزنوی اور بردوان کے درمیان خط و کتابت کو میں پڑھتا رہا ہوں۔ خاص مصالح کے بنا پر مجھے تیسری گول میز کانفرنس میں نہیں بلایا گیا تھا، لہٰذا میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ 1923ء میں کیا ظہور پذیر ہوا اور نہ مجھے اس کا علم ہے کے مسٹر غزنوی کے خط میں کس بات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان تجاویز کے متعلق مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی، اور نہ کسی نے مجھ سے مشورہ کیا۔ ان تجاویز پر میرے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کی رائے لیے بغیر اظہار خیال مناسب نہیں ہے۔ ان تجاویز کے متعلق کوئی فیصلہ کرنا تو مسلم لیگ

کونسل کے اختیار میں ہے، لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ دونوں حضرات نے انفرادی حیثیت سے کوئی تصفیہ کیا ہے، لہٰذا انہوں نے غلط طریقہ کار اختیار کیا۔

غزنوی، سر عبدالحلیم

وہ ضلع میمن سنگھ کے مسلم لیگی رہنما تھے۔ 1938ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے مرکزی اسمبلی میں 118 فراد پر مشتمل جو پارلیمانی پارٹی تشکیل دی وہ اس کے رکن تھے۔
عبدالحلیم غزنوی 11 نومبر 1976ء کو ضلع میمن سنگھ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ 1926ء میں انڈین لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن بنے اور مسلسل 19 سال تک اس کے رکن رہے۔ گول میز کانفرنس میں مندوب کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس میں مندوب کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس اور مسلم ایوان صنعت وتجارت کلکتہ کے صدر بھی رہے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے رکن رہے۔ انڈین چیمبرز آف کامرس کے سینئر نائب صدر کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔
انتخابات کے پر جوش حامی تھے۔

غسال قائداعظم

(دیکھیے: حاجی کلو)

غضنفر علی، راجا

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھی تھے۔ 6 جون 1936ء کو قائداعظم نے برکت علی اسلامیہ ہال لاہور اور نیڈوز ہوٹل میں خطاب کیا تو راجا غضنفر علی نے بھی اس میں شرکت کی۔ 13 اکتوبر 1946ء کو جب قائداعظم محمد علی جناح نے حکومت ہند کو مخلوط حکومت میں شرکت کرنے کے لیے مسلم لیگیوں کے نام ارسال کیے تو قائداعظم محمد علی جناح نے راجا غضنفر علی کا نام بھی بھیجا تھا۔
راجا غضنفر علی 1894ء میں پنڈ دادنخان خان ضلع جہلم میں ایک معزز راجپوت گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم وہیں مکمل کی پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا اور لاء کالج میں داخل ہوئے، لیکن قانون کی تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ تکمیل علوم کے بعد سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ 1923ء میں ہندوستان کی مرکزی مجلس وضع قانون کے رکن رہے 1933ء میں کونسل آف سٹیٹ کے رکن بنے۔ کچھ مدت تک مہاراجہ الور کے وزیر بھی رہے 1937ء تا 1941ء یونینسٹ پارٹی کے رکن رہے۔ 1946ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

غلام احمد، خواجہ

قائداعظم محمد علی جناح 1944ء میں چند روز کے لیے آرام کرنے کی غرض سے سری نگر گئے تو انہوں نے جھیل ڈل میں ایک ہاؤس بوٹ میں قیام کیا۔ ان کے میزبان خواجہ غلام احمد تھے۔ جن کی سری نگر میں جیولری کی دکان تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جتنے روز سری نگر میں قیام فرمایا تقریباً ہر روز ان کی دکان پر جا کر بیٹھتے رہے۔

غلام حسین ہدایت اللہ

وہ ممتاز سندھی سیاست دان تھے۔ جب سندھ میں پہلی مسلم لیگی وزارت تشکیل پائی تو وہ اس کے سربراہ بنے۔ غلام حسین قائداعظم محمد علی جناح کی پالیسیوں سے متفق تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں سندھ کا گورنر بھی مقرر کیا تھا۔ ہدایت اللہ 1879ء میں پیدا ہوئے۔ کراچی میں تعلیم حاصل

کی، پھر بمبئی سے لاء کیا۔ 1904ء میں حیدر آباد میونسپل کمیٹی کے نائب صدر بنے۔ 1912ء میں بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ 1921ء تا 1928ء حکومت بمبئی کے وزیر رہے۔ 1928ء تا 1935ء بمبئی ایگزیکٹو کونسل کے رکن، 1937ء تا 1947ء رکن لیجسلیٹو اسمبلی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1947ء میں سندھ کے گورنر رہے۔ ان کا انتقال 1948ء میں ہوا۔

غلام حیدر جنڈالوی

تحریک آزادی کشمیر کے مجاہد تھے، 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں منعقد ہونے والے انقلاب آفرین اجلاس میں جموں و کشمیر کے مسلمانوں کے ایک نمائندہ وفد میں واحد مقرر تھے۔ جنہوں نے اس تاریخی جلسے میں 45 منٹ تک تقریر کی۔ ان کی ولولہ انگیز تقریر سے جلسہ گاہ میں جذبات کا طوفان اٹھ آیا۔ مارچ 1940ء کے اجلاس سے واپس آکر شملہ میں وائسرائے ہند کو ریاست پونچھ کی علیحدگی کا مطالبہ پیش کیا اور پھر 1941ء میں جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔

غلام حیدر جنڈالوی 12 مئی 1907ء میں جنڈالی (تراڑ کھل) میں سدھن قبیلے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی غلام حیدر خاں پھلیاں پلندری والے سے حاصل کی پھر مدرسہ غوثیہ لاہور میں دینی تعلیم کی تکمیل کی، اور راولاکوٹ میں تجارت کا پیشہ اختیار کیا۔ وہیں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی۔ ڈوگرہ حکومت کے خلاف نبرد آزما رہے۔ مسلمانوں نے امیر ملت کا خطاب دیا۔ 1939ء میں دربار جموں و کشمیر کے خلاف آواز اٹھائی اور ایک سال کے لیے جلا وطن کیے گئے۔ مسلم کانفرنس کے تیرھویں اجلاس میں پونچھ ریاست کی علیحدگی کا مسودہ پیش کرنے کی بنا پر ایک سال قید کاٹی۔ آزادی کشمیر کے لیے جہاد میں حصہ لیا۔ حکومت آزاد کشمیر نے انہیں غازی ملت کے خطاب سے نوازا۔

التوائے جنگ کے بعد فوج سے اور جہاد آزادی کشمیر کے بعد مسلم کانفرنس کی تنظیم کے لیے دن رات کام کیا۔ ان کا انتقال 11 فروری 1959ء کو سی ایم ایچ میں ہوا اور اپنے گاؤں جنڈالی میں دفن ہوئے۔ مزار پر ہر سال عرس ہوتا ہے۔

(بحوالہ نوائے وقت راولپنڈی، اشاعت: 25 دسمبر 1988ء، مضمون از کیپٹن ریٹائرڈ محمد امیر خان)

غلام رسول

1937ء کے انتخابات میں پنجاب مسلم لیگ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ مسلم لیگ کے صرف دو امیدوار ملک برکت علی اور راجا غضنفر علی خاں ہی کامیاب ہوئے۔ راجا غضنفر علی نے تو چند روز کے بعد مسلم لیگ کو چھوڑ کر یونینسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی اور انہیں سر سکندر حیات خاں نے پارلیمانی سیکرٹری کا عہدہ تفویض کیا، جب غلام رسول خان نے قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ کی اس شکست کی اطلاع دی تو انہوں نے ذیل کا حوصلہ افزا خط غلام رسول خاں کو لکھا:

ڈیئر مسٹر غلام رسول!

آپ کا خط ملا۔ میں ممنون ہوں کہ آپ نے پنجاب کی صورتحال کو واضح اور مفصل طریق پر بیان کیا ہے۔ سر محمد اقبال کا والا نامہ بھی ملا تھا جس کا جواب میں نے بھیج دیا ہے۔ اس جواب کی ایک نقل آپ کو بھیجتا ہوں۔ میں آپ کی بہادرانہ اور بیباکانہ مساعی کی داد دیتا ہوں۔ آپ کو ناکامی کی پرواہ نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے معاملہ میں پنجاب کی شکست دراصل ہماری فتح ہے۔ یہ کچھ کم نہیں کہ آپ نے پنجاب کی سرزمین میں مسلم لیگ کا جھنڈا گاڑ دیا ہے۔ ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں کہ ہم کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ کوئی ذی شعور انسان پانچ ماہ کے

قلیل عرصے میں معجز نمائی کا دعویٰ نہیں کر سکتا، اور ہمیں تو ایک عظیم الشان مہم درپیش ہے۔ میں آپ کی کامیابی کا متمنی ہوں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

غلام عباس، چودھری

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے رفیق کار تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زندگی میں کشمیری مہاجرین کی امداد کے لیے جو کمیٹی قائم کی تھی چودھری غلام عباس اس کے نائب صدر تھے۔

غلام عباس 4 فروری 1904ء کو جموں میں پیدا ہوئے۔ پرنس آف ویلز کالج جموں سے بی اے اور یونیورسٹی لاء کالج لاہور سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔ سیاست میں زمانہ طالب علمی سے ہی حصہ لینے لگے تھے۔ ابتداء میں ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن کشمیر میں شرکت کی۔ بعدازاں اسی تنظیم کے صدر بنے۔ اس تنظیم نے ریاست کے محکوم اور مجبور انسانوں میں بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ چودھری غلام عباس نے کشمیری مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے لیے جیل بھی برداشت کی۔ پہلی گرفتاری 1930ء میں ایل ایل بی کے امتحان میں اس وقت عمل میں آئی جب کشمیر میں قرآن حکیم کی توہین کے سلسلے میں کشمیری عوام نے صدائے احتجاج بلند کی تھی۔

1932ء میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کے قیام پر اس کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔ 1934ء میں ریاستی عوام کے حقوق کا مطالبہ کرنے پر جیل کی مشقت جھیلنا پڑی۔ 1935ء سے 1938ء تک اس تنظیم کے صدر رہے۔ 1946ء میں ان کی صدارت میں کشمیر مسلم کانفرنس میں قرارداد الحاق پاکستان منظور ہوئی۔ فروری 1948ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور یکم دسمبر 1951ء تک حکومت آزاد کشمیر کے سربراہ رہے۔ 1953ء میں دوبارہ عملی سیاست میں حصہ لینے لگے۔ جون 1958ء میں خط متارکہ جنگ کے توڑنے کے سلسلے میں تحریک چلائی اور گرفتار ہوئے۔ صدر محمد ایوب خان نے انہیں رہا کیا۔ مئی 1962ء میں کشمیر میں گوریلا جنگ شروع کرنے کا مطالبہ کیا اور وفات تک جموں و کشمیر کی آزادی کے لیے سرگرم عمل رہے۔

1936ء میں چودھری غلام عباس کی قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات سری نگر میں ہوئی۔ چودھری غلام عباس نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں ایک استقبالیہ میں سپاس نامہ بھی پیش کیا۔ مارچ 1948ء میں رہا ہو کر پاکستان آئے اور کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضری دی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں تحریک آزادی کشمیر کا نگران اعلیٰ اور مہاجرین کی آبادکاری کے لیے اعلیٰ سطح کی کونسل کا چیئرمین نامزد کیا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح انہیں بازو سے تھام کر اندر لے گئے اور فرمایا:

''غلام عباس! میں حقیقتاً تم سے بہت خوش ہوں۔''

چودھری غلام عباس کا انتقال 18 دسمبر 1967ء کو ہوا۔

غلام محمد، ملک

ممتاز سیاست دان اور قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھی تھے۔ ایک ماہر مالیات کی حیثیت سے وہ عالمی شہرت کے حامل تھے۔ وہ قائداعظم محمد علی جناح کے اس قدر معتقد تھے کہ قانون ساز اسمبلی کے اجلاس کے لیے آمد پر شملہ کے چھوٹے سے سٹیشن پر ان کے استقبال کے لیے کوئی بڑا جمگھٹا نہ لگتا تو وہ بلاناغہ حاضر ہوتے حالانکہ ان دنوں جناح قائداعظم نہ تھے۔ انہوں نے قیام پاکستان کے بعد جب پہلا متوازن بجٹ پیش کیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی قابلیت اور مہارت کا

اعتراف کرتے ہوئے انہیں گلے سے لگا لیا اور انہیں جادوگر (Wizard) کا خطاب دیا۔

ملک غلام محمد 1887ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے تعلیم پائی، اور امپیریل سروس میں ملازمت کا آغاز کیا۔ ابتداء میں ریلوے بورڈ کے ناظم اور پھر مرکزی حکومت میں محکمہ ڈاک و تار کے نائب ناظم عمومی بنے۔ جنگ کے دوران حکومت ہند کے کنٹرولر آف جنرل سپلائز اینڈ پرچیز بھی رہے۔

ملک غلام محمد نے پہلی گول میز کانفرنس میں نواب آف بھوپال کی جانب سے ان کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے شرکت کی۔ حیدرآباد دکن میں کچھ عرصہ قبل ٹاٹا کمپنی کے حصہ دار اور مشیر اقتصادیات بھی رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مالیات کے محکمے کے وزیر بنائے گئے۔ خان لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین کی جگہ پاکستان کے گورنر جنرل بنے۔ اپریل 1953ء میں انہوں نے خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر دیا اور اکتوبر 1954ء میں ہنگامی حالات کا اعلان کر کے آئین ساز اسمبلی معطل کر دی۔ ملک غلام محمد کے اسی اقدام سے پاکستان میں آئین شکنی کی روایت پڑی اور آمریت کی راہ ہموار ہوئی۔

وہ پرعزم شخصیت کے حامل تھے، لیکن سیاست میں ان کا کردار تحکمانہ و مدافعانہ ہی رہا۔

وہ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے۔ گرمیوں کے دنوں میں جب شملہ میں حکومت ہند کا قیام ہوا تو بڑے معرکے کے آل انڈیا مشاعرے ہوتے اور اور اکثر ان کی صدارت کرتے۔

غلام محی الدین قصوری، حضرت مولانا

ممتاز عالم دین اور شہرہ آفاق وکیل اور صدر انجمن حمایت اسلام تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی اپیل پر 1944ء میں برطانیہ کی طرف سے دیا گیا خطاب خان بہادر واپس کر دیا۔

غلام محی الدین 1879 میں قصور میں پیدا ہوئے۔ برصغیر کی مشہور مذہبی اور تعلیمی انجمن حمایت اسلام کے بانیوں میں سے تھے اور برسوں تک اس کے سیکرٹری، نائب صدر اور صدر رہے۔ لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے بھی صدر تھے۔

غلام محی الدین قصوری ابتداء میں کانگریس کے رکن تھے اور غیر منقسم ہند کی پنجاب صوبائی اسمبلی میں جس کے لیے وہ 1937ء میں منتخب ہوئے تھے۔ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی بنانے والے 12 مسلم ارکان میں سے ایک تھے۔ پاکستان میں وہ سماجی برائیوں کے انسداد کے قومی کمیشن کے چیئرمین بھی تھے۔

انہیں ہلال خدمت کا اعزاز بھی حاصل تھا جو پاکستان میں سماجی خدمت کے لیے سب سے بڑا اعزاز ہے۔

15 ستمبر 1963ء کو باغ جناح کے قریب چہل قدمی کرتے ہوئے اچانک ایک موٹر سائیکل کی زد میں آ کر شدید زخمی ہوئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

غلام مرشد

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ایک سپاہی کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کے زیر ہدایت مسلمانانِ لاہور کے دلوں میں تحریک پاکستان اور اسلام سے محبت پیدا کرنے کے سلسلے میں بڑا کام کیا۔

غلام مرشد 1895ء میں انگہ (ضلع خوشاب) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی ازاں بعد دینی تعلیم شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے حاصل کی وہ ان کے انتہائی قریبی اور خاص شاگردوں میں سے تھے۔ معقولات کی تعلیم اجمیر شریف



راجہ غضنفر علی خان

1963 - 1895

پنڈ دادن خان، ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ امرتسر میں جلیانوالہ باغ کے سانحہ کے سلسلے میں ہونے والی ایک پریڈ میں حصہ لینے کی پاداش میں کالج سے نام خارج کر دیا گیا۔ 1923ء میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور میں شریک ہوئے اور قائداعظمؒ سے ملاقات کی جس میں ان کا ساتھ نبھانے کا عہد کیا۔ 1933ء سے 1937ء تک انڈین کونسل آف سٹیٹ کے رکن رہے۔ حکومتِ پنجاب کے پارلیمانی سیکرٹری رہے مگر جب قائداعظمؒ نے حکم دیا تو اس عہدے سے استعفیٰ دے دیا۔ 1945ء کے انتخابات میں کامیابی کے بعد مسلم لیگی وزراء میں شامل تھے۔ اس دوران صوبہ سندھ کی وزارت توڑ کر نئے انتخابات کا اعلان کیا گیا تو مسلم لیگ نے آپ کی رہنمائی میں انتخابی مہم چلائی اور واضح کامیابی حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کے وزیر مقرر ہوئے اور اس سلسلے میں نہایت قابل ق[illegible] انجام دیں۔ دہلی، ترکی اور اٹلی میں بطور سفیر خدمات انجام دیں۔ آپ قائداعظمؒ کے قریبی ساتھی ہونے کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کے بے لوث کارکن، بہترین مقرر اور ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ آپ پنڈ دادن خان میں دفن ہوئے۔

میں حاصل کی اور پھر لاہور آ کر مدرسہ نعمانیہ میں مدرس ہو گئے۔ ایک عرصہ تک قرآن پاک اور حدیث کا درس دیتے رہے۔

حکیم الامت غلام مرشد کو علامہ اقبال سے بڑا لگاؤ تھا۔ 1935ء میں علامہ اقبال نے انہیں بادشاہی مسجد لاہور کا خطیب مقرر کرایا، صدر محمد ایوب خاں کے دور تک وہ خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ سنہری مسجد میں بھی خطابت کرتے رہے۔ ہلال کمیٹی کے رکن اور انجمن حمایت اسلام لاہور کے نائب صدر تھے۔ جب جمعیت العلمائے ہند نے قائداعظم محمد علی جناح سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا اور کانگریس کی حمایت شروع کی تو انہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانی کے ساتھ مل کر جمعیت العلمائے اسلام کی بنیاد رکھی۔ کلکتہ میں اس جمعیت کے پہلی کنونشن میں علامہ شبیر احمد عثمانی کی غیر موجودگی میں صدارت کی اور خطبہ صدارت پڑھا اور بعد میں تحریک پاکستان میں عملی طور پر حصہ لیا اور اس ضمن میں برصغیر کا دورہ کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 1945ء میں ممدوٹ ولا لاہور میں مولانا غلام مرشد کو بلایا ان کے ہمراہ نواب شاہ کے ڈپٹی کمشنر ایم مسعود کھدر پوش بھی تھے۔ مولانا غلام رشید نے جب قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی تو انہوں نے فرمایا:

"جمعیت العلمائے ہند (دہلی) جس کے سرپرست مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے نیشنلسٹ علماء ہیں وہ برسوں تحریک پاکستان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہیں۔ تاہم بہت سے علماء ہمارے ہم نوا بھی ہیں لیکن ان کی کوئی تنظیم نہیں۔"

چنانچہ ان علماء پر مشتمل ایک متوازی جمعیت (مرکز کلکتہ) قائم کی گئی اور مختلف صوبوں میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں۔ مولانا راغب احسن نے کلکتہ اجلاس کا باضابطہ افتتاح کیا، مولانا شبیر احمد عثمانی اس کے صدر نامزد ہوئے۔

14 ستمبر 1979ء کو انہوں نے لاہور میں انتقال کیا اور انہیں انگہ (ضلع خوشاب) کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

غیر مسلم اقلیت

یہ 1946ء کا زمانہ تھا۔

ہندوستان میں حکومت کی باگ ڈور عملی طور پر کانگریس کے ہاتھ میں تھی، سارے ہندوستان میں فسادات کی آگ بھڑک رہی تھی، اقلیتی صوبوں کے مسلمان لوٹے، پیٹے اور قتل کیے جا رہے تھے۔

بہار میں قیامت صغریٰ کا نمونہ پیش آ چکا تھا، یوپی کے ایک مقام گڑھ مکتشر میں مسلمان مولی، گاجر کی طرح کاٹ کر پھینک دیے گئے تھے، بمبئی میں فساد کی آگ بھڑک اٹھی تھی، اور بھڑکتی پھیلتی چلی گئی۔

مسلم اکثریت کے صوبوں میں عام طور پر قوم کے غدار کانگریس سے ساز باز کر کے حکومت پر قابض تھے، لیکن وہاں کے عوام میں ہلچل پیدا ہو رہی تھی، وہ ہر روز ریڈیو سنتے اور اخبارات میں پڑھتے تھے کہ آج فلاں شہر میں فساد ہوا، اور مسلمان قتل و غارت کا نشانہ بنا لیے گئے آج فلاں ضلع میں مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا، یہ سب کچھ سُن کر اور پڑھ کر ان کے جذبات بھڑکتے تھے۔ ان صوبوں کی وزارتیں لاکھ غدار ہوں، لیکن ان کے عوام سچے، مخلص اور کھرے مسلمان تھے۔ دِل و جان سے مسلم لیگ کے ساتھ اور تحریک پاکستان کے ہم نوا تھے۔

اب اندیشہ یہ پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں اکثریتی صوبوں کے مسلمان جوابی کارروائی کر کے ہندو سکھ اقلیت کو نشانہ ستم نہ بنا لیں۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح یہ گوارا

نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ اُنہوں نے بروقت ایک بیان شائع کر کے اکثریتی صوبوں کے مسلمانوں سے پُر امن رہنے کی اپیل کی، اور چونکہ یہ اپیل قائداعظم کی تھی، لہٰذا کامیاب ہوئی۔

اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''وقت کا تقاضا ہے اور مجھے اس کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں۔ ہر ایماندار سمجھ دار آدمی اچھی طرح جانتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں جو کچھ ہو رہا ہے مسلمانوں اور مسلم لیگ کو ذمہ دار ٹھہرانے کے لیے اس کا پروپیگنڈہ بڑے زور شور سے کیا جارہا ہے۔ مسلم لیگ کے خلاف جو کچھ الزامات لگائے جارہے ہیں وہ بالکل بے بنیاد اور من گھڑت ہیں۔

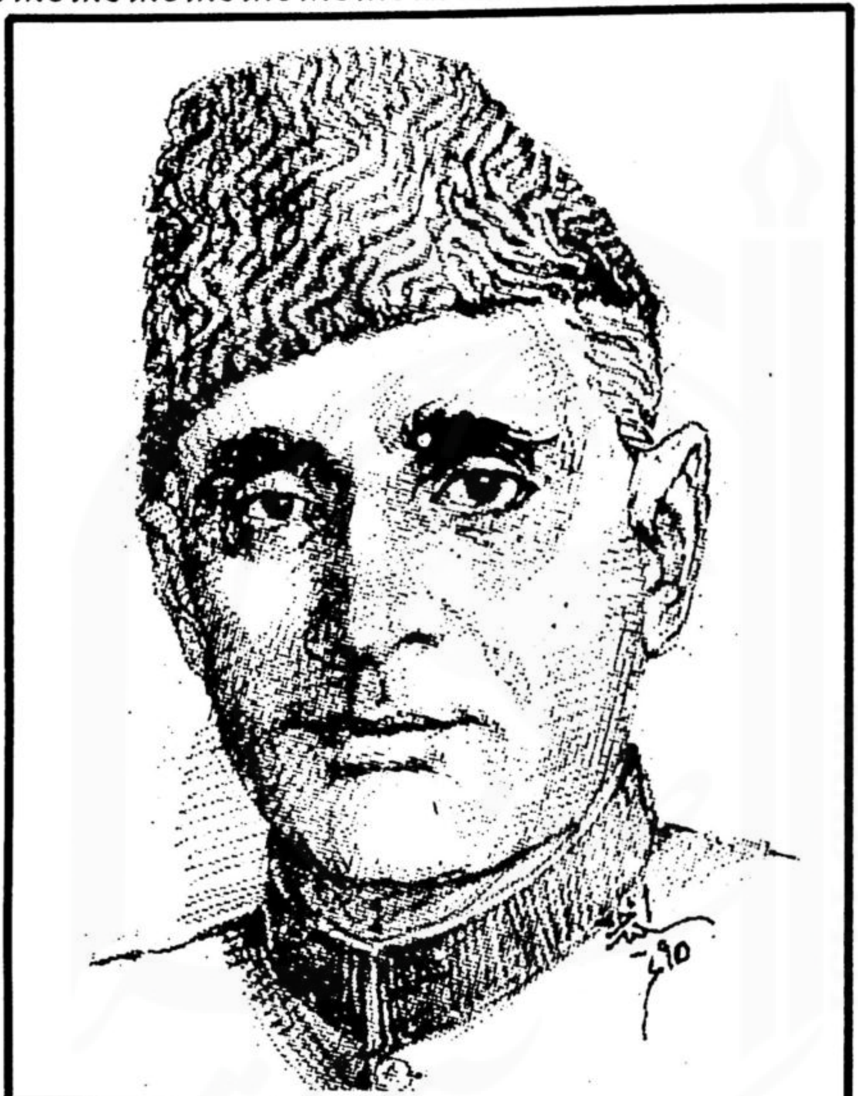
مجھے معلوم ہے کہ مسلمانوں کے دلوں کا اس وقت کیا حال ہے مگر میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ان مظلوم مسلمانان بہار کا بدلہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں لینا ایک بڑی بھاری سیاسی اور اخلاقی غلطی ہوگی اور اگر ایسا ہوا تو ہم اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں کھیلیں گے۔

اگر آپ حقیقت میں پاکستان چاہتے ہیں تو میں خداوند کریم سے دُعا کرتا ہوں کہ مسلمان کے دامن پر وہ بدنما داغ نہ لگے جس کا مظاہرہ مظلوم مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کر کے بہار میں کیا گیا ہے۔ ہمیں تہذیب و شرافت کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ مسلمانوں پر جو ظلم ہو رہے ہیں ان سے ہمارا کلیجہ چھلنی ہو رہا ہے، مگر ہم مسلم اکثریت والے بے گناہوں کو مار کر اپنا دل ٹھنڈا نہ کریں گے ہم کو سیاسی طور سے بتا دینا چاہیے کہ ہم بہادر اپنے دشمنوں کو معاف کر دینے والے ایماندار اور سچے مسلمان ہیں۔ پاکستان میں غیر مسلم اپنی جان و مال اور عزت کی حفاظت خود مسلمانوں سے بڑھ کر پائیں گے۔ اگر مسلمانوں نے دامن صبر و رضا کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور اپنا توازن کھو دیا اور اسلام نے جو عدیم المثال سبق دنیا کو سکھایا ہے اسے بھلا دیا تو سمجھ لیجئے کہ آپ نہ صرف اپنے حق پاکستان کو کھو دیں گے بلکہ ہندوستان میں وہ کشت و خون ہوگا۔ جس سے ہماری آزادی کے دن دُور ہٹ جائیں گے اور ہم اپنی غلامی کی بیڑیاں اپنے ہی ہاتھوں سے مضبوط کریں گے۔

مجھے خوشی ہے کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں امن و امان ہے اور وہ اس ظلم و فساد اور کشت و خون میں شامل نہیں ہیں جس کا مظاہرہ باقی تمام ہندوستان میں ہو رہا ہے۔

میں ایک بار پھر ان تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ جہاں بھی اکثریت میں ہوں غیر مسلموں کی حفاظت جان و مال کے لیے جو کچھ بھی ممکن ہو کریں اور ان میں بھروسہ پیدا کریں۔

اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں پر جو مظالم توڑے گئے ہیں، جو بے گناہ مسلمان شہید کیے گئے ہیں۔ یا زخمی ہو گئے ہیں یا مال اسباب لوٹا گیا ہے ان کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی وہ یہ سمجھ لیں کہ انہوں نے جنگ پاکستان اور آزادی کے لیے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔''



چوہدری غلام عباس

1967 - 1904

آپ جموں میں پیدا ہوئے۔ 1930ء میں کشمیر میں قرآن حکیم کی توہین کے معاملے پر احتجاج کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ ان کی صدارت میں 1946ء میں کشمیر مسلم کانفرنس کے اجلاس میں قرارداد الحاق پاکستان منظور ہوئی۔ ان کا شمار قائداعظمؒ کے قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ قائداعظمؒ نے کشمیری مہاجرین کی امداد کیلئے جو کمیٹی قائم کی تھی' آپ اس کے نائب صدر تھے۔ آپ اپنی وصیت کے مطابق راولپنڈی میں سپرد خاک کیے گئے۔



سر غلام حسین ہدایت اللہ

1948 - 1878

آپ شکارپور میں پیدا ہوئے۔ 1912ء میں بمبئی لیجسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ 1921ء میں بمبئی حکومت میں وزیر مقرر ہوئے۔ 1930ء کی گول میز کانفرنس لندن میں بمبئی کی طرف سے شریک ہوئے۔ 1937ء کے انتخابات میں آپ مسلم پولیٹیکل پارٹی کی طرف سے سندھ اسمبلی میں منتخب ہوئے۔ آپ سندھ کے پہلے وزیراعظم مقرر ہوئے۔ 1946ء کے انتخابات کے نتیجے میں آپ نے سندھ میں اپنی وزارت قائم کی۔ 1947ء میں سندھ میں دوبارہ مسلم لیگ وزارت قائم کی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ سندھ کے گورنر مقرر ہوئے اور اپنی وفات تک اسی عہدے پر فائز رہے۔

ف

فاتح سرحد

قائداعظم محمد علی جناح نے صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے سلسلے میں جو وفد بھیجا تھا اس میں مولانا عبدالحامد بدایونی بھی شامل تھے۔ مولانا عبدالحامد کی شعلہ باز تقاریر کی وجہ سے احرار اور سرخ پوشوں کا زور ٹوٹ گیا۔ مولانا عبدالحامد کی خدمات کے صلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں فاتح سرحد کا خطاب دیا۔

(نیز دیکھئے: عبدالحامد بدایونی، مولانا)

فاروق آباد (چوہڑکانہ)

قائداعظم محمد علی جناح 1942ء میں بذریعہ ریل لائل پور (فیصل آباد) جاتے ہوئے کچھ دیر کے لیے یہاں رکے تھے۔ ریلوے اسٹیشن پر مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے سلامی دی اور ان کا فقید المثال استقبال کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے خوش ہوکر ضلعی سالار چودھری عبدالغنی ایڈووکیٹ (شیخوپورہ) اور عبدالمجید جنرل سیکرٹری مسلم لیگ شیخوپورہ سے کہا:

''ویل ڈن مائی سن۔''

فاطمہ بیگم

وہ تحریک پاکستان کی ممتاز کارکن اور پیسہ اخبار کے مالک منشی محبوب عالم کی صاحب زادی تھیں۔ ان کی قائداعظم محمد علی جناح سے سیاسی امور پر خط وکتابت بھی رہی۔

فاطمہ بیگم لاہور میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی، پھر پنجاب یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کی اور لیڈی میکلیگن کالج لاہور میں مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1930ء میں ان کی تقرری بمبئی میونسپل کارپوریشن میں بحیثیت انسپکٹرلیس آف سکولز ہوئی۔

فاطمہ بیگم نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا اور آل انڈیا مسلم ویمنز کانفرنس سے وابستہ رہ کر خواتین کی مرکزی سب کمیٹی کے قیام کی پرزور حمایت کی۔

1941ء میں پنجاب صوبائی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی رکن رہیں اور 1943ء میں مرکزی سب کمیٹی کی رکن نامزد ہوئیں۔ پنجاب میں خضر حیات خان کی حکومت کے خلاف مظاہروں میں بھرپور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، لیکن ان کے پائے استقلال میں لغزش تک نہ آئی اور وہ مسلسل اپنے مشن کی تکمیل کے لیے برسرپیکار رہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح سے وہ سیاسی امور پر بذریعہ خط وکتابت مشورے لیتی رہیں۔ انہوں نے 1937ء میں لاہور میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ملتان روڈ پر اسلامیہ کالج برائے خواتین اور ایک ہائی سکول کی بنیاد رکھی۔ انجمن خواتین اسلام کی بانی رکن اور پہلی سیکرٹری بھی ہیں۔

1958ء میں ان کا انتقال ہوا۔

فاطمہ جناح، محترمہ

قائداعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ محترمہ تھیں۔ انہوں نے پوری زندگی اپنے قابل احترام بھائی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ وہ 31 جولائی 1893ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ کراچی

ہی میں ابتدائی تعلیم پائی۔ دو سال کی عمر میں والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ 1902ء میں والد بھی انتقال کر گئے تو آغوش محبت سے محروم ہو گئیں، چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی محبت سے ان کی دیکھ بھال کی اور تربیت کی اور انہیں عمدہ تعلیم دلوائی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں باندرا کے کانونٹ سکول میں داخل کرایا اسی سکول کے بورڈنگ میں فاطمہ جناح کی رہائش کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔ 1906ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں سینٹ پیٹرک اسکول گھنڈالا میں داخل کرایا جہاں سے انہوں نے 1910ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ امتحان پاس کرنے کے بعد محترمہ فاطمہ جناح قائداعظم محمد علی جناح کے پاس آ گئیں، اور انہوں نے سینئر کیمبرج کی تیاری شروع کر دی۔ 1913ء میں بحیثیت پرائیویٹ طالبہ سینئر کیمبرج کا امتحان پاس کیا۔ 1919ء میں انہوں نے ڈاکٹر احمد ڈینٹل کالج کلکتہ میں دندان سازی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخلہ لیا۔ 1922ء میں ڈینٹسٹ کی سند لے کر بمبئی آ ئیں۔ 1923ء میں محترمہ فاطمہ جناح نے عبدالرحمٰن سٹریٹ بمبئی میں ایک ڈینٹل کلینک کھول لیا۔ وہ چھ سات سال تک کلینک چلاتی رہیں۔ 1929ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح کی رفیقہ حیات رتی جناح کا انتقال ہوا تو وہ بھائی کے پاس آ کر گھریلو انتظام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، تاکہ وہ اپنی خانگی پریشانیوں سے آزاد ہو سکیں۔

وہ پیشے کے اعتبار سے ڈینٹسٹ تھیں۔ انہوں نے لاہور میں اپنا کلینک بھی کھولا لیکن پھر قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ان کی سیاسی سرگرمیوں میں اس قدر مصروف ہو گئیں کہ وہ اپنی پریکٹس تسلسل کے ساتھ جاری نہ رکھ سکیں۔ محترمہ فاطمہ جناح کو قائداعظم محمد علی جناح سے بے حد محبت تھی۔ محترمہ فاطمہ جناح ہمیشہ قائداعظم محمد علی جناح کے کندھے سے کندھا ملا کر سیاسی سرگرمیوں میں مصروف عمل رہیں۔ آپ نے اپنے عظیم بھائی کا اس طرح ساتھ دیا کہ قائداعظم محمد علی جناح نے اکثر ان کی قومی خدمات کو سراہا۔

محترمہ فاطمہ جناح نے قائداعظم محمد علی جناح کی رہائش گاہ پر ہونے والے چھوٹے بڑے اجلاس اور دیگر فنکشن منظم کیے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب مختلف شہروں کے سیاسی دورے کرتے تو محترمہ فاطمہ جناح قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ شریک ہوتیں۔ وہ ہمیشہ اپنے پیارے بھائی کی حوصلہ افزائی کرتیں، اور مایوسی اور بیماری کے لمحات میں انہیں سہارا دیتی تھیں۔

مسلم لیگ کی تنظیم اور مسلم خواتین میں آزادی کا شعور پیدا کرنے میں محترمہ فاطمہ جناح نے اہم کردار ادا کیا۔ آپ کو مسلم لیگ کے شعبہ خواتین میں قائم ہونے والی کمیٹیوں کی رکنیت حاصل تھی۔ آپ عظیم بھائی کی باوقار بہن تھیں۔ اعلیٰ اوصاف کی حامل تھیں، لیکن انہوں نے نہ کبھی خودنمائی کی اور نہ کبھی کوئی بڑا عہدہ قبول کیا۔

ان کی شخصیت بے داغ تھی، وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں۔ انہوں نے مسلم طالبات کو منظم کرنے کے لیے تعلیمی اداروں کے دورے کیے۔ مسلم لیگ کے مقاصد سے مسلم خواتین کو روشناس کرایا، اور انہیں حصول پاکستان کے لیے جدوجہد پر آمادہ و تیار کیا۔ انہوں نے اپنی ڈائری میں اپنی یادداشتیں لکھیں، اس میں انہوں نے اپنے پیارے بھائی کے بچپن، جوانی اور ان کی زندگی کے ہر لمحے کے بارے میں لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی سے چھوٹی ہونے کے باوجود ہر بات جانتی تھیں۔

بیماری کی حالت میں آپ قائداعظم محمد علی جناح کا خاص خیال رکھتی تھیں، ایک بار جب محترمہ فاطمہ جناح نے قائداعظم کو آرام کرنے کی تلقین کی تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''جنرل ہنگامی حالات میں کبھی چھٹی پر نہیں جاتا۔''

محترمہ فاطمہ جناح 1936ء تک قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھی کی حیثیت سے کام کرتی رہیں۔ 1940ء کے بعد قائداعظم محمد علی جناح خفیہ اجلاس اور ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں کبھی ساتھ نہ لے کر جاتے۔

1940ء سے 1947ء تک قائداعظم محمد علی جناح کے دوش بدوش تحریک آزادی وطن میں مسلم خواتین کو بیدار کر کے انہیں ایک نئی ڈگر پر گامزن کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بار ان کی قومی جدوجہد میں خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا:

''ایک ایسا وقت بھی آیا تھا کہ ہمیں ایک عظیم انقلاب کا سامنا تھا، ہم گولیوں کی بوچھاڑ میں تھے، حتیٰ کہ موت کے مقابلے کے لیے آمادہ اور تیار تھے۔ اس نازک دور میں میری بہن نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ میرے شانہ بشانہ رہی انتہا کی معتمد رہی اور مجھے سنبھالے رکھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح پر 26 جولائی 1943ء کو قاتلانہ حملہ ہوا تو محترمہ فاطمہ جناح نے ہی ان کی مرہم پٹی کی تھی اور پھر ڈاکٹر نے قائداعظم محمد علی جناح کو دیکھا تھا۔

پاکستان بننے کے بعد جب قائداعظم محمد علی جناح کو کوئٹہ لے جایا گیا تو محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ محترمہ فاطمہ جناح ان کی بیماری کے دوران ساری رات جاگتی رہتیں اور اپنے بھائی کے کمرے میں بار بار جھانکتی رہتیں، اور جب دیکھتیں کہ بے چینی بڑھ گئی ہے خود آکر آکسیجن دے جاتی تھیں۔

محترمہ فاطمہ جناح نے آل پاکستان مسلم لیگ ویمن ایسوسی ایشن کے لیے بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات تک وہ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ان کے ہر کام میں ان کی حامی و مددگار رہیں، ان کی وفات کے بعد آپ نے فلیگ اسٹاف ہاؤس میں رہائش اختیار کر لی۔

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کے بعد ان مقاصد عالیہ کی روشنی کا ایک مینار بنی رہیں جن کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح پاکستان اور ملت کی تعمیر کے خواہاں تھے۔ ان میں وہی شان، ایثار وہی حق پرستی وہی حق گوئی وہی عزم اور وہی روح عمل تھا جسے قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت عظمیٰ کے درخشاں اوصاف مانا جاتا ہے۔

1965ء میں محترمہ فاطمہ جناح صدر محمد ایوب خان کے مقابلے میں صدارت کی امیدوار تھیں تاہم انتخابی دھاندلیوں کی وجہ سے وہ انتخاب میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ اگر محمد ایوب خان اس وقت برسر اقتدار نہ ہوتے تو وہ کبھی انتخاب نہ جیت سکتے تھے۔ استحکام پاکستان مشن کو جو ان کے بھائی قائداعظم محمد علی جناح نے شروع کیا تھا، محترمہ فاطمہ جناح نے اپنی وفات تک جاری رکھا۔

9 جولائی 1967ء کو کراچی میں محترمہ فاطمہ جناح کا انتقال ہوا۔

فتح کی علامت

فتح کی علامت عموماً انگریزی حرف وی (V) سے ظاہر کی جاتی ہے، جو کہ انگریزوں کی یادگار ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد سلیم فاروقی روزنامہ نوائے وقت کی اشاعت 14 اگست 1977ء کو لکھتے ہیں:

''ان دنوں میں اسلامیہ کالج لاہور کا طالب علم تھا۔ ہماری یہ درس گاہ تحریک پاکستان کی جدوجہد کا ایسا جاندار مرکز تھی جہاں نوجوان طلباء کے ولولے تازہ رہتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ہم

میں سے کالج کا ہر طالب علم ان کے پیغام کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچانے کو بے تاب تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی گرجدار آواز آج بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے کہا:

''دوسروں کا نشان فتح (V) ہے، اور پھر ہمارا نشان کیا ہے۔''

یہ کہہ کر آپ نے اپنے ہاتھ کو فضا میں لہراتے ہوئے انگشت شہادت کو سیدھا کھڑا کرتے ہوئے کہا یعنی اتحاد، اتحاد، اتحاد۔''

فتح مبین

(دیکھیے: دیوان ٹراونکو)

فٹ بال فیڈریشن (پاکستان)

پاکستان کا قیام 1947ء میں عمل میں آیا، تو مختلف کھیلوں کے فروغ کے لیے مختلف تنظیمیں معرض وجود میں آئیں۔ ان میں سے ایک پاکستان فٹ بال فیڈریشن بھی ہے جس کا قیام 5 دسمبر 1947ء کو عمل میں آیا اور اس کا الحاق ورلڈ فٹ بال فیڈریشن (فیفا) سے 1948ء میں ہوا۔ فیڈریشن کے سرپرست اعلیٰ قائداعظم محمد علی جناح تھے۔

پہلا عالمی مقابلہ 1950ء میں ایران میں ہوا۔ پاکستانی ٹیم نے وہاں چار میچ کھیلے۔ اس ٹیم کے منیجر خواجہ ریاض احمد اور ٹیم کے کوچ پروفیسر کوہاٹی تھے۔

فخر الدین علی احمد

وہ بھارت کے صدر تھے۔ اگرچہ وہ قائداعظم محمد علی جناح کے سیاسی مخالفین میں سے تھے تاہم قائداعظم محمد علی جناح کے مخلص، دیانتدار اور اصول پرست ہونے کا اعتراف کرتے تھے۔ اس ضمن میں انہوں نے 1974ء میں امرتسر ٹی وی پر انٹرویو میں قائداعظم محمد علی جناح کی آکسفورڈ یونیورسٹی کی تقریروں کے حوالے سے کہا:

''ان کی تقریریں بڑی ولولہ انگیز اور دلوں کو گرما دینے والی ہوتی تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی اور ان کی جدوجہد نے میری زندگی پر گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ میں ان کو برطانوی حکومت کے خلاف لڑی جانے والی جنگ آزادی کا عظیم ترین مجاہد سمجھتا ہوں، قائداعظم محمد علی جناح تحریک آزادی کے اعتدال پسند قوم پرست رہنما تھے۔''

فخر الدین علی احمد 13 مئی 1905ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد 1931ء میں سیاسی سرگرمیوں میں مشغول ہوئے اور اس کے نتیجے میں دو مرتبہ جیل کی صعوبتیں برداشت کیں۔

وہ 1956ء میں راجیا سبھا کے رکن اور 1966ء میں مرکزی وزیر بنے۔ 14 اگست 1974ء کو انہوں نے بھارت کے پانچویں صدر کی حیثیت سے اپنے عہدے کا حلف اٹھایا۔

فخر ماتری

ان کی پہلی ملاقات قائداعظم محمد علی جناح سے 1938ء میں اس وقت ہوئی جب قائداعظم محمد علی جناح ایک قومی اخبار کے اجراء کے سلسلے میں گجرات کاٹھیاواڑ کے دورے پر تشریف لائے۔ فخر ماتری نے کھیڑار ریلوے اسٹیشن پر قائداعظم محمد علی جناح کو پھولوں کا ہار پہنایا اور پھر روپوں کی تھیلی پیش کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر ان سے کہا:

''اپنے آپ کو منظم کرو۔''

فخر ماتری نے کہا:

''میرے ضلع کے مسلمان بہت غریب ہیں۔ ان کا یہ حقیر تحفہ قبول کیجئے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اردو میں فرمایا:

''فکر مت کرو سب اچھا ہو جائے گا۔''

فخر ماتری 1917ء میں گجرات کاٹھیاواڑ میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم مکمل کی۔ 1947ء تا 1948ء ہفت روزہ ملت گجراتی کے ایڈیٹر رہے۔ 1948ء میں بمبئی سے جلاوطنی اختیار کی اور کراچی آ کر روزنامہ ملت کا اجرا کیا۔ فخر ماتری 1948ء سے 1966ء تک اس اخبار سے وابستہ رہے۔ ڈیلی لیڈر کراچی اور روزنامہ حریت کراچی کے ایڈیٹر رہے۔ فخر ماتری نے 1966ء میں وفات پائی۔

فدا محمد خاں

نومبر 1945ء میں قائداعظم محمد علی جناح صوبہ سرحد کے دورے پر پشاور تشریف لے گئے تو فدا محمد خان نے پشاور کے طلباء کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح کو آٹھ ہزار روپے کی تھیلی پیش کی اور ساتھ ہی یہ عرض بھی کی:

''اس وقت ہم آٹھ ہزار روپے پیش کر رہے ہیں آئندہ جب آپ آئیں گے تو ہم آٹھ ہزار طلباء آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جو حصول پاکستان کی مہم میں اپنی جانیں تک لڑا دیں گے۔''

اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے طلباء کی مالی امداد کرنے کا بھی وعدہ کیا اور دہلی جا کر پانچ ہزار روپے کا چیک بھجوایا۔

فدا محمد خان 24 نومبر 1919ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے اسلامیہ ہائی سکول پشاور اور ایڈورڈ کالج پشاور میں تعلیم حاصل کی۔ وہ بی اے کرنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے اور وہاں کی مشہور زمانہ مسلم یونیورسٹی سے 1944ء میں قانون کی ڈگری حاصل کی۔ دورانِ تعلیم انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی ہدایت پر نظریہ پاکستان کی تبلیغ کے سلسلے میں دن رات کام کیا۔ پشاور واپس آنے پر پشاور مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ اس سے قبل میاں برہان الدین اور دیگر ساتھیوں کے تعاون سے قائداعظم نیشنل گارڈ کی تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ 1945ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی سرحد آمد کے موقع پر انہوں نے جلسے جلوسوں میں نظم و ضبط برقرار رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کو اس تنظیم نے چاندی کی ایک شیلڈ بھی پیش کی۔

فدا محمد خان نے ریفرنڈم کے دوران بھی اہم کردار ادا کیا۔ آزادی کے بعد مسلم لیگ ہائی کمان نے 1956ء میں انہیں پنجاب الیکشن کمیشن کا رکن نامزد کیا۔

5 جولائی 1978ء سے 21 اپریل 1979ء تک وفاقی وزیر ہاؤسنگ اور تعمیر رہے۔ 1981ء تا 1984ء مجلس شوریٰ کے رکن بنے۔ مارچ 1985ء میں انہیں صوبہ سرحد سے سینٹ کا رکن منتخب کیا گیا۔ 26 اگست 1986ء کو صوبہ سرحد کے گورنر بنے۔ بعدازاں 1988ء میں مسلم لیگ فدا گروپ کے صدر بنا دیے گئے۔ جب مسلم لیگ جونیجو گروپ میں مدغم ہو گئی تو انہیں اس عہدے سے ہٹا دیا گیا۔

فریب وقت

1939ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سوئمنگ پول کے سبزہ زار پر اساتذہ کی انجمن کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا اور ہر شخص وہاں آپ کی وفاداری کا دم بھرنے لگا، قائداعظم محمد علی جناح نے جو یہ منظر دیکھا تو ہنستے ہوئے فرمایا:

''جب کسی غریب کے دن پھرتے ہیں تو وہی رشتہ دار جو پہلے اس سے آنکھیں چرایا کرتے تھے، اس کی راہ



مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ

1967 - 1893

تحریک پاکستان کی ممتاز رہنما بانیٔ پاکستان کی ہمشیرہ جن کی زندگی کا زیادہ حصہ قائداعظمؒ کی رفاقت میں گزرا انہوں نے تحریک پاکستان کے دوران برصغیر کی مسلم خواتین میں بیداری پیدا کی اور انہیں متحرک اور منظم کر کے تحریک پاکستان میں حصہ لینے کا عزم پیدا کیا قائداعظمؒ کی وفات کے بعد آپ ملک وقوم کی رہنمائی اور خدمت کا فریضہ سرانجام دیتی رہیں۔ بالخصوص مہاجرین کی آبادکاری کشمیری مجاہدین کی امداد اور خواتین کی بہبود اور فروغ تعلیم کے لئے آپ کی خدمات نمایاں ہیں اپنی زندگی کے آخری برسوں میں جمہوری اقتدار کی بقاء اور فروغ کے لئے آپ نے آمریت کے خلاف جو جدوجہد کی وہ پاکستان کی تاریخ کا ناقابل فراموش باب ہے۔ آپ آخر دم تک مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پاکستان کو ایک جدید اسلامی فلاحی مملکت بنانے کے لئے سرگرم عمل رہیں۔

میں آنکھیں بچھانے لگتے ہیں۔“

فرام جناح ٹو ضیا

(FROM JINNAH TO ZIA)

اس کتاب کو جسٹس منیر نے انگریزی میں لکھا۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے دور حکومت سے لے کر صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے دور تک ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ بڑے مفصل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

فرخ امین

پاکستان کی عارضی حکومت کے قیام کے چار روز بعد یعنی 23 جولائی 1947ء کو انہیں نئی دہلی میں حکم ملا کہ وہ ٹھیک دس بجے محمد علی جنرل سیکرٹری سے ملیں۔ وہ مقررہ وقت پر پہنچے تو انہوں نے جناب فرخ امین کو اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری منتخب کر کے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں بھیجا۔

فرخ امین قائداعظم محمد علی جناح کے گورنر جنرل بننے کے بعد وفات تک ان کے سیکرٹری رہے۔

فرخ امین کا انتقال 12 ستمبر 1969ء کو ہوا۔

فرض کی ادائیگی

لارڈ ویول لندن میں جب شملہ کانفرنس کا مسودہ تیار کرنے تشریف لے گئے تو اپریل 1945ء میں سر تیج بہادر سپرو نے اپنی ”غیر جانبداری“ کے باوجود اور کمیٹی کی رپورٹ مرتب اور مکمل نہ ہونے کے باوجود کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے لارڈ ویول کو ایک برقیہ ارسال کیا، اور انہیں متنبہ کیا:

”ہندوستان کی تقسیم کا خیال دل سے نکال دیا جائے، اسے ہندوستان ہرگز برداشت نہیں کر سکے گا۔“

13 اپریل 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے نئی دہلی سے ایک اہم انتباہی بیان شائع کیا، جس کا ایک حصہ یہ ہے:

”اگر برطانوی حکومت کسی نامناسب دباؤ کی وجہ سے اپنی اعلان کردہ پالیسی کو بدلنے یا اس سے ذرا بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئی، جس کی مجھے امید نہیں ہے تو اس مسئلے کی بابت مسلمانانِ ہند کے مصمم ارادہ اور گہرے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے اپنے فرض کی ادائیگی سے قاصر رہوں گا۔ اگر برطانیہ کی توجہ ان خطرناک نتائج کی طرف منعطف نہ کراؤں، جو اس سلسلہ میں پیدا ہو سکتے ہیں، اور جس کی تنہا ذمہ دار خود برطانوی حکومت ہوگی۔“

فتنۂ تفرقہ

1. قائداعظم محمد علی جناح فرقہ پرستی کے سخت خلاف تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح خود اہل سنت اہل تشیع دیوبند وغیرہ کہلوانے کی نسبت مسلمان کہلوانا زیادہ پسند کرتے تھے۔ اس ضمن میں 1936ء میں جمعیتہ العلماء ہند کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

”مجھے فرقہ پرست کہا جاتا ہے کیونکہ میں اپنی قوم کے لیے سامان حفاظت کا طالب ہوں۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کوئی مذہبی معاملہ نہیں بلکہ خالصتاً سیاسی ہے۔ ایسے مسائل رومن کیتھولکوں اور پراٹسٹنٹوں میں پیدا ہوتے رہے، حالانکہ وہ دونوں ایک ہی مذہب (عیسائیت) سے تعلق رکھتے۔ اس ملک میں پہلی مرتبہ ایک نمائندہ حکومت قائم ہو رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ اکثریت کی حکومت قائم ہو رہی ہے، اور اقلیتوں کو قدرتی طور پر خطرات محسوس ہو رہے ہیں کہ نہ جانے اکثریت ان سے کیا سلوک کرے گی؟ اکثریتیں ظلم کر سکتی ہیں۔

اقتدار و اختیار لوگوں کو مغرور کر سکتا ہے، لہٰذا جمہوری دستور کی ہر سکیم میں اقلیتوں کی حفاظت کا سامان لازمی طور پر شامل ہونا چاہئے۔

لازم ہے کہ اپنی ملت کے فوائد کا لحاظ کریں، لہٰذا خود کو منظم کیجئے اپنی ملت کی خاطر کام کرنے میں کوئی برائی نہیں۔ ایسے اشخاص کو فرقہ پرست کہہ کر رسوا کرنے کا فیشن ہو گیا ہے لیکن میں اس بنا پر فرقہ پرست کہلانے سے نہیں ڈرتا کہ میں نے اپنی ملت کی مدد کی ہے۔

فرقہ پرست ہونے کے طعن پر کان نہ دھریے۔ میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کی اس لیے امداد کر رہا ہوں کہ اگر وہ زیادہ منظم ہو گئے تو قومی جدوجہد کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔''

(انقلاب لاہور اشاعت 13 اپریل 1936ء)

◆ 1946ء میں قائداعظم محمد علی جناح پشاور تشریف لائے، ان کے قیام کے دوران پشاور میں شیعہ سنی کانفرنس ہو رہی تھی۔ پشاور شہر کے محلہ خداداد کے رہنے والے شخص غلام حسین نے کانفرنس کے زعماء کے لیے ٹی پارٹی کا اہتمام کیا حس کے لیے انہوں نے دعوتی کارڈ بھی چھپوائے۔

وہ مہمان نوازی کے طور پر قائداعظم محمد علی جناح کے پاس منڈی بیری میں ان کی قیام گاہ پر آئے، اور ایک دعوتی کارڈ انہیں دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے منتظم مہماندار محمد یونس سے چھا:

''یہ دعوت نامہ آپ میں سے کسی رضا کار کو بھی دیا گیا ہے؟''

رضا کاروں نے جواب دیا:

''نہیں۔''

◆ قائداعظم محمد علی جناح کچھ دیر خاموش رہے، اور بڑے غور سے کارڈ کے مندرجات کو پڑھا اور پھر پیر بخش خان، ملک شاہ محمد اور محمد یونس سے کہا:

''غلام حسین سے کہو کہ میں اس پارٹی میں شرکت سے معذرت چاہتا ہوں، جس میں فرقہ پرستی کی بو آ رہی ہو، میں تو ہندوستان کو متحد کرنا چاہتا ہوں، اسلام نے فرقہ پرستی کی شدید مخالفت کی ہے، اور مسلمانوں کو ایک دائرے میں شامل ہو کر متحد قوت بننے کا سبق دیا ہے۔ اس لیے جب یہ دعوت صرف اثنائے عشریہ کے فرقہ کی طرف سے ہے، تو پھر میرا اس میں شرکت کرنا میرے اصولوں کے خلاف ہے، کیونکہ میں اثناعشریہ نہیں ہوں۔ میں تو سیدھا سادا مسلمان ہوں، جو رنگ و نسل، زبان اور ذات پات پر قطعاً یقین نہیں رکھتا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کبھی خود کو شیعہ یا سنی نہیں کہا تھا۔ میرٹھ کے ایک جلسہ میں مسلم لیگ کے کارکنوں نے ان سے پوچھا تھا:

''وہ سنی ہیں یا شیعہ۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ان سے سوال کیا:

''حضرت محمد ﷺ کیا تھے؟''

جب یہ جواب ملا کہ وہ سنی یا شیعہ نہیں تھے تو قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں بھی محض مسلمان ہوں۔''

◆ ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے جناب شریف الدین پیرزادہ نے کیا:

''ایک ہندو مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ مولویوں نے اس سے پوچھا کہ وہ شیعہ ہے یا سنی، اس نو مسلم نے جواب دیا میں فرقہ واریت سے بچنا چاہتا ہوں، اور اسی لیے مسلمان ہوا ہوں، اور اب آپ مجھ سے یہ

سوال کر رہے ہیں میں سنی ہوں یا شیعہ میں تو صرف مسلمان ہوں۔"

◆ قائداعظم محمد علی جناح فرقہ واریت کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔ اس کا حوالہ انہوں نے اپنی متعدد تقاریر میں بھی دیا ہے۔ مثلاً 7 فروری 1947ء کو مولانا اشرف علی تھانوی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"کوئٹہ میں یوم حسین پر شیعہ حضرات قائداعظم کو لینے کے لیے آئے تھے۔ آپ نے انکار کر دیا، فرمایا کہ مسلمانوں میں ایسی مجالس ہونی چاہئیں جہاں تفرقہ نہ ہو، اور آپ کے ہاں ایسی مجالس ہوتی ہیں جن کو میں ناپسند نہیں کرتا۔ پرانی قربانیوں کا ذکر اچھا ہے، لیکن اب فائدہ؟ قوم کو اب جو مشکلات ہیں ان کا حل سوچنا چاہئے اور یہ بات مسلمانوں کے اتفاق اور اتحاد میں ہے۔" (قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ از منشی عبدالرحمٰن)

فرقہ شیعہ اور پاکستان

شیعوں اور سنیوں میں مذہبی اختلافات ہیں، لیکن فروعی اور ضمنی ان اختلافات کی نوعیت اساسی اور بنیادی نہیں ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو مسلمان سمجھتے ہیں، دونوں کا قبلہ ایک، قرآن ایک، اللہ ایک، رسول ﷺ ایک، تمدن، معاشرت، تاریخ اور روایات ایک، پھر بھی دونوں کے چند فتنہ پرور اور فساد انگیز طبائع، ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ دیتے رہتے ہیں، لیکن اس طرح حقیقت نہیں بدل سکتی، کفر کا فتویٰ دینے والوں نے ہر غیر عقیدہ والے پر فتویٰ کفر دیا ہے اس طرح کی تنگ نظر سنیوں کے نزدیک شیعہ کافر، شیعہ کے نزدیک سنی کافر، حنفی کے نزدیک شافعی کافر، حنبلی کے نزدیک اہل حدیث کافر، اہل حدیث کے نزدیک بدعتی کافر، غرض کفر کی یہ توسیع صرف تنگ نظر طبقہ تک محدود ہے۔ سمجھ دار اور صحیح مذہبی مس رکھنے والا طبقہ کفر سازیوں سے بلند ہے۔ وہ کسی مدعی اسلام کو کافر نہیں سمجھتا۔ اس کے سامنے رسالت مآب ﷺ کا ارشاد جلالی "هَلْ شَقَقْتَ قَلْبَه" موجود ہے، اور وہ اس سے لرزتا ہے کہ ذات رسول ﷺ (فدا امی وابی) اس کے کسی فعل سے برأت کا اظہار کرے۔

پھر شیعہ اگر کافر ہوتے تو حرمین شریفین کے دروازے ان کے لیے بند کر دیے جاتے مدینۃ الرسول اور خانہ کعبہ میں انہیں گھسنے نہ دیا جاتا، لیکن کیا تاریخ کے کسی دور میں ایسا ہوا ہے؟ سلطان ابن مسعود جیسے ماحی بدعت فرماں روا کے دور میں بھی شیعہ اصحاب مکہ جاتے ہیں۔ مدینہ جاتے ہیں۔ اپنے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں۔ شیعہ عرب، مطوف مذہبی مراسم کی انجام دہی میں ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ شیعہ اگر کافر ہوتے تو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ بخاری شریف میں، شیعہ رواۃ کی حدیثیں نہ ملتیں اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کی شیعت کے باوجود "ثقہ" ہونے کی انہیں سند نہ ملتیں۔ جس کا جی چاہے علامہ ذہبی کی کتاب "میزان الاعتدال" دیکھ کر اپنی تشفی کر سکتا ہے۔ امام بخاری کی جامع صغیر اور جامع کبیر میں اس دعوے کے شواہد ملیں گے کہ کسی "کافر" سے "حدیث رسول" کی روایت قبول کی جا سکتی ہے؟ حدیث کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ جواب انکار میں ہے۔

بالکل یہی کیفیت شیعوں کے سمجھ دار اور ذمہ دار طبقہ کی ہے۔ عربی زبان میں تاریخ کی جتنی معتبر ترین اور مستند ترین کتابیں موجود ہیں اور جو کتب حوالہ کے طور پر ہر عربی داں سنی کے ہاتھ میں رہتی ہیں۔ زیادہ تر شیعوں مورخوں اور عالموں کی لکھی ہوئی ہیں۔ انہی کتابوں میں خلفائے ثلثہ تک کا ذکر، جس ادب و احترام اور تاریخی استناد کے ساتھ مرقوم ہے اس کی صحت کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ سنی انہیں بے چون چرا تسلیم کرتے ہیں، اور ان سے مستفید ہوتے ہیں مثلاً "تاریخ

مسعودی'' وغیرہ۔

ان حالت میں جب ''مسلمانوں'' کا سوال اٹھے گا ''مسلمان'' ایک ہو جائیں گے۔ خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی، چنانچہ ہندوستان میں سنیوں کی عنان قیادت اکثر و بیشتر شیعہ رہنماؤں کے ہاتھ میں رہی ہے، اور سنیوں نے ان کی قیادت کو پورے خلوص کے ساتھ تسلیم کیا ہے۔ سر آغا خان سر علی محمد خاں (راجہ محمود آباد) سید امیر علی اور اسی صف کے دوسرے شیعہ رہنما مسلمانوں کے سرتاج اور محبوب زعیم رہ چکے ہیں۔

ذیل میں شیعہ فرقہ کے ان رجحانات کا تذکرہ مقصود ہے جو پاکستان، مسلمانوں کے حق خود ارادیت اور آزاد مسلمان ریاست کے قیام سے متعلق پائے جاتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ من حیث المجموع، من حیث الجماعت، فرقہ شیعہ، خواہ وہ اثنا عشری ہو طبقہ بواہیر سے تعلق رکھتا ہو، یا خوجہ جماعت (جماعت اسماعیلی) سے وابستہ ہو۔ عامۃ المسلمین کے ساتھ ہے اور ان ارباب غرض سے قطعاً غیر متعلق ہے جو ''شیعہ مفاد'' کا نام لے کر شیعوں کو سنیوں کے خلاف اکساتے اور ابھارتے رہتے ہیں۔

اعتماد کامل کا اظہار

جب شیعوں میں مسٹر علی ظہیر (لکھنؤ) اور مسٹر حسین بھائی لال جی (بمبئی) نے سنیوں اور مسلم لیگ، اور قائداعظم کے خلاف ایک طوفان بپا کرنے کی کوشش کی، اور شیعہ حضرات کو سواداعظم سے جدا کرنے کی سرگرم سعی میں مصروف ہو گئے تو مخلص اور بے ریا شیعوں کا ایک طبقہ ان اصحاب فتنہ وفساد کے سامنے سد سکندری بن کر کھڑا ہو گیا، اور شیعہ عوام نے پورے جوش کے ساتھ اس باہمت طبقہ کا ساتھ دیا۔

23 جون 1945ء کو مسلم چیمبر آف کامرس کے صدر مسٹر حبیب ابراہیم رحمت اللہ (بمبئی) نے وائسرائے کے نام حسب ذیل برقیہ ارسال کیا:

''تمام شیعہ مسلم لیگ کے پرچم کے نیچے دوسرے مسلمانوں سے کامل اتحاد رکھتے ہیں، اور مسٹر جناح کی قیادت پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔''

ایک شیعہ مدبر کے خیالات

اودھ چیف کورٹ کے سابق جج جسٹس ضیاء الحسن نے ایک طویل مضمون اس موضوع پر تحریر فرمایا، جو اکتوبر 1945ء کے اردو روزناموں میں نمایاں طور پر شائع ہوا اس مفید اور اہم مقالہ کے خاص خاص حصص درج ذیل کیے جاتے ہیں:

''ہر شخص جانتا ہے کہ اجتماع و اتحاد باعث قوت اور افتراق و انشقاق موجب ضعف و ذلت ہوتا ہے، اور ہم مسلمانان ہند کو جس قدر اتفاق و اتحاد کی اس وقت ضرورت ہے ایسی شاید پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ اتفاق و اتحاد کس طرح حاصل ہو۔ اس کا اس وقت صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم سب کو اپنے مختلف نصب العین چھوڑ کر ایک مرکز پر جمع ہو جانا چاہیے۔ اور وہ مرکز صرف مسلم لیگ ہی ہو سکتی ہے۔''

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''کیا آپ چاہتے ہیں کہ ایک غلامی سے نکل کر دوسری اور بدتر غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال لیں۔ کیا آپ کی یہ خواہش ہے کہ آئندہ ہندوستان میں آپ کی حالت اچھوتوں کی حالت سے بدتر ہو جائے یا آپ اس کے لیے تیار ہیں کہ ہندوستان آپ کے لیے دوسرا اسپین ثابت ہو؟''

یہ امر بھی ناقابل انکار ہے کہ مسٹر محمد علی جناح نے صرف چند سال میں لیگ کو جس بام ترقی پر پہنچا دیا

اور مسلمانوں کی تنظیم میں اس قلیل مدت میں جو کامیابی حاصل کی وہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ اس تعجب خیز کامیابی کا سبب میرے نزدیک صرف تائید غیبی ہے۔ ایسی حالت میں ہمارا فرض ہے کہ اس غیبی اشارہ پر عمل کریں اور مسلم لیگ میں دل و جان سے شریک ہو جائیں۔''

پھر وہ مذہبی نقطہ نظر سے اس مسئلہ کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں اور فرماتے ہیں:

''من فارق الجماعت شبراً فقد خلع ربقته الاسلام کن عنقہ (جمع الفوائد)

یعنی جو شخص جماعت سے ایک بالشت علیحدہ ہو، اس نے اپنی گردن سے اسلامی طوق نکال پھینکا، پھر فرمایا کہ

من شذ شذ فی النار۔

یعنی جماعت سے علیحدہ ہونے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

لن تجتمع امتی علی ضلالته فعلیکم الجماعته فان ید الله علی جماعته۔

(جمع الفوائد)

یعنی میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہیں ہو سکتی۔ جماعت کو خوب مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو، اس لیے کہ اللہ کی رحمت کا سایہ جماعت پر ہے۔

اس حدیث میں نہ صرف جماعت میں شامل رہنے کا حکم ہے، بلکہ یہ بھی ارشاد ہے کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہ ہو گی اور نیز یہ کہ جماعت کو خدا تعالیٰ کی تائید حاصل ہو گی۔ اب دیکھیے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی کس قدر کثیر جماعت مسلم لیگ کے ساتھ ہے۔ اسی سے مسلم لیگ کا موید من اللہ ہونا ظاہر ہے۔

ممتاز شیعہ اور مسلم لیگ

حالات کی نزاکت اور مسئلہ کی اہمیت نے بہت جلد شیعوں کے سربرآوردہ اصحاب کو مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع کرنا شروع کر دیا۔

ہندوستان کے مشہور صاحب طرز ادیب اور افسانہ نگار، چوہدری محمد علی رئیس رودلی، جو ایک عرصہ تک یو، پی کونسل کے ممبر بھی رہ چکے ہیں اور سیاسیات سے خاص دلچسپی لیتے رہتے ہیں۔ 16 اکتوبر 1945ء کی ایک اطلاع کے مطابق مسلم لیگ میں باقاعدہ شریک ہو گئے۔

یہ اپنی نوعیت کی تنہا مثال نہیں ہے۔ صاحب موصوف کے علاوہ اور بھی متعدد و ممتاز اور نمایاں شیعہ اصحاب بڑے خلوص اور جوش کے ساتھ مسلم لیگ میں شریک ہو چکے ہیں۔

شیعہ کانفرنس اور مسٹر جناح

شیعہ کانفرنس (لکھنؤ) کے پروپیگنڈہ سیکرٹری نے حسب ذیل تار مسٹر جناح کو ارسال کیا تھا:

''شیعہ آل پارٹیز کانفرنس کا دعوت نامہ بھیجا جا رہا ہے۔ لیڈروں کی شرکت بے حد ضروری ہے۔ اپنی منظوری کی اطلاع دیجیے۔''

اس تار کا جواب کوئٹہ 17 اکتوبر 1945ء کو مسٹر جناح نے یہ دیا:

''آپ کا تار ملا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ شیعہ کانفرنس کے بانی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اور ہمارے دشمنوں نے انہیں گمراہ کر دیا ہے۔ ہر شیعہ کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ اس نازک موقع پر مسلم لیگ میں بلا کسی شرط کے شامل ہو جائے۔ دوسرا طریق کار نہ صرف عام انسانوں کے لیے نقصان دہ ہے، بلکہ

اس سے شیعوں کو زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ مسلم لیگ کی طرف سے اور میری طرف سے یہ بات بار بار صاف کر دی گئی ہے کہ مسلمانوں کے ہر فرقہ کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ مسلم لیگ کا بنیادی اصول جس پر وہ آج بھی عامل ہے، تمام مذہبی فرقوں کی آزادی ہے۔ مسلم لیگ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے مذہبی عقائد میں کبھی دخل نہ دے گی اور نہ غیر مسلمان اقلیتوں کے مذہبی عقائد میں دخیل ہو گی۔ برخلاف اس کے لاہور کے ریزولیوشنوں میں جو 1940ء میں منظور کیے گئے تھے اقلیتوں کے مذہبی حقوق کے بارے میں تحفظات کا خاص طور پر انتظار کرتے ہیں۔ شیعوں کی زبردست اکثریت لیگ کے ساتھ ہے اور ان کو کوئی شکایت ہے تو وہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے اور مسلم لیگ کے اندر اسے بآسانی طے کیا جاسکتا ہے۔

تفرقہ انگیزی کی ناکام کوشش

مسٹر جناح کے اس صاف واضح اور غیر مشتبہ جواب کے بعد بھی، جو لوگ فریق بین المسلمین کے لیے میدان میں اتر چکے تھے۔ وہ اپنی شر انگیزیوں سے باز نہ آئے اور بالآخر اکتوبر 1945ء کے پہلے ہفتہ میں مسٹر علی ظہیر کی کوششوں سے شیعہ آل پارٹیز کانفرنس مسٹر حسین بھائی لال جی کی صدارت میں منعقد ہوئی، لیکن شیعوں کے ترقی پسند، معاملہ فہم اور پر جوش نوجوان طبقہ نے ان ''مساعی جمیلہ'' کو کامیاب نہ ہونے دیا، اور مسلم لیگ کے خلاف کوئی محاذ شیعوں میں نہ بن سکا۔

اس کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لیے کیا وسائل اختیار کیے گئے؟ اور ان وسائل کا کس کامیابی سے مقابلہ کیا۔ اس کی ضروری تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

جلسہ شروع ہوا۔

''لیکن جس وقت لوگ رفاہ عام میں جلسہ کی شرکت کے لیے داخل ہوئے تو انہوں نے حیرت سے دیکھا کہ رفاہ عام کلب کی پوری عمارت پر اندر سے ملٹری اور پولیس کے پکٹ لگے ہوئے ہیں اور مسلح پولیس ہر طرف موجود ہے، اور جلسہ گاہ کی عمارت کے سامنے ملٹری پولیس کی ایک کمپنی تیار کھڑی ہے۔ پولیس کی موجودگی نے جلسہ کی نوعیت پر ایک گہرا اثر ڈالا اور بانیان جلسہ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہو گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بانیان جلسہ نے یہ اندازہ کر کے جلسہ میں مخالف عناصر کافی تعداد میں موجود ہیں۔ کہیں کوئی ناگوار صورت نہ پیدا ہو جائے۔ بطور حفظ ماتقدم پولیس کی امداد حاصل کی جلسہ گاہ کے اندر داخلہ پر بھی کافی بندش تھی۔''

اب شور و شر کے ہنگامہ میں مسلم لیگ کے خلاف تجویز پیش ہوئی مسٹر بشیر احمد رضوی ایڈووکیٹ نے ترمیم پیش کی:

''آنے والے انتخابات میں شیعہ من حیث القوم مسلم لیگ کی تائید کریں اور اصل تجویز کو اس وقت ملتوی رکھا جائے۔ اسی تحریک کے سلسلہ میں صدر کانفرنس ''حسین بھائی لال جی کے درمیان سخت کلامی بھی ہو گئی۔ جس پر صدر نے کہا کہ میں کافی بوڑھا ہوں اور اپنے فرائض کو اچھی طرح سمجھتا ہوں جس کا مسٹر بشیر احمد نے یہ جواب دیا کہ میں اچھی کافی عمر رکھتا ہوں اور آپ سے زیادہ شیعہ سیاست کو سمجھتا ہوں۔ صدر نے ترمیم پیش کرنے کی اجازت نہیں دی۔''

صدر کی اس غیر آئینی رولنگ کے خلاف احتجاج

کرتے ہوئے ایک سو مندوبین واک آؤٹ کر گئے۔
دوسرے مقررین کو بھی صدر نے برہمی کی حالت میں بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ اس پر احتجاج کرتے ہوئے مسٹر طفیل احمد جعفری نے کہا کہ صدر کو مندوبین کے ساتھ ان کے اعزاز کے مطابق برتاؤ کرنا چاہئے۔ اس پر مسٹر کلب عباس نے چند نامناسب الفاظ استعمال کیے اور مسلم لیگ اور سنیوں کے خلاف کچھ درشت باتیں کیں۔

اب مسٹر کلب مصطفیٰ سے ضبط نہ ہوا۔ انہوں نے کہا:۔
''کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ انتخاب کے موقع پر اس کانفرنس کو کیوں طلب کیا گیا ہے، اور اس کے پس پردہ کیا منظر ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ جو مطالبات پیش کیے گئے ہیں وہ شیعہ روایات اور ان کے اماموں کی تعلیم کے خلاف ہیں۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ تاریخ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب اور شاہان مغلیہ کے دور میں شیعوں کو کافی مراعات حاصل تھیں۔ اور اس کی مثالیں بھی آپ نے پیش کیں۔
مسٹر کلب مصطفیٰ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ مسلم لیگ میں شرکت اور مسلمانوں کے سواد اعظم کی تائید نہ صرف شیعہ روایات کے مطابق ہے بلکہ اسلام کی بہترین خدمت ہے!
مسٹر مجتبیٰ علی فیض آبادی نے اپنی تقریر میں کہا:
''پنڈت نہرو، برطانوی افسران پر الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے فساد اگست 1942ء میں سختی سے رائے عامہ کو دبایا، لیکن جب 1938ء میں کانگریسی حکومت کے حکم سے گولی چلائی گئی تو وہ کہاں تھے؟''
جو مندوبین، صدر کی ناروا رولنگ سے برداشتہ خاطر ہو کر واک آؤٹ کر آئے تھے۔ ان کے ساتھ حاضرین کی ایک بڑی تعداد چلی آئی تھی۔ ان سب حضرات نے نواب نوازش علی خاں کی زیر صدارت اپنا ایک الگ جلسہ منعقد کیا۔ جس میں آل پارٹیز کانفرنس کو دھوکہ قرار دیا گیا اور کانفرنس کے صدر مسٹر حسین بھائی لال جی کے بارے میں صدر جلسہ نے کہا:
''انہوں نے پوری جانب داری سے کام لیا ہے۔''
اس جلسہ میں مسٹر جناح اور مسلم لیگ پر کامل اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

شیعانِ پنجاب سے اپیل

حسین بھائی کی اس روش اور لکھنؤ کی تفرقہ انگیز کانفرنس سے متاثر ہو کر مشہور مسلم لیگی رہنما اور شیعہ لیڈر راجہ غضنفر علی خاں نے ایک اپیل شیعان پنجاب کے نام 10 نومبر 1945ء کو شائع کی:
''اس نازک موقع پر جب کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے نصب العین کے حصول کے لیے مسلم لیگ کے اسلامی علم کے سایہ میں مجتمع ہو کر جدوجہد کر رہے ہیں۔ مسٹر حسین بھائی لال جی نے لکھنؤ کی نام نہاد شیعہ کانفرنس کے نام سے ایک شرمناک ڈھونگ کھڑا کیا ہے، اور تمام اسلامی مفادات اپنی اغراض پر قربان کرتے ہوئے شیعہ جماعت میں نفاق پیدا کرنے کی نامساعد سعی شروع کر دی ہے۔ شیعوں کا مذہبی وقار بہت خطرہ میں ہے۔ مجھے امید ہے کہ شیعانِ پنجاب اپنے صوبہ کے گوشہ گوشہ میں جلسے منعقد کر کے لال جی کی حرکت مذبوحی کے خلاف اظہار مذمت کریں گے!''
راجہ صاحب کے اس ارشاد کی تعمیل، پنجاب کے با

حمیت شیعوں نے پورے جوش وخروش سے کی۔

شیعان بارہ کا فیصلہ

سلطنت مغلیہ کے عہد زوال میں، سادات بارہ کو وہ عظمت و رفعت حاصل تھی کہ وہ ''بادشاہ گر'' مشہور ہو گئے تھے۔ ان سادات بارہ کے بارے میں سید سرفراز علی خاں رئیس جانسٹھ ممبر شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے ایک تار اخبارات میں شائع کرایا کہ سادات بارہ شیعہ کانفرنس کے ساتھ ہیں، اور حسین بھائی لالجی پر اعتماد رکھتے ہیں۔ اس کی تردید کرتے ہوئے سید حسن علی خاں صاحب ایم، ایل، اے ممبر شیعہ کانفرنس کا ایک تار 11 نومبر 1945ء کو اخبارات میں شائع ہوا۔ جس میں بتایا گیا:

''یہ برقیہ بالکل لغو اور افترا کی حیثیت رکھتا ہے۔ ضلع مظفر نگر کے شیعوں میں صرف دو درجن شیعہ ایسے مل سکیں گے جو سرفراز علی خاں رئیس جانسٹھ کے قول کی تائید کریں، ورنہ سب مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ سادات بارہ کے تمام سید مسلم لیگ کے حامی ہیں۔ اور ان کو قائداعظم پر مکمل اعتماد ہے۔ یہاں کے سید متحدہ حیثیت سے حسین بھائی لال جی کے اس فعل کی مذمت کرتے ہیں کہ وہ ہمارے قابل تعظیم و محبوب قائد محمد علی جناح کے خلاف الیکشن لڑنا چاہتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ حسین بھائی لال جی اپنی نامزدگی واپس لے لیں۔ شیعہ پولیٹیکل کانفرنس دوسری جماعتوں کی طرح کانگریس کا ایک کھلونا ہے۔ شیعان بارہ اس جال میں کبھی نہیں پھنس سکتے۔ وہ متحد ہو کر مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور مطالبہ پاکستان کو حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ جدوجہد جاری رکھیں گے وہ ہندو راج میں نہیں رہنا چاہتے۔''

شیعہ کس کے ساتھ ھیں؟

23 نومبر 1945ء کو مسٹر کلب مصطفےٰ ایڈووکیٹ، سابق رکن اسٹیڈنگ کمیٹی کل ہند شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے اورینٹ پریس آف انڈیا کو حسب ذیل بیان دیا:

''مسٹر علی ظہیر کے حالیہ بیان سے جس میں انہوں نے شیعوں سے درخواست کی ہے کہ وہ مسلم لیگ کے خلاف ووٹ دیں، آل پارٹیز شیعہ کانفرنس کا بھرم کھل گیا، اور اب مزید شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ مسٹر ظہیر کا حکم ہے کہ شیعہ نیشنلسٹ مسلمانوں کو بالفاظ دیگر کانگریس کو ووٹ دیں گے۔ یعنی اس جماعت کو جس نے ہمیشہ شیعوں کے جذبات کو کچلا ہے۔ جہاں تک شیعوں کے حقوق کا سوال ہے۔ اس کی حفاظت مسلم لیگ نے ہمیشہ کی ہے اور کرے گی مجھے یقین ہے کہ شیعہ ہمیشہ اپنے اماموں کی پیروی کرتے چلے آئے ہیں اور اس مرتبہ بھی وہ علی ظہیر یا ان جیسے دیگر حضرات کی غلط رہنمائی کا شکار نہ ہوں گے بلکہ متفقہ طور پر مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔''

بوھرہ جماعت اور مسلم لیگ

بوہرہ جماعت بھی جس کے امام سیدنا ملا طاہر سیف الدین ہیں۔ پورے طور پر مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ وہ پاکستان کی حامی ہے اور مسلم مرکزیت کی قائل ہے، راجہ امیر احمد خاں (محمود آباد) نے قائداعظم کے الیکشن کے زمانہ میں بذات خود سیدنا سے گفتگو کی، اور انہیں مسلم لیگ کا حامی پایا۔

یہ ملا طاہر سیف الدین صاحب کے پاکستان اور مسلم لیگ سے تعلق خاطر کا نتیجہ تھا کہ بوہروں نے جماعتی حیثیت سے مسٹر جناح کو ووٹ دیا۔ ہر بوہرہ ووٹر جو بمبئی میں تھا اور

تندرست تھا، پولنگ بوتھ پر آیا اور اس نے بے تامل قائداعظم کو اپنی رائے دی اور تحریص و ترغیب اور اثر و تعلق سے متاثر نہیں ہوا۔ بوہرہ رضا کاروں کی جماعتیں، انجمن اسلام ہائی اسکول بمبئی کے احاطہ میں موجود تھیں اور نظم و انتظام میں مسلم لیگی کارکنوں کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔ بوہرہ رہنماؤں کی ایک بڑی جماعت بھی موجود تھی، اور قائداعظم کے لیے کنویسنگ کر رہی تھیں، بوہرہ خواتین نے بھی بہت بڑی تعداد میں ووٹ دیے۔ یہ راقم الحروف کا ذاتی مشاہدہ ہے۔

اسلامی ہند کی تاریخ میں شاید یہ بالکل اور پہلا موقع تھا کہ بوہرہ اور خوجہ جماعتوں کے افراد نے من حیث الکل اور من حیث المجموع مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

خوجہ جماعت اور مسلم لیگ

6 اگست 1945ء کو سر آغا خان جنوبی افریقہ جاتے ہوئے فرانسکو مارکوئیس میں ٹھہرے اخباری نمائندوں کو ایک بیان دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"ہندوستان کے مختلف خطے گزشتہ 150 سال کے بعد برطانوی تسلط کے نتیجہ میں متحد کر دیے گئے ہیں۔ ورنہ ہندوستان میں وسیع تر تاریخی، نسلی اور لسانی اختلاف موجود ہیں۔ ان خطوں کو ایک مرکزی حکومت کے ماتحت کر دیا گیا تو یہ عملی سیاست نہیں ہوگی۔"

11 نومبر 1945ء کو ہندوستان آنے کے بعد، کلکتہ کے دوران قیام میں ایک طویل بیان دیا:

"یہ امر تعجب خیز ہے کہ پاکستان کو کوئی انقلابی قسم کی نئی چیز خیال کیا جائے میسور حیدر آباد اور کشمیر یہ سب ایک قسم کے پاکستان ہی تو ہیں کم از کم ان کی شکل میں پاکستان کا بنیادی اصول موجود ہے۔"

ہز ہائی نس کی اس روش کا اور ان بیانات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بوہروں کی طرح خوجوں نے بھی مسلم لیگ کی تائید و اعانت کو اپنا شعار قرار دے لیا۔ قائداعظم کے الیکشن میں خوجہ مردوں اور عورتوں نے جس جوش و خروش سے شرکت کی۔ اس کا منظراب تک آنکھوں میں پھر رہا ہے، اور وہ بوڑھا خوجہ تو بھولتا ہی نہیں، جو عمر کی آخری منزل پر پہنچ چکا تھا، آنکھیں بصارت سے محروم تھیں لیکن دل نور بصیرت سے معمور تھا۔ ہاتھوں میں رعشہ پاؤں میں لرزہ کمر جھکی ہوئی چہرہ پر جھریاں چلنا تو بڑی چیز ہے، کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہیں، لیکن پوری استقامت کے ساتھ موٹر سے اترا، اور دو آدمیوں کا سہارا داہنے بائیں لیتا ہوا۔ پولنگ بوتھ پر پہنچا اور قائداعظم کو اپنا ووٹ دے کر واپس آ گیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ وہ خوش تھا بے انتہا خوش اس نے مسلمانانِ ہند کے شہریار بے تاج کو اپنا ووٹ دیا تھا۔ ووٹ اور ووٹ دینے والے کے لیے یہ کتنی بڑی عزت تھی، کتنی بڑی سعادت تھی۔

(قائداعظم اور ان کا عہد، از رئیس احمد جعفری)

فرقہ وارانہ فسادات (کراچی)

قائداعظم محمد علی جناح امن و امان اور لاء اینڈ آرڈر کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ وہ خود بھی کوئی کام ایسا نہ کرتے تھے جس سے کسی قسم کی کوئی بے اصولی ہو اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین فرماتے۔ بدقسمتی سے جنوری 1948ء میں کراچی میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کراچی کے میئر اور سندھ کے وزیراعلیٰ محمد ایوب کھوڑو سے بڑے برہم ہوئے اور انہوں نے حکم جاری کیا:

"گولیاں چلاؤ جو کچھ ضروری ہو وہ اقدامات کرو مگر آج کے آج اس قتل اور غارت گری کو ختم ہو جانا چاہیے۔"

چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے

پولیس اور فوج کے دستوں نے گولیاں چلائیں جس کے نتیجے میں نہ صرف اسی شام فسادات رک گئے بلکہ لوگوں نے لوٹا ہوا مال تک متعلقہ افراد کو واپس کر دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس وقت فرمایا تھا:

''کوئی بھی مہذب حکومت امن و امان کو بگڑتا ہوا گوارہ نہیں کرے گی۔''

(انٹرویو حکیم محمد احسن، روزنامہ جنگ راولپنڈی اشاعت:16 اگست 1989ء)

فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن

4 اپریل 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے فرنٹیئر مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کو پیغام دیتے ہوئے کہا:

''آپ نے مجھے پیغام بھیجنے کے لیے کہا ہے میں آپ کو کیا پیغام دے سکتا ہوں۔ ہمارے پاس رہنمائی اور ذہنی روشنی حاصل کرنے کے لیے قرآن کی صورت میں عظیم پیغام موجود ہے۔''

فرنٹیئر میل

6 مارچ 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ فرنٹیئر میل سے بمبئی سے دہلی پہنچے تھے۔ اسی طرح وہ 31 دسمبر 1945ء کو فرنٹیئر میل کے ذریعے پھر بمبئی سے دہلی گئے۔

فری پریس

25 اکتوبر 1928ء کو قائداعظم محمد علی جناح انگلستان سے بذریعہ ڈاک جہاز ''ازبک'' بمبئی تشریف لائے تو فری پریس کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''جو لوگ قرارداد لکھنؤ سے اختلاف رکھتے ہیں میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ علم بغاوت بلند نہ کریں بلکہ صبر و تحمل سے کام لے کر اپنے آپ کو منظم کریں اور اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے پورا زور لگائیں۔ میں مسلمانوں سے بالخصوص اپیل کرتا ہوں کہ وہ کسی قسم کا خوف نہ کریں۔ برخلاف اس کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی تنظیم کریں اور متحدہ محاذ بنا کر اپنی قوم کی حفاظت کے لیے ہر معقول مسئلہ پر ڈٹ کر کھڑے ہو جائیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح سے نہرو رپورٹ کے بارے میں رائے لی گئی تو انہوں نے کہا:

''مجھے نہرو رپورٹ کو بغور مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا ہے اور نہ فیصلہ جات لکھنؤ کی کوئی مستند روداد میرے پاس پہنچی ہے، البتہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ان فیصلوں نے نہرو رپورٹ کی بعض تجاویز کی صورت کو بدل دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ رپورٹ پر دستخط کرنے والوں اور مختلف رہنماؤں نے لکھنؤ میں جمع ہو کر ہندو مسلم مصالحت کی سعی کی ہے۔ ہم ان کی جدوجہد کی تعریف کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔''

بہرحال قائداعظم محمد علی جناح کی رائے یہ تھی:

''نہرو رپورٹ کوئی خدائی قانون نہیں کہ اس میں تبدیلی نہ ہو سکے۔''

فریتھ بیگم جنرل جی ایچ بی

مئی 1929ء کا واقعہ ہے۔ انگلستان کے عام انتخابات میں کنزرویٹو پارٹی کو لیبر پارٹی نے شکست دے کر اپنی کابینہ بنا لی، اور مسٹر ایمرے میکڈونلڈ وزیراعظم اور کرنل ویج وڈ امور ہند کے سیکرٹری بنے۔ اسی خوشی میں وائسرائے ہند لارڈ ارون نے وائسرائے محل شملہ میں مئی کے آخری ہفتہ میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا۔ اس ضیافت میں قائداعظم محمد علی جناح

نے شرکت کی اور اس جگہ ان کی ملاقات جنرل جی ایچ پی فریتھ کی بیوی سے ہوئی۔ اس کے چند ہی دن بعد ان خاتون نے اپنی والدہ کو ایک خط انگلستان لکھا جس میں اس دعوت کا حال اور قائداعظم محمد علی جناح سے اپنی ملاقات کر ذکر کیا وہ لکھتی ہیں:

"کھانے کے بعد مجھے مسٹر جناح سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ وہ بڑے ذہین شخص ہیں اور نہایت عمدہ انگریزی بولتے ہیں۔ وہ آداب اور وضع قطع میں مشہور اداکار ڈوماریز کی پیروی کرتے ہیں، اور انگریزی گفتگو میں ایڈمنڈ برک کی تقریروں کا انداز اختیار کرتے ہیں۔حکومت کی موجودہ پالیسی یہ ہے کہ رفتہ رفتہ اونچے سے اونچے عہدوں کے دروازے مستحق ہندوستانیوں کے لیے کھول دیے جائیں۔ اگر یہ پالیسی جاری رہی تو مجھے یقین ہے کہ جناح ایک دن ہندوستان کے وائسرائے بنیں گے۔ میں عرصہ سے ان سے ملنا چاہتی تھی اور آج میری یہ خواہش پوری ہوگئی۔" (محمد علی جناح از ہیکٹر بولائتھو)

فریڈرک کرافٹ

قائداعظم محمد علی جناح کے اکثر سوانح نگاروں نے لکھا ہے:

"قائداعظم کے والد نے اپنے ایک دوست فریڈرک کرافٹ کے کہنے پر قائداعظم محمد علی جناح کو اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن بھیجا تھا۔"

لیکن قائداعظم محمد علی جناح کے محقق رضوان احمد اپنی کتاب قائداعظم...... ابتدائی تیس سال (دسمبر 1982ء ایڈیشن) کے صفحہ 88 پر فریڈرک کرافٹ کا قصہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"نوخیز محمد علی جناح کے سفر لندن کے بارے میں مصنفین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے تھے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے والد جناح پونجا کو ایک انگریز تاجر فریڈرک کرافٹ نے نوخیز محمد علی کی ذہانت و فطانت دیکھ کر یہ مشورہ دیا تھا کہ اسے لندن بھیجو۔

مگر حالات و واقعات کی دستاویزات یہ شہادت دیتی ہیں کہ وہ کاروبار کے سلسلے میں لندن بھیجے گئے تھے اس لیے کسی فریڈرک کے اس مشورے کی کوئی بنیاد سرے سے قائم نہیں ہوتی کہ قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنے بیٹے کو لندن بھیجو۔ دوسری بات یہ ہے کہ فریڈرک نامی ایک تاجر کراچی میں موجود تو تھا مگر جس کمپنی میں حصہ دار تھا اس کا نام ڈوبلڈ گراہم اینڈ کمپنی تھا۔ اس کمپنی کا اصلی مالک گراہم خاندان تھا لیکن یہاں بھی اس فریڈرک کا نام صرف 1890ء تک کے کاغذات میں نظر آتا ہے۔ 1891ء میں جو مقدمات ہوئے ہیں ان کے کاغذات میں فریڈرک نام کا کوئی شخص اس کمپنی کے پارٹنرز میں موجود نہیں ہے۔ اس کی جگہ 1891ء سے اس کمپنی کے پارٹنر کی حیثیت سے جیمز انس (INNES) کا نام درج ہے۔ 1891 سے 1896ء تک فریڈرک کا کہیں کوئی پتہ نہیں۔ نوخیز محمد علی جناح کو لندن بھیجنے کا ارادہ 1892ء میں کیا گیا اور 1893ء میں ان کو لندن روانہ کر دیا گیا۔

ہیکٹر بولائتھو نے اپنی کتاب میں ایک فریڈرک کے احوال ومزاج کی داستان اس ضمن میں بیان کی ہے مگر لکھا ہے کہ وہ ایکسچینج بروکر تھا، حالانکہ کاغذات میں ذاتی طور پر اس کے دلال ہونے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ برطانوی کمپنیاں دلالی تو کرتی تھیں مگر وہ بروکر نہیں، ایجنٹ کہلاتی تھیں۔



میاں فضل حسین

1933 - 1877

آپ یونینسٹ پارٹی کے لیڈر اور پنجاب کے ممتاز سیاستدان تھے۔ کیمبرج سے آپ نے بارایٹ لاء کی ڈگری حاصل کی اور واپس آ کر پریکٹس کا آغاز کیا۔ 1916ء سے 1925ء تک آپ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے۔ اس دوران 1921ء میں آپ پنجاب کے وزیر تعلیم بھی مقرر ہوئے۔ آپ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے 1925ء سے 1935ء تک رکن رہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کی زیر صدارت مسلم کانفرنس میں شرکت کی۔ 1923ء میں انہوں نے یونینسٹ پارٹی قائم کی۔ اس پارٹی میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی شریک ہوئے البتہ اکثریت مسلم ارکان کی رہی۔ میاں فضل حسین مسلم لیگ کے بھی ہمدرد تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کے کئی اجلاسوں میں بھی شرکت کی۔ 5 جنوری 1936ء کو قائداعظمؒ نے ایک خط کے ذریعے میاں فضل حسین کو مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی دعوت دی، لیکن اس دوران آپ انتقال کر گئے۔

پھر ہیکٹر بولائتھو نے لندن میں کسی فریڈرک کا حال معلوم کر کے یہ لکھا کہ وہ بچوں کو پسند نہیں کرتا تھا تو پھر تعجب ہی ہے کہ ایسا شخص اس بچے پر مہربان کیسے ہو گیا کہ لندن بھیجنے کا صرف مشورہ ہی نہیں بلکہ جناح پونجا کو بہ اصرار اس پر تیار بھی کیا اور وہ بھی بیرسٹری کی تعلیم کے لیے۔

فسٹ گزٹ

قیام پاکستان کے موقع پر جو پہلا گزٹ جاری ہوا اس کا عکس یہ ہے۔

فضل الحق مسلم ہال میگزین

ڈھاکہ یونیورسٹی کا مجلہ تھا۔
قائداعظم محمد علی جناح نے 24 فروری 1942ء کو اپنے ایک پیغام میں کہا:

''دوسروں کو قصوروار ٹھہرانے اور اپنے مخالفین پر الزام لگانے سے کوئی فائدہ نہیں اور اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں کہ ہم اپنے دشمنوں سے بہتر قسم کے سلوک کی امید کریں۔
آپ ہر قیمت پر متحد رہیں اور جو کچھ کہیں یا کریں وہ ایک ہی آواز سے ہو اور ایک ہی مقصد کے لیے ہو۔
ہمارا آخری سہارا ہماری اپنی قوت ہی ہونی چاہیے۔''

فضل حسین، سر

پنڈت نہرو نے 1937ء میں مسلمانوں کے اتحاد سے حکومت بنانے کی تجویز مسترد کر دی تو سر فضل حسین نے اپنی تمام تر حمایت قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کر دی۔
فضل حسین 14 جون 1877ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خاں صاحب میاں حسین بخش تھا۔ انہوں نے میونسپل بورڈ سکول ایبٹ آباد، گورنمنٹ ہائی سکول پشاور، گورداسپور اور گورنمنٹ کالج لاہور اور کرائسٹ کالج کیمبرج میں تعلیم مکمل کی۔ گریزان سے 1901ء میں بیرسٹرایٹ لاء کی ڈگری ملی۔ 1901ء تا 1905ء میں سیالکوٹ میں پریکٹس کرتے رہے۔ 1905ء تا 1920ء پنجاب چیف کورٹ اور پنجاب ہائی کورٹ میں پریکٹس کی۔ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر بھی رہے۔ 1925ء میں انہیں سر کا خطاب ملا۔ گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کے رکن رہے۔ لیگ آف نیشنز میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔ 1933ء میں پنجاب یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی اور 1935 میں دہلی یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری دی۔ سر فضل حسین مئی-جولائی 1936ء تک پنجاب کے وزیر تعلیم رہے۔
پنجاب نیشنلسٹ یونینسٹ پارٹی کے 1923ء تا وفات 9 جولائی 1936ء بانی رکن رہے۔

فضل حسین جناح مراسلت

قائداعظم محمد علی جناح اور سر فضل حسین کے مابین خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ یہاں وہ خط دیا جا رہا ہے جو قائداعظم محمد علی جناح نے سر فضل حسین کو لکھا تھا۔

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ
مالابار ہل بمبئی
11 مئی 1934ء
ڈیئر فضل حسین!

آپ کے 25 اپریل کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ اب تسلی بخش حد تک میری صحت بہتر ہے اور امید ہے کہ 24 مئی کو بحری جہاز کے ذریعے لندن روانگی کے قابل ہو جاؤں گا۔ مجھے خوشی ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی منظور کردہ قرارداد کی آپ

نے تائید کر دی۔ یہ میرے لیے بڑے اطمینان کا باعث ہے کہ مجھے ایک ایسے شخص کی تائید حاصل ہے جس کی رائے کو میں بہت اہمیت دیتا ہوں۔ میں بھی دہلی میں آپ سے ملاقات کا متمنی تھا لیکن عین وقت پر میری متغیر صحت اور آخری چند دنوں میں شدید مصروفیت کے سبب اس ارادے کی تکمیل سے محروم رہا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کی صحت اب بہتر ہے، اور یقین ہے کہ جلد ہی آپ مکمل طور پر صحت یاب ہو جائیں گے۔ ایک مرتبہ پھر میری صحت کے بارے میں آپ کی نیک خواہشات کا بہت بہت شکریہ۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

15 مئی 1934ء

ڈیئر مسٹر جناح!

آپ کا 11 مئی کا ارسال کردہ خط پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ خط کے مندرجات کے مطابق آپ اپنی بیماری سے مکمل طور پر شفایاب ہو چکے ہیں، اور امید کرتے ہیں کہ 24 تاریخ کو بحری سفر پر روانگی کے قابل ہو جائیں گے۔ آپ کی صحت کاملہ کے لیے میری نیک تمنائیں قبول ہوں۔

ہندوستان اور خاص کر مسلم ہندوستان آپ کو کھونے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ایسے انسان جن میں واضح بصیرت، آزادانہ رائے اور کردار کی پختگی پائی جاتی ہو شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں، اور اب جبکہ غیر مسلم ہندوستان کی جانب سے مسلمانوں کی مدد اس بنا پر نہیں کی جا رہی کہ وہ ان سے اتحاد یا تعاون کریں بلکہ اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ وہ اپنا مستقبل ان کے حوالے کر دیں۔ ایسے حالات میں مضبوط انسان کی ضرورت جس کے اندر آزادانہ رائے، دیانت اور کردار کی پختگی ہو بہت ضروری اور واضح ہو جاتی ہے۔

مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہندستانی لیڈروں نے ہندوستان میں سیاسی سرگرمیوں کو تہ و بالا کر دیا ہے، اور گزشتہ دو برس میں انگریزوں کی قومی زندگی میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ اتنے فاصلے سے کچھ تو لوگوں سے روابط نہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ معلومات کی کمی کی بنا پر میں کسی نتیجہ پر پہنچنے سے قاصر ہوں، لیکن آپ چونکہ وہاں قیام پذیر ہیں اس لیے یقیناً یہ سمجھتے ہوں گے کہ انگریزوں کی قومی زندگی میں ہندوستان کے مقدمے کی کوئی حیثیت نہیں۔ حقیقتاً یہ بہت افسوس ناک صورت حال ہے، لیکن اس کا متبادل کیا ہو سکتا ہے۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والی صورت حال میں مسلمانوں کو اپنے اوسان قائم رکھنا ہوں گے۔ ایسے نازک حالات میں آپ کی طرح غیر معمولی اہلیت کے حامل لوگ ہی قوم کو صحیح راستے پر چلا سکتے ہیں، اور اس لیے مجھے اس خبر سے بے حد مسرت ہوئی کہ آپ نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کا فیصلہ کیا ہے۔

نیک خواہشات کے ساتھ

آپ کا مخلص
فضل حسین

فضل رحمت اللہ

جب نہرو رپورٹ کی اشاعت ہوئی تو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر سر محمد شفیع، آغا خان، ڈاکٹر شفاعت احمد خان اور حاجی عبداللہ ہارون کی کوششوں سے آل انڈیا مسلم کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ مسٹر فضل رحمت اللہ کی گشتی چٹھی کے جواب میں جس میں آئندہ آل انڈیا مسلم لیگ کانفرنس کی شرکت کے لیے دعوت دی گئی تھی قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''بحالت موجودہ کسی ایسی تحریک کا موقع نہیں جیسی کہ داعیان مسلم کانفرنس نے ماہ اگست 1928ء میں کی

تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ ہی کے نمائندے مسلم کانفرنس کی شرکت کے لیے مامور کیے جاسکتے ہیں مگر آل انڈیا مسلم لیگ کا کوئی اجلاس اس کے سالانہ اجلاس سے پہلے جس کی تاریخ 26 تا 28 دسمبر مقرر ہو چکی ہے نہیں ہوسکتا، لیکن آپ مجھ سے توقع رکھتے ہیں کہ میں لیگ کے اجلاس سے پہلے مجوزہ کانفرنس میں شرکت کروں تو آپ کو یہ بات ماننا پڑے گی کہ ہم کو اس کا پورا علم ہونا چاہیے کہ داعیان کانفرنس مجوزہ کانفرنس میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، اور اختلاف کی صورت میں فیصلہ کیونکر ہوگا بالخصوص اس اختلاف کی صورت میں رائے دہی کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا جب تک یہ امور بالتفصیل میرے سامنے نہ رکھے جائیں میں مجوزہ کانفرنس کو مفید نہیں سمجھتا۔ آپ کے مکتوب میں مبہم طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ کانفرنس میں نہرو رپورٹ پر غور وخوض کیا جائے گا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آیا داعیان کانفرنس نے کوئی خاص تجاویز مرتب کی ہیں۔ کن کو کانفرنس میں غور وخوض کے لیے پیش کیا جائے گا۔ میں داعیان کانفرنس کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کہ کانفرنس کے لیے 31 دسمبر کی تاریخ مقرر کی گئی ہے اور اس پر کسی صورت میں حاضری زیادہ نہ ہو سکے گی کیونکہ کرسمس کے ہفتہ میں شرکاء کی بہت بڑی تعداد کلکتہ میں ہوگی۔ آخر میں میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ بحالت موجودہ کسی تحریک کا جس کا داعیان کانفرنس کو گزشتہ ماہ اگست میں خیال تھا کوئی موقع نہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہر شخص کا آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں مسلمانوں کے مابین خوشگوار طریقہ پر اتحاد قائم رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

آخر میں قائداعظم محمد علی جناح نے فضل رحمت اللہ سے درخواست کی کہ وہ لیگ کے آئندہ اجلاس سے پہلے ان کو پوری تفصیلات سے آگاہ کردیں تاکہ وہ فیصلہ کرسکیں۔

فضول خرچی

❶ قائداعظم محمد علی جناح کو فضول خرچی قطعی ناپسند تھی۔ وہ دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔ قائداعظم کے ہاں دولت کی ریل پیل تھی لیکن اس کے باوجود ایک پیسے کی فضول خرچی نہیں تھی۔

گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالنے کے بعد جب قائداعظم محمد علی جناح مشرقی پاکستان کے دورے پر تشریف لے جانے لگے تو ان کے پاس وہی پرانا دقیانوسی ڈکوٹا جہاز تھا جو تقسیم ہند کے وقت گورنر جنرل کے حصے میں آیا تھا۔ مشرقی پاکستان کے سفر کے لیے اسے راستے میں تیل لینے کے لیے دہلی میں پالم پور کے ایئر پورٹ پر لازماً اترنا تھا مگر قائداعظم محمد علی جناح نے سرزمین ہند پر قدم رکھنا گوارہ نہ کیا اور فرمایا:

''جہاز اترے بغیر سیدھا چلا جائے۔''

اس کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ کے۔ ایل۔ ایم کے مخصوص طیارے میں سفر کیا جائے تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''پہلے اس کا کرایہ معلوم کیا جائے۔''

پتہ چلا کہ آمدورفت پر سات لاکھ روپے خرچ ہوں گے، سرکاری خزانہ اس وقت خالی تھا، کسی سے اس ضرورت کے لیے روپے مانگنا قائداعظم محمد علی جناح کی غیرت وخودداری نے گوارہ نہ کیا اور نہ ہی آپ نے آرام وآسائش پر ٹیکس دہندگان کے پسینے کی کمائی کا ایک پیسہ خرچ کرنا گوارہ کیا۔

آخر سوچ بچار کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تجویز

نکالی کہ ڈکوٹا جہاز میں پٹرول کی ایک مزید ٹینکی لگا دی جائے تاکہ اسے راستے میں تیل لینے کی ضرورت نہ پڑے اور وہ ایک ہی پرواز میں منزل پر پہنچ جائیں۔

◆ زیڈ اے سلہری نے ایک بار قائداعظم محمد علی جناح کی لندن سے رخصتی کے بارے میں جو واقعہ تحریر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح فضول خرچ لوگوں کو برداشت نہ کرتے تھے وہ لکھتے ہیں:

''آخری واقعہ میں رخصت کا سناؤں گا۔ آمد کی طرح رخصتی پر بھی مسلمانوں کا خاصا ہجوم تھا، لیکن چونکہ قائداعظم کے رخصت کا وقت بہت صبح کا تھا۔ دور دراز بستیوں والے جنہیں انڈر گراؤنڈ ٹرینوں سے آنا تھا وہ نہ آسکے کہ ابھی ٹرینوں نے چلنا شروع نہ کیا تھا، لیکن ایک مسٹر غلام محمد جو دوکانداری کرتے تھے اور ایسٹ اینڈ میں رہتے تھے پہنچ گئے۔ جب میں نے پوچھا کہ کیسے پہنچے تو کہا ٹیکسی سے آیا ہوں۔ پانچ پونڈ خرچ ہوئے ہیں۔

پانچ پونڈ کا ان دنوں کی مالیت کا اندازہ یوں ہوسکتا ہے کہ 1946ء میں عام سیکرٹریوں کی ہفتہ وار تنخواہ سات پونڈ ہوتی تھی۔ غلام محمد کی قربانی سے میرا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور میں اسے کھینچ کر قائداعظم سے ملانے لے گیا اور ان سے عرض کی:

''مسٹر غلام محمد ایسٹ اینڈ سے آپ کو خدا حافظ کہنے کے لیے ٹیکسی پر آئے ہیں اور اس پر پانچ پونڈ خرچ آیا ہے۔''

میں سمجھتا تھا کہ اب ہمیں داد ملے گی کہ ہمارے اندر کیسے کیسے مخلص اور ایثار کرنے والے لوگ ہیں۔ کچھ تحسین کے کلمات کا انتظار کر رہا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح ہنسے۔ اپنے ہاتھ ہوا میں اٹھائے اور بلا ساختہ فرمایا:

''تم مسلمان فضول خرچ ہو۔''

فلاحی مملکت

قائداعظم محمد علی جناح نے جب پہلی بار ''الفاروق'' کی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ پڑھا تو فرمائش کی کہ دوسری جلد بھی انہیں مہیا کی جائے جسے پڑھ کر انہوں نے کہا:

''یہ مغرب والے کیا نعرے لگاتے ہیں، فلاحی مملکت کا تصور تو بارہ سو سال قبل حضرت عمر فاروق ◆ نے دیا تھا۔ مسلمانوں کے ملک میں ایسا ہی نظام ہونا چاہیے۔''

فلسطین

◆ 8 اکتوبر 1945ء کو مسلمانانِ بمبئی کا ایک عظیم الشان اور یادگار جلسہ حکومت برطانیہ وامریکہ کی روش پر احتجاج کرنے کے لیے منعقد ہوا۔ مصر کے قونصل اور عراق کے قونصل جنرل نے بھی اس جلسہ میں شرکت کی اور تقریریں کیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع کی مناسبت سے انگریزی میں ایک ولولہ انگیز تقریر کی، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''فلسطین اس وقت ایک تاریک اور نازک زندگی کے دور سے گزر رہا ہے۔ جب 1914ء کی لڑائی شروع ہوئی تو برطانوی حکومت نے نہایت سنجیدگی سے تمام عربی ممالک کے ساتھ وعدے کیے، کہ اگر وہ اس کی مدد کریں گے تو ان ممالک سے جنگ کے بعد خودمختار اور آزاد حکومتیں قائم کی جائیں گی۔ ان ملکوں میں فلسطین بھی تھا، ان تمام ملکوں نے اپنا خون بہا کر اور اپنی جانیں نچھاور کر کے انگریزوں کی امداد کی، مسلمان جو وعدہ کرلیں پھر اس کو دنیا کی کوئی طاقت

توڑ نہیں سکتی، وہ اپنی جان دے دیتے ہیں مگر اپنے الفاظ نہیں دیتے۔ جب جنگ ختم ہوئی اور برطانوی حکومت کو خدا نے فتح کا منہ دکھایا، تو ان ملکوں نے اپنی آزادی اور خودمختاری کا حسبِ وعدہ مطالبہ کیا، مگر وہ مواعید اور پیمان شرمندہ وفا نہ ہوئے۔ ان سادہ لوح عربوں کے حصے بخرے کر دیے گئے، کچھ فرانس نے سنبھالے اور کچھ انگریزوں نے۔

غرض وقت گزرتا گیا، حکمران لوگوں نے جدوجہد کو برابر جاری رکھا، اور بعد میں تمام عرب پشیمان ہوئے۔ 1939ء میں حکومت برطانیہ نے ایک اعلان شائع کیا۔ جس میں فلسطینی عربوں سے کہا گیا کہ ہمیں فلسطین میں یہودیوں کی کچھ تعداد آباد کرنے دو، چونکہ ہٹلر اور اس کے رفقاء کار نازیوں نے یہودیوں کو اپنے ملک جرمن سے مار کر نکال دیا ہے اور برطانیہ اور امریکہ میں یہودی کافی تعداد میں آباد تھے، جو نہایت مالدار اور بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز تھے۔ ان کی درخواست پر ہمدردی کرتے ہوئے یہودیوں کو برطانیہ نے اپنے مقبوضہ ملک فلسطین میں آباد کرنے کی اسکیم تیار کی تھی۔ آخر میں فلسطین کے عربوں اور برطانوی و امریکن حکومتوں میں سمجھوتہ ہو گیا۔ قرطاسِ ابیض کی رو سے مارچ 1945ء تک یہودی قوم کی ایک خاص تعداد کو فلسطین میں آنے کی اجازت دے دی گئی۔ 31 مارچ کو شرائط نامہ کی معیاد ختم ہو جانا چاہیے تھی، مگر دوسری اور موجودہ جنگ عالمگیر کے خاتمہ پر جب اتحادیوں کو جرمنی اور اٹلی پر فتح حاصل ہو گئی نئے امریکی صدر ٹرومین نے حکومت برطانیہ سے درخواست کی:

''قرطاسِ ابیض کی معیاد بڑھا دی جائے تاکہ یہودیوں کا داخلہ فلسطین بند نہ ہونے پائے۔''

یہودیوں کو آباد کرنے کے لیے کیا دنیا کے تختہ پر صرف فلسطین کا چھوٹا سا علاقہ ہی ان لوگوں کی نظر پڑا۔ ٹرومین، امریکی حکومت اور برطانوی حکومت امریکہ یا کینیڈا میں کیوں نہیں آباد کرتی۔ وہ ممالک تو فلسطین کے مقابلہ میں کئی گنا بڑے ہیں۔ اگر ان کو ہمدردی ہے تو امریکہ کی سرزمین میں ان کو باسانی آباد کیا جا سکتا ہے۔ آسٹریلیا کا اتنا بڑا براعظم بنجر پڑا ہے۔ وہاں آباد کرنا چاہیے۔ صرف فلسطین پر سارا نزلہ کیوں گرایا جا رہا ہے۔

ان مجرموں کے یہ ناپاک ارادے کبھی منڈھے نہ چڑھیں گے۔ ہم ہندوستان کے تمام مسلمان بحیثیت مجموعی عربوں اور عرب لیگ کے ساتھ ہیں۔ ہم اس مقدس جنگ میں اپنے مال اور جانیں قربان کر دیں گے۔ امریکی اور برطانوی حکومت کو کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ اگر وہ حق و انصاف کا خون کرنے سے باز نہ آئے اور یہودیوں کو نہ روکا گیا تو وہ دیکھیں گے کہ پاکستان کا بچہ بچہ تمام اسلامی دنیا کے چھوٹے بڑے مسلمان اپنی جانیں دے کر ان سے ٹکرا جائیں گے، اور فرعونیت دماغ حکومت کو پاش پاش کر دیں گے۔''

نیویارک ٹائمز کے نمائندہ خصوصی مقیم ہند نے قائداعظم محمد علی جناح کا سیاسیات ہند اور مسائل عالم اسلام پر ایک انٹرویو لیا۔ جسے نیویارک ٹائمز نے صفحہ اول پر نہایت نمایاں طور پر شائع کیا:

یہ بیان 13 نومبر 1945ء کو ہندوستان کے اخبارات میں بھی شائع ہوا، نامہ نگار کا کہنا ہے۔

''میں نے پھر قائداعظم سے عربوں کے ساتھ مسلمانوں

کی ہمدردی کے متعلق دریافت کیا۔"

قائداعظم نے جواب دیا:

"ہندوستانی مسلمان حتیٰ المقدور عربوں کی امداد کریں گے، وہ اس سلسلہ میں سب کچھ کر گزریں گے، کیونکہ ہم یہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے کہ فلسطین مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائے۔"

جب آپ سے دریافت کیا گیا:

"سب کچھ کر گزریں گے" اس سے کیا مراد ہے؟"

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تشدد کی بھی ضرورت ہوگی، تو ہم تشدد بھی حتیٰ الامکان طاقت کے ساتھ کریں گے۔"

◆ قیام پاکستان کے دو ماہ بعد جب فلسطین کی تقسیم کے منصوبے تیار ہو رہے تھے تو قائداعظم محمد علی جناح نے متنبہ کیا:

"اس سے انتہائی خطرناک اور مستقل ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوگی۔"

جب 1947ء میں برطانیہ نے فلسطین کی سپرداری سے دستبرداری کا اعلان کر کے اسے اقوام متحدہ کے سامنے رکھا تو پاکستانی وفد نے فلسطینیوں کے حقوق کی پرزور حمایت کی اس نے کہا:

"اس مقدس سرزمین کو سولی پر چڑھانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور فلسطینیوں پر انتہائی غدارانہ فیصلے مسلط کیے جانے کی تجویزیں ہیں۔"

اس وقت افریقہ اور امریکہ اور دوسری مغربی طاقتیں اسرائیل کے قیام کے لیے قرارداد منظور کرانے میں کامیاب ہو گئیں مگر اس بے حسی کے عالم میں بھی قائداعظم محمد علی جناح نے عربوں اور مسلم ممالک کے حقوق کو اوجھل نہ ہونے دیا اور 8 دسمبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے امریکہ کے صدر ٹرومین کو ایک طویل تار میں اس فیصلے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

فلسفۂ عبادت

(دیکھیے: صوم وصلوٰۃ کے تارک)

فل کونسل

محترمہ فاطمہ جناح قائداعظم محمد علی جناح کی انتہائی قابل اعتماد بہن تھیں۔ جب قائداعظم محمد علی جناح کے سیکرٹری کوئی مسودہ ٹائپ کر کے ان کے پاس لاتے تو قائداعظم محمد علی جناح فرماتے:

"فل کونسل کے پاس پڑھیں۔"

فل کونسل سے مراد قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح تھے۔

فلم

16 اگست 1988ء کو امریکہ میں مقیم دو پاکستانیوں نے دو امریکن مصنفین کے ساتھ مل کر قائداعظم پر ہالی وڈ میں پہلی فلم بنانے کا معاہدہ کیا۔ فلم کا معاہدہ کرنے والوں میں ڈاکٹر طارق جاوید بھی شامل ہیں جو اگست 1988ء میں پاکستان آئے۔ فلم کے سلسلے میں یہ معاہدہ مسٹر رابرٹ میلکن، رابرٹ ہینز ز اور عارف چوہدری کے درمیان طے پایا۔ فلم پر ایک کروڑ ڈالر لاگت کا تخمینہ لگایا گیا۔ یہ فلم 6،7 سال میں بغیر حکومتی امداد کے بنانے کا اعلان کیا گیا، امریکی، جاپانی اور کوریائی سرمایہ داروں نے بھی اس میں اپنی دلچسپی کا اظہار کیا۔ فلم کا مسودہ لکھنے کا فریضہ مسٹر ملکین کو سونپا گیا تھا۔

فیلٹ ہیٹ سے جناح کیپ تک

پروفیسر جمیل آذر اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:

"یہ ایک کہاوت ہے کہ کھاؤ من بھاتا اور پہنو جگ

بھاتا۔ اس مقولہ میں کتنی حقیقت ہے یہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں لیکن میں ذاتی طور پر اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ کسی کا عمدہ پہناوا مجھے اچھا لگتا ہے۔ جب میرا کوئی دوست عمدہ لباس زیب تن کیے ہوئے مجھے ملتا ہے تو اُسے داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر فرد کی ایک ظاہری صورت ہے اور دوسری باطنی۔ ہم صرف باہری صورت دیکھ کر کسی شخص کے مزاج، رجحان طبع اور ذوق کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ویسے بھی ہر انسان بڑی کمپلیکس شخصیت کا مالک ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے علم بشریات کا ایک باقاعدہ شعبہ ہے جو دانش گاہوں میں مختص ہوتا ہے۔ انگلش شاعر جان کیٹس تو واضح طور پر اپنے ایک شعر میں کہتا ہے کہ انسانیت کا مناسب مطالعہ ہی انسان ہے۔ میں بھی لوگوں کے لباس، رہن سہن، بول چال، میل جول، عادات و اطوار کا مطالعہ کرتا ہوں، اور حیران کن نتائج پر پہنچتا ہوں جنہیں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ تمام الہامی کتابیں اور ادب انسان کا مطالعہ ہی پیش کرتے ہیں۔

میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ میرا ایک دوست جو فطرت سے مصورانہ ذہن لے کر پیدا ہوا تھا، ہر وقت ایک ہی تصویر کے بنانے میں محو رہتا تھا۔ یہ تصویر وہ اتنی مہارت اور فنی چابکدستی سے بناتا تھا کہ ہم سب دوست اسے داد و تحسین پیش کرتے۔ یہ تصویر قائداعظم محمد علی جناح کی ہوتی تھی۔ اس تصویر میں ان کا خوبصورت مقناطیسی چہرہ، چمکدار عقابی آنکھیں اور سر پر دل کش جاذب نظر ریشمی سیاہ قراقلی کی کتابی شکل کی ٹوپی میرے دوست کے موقلم کا شاہکار ہوتی تھی۔ یہ بے مثال ٹوپی جناح کیپ کے نام سے زبان زد خاص و عام مشہور ہوئی۔ مجھے آج تک کسی کے سر پر جناح کیپ جیسی خوبصورت ٹوپی نظر نہیں آئی، اگرچہ ہمارے بیشتر حکمرانوں اور خوش پوش لوگوں نے جناح کیپ کے تطبع میں ٹوپیاں پہنیں، مگر بات نہ بن سکی۔

سولر یا فیلٹ ہیٹ سے جناح کیپ تک کا ایک طویل سفر ہے۔ جب ہمارے قائد اعظم محمد علی جناح انگریزی تھری پیس بریسٹ سوٹ میں ملبوس، سر پر فیلٹ ہیٹ سجائے، سگار پیتے ہوئے انگلستان ہوتے تھے تو مسٹر چرچل اور لارڈ ویول جیسے جلیل القدر لوگ ان کے اُٹھتے ہوئے قد و قامت کے سامنے پست نظر آتے تھے۔ انگریزی زبان و بیان پر انہیں مکمل عبور حاصل تھا۔ انگریزی لب و لہجہ اتنا خوبصورت کہ شیکسپیئر بھی سنتا تو ان پر سو جان سے فدا ہو جاتا۔ اس وقت محمد علی جناح، صرف اور صرف مسٹر جناح تھے۔ ان کے سر پر سولر ہیٹ ہو یا فیلٹ ہیٹ وہ سرتاپا مسٹر جناح تھے۔ آنکھوں کی چمک اور چہرے کی متانت سے عقل و دانش کا نور مترشح تھا۔ وکالت و سیاست کے پر پیچ راستوں سے کماحقہ واقف تھے۔ سگار کے دھویں کے مرغولوں میں حکمت کے موتی تلاش کرتے تھے۔ وہ مغربی ثقافت اور بود و باش کے دلدادہ تھے۔ مغربی مفکرین اور دانشوروں سے اکتساب فیض کیا۔ انہیں پولیٹیکل سائنس اور اقوام عالم کی تاریخ پر مکمل دسترس تھی۔ وہ اعلیٰ پائے کے مقرر اور طلسماتی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کا ظاہری لباس اور رکھ رکھاؤ صاف بتا رہا تھا کہ وہ سیاست کی شطرنج سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ بحیثیت بیرسٹر وہ اپنے مقدمے سے پورا پورا انصاف کرتے تھے اور اپنے

موکل کا مقدمہ جیت کر رزقِ حلال کماتے تھے۔ وہ دلائل و براہین اور قانونی نکات کی روشنی میں عدالت کے سامنے اپنے موکل کا کیس پیش کرتے تھے اور قانون و ناقابل تردید دلائل سے نہ صرف اپنے مخالف وکیل کو شکست فاش دیتے تھے بلکہ عدالت کو قائل کرنے پر سرخ رو ہوتے تھے۔ ان تمام منازل تک پہنچنے کے لیے وہ شب و روز محنت کرتے تھے اور کام کرنے کو اپنا وظیفہ حیات سمجھتے تھے۔ یہی ان کا جزوِ ایمان تھا۔ حسن صداقت نے ان کی شخصیت کو چار چاند لگا دیے تھے اور وہ اس وقت کی ممتاز شخصیات میں شمار ہوتے تھے۔ یورپ میں بالعموم اور ہندوستان میں بالخصوص اور اپنی منفرد شخصیت کے طور پر متعارف ہوئے۔

ہندوستان میں تو وہ تمام مذاہب کے مابین اتحاد کے سفیر کی علامت کے طور پر تسلیم کیے گئے جو بڑے اعزاز کی بات تھی۔ عقل و دانش، عزت و دولت اور شہرت کے باوصف ان کی شخصیت میں ایک ایسی چیز کی کمی تھی جسے علامہ اقبال کی نظر معجز اثر نے پورا کر دیا اور انہیں مسٹر جناح سے قائد اعظم بنا دیا۔ ان کے سر پر فیلٹ ہیٹ کی بجائے ریشم جیسی ملائم سیاہ اُون کی جناح کیپ کا تاج سجا دیا اور تن پر تھری پیس سوٹ کے برعکس سیاہ شیروانی کا روحانی لباس عطا کر دیا۔ گویا علامہ اقبال نے اپنے کمبل کی روحانی توانائی ان میں منتقل کر دی تھی۔ اب وہ ایسی پیغمبرانہ بصیرت سے متصف ہو گئے کہ انہیں غیر مسلم ہندی راہ نماؤں کی مسلمانوں کے خلاف چھپی ہوئی خباثت، منافقت، بد عہدی اور ان کے خوفناک عزائم واضح طور پر نظر آنے لگے۔ پہلے وہ عقل و دانش کے ہتھیار سے لیس تھے۔ جناح کیپ پہن کر اب وہ روحانی قوت اور پیغمبرانہ عرفان کے ساتھ ملت کے پاسبان کے رنگ میں ظاہر ہوئے اور برصغیر ہندوستان کے منتشر مسلمانوں کو ایک پرچم تلے متحد کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان کے لیے علیحدہ اسلامی ریاست، جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا، حاصل کرنے کے لیے دن رات محنت کرنے لگے۔ ان کی شب و روز کی محنت ثمر بار ہونے لگی۔

وہ جوں جوں برصغیر میں مسلمانوں کے لیے علیحدہ مملکت کا تقاضا کرتے تھے توں توں ہندو بنیوں اور انگریزی سوداگروں کی ریشہ دوانیاں ان کے سامنے آنے لگیں۔ جناح کیپ کی روحانی قوت نے ان دشمنوں کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ ان کی پشت پر جہاں مسلمانانِ ہند کی قوت تھی، وہیں حکیم الامت کی عارفانہ بصیرت اور ان کا انوار و تجلیات سے معمور کمبل بھی تھا۔ یہ جناح کیپ محض سر کی ٹوپی نہیں تھی بلکہ روحانی قوت اور عارفانہ بصیرت کا سرچشمہ تھی۔ اس وقت تمام ملت اسلامیہ جناح کیپ کی روحانی کشش اور طلسماتی حسن کی اسیر تھی۔ جناح کیپ اور کالی شیروانی پہننے کا عام رواج ہو گیا، اور لوگ دیوانہ وار ملت کے پاسباں محمد علی جناح کے شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے۔ دشمن کو شکست فاش دے کر مسلمانوں کے لیے علیحدہ خطہ ارض حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یوں وہ سفر جو انہوں نے تھری پیس سوٹ اور فیلٹ ہیٹ سے شروع کیا تھا جناح کیپ پر آ کر اختتام پذیر ہوا۔

تعجب ہے کہ اب کسی شاعر کو جناح کیپ پر اشعار کہنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ ہماری بدقسمتی کا آغاز تو اس

وقت سے ہوا جب غاصب، جھوٹے لالچی، خودغرض راہنماؤں نے مغربی سامراج کی اشیرباد سے ملک پر شب خون مارا اور وطن عزیز پر بندوق، دھونس او ردھاندلی کے بل بوتے پر قبضہ جما لیا۔جعلی جناح کیپ اور جعلی شیروانی پہن کر راہنمائی کے دعویدار بن گئے اور خوبصورت وطن عزیز کا حلیہ بگاڑ دیا، مگر مجھے یقین ہے کہ جس روز اصلی جناح کیپ والا لیڈر تائید ایزدی سے ہمیں مل گیا۔ہم اپنے ملک عزیز کو سپر پاور بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے، اور کمبل پوش حکیم الامت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جائے گا!''

(الحمرا، اشاعت دسمبر 2013ء)

فلیٹیز ہوٹل

قائداعظم محمد علی جناح کشمیر میں قیام کے بعد دوبارہ لاہور تشریف لائے تو انہوں نے فلیٹیز ہوٹل میں قیام کیا۔اسی ہوٹل میں ملک افتخار علی اور میاں محمد شفیع اور دیگر کئی حضرات نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔

یہ ہوٹل اسمبلی ہال واپڈا ہاؤس اور پی آئی اے کے دفاتر کے بالکل قریب واقع ہے۔

فلیگ سٹاف ہاؤس

یہ قائداعظم محمد علی جناح کی کراچی میں نجی رہائش گاہ ہے، یہ عمارت 10214 مربع گز رقبے پر محیط ہے۔اس کے تین مدخل ہیں، جن میں سے دو فاطمہ جناح روڈ پر ہیں۔یہ عمارت 1946ء میں جی او سی سندھ جنرل گریسی کی رہائش گاہ تھی۔اسی بنا پر اسے فلیگ سٹاف ہاؤس کا نام دیا گیا ہے۔بعدازاں اسے کنٹونمنٹ بورڈ نے حاصل کر لیا۔6 مارچ 1947ء میں بہاری تاجر سہراب کٹرک سے ایم اے ایچ اصفہانی کی وساطت سے خریدا۔فروری 1947ء میں جنرل گریسی کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس عمارت کو خالی کرنے کا نوٹس دیا۔7 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ کراچی آئے تو یہیں قیام فرمایا۔

ستمبر 1948ء میں فلیگ سٹاف ہاؤس محترمہ فاطمہ جناح کی صدارتی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا، اور ان کا انتخابی نشان لالٹین آویزاں کر دیا گیا۔

1964ء تا 1984ء یہ ویران پڑا رہا۔اس کی چھت پر جو ٹائیلیں لگی ہوئی ہین وہ 1865ء کی بنی ہوئی ہیں۔1969ء میں صدر محمد یحییٰ خان نے ایم اے ایچ اصفہانی کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا اور انہوں نے اس عمارت کو قومی یادگار بنانے کا مشورہ دیا۔کمیشن نے اس کا نام قائداعظم ری پبلک ہاؤس رکھا، وفاقی حکومت نے 1972ء میں حکومت سندھ کو یہ عمارت خریدنے کا مشورہ دیا۔

27 دسمبر 1975ء سندھ بلوچستان ہائی کورٹ نے اسے فروخت کرنے کی اجازت دے دی۔

1980ء میں ایم اے ایچ اصفہانی نے اسے نیلام کرنے کے انتظامات شروع کر دیے۔سندھ ہائی کورٹ نے 11 اکتوبر 1980ء کو ایک امتناعی حکم کے ذریعے فلیگ سٹاف ہاؤس کی فروخت ممتاز قانون دان سید شریف الدین پیرزادہ کی مداخلت پر روک دی۔14 فروری 1983ء کو سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس عبدالحیٔ قریشی نے اسے فروخت نہ کرنے کا فیصلہ دیا۔14 جون 1984ء کو اسے وفاقی حکومت کی تحویل میں دے دیا گیا۔

چنانچہ محکمہ آثار قدیمہ نے یہ عمارت 51 لاکھ 7 ہزار روپے میں خرید لی۔جس کی ادائیگی قائداعظم محمد علی جناح کی املاک کے ایڈمنسٹریٹروں سید ہاشم رضا، لیاقت ایچ مرچنٹ اور محمد حیات جونیجو کو کر دی گئی۔

1989ء میں اسے قائداعظم عجائب گھر میں تبدیل کر دیا گیا۔

فوجی انقلاب

فوجی انقلاب کے قائداعظم محمد علی جناح سخت خلاف تھے۔ اس بات کا انکشاف 24 دسمبر 1969ء کو اسلام آباد میں سابق بریگیڈیئر گلزار احمد نے ایک تقریب میں کیا۔ انہوں نے بتایا:

''1946ء کے آخر میں میں نے ایک منصوبہ بنایا تھا جس کا مقصد انڈین آرمی کے مسلمان افسروں کی مدد سے طاقت کے بل بوتے پر فوجی انقلاب کے ذریعے پاکستان بنانا تھا جب یہ منصوبہ قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔''

بریگیڈیئر گلزار احمد نے بتایا:

''قائد ملت اور سردار عبدالرب نشتر کی سفارش پر قائداعظم محمد علی جناح سے میری ملاقات ہوئی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے سوال کیا:

''آپ کا منصوبہ خفیہ ہوگا؟''

قائداعظم محمد علی جناح کو بتایا گیا:

''جی ہاں ایسا ہی ہوگا۔''

یہ جواب سن کر قائداعظم محمد علی جناح نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا:

''جو چیز خفیہ ہوتی ہے وہ قابل احترام نہیں ہوتی اور غیر محترم چیز غیر اسلامی ہوتی ہے۔ اس لیے میں ہرگز اپنی قوم کو غیر محترم اور غیر اسلامی حرکت کا مرتکب ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلام میں مسائل اور مقاصد دونوں شمار ہوتے ہیں۔''

بریگیڈیئر گلزار احمد نے کہا:

''قائداعظم محمد علی جناح نے میرے اس جذبہ کی تعریف کی کہ میں اسلام کے لیے مرنا چاہتا ہوں۔ ساتھ ہی اس نے کہا کہ جتنا اسلام کے لیے مرنا اہم ہے اتنا ہی اسلام کے لیے جینا بھی اہم ہے اور یہ صرف اسلام پر عمل کر کے ہی ممکن ہے۔''

فیاض حسین غازی

وہ تحریک پاکستان کے رہنما تھے اور مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار بھی تھے۔ 1937ء میں مجلس اتحاد ملت باغبانپورہ لاہور میں شمولیت اختیار کی، پھر مسلم لیگ کے رکن منتخب ہوئے۔ باغبانپورہ میں انہیں مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا پہلا سالار مقرر کیا گیا۔ 1940ء میں لاہور میں قرارداد پاکستان کی منظوری کے تاریخ ساز موقع پر فیاض حسین غازی مسلم لیگ نیشنل گارڈ کی اس ریلی میں شریک تھے۔ جس نے قائداعظم محمد علی جناح کو شاندار سلامی دی۔ وہ 1946ء میں پنجاب مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے صوبائی منتظم رہے۔ تحریک پاکستان میں نیشنل گارڈ کے حوالے سے ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

ان کا انتقال 23 جنوری 1989ء کو لاہور میں ہوا۔

فیتھ، یونٹی اور ڈسپلن

قائداعظم محمد علی جناح کا ایمان تھا کہ جس قوم میں فیتھ، یونٹی اور ڈسپلن جمع ہو جائیں تو وہ قوم کبھی شکست نہیں کھا سکتی لیکن قائداعظم محمد علی جناح کے اس فرمان کا اردو ترجمہ مسلسل چھتیس سال سے غلط کیا جاتا رہا چنانچہ وفاقی حکومت نے 13 جنوری 1983ء کو ایک نوٹیفکیشن جاری کیا اس میں کہا گیا:

''قائداعظم کے مقولے فیتھ، یونٹی اور ڈسپلن کا صحیح اردو ترجمہ ایمان، اتحاد اور تنظیم ہے۔''

فیڈریشن اسکیم

(دیکھئے: اہم قومی مطالبات)



قائداعظم محمد علی جناحؒ، صدر "ریسپشن کمیٹی" جناب عبدالمالک اور لیاقت علی خان کے ہمراہ۔ مدراس 1941ء

فیروز شاہ، محمد

قائداعظم محمد علی جناح کو محمد فیروز شاہ نے ان الفاظ میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

تھل کی بے مہر مسافت میں وہ ٹھنڈی چھاؤں جیسا ہے
اس کی یادوں کا زاد سفر ماؤں کی دعاؤں جیسا ہے
اک خواب گلاب زمانوں کا اس نے نقشے پر نقش کیا
اس کی خوشبو سے اب عالم مخمور فضاؤں جیسا ہے
اس نے ہی بصیرت بخشی تھی بے نور بصارت کو آکر
اب اس سے بچھڑ کر آنکھ نگر اجڑے ہوئے گاؤں جیسا ہے
اک ہم ہیں کہ بازو کٹوا کر شاداں فرحاں سے پھرتے ہیں
اک وہ ہے کہ اب اس کا چہرہ دل گیر صداؤں جیسا ہے
وہ ساتھ رہے تو ہر موسم فیروز گلابوں جیسا ہے

محمد فیروز شاہ 15 دسمبر 1952ء کو میانوالی میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ایم اے اردو اور ایم ایڈ کا امتحان پاس کر کے تدریس کے پیشے کو اختیار کیا۔ سحر ستارہ کے نام سے محمد فیروز شاہ کے فن اور شخصیت پر ملک کے مقتدر اہل قلم کی تحریروں پر مشتمل کتاب شائع ہو چکی ہے۔

فیصل آباد (لائل پور)

قائداعظم محمد علی جناح 18 نومبر 1942ء کو مسلم لیگ صوبائی کانفرنس میں شرکت کرنے کے لیے فیصل آباد (لائل پورؒ) تشریف لائے۔ اس تاریخی کانفرنس کی صدارت کے لیے خواجہ ناظم الدین کو مدعو کیا گیا۔ میاں عبدالباری صدر استقبالیہ، چودھری عزیزالدین، راجا نادر خان، میاں نوراللہ سابق ایم پی اے، میاں عبدالحمید اختر ایڈووکیٹ، خلیق قریشی اور خان ایوب سرور نے تمام انتظامات کیے۔ مصارف سے عہدہ برا ہونے کے لیے ایک نیم سرکاری اخبار کے مدیر رمضان سرور نے ڈپٹی کمشنر خواجہ عبدالرحیم اور افسر مال ملک عبدالقدوس سے 50 ہزار روپے لیے۔ جلسہ اقبال پارک (دھوبی گھاٹ) میں ہوا۔ میاں عبدالحمید اختر نے پنڈال تیار کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح، خواجہ ناظم الدین، محترمہ فاطمہ جناح اور خان لیاقت علی خان کی اقامت گاہ چنیوٹ بازار سے باہر کرنل حیات خاں کے بنگلہ میں تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح سٹیشن سے باہر آئے تو انہیں 21 توپوں کی سلامی دی گئی۔ بعدازاں انہیں بگھی پر بٹھایا گیا۔ ان کی ایک جانب محترمہ فاطمہ جناح، دوسری جانب خواجہ ناظم الدین، دوسرے اطراف میں رکھے گئے صوفوں پر خاں لیاقت علی خان، میاں عبدالباری اور میر خلیل الرحمان بیٹھے تھے۔ عقب میں نواب صدیق علی خان اور احمد نواز پاشا برہنہ تلواریں لیے کھڑے تھے۔ مسلم لیگ نیشنل گارڈز اور قائداعظم محمد علی جناح کے پیچھے کاروں میں سردار عبدالرب نشتر، راجا غضنفر علی خان، راجا صاحب محمود آباد، نواب سر محمد اسماعیل خان، آئی آئی چندریگر، نواب سر یامین خان، سردار اورنگ زیب خان، عبداللہ ہارون، یوسف ہارون، لال میاں، مولانا عبدالستار نیازی، شیخ خورشید احمد، زیڈ اے سلہری، حمید نظامی، میاں محمد شفیع تھے۔

لائل پور (فیصل آباد) کی معروف شخصیت لالہ بھگت رام چاننا نے قائداعظم محمد علی جناح کو طلائی ہار پہنایا۔ ریل بازار کے سرے پر اور گھنٹہ گھر کے قریب کشمیر ہاؤس کے مالک شیخ فیروز الدین نے قائداعظم محمد علی جناح پر پھول نچھاور کیے اور پانچ سو روپے کا ہار پیش کیا۔ متعدد ہندو تاجروں نے بھی استقبال کیا۔ فضا قائداعظم زندہ باد کے نعروں سے گونج رہی تھی۔

اس تاریخی کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''مجھے اہل دیہات کی غربت اور مفلوک الحالی دیکھ کر بڑا رنج ہوتا ہے۔ میں نے سفر کے دوران جب

ریلوے اسٹیشن پر پنجاب کے دیہاتی مسلمانوں کے گروہ دیکھے تو مجھے ان کی افلاس سے سخت دکھ ہوا۔ پاکستان کی حکومت کا سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ ان لوگوں کا معیار زندگی بلند کرے اور زندگی بلکہ بہتر زندگی سے شادکام ہونے کا سامان بہم پہنچائے۔

میں اب پاکستان کو معرض وجود میں آتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پاکستان اب ایک ٹھوس اور اٹل حقیقت بن چکا ہے۔ مسلم لیگ کا پرچم سبز کپڑے کا ٹکڑا ہی نہیں بلکہ پاکستان کی امنگوں اور تمناؤں کا نقیب ہے۔ پاکستان بن کے رہے گا۔ لائل پور (فیصل آباد) اس کا عظیم شہر ہوگا۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے دو ایک کلمات اردو میں بھی کہے۔ مگر انہوں نے اردو پر دسترس نہ رکھنے کے باعث اپنی تقریر انگریزی میں مکمل کی۔ مجمع پر گہرا سکوت طاری تھا اور یوں لگتا تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح کے ارشادات کا مفہوم عام دیہاتی بھی سمجھ رہے تھے۔

فیصلہ کن گھڑی

(دیکھئے: اعلانِ لاہور)

فیض طیب جی

ستمبر 1931ء میں مسلم نوجوانوں کا ایک جلسہ یونین ہال بمبئی میں منعقد ہوا تو اس جلسے کی صدارت مسٹر فیض جی طیب جی نے کی۔ اس جلسہ سے قائداعظم محمد علی جناح نے سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"ہم تنظیم کے زمانہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری آواز سنی جائے اور اس کا کچھ اثر ہو تو چاہئے کہ ہم اپنے آپ کو منظم کریں۔ مسلمانوں کو اپنی تنظیم کرنے کا مشورہ دینے سے بعض لوگ یہ خیال کریں گے کہ میرا مقصد ہندوؤں سے جنگ کرنا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ میں مسلمانوں کی تنظیم کی خواہش اس لیے کرتا ہوں کہ ان کی آواز تحریک میں یقینی طور پر اثر پیدا کر سکے، اور اس قدر طاقت ور ہو کہ اس کا احترام کیا جائے۔ میں ہمیشہ اس بات پر زور دیتا رہا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ نوجوان اسے ذہن نشین کر لیں گے۔ میں نے اپنے ہم عصروں کے ساتھ اس کے متعلق گفتگو کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ مجھے خوشی ہے کہ نوجوان اب بیدار ہو رہے ہیں۔"

فیض محمد

وہ سالار صوبہ سرحد مسلم لیگ نیشنل گارڈ تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں 27 نومبر 1945ء کو یہ خط ارسال کیا۔

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ
مالابار ہل بمبئی
27 نومبر 1945ء

ڈیئر مسٹر فیض محمد!

میں کانفرنس میں آپ سب کی ان شاندار خدمات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو مختلف اجلاسوں میں بڑے منظم طریقے سے کام کرنے اور ان اجتماعات کے موقعوں پر جو میرے لیے ترتیب دیے گئے تھے پر کی گئیں۔

میں تمہاری ذہانت اور اچھے ڈسپلن کی داد دیتا ہوں اور تمہارے ساتھیوں کی خدمات کو خود مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملا۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ اسی جذبے سے اور نظم و ضبط سے نیشنل گارڈ کو منظم رکھیں گے۔ جو ہماری قوم کے لیے ایک اعزاز ہے۔ میں آپ کی کامیابی کا خواہش مند ہوں۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

ق

قاتلانہ حملہ

قائداعظم محمد علی جناح پر 26 جولائی 1943ء کو مزنگ لاہور کے رفیق صابر مزنگوی نے قاتلانہ حملہ کیا۔

(نیز دیکھئے: رفیق صابر مزنگوی)

قادری، افضال حسین ڈاکٹر

وہ تحریک پاکستان کے رہنما تھے۔ افضال حسین قادری نے 10 اگست 1942ء کو 9 ذکاء اللہ روڈ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ایک خط لکھا:

قادری جناح مراسلت

میرے محترم قائداعظم!

السلام علیکم! مجھے یہ دیکھ کر نہایت رنج ہوا کہ ڈاکٹر عبداللطیف نے اس نازک وقت پر بھی مسلمانوں کے ساتھ غداری کی۔ ان کا حالیہ بیان ان کی جان بوجھ کر غداری اور فریب کاری کے مترادف ہے۔ میں ان کو ذاتی طور پر جانتا ہوں اور ہمیشہ شبہ کرتا رہا ہوں کہ کچھ کانگریسی لیڈروں کے ساتھ ان کی ملی بھگت سے تصور پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے کانگریس انہیں استعمال کر رہی ہے لیکن ایسی تمام کوششیں ناکام ہو جائیں گی اور اللہ کے فضل و کرم سے حصول پاکستان کی تحریک میں ہمیں ضرور کامیابی حاصل ہوگی۔ ہم سب بصد شوق یہ چاہتے ہیں کہ اپنا سب کچھ جدوجہد پاکستان کی نذر کر دیں۔ ہمارے لیے اس سے بڑھ کر لافانی افتخار کی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم خود کو عظیم الشان پاکستان کی بنیادوں میں دفن کر دیں۔

کانگریس نے مسلمانوں کے ساتھ مفاہمت سے صاف انکار کر دیا ہے۔ اب اس کا کوئی امکان باقی نہیں رہا، لہٰذا مسلم ہندوستان کو اپنا لائحہ عمل خود مرتب کرنا ہوگا۔ قیام پاکستان کے لیے ہمہ گیر جدوجہد شروع کر دینا چاہئے۔

امید ہے کہ آپ ڈاکٹر عبداللطیف کے بارے میں میرے اس بیان کی منظوری دیں گے جو خط کے ساتھ ہی منسلک ہے۔

بہترین تمناؤں اور عقیدتوں کے ساتھ

آپ کا مخلص خادم ہونے پر فخر مند

محمد افضال حسین قادری

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل بمبئی

23 اگست 1942ء

ڈیئر مسٹر قادری!

آپ کے 10 اگست کے خط کا بہت بہت شکریہ، جو کچھ آپ نے تحریر کیا ہے میں نے اس کا بغور مطالعہ کیا۔ اس ضمن میں مجلس عاملہ ایک قرارداد منظور کر چکی ہے، جو اب تک آپ نے بھی پڑھ لی ہوگی۔ توقع ہے کہ ہم مسلمانانِ ہند کے جذبات، احساسات اور ان کی رائے کی ترجمانی کرنے میں کامیاب رہے ہوں گے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

افضال حسین قادری 1912ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے 1932ء میں ایم ایس سی اور 1936ء میں حشرات الارض کے موضوع پر ڈاکٹریٹ آف فلاسفی کی ڈگری لی، پھر 1938ء میں کیمبرج سے اعزاز کے ساتھ دوبارہ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

کیمبرج یونیورسٹی میں انہوں نے حصول پاکستان کے سلسلے میں اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔ وہیں ان کی ملاقات چودھری رحمت علی سے ہوئی۔

قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد انہوں نے اپنی تمام تر خدمات مسلم لیگ کے لیے وقف کر دیں۔ کانگریس کی تعلیمی پالیسی واردھا سکیم کا مطالعہ کر کے مختلف نکات پر شدید تنقید کی۔ اس ضمن میں انہوں نے کتابچہ بھی لکھا۔

قیام پاکستان کے بعد افضال حسین ابتداء میں جنگلات کے تحقیقی ادارے سے منسلک رہے۔ افضال حسین قادری پھر کراچی یونیورسٹی کے ڈیپارٹمنٹ آف زوالوجی کے چیئرمین مقرر ہوئے، اور وفات تک اسی ادارے سے وابستہ رہے۔ ان کی وفات 1974ء میں ہوئی۔

قاضی عبدالمنان

وہ سندھ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کیمپ حیدرآباد کے سیکرٹری تھے۔ قاضی عبدالمنان نے قائداعظم محمد علی جناح کو 1943ء میں ایک خط کے ذریعے حیدرآباد آنے کی دعوت دی اور لکھا:

> ''میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ حیدرآباد کے مسلم طلباء میں خصوصی اور سندھ کے طلباء میں عموماً سیاسی شعور پیدا کروں۔ اللہ کا شکر ہے کہ سندھ کے مسلمان طلباء اب بیدار ہو چکے ہیں، آپ جب بھی حکم فرمائیں گے وہ پاکستان کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے تیار رہیں گے۔''

22 جون 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں اس خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

سی فیلڈ وکٹوریہ روڈ کراچی

22 جون 1943ء

جناب عالی!

مجھے افسوس ہے کہ میری مصروفیات کے لیے وقت متعین ہے، اور میں امید کرتا ہوں کہ جب آئندہ میں دسمبر میں آؤں گا تو آپ سے ملاقات کر سکوں گا۔ دریں اثناء مجھے خوشی ہے کہ آپ حیدرآباد سندھ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کو منظم کر رہے ہیں۔ چنانچہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ مجھے اس مرتبہ آپ سے ملاقات کا موقع نہیں ملے گا، کیونکہ میں کوئٹہ جا رہا ہوں۔

آپ کا نیازمند

ایم اے جناح

قاضی عیسیٰ، محمد

وہ قائداعظم محمد علی جناح کے قریبی ساتھی اور تحریک پاکستان کے رہنما تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی پہلی ملاقات 1939ء میں دوپہر کے کھانے سے شام 7 بجے تک رہی۔ انہوں نے 2 فروری 1967ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر کہا:

> ''قائد کی سوانح عمری ان کے رفیقوں سے مرتب کرائی جائے۔''

(نیز دیکھئے: عیسیٰ قاضی)

قالین

قائداعظم محمد علی جناح کو قالین جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ یہ شوق آپ اس زمانے میں بھی پورا کرتے تھے جب آپ کے معاشی حالات ناگفتہ بہ تھے۔ مگر انتہائی شوق کے باوجود آپ

قالینوں کے معاملے میں جذباتی ہرگز نہیں تھے۔ آپ قالین استعمال کے لیے خریدتے تھے اور کوئی شخص باتیں بنا کر آپ سے آپ کے پسندیدہ قالین کی قیمت ہرگز زیادہ وصول نہیں کر سکتا تھا۔

ایرانی قالینوں پر آپ کی نظر فوراً پڑتی، اور آپ کی مشاق نظر آن کی آن میں ان کی قیمت کا اندازہ لگا لیتی۔ اس لیے کسی قالین فروش کی یہ مجال نہ تھی کہ محض زیادہ قیمت وصول کرنے کے خیال میں آپ کے پاس آتا۔

ایک مرتبہ ایک قالین فروش نہایت نفیس ایرانی قالین لے کر آیا اور قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قائداعظم نے سارے قالین اپنی کوٹھی کے سامنے سبزہ پر بچھوا دیے، سورج کی شوخ کرنوں نے ایرانی صنعت کے ان بیش بہا نمونوں کی چمک دمک میں اور بھی اضافہ کر دیا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی باریک بین نظر نے ان میں سے ایک کی صحیح قیمت کا اندازہ لگا لیا۔

قانون دان

◆ ۱ ایک قانون دان کی حیثیت سے قائداعظم محمد علی جناح کی بے نظیر کامیابیوں کی تاریخ لاینحل معمہ بن گئی تھی۔ شاید وہ ہندوستان پر انگریزی راج کی پوری مدت کے سب سے بڑے ''مقامی'' ایڈووکیٹ تھے۔ اس حقیقت سے تو کسی کو انکار نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے آخری عشرہ میں برٹش ایمپائر کے ذہین ترین قانون دان تھے، وہ یقیناً آہنی عزم کے مالک تھے۔ انہیں برطانیہ میں جنم لینے والے اس قدر وکیلوں سے ٹکر لینا پڑی، جس قدر ہندوستانی بیرسٹروں کا مقابلہ کرنا پڑا۔

انہوں نے پاکستان کے لیے تنہا ذہن سے سوچے ہوئے دلائل کے بل پر سب کو شکست دی، ان کی ساری زندگی ایک اور صرف ایک مقصد کے حصول میں گزر گئی۔ آفرین ہے ان کی قوت استدلال پر کہ اپنا مقدمہ جیت کر انہوں نے جنوبی ایشیاء کا نقشہ اور تاریخ کے دھارے کا رخ بدل دیا۔

◆ ۲ قائداعظم محمد علی جناح قانون دان تھے اور قانون کا احترام ان کے نزدیک سب سے اہم تھا۔ وہ انگریزی حکومت کے دوران بھی کسی کو اس بات کی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کرے۔ انہوں نے قانون کے اندر رہتے ہوئے اپنی جدوجہد کی۔ گاندھی تمام عمر قانون شکنی کی تحریکیں چلاتے رہے۔ ہزار ہا لوگ جیلوں میں گئے۔ انہوں نے تحریک پاکستان کو آئین و قانون کی حدود کے اندر رکھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے وکالت کے مقدس پیشے کا ہر لحہ احترام کیا اور مشکلات کے باوجود خود کو دوسرے لوگوں کی طرح نہ گرایا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ جب بمبئی میں انہوں نے وکالت کے پیشے کا آغاز کیا تو ابتداء میں انہیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ آمدنی کا کوئی صحیح ذریعہ نہیں تھا۔ عدالتی دلال روزانہ ان کے پاس آ کر کہتے:

''اگر آپ ہمیں فیس میں حصہ دینا قبول کر لیں تو ہم آپ کو زیادہ سے زیادہ مقدمے دلوا سکتے ہیں۔''

لیکن ہر بار قائداعظم محمد علی جناح کا جواب نفی میں تھا۔

وہ عدالت میں بحث کے وقت ایک خاص انداز سے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ اپنا اکا (مونوکل) آنکھ پر لگاتے اور پھر اطمینان سے جج سے بحث کرتے۔ جب وہ بولتے تو ساری عدالت پر چھا جاتے کہ عدالت بھی دم بخود نظر آتی۔

ایک دفعہ ان کے سولسٹر (موکلوں کا قانونی مشورہ دینے والے) نے ایک موکل ان کے پاس یہ کہہ کر بھیجا:

''اس کے پاس مقدمے کے لیے زیادہ روپیہ نہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مقدمہ لے لیا وہ ہار گئے لیکن انہیں یقین تھا کہ مقدمے میں جان ہے، لہٰذا انہوں نے مشورہ دیا کہ اپیل کی جائے۔ سولسٹر نے پھر انہیں یاد دلایا:

''موکل کے پاس پیسے نہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے سولسٹر سے کہا:

''اپیل دائر کرنے کے اخراجات کا کچھ حصہ وہ اپنی جیب سے دے''

اور خود مفت مقدمہ لڑنے کا وعدہ کیا۔

اپیل میں وہ جیت گئے لیکن جب سولسٹر نے انہیں فیس دلوانا چاہی تو قائداعظم محمد علی جناح نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا:

''میں نے مقدمہ بغیر فیس کے لڑا تھا۔''

ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح بار بار ایک نکتہ جج کو ذہن نشین کروانے کی کوشش میں تھے، جبکہ جج اس نکتے کو اہمیت نہ دیتے ہوئے اگلے نکتے سننا چاہتا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح اسی نکتے پر اصرار کرتے رہے تو جج نے کہا:

''مسٹر جناح آپ شوق سے اس نکتے کی وضاحت کیجئے۔ میں اسے ایک کان سے سن رہا ہوں اور دوسرے کان سے اڑاتا جا رہا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''حضور والا! میں جانتا ہوں کہ آپ کے دونوں کانوں کے درمیان ایسی کوئی چیز نہیں جہاں کوئی نکتہ ٹھہر سکے۔ پھر بھی میں اپنی کوشش جاری رکھوں گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے زندگی کے ابتدائی دور میں یعنی 1912ء میں جنوبی افریقہ کے صوبہ نٹال میں آباد ہندوستانیوں کی حالت زار پر جس جرأت سے ایک قرارداد پر اظہار خیال کیا وہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ انہوں نے ان ہندوستانیوں کے ساتھ جاری سلوک کو ظلم و جبر سے تعبیر کیا، اور اس مسئلے پر سنٹرل لیجسلیٹو کونسل کے صدر لارڈ منٹو کی شدید مخالفت کی۔ کونسل میں انہوں نے جو تقریر کی اس کا ایک حصہ یہ ہے:

''مائی لارڈ! کونسل میں جو قرارداد پیش کی گئی ہے میں اس کی تائید کرتا ہوں۔ قرارداد کے محرک نے غیر مبہم طریقے سے نپے تلے الفاظ میں جس طرح مسئلہ پیش کیا ہے اس کے بعد کسی اور کے لیے کہنے کو بہت کم رہ گیا ہے، لیکن سوال کی اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم میں سے کچھ افراد کو اس قرارداد پر اظہار خیال کرنا چاہئے۔ میں بات ہی یہاں سے شروع کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بہت ہی درد انگیز سوال ہے کیوں کہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے خلاف جو ظلم و تشدد ہوا ہے اس سے ہندوستان کے تمام طبقوں کے جذبات شدید مجروح ہوئے ہیں، اور ان میں زبردست اشتعال پایا جاتا ہے۔''

اس موقع پر لارڈ منٹو نے کہا:

''معزز رکن (محمد علی جناح) کو یہ بات یاد دلانا چاہتا ہوں کہ وہ اس وقت سلطنت انگلستان کے ایک دوست خطے (جنوبی افریقہ) کے بارے میں اظہار خیال کر رہے ہیں۔ انہوں نے جو لفظ ظلم استعمال کیا ہے وہ بہت سخت ہے اس لیے انہیں حالات کو ملحوظ رکھ کر مناسب زبان استعمال کرنی چاہیے۔''

اس کے بعد انہوں نے پھر تقریر شروع کی اور کہا:

''میں تو اس سے بھی زیادہ سخت زبان استعمال کرنے کے جذبات رکھتا ہوں تاہم اس کونسل کی تشکیل کا بھی مجھے احساس ہے، اور ایک لمحے کے لیے بھی تجاوز نہیں کرنا چاہتا۔''

اسی طرح اپریل 1912ء میں جب مسٹر گوکھلے نے ایلیمنٹری ایجوکیشن بل پیش کیا تو قائداعظم محمد علی جناح کا ان ارکان سے تصادم ہوا جو تعلیم کے خلاف تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کونسل کے رکن نواب عبدالمجید پر برس پڑے جنہوں نے تعلیم کو فروغ دینے کی شدید مخالفت کرتے ہوئے بل پر لایعنی

اعتراضات کیے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:
''میرے دوست نواب عبدالمجید نے کہا ہے کہ پھر ہڑتالیں ہوں گی اور ہمارے درمیان سوشلسٹ ہوں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ عزت مآب نواب مجید نے سیاسی خطرات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم لوگوں کو تعلیم دو گے تو وہ ایجی ٹیٹر بن جائیں گے۔ میں نہایت دیانت داری سے حکومت سے کہتا ہوں کہ مملکت کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ حکومت اور اس کے اقدامات پر بے تکلفی اور آزادی سے تنقید کرے۔ مجھے یہ بھی کہنے دیجئے کہ حکومت کو اس ملک میں اپنے لیے دوست اگر کہیں سے مل سکتے ہیں تو وہ صرف تعلیم یافتہ طبقے ہی سے مل سکتے ہیں لیکن میرے ان الفاظ کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ میں برطانوی حکومت سے محبت کرتا ہوں حالانکہ ہمیں اپنے ملک سے زیادہ محبت ہے۔ ہم حکومت پر تنقید کرتے ہیں۔ ہم حکومت سے کہتے ہیں کہ آپ غلط راستے پر گامزن ہیں۔ اگر کسی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ چونکہ غلط ہیں لہٰذا غلطی کرتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ صاف ستھری اور آزادانہ تنقید بغاوت نہیں ہے۔''

قانون شکنی

قائداعظم محمد علی جناح نے 31 جولائی 1946ء کو مسلم لیگ کی طرف سے قانون شکنی کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا:
''ہم سمجھوتے کے لیے بہترین کوششیں کر چکے ہیں۔ اب اگر مزید کوئی اقدام ہونا ہے تو وہ برطانی حکومت یا کانگریس کی طرف سے ہونا چاہیے۔''
پریس کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے فیصلے پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ امر واضح کیا:
''براہِ راست اقدام کا فیصلہ کسی کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہے ریزولیوشن مذکور محض ایک بیان ہے، جس میں وہ کارروائی ظاہر کی گئی ہے جسے ہم اپنے وجود کے بقاوتحفظ کے لیے اختیار کرنا چاہتے ہیں۔
کانگریس نے وزارتی مشن کے 16 مئی کے بیان کو قبول کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ مشروط ہے اور اس وجہ سے مسترد کرنے یا زیادہ صحیح یہ کہ جوابی پیش کش کے برابر ہے۔
کانگریس خفیہ طور پر ایسی تحریک شروع کرنے کی زبردست تیاریاں کر رہی ہیں جو 1942 کی تحریک سے بھی زیادہ خطرناک ہو گی اور اس کے لیے کانگریسیوں کو خفیہ ہدایات بھیج دی گئی ہیں۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے آزاد ہند فوج کے لوگوں سے مدد لی جا رہی ہے۔
ایسی صورت میں جب کہ برطانوی حکومت اور کانگریس دونوں اپنے اپنے طریقہ پر مسلح ہیں۔ ایک کے پاس آتشیں اسلحہ ہے اور دوسرے کے پاس تحریک عوامی کی دھمکیاں۔ مسلم لیگ نے محسوس کیا کہ اس وقت کی سخت ضرورت ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے طور پر اپنی قوت کو مجتمع کرے، چنانچہ پاکستان کے مطالبہ کو پورا کرانے کے لیے وہ بھی تیار ہو گئی ہے۔
ہم جانتے ہیں کہ کانگریس نے 16 مئی کے بیان کی اسکیم کو منظور نہیں کیا ہے اور یہ صدر کانگریس کے مکتوب مورخہ 25 جون کے فیصلے میں شامل ہے اور جس سے اس کو مزید تقویت پہنچتی ہے، پھر 17 جولائی

کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے اس کی تائید بھی کر دی ہے اور سابق و موجودہ صدر کانگریس اور دوسرے چوٹی کے کانگریسی لیڈروں نے اپنی تقریروں میں اُسے بالکل پاک صاف کر دیا لہٰذا قدرتی طور پر ہم نے سوچا کہ یہ صورت حال کس قدر سنگین ہے، اسی اثناء میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے خاتمہ کے بعد پنڈت جواہر لال نہرو نے 10 جولائی کو یہ بات واضح کر دی کہ کانگریس کسی چیز کی بھی پابند نہیں ہے۔ اُنہوں نے کہا:

"کانگریس دستور ساز اسمبلی کو آزاد و خود مختار بنانے کے لیے اس میں شرکت کر رہی ہے۔"

"بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ ہم دستور ساز اسمبلی کے مخالف ہیں۔ حقیقت میں ہمارا مطالبہ یہ رہا ہے کہ آزاد خود مختار دستور ساز اسمبلیاں قائم کی جائیں، اور اگر ایک آزاد، خود مختار دستور ساز اسمبلی ہو گی تو ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ایک قوم کی اکثریت اپنی کثرتِ تعداد کی بنا پر جس کا تناسب 1:3 ہے دوسری قوم کی اکثریت پر اپنے فیصلوں کو مسلط کرے گی۔ طویل المدت اسکیم سے مطمئن نہیں ہیں۔ ہمارے نقطۂ نظر کے بہ نسبت دراصل کانگریس کے نقطۂ نظر کے بہت زیادہ موافق ہے۔ سوال صرف یہ تھا کہ اُسے قبول کیا جائے یا نہ کیا جائے ہم نے اسے قبول کر لیا ہے، جو کچھ میں پہلے کہہ چکا ہوں اُسے پھر دہراتا ہوں کہ ہم نے اُسے پورے علم وقوف کے ساتھ بغیر کسی تذبذب کے قبول کیا تھا، مگر کیوں کیا تھا۔

ہم نے محدود پاکستان کو منظور کر کے زبردست قربانی دی، ایسا محدود پاکستان جو دفاع، مواصلات اور خارجی معاملات کے اختیار سے بھی محروم تھا، اس لیے کہ ہمارے پیش نظر ہندوستان میں بسنے والے ہر فرقہ کی فلاح تھی اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس سے کم سے کم مدت میں ہم غیر ملکی اقتدار سے آزاد ہو جائیں گے اور ہم سب کی گلو خلاصی ہو جائے گی۔ ہم نے جو کچھ کیا پوری طرح سوچ سمجھ کر کیا اور یہ اس کے قبول کرنے کا ایک سبب تھا۔

دوسرا سبب یہ تھا کہ ہم نے سوچا کہ اگر ہمیں قربانی بھی دینا پڑے تو یہ سب کچھ لڑائی جھگڑے وخونریزی اور جمود و تعطل کے سدباب کے لیے کرنا چاہیے۔ ہم نے خیال کیا پُر امن اور دوستانہ تصفیہ زیادہ قیمتی ہے چنانچہ ہم نے رضا کارانہ طور پر مرکزی یونین کو تینوں اختیارات تفویض کر دیے۔

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جب ہم نے یہ فیصلہ کر لیا تو وزارتی مشن اور وائسرائے 16 جون کے بیان کے سلسلہ میں اپنے عہد سے دس دن کے اندر پھر گئے، حالانکہ اعلان یہ کیا تھا کہ یہ بیان واقعی اور فیصلہ کُن ہے۔ اُنہوں نے اس کے پیراگراف نمبر 8 کو بد دیانتی کے ساتھ خلاف حقیقت معنی پہنائے اور اَب میں دیکھتا ہوں کہ اُنہوں نے ایک نئے لفظ کا انکشاف کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تجاویز کی مدت ختم ہو گئی۔ کیوں ہو گئی اس لیے نہیں کہ مسلم لیگ نے بیان مذکور کو قبول نہیں کیا بلکہ اس لیے کہ کانگریس نے 16 مئی کے بیان کو منظور کیا۔

وزارتی مشن کے ارکان اور وائسرائے جیسے تجربہ کار آدمی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ قبولیت ہے مگر میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اُنہوں نے ایسا کیوں سمجھا محض اس لیے کہ ڈوبتے کو تنکے کے سہارے کی ضرورت ہوتی

ہے۔ اُنہوں نے برطانوی پارلیمنٹ اور دنیا کو دھوکا دیا۔
وزارتی مشن ہمارے اعتماد کو متزلزل کر چکا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ وہ کانگریس کی دھمکیوں جو گفت وشنید کے دوران میں وہ دیتی رہی ہے سے مرعوب و مجبور ہو کر اس کے سامنے جھک گیا ہے۔
کانگریس عام سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کے لیے اپنے آپ کو منظم کر رہی ہے پوری تیزی کے ساتھ تیاریاں ہو رہی ہیں۔ آزاد ہند فوج کے آدمی بلائے جا رہے ہیں۔ ان کو بھرتی کیا جا رہا ہے۔ ان کی مالی امداد کی جا رہی ہے اور تمام ملک میں انہیں بھیجا جا رہا ہے۔ مختلف دوسری جماعتیں مقرر اور قائم ہو چکی ہیں اور وہ ضروری قواعد اور جسمانی تربیت کا کام کر رہی ہیں، موقع بہ موقع ہر شخص سے کہا جا رہا ہے کہ اگر ہمارے مقصد کے حصول میں رکاوٹ پیدا کی گئی تو ہم جدوجہد شروع کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں جو 1942ء کی جدوجہد سے ہزار گنا سخت ہوگی۔
صرف مسلم لیگ ایک ایسی جماعت ہے جو نہایت احتیاط کے ساتھ آئینی طریقہ پر قائم اور آئینی طریقے اختیار کرتی اور آئین پسندی پر اعتماد کرتی چلی آئی ہے، لہٰذا ظاہر ہے کہ اس کانفرنس میں اور گفت وشنید میں آئین پسندی اور آئینی طریقوں سے اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے رہے مگر ہم نے دیکھا کہ برطانوی مشن وائسرائے اور برطانوی حکومت کے سر پر کانگریس کی دھمکیوں کی تلوار لٹکی ہوئی ہے اور اس پر اس کا جادو چل رہا ہے اور اُنہوں نے یہ سمجھا کہ اگر کانگریس کو ٹھنڈا نہیں کیا گیا تو یہ ایسی جدوجہد شروع کر دے گی۔ جو 42ء کی جدوجہد سے ہزار گنا زیادہ سخت ہوگی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اس طرح بیٹھے رہیں اور ہاتھ پیر بندھے رہیں۔ برطانیہ کے پاس مشین گنیں ہیں اور وہ اپنی قوت کو جس طرح چاہیں تعمیر کریں کوئی عدالت نہیں جہاں ہم اس کے خلاف اپیل کریں وہ اپنے قول وعمل میں آزاد و مختار ہے، دوسری پارٹی کانگریس ہے وہ پوری طرح دوسری قسم کے ہتھیار کو استعمال کرے گی، دشمن کو معمولی اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لیے اب ہم اپنے حفظ بقا کے لیے آئینی طریقوں کو خدا حافظ کہنے پر مجبور ہیں اور اب ہم نے یہ طے کیا ہے کہ براہِ راست اقدام کی تیاریاں اور عمل ہماری پالیسی و پروگرام کا جزو ہوگا۔
کانگریس سرکاری دستاویز کے متعلق اپنی تعبیر کو آسام اسمبلی کی کانگریس پارٹی کو یہ ہدایت دے کر عملی جامہ پہنا چکی ہے۔ ایوان اسمبلی میں یہ تجویز منظور کی جائے کہ صوبوں کی گروپ بندی سے آسام کو کوئی سروکار نہیں ہوگا، کانگریس ہائی کمانڈ کی حاکمیت کے ماتحت آسام اسمبلی کی یہ قطعی اور واضح کارروائی ہے۔
وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس نے 16 مئی کی نشری تقریر میں کہا کہ مشن تجاویز پاکستان کے فوائد کے نقصانات سے محفوظ رہتے ہوئے ممکن بناتی ہیں اور تمام جماعتوں کے ہندوستانیوں کو دعوت دی تھی کہ وہ دستور سازی کے کام میں حصہ لیں۔ مسلم لیگ نے بھی سمجھا تھا کہ گروپ بی اور سی سے مرکزی یونین کے اختیارات انہی تینوں مضامین میں سے نکال کر پاکستان بن جائے گا اور وہ اس پر رضامند ہو گئے کہ دس سال تک مرکزی یونین کے اختیارات انہی تینوں مضامین تک رہیں گے، لیکن پنڈت نہرو نے اُسی وقت سے یہ واضح کر دیا کہ کانگریس اپنے آپ کو

صرف ان تینوں مضامین تک محدود رکھنے کی پابند نہیں ہے بلکہ مرکزی یونین کے اختیارات اور اس کی طاقت کو وسیع کرنے کی اُسے آزادی ہوگی۔''

مسلم لیگ کے ریزولیوشن پر غیر ملکی اخبارات کے ردِ عمل کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں برطانوی اخبارات سے یہ توقع نہیں کرسکتا کہ وہ کہیں گے کہ مشن عہد شکنی کے جرم کا مجرم ہے۔ اُن کا تبصرہ قدرتی طور پر یہ ہونا چاہیے تھا کہ مسلم لیگ کا فیصلہ سنگین ہے اور ہے بھی، میرا خیال ہے کہ یہ چیز اصل حالات سے ناواقفیت کے سبب سے ہے جب کچھ اخبارات جمہوریت کے چرچے کرتے ہیں تو وہ ہندوستان کے حقائق کو بھول جاتے ہیں۔ اگر ہندوستان ایک ایسا ملک ہوتا جس کے تمام حصے یکساں ہوتے اور ایک قوم آباد ہوتی تو جمہوریت کی گفتگو کی گنجائش تھی لیکن ہندوستان برکوچک ہے، جس میں مختلف قومیں رہتی ہیں اور اس کا اعتراف لارڈ پیتھک لارنس نے پارلیمنٹ کے حالیہ مباحثہ میں کیا ہے اور یہی ہماری ساری تکلیفوں کی جڑ ہے۔ جب ملک میں دو یا دو سے زیادہ قومیں آباد ہوں تو جمہوریت کی گفتگو کس طرح کی جاسکتی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اکثریت والی قوم دوسری قوم کے لیے ہر معاملہ کا فیصلہ کرے گی۔ خواہ وہ اس کے خلاف کیسی ہی متفق الرائے اور ہم آواز ہو۔ اگر تمام مسلمان یہ کہیں کہ ہم اس کو منظور نہیں کرتے جب بھی اکثریت کا فیصلہ مسلمانوں پر مسلط ہو جائے گا کیونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں تناسب تین ایک کا ہے۔ اگر ایک قوم ہوتی تو کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔ ان دونوں قوموں کو مغربی جمہوریت سے جانچا جاسکتا ہے۔''

جب آپ سے پوچھا گیا کہ مسلم لیگ دوسری مخالف سامراج جماعتوں مثلاً کانگریس سے اشتراک عمل کرے گی تو آپ نے فرمایا:

''کانگریس کی براہِ راست کارروائی برطانیہ کے خلاف نہیں ہوتی۔ مختلف مواقع پر کانگریس نے جو براہ راست کارروائی کی ہے وہ اور 1942ء کی تحریک برطانیہ کو ڈرانے، مرعوب کرنے اور مسلم لیگ کو نظر انداز کر کے اپنے مطالبات تسلیم کرانے کے لیے تھی اور یہی وہ اب بھی کر رہی ہے اور اسی سے وزارتی مشن مرعوب اور خوفزدہ ہوا۔ کانگریس نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ کر چل دے۔ اب وہ کس طرح خود داری کے ساتھ ایسی عارضی حکومت کو منظور کرسکتی ہے جو 1919ء کے آئین کے ماتحت قائم ہوگی، مگر وہ اس کے لیے شملہ میں تیار تھی۔ بشرطیکہ مسلم لیگ کو نظر انداز کر دیا جائے۔''

سوال کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ریزولیشن کے بعد گفت وشنید کا امکان ختم ہوگیا ہے۔ آپ نے جواب دیا:

''باہر دیکھئے دوسری قومیں کیا کررہی ہیں وہ انتہائی طور پر مسلح ہیں یہاں تک کہ ایٹم بم بھی ان کے پاس ہیں۔ مگر کیا وہ بحث وگفتگو نہیں کررہی ہیں اور اسی کے ساتھ جنگی تیاریوں میں بھی مصروف نہیں ہیں۔ کیا حکومت ہند ہر اس جماعت کو جسے وہ چاہے کچلنے کی تیاریاں نہیں کررہی ہے۔ آپ صرف مسلم لیگ سے یہ کیوں چاہتے ہیں کہ وہ ہاتھ باندھے ہی بیٹھی رہے، اور اپنی تیاری نہ کرے مسلم لیگ بھی ہر صورت حال کے لیے تیار رہنا چاہتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح سے سوال کیا گیا:
''مجوزہ براہ راست اقدام تشدد کے ساتھ ہوگا یا بغیر تشدد کیے۔''
تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:
''میں اخلاقی اصولوں پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔''
قائداعظم محمد علی جناح سوال کیا گیا:
''کیا یہ فیصلہ نا قابلِ تنسیخ ہے؟''
آپ نے فرمایا:
''اگر آپ سیاستدان ہیں تو مجھ سے یہ سوال نہیں کریں گے۔''
ایک اور سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا:
''براہِ راست اقدام میں، ہم ہر اس شخص کو اپنے ساتھ شامل کرلیں گے جو ہمارے ساتھ شامل ہونے کو تیار ہوگا۔''
سوال کیا گیا:
''کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ کانگریس سے مفاہمت اور گفت وشنید کا کوئی امکان ہے؟''
آپ نے کہا:
''میں نے اپنی امکان بھر کوشش کرلی ہے۔ اب پہل یا تو برطانوی حکومت کی طرف سے ہونی چاہیے یا کانگریس کی طرف سے۔''
سوال کیا گیا:
''عارضی حکومت کی تشکیل کے سلسلہ میں آپ کو وائسرائے کا کوئی خط موصول ہوا ہے۔''
آپ نے فرمایا:
''ہاں ایک خط موصول ہوا ہے مگر مجھے لکھا گیا کہ یہ بالکل پرائیویٹ ہے۔''
آپ نے اس خط کی نوعیت پر گفتگو کرنے سے انکار کردیا۔

قانون کا احترام

علی گڑھ کالج کے طلباء نے جب ایک شام قائداعظم محمد علی جناح سے اپنے چند اساتذہ کے خلاف شکایت کی تو قائداعظم نے کہا:
''تم دوسروں پر نکتہ چینی اس وقت تک نہیں کر سکتے، جب تک خود قانون کا احترام کرنا نہ سیکھو۔''

قانون کی فوقیت

جنوری 1947ء میں ایک واقعہ پیش آیا۔ سندھ میں مسلم لیگ کی وزارت تھی، سعید اے ہارون نے جونا مارکیٹ میں جلسہ کیا، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے جلسے کے لیے جو آخری وقت مقرر کیا تھا، وہ اس سے پندرہ منٹ متجاوز کر گئے، یہ اجازت نامہ نیشنل گارڈ کراچی کے سالار جناب عثمان افغانی کے نام تھا۔ قانون کی خلاف ورزی پر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے انہیں پچاس روپے جرمانہ کردیا، عدم ادائیگی میں انہیں تین دن قید کاٹنا پڑی۔

سعید اے ہارون نے عثمان افغانی کو جرمانے کی ادائیگی سے روک دیا تھا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ انہیں جیل بھیج دے تو انہیں تحریک چلانے کا بہانہ مل جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، عثمان افغانی کو گرفتار کرلیا گیا، اور ان کی گرفتاری پر نیشنل گارڈ نے احتجاجی جلوس نکالا جو سیکرٹریٹ کے سامنے مظاہرہ کررہا تھا کہ پولیس نے لاٹھی چارج کر دیا، ان کے ذہن میں تھا کہ حکومت مسلم لیگ کی ہے اگر ہم نے پندرہ بیس منٹ زائد لگا دیے ہیں تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

یہی بات وہ وزیراعظم سندھ کو بتانا چاہتے تھے، پولیس کے لاٹھی چارج سے ان کے پندرہ بیس آدمی زخمی ہو گئے، اور سو کے قریب حوالات میں بند کردیے گئے۔ نیشنل گارڈ کے آدمی بہت خوش تھے کہ چلو کچھ تو ہل چل ہوئی۔ اتفاق سے ان دنوں

قائداعظم محمد علی جناح کراچی میں تھے۔ انہوں نے وزیراعظم محمد علی جناح سے لڑکوں کی رہائی کے لیے کہا، اوران سات طلبہ کو جواس ہنگامہ میں سرکردہ تھے اپنے پاس بلایا:

ان میں ایک سعید اے ہارون بھی تھے، قائداعظم محمد علی جناح نے پوچھا:

''تم نے یہ کچھ کیوں کیا؟''

لڑکوں نے جواب دیا:

''ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ہمارے آدمی کو جرمانہ ادا نہ کرنے پر جیل بھیج دیا۔''

یہ سن کر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مجھے معلوم ہے کہ حکومت مسلم لیگ کی ہے، آپ بتائیں کہ جتنے آدمی ٹریفک کی خلاف ورزی کرتے ہیں، انہیں جرمانہ ہوتا ہے، اوروہ ادائیگی کے بعد چلے جاتے ہیں، اگر میں ٹریفک کا سگنل توڑ دوں تو مجھے بھی جرمانہ ہوسکتا ہے۔ جمہوری اور مذہبی معاشرے میں ایسے چھوٹے چھوٹے جرائم پر بھی جرمانے ادا کیے جاتے ہیں۔ بات کا بتنگڑ نہیں بنالیا جاتا، اگر آپ نے قانون کا احترام بچپن میں نہ سیکھا تو آپ کل جوان ہوں گے اور آپ کو حکومت چلانا پڑے گی تو لوگوں سے قانون کا احترام کیسے کراؤ گے۔ یادرکھو! قانون کو بہرحال فوقیت حاصل ہے۔''

قانونی پیشہ (سے متعلق کاغذات)

12 ستمبر 1977ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاءالحق نے سندھ ہائی کورٹ میں قائداعظم محمد علی جناح سے تعلق رکھنے والے بعض پرانے مقدمات اور دیگر قانونی دستاویزات کی نمائش کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر انہوں نے ایک فنڈ قائم کرنے کا اعلان کیا جس سے قائداعظم محمد علی جناح کے نام پر ایک خوبصورت مسجد، ایک اکیڈمی اور ایک مدرسے اور گونگے بہرے بچوں کی تعلیم کے ادارے پر مشتمل کمپلیکس بنانے کا اعلان کیا۔

جنرل محمد ضیاءالحق نے اس فنڈ کے لیے ذاتی عطیہ بھی دیا۔ انہوں نے کہا:

''بابائے قوم جب 16 برس کے تھے۔ انہوں نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے لنکنز اِن کا انتخاب کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ادارے میں قانون کی تعلیم دینے والے افراد میں سب سے اوپر پیغمبر اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام درج ہے۔''

قانونی مشیر

(دیکھیے: قومی کردار)

قاہرہ

◆ ۱ قائداعظم محمد علی جناح جب آخری بار 1946ء میں مذاکرات کے لیے لندن گئے تو ہندوستان واپس آتے ہوئے چند دن کے لیے قاہرہ میں رکے اور وہاں پان اسلامک کانفرنس میں شرکت کی۔

17 دسمبر 1946ء کو مصر کے وزیراعظم نوکراشی پاشا سے ملاقات کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے اس بات پر اصرار کیا:

''پاکستان کے قیام کے بعد ہی ہندوستانی اور مصری مسلمان صحیح معنوں میں آزاد ہوں گے، ورنہ ہندو سامراج کی تسلط کی لعنت پھیلتی ہوئی سیدھی مشرق وسطیٰ تک پہنچ جائے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح قاہرہ میں عرب لیگ کے مہمان تھے۔ وہاں 20 دسمبر 1946ء کو ایک پریس کانفرنس سے

خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''اگر ہندوستان پر ہندو سامراجی تسلط کی حکومت قائم ہوگئی تو یہ مستقبل کے لیے اتنی ہی بڑی لعنت بن جائے گی، جیسی کہ برطانوی سامراجی قوت رہی ہے۔ پورا مشرق وسطیٰ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹک جائے گا۔''

جب ان سے مصری اور فلسطینی لیڈروں کے ساتھ بات چیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے وضاحت کی:

''میں نے انہیں بتایا ہے کہ ایک ہندو ایمپائر مشرق وسطیٰ کی نمائندگی کرے گی، اور انہیں یقین دلایا ہے کہ پاکستان ان تمام قوموں سے نسل اور رنگ کے امتیاز کے بغیر تعاون کرے گا، جو آزادی کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اگر ہندو سلطنت وجود میں آ گئی تو اس کا نتیجہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی اسلام کے خاتمہ کی صورت میں نکلے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مصر کے ساتھ گہرے مذہبی اور روحانی رشتوں میں منسلک ہیں، اگر ہم ڈوبے تو پورا مشرق وسطیٰ ڈوب جائے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح واپس کراچی پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنی حیات مستعار کے 70 برس پورے کر لیے تھے۔ لندن سے وہ اپنے وطن کراچی پہنچے، جو جلد ہی ان کا قومی دارالحکومت بننے والا تھا، اور پھر وہیں انہیں ابدالآباد تک آرام کی نیند سونا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح ان کا انتظار کر رہی تھیں، تاکہ انہیں بمبئی لے جائیں اور وہاں ٹھیک طرح سے ان کی دیکھ بھال کی جائے، یہ کام وہ تنہا خود ہی کر سکتی تھیں، تاہم ابھی کئی طویل ترین اور سخت مذاکرات ان کے منتظر تھے۔ ابھی زندگی کی مشکل ترین جنگ کو فتح کرنا باقی تھا۔

◆ 1946ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح لندن تشریف لے گئے تو جاتی اور آتی بار قائداعظم محمد علی جناح نے مصر کے رہنماؤں سے ملاقات کی۔

16 دسمبر کو قائداعظم محمد علی جناح جب قاہرہ پہنچے تو انہیں شیفرڈ ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ وہاں عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری اعظم پاشا نے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں استقبالیہ دیا جس میں متعدد مقتدر شخصیات نے شرکت کی۔ 19 دسمبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو لبرل کانسٹی ٹیوشنل پارٹی کی جانب سے عصرانہ دیا گیا:

قائداعظم محمد علی جناح رات کو نحاس پاشا کے ہاں تشریف لے گئے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے شام کو شاہ فاروق سے بھی ملاقات کی۔

قاہرہ، جمہوریہ مصر کا صدر مقام اور براعظم افریقہ کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ دریائے نیل کے کنارے پر آباد ہے۔ اس کی آبادی 75 لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ اس کا سنگ بنیاد فاطمی خلیفہ معزالدین اللہ کے عہد میں رکھا گیا۔ اس کے نزدیک رومی شہر بابلیون اور دریا کے پار قدیم مصر کا دارالحکومت ممفس واقع تھا۔ بارہویں صدی عیسوی میں عیسائیوں نے ناکام حملہ کیا۔ تیرھویں صدی سے سولہویں صدی کے اوائل تک یہاں ملوکوں کی حکومت رہی۔ 1817ء تا 1798ء تک عثمانی ترک حکمران رہے۔ 1798ء تا 1801 نپولین اور 1882ء سے 1936ء تک برطانیہ اس پر قابض رہا۔ یہ جدید اور قدیم عمارتوں کا شہر ہے۔ شہر میں بڑی بڑی مساجد بھی ہیں جن میں مسجد ابن طولون، مسجد سلطان حسن، مسجد المعید اور مسجد الاسحاق قابل ذکر ہیں یہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کا قلعہ اسلامی طرز تعمیر کا عظیم شاہکار ہے۔ اس قلعہ کی تعمیر 1176ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں سنگ مرمر کی مسجد بھی ہے۔ قاہرہ ٹاور مشرق وسطیٰ کا بلند ترین ٹاور ہے۔ اس کی بلندی 187 میٹر ہے۔ عیدین محل بھی قابلِ دید عمارت ہے۔ مصری عجائب گھر دنیائے

عالم میں اس اعتبار سے منفرد اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں مصری تہذیب کے 5ہزار سالہ تاریخ کے انمٹ نقوش محفوظ ہیں۔فرعون کا مجسمہ بھی اسی عجائب گھر میں رکھا گیا ہے۔اس کے قریب ہی اہرام مصر ہیں۔ قاہرہ میں جامعۃ الازہر قدیم یونیورسٹی ہے۔عرب لیگ کے دفاتر بھی ہیں۔قاہرہ تجارتی اور صنعتی شہر ہے۔

قائد

یہ ایک جریدے کا نام ہے، 24 اکتوبر 1948ء کو اس جریدہ کا اجراء ڈاکٹر محمود حسین نے قائداعظم محمد علی جناح کی یاد میں کیا۔

قائد آباد

◆ ۱ قومی اسمبلی کے آزاد رکن مولانا ظفر احمد انصاری نے 21دسمبر 1976ء کو یہ تجویز پیش کی:

"قائداعظم محمد علی جناح کو خراج عقیدت پیش کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ کراچی کا نام قائد آباد رکھ دیا جائے۔"

پارلیمینٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اسلام آباد یونیورسٹی کا نام قائداعظم یونیورسٹی رکھنے پر حکومت کے فیصلے کو سراہا اور بلوچستان کے سینیٹر فیض نے اپنی تقریر میں زیارت ریذیڈنسی کا نام قائداعظم ہاؤس رکھنے کی تجویز پیش کی، جسے بے حد سراہا گیا۔

◆ ۲ تھل کی آبادکاری کے وقت جو نئے شہر آباد کیے گئے، ان میں قائد آباد بھی شامل ہے۔ یہ شہر سرگودھا میانوالی شاہراہ پر واقع ہے۔اس کا سنگ بنیاد سابق گورنر پنجاب عبدالرب نشتر نے رکھا تھا، اور قائداعظم محمد علی جناح کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ان کے نام گرامی پر یہ شہر آباد کیا گیا۔اس کا نام 13 جنوری 1951ء کو قائد آباد رکھنے کی یہ تجویز وزیر صنعت چودھری نذیر احمد نے پیش کی تھی۔

◆ ۳ قائد آباد، کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کے قریب ایک بستی کا نام تھی۔ یہ بستی مزار کے چبوترے سے تین سو گز کی مسافت پر تھی۔ یہ وارڈ نمبر 27 میں واقع تھی۔ یہ آبادی اب وہاں پر نہیں ہے، کیونکہ یہاں قائداعظم محمد علی جناح کا مزار تعمیر کیا جا چکا ہے۔

◆ ۴ قائد آباد (لانڈھی)، یہ کراچی کی مشہور بستی ہے۔اسے 1950ء میں قائداعظم ریلیف فنڈ سے تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ کالونی نیشنل ہائی وے پر آباد ہے، اور ابتداء میں صرف 100 کوارٹر تعمیر کیے گئے تھے، لیکن بعدازاں جب آبادی میں بے پناہ اضافہ ہوا تو یہ کالونی بھی مخلوط ہو کر رہ گئی۔

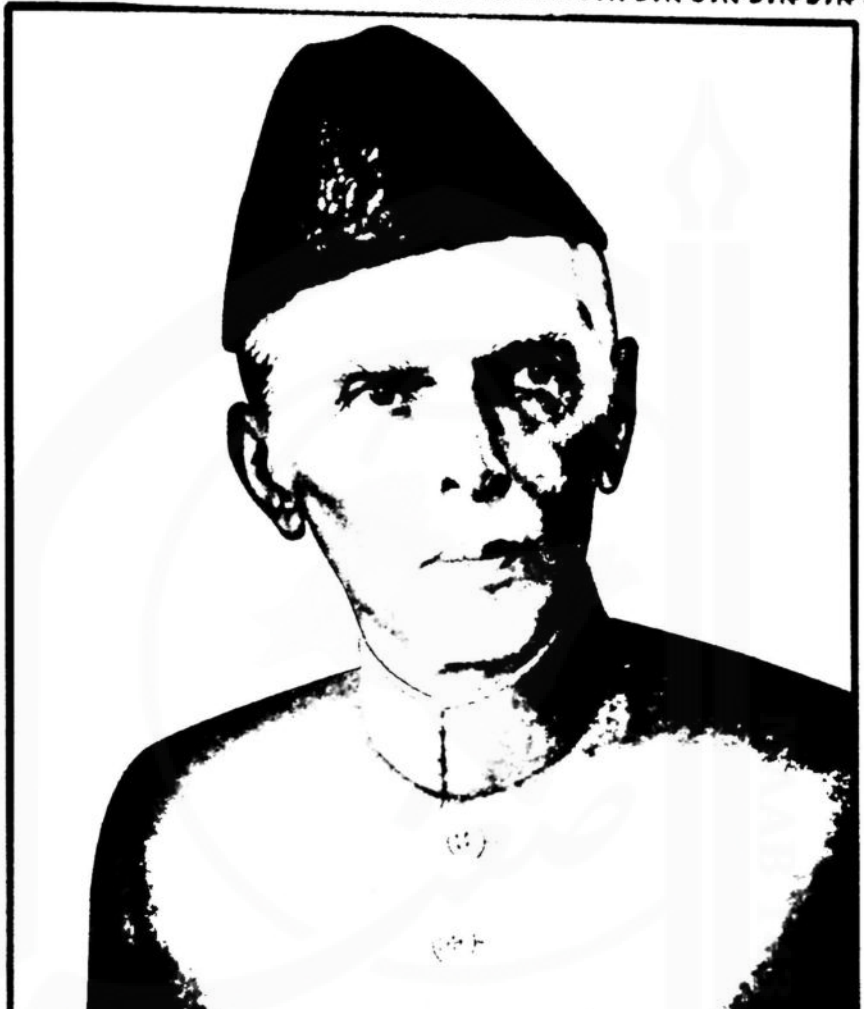
قائد آباد وولن ملز

1954ء میں قائداعظم محمد علی جناح کے نام پر یہ مل قائم کی گئی۔ 30 لاکھ روپے کے ادا شدہ سرمائے سے قائم ہونے والے اس مشہور صنعتی ادارے نے 1956ء میں کام کا آغاز کیا۔

قائداعظم

اس کتاب کو 1950ء میں گرین پبلشرز گرین ہاؤس میکلوڈ روڈ نے طبع کیا اور محمد رضی الدین نے اسے مرتب کیا۔

گرین پبلشرز نے سلسلہ معماران پاکستان کے نام سے کتابوں کا ایک مفید سلسلہ شروع کیا تھا اور اس ضمن میں اس نے علامہ اقبال، قائداعظم محمد علی جناح، فاطمہ جناح، خواجہ ناظم الدین، لیاقت علی خان، غلام محمد، عبدالرب نشتر، اور سر ظفر اللہ خان پر کتب شائع کیں۔80 صفحات پر مشتمل یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔



قائداعظم محمد علی جناحؒ

1948 - 1876

بیسویں صدی کا سب سے عظیم تاریخ ساز انسان اور 1947 میں پاکستان کی شکل میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی جمہوریت قائم کرنے کا اعزاز حاصل کرنے والا قائدؒ جن کے کردار سے امریکی مؤرخ سٹینلے والپرٹ اتنا متاثر ہے کہ وہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب جناح آف پاکستان کی ابتدا ہی ان الفاظ سے کرتا ہے: ''بہت کم شخصیات تاریخ کے دھارے کو قابلِ ذکر انداز سے موڑتی ہیں۔ اس سے بھی کم وہ افراد ہیں جو دنیا کا نقشہ بدلتے ہیں اور ایسا تو شاید ہی کوئی ہو جسے ایک قومی ریاست تخلیق کرنے کا اعزاز حاصل ہو۔ جناحؒ نے یہ تینوں کام کر دکھائے۔'' قائداعظمؒ کی سیاسی جدوجہد کے حوالے سے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ برصغیر پاک و ہند سے متعلق ہر اہم سیاسی معرکہ پر ان کی چھاپ نظر آتی ہے۔

زیر نظر کتاب میں سلیس زبان اور شگفتہ انداز میں قائداعظم محمد علی جناح کی ابتدائی زندگی، تعلیم، سیاسی زندگی اور ان کے آخری لمحات کی تفصیل درج کی گئی ہے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر ہائی سکولوں کے بچوں کے لیے مرتب کی گئی تھی۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے واقعات، مکالمے کی شکل میں عام فہم اور بچوں کی زبان میں دیے گئے ہیں۔

قائداعظم

یہ کتاب حیات قائداعظم پر ایک مفصل اور جامع کتاب ہے، اس کتاب کو اے ایم انور حارث نے تحریر کیا اور جس کی اشاعت و طباعت میں بروک بانڈ پاکستان لمیٹڈ نے سرگرم حصہ لیا۔ یہ کتاب پہلی بار 1976ء میں شائع ہوئی۔ اس ضخیم کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح اور محترمہ فاطمہ جناح کی چند غیر مطبوعہ تصاویر پہلی مرتبہ شائع کی گئیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے بے شمار پہلوؤں اور کارناموں پر یہ کتاب روشنی ڈالتی ہے۔ اس کتاب کا بڑا مقصد پوری قوم بالخصوص نئی نسل کو ان حقائق سے روشناس کرانا ہے جو ایک عظیم جدوجہد کے پس منظر میں کارفرما ہے۔ ایسی جدوجہد جو قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کا نصب العین تھی اور جسے بالآخر انہوں نے اپنی غیر متزلزل ایمان اور انتھک کوششوں سے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

قائداعظم

یہ کتاب اعجاز احمد نے مرتب کی، اور سنگ میل پبلی کیشنز نے اسے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔ یہ کتاب 208 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل عنوانات شامل ہیں:

خاندان، عملی زندگی، سیاسی زندگی، اسمبلی میں نیا سفر، پاکستان، انا للّٰہ ونا الیہ راجعون قائداعظم زندہ باد۔ قرارداد پاکستان، قائداعظم نے فرمایا۔ قائداعظم کی کہانی مہ و سال کی زبانی۔

قائداعظم

اس کتاب کو محمد اشرف خان عطا مدیر معاون روزنامہ زمیندار لاہور نے مرتب کیا اور اس کتاب کو سردار شوکت حیات کے نام منسوب کیا۔ تقریظ مولانا ظفر علی خان ایم ایل اے نے لکھی۔ غالباً یہ کتاب 1947ء میں ملک دین محمد اینڈ سنز لا نے شائع کی۔

قائداعظم اور دیگر اسلامی شخصیات

تقابلی جائزہ

محمد ابصار مرزاؔ شخصیات کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

''علامہ ابوالاعلاء مودودی کے اجتہادی پہلو کا مطالعہ کریں یا علامہ اشرف علی تھانوی کے فکری انداز پر نظر ڈالیں، شیعان علی کی اہلِ بیت پر جاں نثاری ملاحظہ کی جائے یا مجدد الف ثانی کی آوازِ حق جو اکبر بادشاہ کے کافرانہ نظام کے خلاف بلند ہوئی، غرض اِن سب کی خدمات قابلِ قدر ہیں اور اِن اسلامی اجتہادات اور کاوشات کی نوعیت ایک جیسی ہے۔

مخالف ٹولیوں میں بٹے ہوئے مسلمانوں کو ایک مقصد، ایک ملک اور ایک ہی نظریۂ فکر کی مد میں ایک جھنڈے تلے جمع کرنے کا کارنامہ صرف قائداعظم محمد علی جناح نے سرانجام دیا۔ اُمتِ محمدیہ میں آپ ہی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے کفار (یعنی انگریزوں) کی شرائط کے دائرے میں رہتے ہوئے انگریزوں کو شکست دی۔ اسلامی تاریخ میں آپ کا کارنامۂ حصولِ

پاکستان اپنا ثانی ہی نہیں رکھتا اور قائداعظم کے کارہائے زندگی موصوف کی اللہ تعالیٰ سے صفِ اوّل کی قربت ظاہر کرتا ہے۔

اِن حقائق و واقعات کی روشنی میں قائداعظم محمد علی جناح کا ذاتی دین ونظریہ ایک باشعور انسان پر روشن ہوجاتا ہے۔''

قائداعظمؒ (نظم)

چودھری عبدالخالق قائداعظم کو ان الفاظ سے منظوم خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

تو آدمی عظیم ہے اے قائد اعظم
تو قابل تعظیم ہے اے قائد اعظم
اے بابائے قومؒ اے میر کارواں
یہ ارض پاک تیری عظمت کا نشان
تم کو ملی ذہانت اس قدر بے حساب
دشمن بھی تیرے آگے ہوتا تھا لاجواب
اغیار کی چالاکیاں نہ تم پر چل سکیں
نہ مشکلیں جناح تیرا رستہ بدل سکیں
وہ تیری پاک دامنی کردار با وقار
مدبرانہ حکمت تجھ میں تھی بے شمار
بے تیغ لڑا تو نے یہ جنگ جیت لی
انگریز سے یہ بازی دبنگ جیت لی

قائداعظم، آخری دو سال

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، زیرِنظر کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی حیات کے آخری دو سال کا احاطہ کیا گیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے یہ دو سال تحریک پاکستان کے حوالے سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ انہی دو سالوں میں قائداعظم محمد علی جناح نے منزل مراد پانے کے لیے انتھک محنت اور جدوجہد کی۔

ان دو سالوں میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زندگی کے جو آخری کام سرانجام دیے۔ اس کتاب میں ان سب کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کو تحریک پاکستان کی مستند دستاویز ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اسے منصور بٹ نے تحریر کیا ہے اور علی ہجویری پبلشرز نے زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے۔

حکومت پاکستان نے منصور بٹ کو اس تالیف پر صدارتی ایوارڈ سے نوازا۔

قائداعظم (ابتدائی تیس سال)

اس کتاب کو ممتاز محقق رضوان احمد نے تصنیف کیا۔ یہ کتاب دسمبر 1977ء میں جنرل نالج اکیڈمی کراچی کے ذکی احمد ذکی نے شائع کی۔

''قائداعظم (ابتدائی تیس سال)'' نامی یہ کتاب رضوان احمد کی سات آٹھ سالہ عرق ریزی کا نتیجہ ہے اور قائداعظم محمد علی جناح کی ابتدائی زندگی پر پہلی باقاعدہ کتاب ہونے کے علاوہ ان کی پہلی اردو کتاب ہونے کا اعزاز بھی رکھتی ہے۔ دستاویزی شواہد کی روشنی میں لکھی جانے والی یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق بہت سے قصے کہانیوں کی تردید ہے اور مزید تحقیق پر مائل کرتی ہے۔

یہ کتاب 160 صفحات پر مشتمل ہے اور مصنف نے اسے پاکستان کی نئی نسل کے نام معنون کیا ہے۔ کتاب کا پیش لفظ قائداعظم محمد علی جناح کی ہمشیرہ محترمہ شیریں جناح نے لکھا ہے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن لاہور سے 1988ء میں مکتبہ آتش فشاں نے شائع کیا۔

قائداعظم (اپنی بہن کی نظر میں)

جنوری 1978ء میں یہ کتابچہ طاہر اسدی نے مرتب کیا، اسے مکتبہ صحافت لاہور نے طبع کیا۔ 40 صفحات پر مشتمل اس کتابچے میں محترمہ فاطمہ جناح کے کاغذات سے ملنے والے ایک نادر مسودہ سے قائداعظم محمد علی جناح کی عظیم ترین قربانیوں بالخصوص اندرونی واقعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

قائداعظم (ارشادات واقتباسات)

1988ء میں اسے تحسین حسین نے مرتب کیا اور نذیر سنز لاہور نے شائع کیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ارشادات و اقتباسات پر مبنی یہ کتاب نوجوان نسل کے لیے مشعل راہ ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح کے ان فرمودات میں حضورﷺ کی تعلیمات، دوقومی نظریہ، تحریک پاکستان (منزل بہ منزل) کے تمام پہلو بھی سامنے آتے ہیں۔ ان فرمودات میں قائداعظم محمد علی جناح کا مشہور نصب العین ایمان، اتحاد اور تنظیم بھی شامل ہے۔ یہی نصب العین تھا جس پر عمل پیرا ہو کر قائداعظم محمد علی جناح نے باطل قوتوں کا نہایت جوانمردی اور جرأت مندی سے مقابلہ کیا۔ جس کے نتیجے میں پاکستان ایسی عظیم مملکت کا قیام عمل میں آیا۔

کتاب کے آخر میں مولف نے قائداعظم محمد علی جناح کی پیدائش سے وفات تک چیدہ چیدہ واقعات بھی شامل کیے ہیں۔ اس سے کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ کتاب کے اس باب کے مطالعہ سے قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا ایک ہلکا سا خاکہ سامنے آجاتا ہے۔

قائداعظم (افکاروکردار)

راجہ رشید محمود نے اس کتاب کو مرتب کیا اور اس کتاب کو نذیر سنز پبلشرز لاہور نے 1985ء میں شائع کیا۔

کتاب کی ابتداء میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے چیدہ چیدہ واقعات درج کیے گئے ہیں، پھر عنوان باندھ کر اسے پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے قائداعظم محمد علی جناح کی مکمل شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے۔ راجہ رشید محمود نے یہ عنوان باندھ کر قارئین کو ورق گردانی سے بچا لیا ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب انفرادی نوعیت کی حامل ہے۔

قائداعظم (چندیادیں، چندملاقاتیں)

یہ کتاب آفتاب احمد نے مرتب کی اور نفتانسا (NAFTANSA) پبلشرز لاہور نے دسمبر 1976ء میں اس کتاب کو شائع کیا۔ مرتب نے کتاب کو اپنے چھوٹے بھائی بلال احمد سے منسوب کیا ہے۔ مرتب نے 34 عنوان باندھے ہیں۔ یہ کتاب ان حضرات کے مضامین پر مشتمل ہے جنہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو قریب سے دیکھا، ان سے ملاقات کی اور ان سے متاثر ہوئے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

محمد شریف طوسی، کیپٹن ممتاز ملک، سید بادشاہ حسین، عبدالوحید خان، مجیب الرحمٰن شامی، مجاہد حسین، الطاف حسین، اکرام ملک، رضوان احمد، حکیم محمد حسن قرشی، ممتاز حسین، میاں منظر بشیر، محمد الیاس مسعود، عبدالرؤف، شباب مفتی، ڈاکٹر سید عارف شاہ گیلانی، میجر آفتاب حسن، رئیس احمد جعفری، ایم ایچ ریاض، سید ابوظفر ابن اسلام سلمانی، ابوالحسن نغمی، شاہد رزاقی، پرویز بشیر، آفتاب احمد، لیڈی ہدایت اللہ، نورالصباح بیگم، مولوی عبدالحق۔

یہ کتاب 272 صفحات پر مشتمل ہے۔

قائداعظم (حیات و خدمات)

شریف المجاہد نے یہ کتاب انگریزی میں مرتب کی اور خواجہ رضی حیدر نے اس کا ترجمہ کیا۔ 1983ء میں قائداعظم اکیڈمی نے اس کتاب کو شائع کیا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے نئی نسل خصوصاً کالج اور یونیورسٹی کی سطح کے طالب علم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہوسکیں گے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے وہ کون سی خدمات انجام دی تھیں جن کی بناء پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔

اس کا پہلا عنوان ابتدائی زندگی اور نشوونما ہے اور یہ 1876ء سے 1905ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ بھی دیا گیا ہے جو محققین کے لیے انتہائی مفید ہے۔

یہ کتاب 152 صفحات پر مشتمل ہے۔

قائداعظم (سوچ تے سیاست)

یہ کتاب رفیق ڈوگر نے مرتب کی اور اسے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے پنجابی زبان میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ستمبر 1983ء میں شائع ہوئی۔ ویروا کے نام سے عنوانات کی فہرست میں قائداعظم اکیتاوا سفیر، قائداعظم کشمیر وچ، قائداعظم امریکیاں دی نظر وچ، قائداعظم قانون تے پاکستان شامل ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت اور سیاست کے بارے میں پنجابی زبان میں شائع ہونے والی یہ کتاب انگریزی اور اردو میں لکھے گئے مضامین کا ترجمہ ہے۔

136 صفحات پر مشتمل اس کتاب کے مطالعہ سے قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے متعدد پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔

قائداعظم (معاصرین کی نظر میں)

یہ کتاب مصباح الحق صدیقی اور تسنیم کوثر گیلانی نے مرتب کی اور 1959ء میں شہزاد پبلشرز لاہور نے زیور طبع سے آراستہ کیا۔ کتاب میں جن مشہور شخصیات کے مضامین شامل کیے گئے ہیں ان میں محترمہ فاطمہ جناح، لیاقت علی خان، ممتاز حسن، مصباح الحق صدیقی، رئیس احمد جعفری، سید حسین امام، مطلوب الحسن سید، سید وقار عظیم، بیگم سلمٰی تصدق حسین۔ ہیکٹر بولائتھو، گیتی آرا بشیر احمد، شریف المجاہد، ایم ڈی تاثیر۔ مسعود گوہر ہادوی، سید حسن مثنیٰ ندوی، فیض محمد سومرو، فرڈ ڈگلس، حامد علی خان، فدا احمد عباسی، تسنیم کوثر گیلانی اور تابش صدیقی کے مضامین قابل ذکر ہیں۔

یہ کتاب 196 صفحات پر مشتمل ہے۔

قائداعظم، قائداعظم

حمید نظامی مدیر روزنامہ نوائے وقت طالب علمی کے زمانے سے ہی قائداعظم محمد علی جناح کے چہیتے اور ان کے ساتھ کسی قدر بے تکلف تھے، وہ کہتے ہیں:

''1930-40ء میں قائداعظم کے بارے میں ایک دوست نے مذاق میں ایک بالکل بے بنیاد قصہ گھڑ لیا، ان دنوں قائداعظم کے خطاب کو نیا نیا رواج ملا تھا، کہانی یوں سنائی جانے لگی کہ محترمہ فاطمہ جناح نے مسٹر جناح سے پوچھا:

''بھائی یہ قائداعظم کا مطلب کیا ہے؟''

مسٹر جناح نے کہا:

''مطلب تو مجھے بھی معلوم نہیں، مگر ہے کوئی ستائشی لفظ۔'' قائداعظم، قائداعظم۔

جب قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے تو حمید

نظامی نے ذرا جھجکتے ہوئے قائداعظم سے پوچھا:
''سر کیا وہ بات سچ ہے؟''
قائداعظم نے پوچھا:
''کون سی بات؟''
حمید نظامی نے ساری کہانی سنا دی۔ قائداعظم محمد علی جناح بہت ہنسے اور کہنے لگے:
''نظامی شاید تمہارا جی بھی نہیں چاہتا کہ میں اس کی تردید کروں۔''

قائداعظم ادبی انعام

7 مئی 1989ء کو یہ انعام بحال کر دیا گیا، اور اب یہ ہر تین سال کی مدت میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے تحت سات انعامات دیے جائیں گے۔ ہر انعام کی مالیت دس ہزار روپے ہے۔ یہ انعامات 1977ء میں بند کر دیے گئے تھے لیکن 1989ء میں وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو نے ان انعامات کو بحال کرنے کا اعلان کیا۔

قائداعظم اکیڈمی

اس اکیڈمی کے قیام کے سلسلے میں ممتاز محقق اور دانشور رضوان احمد نے سب سے پہلے اپنا تصور پیش کیا۔ ازاں بعد حکومت پاکستان نے قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا پہلا اجلاس 26 اگست 1967ء کو کراچی میں منعقد ہوا۔ 6 نومبر 1975ء کو اس کمیٹی کی جنرل کونسل نے قائداعظم اکیڈمی کے قیام کا فیصلہ کیا۔ 25 دسمبر 1975 کو وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ نے کراچی میں ایک پریس کانفرنس میں اس کے قیام کا اعلان کیا اور سترہ رکنی کمیٹی بنائی۔ یہ اکیڈمی کراچی یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کے سربراہ پروفیسر شریف المجاہد کی سربراہی میں 9 جنوری 1976ء کو وجود میں آئی۔ 28 جنوری 1976ء کو اسے ایک خود مختار ادارہ بنایا گیا۔

قائداعظم اکیڈمی ایم اے جناح روڈ پر قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کے سامنے آٹھ سو مربع گز رقبہ پر محیط ہے۔ قبل ازیں اس کا دفتر نومبر 1979ء تک پاکستان سیکرٹریٹ کے بلاک 52 کے دو کمروں پر مشتمل تھا۔ 24 مارچ 1980ء کو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے تقریباً ساڑھے پانچ ایکڑ قطعہ اراضی الاٹ کی۔

قائداعظم اکیڈمی کی اپنی لائبریری ہے جس میں کتب کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔

اس کی ایک کتاب قائداعظم جناح! اسٹڈیز انٹر پری ٹیشن نامی کتاب کو 1940ء سے 1981ء تک لکھی جانے والی کتب میں عمدہ ترین کتاب قرار دے کر صدارتی انعام ساٹھ ہزار روپے اور ایک گولڈ میڈل بھی دیا گیا۔

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو اس کے پہلے صدر بنے۔ اس کے قیام کا فیصلہ قائداعظم محمد علی جناح کی صد سالہ تقریبات کے لیے قائم کی گئی کمیٹی اور ایگزیکٹو کمیٹی کے فیصلوں کی روشنی میں کیا گیا۔ اس اکیڈمی کے قیام کا مقصد قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی، ان کے کارناموں اور ان کی زندگی کے دیگر اہم واقعات کے بارے میں اور اس کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرنے اور ان کی تحقیقات کے کام کو فروغ دینا ہے۔ اس اکیڈمی کا انتظام بورڈ آف گورنر چلاتا ہے جس کے سربراہ وفاقی وزیر تعلیم ہیں۔ اس کے قیام پر بورڈ کے ارکان میں وزیر مذہبی امور مولانا کوثر نیازی۔ اٹارنی جنرل پاکستان، یحییٰ بختیار، وزیر تعلیم سندھ، قدرت اللہ شہاب، ڈاکٹر این اے بلوچ، ایم اے ایچ اصفہانی، اے کے بروہی، شریف الدین پیرزادہ، مولانا ظفر احمد انصاری، سندھ مدرستہ الاسلام کا ایک نمائندہ، پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کی حکومتوں کا ایک ایک

نمائندہ۔ بیگم شائستہ اکرام اللہ اور ڈائریکٹر قائداعظم اکیڈمی شامل تھے۔

قائداعظم اکیڈمی کے اغراض و مقاصد

قائداعظم اکیڈمی کے اغراض و مقاصد یہ ہیں:

(الف) قائداعظم محمد علی جناح اور تحریک پاکستان کے تاریخی پس منظر، ثقافتی، مذہبی، علمی، لسانی، سماجی، اقتصادی و سیاسی پہلوؤں کا احاطہ کرنا اور پاکستان کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کو انجام دینا منظم کرنا اور فروغ دینا ہے۔

(ب) لیکچرز، مذاکرات، اجلاسوں، مطالعاتی گروپوں، کانفرنسوں کو منعقد کرانا اور ان کی سرپرستی کرنا اور دیگر اداروں کی جانب سے اسی قسم کی منعقد کردہ سرگرمیوں میں شرکت کرنا اوپر بیان کردہ مقاصد کے حصول کے لیے اکیڈمی۔

1. اسکالرشپ جاری اور پروفیسر شپ قائم کرے گی۔
2. کتابیں کتابچے اور جرائد شائع کرے گی۔
3. فاضلین کی کاوشوں پر انعامات اور اجر دے گی۔

قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ

قائداعظم محمد علی جناح کی برسی کے موقع پر 11 ستمبر 1989ء کو وزیراعظم پاکستان محترمہ بےنظیر بھٹو نے کراچی ایئرپورٹ کا نام قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ رکھنے کا اعلان کیا۔

قائداعظم انٹرنیشنل فٹ بال ٹورنامنٹ

12 اکتوبر 1976ء کو یہ ٹورنامنٹ قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے سلسلے میں ہاکی کلب آف پاکستان اسٹیڈیم میں شروع ہوا۔ جس کا افتتاح سندھ کے گورنر دلاور خان جی نے کیا۔ اس میں چین، افغانستان، ملائیشیا اور ماریشس کی ٹیموں نے حصہ لیا۔ پاکستان گرین ٹیم کی قیادت غلام سرور نے کی۔ پہلا مقابلہ پاکستان گرین کا افغانستان کی ٹیم سے ہوا جس میں افغانستان کو ایک گول سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

قائداعظم انٹرنیشنل والی بال ٹورنامنٹ

28 اکتوبر 1976ء کو یہ ٹورنامنٹ پشاور میں شروع ہوا۔ اس کے لیے بارہ رکنی ٹیم منتخب کی گئی۔ ٹورنامنٹ میں چین، سری لنکا اور نیپال کی ٹیموں نے حصہ لیا۔

قائداعظم انسٹی ٹیوٹ آف سپورٹس اینڈ کلچر (اسلام آباد)

20 اکتوبر 1984ء کو صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد میں انسٹی ٹیوٹ آف سپورٹس اینڈ کلچر میں جب لیاقت جمنازیم اور ساتویں ایشیائی ٹیبل ٹینس مقابلوں کا افتتاح کیا تو انہوں نے اسے پاک چین دوستی کی زندہ علامت قرار دیا اور انسٹی ٹیوٹ کا نام قائداعظم انسٹی ٹیوٹ آف سپورٹس کمپلیکس رکھا۔ اس موقع پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا:

> ''قائداعظم نے 1948ء میں نوجوان کھلاڑیوں کو نصیحت کی تھی کہ پاکستان کو مضبوط بنایا جائے۔''

یہ سپورٹس کمپلیکس 21 کروڑ روپے کی لاگت سے تعمیر کیا گیا ہے۔ جس میں پانچ کروڑ روپے عوامی جمہوریہ چین نے فراہم کیے۔

قائداعظمؒ اور آزادی کی تحریک

اس کتاب کو پروفیسر جیلانی کامران نے مرتب کیا، اور 1981ء میں مجلس ترقی ادب لاہور نے اس کتاب کو شائع کیا۔ 204 صفحات پر مشتمل اس کتاب کے درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے:

قائداعظم اور آزادی کی تحریک، آزادی اور حکمرانی، کانگریس کا بدلہ ہوا سیاسی پروگرام، حکومت برطانیہ اور ہماری قومی



قاضی مرید احمد

تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے، مردوال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ اشاعتِ اسلام کالج لاہور میں علمِ کلام اور قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی۔ خاکسار تحریک میں شامل ہوئے اور ضلع سرگودھا کے سالار رہے۔ 1940ء میں قرارداد پاکستان کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ سرحد، پنجاب اور سندھ کے دورے کیے اور خضر وزارت کے خلاف صف آراء رہے۔ کئی بار جائیداد قرق ہوئی۔ متعدد بار گرفتار ہوئے۔ تحریک سول نافرمانی میں حصہ لیا۔ 1943ء سے 1950ء تک پنجاب مسلم لیگ کے آرگنائزر رہے۔ 1951ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1956ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ پنجاب مسلم لیگ کے نو سال نائب صدر رہے۔

جدوجہد، قومی جدوجہد کا تشویش ناک زمانہ، آزادی کی جانب سفر، نظریہ پاکستان کا ادبی وفکری مطالعہ، زندہ رہنما، قائداعظم کے ساتھ ہمارے شعوری اور لاشعوری رشتے۔

اس کتاب میں واقعات اور تحاریک کا محاکمہ ایک وسیع تر تاریخی پس منظر اور فلسفہ تاریخ کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے علاقوں کی تقسیم کے سلسلے میں ایوارڈ میں دھاندلی کی جس سے قائداعظم سخت مضطرب ہوئے۔ ان کے رفقاء نے ایوارڈ مسترد کرنے کا مشورہ دیا مگر آئین پرست قائداعظم نے کہا:

"No we agreed to arbitration... we msut abide by that arbitration"

ترجمہ: ''ہم نے ثالثی پر اتفاق کیا لہٰذا اب ہمیں ثالث کے فیصلے کو تسلیم کرنا ہے۔''

(قائداعظم بحیثیت گورنر جنرل)

1945-46 کے انتخابات میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے پارٹی ٹکٹوں کے معاملے میں قائداعظم سے صوبائی پارلیمانی بورڈ سے سفارش کی درخواست کی۔ قائداعظم نے مسلم لیگ کے دستور کے مطابق مداخلت سے انکار کر دیا، اور مولانا عثمانی سے کہا کہ اگر ان کی حق تلفی ہو تو وہ مرکزی پارلیمانی بورڈ میں اپیل کریں۔ پاکستان کی کتنی سیاسی جماعتیں پارٹی دستور کی پابندی کرتی ہیں۔ پارٹی ٹکٹ مرکزی قیادت کی مرضی اور منشا سے ہی جاری کیے جاتے ہیں۔ سیاسی لیڈر اپنی سیاسی جماعتوں کو دستور کے مطابق نہیں چلاتے، اور حکومت سنبھالنے کے بعد آئین پر حلف اٹھانے کے باوجود آئین پر عمل نہیں کرتے۔

قیام پاکستان کے بعد گورنر جنرل کے طیارے کا آرڈر دیا گیا۔ طیارہ ساز کمپنی نے پرواز کے دوران سرکاری کام کے لیے کچھ اضافی اخراجات کی منظوری دے دی۔

وزارت خزانہ نے فائل پر نوٹ لکھا کہ زرمبادلہ کے ذخائر بہت کم ہیں۔ گورنر جنرل قوم کے باپ ہیں۔ وزارت خزانہ ان کے طیارے کے لیے انتظام کرے گی البتہ اضافی اخراجات کے لیے وزارت خزانہ کی منظوری ضروری تھی۔ قائداعظم نے وزیرخزانہ غلام محمد کے نوٹ سے اتفاق کیا اور اپنی غلطی تسلیم کر کے اضافی اخراجات کا آرڈر منسوخ کر دیا۔

جنوری 1948ء میں کراچی میں فسادات ہوئے اس موقع پر چند صوبائی وزیروں نے کرفیو توڑتے ہوئے اندھا دھند فائرنگ کی۔ فوج نے وزیروں کو حراست میں لے لیا۔ یہ مسئلہ گورنر جنرل قائداعظم کے پاس پہنچا۔ صوبائی وزیروں نے مؤقف اختیار کیا کہ وہ امن و امان قائم کرنے کے لیے صوبائی انتظامیہ کی معاونت کر رہے تھے۔ کراچی کے جی او سی جنرل اکبر نے کہا کہ امن و امان کا قیام ان کی ذمہ داری ہے۔ قانون کے مطابق وزراء مداخلت نہیں کر سکتے۔ قائداعظم نے جنرل اکبر کی رائے سے اتفاق کیا۔

وزراء کو قانون کا پابند بنانے کے لیے ان سے معافی نامہ تحریر کرایا البتہ سیاسی نمائندوں کی بالا دستی قائم رکھنے کے لیے قائداعظم نے جنرل اکبر کو ہدایت کی کہ وہ وزیروں سے ہاتھ ملائیں اور ان کو کار تک چھوڑ کر آئیں۔ قائداعظم پنجاب میں ممتاز دولتانہ اور نواب ممدوٹ کی سیاسی کشمکش کی وجہ سے سخت تشویش میں مبتلا تھے۔ ڈان کے پہلے ایڈیٹر الطاف حسین نے

قائداعظم کو پنجاب میں گورنر راج نافذ کرنے کا مشورہ دیا۔ قائداعظم نے فرمایا:

''ان کو یہ اختیار اس وقت دینا ہے جب ریاست کی سیکورٹی خطرے میں ہو۔ ممدوٹ دولتانہ کشمکش اندرونی مسئلہ ہے لہٰذا قوانین کے مطابق گورنر راج نافذ کیا جاسکتا ہے۔''

کاش پاکستان کی سول سوسائٹی آئین کی حکمرانی کو تسلیم کرلے اور سیاستدانوں پر بھی دباؤ ڈالے۔ عدلیہ حکمرانوں کے آئین کے خلاف فیصلوں کو مسترد کرے تو سول سوسائٹی عدلیہ کے ساتھ کھڑی رہے۔ آئین اور قانون پر عمل کرکے ہی عوام کو اچھی حکومت فراہم کی جاسکتی ہے۔

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

قائداعظم اور ابوالحسن اصفہانی

ڈاکٹر محمد سلیم اپنے ایک کالم میں رقمطراز ہیں:

''مرزا ابوالحسن اصفہانی 1902ء میں بنگال کے ایک خوشحال گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ 1924ء میں بار ایٹ لاء ہوئے۔ وہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے رکن تھے۔ وہ ستمبر 1947ء سے فروری 1952ء تک امریکہ میں پاکستان کے سفیر رہے۔ بعد میں برطانیہ میں پاکستان کے ہائی کمشنر اور مرکز میں تجارت و صنعت کے وزیر رہے۔ 1981ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

1937ء کے عام انتخابات کے بعد مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس 15 اکتوبر سے 18 اکتوبر تک لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ جناح، راجہ صاحب محمود آباد کی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اجلاس میں شرکت کے لیے تیار ہو کر آئے تو شیروانی پہنے ہوئے تھے۔ اصفہانی، چوہدری خلیق الزمان اور راجہ صاحب بھی ان کے ساتھ کھڑے تھے۔ اتنے میں نواب اسماعیل خان بھی بے عیب لباس میں ملبوس اور ایک سیاہ سموری ٹوپی پہنے ہوئے آگئے۔ جناح نے ایک نظر ان کی طرف دیکھا اور کہنے لگے کہ کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنی ٹوپی مجھے دے سکتے ہیں۔ نواب اسماعیل خاں نے اپنی روایتی خوش خلقی سے نہ صرف انہیں یہ ٹوپی دی بلکہ پہننے کے لیے بھی کہا۔ صرف یہ دیکھنے کے لیے کہ یہ کیسی لگتی ہے، جناح نے اسے پہن لیا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سب لوگ اس کی تعریف کر رہے ہیں تو وہ اٹھ کر ساتھ کی خواب گاہ میں چلے گئے اور وہاں ایک قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ان کی رائے کا محاسبہ کرنے لگے۔ ٹوپی نہ صرف ٹھیک آئی تھی بلکہ ان پر زیب بھی دیتی تھی۔ دو منٹ بعد وہ واپس آئے تو اصفہانی نے ان سے کہا کہ آپ ٹوپی پہنے رہیں اور اسی طرح اجلاس میں شرکت کریں۔ انہوں نے یہ بات مان لی اور ٹوپی پہنے جلسے میں چلے گئے۔ اصفہانی لکھتے ہیں کہ مجھے وہ مجمع ابھی تک یاد ہے۔ مجھے لوگوں کے مسکراتے ہوئے چہرے اب تک نظر آتے ہیں۔ وہ زور زور کی تالیاں اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعرے اب بھی سنائی دیتے ہیں۔ سب لوگ سرگوشی کے انداز میں یا باآواز بلند اس ٹوپی اور شیروانی کی تعریف کرنے لگے۔ اس سے انہیں خود بھی اتنی ہی خوشی اور مسرت ہوئی جتنی ہم سب کو۔ لکھنؤ کا اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی شہر کے بہت سے نوجوان اور معمر لوگوں نے یہ ٹوپی پہننا شروع کر دی جو جناح کی بدولت راتوں رات مقبول ہو گئی تھی۔

یہ ٹوپی اب ''جناح کیپ'' کہلاتی ہے۔
اصفہانی رقم طراز ہیں:
''قائداعظم محمد علی جناح کسی پر یا تو سو فیصد اعتماد کرتے تھے یا بالکل نہیں۔ اگر انہیں ذرا سا بھی شبہ ہو جاتا تو وہ احتیاط برتنے لگتے، اور جب انہیں یقین ہو جاتا کہ وہ شخص واقعی برا ہے تو اس کا نام فہرست سے خارج کر دیتے۔ در اصل اگر وہ کسی پر ایک اعتماد کر لیتے تو پھر ڈگمگاتے نہیں تھے جب تک کہ اس شخص کے بارے میں مایوس کن حقائق ان پر آشکار نہ ہو جائیں۔ جس شخص پر وہ اعتماد کر لیتے، اس کے کسی نامناسب کام پر بھی اسے کوئی سزا نہ دی جاتی۔ وہ یہ کہہ کر بات ختم کر دیتے کہ اس نے رائے قائم کرنے میں غلطی کی۔ اس کی نیت خراب نہ تھی۔
وڈرو وائٹ (Woodrow Wyatt) کیبنٹ مشن کے ایک سیکریڑی تھے۔ غالباً ان کے فرائض میں یہ بھی تھا کہ وہ قائداعظم سمیت مسلم لیگ کی قیادت سے اور گاندھی جی سمیت کانگریس کی قیادت سے قریبی رابطے رکھیں اور باضابطہ فیصلوں سے پہلے مسلم لیگ اور کانگریس کی سوچ کو کیبنٹ مشن تک پہنچائیں۔ مسلم لیگ کیمپ میں اپنا اعتماد قائم کرنے کے لیے وہ کانگریس کے کیمپ کی خبریں اصفہانی اور راجہ صاحب محمود آباد کے ذریعے مسلم لیگ کو پہنچاتے رہتے۔ اس طرح وہ مشن کی بعض تجاویز کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار بھی کرتے رہتے۔ ان سے جتنی اطلاع بھی اصفہانی اور راجہ صاحب محمود آباد کو ملتی، وہ اسے قائداعظم تک پہنچا دیتے۔
قائداعظم نے کبھی مسلم لیگ کے متعلقہ اداروں کی اجازت کے بغیر کسی اہم معاملے پر اپنا فیصلہ نہیں دیا۔
مختلف واقعات جمہوری قدروں پر ان کے اعتماد کے گواہ ہیں۔ 1939ء میں جب کانگریسی وزارتوں کے مستعفی ہونے پر قائداعظم کو لکھا کہ آپ کے اس فیصلے سے مجھے شدید دھچکا پہنچا ہے۔ میں آپ سے ایسے حکم کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ مجھے یہ دیکھ کر انتہائی افسوس اور مایوسی ہو رہی ہے کہ آہستہ آہستہ آپ کا میلان رجعت پسندوں اور جی حضوریوں کی طرف ہو رہا ہے۔ اس خط کے باوجود قائداعظم اور اصفہانی کے تعلقات آخر وقت تک نہایت خوشگوار رہے۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم نے انہیں امریکہ میں پاکستان کا پہلا سفیر مقرر کیا۔ کیا ایسا خط لکھنے والے کو کوئی آمر برداشت کر سکتا تھا؟ کرپس مشن کے زمانے میں سر سکندر حیات پس پردہ مسلم لیگ کے لیے دشواریاں پیدا کرتے رہے لیکن برصغیر کے مسلمانوں کے وسیع تر مفادات کے پیش نظر قائداعظم نے ان پر فوری طور پر گرفت کرنا قرین مصلحت نہ سمجھا کیونکہ اس صورت میں مسلم لیگ کے اندر کے اختلاف کے باعث لیگ کی گفت وشنید کی طاقت پر بہت اثر پڑتا، اور اس طرح دس کروڑ مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچتا۔ اصفہانی لکھتے ہیں کہ میں نے اس زمانے میں قائداعظم سے کہا کہ اگر میں مسلم لیگ کا صدر ہوتا تو سر سکندر حیات کو لیگ کی اعلیٰ قیادت سے برطرف کر دیتا اور برصغیر کے مسلمانوں کا یہ بتا دیتا کہ میں نے یہ قدم کیوں اٹھایا۔ انہوں نے جواب میں کہا:
''ہمیں انتظار کرنا چاہیے جب آئندہ مجلس عاملہ کا اعلان ہوگا، تو اس میں وہ نہیں ہوں گے۔''
چنانچہ جولائی 1942ء میں جب قائداعظم نے مسلم لیگ کی نئی مجلس عاملہ کا اعلان کیا تو اس میں سکندر

حیات کی جگہ لاہور سے میاں بشیر احمد کا نام تھا۔ اصفہانی لکھتے ہیں کہ ایک روز نئی دہلی میں اپنے گھر میں مجھ سے باتیں کرتے ہوئے قائد اعظم نے کہا فضل الحق اور سر سکندر حیات نہ صرف مسلم لیگ بلکہ تمام مسلم قوم کے لیے خطرناک ہیں۔ جب بھی کھانا پک کر تیار ہو جاتا ہے، اور مسلم قوم کے آگے رکھا جانے کو ہوتا ہے وہ اسے کیچڑ میں گرا دیتے ہیں اور اس سب محنت کو برباد کر دیتے ہیں جو اس کی تیاری میں صرف ہوئی تھی۔ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوالحسن اصفہانی کو قائد اعظم ایک مخلص ساتھی سمجھتے تھے۔''

(روزنامہ نوائے وقت اشاعت 25 دسمبر 2013ء)

قائداعظم اور اردو

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور اردو زبان دو ایسے ادارے تھے جنہوں نے مسلمانوں میں ان کے سیاسی حقوق کا شعور پیدا کیا۔ یہ اس شعور کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے مسلمانان ہند کے لیے علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی کا زیادہ تر اثر مسلمانوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ تک محدود تھا، جب کہ اردو زبان نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک قوم کی لڑی میں پرونے کا کام کیا۔ مسلمانوں نے علیحدہ وطن کے لیے جو تحریک چلائی اس کی کامیابی بھی زیادہ تر اردو کی رہین منت تھی۔ کانگریس کے ہندو لیڈر جو قیام پاکستان کے سخت خلاف تھے، اردو زبان کی اس سیاسی طاقت سے اچھی طرح آگاہ تھے اور وہ ہر وقت اس سوچ میں لگے رہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو اس طاقت سے محروم کر دیا جائے، چنانچہ اس مقصد کے لیے انہوں نے ایک سکیم تیار کی جس کا مقصد یہ تھا کہ سارے ہندوستان کو متحد کرنے کے لیے اردو کی بجائے ہندوستانی زبان اختیار کی جائے۔ یہ سکیم واردھا کی تعلیمی سکیم کے نام سے مشہور ہے، اور اگر مسلمان، ہندوؤں کے اس جال میں پھنس جاتے تو نہ تو اردو زبان کا وجود باقی رہتا اور نہ ہی پاکستان قائم ہوسکتا۔ قائداعظم ہندو لیڈروں کے عزائم کو فوراً بھانپ جاتے تھے۔ وہ اگرچہ خود اردو زبان لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے، لیکن مسلمانوں کے اتحاد اور تحریک پاکستان کے سلسلے میں اس کی اہمیت سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ انہوں نے کانگریس کی اس تعلیمی سکیم کا مطالعہ کیا تو انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ یہ تو برصغیر سے اردو زبان کو ختم کرنے کی سازش معلوم ہوتی ہے اور اس طرح ان کی سیاسی طاقت کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، چنانچہ اس سازش کے بارے میں انہوں نے مسلمانوں کو مندرجہ ذیل الفاظ میں آگاہ کیا:

''واردھا سکیم کا معاملہ ہی لے لیجئے۔ کیا اس بارے میں مسلمانوں کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی گئی؟ نہیں بلکہ سب کچھ اس سے چھپا کر کیا گیا ہے، مسٹر گاندھی اس سکیم کے مؤلف ہیں اور وہ اس کے ذریعے برصغیر میں ہندو ازم کا احیاء چاہتے ہیں، اور وہ یہاں ہندو راج قائم کرنا چاہتے ہیں۔''

(تقاریر قائداعظم از جمیل الدین احمد انگریزی جلد اول صفحہ 77)

قائداعظم کی جانب سے یہ تنبیہ بڑی بروقت تھی، اور مسلمان حلقوں کی جانب سے اس سکیم کے خلاف ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔ مسلمانوں کی ناراضگی ختم کرنے کے لیے ہندو کانگریس نے چند مشہور مسلمان لیڈروں جن میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شامل تھے، کی خدمات حاصل کیں اور اس طرح مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی کہ واردھا سکیم ان کے لیے کئی فوائد کی حامل ہے۔ اس کے جواب میں قائداعظم نے مسلم لیگ کا اجلاس بلا لیا۔ لیگ نے اپنے 4 دسمبر 1938ء کے اجلاس میں یہ

ریزولیشن پاس کیا۔

''فیصلہ کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کرے جو اس رپورٹ کے درج ذیل نکات کے بارے میں لیگ کے اگلے اجلاس میں جو پٹنہ میں منعقد ہوگا اپنی رپورٹ پیش کرے۔

1. کیا واردھا سکیم سے اردو زبان کو کوئی نقصان پہنچے گا اور اس کی ترقی رک جائے گی، کیا اس نقصان سے مسلمانوں کی ثقافت اور رسم و رواجات پر بھی اثر پڑے گا، کیا یہ مسلمانوں کا علیحدہ تشخص ختم کرنے کی کوئی سازش تو نہیں۔
2. کیا مسلمانوں کے لیے علیحدہ نظام تعلیم، جس کا انتظام وانصرام اپنے ہاتھوں میں ہو، کمیٹی کو کہا گیا کہ وہ تین ماہ کے اندر اپنی رپورٹ پیش کرے، مندرجہ ذیل افراد کو کمیٹی کا رکن مقرر کیا گیا۔

1. ڈاکٹر ظفر حسن صاحب
2. ڈاکٹر قادری صاحب
3. جناب سید نواب علی
4. جناب مولانا ظفر علی خان
5. جناب خلیفہ شجاع الدین
6. جناب کریم الرضا خان
7. جناب مولانا برہان الحق
8. راجہ صاحب میر پور کمیٹی کے کنونیئر کے طور پر کام کریں گے۔''

(مسلمانوں کی تحریک آزادی کی دستاویزات انگریزی صفحہ 244)

کمیٹی نے جب تفصیل سے رپورٹ کا مطالعہ کیا تو اسے قائداعظم محمد علی جناح کے خدشات صحیح معلوم ہوئے۔ اس نے پنی رپورٹ میں لکھا:

واردھا اسکیم سے نہ صرف یہ کہ اردو زبان کی نشوونما متاثر ہوگی بلکہ انجام کار یہ اس کے خاتمے پر منتج ہوگی، اس اسکیم کے ذریعے اردو زبان کو ختم کر کے اس کی بجائے ''ہندوستانی'' کو ملک کی زبان بنانے کی سفارش کی گئی ہے، لیکن اس نئی زبان ہندوستانی، کے مختلف مفہوم بیان کیے جا رہے ہیں۔ پہلے تو اسے اردو زبان ہی کہا گیا، پھر اسے شمالی ہندوستان کی بولی قرار دیا گیا، لیکن جلد ہی واضح ہو گیا کہ مہاتما گاندھی کے نزدیک نہ تو اس سے اردو زبان مراد ہے، اور نہ ہی شمالی ہندوستان کی زبان، بلکہ اس سے مراد ایک ایسی زبان ہے کہ جس کا اس وقت وجود نہیں ہے اور اس طرح اسے آہستہ آہستہ وجود میں لایا جائے گا کہ مسلمان بھڑ نہ جائیں، ''ہندوستانی'' زبان کے مفہوم کے بارے میں یہ طرز عمل کسی فرد کی سوچ نہیں بلکہ یہ کانگریس کی ہائی کمان کا سوچا سمجھا منصوبہ معلوم ہوتا ہے، اور اس کے مفہوم کو جو بار بار تبدیل کیا جا رہا ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو لیڈروں کے مقاصد نیک نہیں بلکہ اردو زبان کے ساتھ اردو رسم الخط کے خاتمے کا پروگرام بھی بنایا جا رہا ہے۔ اس کی بجائے وہ ہندی کو دیوناگری رسم الخط میں مسلمانوں پر تھوپنا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں جو اسکیم بنائی گئی ہے اس کے مطابق جلد ہی اردو رسم الخط کو ناکافی قرار دے کر دیوناگری رسم الخط اپنا لیا جائے گا۔

(ایضاً صفحہ 338)

کمیٹی جو قائداعظمؒ کی درخواست پر قائم کی گئی تھی اس کی رپورٹ نے ہندو لیڈروں کے بارے میں قائداعظمؒ کے خدشات کی تصدیق کر دی۔ اس رپورٹ نے اردو اور مسلمانوں کے خلاف ہندو سازش کو بے نقاب بنا دیا، اور

ہندوستان کے طول و عرض میں مسلمان، قائداعظم کی سیاسی فراست کے قائل ہو گئے، اور جوق در جوق مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونے شروع ہو گئے۔ مسلم لیگ کمیٹی کی اس رپورٹ کے متعلق سارے برصغیر میں وسیع پیمانے پر تشہیر کی گئی جس سے ہندو لیڈروں کے عزائم پر اوس پڑ گئی۔

تاہم ان لیڈروں نے ہمت نہ ہاری اور مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کے لیے صف اول کے چند مسلمان لیڈروں کی خدمات حاصل کیں۔ ان لیڈروں میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر ذاکر حسین بھی شامل تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ واردھا اسکیم اپنانے میں ان کا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ قائداعظمؒ نے ہندوؤں کی اس چال کے جواب میں فرمایا:

''یہ لوگ مسلمانوں کے لیڈر نہیں ہیں بلکہ کانگریس کے ''شوبوائے'' ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کے یہ الفاظ اتنے مقبول ہوئے کہ وہ مسلمان جو ان کانگریسی مسلمان لیڈروں کے عقیدت مند تھے، شرم سے ان کا نام نہیں لیتے تھے۔ اس طرح قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوؤں کی اردو زبان ختم کرنے کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ اس زبان نے بعد میں نہ صرف یہ کہ سارے برصغیر کے مسلمانوں کو متحد کر دیا بلکہ قیام پاکستان کے سلسلے میں اس کی خدمات نے مسلمانوں کو وہ ولولہ بخشا کہ جس کے طفیل وہ آخر کار اپنا آزاد وطن قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔''

(ستمبر 1987ء)

(جدوجہد قیام پاکستان، از پروفیسر رفیع اللہ شہاب)

قائداعظم اور اسلامی جمہوریت

ڈاکٹر جاوید اقبال اپنے کالم میں یوں رقمطراز ہیں:

''قائداعظمؒ کن معنوں میں یہ چاہتے کہ پاکستان میں اسلامی جمہوریت قائم و رائج ہو؟ شہریوں کے بنیادی حقوق کو وہ کتنی اہمیت دیتے تھے؟ وہ عدلیہ کو عاملہ کے ماتحت بنانا چاہتے تھے یا الگ اور آزاد؟ کیا وہ یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان میں ایک شخصی حکمرانی یا ایک جماعتی حکومت قائم ہونی چاہیے؟ وہ بالواسطہ انتخاب کے نظام کے حق میں تھے یا بلاواسطہ انتخاب کے حق میں؟

قائداعظم پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے۔ ان کی ترتیب ''قانون کی حاکمیت'' کے اصول کے تحت ہوئی تھی۔ وہ شخصیتوں کی حکمرانی کی بجائے قانون کی حاکمیت پر یقین رکھتے تھے، چنانچہ جمہوریت ان کے لیے عقیدے کی حیثیت رکھتی تھی۔ اگرچہ انہوں نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ پارلیمانی نظام جمہوریت کو زیادہ پسند کرتے تھے یا صدارتی نظام جمہوریت کو۔ تاہم بنیادی امور و معاملات کے بارے میں ان کے خیالات اور ان کی رائے بالکل واضح تھی۔

وہ کامل یقین رکھتے تھے کہ حکومت عوام کے براہ راست انتخاب کردہ نمائندوں کو بنانی چاہیے اور یہ کہ عدلیہ کو عاملہ سے آزاد ہونا چاہیے۔ اپنے اس ذہنی پس منظر اور نقطہ نظر کے ساتھ قائداعظم نے اسلام کا مطالعہ کیا، اور اس اطمینان بخش نتیجے پر پہنچے کہ عمر بھر وہ جن اصولوں کی علمبرداری کرتے رہے ہیں، اسلامی جمہوریت کی بنیاد بھی انہی اصولوں پر قائم و دائم ہے۔

قائداعظم اسلام کے محقق یا ماہر خصوصی نہیں تھے اور اسی لیے انہوں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی کہ اسلامی اصولوں کو تاریخ میں آنے والی حقیقتوں نے کس طرح اور کیونکر تباہ و برباد کر دیا۔

ان کا مقصد اسلامی جمہوریت کے اصولوں کا احیاء تھا،

اسلامی تاریخ کی پیچیدگیوں کی تشریح نہیں تھا۔ قائد اعظمؒ بخوبی آگاہ تھے کہ اسلام کی وساطت سے رسول اکرم ﷺ نے دنیائے عرب میں ایک دینی وسیاسی انقلاب کی تکمیل کر دی تھی۔ منتشر ومتحارب قبائل باہم متحد ہو گئے، اور عرب ایک واحد جماعت یعنی امت کی حیثیت میں دنیا میں ابھرے۔

قائد اعظمؒ نے کراچی بار ایسوسی ایشن سے 25 جنوری 1948ء کو خطاب کرتے ہوئے پیغمبر اسلام (ﷺ) کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا:

''تیرہ سو سال قبل ہی حضور ﷺ نے جمہوریت کی بنیاد رکھ دی تھی۔ رسول اکرم ﷺ عظیم مصلح تھے۔ عظیم رہنما تھے۔ عظیم واضع قانون تھے۔ عظیم سیاست دان تھے اور عظیم حکمران تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں تو بہت سے لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔

اسلام رسوم، روایات اور روحانی تصورات کا مجموعہ نہیں ہے، اسلام ہر مسلمان کے لیے ضابطہ حیات بھی ہے جس کے مطابق وہ اپنی روز مرہ زندگی اپنے افعال و اعمال اور حتیٰ کہ سیاست و معاشیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی عمل پیرا ہوتا ہے۔ اسلام سب کے لیے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت اور عزت کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہے۔

توحید ربانی اور مساوات انسانی اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ اسلام میں انسان، انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مساوات، آزادی اور اخوت اسلام کے اساسی اصول ہیں۔''

اسلامی جمہوریت کے بنیادی اصولوں کی وضاحت قائد اعظم نے سبی دربار (بلوچستان) میں 14 فروری 1948ء کو اپنی تقریر میں یوں کی:

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم واضع قانون، پیغمبر اسلام (ﷺ) نے ہمارے لیے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور نظریوں پر رکھنی چاہیے۔ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

''مملکت کے امور مسائل کے بارے میں فیصلے مشوروں اور باہمی بحث وتمحیص سے کیا کرو۔''

اس امر پر فقہا کا اجماع ہے کہ سربرآوردہ شخصیت یا ملت کے چند سرکردہ اشخاص کی جانب سے خلیفہ کا انتخاب یا نامزدگی یا تعیناتی یا تقرر قانونی طور پر جائز اور درست بھی تھا اور صرف اس وقت مسلم وموثر سمجھا جاتا تھا جب پوری کی پوری امت اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ پوری امت کے اظہار وفاداری کی صورت ہی میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ اسے خلافت کے ممتاز عہدے پر فائز سمجھا جاتا تھا۔ یہ درست ہے کہ اسلام کے اوائل دور میں عوامی رائے یا توثیق محض رسمی بیعت کی صورت میں حاصل کی جاتی تھی، لیکن یاد رہے کہ اس زمانے میں جو نمایاں اور سربرآوردہ لوگ خلیفہ کا انتخاب یا نامزدگی یا تقرر کرتے تھے، وہ آنحضور ﷺ کے صحابہ کرامؓ تھے جن پر امت کا کامل اعتماد اور بھروسہ تھا۔ خلافت کے خاتمے کے بعد مسلم مفکرین نے اسلامی جمہوریت کا جو اصول اس اجماع سے اخذ کیا وہ یہ ہے کہ حکومت عوام کے براہ راست چنے ہوئے نمائندوں کو بنانی چاہیے۔ چنانچہ اسی بنا پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ مسلم ممالک میں

قانون ساز اسمبلیوں کی تشکیل وترتیب اسلام کی اصل روح کی طرف مراجعت ہے۔ قائداعظمؒ اس نقطہ نظر سے پوری طرح با خبر تھے۔ انہوں نے فروری 1948ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لوگوں کے نام ایک تقریر ریکارڈ کرائی تھی۔ اس تقریر میں انہوں نے اسی نقطہ نظر کی ترجمانی یوں کی:

''پاکستان کا دستور ابھی بننا ہے اور یہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس دستور کی شکل و ہیئت کیا ہوگی لیکن اتنا یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا اور اسلام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل۔ ان اصولوں کا اطلاق آج کی عملی زندگی میں بھی اسی طرح ہوسکتا ہے جس طرح تیرہ سو سال پہلے ہوا تھا۔ اسلام اور اس کے نظریات سے ہم نے جمہوریت کا سبق سیکھا ہے۔ اسلام نے ہمیں انسانی مساوات، انصاف اور ہر ایک سے رواداری کا درس دیا ہے، ہم ان عظیم الشان روایات کے وارث اور امین ہیں، اور پاکستان کے آئندہ دستور کے معماروں کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے بخوبی آگاہ ہیں۔''

اس سے ایک ماہ قبل 25 جنوری 1948ء کو قائداعظم نے کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''کسی کو ایسی جمہوریت، مساوات، رواداری اور آزادی سے خوف کیوں لاحق ہو جو انصاف، رواداری اور مساوی سلوک کے بلند ترین معیار پر قائم کی گئی۔ ان کو کہہ لینے دیجئے۔ ہم دستور پاکستان بنائیں گے اور دنیا کو دکھائیں گے کہ یہ رہا ایک اعلیٰ اور مثالی نمونہ۔''

4 جولائی 1947ء کو نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس ہوئی۔ قائداعظم نے اخبارنویسوں کے سوالات کے جواب دیے۔ بعض سوالات پاکستان کی ریاست کی نوعیت و ماہیت کے بارے میں بھی تھے۔ مثلاً:

سوال: پاکستان سیکولر ریاست ہوگا یا تھیوکریٹک؟

مسٹر جناح: آپ مجھ سے ایک مضحکہ خیز سوال کا جواب پوچھ رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا تھیوکریٹک ریاست کیا چیز ہے۔

(اخباری نمائندے نے بزعم خویش اطلاع بہم پہنچائی کہ تھوکریٹک ریاست وہ ہوتی ہے جہاں ملک خاص مذہب کے لوگوں مثلاً مسلمانوں کو تو مکمل شہریت حاصل ہو لیکن غیر مسلموں کو مکمل شہری قرار نہ دیا ہو)

مسٹر جناح: پھر تو جو کچھ میں پہلے کہہ چکا ہوں وہ چکنے گھڑے پر پانی ڈالنے کے مترادف ہے۔ (قہقہہ) جب آپ جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو یہی خیال کرتا ہوں کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی۔''

اسلامی ریاست کے حوالے سے پاکستان کے بارے میں ان کا تصور یہ تھا کہ یہاں وفاقی پارلیمانی طرز کی جمہوریت ہوگی جس میں باقی ماندہ اختیارات مشمولہ اکائیوں کے پاس ہوں گے ریاست کی نظر میں تمام شہری بلالحاظ ذات، عقائد برابر ہوں گے، انہیں یقین تھا کہ یہ اصول کسی طور بھی دین اسلام کے احکامات سے متصادم نہیں ہیں۔ انہوں نے بار ہا اس امر کا اعادہ کیا کہ پاکستان کوئی مذہبی ریاست نہیں ہو گی۔ المختصر قائداعظم محمد علی جناح ایک ایسی جدید جمہوری اسلامی فلاحی ریاست کے علمبردار تھے جس میں ایک با اختیار مقننہ باہمی مشاورت کے ذریعے

شرعی احکامات کی تشریح و توضیح کر کے وقت کے تقاضوں کے مطابق قانون سازی کر سکے گی۔ باالفاظ دیگر انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ پاکستان میں اسلامی ریاست کی متروک ماہیت نافذ العمل ہوگی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جہاں انہوں نے سیکولر ازم کے داعیوں سے نظریاتی بعد برقرار رکھا تھا، وہاں انہوں نے ''مولویوں اور مولاناؤں'' کا پیش کردہ اسلامی ریاست کا نمونہ بھی مسترد کر دیا تھا۔

قائداعظم نے 5 فروری 1938ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے انہیں اپنی قیادت میں آل انڈیا مسلم لیگ کی حاصل کردہ کامیابیوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس مسئلے کے حوالے سے اپنے نقطہ نظر کی بھی وضاحت کر دی تھی۔ انہوں نے فرمایا تھا:

''مسلم لیگ نے جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے آپ کو مسلمانوں کے رجعت پسند عناصر سے آزادی دلا دی ہے، اور یہ تاثر پیدا کر دیا ہے کہ جو لوگ خود غرضی پر مبنی کھیل کھیل رہے ہیں، وہ غدار ہیں۔ اس نے آپ کو مولویوں اور مولاناؤں کے ناپسندیدہ عنصر سے نجات دلا دی۔ میں مولویوں کے بارے میں من حیث الجماعت بات نہیں کر رہا ہوں۔ ان میں بعض ایسے ہیں جو اتنے ہی محب وطن اور مخلص ہیں جتنا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے، لیکن ان میں ایک طبقہ ایسا ہے جو ناپسندیدہ ہے۔ برطانوی حکومت، کانگریس، رجعت پسند عناصر اور نام نہاد مولویوں سے رہائی پانے کے بعد کیا میں نوجوانوں سے اپیل کر سکتا ہوں کہ وہ ہماری خواتین کو بھی نجات دلائیں۔ ایسا کرنا ضروری ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم مغرب کی برائیوں کی تقلید کریں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی نہ صرف ہماری سماجی بلکہ سیاسی زندگی میں بھی حصہ لیں۔''

عام طور پر یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کی تحریری ضمانت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دستور میں دی گئی تھی لیکن قائداعظمؒ اپنے ہم عصر مسلم مفکرین کی طرح یہ یقین رکھتے تھے کہ انسان کے بنیادی اور قابل انتقال حقوق کی تحفظ کی تحریری ضمانت سب سے پہلے قرآن مجید نے دی تھی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے دریافت ہونے سے بھی بہت پہلے، جدید مغربی تہذیب کی پیدائش سے بھی بہت پہلے۔ قرآن مجید نے انسان کے جن بنیادی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی ہے، وہ اسلامی جمہوریت کے بنیادی اصول ہیں۔ کسی فانی انسانی طاقت میں اتنی جرأت نہیں ہو سکتی کہ ان پر ابہام کا پردہ ڈال دے یا ان کو مسخ یا مسترد کر دے، کیونکہ یہ احکام الٰہی کا جزو ہیں۔ انسان کے مندرجہ ذیل بنیادی حقوق قرآن وسنت میں آسانی سے دستیاب ہو سکتے ہیں:۔

1. قانون کے روبرو تمام شہریوں کی مساوات نیز مرتبے اور مواقع کی برابری۔
2. ضمیر اعتقاد اور مذاہب کی آزادی۔
3. جان کے تحفظ کا حق۔
4. ملکیت کے تحفظ کا حق۔
5. کوئی کسی کے برے اعمال کی سزا نہیں بھگتے گا۔
6. شخصی آزادی۔
7. اظہار رائے کی آزادی۔
8. نقل وحرکت کی آزادی۔

- ۹ اجتماع کی آزادی۔
- ۱۰ نجی زندگی کے تحفظ کا حق۔
- ۱۱ زندگی کی بنیادی ضروریات حاصل کرنے کا حق۔
- ۱۲ عزت کے تحفظ کا حق۔
- ۱۳ مناسب عدالتی کارروائی کے مطابق فیصلے کا حق۔

قائداعظمؒ ان قرآنی حقوق سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے مساوات وحریت اور مذہبی آزادی کو نسبتاً زیادہ اہمیت دی۔ مساوات کے حق کے سلسلے میں وہ قرآن مجید کی اس آیت سے پوری طرح واقف تھے۔

''اے انسانو! اپنے رب کا حکم بجا لانے میں کوتاہی مت کرو جس نے تم کو ایک واحد روح سے پیدا کیا اور پھر اس سے مادہ تخلیق کی اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔'' (4-1)

مذہبی آزادی کے سلسلے میں قائداعظم اس قسم کی آیات قرآنی سے بخوبی آگاہ تھے '' دین کے معاملات میں کوئی زبردستی نہیں'' (2-156)۔ غیر مسلم مذہبی اقلیتوں کے تحفظ اور رواداری کے متعلق قائداعظم قرآن مجید کی اس ہدایت سے نا آشنا تھے '' اگر اللہ نے طاقتور حملہ آوروں کے تدارک کے لیے ایک جماعت (مسلمانوں کی) پیدا نہ کی ہوتی تو نصاریٰ کے کلیسا' یہود کے عبادت خانے' خانقاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کی پرستش بکثرت کی جاتی ہے' منہدم ہو گئے ہوتے۔'' (4-22)

قائداعظمؒ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر مذاہب کے لوگوں کے لیے رواداری کا سلوک کرنے کی تلقین کی ہے بلکہ انہیں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ ان کی حفاظت میں غیر مسلموں کی جو عبادت گاہیں ہیں' ان کا تحفظ ان کا فرض ہے۔ قائداعظم کے نزدیک پاکستان کے مطالبے اور اسے حاصل کرنے کی جدوجہد کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ متحدہ ہندوستان میں ان بنیادی انسانی حقوق کے سلب ہونے کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اپنی اس تقریر میں جو انہوں نے چٹا گانگ کے جلسہ عام میں 26 مارچ 1948ء کو کی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا:

''جب آپ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کی بنیاد معاشرتی اسلامی مساوات، انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی جائے تو بنی نوع انسان کی اخوت و مساوات (برابری) پر زور دیتے ہیں تو آپ میرے اور لاکھوں مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔''

یونیورسٹی سٹیڈیم، لاہور میں ایک عظیم الشان جلسہ سے، جو 30 اکتوبر 1947ء کو منعقد ہوا تھا، خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا تھا:

''اسلام کے اصولوں نے ہر مسلمان کو یہ سکھایا ہے کہ وہ بلالحاظ رنگ ونسل اپنے پڑوسیوں اور اقلیتوں کی حفاظت کرے۔ 11 اگست 1947ء کو پاکستان دستور ساز اسمبلی کے مشہور خطبہ صدارت میں قائد اعظم نے اعلان کیا:

''آپ آزاد ہیں۔ آپ عبادت کے لیے اپنے مندروں میں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ مملکت پاکستان میں اپنے عقیدے کے مطابق اپنی عبادت گاہوں میں جانے میں آزاد ہیں۔ آپ خواہ کسی مذہب، فرقے یا عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں، امور مملکت کو اس سے کوئی سروکار نہیں۔''

ہم اس زمانے میں آغاز کر رہے ہیں جبکہ دو فرقوں



محمد علی جناح 1916

کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہیں اور کسی امتیاز کو ترجیح نہیں دی جاتی۔ ہم اس بنیادی اصول سے آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ہی مملکت کے شہری ہیں، اور برابر کے شہری۔ پس ہمیں اس نصب العین کو ہر وقت اپنے سامنے رکھنا چاہیے، اور آپ وقت کے ساتھ ساتھ دیکھیں گے کہ نہ ہندو ہندو رہے گا اور نہ مسلمان مسلمان، مذہب کے معنوں میں نہیں کیونکہ یہ تو ذاتی عقیدے کا معاملہ ہے، بلکہ سیاست کے معنوں میں جب ہر شخص مملکت کا شہری ہوتا ہے۔''

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

قائداعظم اور اصفہانی (خط و کتابت)

14 جنوری 1977ء کو یہ کتاب کراچی سے شائع ہوئی۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح اور مرزا ابوالحسن اصفہانی کے درمیان 1932ء سے 1948ء تک کی خط و کتابت شامل ہے۔

قائداعظم اور اقبال

یہ کتاب پروفیسر احمد سعید نے مرتب کی اور اس کتاب میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالی۔ یہ کتاب 23 صفحات پر مشتمل تھی اور اسے مکتبہ احیاء العلوم شرقیہ 29 علامہ اقبال روڈ لاہور نے شائع کیا۔

قائداعظم اور اقلیتیں

چمن لعل کنڈیارو نے یہ کتابچہ مرتب کیا اور اکتوبر 1976ء میں اس کتابچہ کو پاکستان بالمیک اکیڈمی بیراج سکھر (سندھ) نے شائع کیا۔ چمن لعل کنڈیارو نے اسے قائداعظم محمد علی جناح کی روح کے نام معنون کیا ہے۔ یہ بہترین پرنٹنگ پریس لاہور میں شائع ہوا، اور اس کے صفحات کی تعداد 24 ہے۔

قائداعظمؒ اور ان کا عہد

یہ رئیس احمد جعفری کی مشہور کتاب ہے۔ یہ کتاب تحریک پاکستان کے دور شباب میں لکھی گئی تھی۔ اس کتاب کو مقبول اکیڈمی لاہور نے طبع کیا۔

اس کتاب میں مسلم لیگ کے قیام کے پس منظر اور جماعت کے پرچم تلے اور اسلامیان برصغیر کی ایمان افروز سیاسی جدوجہد کی ساری تفاصیل بڑی محنت و تلاش و سلیقہ اہتمام سے پیش کی گئی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ قیام پاکستان کی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اسلامیانِ برصغیر کو کن مراحل سے گزرنا پڑا اور کن مشکلات اور مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ رئیس احمد جعفری نے اسے راجا صاحب محمود آباد کے نام معنون کیا ہے۔

اس کتاب سے تاریخ اور قومی جدوجہد آزادی دونوں کے طلباء یکساں اور سودمند استفادہ کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب 600 صفحات پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب درج ذیل عناوین پر مشتمل ہے۔ قائداعظم بحیثیت قانون ساز، قائداعظم کی حق گوئی۔ قائداعظم بحیثیت ایک عظیم سیاست دان۔ قائداعظم ہندو مسلم اتحاد کے پیغامبر قائداعظم ایک سیاسی مفکر، قائداعظم کلیم سیاست، قائداعظم ایک پیغامبر، قائداعظم ایک شوہر کی حیثیت سے، قائداعظم بحیثیت ایک مسلمان، قائداعظم بحیثیت ایک باپ، قائداعظم ایک انقلابی لیڈر، قائداعظم بحیثیت مصلح قوم، قائداعظم صاحب خود، قائداعظم اقبال کا شاہین، قائداعظم حریت کے علمبردار، قائداعظم مرد فقیر، قائداعظم مرد قلندر، قائداعظم مر مومن، قائداعظم معمار پاکستان، قائداعظم جمہوریت کے

علمبردار، قائداعظم بحیثیت سربراہ مملکت، قائداعظم اوران کی ہمشیرہ، قائداعظم کے مشاغل، قائداعظم کی مرغوبیات، قائداعظم کا سفر آخرت، قائداعظم معاصرین کی نظر میں۔ فرمودات قائداعظم۔

قائداعظم اور پاکستان

ہمایوں زمان مرزا اپنے کالم ''قائداعظم محمد علی جناح اور پاکستان'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''قائداعظم تو بے شک عظیم ہیں اور یقیناً اس منفرد و ممتاز اعزاز کے مستحق ہیں، جوقوم نے آپ کو دیا، اور دنیانے جس کا اعتراف بھی کیا، لیکن سب سے بڑھ کر یہ ہمارا اعزاز ہے کہ ہمیں آپ جیسا عظیم قائد نصیب ہوا، جن کی بے لوث مخلصانہ، مدبرانہ اور ولولہ انگیز قیادت میں ہم نے محکومی سے نجات حاصل کی اور آزادی کی نعمت غیر مترقبہ سے ہمکنار ہوئے۔ کاش ہم اس عظیم قائد کی لاج رکھ کر ذاتی و گروہی مفادات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پاکستان کی تعمیر وترقی اور قوت واستحکام کے لیے اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کی پچاس سال پر محیط سیاسی زندگی کی جدوجہد کا مرکز اور محور یہ اعلیٰ وارفع نظریہ تھا کہ برصغیر جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کوسیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی حقوق سے بہرہ ور کرکے ان کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کرنے کے ساتھ ساتھ باوقار شہری بنایا جائے۔ کانگریس کارکن ہونے کے باوجود آپ نے امپیریل قانون ساز کونسل میں جس طرح مسلمانوں کے حقوق کے حق میں آواز بلند کی، وہ آپ کی ملت اسلامیہ، برصغیر جنوبی ایشیاء کے ساتھ گہری وابستگی کا مظہر ہے۔ دنیا آپ کی جماعت کو ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی نمائندہ قومی سیاسی جماعت تسلیم کرنے پر مجبور ہوگئی۔ مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد بھی آپ نے بھرپور کوشش کی کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کوانفرادی اور اجتماعی طور پر بحیثیت ایک قوم زندہ رہنے کا حق دلوایا جائے کانگریس کا سرکردہ رکن اور لبرل رہنماء ہونے کی حیثیت سے آپ کو ہندو ذہنیت کا قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تھا، لہٰذا ہندو قیادت سے مایوس ہونے اور نہرو کمیٹی کی مسلم کش دستوری سفارشات کومسترد کرنے کے بعد آپ نے اپنے مشہور چودہ نکات کا جنوری 1929ء میں اعلان کر دیا۔آپ نے یہ نکات پیش کرکے ہندوؤں پر حتمی طور پر یہ بات واضح کردی کہ ان مطالبات کوکلی طور پر تسلیم کیے بغیر ہندوستان میں کوئی بھی دستوری ڈھانچہ نافذ نہیں ہونے دیا جائے گا۔

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے 28 مارچ 1929ء کو اپنے اجلاس منعقدہ دہلی میں گہرے غور وفکر کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات کوتسلیم کر کے جماعتی پالیسی قرار دے دیا۔ ان نکات نے برصغیر کی جدوجہد آزادی اور مسلمانوں کے مؤقف کو واضح کر دیا تھا۔ مسلمانانِ برصغیر نے چودہ نکات کی مکمل تائید و حمایت کی، جبکہ انڈین نیشنل کانگریس نے ان کوتسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اس صورتحال نے مسلمانوں کی قومی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کیے، اور برصغیر جنوبی ایشیا میں ایک نئے سیاسی دور کا آغاز ہوا۔ 14 اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر ایک نئے ملک اور سب سے بڑی نظریاتی اسلامی ریاست کا اضافہ

ہوا۔

برصغیر جنوبی ایشیاء میں مسلم قومیت اور دو قومی نظریہ کے تصور کی بدولت حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت اور رہنمائی میں معرضِ وجود میں آنے والی سب سے بڑی نظریاتی اسلامی ریاست پاکستان کے قیام کی تاریخی جدوجہد کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام عصر حاضر کی تاریخ کا ایک عدیم المثال واقعہ اور بے نظیر کرشمہ ہے۔ تصور پاکستان کو ظہورِ حقیقت میں لانے کے لیے جن عوامل نے کارفرمائی کی۔ ان میں اسلام کی نظریاتی اساس، برصغیر میں مسلمانوں کی ایک ہزار سالہ حکومت کا تاریخی تسلسل اور ایشیاء کی جغرافیائی اہمیت نے سب سے زیادہ اور اہم کردار ادا کیا۔

پاکستان کا قیام برصغیر جنوبی ایشیاء کے مسلم عوام کا قومی امنگوں اور اجتماعی آرزوؤں کی تکمیل کا آئینہ دار ہے۔

ان کی آرزو یہ تھی کہ پاکستان میں جمہوریت کا نفاذ ہوگا۔ یہ مسلمانوں کی ایسی قومی ریاست ہوگی، جس میں اسلام کے اصولوں کی روشنی میں سیاسی، معاشی، معاشرتی، مذہبی، تعلیمی، قانونی اور اخلاقی نظام کو رائج کر کے افراد قوم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے عالمگیر اصولوں کے مطابق مربوط اور منضبط کیا جائے گا اور عوام کی آرزوؤں اور امنگوں کی تکمیل کی جائے گی، یہ تکمیل اسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے۔

جب ہم نظریاتی اساس، تاریخی حقائق اور جغرافیائی اہمیت کا احساس کر کے اجتماعی کاوشیں بروئے کار لائیں، اور ان کو درست سمت عطا کریں۔

پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے، جس کو صرف اسی صورت میں مستحکم بنایا جا سکتا ہے، جب ہمارے ملک میں خوفِ خدا، احترامِ آدمیت، جمہوریت کا نفاذ اور شہری آزادیوں کے تحفظ کا دور دورہ ہوگا، عوام کی امنگوں اور آرزوؤں کی تکمیل صرف اس وقت ہوگی، جب عدل و انصاف کا پرچم سربلند ہوگا۔ جب قانون کی حکمرانی کا راج ہوگا۔ جب ذرائع پیداوار اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہوگی اور جب غربت، جہالت کا خاتمہ ہوگا، تاکہ پاکستانی عوام سکھ اور چین کا سانس لے سکیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان کے مستقبل کے بارے میں حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے واشگاف الفاظ میں یہ اعلان فرمایا تھا۔ ''پاکستان کے مستقبل کا دار و مدار پاکستان کے عوام پر ہے، نہ کہ ان مٹھی بھر ایڈمنسٹریٹرز اور آمروں پر جنہوں نے اپنی قسمت ان کے ساتھ وابستہ کر لی ہے۔ یہ وہ غریب پاکستانی مرد اور خواتین تھے جنہوں نے ان (قائداعظم) کی تائید و حمایت کی، جس نے مسلم لیگ کو اتنا مضبوط اور طاقتور بنایا، ان کی تائید و حمایت کے بغیر نہ تو ان کی اپنی (قائداعظم) ذہانت اور نہ ہی مسلم عمائدین کی پشت پناہی پاکستان کو معرضِ وجود میں لا سکتی تھی۔''

فرزندِ کشمیر حضرت علامہ اقبال نے بھی بہت عرصہ قبل کیا خوب اور سچ کہا تھا:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

قائداعظم زندہ باد، پاکستان پائندہ باد''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت: 11 ستمبر 2013ء)

قائداعظم اور دو قومی نظریہ

پروفیسر رفیع اللہ شہاب اپنی کتاب ''جدوجہد قیام پاکستان'' میں رقمطراز ہیں:

''پاکستان کا قیام، دوقومی نظریے کی بنیاد پر عمل میں آیا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے ہندو کانگریس سے لڑائی دوقومی نظریے کی بنیاد پر لڑی تھی، کیونکہ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ ان کا دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور وہ اس کے مطابق اپنی زندگیاں گزارنا چاہتے ہیں، لیکن حیرت کی بات ہے کہ آج اس اتنی بڑی حقیقت کو متنازعہ بنایا جارہا ہے، اور کچھ لوگوں کی جانب سے دعویٰ کیا جارہا ہے کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات نہیں اور قائداعظم اسلامی نہیں بلکہ ایک سیکولر حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔

سب سے پہلے یہ آواز سابق چیف جسٹس جناب محمد منیر صاحب نے اٹھائی اور انہوں نے اپنی کتاب جناح سے ضیاء تک میں اس پر بحث کی۔ اب کچھ دین اسلام کا علم رکھنے کا دعویٰ کرنے والے اہل علم نے بھی اس کی تائید شروع کردی، چند دن پہلے راقم نے لاہور میں ایک جدید اسلامی ادارے کے سربراہ کی زبانی یہی بات سنی تو حیرت کی انتہا نہ رہی، ان کا بھی یہی اصرار تھا کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات نہیں۔ یہ تو مودودی صاحب کا سیاسی نعرہ تھا، اگر یہ دعویٰ تسلیم کرلیا جائے تو نہ صرف یہ کہ اسلام پوجاپاٹ کا ایک مذہب باقی رہ جاتا ہے بلکہ اس سے مملکت پاکستان کی بنیاد بھی کمزور پڑ جاتی ہے، کیونکہ اسی بنیاد پر تو ایک علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

چونکہ اس غلط دعویٰ سے پاکستان کے قیام کے بارے میں نوجوان نسل میں غلط فہمیاں پھیلنے کا امکان ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود بانی پاکستان کی زبان سے اس غلط فہمی کو دور کردیا جائے، مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس جو 1940ء کو لاہور میں منعقد ہوا تھا، تحریک پاکستان کی تاریخ میں نشان منزل کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ اس میں پاکستان کا ریزولیشن پاس ہوا تھا، اس اجلاس کی صدارت بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے فرمائی تھی، آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا:

''میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آخر ہمارے ہندو بھائی اسلام اور ہندومت کی حقیقت اور اہمیت کو سمجھنے سے کیوں گریز کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں مذہب نہیں بلکہ ایک دوسرے سے مختلف معاشرتی نظام ہیں، اور اس بنا پر متحدہ قومیت کا تخیل ایک ایسا خواب ہے جو کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، یاد رکھیے، ہندو اور مسلمان مذہب کے ہر معاملے میں دو جداگانہ فلسفے رکھتے ہیں، دونوں کی معاشرت ایک دوسرے سے مختلف ہے، یہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر ہیں، دو ایسی قوموں کو ایک نظام مملکت میں یکجا کردینا باہمی مناقشت کو بڑھائے گا اور بالآخر اس نظام کو پاش پاش کردے گا، جو اس ملک کی حکومت کے لیے وضع کیا گیا ہو۔''

اپنے اس اہم صدارتی خطبے کے پورے ایک سال بعد انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس مدراس میں اپنے خطبہ صدارت میں اپنے اس دعویٰ کا اعادہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مسلم لیگ کا نصب العین یہ بنیادی اصول ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک جداگانہ قومیت رکھتے ہیں، انہیں کسی دوسری قوم میں جذب کرنے یا ان کے نظریات یا ملی تشخص کو مٹانے کے لیے جو کوشش بھی کی جائے گی، اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا،

ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ اپنے جداگانہ قومی تشخص اور جداگانہ حکومت کو قائم کر کے رہیں گے۔''

اپنے ان صدارتی خطبات کی وضاحت کرتے ہوئے قائداعظم نے مختلف مواقع پر یہ اعلان کیا کہ ان کے اس مطالبے کی اہم بنیاد یہ ہے کہ ہمارا دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، انہوں نے 27 نومبر 1945ء کو ایڈورڈ کالج پشاور کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''ہم دونوں قوموں (ہندو اور مسلمان) میں صرف مذہب کا فرق نہیں۔ ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہمیں ایک ایسا ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، ہم اس ضابطہ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔''

اس ضابطے کی وضاحت وہ کئی سال پہلے مختلف مواقع پر کر چکے تھے، ان میں ان کی اہم ترین وضاحت وہ ہے جو انہوں نے اگست 1948ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن کے طلباء کے سوالات کے جواب میں فرمائی، آپ نے مملکت پاکستان کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔ جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں عملاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے اور نہ پارلیمان کی۔ نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں، اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی کا نام ہے اور حکمرانی کے لیے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

قائداعظم کی اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی صاحب علم یہ اصرار کرے کہ نہ تو اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے اور نہ ہی قائداعظم اسے ایسا سمجھتے تھے بلکہ وہ پاکستان میں غیر مذہبی طرز کی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ابھی تک پاکستان کے قیام کو دل و جان سے تسلیم نہیں کیا۔ (دسمبر 1980ء)''

قائداعظم اور تعمیر ملت

اس کتاب کو ڈاکٹر سلیم ایم ایم قریشی نے 1969ء میں مرتب کیا اور اسے کونسل برائے پاکستان سٹڈیز کراچی نے شائع کیا۔

104 صفحات کی یہ کتاب انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ برصغیر کی آزادی کی صحیح تصویر پیش کرنے اور اس عدم توازن کو دور کرنے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی سوانح عمری مرتب کر کے مرتب نے اسے ایک منفرد کتاب کی حیثیت دی ہے۔

کتاب کا چوتھا باب خاص اہمیت کا حامل ہے اس میں قائداعظم محمد علی جناح کی سیاسی زندگی کے ابتدائی دور کا ذکر ملتا ہے۔

قائداعظم اور راولپنڈی

یہ کتاب پروفیسر منظور الحق صدیقی کی تالیف ہے۔ اسے 1983ء میں قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد نے شائع کیا۔

اس کتاب کی فہرست مضامین میں 1936ء میں تشریف آوری، 1941ء میں آمد کی افواہ، 1942ء میں قائداعظم آتے آتے رہ گئے۔

1944ء میں تشریف آوری، راولپنڈی میں حضرت قائداعظم کا ماتم، اشاریہ، قائداعظم کے مزید پانچ خط، ضمیمے (انگریزی میں) دوسری اطرف سے صفحات 1 تا 24 شامل ہیں۔

کتاب کے آخر میں چوبیس ضمیمے انگریزی زبان میں دیے ہیں ان میں بیس وہ تار یا خط ہیں جو قائداعظم محمد علی جناح نے راولپنڈی یا مری کے پتے پر لکھے یا راولپنڈی آنے کے بارے میں دوسرے اضلاع والوں کو لکھے۔ ان میں سے اٹھارہ غیر مطبوعہ ہیں۔

کتاب کی تالیف میں زبانی روایات کو درج کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ حالات و واقعات انتہائی چھان پھٹک کرنے کے بعد شامل کتاب کیے گئے ہیں۔

قائداعظم اور سرحد

یہ کتاب عزیز جاوید نے مرتب کی اور اس کتاب کو اکتوبر 1976ء میں ادارہ تحقیق و تصنیف پشاور نے شائع کیا۔ فدا محمد خاں لکھتے ہیں:

> ''مصنف نے سرحد میں تحریک پاکستان کے ہر پہلو پر روشنی ڈال کر تحریک پاکستان کے ایک اہم باب کی تکمیل کی ہے۔''

سرحد میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں مصنف کا یہ ایک بہت بڑا تحقیقی اور تاریخی کارنامہ ہے۔ کتاب کی خصوصیات یہ ہیں:

1. قائداعظم محمد علی جناح کی وہ آئینی جدوجہد جو انہوں نے سرحد کو اصلاحات دلانے کے لیے کی ہے وہ تفصیل کے ساتھ پہلی بار اسی کتاب کے ذریعے منظر عام پر آئی ہے۔
2. قائداعظم محمد علی جناح کے سرحدی دوروں ان کی سرحد میں تقاریر اور سرحد کے لیے ان کے خصوصی پیغامات کو پہلی بار تفصیل کے ساتھ اور صحیح طور پر منظر عام پر لایا گیا۔
3. قائداعظم محمد علی جناح کی سرحدی عوام کے ساتھ نادر اور تاریخی تصاویر جو اس کتاب میں دی گئی ہیں، وہ قومی تاریخ کا ایک قیمتی سرمایہ تھیں۔ جنہیں مصنف کی انتھک کوششوں سے محفوظ اور یکجا کر لیا گیا ہے۔
4. اس کتاب کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح اور سرحدی زعماء کے درمیان ہونے والی خط و کتابت سے صوبے میں تحریک پاکستان پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔
5. اس کتاب میں سرحد کے شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔
6. خواتین کا تحریک پاکستان میں جو کردار رہا ہے اس پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

قائداعظم اور صوبائی تعصّبات

عزیز ظفر آزاد اپنے اس مضمون میں یوں رقمطراز ہیں:

''حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی سیاست کا آغاز مسلم حقوق کی بحالی کے ساتھ ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی جدوجہد سے ہونا دکھائی دیتا ہے۔ سرسید کی طرح آپ نے دونوں قوموں کے اتحاد و تعاون سے انگریز حکمرانوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہا، مگر ہندو قیادت کے مستقل تعصبانہ رویے نے حضرت قائداعظم کو اس نتیجے پر پہنچا دیا کہ دونوں قومیں آپس میں بڑا تضاد رکھتی ہیں، لہٰذا مسلمانان ہند کو علیحدہ مادر وطن کے لیے کمربستہ ہونا چاہیے، جہاں اپنے دین کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ آپ نے مسلم قوم کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کا بیڑا اٹھایا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کو مسلمانان

برصغیر کی واحد نمائندہ جماعت قرار دے کر ہر مکتبہ فکر کے خاص و عام کو مسلم لیگ میں شمولیت کی دعوت دی۔ حضرت قائداعظم نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کے عمل کو وسیع پیمانے پر ہر مسلم مرد و زن بلاتفریق رنگ نسل علاقہ ایک پرچم تلے جمع ہونے کا پیغام عام کیا۔

آپ نے برصغیر میں موجود علمائے کرام مشائخ سے باقاعدہ روابط قائم کر کے ان سے رہنمائی کی درخواست کی۔ طلبہ اور خواتین کی تنظیمیں قائم کی گئیں۔ نیشنل گارڈ کے نام پر نوجوان منظم نظر آنے لگے۔ ہندوستان کے کونے کونے گوشہ گوشہ میں حضرت قائداعظم نے خود جا کر مسلم لیگ کی تنظیمیں قائم کیں۔ برصغیر میں بکھری ہوئی مسلم قوت کو یکجا کرنے کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔ اس عظیم عمل کے دوران ایسے واقعات پیش آئے کہ عرصہ سے موجود علاقائی اور قومیت کی بنیاد پر قائم تنظیمیں مسلم لیگ کے ساتھ جڑنے کو تیار ہوئیں جیسے مسلم راجپوتان ہندو یا انجمن آرائیاں کے علاوہ دیگر تنظیموں نے اپنے تشخص کو قائم رکھتے ہوئے مسلم لیگ میں شمولیت کا ارادہ ظاہر کیا، مگر حضرت قائداعظم نے یہ کہہ کر وضاحت کر دی کہ مسلم لیگ راجپوتوں جاٹوں پٹھانوں کی جماعت نہیں، اس میں شامل ہونے کے لیے صرف مسلم ہونا ضروری ہے، اور ہر فرد اپنی ذاتی حیثیت میں مسلم لیگ میں شامل ہو سکتا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد بھی آپ نے بے شمار مرتبہ واضح کیا کہ پاکستان بنگالیوں، پٹھانوں، پنجابیوں نے نہیں بنایا بلکہ مسلم قومیت کی بنیاد پر قائم ہوا، لہٰذا یہاں علاقائی، لسانی اور فرقہ واریت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ آپ نے متعدد بار آگاہ کیا کہ تعصبات قوموں کو برباد کر دیتے ہیں، لہٰذا ہمیں ایسے عناصر سے ہوشیار رہنا ہے، جو مسلمانوں میں کسی صورت تقسیم کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

12 اپریل 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اپنے صوبے سے محبت کرنے اور ملک سے محبت کرنے کے معنی اور ان دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ ہمارے فرائض جو ہم پر پوری مملکت کی طرف سے عائد ہیں وہ ہمیں صوبائیت سے آگے لے جاتے ہیں۔

ان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی نظر اپنے خیالات اپنے وطن دوستی کے تصور میں وسعت پیدا کریں۔ ملک کی خدمت اگر اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنی ذات اور صوبائی اغراض کو وسیع تر مقاصد میں ضم کر دیں اسی میں سب کی بھلائی اور سب کا فائدہ ہے۔

سب سے پہلے ہم پر اپنے ملک کی خدمت کرنا فرض ہے اس کے بعد صوبے پھر اپنے ضلع قصبے یا گاؤں اور سب سے آخر میں خود اپنی ذات۔ یہ نہ بھولیں کہ ہم ایک مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں جسے پوری دنیائے اسلام کی قسمت بننا ہے، لہٰذا ہماری نظر وسیع ہونی چاہیے۔ [illegible]

... وسیع کہ وہ صوبائی حد بندی محدود قوم پرستی اور ... تعصبات سے بالاتر ہونے ... وطن دوستی کو فروغ دینا چاہیے جو ہمیں ایک متحدہ اور طاقتور قوم کے سانچے میں ڈھال سکے ... یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ مقاصد جن کے لیے لاکھوں مسلمانوں نے اپنا سب کچھ کھویا اور اپنی جانیں قربان کیں۔“

حضرت قائداعظم نے 16 جون 1948ء کو کوئٹہ میں میونسپلٹی میں خطاب کرتے ہوئے ایسے ہی خیالات کا اظہار فرمایا:

''ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے شہر سے محبت کرے اور اس کی بہبود کے لیے کوشاں رہے لیکن یہ بات نہ بھولنی چاہیے کہ شہر یا صوبہ پوری مملکت کا ایک حصہ ہوتا ہے، لہٰذا ہر شخص کو اپنے ملک اور قوم کی بہبود کو اولیت دینی چاہیے۔ میرے لیے انتہائی تکلف دہ بات ہے کہ صوبہ پرستی کی لعنت پاکستان کے کسی حصہ میں پائی جائے ہم سب پاکستانی ہیں۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی پنجابی، بلوچی، سندھی یا بنگالی نہیں۔

ہم میں سے ہر ایک کو پاکستانی کی حیثیت سے ہی سوچنا ہے، محسوس کرنا ہے اور عمل کرنا ہے۔ اپنے ملک سے محبت کریں اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے اور بھی کوشش کریں کسی خاص جگہ سے انس یا تعلق رکھنا بھی ایک ہی معنی رکھتا ہے مگر ایک جزو کی حیثیت اسی وقت باقی رہتی ہے، جب تک وہ کل کے ساتھ رہے اس سے ہٹ کر اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ یہ حقیقت ہے کہ لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں اور مقامی صوبائی فرقہ وارانہ مسائل کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں قومی مفاد سے بے پرواہی برتتے ہیں۔

یہ پرانے نظام کی یادگار ہے، جب آپ کو صرف صوبائی خودمختاری ملتی تھی اور آپ مقامی معاملات کی حد تک برطانوی حاکمیت سے بے پرواہ تھے، لیکن اب جب آپ کی اپنی مرکزی حکومت ہے اور بااختیار ہے پرانے انداز میں سوچتے رہنا محض نادانی ہے۔ صوبائی تعصب ایک لعنت ہے، اسی طرح شیعہ سنی وغیرہ کے سلسلے میں فرقہ پرستی بھی۔ میری برابر یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو جائے۔ میں نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا ایک خادم اسلام کی حیثیت سے کیا اور اپنا فرض ادا کیا۔ قدرتی طور پر اس بات سے مجھے سخت تکلیف پہنچتی ہے، جب میں بعض پاکستانیوں کو دیکھتا ہوں تو وہ صوبائی تعصب کی لعنت میں مبتلا ہیں۔ یہ لعنت تو پاکستان سے دور ہی رہنی چاہیے کسی ذاتی غرض کے لیے ملکی مفاد کو بھول جانا خودکشی کے مترادف ہے۔ سندھی، بنگالی، پٹھان، پنجابی یا بلوچی کی بجائے ہم سب پاکستانی ہیں اور ہمارے لیے یہی کافی ہے۔''

قارئین کرام! مسلم قومیت کی بنیاد پر کھڑی ہونے والی ریاست میں آج چار پانچ قومیتوں کا ڈھول پیٹا جا رہا ہے، اس عصبیت نے پہلے عالم اسلام کی سب سے بڑی مملکت کو دولخت کر دیا مگر اب ہم پر جعلی اسناد جعلی ووٹوں سے مسلط ہونے کے نعرے سے تقسیم در تقسیم کرنے پر تلی ہیں ہمیں اپنے اسلاف کی تاریخ ساز جدو جہد اور عظیم جذبوں کو دوبارہ بروئے کار لانا ہوگا۔ ہمارے بزرگوں نے اتحاد کو قوت بنا کر مکار ہندو اور عیار انگریز کو شکست فاش دی۔ ہمیں انہی جذبوں سے اپنی صفوں میں تطہیر کا عمل کرتے ہوئے میر جعفر اور میر صادق کو نکال کر نشان عبرت بنانا ہوگا، تب ہی پاکستان اپنی منزل ایک فلاحی اسلامی جمہوری ریاست کا روپ ڈھال سکتا ہے جس کی منتظر لاکھوں شہیدوں کی روحیں ہیں۔''

(روزنامہ نوائے وقت 25 دسمبر 2013ء)

قائداعظم اور طلباء

اس کتاب کو عبدالمجید ساگر نے کمبائنڈ پبلشر لاہور سے

2005ء میں شائع کیا۔ اس کتاب کو منصور بٹ نے تالیف کیا ہے۔ یہ کتاب بچوں اور طلباء کے لیے دلچسپ پیرایہ میں لکھی گئی ہے، اور اس میں قائداعظم محمد علی جناح کی طلباء سے والہانہ محبت کے دلچسپ واقعات درج ہیں۔

قائداعظم طلباء کو تحریک پاکستان کی قوت اور اسلحہ خانہ کہا کرتے تھے۔

قائداعظم اور صحافت

قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں اب تک یوں تو متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں اور ان کی حیات اور کارناموں کو اجاگر کرنے کے لیے قائداعظم اکادمی کے نام سے ایک ادارہ بھی کام کر رہا ہے۔ شریف الدین پیرزادہ اور جناب رضوان احمد بھی اس سلسلے میں خاصے سرگرم عمل رہے لیکن صحافت کے معزز پیشے سے قائداعظم محمد علی جناح کے تعلق اور آزادی صحافت کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح کے ارشادات عالیہ کی اب تک نشاندہی نہیں ہو سکی۔ اس طرح قائداعظم محمد علی جناح نے 1937ء میں مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد جنوبی ایشیا کی مسلم صحافت کی ترویج و ترقی اور اس سلسلے میں مسلمان مدیران جرائد و اخبارات کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے جو سعی بلیغ فرمائی، اس سے اب تک اہل وطن کو پوری طرح واقفیت حاصل نہیں ہو سکی۔ اس طرح یہ بات بھی بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے فروغ کے لیے ایک نمائندہ مسلمان انگریزی اخبار اور ایک مسلم خبر رساں ایجنسی کے قیام و استحکام میں کتنا کلیدی کردار ادا کیا۔ اس دس سالہ دور میں جو 1937ء سے شروع ہو کر 1947ء تک محیط ہے۔ 8 سال دوسری عالمگیر جنگ سے متعلق تھے اور جنوبی ایشیا میں نیوز پرنٹ کی کمی کی وجہ سے اخبارات کی اشاعت مرکزی حکومت کی اجازت اور تعاون کے بغیر ممکن نہ رہی تھی۔ چنانچہ 1940ء سے لے کر 1947ء تک نکلنے والے مسلم لیگی اخبارات کی اشاعت صرف اور صرف قائداعظم محمد علی جناح کی دلچسپی اور تعاون ہی کی بناء پر ممکن ہوئی۔ ان تمام باتوں کا تفصیلی تذکرہ اور اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح کے عملی تعاون کے تمام دستاویزی ثبوت ''قائداعظم اور صحافت'' کے عنوان کے تحت 168 صفحات پر مشتمل تصنیف میں فراہم کر دیے گئے ہیں، اور اس کتاب کے مصنف جو خود بھی تحریک پاکستان کے ایک سرگرم کارکن رہ چکے ہیں، اور صحافت کے پیشے سے وابستہ اور منسلک بھی تھے۔ سید اشتیاق اظہر نے کمال عرق ریزی سے صحافت کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح کے کردار و عمل کی نہایت واضح طور پر نشاندہی کر دی ہے۔

قائداعظمؒ اور صوبہ سرحد

اس کتاب کو محمد شفیع صابر نے مرتب کیا اور یونیورسٹی بک ایجنسی نے اسے شائع کیا۔ اغلب گمان ہے کہ یہ کتاب 1976ء میں منظر عام پر آئی کیونکہ پیش لفظ کے آخر میں مرتب نے 25 دسمبر 1976ء (پشاور) کی تاریخ ڈالی ہے۔

یہ کتاب صوبہ سرحد میں قائداعظم محمد علی جناح کے دوروں کی مکمل تفاصیل فراہم کرتی ہے، اور قائداعظم محمد علی جناح پر کام کرنے والوں کے لیے بڑی نافع ہے۔

قائداعظم اور گاندھی و نہرو

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 25 جون 1942ء میں لکھتا ہے:

> ''مسٹر جناح نے اپنے تازہ بیان میں گاندھی اور نہرو کے خرافات کا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا ہے۔
>
> مثلاً یہ کہ:

◆ گاندھی جی بائیس برس سے ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے پجاری ہونے کے دعویدار تھے، اگرچہ ان کے طرزِ عمل سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک اتحاد کی صورت محض یہ ہے کہ ہم دونوں کے فرقہ پرستانہ مقاصد کی تکمیل کا بندوبست ہو جائے، لیکن اب انہوں نے اپنے چہرے سے ریاکاری کا نقاب اتار دیا ہے، اور صاف کہہ دیا ہے کہ ہندوستان کو آزادی ملے گی تو ہندو مسلم مسئلہ طے ہو جائے گا۔

◆ ہم نے لکھا تھا کہ گاندھی جی انگریزوں کو ہندوستان چھوڑ دینے کی جو دعوت دے رہے ہیں، اس کی ایک شرط یہ ہے کہ وہ منظم طریق پر چھوڑیں، اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ ہے کہ اقتدار کی باگ ڈور باقاعدہ کانگریس کے حوالے کر دیں، مسٹر جناح نے بھی اس بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

◆ قائداعظم فرماتے ہیں کہ گاندھی ہندوستان کی آزادی چاہتے ہی نہیں، لیکن اگر وہ انگریزوں کو ہندوستان چھوڑ دینے پر راضی کر لیں تو لیگ اس کا خیر مقدم کرے گی۔ یہ کہنا صریح بدطینتی ہے کہ لیگ اس ملک میں انگریزی راج کے قیام کی خواہاں ہے۔

◆ پنڈت نہرو کہہ چکے ہیں کہ وہ پاکستان کے مسئلے پر لیگ سے گفتگو نہیں کر سکتے، بلکہ تیسری طاقت کو ہندوستان سے نکالنے پر گفتگو ہو سکتی ہے، لیکن قائداعظم پوچھتے ہیں کہ کیا اس بارے میں پنڈت نہرو اپنے ذرائع یا اسکیم واضح کریں گے محض خیالی باتوں سے کچھ نہیں بن سکتا، معین تجاویز پیش کرو۔

قائداعظم فرماتے ہیں:

''سنا جاتا ہے کہ گاندھی جی کوئی بڑی تحریک جاری کرنے والے ہیں، اور خطرے کے اس نازک وقت میں اپنا مطالبہ پورا کرانے کے لیے گاندھی جی برطانیہ کو ڈرانے دھمکانے کو تیار ہیں، لیکن اگر برطانیہ کانگریس کے روبرو جھکے گا تو یہ اس کی سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ مسلمانوں کو کوئی چیز پاکستان کے راستے سے نہیں ہٹا سکتی۔ وقت آئے گا تو آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ فیصلہ کرے گی کہ نئے حالات کا مقابلہ کیونکر کیا جائے۔''

گاندھی اور نہرو پر واضح ہو گیا ہوگا کہ ان کی پوزیشن کتنی افسوسناک اور لغو ہے۔ وہ ہزار پیچ ڈالیں، ہزار پردے تیار کریں لیکن آج دنیا پر ان کی فرقہ پرستی کاملاً برہنہ ہو چکی ہے۔ ہندو انہیں کوئی درجہ دیں، لیکن مسلمان یا دوسری قوموں کی نظروں سے گر چکے ہیں، اور مسلمان جانتا ہے کہ آزادیٔ ہند محض ایک فریب ہے، اہنسا محض ریاکاری ہے، ان کا حقیقی مقصود اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہندوستان میں ہندو راج قائم ہو جائے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: 25 جون 1942ء)

قائداعظمؒ اور طلوع اسلام

پاکٹ سائز کی اس کتاب کو بزمِ طلوع اسلام کراچی نے سال قائداعظم 1976ء کی نسبت سے نذرانہ عقیدت کے طور پر شائع کیا۔ بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کی سیرت و کردار اور اقوال و تعلیمات کے وہ گوشے سامنے لائے جائیں جو تحریک پاکستان کا اصل محرک بنے اور جو کتاب و سنت سے قائداعظم محمد علی جناح کی والہانہ محبت کے آئینہ دار ہیں۔

اس کتاب کا مطالعہ یوں تو ہر عمر کے لوگوں کے لیے مفید ہے تاہم نوجوان نسل کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔



قائداعظم اور قومی زبان اردو

مظفر عباس اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''برصغیر کے مسلمان مذہب، ثقافت، روایات، رسوم و رواج، عقائد اور زبان کے لحاظ سے ہندوؤں سے علیحدہ ایک وجود رکھتے تھے۔ ان کا ہندوؤں سے اتحاد ایک خواب تھا جو کانگریسی رہنما عرصے سے دیکھ رہے تھے اور جس کی تعبیر قائداعظم کی جدوجہد کی بناء پر ہندو نہ دیکھ سکے۔ پاکستان کے قیام کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے مذہب اور تہذیب و ثقافت کی حفاظت تھا۔ مصور پاکستان علامہ محمد اقبال کے قائداعظم کے نام ایک خط کے اس جملے سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے:

''مسلمانوں کے نقطہ نگاہ سے ہندوستان کے بیشتر مسلمانوں کے نزدیک تہذیبی مسئلہ کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔''

اور تہذیب کے عوامل میں زبان سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے اردو ایک قومی اور مذہبی زبان کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت کی امین یہی زبان ہے۔ ہندو کی شروع ہی سے یہ کوشش تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کی تہذیبی میراث کو مٹا کر انہیں ہندو لمانی (ہندو+مسلم) تہذیب میں مدغم کر دیا جائے تاکہ یہ اپنے شاندار ماضی کو یاد کر کے مستقبل میں ہندوستان کی حکمرانی کے خواب نہ دیکھ سکیں۔ یوپی کے کانگریسی وزیر تعلیم سوامی سمپورنانند کے یہ الفاظ دیکھئے جو انہوں نے اپریل 1936ء میں تعلیمی مسائل پر تقریر کرتے ہوئے کہے تھے:

''ہر وہ شخص جو ہندو یا مسلم تہذیب کے قائم رکھنے اور اس کو مدارس میں جاری کرنے پر زور دیتا ہے وہ یقینی طور پر ملک کو نقصان پہنچاتا ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ چیز ہندوستان میں مفقود ہونی چاہئے جب ہندو مسلم تہذیبیں مٹ جائیں گی تب ہی ہندوستانی تہذیب زندہ رہ سکے گی۔''

ہندوؤں کی ابتداء ہی سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کی تہذیب کے ساتھ ساتھ کسی طرح اس زبان کو بھی مٹا دیا جائے جو مسلمانوں کی تہذیبی میراث کا سرچشمہ ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں سب سے پہلے 1867ء میں اردو اور اس کے فارسی رسم الخط کو ختم کر کے بھاشا اور دیوناگری رسم الخط رائج کرنے کی باقاعدہ اور منظم تحریک شروع ہوئی۔ یہ تحریک سرسید احمد کی مخالفانہ کوششوں سے کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکی تاہم اس سے ہندوؤں کی اردو دشمنی کھل کر سامنے آ گئی۔ مولانا الطاف حسین حالی نے ''حیات جاوید'' میں اس تحریک کے عوامل اور اثرات کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اردو زبان جو حقیقت میں بھاشا کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اور جس میں عربی اور فارسی کے صرف کسی قدر اسماء اس میں شامل ہیں جو آٹے میں نمک کے برابر ہیں اس کو ہمارے ہم وطن بھائیوں نے صرف اس بناء پر مٹانا چاہا کہ اس کی ترقی کی بنیاد مسلمانوں کے عہد میں پڑی تھی۔ چنانچہ 1867ء میں بنارس کے سربرآوردہ ہندوؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ جہاں تک ممکن ہو تمام سرکاری عدالتوں میں سے اردو زبان اور فارسی رسم الخط کے موقوف کرانے کی کوشش کی

جائے اور بجائے اس کے بھاشا جاری ہو جو دیوناگری میں لکھی جائے۔''

سرسید کہتے تھے کہ یہ پہلا موقع تھا جبکہ یقین ہو گیا تھا کہ اب ہندو مسلمانوں کو بطور ایک قوم کے ساتھ چلنا اور دونوں کو ملا کر سب کے لیے ساتھ ساتھ کوشش کرنا محال ہے۔

ان کا یہ بیان ہے کہ انہی دنوں جبکہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا، ایک روز مسٹر شیکسپیئر سے، جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے، میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں کچھ گفتگو کر رہا تھا اور وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے۔ آخر انہوں نے کہا کہ آج یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے۔ میں نے کہا اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی۔

ابھی تو بہت کم ہے آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں بڑھتا نظر آتا ہے جو زندہ رہے گا دیکھے گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کی یہ پیش گوئی صحیح ہوئی تو انتہائی افسوس ہے۔ میں نے کہا مجھے بھی نہایت افسوس ہے مگر اپنی پیش گوئی پر پورا یقین ہے۔''

مولانا حالی نے مزید لکھا کہ ہندوؤں نے اردو کو ختم کرنے کے لیے بنارس میں ایک ''قومی مجلس'' بھی قائم کی۔ بابو فتح نرائن سنگھ کا مکان اس تنظیم کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس مرکزی تنظیم کے ماتحت مختلف شہروں میں جا بجا کمیٹیاں، مجلسیں اور سبھائیں مختلف ناموں سے قائم کی گئیں۔ اس تنظیم کا مرکز بعد ازاں الٰہ آباد منتقل ہو گیا۔ 1882ء میں پھر اسی قسم کی کوششیں کی گئیں اور اردو کے خلاف پھر منظم تحریک شروع ہو گئی جس کا ذکر حالی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''1882ء میں جب سرسید وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل میں ممبر تھے ایجوکیشن کمیشن میں ہندوؤں کو اردو کی مخالفت کا پھر موقع ملا۔ اس دفعہ پہلے سے بھی زیادہ شور کے ساتھ شمال مغربی اضلاع اور پنجاب کے ہندوؤں نے اردو زبان اور فارسی خط کی مخالفت میں کوشش کی تھی۔ دونوں صوبوں میں بے شمار سبھاؤں اور انجمنوں کی طرف سے بڑے بڑے طولانی محضر اور میموریل پیش کیے گئے، چنانچہ سرسید کے بعض مسلمان دوستوں نے بھی پنجاب میں انجمن حمایت اردو قائم کی اور میموریل اور محضر کمیشن میں بھیجے گئے مگر کمیشن نے دونوں پارٹیوں کی درخواست پر کچھ رائے نہیں دی۔ ہم نے سنا ہے کہ سرسید نے ایک باقاعدہ طریقے سے کمیشن پر ظاہر کر دیا تھا کہ یہ مسئلہ ایجوکیشن سے کچھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ ایک بہت بڑا پولیٹیکل مسئلہ ہے جس کے ساتھ گورنمنٹ کی مصالح بھی وابستہ ہیں پس اس کی بحث ایجوکیشن کمیشن سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی۔''

اس کے بعد مارچ 1898ء میں جس کی ستائیسویں کو سرسید نے دنیا سے رحلت کی انٹونی میکڈانلڈ، لیفٹیننٹ گورنر اضلاع شمال مغرب و اودھ کی خدمت میں دونوں صوبوں کے بڑے معزز اور سر برآوردہ ہندوؤں نے پھر ایک بار میموریل اس غرض سے گزارا کہ تمام سرکاری عدالتوں اور کچہریوں میں بجائے اردو زبان اور فارسی خط کے ہندو بھاشا اور ناگری خط جاری کیا جائے اگرچہ سرسید پر اس زمانے میں ہجوم

رنج والم کے سبب ایک سکتے کا سا عالم طاری تھا کہ وہ بالکل نقش دیوار بن گئے تھے مگر اس حالت میں انہوں نے اس مضمون پر ایک آرٹیکل لکھا جو 19 مارچ کے ''انسٹیٹیوٹ گزٹ'' میں سرسید کی وفات سے نو دن پہلے شائع ہوا اور جو کمیٹی مسلمانوں نے الٰہ آباد میں اردو کی حمایت میں قائم کی تھی اب اس کے باب میں بذریعہ تحریر کچھ مشورے دیے۔ ہندوؤں نے ابتدا ہی سے اردو دشمنی کو اپنا نصب العین بنالیا تھا۔ ہندوستان کی تاریخ میں متعدد بار اس تحریک نے زور پکڑا مگر مسلمانوں کے شدید ردعمل کی بناء پر ہندو اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہندوؤں کی اردو دشمنی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ کسی صورت میں بھی کوئی ایسی نشانی برقرار رکھنا نہیں چاہتے تھے، جس سے مسلمانوں کے شاندار ماضی کا اظہار ہو۔

بقول معروف مستشرق گارساں دتاسی:

''ہندو اپنے تعصب کی وجہ سے ہر ایک ایسے امر کے مزاحم ہوتے ہیں جو ان کو مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ یاد دلائے۔''

اور اردو یقیناً برصغیر کے مسلمانوں کی قومی زبان اور ان کے شاندار ماضی کی آئینہ دار تھی جیسا کہ گارساں دتاسی نے بھی کہا ہے:

''ہندوستانی زبان ہندوستانی (یعنی ہندو کی زبان) کی یہ تفریق یعنی ہندی اور اردو) مذہب نے پیدا کی ہے اور اس لیے عام طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندی ہندوؤں کی اور اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔''

اس پس منظر میں 1929ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے چودہ نکات میں مسلمانوں کے مذہب، تہذیب، ثقافت اور تعلیم کے ساتھ ساتھ بطور خاص زبان کے تحفظ کا مطالبہ کیا۔ آپ کے چودہ نکات میں سے بارہواں یہ تھا:

''مسلمانوں کی ثقافت اور تعلیم، مذہب، مسلم قانون اور خیراتی اداروں کی ترقی اور حفاظت کے لیے تحفظات کا اہتمام کیا جائے۔''

اردو زبان سے قائداعظم کی مراد یقیناً اردو تھی جس کا بین ثبوت ان کے یہ الفاظ ہیں جو انہوں نے 24 مارچ 1948ء کو قیام پاکستان کے بعد ڈھاکہ یونیورسٹی میں طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہے تھے:

''اگر پاکستان کے مختلف حصوں کو باہم متحد ہو کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا ہے تو اس کی سرکاری زبان ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ میری ذاتی رائے میں اردو ہے صرف اردو۔''

یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب مسلم لیگ کے ایک اجلاس میں جو دہلی میں ہو رہا تھا، سر فیروز خان نے اپنی تقریر انگریزی میں شروع کی تو ہر طرف سے شور وغل ہوا ''اردو اردو۔'' اس سے مجبور ہو کر انہوں نے کچھ جملے اردو میں ارشاد فرمائے اور اس کے بعد پھر اپنی محبوب زبان انگریزی میں بولنے لگے۔ ایک بار پھر ''اردو، اردو'' کا شور وغل ہوا تب آپ نے فرمایا کہ مسٹر جناح بھی تو انگریزی میں تقریر کرتے ہیں۔ یہ سن کر قائداعظم اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صریح اور صاف الفاظ میں فرمایا کہ فیروز خان نون نے میرے پیچھے پناہ لی ہے لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی زبان اردو ہو گی۔ اس پر تمام حاضرین نے بڑے جوش سے تالیاں بجائیں۔ افسوس کہ اس کونسل کی جو روداد اخباروں میں چھپی اس میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اخبار والوں کی

نظر میں شاید یہ معمولی سی بات تھی لیکن ہمارے لیے یہ واقعہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔
قائداعظم نے پہلی اردو تقریر بنگال میں کی تھی جس کا ذکر انہوں نے خود بابائے اردو مولوی عبدالحق سے کیا تھا۔ بابائے اردو لکھتے ہیں:
کھانے کے بعد (قائداعظم) مجھ سے فرمانے لگے، ''آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پہلے میں نے اردو میں کب اور کہاں تقریر کی۔'' میں نے لاعلمی ظاہر کی تو فرمایا کہ ''بنگال کے ایک مقام پر (غالباً سلہٹ) گیا (یہ جلسہ انتخاب کے سلسلے میں تھا) تو دیکھا کئی ہزار آدمی جمع ہیں اس قدر مجمع کی توقع نہ تھی۔ میں نے سر عزیز الحق سے جو اس وقت میرے ہمراہ تھے پوچھا کہ اس مجمع میں کتنے لوگ انگریزی سمجھتے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ کم و بیش پانچ سو۔ تب میں نے کہا اردو جاننے والے کتنے ہوں گے۔ انہوں نے کہا تقریباً ڈیڑھ ہزار۔ اس کے بعد سر عزیز الحق نے کہا آپ انگریزی میں تقریر فرمایئے گا میں اس کا ترجمہ بنگالی میں سنا دوں گا لیکن میں نے ان کا مشورہ نہ مانا اور اردو میں تقریر کی۔ یہ میری پہلی اردو تقریر تھی اس کے بعد انہوں (قائداعظم) نے ہنس کر فرمایا:

My Urdu is Tangawala Urdu.

(میری اردو تانگے والے کی اردو ہے)
قائداعظم نے جس پاکستان کا خواب دیکھا تھا اردو زبان اس کی اساس تھی اور آج بھی یہی زبان ہماری یکجہتی، اتحاد اور استحکام کی علامت ہے۔ اردو زبان دو صدیوں کو محیط مسلم تہذیب و ثقافت کی امین ہے۔ لہٰذا اردو سے کنارہ کشی کا مطلب مسلم ثقافت و تہذیب سے علیحدگی ہوگی، جو بالآخر ذہنی اور فکری انتشار پر منتج ہوگی اور ذہنی و فکری انتشار قوموں کو زوال اور انحطاط کی طرف لے جاتے ہیں۔''

(ماہنامہ نظریہ پاکستان قائداعظم نمبر اشاعت 2013ء)

قائداعظم اور لائل پور

اس کتاب کو ڈاکٹر سید معین الرحمٰن نے قائداعظم محمد علی جناح کے نومبر 1942ء کے دورہ لائل پور (فیصل آباد) کے نتیجے میں ہونے والے حالات و واقعات کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کا لائل پور (فیصل آباد) کا یہ پہلا اور آخری دورہ تھا جو تین روز کا تھا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے وہاں پنجاب صوبائی مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کی تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح کا یہ دورہ قیام پاکستان کی تحریک کے سلسلے میں کئی پہلوؤں سے زبردست اہمیت کا حامل ہے۔ کتاب کے مرکزی حصے کو روزنامہ انقلاب لاہور کے تراشوں اور ہندوستان کی پہلی مسلم خبر رساں ایجنسی اورینٹ پریس کی جاری کردہ اطلاعات نے گھیرا ہے۔ اس کتاب کو مولانا عبدالحمید سالک، مولانا غلام رسول مہر اور حمید نظامی کے نام منسوب کیا گیا ہے۔ تحریک پاکستان سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے یہ ایک دلچسپ کتاب ہے۔
یہ کتاب 1977ء میں سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کی۔

قائداعظم اور مسلم اقتصادیات کا احیاء

اس کتاب کو تحریک پاکستان کے رہنما محمود علی نے تصنیف کیا، یہ کتاب 1977ء میں انگریزی میں شائع ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ 1980ء میں اشاعت پذیر ہوا۔
یہ کتاب ان افراد کے لیے ایک بیش قیمت ہدایت کا سرچشمہ

ثابت ہو سکتی ہے جو اس انقلابی تبدیلی کے خواہاں ہیں کہ پاکستان کے اقتصادی ڈھانچے میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی۔

اس کتاب میں مصنف نے بتایا ہے کہ جب اس کارواں نے اس متعین اور واضح انداز میں بتائے گئے راستے پر قدم اٹھائے تو حقیقت میں ان پر کیا گزری، نیز مولف نے زوال اور انتشار کے اسباب بھی بیان کیے ہیں۔ اس کتاب میں مولف نے سماجی اور اقتصادی رجحانات کی نشاندہی کی ہے۔

محمود علی یکم ستمبر 1919ء کو مولوی مجاہد علی کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابھی صرف ڈیڑھ برس کی عمر میں پہنچے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والد بزرگوار مسلم یونیورسٹی کے ایل ایل بی تھے۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ موصوف نے بنگالی زبان میں کئی بلند پایہ شعری مجموعوں کی تصنیف کی تھی جن میں سے کچھ شائع ہو چکے ہیں۔

جناب محمود علی نے 1942ء میں شیلانگ (آسام) سے بی اے کیا، اور اسی سال آسام مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر منتخب ہوئے۔ دو برس بعد صوبائی مسلم لیگ کی مجلس عاملہ میں شامل ہوئے اور 1946ء میں آسام کی صوبائی مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔

محمود علی ہمیشہ سے پاکستان کی سالمیت اور اتحاد میں پختہ یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے ملک کے ہر علاقے اور طبقے کے لوگوں کی آرزوؤں اور خواہشات کو پورا کرنے کے سلسلے میں ہمیشہ پرخلوص کوشش کی ہے۔ محمود علی کی سیاسی زندگی قابل تعریف ہے۔ وہ 1946ء میں اس وقت جیل گئے جب مسلم لیگ نے اس امر کے خلاف تحریک چلائی تھی کہ بنگال کے اجڑے ہوئے کسانوں کو آسام میں بسنے سے نہ روکا جائے۔ یہ زیادہ تر مسلمان کسان تھے، لہٰذا سول نافرمانی کے تحت سزا ملی۔

1950ء میں شیر بنگال مولوی فضل الحق کی وزارت ختم ہوئی اور مشرقی پاکستان میں صدارتی راج نافذ کیا گیا تو اس وقت انہیں گرفتار کیا گیا۔ 1955ء میں چودھری محمد علی نے چوتھی بار قید کرایا۔

1948ء میں ہلال نو کے نام سے ایک ہفتہ وار سیاسی اخبار جاری کیا جو اکتوبر 1958ء تک شائع ہوتا رہا۔ 1969ء میں پھر جاری کیا لیکن یہ بھی 1970ء میں بند ہو گیا۔

1971ء کے پرآشوب زمانے میں ہندوستان اور دیگر کچھ ممالک کے زہریلے اور گمراہ کن پروپیگنڈے کو ناکام اور بے اثر بنانے کے سلسلے میں افریقی، یورپی اور امریکی ممالک میں پاکستان کی حمایت کے سلسلے میں جو قابل قدر خدمات انجام دیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔

1971ء کے بعد صدر پاکستان کے مشیر برائے سیاسی امور رہے۔ 1972ء میں وزیر مملکت برائے قومی امور، بیرون ملک پاکستانی اور جیل خانہ جات رہے۔ ازاں بعد میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر برائے ماحول اور شہری امور و منصوبہ بندی ہاؤسنگ اینڈ ورکس رہے۔

وزیر مملکت کے ساتھ ساتھ نیشنل کونسل آف سوشل ویلفیئر کے چیئرمین بھی رہے ہیں۔ صدر محمد ضیاء الحق کے عہد میں وزیر مملکت رہے۔

قائداعظم اور مسلم پریس

اس کتاب کو پروفیسر احمد سعید نے مرتب کیا اور اسے 1976ء میں ایجوکیشنل ایمپوریم لاہور نے شائع کیا۔ کتاب کے حرف آغاز میں مرتب لکھتے ہیں:

> ''اس کتاب میں ان تمام اداریوں کو مرتب کیا گیا ہے جو قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں لکھے گئے۔ جن اخبارات سے یہ اداریے لیے گئے ہیں ان میں روزنامہ پیسہ اخبار (1906-1921) ہفت روزہ پیسہ اخبار (1921-1939)۔ روزنامہ انقلاب

لاہور اور روزنامہ الجمعیۃ (دہلی) شامل ہیں۔"

"پیسہ اخبار" کا رویہ قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ ہمدردانہ رہا۔ یہ اخبار جداگانہ انتخاب کا زبردست حامی، مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کا ترجمان اور ہندوؤں کے مسلم کش رویہ کا شاکی رہا۔ اسی وجہ سے بعض اوقات جب قائداعظم محمد علی جناح مخلوط انتخاب اور ہندو مسلم اتحاد کی حمایت کرتے تو پیسہ اخبار ان کے بیانات پر نکتہ چینی کرنے سے گریز نہ کرتا۔ روزنامہ زمیندار کی پالیسی مختلف رہی۔

ان تمام اداریوں میں ایک بات واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کے نقطہ نظر سے خواہ کسی اخبار کو اتفاق تھا یا اختلاف، سبھی اس امر پر متفق تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح ہندوستان اور مسلمانوں کے ساتھ کبھی غداری نہیں کریں گے۔

قائداعظم اور مسئلہ فلسطین

پروفیسر رفیع اللہ شہاب اپنی کتاب جدوجہد قیامِ پاکستان میں رقمطراز ہیں:

"ان دنوں ہمارے فلسطینی بھائیوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، تاریخ میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ان مظالم کی ابتداء پہلی جنگِ عظیم سے پہلے شروع ہوئی اور یہ ابھی تک جاری ہیں۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو جن مسائل نے پریشان کر رکھا تھا، ان میں سے ایک مسئلہ فلسطین تھا۔ آپ اسے قیام پاکستان کے مسئلہ جیسی اہمیت دیتے تھے۔ اس بارے میں آپ نے برطانوی حکومت پر جس طرح دباؤ ڈالا، اس کی تفصیلات آئندہ سطور میں پیش کی جا رہی ہیں۔ آپ زندگی بھر ایک لمحہ کے لیے بھی اس مسئلہ سے غافل نہ ہوئے، یہاں تک کہ آپ کی زندگی کا آخری پیغام بھی مسئلہ فلسطین کے بارے میں تھا۔

مسلم لیگ کا قیام اگرچہ 1906ء میں عمل میں آچکا تھا اور ابتداء میں اس ادارے نے مسلمانوں کے حقوق کے سلسلہ میں قابل قدر خدمات انجام دیں، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ادارہ کمزور ہوتا گیا اور اس میں نئی روح پھونکنے والا کوئی نہیں تھا، جب برطانوی حکومت نے 1935ء کا حکومت ہند کا قانون پاس کیا تو مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں کہ اگر وہ اسی طرح خواب خرگوش میں پڑے رہے تو پھر شاید ہمیشہ کے لیے انہیں ہندوؤں کا غلام بن کر رہنا پڑے گا، چنانچہ قائداعظم نے مسلم لیگ کی تنظیم نو کی طرف توجہ دی، اور ایک سال میں یہ کام مکمل کرلیا۔ تنظیم نو کے بعد مسلم لیگ نے اپنا پہلا سالانہ اجلاس اکتوبر 1937ء میں لکھنؤ میں منعقد کیا، اس جلسے میں قائداعظمؒ نے اپنے خطبہ صدارت میں فلسطین کے بارے میں برطانوی حکومت کی سازش کو ان الفاظ میں بے نقاب کیا:

"مسئلہ فلسطین نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ برطانوی حکومت کی پالیسی شروع ہی سے دھوکے اور فراڈ پر مبنی ہے۔ عرب فطری طور پر دوسروں پر اعتبار کر لیتے ہیں اور برطانوی حکومت نے ان کے اعتبار سے ناجائز فائدہ اٹھایا تھا، برطانوی حکومت نے جنگ عظیم کے دوران، عرب ممالک کو آزادی دینے کا وعدہ کیا لیکن بعد میں انہوں نے عربوں سے دھوکہ کیا، اور ر اعلان بالفور کے ذریعے فلسطین کے حاکم اعلیٰ بن گئے اور فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کی باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے فلسطین کو یہودیوں اور عربوں

میں تقسیم کرنے کا منصوبہ بھی بنایا۔ یہ منصوبہ عربوں کی تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ فلسطین میں یہودیوں کو آباد کرنے کے بعد برطانوی حکومت ہمیں حقیقت تسلیم کرنے کے لیے کہتی ہے، امید ہے کہ لیگ آف نیشنز (یہ اقوام متحدہ سے پہلے کا ادارہ تھا) فلسطین کے بارے میں برطانوی منصوبے کو نامنظور کر دے گی، اور صورت حالات کا نئے سرے سے جائزہ لے گی، وگرنہ عربوں کو تباہی سے بچانا مشکل ہوگا اور اس کے ساتھ میں یہ بھی کہہ دوں کہ اگر برطانوی حکومت نے عربوں سے کیے گئے اپنے وعدے کا احترام نہ کیا تو وہ بھی اپنی قبر آپ کھودے گی۔''

(تقاریر جناح انگریزی از جمیل الدین احمد ج: اول، ص:17)

اگلے سال مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ شہر (بھارت) میں ہوا۔ اپنے صدارتی خطبے میں قائداعظمؒ نے مسلمانان ہند کی توجہ ایک دفعہ پھر مسئلہ فلسطین کی طرف دلائی اور اس بارے میں کچھ عملی طور پر کرنے کے لیے کہا۔ آپ نے فرمایا:

''اہم مسائل جن سے ہم نے فوری طور پر نبٹنا ہے ان میں سے سرفہرست مسئلہ فلسطین ہے۔ اس نے مسلمانان ہند کے جذبات میں ابال پیدا کر دیا ہے، اور وہ اس کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے، آپ جانتے ہیں کہ عربوں کے ساتھ غیر شریفانہ سلوک ہو رہا ہے۔ وہ اپنے وطن کی آزادی کے لیے اپنی جانیں قربان کر رہے ہیں اور برطانوی ذرائع ابلاغ انہیں دہشت پسند قرار دے رہے ہیں، انہیں سنگینوں کی نوکوں اور مارشل لاء کے ذریعے قابو میں لانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں، لیکن اس کے باوجود اہل فلسطین اپنے ملک کی آزادی کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں، کیوں کہ قربانی کے بغیر یہ عظیم مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہماری تمام ہمدردیاں فلسطینی شہدا کے ساتھ ہیں۔ ان کے ساتھ سخت ناانصافیاں ہو رہی ہیں اور برطانوی حکومت یہودیوں کو خوش کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔''

(ایضاً صفحہ 79)

قائداعظمؒ کے اس خطاب سے اجلاس میں شریک تمام مسلمانان لیڈر بڑے متاثر ہوئے اور انہوں نے برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لیے مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی:

''آل انڈیا مسلم لیگ کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ ناانصافی پر مبنی اعلان بالفور اور اس کی روشنی میں برطانوی حکومت نے جو پالیسی اپنائی ہے وہ محض یہودیوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے تک محدود ہے، اور ان کے ذریعے وہ فلسطین کو برطانوی امپیریلزم کا ایک حصہ بنانا چاہتی ہے، تاکہ عرب اور مسلمان ممالک کا اتحاد شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ دراصل وہ فلسطین میں اپنے ہوائی اور سمندری اڈے قائم کرنا چاہتی ہے، تاکہ ان کے ذریعے فوجی کارروائی کر کے برطانوی امپیریلزم کو مضبوط بنایا جا سکے۔ مسلم لیگ اس اجلاس کے ذریعے اپنے وطن کی آزادی کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے عربوں کو شہید تصور کرتی ہے، اور کہتی ہے کہ اگر اس نے یہودیوں کا داخلہ فلسطین میں نہ روکا اور فلسطین کے بارے میں مجوزہ کانفرنس میں مفتی اعظم فلسطین، جو اہل فلسطین کا حقیقی نمائندہ ہے اور مسلم ہند کے نمائندوں کو شامل نہ کیا تو مسلمانان ہند انتہائی اقدام اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

(تحریک آزادی کی تاریخی دستاویزات (انگریزی) از جمیل الدین احمد صفحہ 253)

اس قرارداد نے برطانوی حکومت کو مسئلہ فلسطین کے بارے میں حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اعلان بالفور سے تو بظاہر برات کا اظہار کیا، لیکن فلسطین کو تقسیم کرنے کا شوشا چھوڑا۔ مسلمانان ہند کی طرف سے ان کے اس شوشے کی بھی مخالفت کی گئی، چنانچہ برطانوی حکومت نے ایک قرطاس ابیض شائع کیا۔ جس میں یہ وعدہ کیا کہ اہل فلسطین کو ان کے آبائی وطن سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ دراصل یہ قرطاس ابیض بھی برطانوی حکومت کا ایک فریب تھا اور وہ اس کے بعد خود خاموش ہو گئی، اور یہودیوں کی ہمدردی میں امریکہ کے صدر مسٹر ٹرومین نے بیان دینے شروع کر دیے، اس نے تجویز پیش کی کہ امریکی یہودیوں کی ایک مقررہ تعداد کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت دی جائے۔ امریکی صدر کا یہ بیان پڑھ کر قائداعظم کی جو حالت ہوئی اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، انہوں نے اسی وقت برطانوی حکومت کے اس وقت کے وزیراعظم کو یہ تار دیا:

''امریکی صدر مسٹر ٹرومین کی تجویز کہ یہودیوں کو فلسطین میں بسایا جائے۔ دوسرے ممالک کے معاملات میں دخل دینے کی گھٹیا کوشش ہے۔ برطانوی حکومت کا اپنے اعلان کردہ قرطاس ابیض سے پیچھے ہٹنا نہ صرف یہ کہ بددیانتی ہو گی بلکہ مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ ہوگا۔ یہ میرا فرض ہے کہ آپ پر واضح کر دوں کہ عربوں کے مفاد کے خلاف یہودی آباد کاروں کو خوش کرنے کی پالیسی کی ساری دنیا کے مسلمانوں کی جانب سے مخالفت کی جائے گی، اور اس کے نتائج برطانوی حکومت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔''

(تقاریر جناح حصہ دوم از جمیل الدین احمد ص 214)

مملکت اسرائیل کا قیام قائداعظم کی وفات کے بعد عمل میں آیا۔ جس وقت اس مملکت کے قیام کے لیے بین الاقوامی سازشیں ہو رہی تھیں اس وقت قائداعظم بستر موت پر دراز تھے، چنانچہ آپ نے اس حالت میں اپنی زندگی کا جو آخری پیغام دیا وہ مسئلہ فلسطین کے بارے میں تھا۔ آپ نے 27 اگست 1948ء کو مسلمان سربراہان مملکت کو عید الفطر کا پیغام بھیجا جس میں آپ نے فرمایا:

''مسلمان ممالک کے لیے میرا یہ پیغام محبت اور دوستی کا پیغام ہے۔ اس وقت مسلمان نہایت ہی نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ بین الاقوامی سیاسی سازشیں جو ڈرامہ فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر میں کھیل رہی ہیں وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ ان سازشوں سے ہم صرف اسی صورت میں بچ سکتے ہیں کہ ہم میں کامل اتحاد ہو۔ اس وقت ساری دنیا میں ہماری آواز کو سنا جائے گا۔'' (ایضاً ص:569)

یہ آپ کی زندگی کا آخری پیغام تھا۔ اس کے دو ہفتے بعد یعنی 11 ستمبر 1948ء کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔''

(جدوجہد قیام پاکستان، از پروفیسر رفیع اللہ شہاب)

قائداعظم ایک تحریک

(دیکھیے: پیارے قائداعظم)

قائداعظم ......ایک عہد ساز شخصیت

پروفیسر محمد مظفر مرزا اپنے مضمون میں یوں رقمطراز ہیں:

''نظریہَ پاکستان وہ جذبہَ اسلام اور وہ روح اسلام ہے جو دوقومی نظریے کی کوکھ سے ابھرتا ہے۔ دوقومی نظریہ اپنی روحانی معنویت اور اسلامی قومی نظریات اور تصورات کی شکل میں برصغیر کے مسلمانوں کے لیے نظریہَ پاکستان کی شکل میں نمودار ہوا جس کا مفہوم لا اله الا الله محمد رسول اللهﷺ اگر کسی کو نظریہَ پاکستان کی تفہیم نہ ہوتو وہ ایک بار اکھنڈ بھارت کانفرنس لدھیانہ کی روداد پڑھ لے۔ اس کانفرنس کی صدارت مسٹر منشی نے کی تھی، انہوں نے کہا تھا:

''تمہیں علم ہے کہ نظریہَ پاکستان کا مفہوم کیا ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنے لیے مسکن بنائیں جہاں زندگی اور حکومت قرآنی اصولوں کے سانچے میں ڈھل سکے اور جہاں اردو قومی زبان بن سکے، مختصر الفاظ میں یوں سمجھئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ایک خطہَ زمین ہوگا جس میں اسلامی حکومت ہوگی۔ ہندو قوم خواہ کتنی بھی بزدل اور غیر منظم کیوں نہ ہو وہ کبھی اسے برداشت نہیں کرسکتی کہ مسلمان اس قسم کی حکومت قائم کرلیں، اس حکومت میں ہندو قوم کے افراد شمشیر و سناں کا نشانہ بنائے جائیں گے ان کی عورتوں کی عصمت دری اور ان کے مقدس مقامات کی بے حرمتی ہوگی۔''

(مقصد پاکستان، ازظہیر الاسلام فاروقی، صفحہ نمبر 5-124)

یہ وہ نظریہَ پاکستان ہے جسے ہندو اپنے لیے واضح اور عیاں کر کے پیش کرتا ہے لیکن پاکستانی دانشوران کرام فیشن کے طور پر اسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جب نیتوں میں فتور ہو، ذہن پراگندہ ہوں، نظریات کجی کا شکار ہوں، ژولیدہ فکری کا عالم طاری ہو تو پھر اس کا علاج کسی حکیم کے پاس بھی نہیں ہوتا۔

حضرت قائداعظم ایک عہد ساز شخصیت تھے جو پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے، حیرت اور افسوس ہے کہ ہر کوئی نام نہاد دانشور اٹھتا ہے اور 11 اگست والی تقریر کا حوالہ دے کر حضرت قائداعظم کو سیکولر بنا دیتا ہے یا نظریہَ پاکستان کے حوالے سے زہر اگلنا شروع کر دیتا ہے۔ خدا کے لیے اس تقریر کے Contents کو بغور پڑھیں، اگر سمجھ نہیں آتی تو کسی صاحب نظر و بصیرت سے علم حاصل کرلیں۔ یہ شوق قابل تحسین نہیں، نمائشی اور فرمائشی حیثیت کو اجاگر کرنے کی۔ حضرت قائداعظم کے مقابل برصغیر میں کتنے گدی نشینان کرام تھے، کتنے عظیم سیاستدان تھے، کتنے عظیم پارلیمینٹرین تھے، کتنے علم کے نابغہ روزگار تھے تو پاکستان کی تخلیق کا فریضہ انہیں کیوں نہ سونپ دیا گیا؟ آج تک حضرت قائداعظم کی ذات اور کردار پر کسی نے انگلی نہیں اٹھائی، غیروں میں سے دیکھ لیں لیکن اپنوں نے جب بھی موقع ملا ہرزہ سرائی کی۔ سابق مشرقی پاکستان کے چیف جناب محبوب مرشد صاحب سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ آپ حضرت قائداعظم کے حوالے سے کیا خیالات رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا'' آپ نے یہ کیا کہا؟ آپ خیال کر سکتے ہیں کہ ایک دھان پان سی کمزور اور نحیف شخصیت پاکستان تخلیق کر سکتی تھی، حضرت قائداعظم اور حضرت علامہ اقبال میں سات سات ولیوں کی قوت ایمان موجود تھی۔ کسی مؤقر اخبار میں ایک دانشور کی تحریر خوش بیان کا مطالعہ کر رہا تھا جس میں انہوں نے تحریر کیا کہ میں قائداعظم کو ولی نہیں مانتا اور نہ ہی وہ کوئی روحانی شخصیت تھے وہ تو صرف عظیم قائد، قانون دان اور مسلمانوں کے رہبر تھے۔ اس

''بصیرت افروز'' نظریہ پر رویا ہی جا سکتا ہے کہ اگر وہ سب کچھ تھے تو کیا خیال ہے کہ کمال قیادت اور یہ جمال شخصیت ان میں اللہ تعالیٰ نے ہی ودیعت فرما دیا تھا۔

میں نے بیورلے نکلس کی کتاب Verdict on India کئی بار پڑھی، کمال کی کتاب ہے۔ اس میں ایک باب "A Dialogue with a Giant" ہے جس میں بیورلے نکلس نے حضرت قائداعظم کی بے پناہ تعریف و توصیف کی ہے انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ حضرت قائداعظم کا کمال ہے کہ انہوں نے جب بھی اسلامیان ہند کو یہ کہا کہ دائیں مڑ جاؤ تو دائیں مڑ جاتے ہیں، اگر انہوں نے کہا بائیں مڑ جاؤ تو وہ بائیں مڑ جاتے ہیں۔ مزید اس کتاب میں لکھا کہ آل انڈیا نیشنل کانگریس میں اگر گاندھی نہیں ہے تو نہرو ہیں اور اگر نہرو نہیں تو پٹیل ہیں اگر پٹیل نہیں تو راج گوپال اچاریہ ہیں، وعلی ھذا القیاس، اگر آل انڈیا مسلم لیگ میں جناح نہیں ہیں تو پیچھے اور کون ہے۔ یہ مقام قیادت تھا، حضرت قائداعظم جنہوں نے برصغیر کا نقشہ فقط مومنانہ بصیرت اور اعلیٰ قانونی قابلیت و صلاحیت سے بدل کر رکھ دیا تھا اور برصغیر کے اسلامیان ہند کے دلوں پر راج کیا، اسے کہتے ہیں قوم کے افراد کے دلوں پر راج کرنا۔ میں سوچتا ہوں بلکہ پوری قوم سوچتی ہے کہ اگر ہمارے موجودہ سیاست کاران ملت، پاکستان کی تخلیق کے مراحل کے دوران موجود ہوتے اور اگر انہوں نے پاکستان کی تخلیق کا مرحلہ طے کرنا ہوتا تو کیا نقشہ زخم جگر و دل ہوتا۔''

(ماہنامہ نظریہ پاکستان اشاعت دسمبر 2013ء)

قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ

2 فروری 1986ء بمطابق 21 جمادی الاول 1406ھ بروز اتوار اپنے اجلاس میں پاکستان سینٹ نے مولانا کوثر نیازی کی یہ قرارداد متفقہ طور پر منظور کر لی:

''کراچی ایئرپورٹ کو قائداعظم ایئرپورٹ اور لاہور ایئرپورٹ کو علامہ اقبال ایئرپورٹ قرار دیا جائے۔''

وزیر مملکت برائے امور خارجہ زین نورانی نے کہا:

''یہ تجویز پہلے ہی حکومت کے زیر غور ہے۔''

مولانا کوثر نیازی نے اس موقع پر کہا:

''ان دونوں ہوائی اڈوں کو ہم قائداعظم اور علامہ اقبال کے نام منسوب کر کے نئی نسل کو مستقلاً یہ یاد دلاتے رہیں گے کہ ان دونوں رہنماؤں نے پاکستان کے نصب العین کے لیے کیا خدمات انجام دیں۔''

(نیز دیکھئے: قائداعظم انٹرنیشنل ایئرپورٹ)

قائداعظم بٹالین

آزادی کے وقت ملٹری اکیڈمی ڈیرہ دون سے جو کیڈٹ کا کول ملٹری اکیڈمی میں تربیت کے لیے آئے ان کیڈٹوں پر مشتمل پہلے دستہ کو 20 جنوری 1948ء کو فرسٹ پاکستان بٹالین کا نام دیا گیا۔ اس وقت اس کی دو کمپنیاں تھیں ایک خالد کمپنی اور دوسری طارق۔ قائداعظم محمد علی جناح مارچ 1948ء میں جب یہاں آئے تو انہیں اس بٹالین کا پہلا کرنل انچیف کا عہدہ پیش کیا گیا جسے انہوں نے منظور کر لیا۔ اس بٹالین کو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح بٹالین کا نام دیا۔ کاکول اکیڈمی کا افتتاح خود قائداعظم محمد علی جناح نے کرنا تھا اور پروگرام یہ تھا کہ وہ اپنا پرچم بہ نفس نفیس بٹالین کو آ کر سونپیں گے۔ افسوس اچانک علالت کی وجہ سے اکیڈمی اس اعزاز سے



محروم ہوگئی۔

قائداعظم بستی

23 مارچ 1989ء کو پہلی بار یہ بستی لاہور میں مینارِ پاکستان کے مقام پر قائم کی گئی۔ اس بستی کے لیے 800 خیمے لگائے گئے جن کا تعلق چاروں صوبوں سے تھا۔

قائداعظم بنام امیر ملت، پیر جماعت علی شاہؒ

قیام پاکستان سے چند روز قبل حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہؒ نے قائداعظم محمد علی جناح کو مبارکباد کا خط ارسال کیا۔ اس کے جواب میں 6 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہؒ کو خط ارسال کیا جس کا متن یہ ہے:

10 اورنگ زیب روڈ

نئی دہلی

6 اگست 1947ء

ڈیئر پیر صاحب!

آپ کی نیک تمناؤں اور مبارک بادوں کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے یقین ہے کہ مسلمان خوش ہیں کہ آخر کار ہم نے دو سو سال کی غلامی کے بعد خود اپنی پاکستان کی آزاد اور خودمختار مملکت بنائی۔

آپ نے ازراہ لطف مجھے شفتالوؤں کا جو پارسل ارسال کیا ہے میں اس کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں۔

بہترین تمناؤں کے ساتھ

آپ کا مخلص

ایم، اے، جناح

(حالات کے لیے دیکھیے: جماعت علی شاہ پیرؒ)

قائداعظم بنام ٹرومین

8 دسمبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے امریکہ کے صدر ٹرومین کو ایک خط لکھا تھا جس میں فلسطین کو تقسیم کرنے کی سخت مخالفت کی گئی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فلسطین کی تقسیم کے متعلق اقوام متحدہ کی قرارداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا:

''یہ قرارداد اقوام متحدہ کے منشور کے منافی ہے اور دنیا کے تیس کروڑ مسلمان فلسطین کی تقسیم کو منظور نہیں کریں گے۔''

قائداعظم بنام دین محمد

بمبئی 6 دسمبر 1927ء

ڈیئر مسٹر دین محمد!

میں اپنا وہ خط آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں جو میں نے سیکرٹری کو تحریر کیا تھا۔ یہ خط تمام اخبارات میں شائع ہو چکا ہے اور مجھے امید ہے کہ مسلم لیگ پنجاب کی ان رجعت پسند قوتوں کا شکار نہیں ہوگی جو مفاد پرست گروہ نے پیدا کی ہیں۔ مسلم لیگ کے اجلاس کو کامیاب بنانے کا صرف یہی واحد طریقہ ہے کہ کلکتہ کو مقام اجتماع بنانے کے سلسلے میں ہز ہائی نس آغا خاں کی زبردست حمایت کی جائے۔

مہربانی فرما کر اپنا ووٹ دس تاریخ سے پیشتر سیکرٹری لیگ کو دہلی بذریعہ تار ارسال کریں۔

آپ کا مخلص

ایم، اے، جناح

قائداعظم بنام عبدالسلام خورشید

قائداعظم محمد علی جناح نے عبدالسلام خورشید کے 29

اگست 1938ء کے خط کے جواب میں جو خط لکھا اس کا متن درج ذیل ہے:

8 ہارڈنگ ایونیو

نئی دہلی

9 ستمبر 1938ء

محترمی!

مجھے آپ کا 29 اگست 1938ء کا خط مل گیا۔ میں جواب جلد نہ دے سکا کیونکہ میری طبیعت ناساز تھی۔ آپ نے مختلف تجاویز پیش کی ہیں۔ وہ میں نے نوٹ کر لی ہیں جن کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھ سے توقع نہیں کر سکتے کہ ان معاملات پر خط وکتابت میں بحث کروں۔ میرے نزدیک ابھی مسلمانان ہند کو سیاسی زبان سیکھنی ہے، اور پھر تھوڑا سا صبر کرنا بھی سیکھنا ہے۔ اب مجھے کامیابی کی کچھ امید ہے کہ کیونکہ مسلمان جاگ رہے ہیں۔ ان میں خودداری اور خود اعتمادی پیدا ہو رہی ہے، لیکن مکمل طور پر منظم ہونے کے لیے انہیں کچھ اور وقت درکار ہے۔

آپ کا مخلص

ایم، اے، جناح

(حالات کے لیے دیکھیے: عبدالسلام خورشید)

قائداعظم بنام عبدالقیوم خان

قائداعظم محمد علی جناح نے خان عبدالقیوم خاں کے اس خط کے جواب میں جو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو لکھنؤ سے 11 اگست 1945ء کو لکھا تھا کہا:

ٹیلیگرام بمبئی

20 اگست 1945ء

مجھے آپ کا 16 اگست کا خط ملا۔ بہت شکریہ مجھے آپ کے فیصلے کی بابت علم ہو کر مسرت ہوئی کہ آپ لیگ میں شامل ہو رہے ہیں۔ میں آپ کے خیالات کی قدر کرتا ہوں جن کا آپ نے اپنے مکتوب میں واضح طور پر اظہار کیا ہے۔ شملہ کانفرنس سے واضح ہو گیا ہے کہ کوئی خوددار مسلمان کسی قیمت پر کانگریس کی نہ حمایت کر سکتا ہے، اور نہ کانگریس میں اب کسی دیانتدار مسلمان کے لیے کوئی جگہ ہے۔ شملہ کانفرنس کے بعد کوئی انصاف پسند کلمہ گو کانگریس کی حمایت نہیں کر سکتا۔ مجھے امید ہے کہ اور لوگ بھی آپ کی مثال کی پیروی کرتے ہوئے اپنی قومی تنظیم آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں گے۔ خصوصاً اس نازک وقت میں مسلمانوں کو لیگ میں شامل ہو کر مسلم ہندوستان اور اسلام کے مقاصد کو تقویت پہنچانا چاہیے۔

قائداعظم بنام محمد اشرف

محمد اشرف ان دنوں طالب علم تھے جب ان کی قائداعظم سے کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں دو خطوط بھی لکھے۔ جن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل۔

27 جنوری 1943ء

بنام ایم اشرف اسکوائر 60 ایڈ ورڈ روڈ راولپنڈی

ڈیئر سر!

میں آپ کے خط مورخہ 14 جنوری کی رسید بھیجتے ہوئے ان معلومات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو آپ نے اس خط کے ذریعہ بہم پہنچائی ہیں۔ آپ نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ اس موقع پر طلبا کو کیا کرنا چاہئے۔ میرا جواب یہ ہے کہ انہیں اپنے تعلیمی کردار اور علمی مصروفیات کو خطرے میں ڈالے بغیر آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن میں شریک ہو جانا، اور اس کے اغراض و مقاصد کا وفادار رہنا چاہئے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کا مطالعہ کر کے اگر اس سے متفق ہوں تو

مسلم لیگ سے ہمدردی اور اس کی تائید کرنی چاہیے، لیکن فی الحال آپ کا سب سے بڑا مقصد تعلیمی کیریئر ہونا چاہئے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

دوسرے خط کا پس منظر یہ ہے کہ محمد اشرف نے قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی دستخط شدہ تصویر کی درخواست کی تھی۔ اس خط کا جواب ان کے سیکرٹری نے دیا جس کا مضمون یہ ہے:

ڈیئر سر!

(آپ کے خط بنام ایم اے جناح) کے جواب میں جس میں آپ نے ان کے فوٹو کی درخواست کی تھی عرض یہ ہے کہ آپ مطلوبہ فوٹو کی کاپی میسرز Sarony Studio کناٹ پیلس نئی دہلی سے حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مسٹر جناح کے پاس اس فوٹو کی کوئی فاضل کاپی موجود نہیں۔

سیکرٹری ایم اے جناح

ان خطوط کے ساتھ دو رسیدیں بھی تھیں۔ ایک دس روپے کی رسید جس پر اردو میں لیاقت علی خان کے دستخط ہیں اور 5 جون 1946ء کی تاریخ درج ہے۔

آل انڈیا مسلم لیگ کی دوسری رسید 150 روپے کی ہے۔ اس پر ایم اے جناح کے دستخط ثبت اور 30 جولائی 1945ء کی تاریخ درج ہے۔

قائداعظم بنام محمد خاں جوگیزئی، نواب

15 جنوری 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان سے سات ماہ قبل انہیں ایک اہم خط لکھا جس کا متن درج ذیل ہے:

10 اورنگ زیب روڈ نئی دہلی

اولڈ گورنمنٹ ہاؤس کراچی

15 جنوری 1947ء

ڈیئر نواب صاحب!

مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ تہ دل سے مسلم لیگ کی حمایت کر رہے ہیں۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کے مابین اتحاد انتہائی ضروری ہے اور آپ جیسا صاحب حیثیت اور با اثر آدمی اس جدوجہد میں جو ہم پاکستان کے لیے کر رہے ہیں، مسلم قوم اور اسلام کی بہت مدد اور خدمت کر سکتا ہے۔ بلاشبہ آپ صورت حال کو اچھی طرح جانتے ہیں اور میرے لیے اس سے زیادہ کچھ کہنا غیر ضروری ہوگا کہ مسلمانوں کے استحکام ہی میں ان کی نجات ہے۔

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

آداب

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

محمد خاں جوگیزئی 1884ء میں بلوچستان میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ بلوچستان سے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں پہلے رکن تھے۔ بلوچستان کے جوگیزئی قبیلے کے سربراہ بھی تھے، اور ان کی قائدانہ اور مخلصانہ صلاحیتوں پر حضرت قائداعظم محمد علی جناح کو ہمیشہ اعتماد رہا۔ یہی وہ اعتماد تھا کہ انہوں نے دہلی پہنچنے کے باوجود اس اعلان پر کہ قائداعظم نے انڈین اسمبلی کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔ بحیثیت رکن حلف نہ اٹھایا۔ وہ 1946ء میں انڈین لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے۔ نواب محمد خاں جوگیزئی کا انتقال 13 نومبر 1978ء کو قلعہ سیف اللہ میں ہوا۔

قائداعظم بنام مراتب علی شاہ

10 اورنگ زیب روڈ

نئی دہلی

13 مارچ 1944ء

عزیزم سید مراتب علی!

آپ کے 8 مارچ کے محررہ خط اور میرے قیام لاہور کے دوران ڈنر پارٹی پر مدعو کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے یہ دعوت قبول کر کے بڑی خوشی ہوگی۔ 21 مارچ کی تاریخ میرے لیے مناسب رہے گی۔

آپ کا شکریہ، میری طرف سے اور مس جناح کی طرف سے سلام خلوص قبول ہو۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

مراتب علی اسکوائر
آشیانہ لاہور

سید مراتب علی شاہ کا شمار تحریک پاکستان کے ممتاز کارکنوں میں ہوتا تھا۔ وہ 1882ء میں لاہور میں سید وزیر علی شاہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ زمانہ طالب علمی میں باپ نے انہیں کاروبار میں شریک کر لیا اور باپ بیٹوں نے مل کر اے اینڈ ایم وزیر علی کے نام سے ایک فرم بنائی۔

1934ء میں جو تجارتی وفد افغانستان گیا۔ وہ اس کے ارکان میں شامل تھے۔ 1935ء میں ریزروبینک آف انڈیا کے سنٹرل بورڈ آف ڈائریکٹرز کا قیام عمل میں آیا تو وہ اس کے رکن بنے۔ 1936ء میں ایلکلی اینڈ کیمیکل کارپوریشن آف انڈیا کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے اور قیام پاکستان تک اسی عہدے پر فائز رہے۔

1940ء سے وفات تک ایچی سن کالج لاہور کی مجلس نظم و ضبط کے رکن اور 1942ء میں آل انڈیا مسلم چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے نائب صدر اور اس کے اگلے سال پنجاب کے صدر منتخب ہوئے۔

1929ء میں خان بہادر کا، 1935ء میں سی بی ای کا اور 1940ء میں سر کا خطاب ملا۔

قیام پاکستان کے بعد ریزروبینک آف انڈیا سے پاکستان کے حصے کی رقم وصول کرنے کے سلسلے میں دو رکنی وفد میں شامل تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ہر صدا پر لبیک کہا اور تحریک پاکستان اور تعمیر پاکستان میں بھرپور کر حصہ لیا۔

قائداعظم بنام ملک برکت علی

لٹل گبس روڈ
مالابارہل۔ بمبئی
20 نومبر 1937ء

ڈیئر مسٹر برکت علی!

مجھے ایک طویل مکتوب غلام رسول سے ملا۔ ایک سر محمد اقبال سے اور خود آپ کی طرف سے ان میں جن تفاصیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ میں ان سب سے گفتگو کے ابھی قابل نہیں ہوں لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ تفصیلی نکات کا تجزیہ غیر ضروری ہے، کیا میں ایک اصولی بات کروں کہ جب ایک بار یونینسٹ پارٹی کے مسلمان ارکان یا کوئی اور مسلمان لیگی بن جاتا ہے اور مسلم لیگ کے عقیدے، پالیسی اور پروگرام کا اپنے آپ کو پابند بنالیتا ہے تو وہ صرف مسلم لیگی ہے اور کچھ نہیں اور جو لوگ پہلے سے مسلم لیگ میں ہیں وہ نئے لیگیوں سے بہتر نہیں پس شاید آپ کہیں کہ دوسروں نے اب محسوس کیا ہے کہ ہم نے جو پالیسی اور پروگرام چلائے تھے وہ درست تھے۔ اس لیے وہ پورے دل کے ساتھ ہماری صفوں میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد یہ کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا کہ فلاں اس گروپ سے تعلق رکھتا ہے اور فلاں اس گروپ سے یا فلاں اس پارٹی میں شامل ہے یا اس پارٹی میں، کیونکہ اس کا مطلب محض دھڑے بندی ہے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ تھوڑے سے صبر سے کام لیں تو یہ ذیلی اور جزوی معاملات خود بخود منصفانہ انداز میں حل ہو جائیں گے، اور وہ بھی اس مفاد میں جو ہم سب کو

عزیز ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ یہ خط سر محمد اقبال اور غلام رسول کو دکھا دیں گے۔ مرکزی پارلیمانی بورڈ میں میں نے سر سکندر حیات کے تجویز کردہ بعض نام شامل کیے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں پنجاب کی نمائندگی کے لیے مزید نام تجویز نہیں کروں گا ایسے نام جو سر محمد اقبال صدر، ملک زمان مہدی خاں نائب صدر، غلام رسول سیکرٹری مسلم لیگ اور خود آپ تجویز کریں۔

میں نہایت مودبانہ انداز میں آپ کی توجہ دلاتا ہوں کہ آپ میرا نام نیوٹائمنز کے سرپرستوں کے طور پر استعمال کرتے رہے ہیں۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ناپسندیدہ ہے کیونکہ میرے نزدیک یہ چیز انصاف کے منافی ہے کہ ایک اخبار کو میرا نام استعمال کرنے کی اجازت دی جائے، اور اس طرح بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر عوام کو یہ تاثر دیا جائے کہ میرا اس اخبار سے کوئی تعلق ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور میرا نیوٹائمنز سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔ میں نیوٹائمنز کو اس حد تک خوش آمدید کہتا ہوں جہاں تک کہ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے کام کو آگے بڑھا رہا ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے کہ آپ میری بات کو غلط نہ سمجھیں گے، جب میں یہ کہتا ہوں کہ میرا نام استعمال نہ کیا جائے۔ جب میری طبیعت درست ہوگی تو میں آپ کے خط کا تفصیلی جواب دوں گا اور دوسروں کے خط کا بھی۔ احترامات کے ساتھ۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

قائداعظم بنام مولانا حفظ الرحمٰن

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل بمبئی

3 اپریل 1947ء

ڈیئر سر!

مجھے آپ کی مرسلہ قرارداد اور آپ کا خط مورخہ 25 مارچ کو ملا۔ آپ کا اس کے لیے شکرگزار ہوں۔ برطانوی حکومت کے قرطاس ابیض مورخہ 20 فروری کے شائع ہو جانے کے بعد جو نئی صورت حال پیدا ہو چکی ہے، اور اس نازک صورت حال کے پیش نظر جس سے ہم کو قریب ترین مستقبل میں دوچار ہونا ہے۔ میں آپ سے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کے مسئلہ پر قطعی متفق ہوں، اور میں نے اس مسئلہ پر متعدد بار زور دیا ہے۔ خصوصاً گزشتہ دو یا تین ہفتوں کے دوران میں نے ہر مسلمان سے اپیل کی ہے کہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہو جائے۔ ہمارے لیے اب وہ وقت نہیں کہ ہم اپنے داخلی اختلافات کے متعلق کوئی مسئلہ کھڑا کر دیں اور یہ صرف ہمارا ہی کام ہونا چاہئے کہ ہم ایک منظم جماعت کی حیثیت سے اپنے دستور اساسی اور اپنے قواعد و ضوابط کی روشنی میں اس کو رفع کریں۔ یہ گھڑی وہ گھڑی نہیں کہ ہم اپنے گھریلو (اندرون خانہ) اختلافات میں الجھ جائیں، حالانکہ ہمیں ایک شدید بیرونی خطرہ دھمکا رہا ہو۔ میں اس لیے آپ سے نہایت ہمدردانہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ بغیر کسی مزید تاخیر کے مسلم لیگ میں شریک ہو جائیں اور مسلمانوں کے ملی مقاصد کی حمایت فرمائیں تاکہ پاکستان کا محبوب نصب العین حاصل کر لیں۔ یہ ہمارے اتفاق و اتحاد پر منحصر ہے اور مسلم لیگ کی وفادارانہ تائید پر موقوف ہے، جو مسلمانانِ ہند کی واحد بااختیار اور نمائندہ تنظیم ہے۔

میں نے واضح کر دیا ہے کہ ہر مسلمان جو مسلم لیگ میں شریک ہونے پر رضامند ہے۔ چاہے گزشتہ دور میں (اب سے پہلے) اس کے نظریات کچھ ہی رہے ہوں۔ خیر مقدم کا مستحق ہے اور میں جمیعت العلمائے ہند کے ہر رکن کا خیر مقدم کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس صورت حال پر

دردمندانہ غور کریں گے۔ میں تو جدید رفتار واقعات کی روشنی میں جو وقوع پذیر ہو رہے ہیں اور ہندوؤں کی اہم سیاسی جماعتوں کی روش دیکھتے ہوئے کوئی دشواری اس امر میں نہیں پا رہا ہوں کہ آپ نے بھی اس صورت حال کا احساس کر کے اس امر پر زور دیا ہے کہ اس نازک مرحلے پر ہمارے لیے دوش بدوش کھڑا ہونا کس قدر اہم ہے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

قائداعظم بنام شبیر احمد عثمانی، مولانا

یکم فروری 1946ء

ڈیئر مولانا صاحب!

مجھے آپ کا خط مورخہ 31 جنوری کو موصول ہوا ہے اور اس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ مسلم لیگ کے آئین وضوابط کے مطابق نہ صرف یہ کہ مجھے کوئی اختیار نہیں ہے بلکہ میرے لیے یہ غیر مناسب ہوگا کہ مسلم لیگ نے جو ٹرابیونل مقرر کیے ہیں۔ ان کے اختیارات میں مداخلت کی جائے۔ ہر صوبے میں آل انڈیا مسلم لیگ نے با اختیار اتھارٹی مقرر کی ہیں۔ جنہیں ہر صوبے میں مسلم لیگ کی طرف سے امیدوار منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، اولاً صوبائی پارلیمانی بورڈ انتخاب کرتا ہے اور اگر کوئی امیدوار اس فیصلے سے مطمئن نہ ہو تو اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ مرکزی پارلیمانی بورڈ کے سامنے اپیل دائر کرے۔ جس کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوگا۔ امید ہے اگر میں آپ سے یہ کہوں تو آپ اس کی داد دیں گے اور قدردانی کریں گے۔ میرے لیے بہت غیر مناسب ہو گا جو میں پارلیمانی بورڈ کے انتخابات کے معاملے میں اثر انداز ہوں۔ اس لیے میں معذرت خواہ ہوں کہ میں اس معاملے میں مداخلت نہیں کرسکتا۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

قائداعظم بنام مولانا شوکت علی

قائداعظم محمد علی جناح نے فلسطینیوں کے موقف کی مکمل حمایت کرتے ہوئے اعلان بالفور کو غیر منصفانہ قرار دیا تھا۔ اس کا انکشاف اس خط سے ہوا جو انہوں نے 21 ستمبر 1937ء کو شملہ سے مسٹر شوکت علی کے نام لکھا تھا جو اس وقت غیر منقسم بنگال سے مجلس قانون ساز کے رکن تھے اور فلسطین کے بارے میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہے تھے۔

شملہ

21 ستمبر 1937ء

مائی ڈیئر شوکت علی!

مجھے خوشی ہے کہ آپ فلسطین کانفرنس اور بنگال مسلم کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہے ہیں۔ براہ کرم بنگال کے مسلمانوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ انہیں مسلم لیگ اور اس کی پالیسی اور پروگرام کے ساتھ رہنا چاہیے، جو نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ ملک کے بھی بہترین مفاد میں ہے مجھے یقین ہے کہ بنگال کے مسلمان فلسطین کے عربوں کی مکمل حمایت کریں گے، جو انتدابی قوتوں کی نا انصافیوں اور غیر منصفانہ بالفور اعلامیہ کا شکار ہیں۔ اب رائل کمیشن کی تجویز کے مطابق تقسیم فلسطین کا غیر منصفانہ اقدام کیا جا رہا ہے، جو اس کی تباہی کا باعث ہوگا۔ جب میں کہتا ہوں کہ ہم فلسطین کے عربوں کی جدوجہد میں ان کے ساتھ ہیں جو اپنی خود مختاری اور اپنے ملک کی آزادی کے لیے کر رہے ہیں تو میں یقیناً بھارت اور بنگال کے مسلمانوں کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہوں۔ ہم ان کی جدوجہد میں ہر ممکن مدد دیں گے، جو وہ دشمنوں کی اس خواہش کے خلاف کر رہے ہیں کہ اپنے ملک کی آزادی کے لیے ان کی منصفانہ

خواہشات کو دبا دیا جائے۔ میں بنگال کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ منظم ہو جائیں اور بھارت کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم کریں۔

روزنامہ جنگ (کراچی) 15 فروری 1976ء

(حالات کے لیے دیکھیے: شوکت علی مولانا)

قائداعظم بنام مولانا ظفر علی خان

10 اورنگ زیب روڈ نئی دہلی

27 نومبر 1942ء

ڈیئر مولانا ظفر علی خاں!

بنگال ریلیف فنڈ کے لیے آپ کی طرف سے ایک ہزار روپے کا چیک آپ کے 23 ماہ حال کے مراسلہ کے ساتھ موصول ہوا جس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ یہ چیک کلکتہ مسلم ایوان تجارت کو بھیج دیا گیا ہے، اس کی سرکاری رسید براہ راست آپ کے پتہ پر بھیج دی ہے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

(حالات کے لیے دیکھیے ظفر علی خاں، مولانا)

قائداعظم بنام مہدی

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابارہل۔ بمبئی

24 اگست 1943ء

ڈیئر لیفٹیننٹ مہدی!

آپ کے 14 اگست کے خط کا شکریہ۔ آپ نے ہمارے مطالبہ پاکستان کی جس پُر جوش طریقے سے حمایت کی ہے، میں اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، میری ذات کے حوالے سے جو باتیں آپ نے کی ہیں ان کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں فی الوقت نہ آل انڈیا مسلم لیگ چاہتی اور نہ ہی میری خواہش ہے کہ مسلمان عطیات یا کسی دوسری شکل میں کوئی بڑا ذاتی ایثار کریں، اس لیے میں نے اس مسئلہ کو آپ کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ حسب استطاعت آل انڈیا مسلم لیگ کے فنڈ میں چندہ دیں تاکہ ہم اپنا مقصود منزل پاکستان حاصل کر سکیں۔ مجھے خوشی ہے کہ مسلمان آج پہلے سے کہیں زیادہ متحد اور منظم ہیں، تاہم ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے اور مجھے یقین ہے کہ جب وقت آیا اور فرصت پڑی تو مسلمان قیام پاکستان کی خاطر اپنا سب کچھ دے دیں گے۔ یہ مسلم انڈیا کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اور ہم اس وقت تک اطمینان سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتے اور پاکستان کا پرچم نہیں لہراتے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

قائداعظم بنام مولوی عبدالحق

قائداعظم محمد علی جناح کی اگرچہ مولوی عبدالحق سے ایک آدھ ملاقات ہوئی ہے۔ تاہم اردو کے فروغ کے سلسلے میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے انہیں یہ خط لکھا۔

گرانڈ ہوٹل

شملہ

23 ستمبر 1937ء

محترم جناب!

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ مسلمانوں کے قومی کاموں بالخصوص ہندی، اردو مسئلہ سے گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس 15، 16 اور 17 اکتوبر کو لکھنؤ میں منعقد ہو رہا ہے میں

آپ کا مشکور ہوں گا اگر آپ مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں شرکت کریں جو وہیں منعقد ہوگا۔

ہم ہندی اردو قضیہ کے بارے میں آپ کے خیالات معلوم کرنے کے مشتاق ہیں اور مجھے یقین ہے کہ زبان جیسے اہم مسئلہ کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کرنے میں مسلم لیگ کونسل کو آپ کے خیالات سے بڑی مدد ملے گی۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس اجلاس میں ضرور شرکت کریں گے۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

مولوی عبدالحق

حیدرآباد دکن

ڈاکٹر مولوی عبدالحق محسن اردو تھے۔ انہوں نے اردو ادب کے فروغ کے لیے نہایت اہم خدمات انجام دیں۔ وہ 20 اپریل 1870ء کو سراوہ ہاپوڑ (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1895ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی اے کیا۔

سر سید احمد خان، شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی اور سید محمود سے ملاقاتیں رہیں، کچھ روز محسن الملک کے پاس بمبئی میں رہے۔ پھر حیدرآباد دکن کے مدرسہ آصفیہ کے صدر اور پھر افسر جنگ کے رسالے افسر کے مدیر مقرر ہوئے۔ مولانا ظفر علی خان کے دکن ریویو میں تنقیدی مضامیں بھی لکھتے رہے۔ ان کے متعدد کتب پر مقدمے اسی دور کے لکھے ہوئے ہیں۔

1911ء میں محکمہ تعلیمات میں مددگار رہے، اور پھر انسپکٹر بنا دیے گئے۔ 1912ء میں ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے شعبہ ترقی اردو کے معتمد منتخب ہوئے۔ اردو الترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی کے پہلے ناظم اور عثمانیہ کالج اورنگ آباد کے صدر (پرنسپل) کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔

1936ء میں گاندھی نے اردو کی مخالفت کی تو انہوں نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، جامعہ عثمانیہ کی پروفیسر شپ چھوڑ کر انجمن ترقی اردو کو دہلی منتقل کیا۔ 1947ء میں پاکستان آ گئے اور کراچی میں اردو کالج قائم کیا۔ کراچی یونیورسٹی کے اعزازی پروفیسر بھی رہے۔ حکومت پاکستان نے خدمات کے اعتراف کے طور پر ہلال قائداعظم کا اعزاز دیا۔

قائداعظم بنام نواب صدیق علی خاں

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ

مالابار ہل

31 مئی 1942ء

ڈیئر مسٹر نواب صدیق علی خان!

مجھے آپ کا محررہ 29 مئی 1942ء کا خط ملا جس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میری رائے میں آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ کو آل انڈیا مسلم لیگ میں ضم کرنا کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کیونکہ متعدد معاملات میں ان کی مشکلات مختلف ہیں۔ مجھے تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہمیں ہر طریقے سے خود کو منظم کرنے کے لیے ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔

میرا خیال ہے نواب بہادر یار جنگ کی طرف سے قائم کردہ کمیٹی میں آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ اور یقیناً آپ سمیت کوئی بھی معروف مسلم لیگی اس کا چیئر مین نہیں ہونا چاہیے۔ جسے آل انڈیا مسلم لیگ نے مقرر کر رکھا ہوتا کہ مختلف ریاستوں میں مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ابتدائی طور پر ہدایات دے سکے۔ آل انڈیا سٹیٹس مسلم لیگ کے ارکان کو اس پر غور کرنا چاہیے۔

آپ کا مخلص

محمد علی جناح

قائداعظم بنام محمد شریف طوسی

قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی خط و کتابت ان کے پرائیویٹ سیکرٹری مطلوب الحسن سید کی وساطت سے ہوئی۔ 12 فروری 1941ء کو تحریر کردہ خط میں قائداعظم محمد علی جناح کے سیکرٹری نے انہیں لکھا:

''قائداعظم اس سب کام کے لیے جو آپ کر رہے ہیں، آپ کے شکر گزار ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا ہے کہ کیا آپ ایک چھوٹا کتابچہ تحریر کر سکتے ہیں جو کہ مسلم لیگ کی کارکردگی کا خلاصہ ہو اور یہ بتایئے کہ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد کیا ہیں اس سلسلے میں وہ ہر قسم کی مدد جو کہ آپ چاہیں کرنے کو تیار ہیں۔ ان کے پاس مواد کا خزانہ موجود ہے، جو وہ آپ کے حوالے کر سکتے ہیں۔ اگر آپ اس کام کو کرنے پر آمادگی کا اظہار کریں۔

مسٹر جناح نے آپ کے حالیہ ایسٹرن ٹائمز میں شائع شدہ مضمون بعنوان پولیٹیکل ڈیڈلاک ان انڈیا کو پسند فرمایا ہے ان کے کہنے کے مطابق یہ حالیہ واقعات کا ایک اچھا خلاصہ ہے اور اگر آپ اسی طرح 1936ء سے شروع کر کے زمانہ حال تک پیش آمدہ بڑے بڑے واقعات کا خلاصہ تحریر کر سکیں تو مجھے یقین ہے کہ یہ ایک از حد مفید کام ہوگا۔ اس سلسلے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ اگر آپ با سہولت دہلی آسکیں تو ضرور تشریف لائیں اور مسٹر جناح سے اس کام کے بارے میں بات چیت کر لیں کہ آپ اس کام کو کس طرح مکمل کرنا پسند کریں گے۔

(حالات کے لیے دیکھیے: طوسی ایس ایم)

قائداعظم بہار ریلیف فنڈ

1946ء میں اس فنڈ میں بیالیس لاکھ روپے جمع ہوا تھا۔ اور یہ فنڈ قیام پاکستان کی تعمیر پر صرف ہوا۔

قائداعظم بہ حیثیت سربراہ مملکت

یہ کتاب کلیم نشتر نے مرتب کی اور مکتبہ عالیہ لاہور نے 1976ء میں سال قائداعظم کی نسبت سے اسے شائع کیا۔

یہ قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے آخری لمحات کی کہانی ہے جو 10 جولائی 1947ء سے شروع ہو کر 11 ستمبر 1948ء پر ختم ہوتی ہے۔ قائداعظم بہ حیثیت سربراہ مملکت پاکستان میں شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے، اسے اس اعتبار سے بھی کتاب حوالہ کا نام دیا جا سکتا ہے کہ اس میں قیام پاکستان سے وفات قائداعظم تک کے حالات و واقعات کو ماہ و سال کی ترتیب سے مرتب کیا گیا ہے۔

قائداعظم بین الاقوامی کانگریس

19 دسمبر 1976ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے اسلام آباد کے قومی اسمبلی ہال میں قائداعظم بین الاقوامی کانگریس کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر انہوں نے کہا:

''قائداعظم نے برصغیر کے مسلمانوں کو انفرادیت اور اجتماعی تشخص عطا کیا۔ ان کے نزدیک قومیت کا متحرک تصور جنگ جو یا نہ جارحیت سے مختلف تھا۔ قائداعظم نے جو بیداری اور قیادت دی اگر وہ نہ ہوتی تو جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی انفرادیت یا اجتماعی شخصیت کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔ قائداعظم نے برصغیر میں ہماری کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کر دیا۔''

کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیا گیا تھا، ڈائس پر وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی ایک جانب وفاقی وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ اور دوسری طرف کانگریس کی آرگنائزنگ

کمیٹی کے صدر پروفیسر ابوالہاشم بیٹھے تھے۔ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر کے بعد آرگنائزنگ کمیٹی کے چیئرمین پروفیسر ہاشم نے مختصر تقریر کی۔ اس میں 24 ممالک کے دوسو سے زیادہ مندوبین نے شرکت کی جن میں 90 اسکالر بھی شامل تھے 21 دسمبر کو پارلیمینٹ کے ارکان نے کہا:

''قائداعظم محمد علی جناح سچے مردمومن تھے اور انہوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔''

قائداعظم پبلک سکول

یہ سکول یونین کونسل درسہ چھنا (ٹھٹھہ) کی حدود میں دوسو ایکڑ رقبے پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کی حدیں ٹھٹھہ، دادو اور کراچی کے اضلاع سے ملتی ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وصیت کے مطابق ان کی جائیداد کی آمدنی کا ایک تہائی حصہ سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کے لیے وقف ہے جس میں سے ایک کروڑ (جنوری 1989ء) روپیہ ادا کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ کراچی ضلع کونسل نے بھی بیس لاکھ روپے کی رقم دی۔

قائداعظم پر فلم

قائداعظم محمد علی جناح کی ملی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے حکومتِ پاکستان نے قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی پر فلم بنانے کا منصوبہ تیار کیا جس کی اصولی منظوری اگست 1978ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے دی۔ فلم کی تیاری کا کام ایک غیر ملکی فرم ستمنٹ کو دیا گیا جس نے اس پر 63 ہزار دوسو پندرہ پاؤنڈ زرمبادلہ کے علاوہ ساٹھ لاکھ روپے کا تخمینہ لگایا۔ جس میں سے ایک لاکھ 23 ہزار پونڈ کا مبادلہ بھی شامل تھا۔ یہ فلم 1985ء میں مکمل ہوئی اور یہ اس قدر غیر معیاری تھی کہ اسے نمائش کے لیے پیش نہ کیا جاسکا۔

9 فروری 1987ء کو وفاقی وزیر عدل و انصاف وسیم سجاد نے کہا:

''قائداعظم کی زندگی پر بنی فلم جلد منظر عام پر آ جائے گی۔''

قائداعظم پر قاتلانہ حملہ

یہ کتاب آتش فشاں پبلی کیشنز نے 1985ء میں طبع کی۔ بقول پبلشر:

''اس کتاب کو ایک بیرسٹر نے لکھا اور اس کا ترجمہ منیر احمد منیر نے کیا۔''

کتاب کا آغاز ان الفاظ سے کیا گیا۔

''اس کٹھن مرحلہ پر جب ہندوستان کے مسلمانوں کی بھلائی اور خوشیوں کا اہتمام ہو رہا تھا، اور جب محمد علی جناح فیصلہ کن امور کی طرف پوری طرح متوجہ تھے تو تھوڑی دور ہی یہی کوئی پانچ میل کے فاصلے پر ایک وحشیانہ جرم کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ایک ایسا جرم ہوا جو اگر کامیاب ہو جاتا تو ایک المیہ ہوتا اور مسلمانوں کے لیے ایک ہولناک بربادی۔''

یہ ایک انگریزی کتاب JINNAH FACES AN ASSASSINATION کا اردو ترجمہ ہے جو بمبئی سے ٹھاکر اینڈ کمپنی نے دسمبر 1973ء میں شائع کی۔ مصنف کا نام ندارد ہے۔ صرف یہی لکھا ہے بائی ______ اے بیرسٹر ایٹ لاء۔

کتاب کا پیش لفظ کشمیری لیڈر جناب کے ایچ خورشید نے لکھا ہے۔

کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے مقدمہ کی پوری کارروائی شامل کی گئی ہے۔

26 جولائی 1943ء کو صابر رفیق نامی ایک شخص نے قائداعظم محمد علی جناح پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اللہ رب العزت کا



سردار محمد خان جوگیزئی

ولادت 1905

آپ کے والد کا نام سردار بہادر محمد اکبر خان جوگیزئی تھا جو ژوب کے چیف تھے۔ انگریزوں نے آپ کو سیاسی بنیادوں پر بمعہ اہل خانہ علاقہ بدر کر دیا اور آخرکار آپ لورالائی میں آباد ہو گئے۔ 1945ء میں آپ کو صدر مسلم لیگ لورالائی نامزد کیا گیا اور بعد میں آپ صدر پاکستان مسلم لیگ بلوچستان بھی رہے۔ 1946ء میں آپ نے نواب آف بہاولپور کی کوٹھی الشمس پیلس مالیر کراچی میں قائداعظمؒ سے ملاقات کر کے بلوچستان کے قبائلی علاقوں کا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کی راہ ہموار کی۔

14 اگست 1947ء کو آپ نے لورالائی میں پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر سے یونین جیک اتار کر پاکستان کا پرچم لہرایا۔ اس موقع پر آپ کے اہل خانہ، سردار حاجی صورت خان ترین جو مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سربراہ تھے اور دوسرے مسلم لیگی ممبران بھی موجود تھے۔ بلوچستان کو پاکستان میں شامل کرانے کے لیے آپ نے خلوص دل سے بہت کوشش کی۔ تحریک پاکستان میں آپ کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے۔

صد ہا شکر کہ قائداعظم محمد علی جناح اس قاتلانہ حملے میں بال بال بچ گئے۔ انہیں کچھ معمولی زخم ضرور آئے، مگر اللہ نے کرم کیا کہ ان کی جان بچ گئی۔

اس سلسلے میں روزنامہ انقلاب نے اپنی اشاعت 30 جولائی 1943ء میں لکھا:

''قائداعظم پر حملہ کرنے والا خاکسار ہو یا کوئی اور ہو اس سے بحث نہیں، یہ ناپاک فعل جس سے بھی سرزد ہوا، اس کی کمینگی، بزدلی اور محسن کشی میں کوئی کلام نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے قائداعظم سے تلخ لہجے میں بات کی ہو اور موصوف نے اسے ڈانٹ دیا ہو، لیکن دس کروڑ مسلمانوں کے محبوب رہنما پر ہاتھ اٹھانا کسی مسلمان کا کام نہیں ہوسکتا، خواہ اس کے سیاسی عقائد مسٹر جناح کے خلاف ہی ہوں، حملہ کرنے والا گرفتار ہو چکا ہے، اور وہ کیفر کردار تک پہنچ کر رہے گا۔ خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے مسٹر محمد علی جناح کی جان بچا لی۔ ان کی زندگی مسلمانوں کی نہایت عزیز و گراں مایہ متاع ہے۔ سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر ادا کرنا چاہیے، اور قائداعظم کی درازیٔ عمر اور صحت و عافیت کی دعائیں مانگنی چاہئیں۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 30 جولائی 1943ء)

قائداعظم کی جان پر حملہ

روزنامہ انقلاب اپنی 2 اگست 1943ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''اب یہ امر محتاجِ ثبوت نہیں رہا کہ مسٹر جناح پر قاتلانہ حملہ کرنے والا نوجوان لاہور کا ایک معروف خاکسار ہے، اور مزنگ کے لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ باقی امور تفتیش کے بعد کھلیں گے کہ وہ بطور خود بمبئی گیا تھا یا کسی کا بھیجا ہوا تھا۔ اس کی نیت ہی قائداعظم کو قتل کرنے کی تھی یا اس نے فوری اشتعال کے ماتحت پیش قبنس نکال کر حملہ کر دیا۔ ان امور کے متعلق خیال آرائی نہ جائز ہے نہ مفید، ہر شخص کو انکشافِ حقیقت کا انتظار کرنا چاہیے، لیکن اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ علامہ مشرقی نے مسلم لیگ کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنے کی ہرگز کوشش نہیں کی، بلکہ گاندھی کی چٹھی کے سلسلے میں مسٹر جناح کے رویے کی مخالفت کر کے اور خاکساروں کو ہزارہا تار بھیجنے کی تلقین کر کے انہوں نے خاکسار حلقوں کے اندر مسٹر جناح کو غیر ہردلعزیز بنانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، جس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ بعض خاکسار سالاروں نے قائداعظم اور مسلم لیگ کے خلاف نہایت بدآہنگی سے توہین آمیز بیانات شائع کروائے۔ اس کے علاوہ جن دنوں علامہ مشرقی اور خاکساروں پر ابتلاء کا دور تھا۔ مسٹر جناح اور مسلم لیگ نے اپنے دائرہ عمل سے بالکل تجاوز کر کے ان کے حق میں قرار دادیں کیں اور بیانات دیے لیکن اس کے بدلے میں خاکساروں نے مسلم لیگ کو نیچا دکھانے کی کوشش کی اور علامہ مشرقی نے خاکسار تنظیم کو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ تنظیم قرار دے کر مسلمانوں کے ملی نصب العین یعنی ''ہندوستان سے علیحدگی'' کی جڑ پر کلہاڑا چلا دیا۔

ان حقائق کے ایماء سے ہمارا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ خاکساروں کو قائداعظم اور مسلم لیگ کے خلاف بھڑکایا گیا، چونکہ خاکساروں کا لیڈر نہ اپنی تحریک کو چھوڑ سکتا تھا نہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر قائداعظم کو

اپنا لیڈر تسلیم کرسکتا تھا، اس لیے اس نے اپنی لیڈری سلامت رکھنے کی غرض سے اپنے پیروؤں کو مسٹر جناح سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ بمبئی میں ایک خاکسار نے جو کمینہ حرکت کی، وہ بہرحال کسی عقیدت مند کی حرکت تو ہو نہیں سکتی، دشمن ہی سے سرزد ہوسکتی ہے۔ اور اس خاکسار نے مسٹر جناح سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ہم نے آپ کو ہزاروں تار بھیجے آپ نے کچھ نہ کہا، لہٰذا اب میں خود آیا ہوں تاکہ آپ سے زبانی جواب طلب کروں۔

خدا کا شکر ہے کہ حسنِ اتفاق سے قائداعظم بچ گئے، ورنہ اگر علیحدگی میں ملاقات ہوجاتی اور یہ نوجوان دفعتاً حملہ کر بیٹھتا تو خدا جانے کیا قیامت ہوتی۔ بہرحال علامہ مشرقی کو زیادہ ذمہ دارانہ طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے۔ آتش مزاج نوجوانوں کی لیڈری آسان کام نہیں ہے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 2 اگست 1943ء)

قائد اعظم کی حق گوئی

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 7 اکتوبر 1943ء میں لکھتا ہے:

''عید کے دن میمن ایوانِ تجارت کی طرف سے قائداعظم کی صحت یابی کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا، جس میں تقریر کرتے ہوئے معزز مہمان نے فرمایا:

''میں حملے کے متعلق زیادہ تفصیل سے کام نہیں لے سکتا، اس لیے کہ یہ معاملہ عدالت کے سامنے ہے، لیکن مجھے اس اعلان میں تامل نہیں ہے کہ لوگوں کو دھمکیاں دینے یا ان کی جانوں پر حملے کرنے سے ان کے عقیدے نہیں بدل سکتے۔ جو مسائل اس وقت ہمارے سامنے ہیں، ان کا تصفیہ چاقوؤں کی چھریوں سے نہیں ہوسکتا۔''

یہ اسی حقیقت بینہ کا واضح کا اعادہ ہے جس کا اعلان قرآن کریم نے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کیا تھا اور جسے ہر مسلمان کے عقائد و اعمال کی بنیاد و اساس ہونا چاہیے۔ یعنی لا اکراہ فی الدین جب دین کے لیے جو اس کائنات کی سب سے بڑی اکمل و اتم سچائی ہے۔ جبر و اکراہ جائز نہیں ہے تو لوگوں کے سیاسی یا قومی مقاصد و مسالک کے معاملہ میں جبر کو کیونکر گوارہ کیا جا سکتا ہے اور اسے کس بناء پر جائز سمجھا جاسکتا ہے؟

قائداعظم نے بالکل بجا فرمایا:

''مسلم لیگ اب اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ اگر ایک آدمی کی جان لے لی جائے تو سینکڑوں اس کی جگہ لینے کے لیے آجائیں گے، ہماری قومی جماعت میں تفریق و تشت پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں، لیکن یہ سب کوششیں ناکام رہیں۔''

قائداعظم نے فرمایا:

''تم لیگ کے اندر اختلافات پیدا نہیں کر سکتے، بے شک لیڈروں کو مار سکتے ہو، لیکن لیگ کو نہیں مار سکتے۔''

لیگ کے مخالفوں اور مسلمانوں کی اس قومی تنظیم کے دشمنوں کا فرض ہے کہ وہ ان حقائق پر ٹھنڈے دل سے غور کریں، دھمکیاں فضول ہیں ہر شرانگیزی لغو ہے، قاتلانہ حملے بے سود ہیں۔ ایک آدمی کا قتل یا چند آدمیوں کا قتل یا ان کی موت قوموں کے طے کردہ مقاصد و مسالک پر اثرانداز نہیں ہوسکتی۔ قوم میں تفرقہ انگیزی کی ناپاک مساعی سے اغیار کی خوشنودی بے شک حاصل کی جاسکتی ہے، لیکن یہ خوشنودی تفرقہ

انگیز کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے، اور کسی شخص کے لیے ذلت و نامرادی کا اس سے بدتر مقام کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اغیار کے مصالح کو تقویت پہنچانے کی غرض سے اپنی قوم کو سرمشق تفرقہ بنانے کے لیے جدوجہد کرے۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قوم کی مسلمہ آواز کا ساتھ دے یا گھر میں چپ بیٹھ جائے۔ پہلی صورت میں وہ قوم کا فعال و کارفرما عنصر بنا رہے گا۔ دوسری صورت میں سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے واجبات و فرائض کی بجا آوری سے قاصر ہے، لیکن غیروں کی صداؤں اور خواہشوں کا اتباع اور قوم کی مصلحتوں سے بے پرواہی کھلی ہوئی غداری ہے۔ جس کا داغ کسی باحمیت مسلمان کو اپنی پیشانی پر گوارا نہیں کرنا چاہیے۔

قائداعظم ملت کی ایک عزیز ترین متاع ہیں۔ وہ قومی تنظیم کی ایک زندہ مثال ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وجود گرامی کو تادیر زندہ رکھے۔ حاسدوں کے گزند سے بچائے اور ملت اسلامیۂ ہند کو جو کٹھن مراحل درپیش ہیں اس میں اس عظیم المرتبت شخصیت کی قیادت و رہنمائی سے ملت کو مشرف و مفتخر رکھے، آمین ثم آمین۔"

(روزنامہ انقلاب، 7 اکتوبر 1943ء)

رفیق صابر کو سزا

روزنامہ انقلاب 7 نومبر 1943ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

"قائداعظم پر حملے کے سلسلے میں جو مقدمہ چل رہا تھا، اس میں عدالت نے رفیق صابر کو مجرم قرار دے کر پانچ سال قید کی سزا دے دی ہے۔ ہمارے سامنے ابھی پورا فیصلہ نہیں آیا کہ اس کے مختلف پہلوؤں پر مفصل تبصرہ کر سکیں، لیکن اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ حملہ ہر پہلو سے حد درجہ افسوس ناک تھا، اور چونکہ اس کا ہدف قائداعظم تھے، جو آج اسلامیان ہند کے رہنمائے کبیر ہیں، اس لیے طبعًا مسلمانوں کو اس پر حد درجہ قلق ہوا۔

رفیق صابر اگر قائداعظم سے ملنا چاہتا تھا تو اسے اس سلسلے میں چاقو کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اگر ملاقات گفتگو کے لیے تھی تو اس میں چاقو سے کون سا کام لینا مقصود تھا؟ پھر ہر شخص کی مشغولیتیں اور مصروفیتیں ہوتی ہیں، اور قائداعظم کی مصروفیتیں ساری دنیا پر واضح ہیں۔ ملاقات کا یہ کون سا طریقہ ہے کہ وقت مقرر کیے بغیر کسی کے مکان پر جا کر اصرار کیا جائے کہ ابھی ملاقات ہو، جبکہ قائداعظم کے سیکرٹری نے رفیق صابر سے کہہ دیا کہ فوراً ملاقات نہیں ہو سکتی، البتہ دو تین روز میں وقت دے دیا جائے گا، پھر خود قائداعظم نے بھی یہی فرمایا تھا تو رفیق صابر کے لیے صحیح ترین عمل یہ تھا کہ چپ چاپ چلا آتا اور جب وقت دے دیا جاتا تو مل لیتا، اگر ہر شخص قائداعظم اور ان جیسے کسی دوسرے مصروف آدمی کے مکان پر جا کر فوری ملاقات کے لیے اصرار کرے تو آپ خود سوچیے کہ سب کی خواہش کیونکر پوری ہو سکتی ہے؟ لیکن رفیق صابر نے اس سلسلے میں نہ محض قائداعظم اور ان کے سیکرٹری کی بات ہی نہ مانی بلکہ اپنے مقصد کو چاقو کے ذریعے سے پورا کرنا چاہا۔ اس المناک اقدام کا المناک نتیجہ آج سب کے سامنے ہے۔

رفیق صابر کے خاکسار ہونے یا نہ ہونے پر بحث ہو سکتی ہے، لیکن محولا بالا امور کے سلسلے میں کوئی شخص کیا عذر پیش کر سکتا ہے؟

ہمیں اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ حملے کے وقت خاکساروں کے ساتھ رفیق صابر کا کوئی تعلق تھا یا نہیں تھا، لیکن چند حقائق بالکل واضح ہیں مثلاً:

❶ رفیق صابر خاکساروں کی روش، تجویز اور تحریک سے متاثر ہوکر قائداعظم کے مکان پر گیا۔

❷ اس کے پیش نظر کوئی ملاقات نہ تھی، ورنہ چاقو ساتھ لے کر نہ جاتا۔

❸ وہ مسٹر جناح یا ان جیسے کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ملاقات کے قاعدے سے ناآشنا نہیں ہوسکتا تھا، اسے معلوم ہوگا کہ وقت مقرر کیے بغیر ملاقات نہیں ہوسکتی۔

❹ ہم رفیق صابر کے ساتھ خاکساروں کے تعلق کو نمایاں کرنے کے خواہاں نہ تھے، لیکن علامہ مشرقی نے اس سلسلے میں جو بیان شائع کیا، وہ ساری دنیا کے نزدیک رفیق صابر کے ساتھ خاکساروں کے تعلق اور ہمدردی کی ایک قاطع دستاویز تھی، محض یہی نہیں کہ علامہ صاحب نے رفیق صابر کے افسوسناک اقدام کے لیے ایسے عذرات پیش کیے تھے، جو مقدمے کی موصول شدہ کارروائی کے مطابق خود اس نے بھی عدالت میں پیش نہیں کیے۔

❺ رفیق صابر نے عدالت میں مسلم لیگ اور پاکستان کے متعلق قائداعظم سے جو سوالات کیے، وہ انتہائی افسوسناک اور سراسر بے محل تھے۔ مثلاً یہ کہ مسلم لیگ کے سلسلے میں کتنا روپیہ وصول کیا، اور کس طریق پر اسے خرچ کیا، یا جو سوٹ پہن رکھا ہے وہ کتنے کا ہوگا۔ ان سوالوں کا محل عدالت کا کٹہرہ نہ تھا۔

❻ اصل واقعہ کے متعلق رفیق صابر کا بیان بلاشبہ لغو اور سراسر ناقابلِ عمل ہے، بہرحال جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ سارا واقعہ حد درجہ المناک ہے۔ ہمیں رفیق صابر کے ابتلاء پر بھی خوشی نہیں بلکہ دلی رنج ہے۔ افسوس کہ اس نے نہایت غلط تصورات کے ماتحت بالکل غلط راستہ اختیار کیا۔ اس سلسلے کا ایک نہایت ہی افسوسناک واقعہ ہے کہ حملے کے بعد بھی قائداعظم کو تہدید آمیز خطوط موصول ہوئے۔ جن میں سے قریباً 18 عدالت میں پڑھ کر سنائے گئے۔ ان کا مواد یہ تھا کہ اگر گاندھی جی سے ملاقات نہ کی گئی تو اس کے نتائج نہایت برے ہوں گے اور ملزم یعنی رفیق صابر کے نامکمل کام کو مکمل کر دیا جائے گا۔ بعض خطوط میں گالیاں بھی درج تھیں۔

گاندھی کے ساتھ قائداعظم کی ملاقات کی تجویز ہندوؤں اور کانگریسیوں کی طرف سے بھی بارہا پیش ہوچکی ہے، لیکن اس سلسلے میں سرگرمی کا خاص اظہار اب تک خاکساروں کی طرف سے ہوتا رہا ہے اور پبلک تحریکات میں خطوں اور تاروں کا بہ صیغہ مبالغہ استعمال بھی انہی کا شیوہ ہے۔ اس بنا پر سمجھا گیا کہ یہ خط بھی خاکساروں نے ہی لکھے ہوں گے، لیکن ہم قیاسات کی بناء پر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے، تاہم علامہ مشرقی سے یہ ضرور کہہ دینا چاہتے ہیں کہ انہیں سرگرمیوں کا رخ بدل لینا چاہیے اور اپنے رفیقوں کو سخت تاکید کرنی چاہیے کہ ان مہم شیوؤں سے محترز رہیں۔ نیز مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر رنج دہ بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ خاکسار سیاسی امور اور معاملات میں مسلمانوں کی واحد قومی جماعت (لیگ) کے خلاف ہندوؤں کی سیاست و مصلحت کی حمایت کریں۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت: 7 نومبر 1943ء)

قائداعظم پروفیسر شپ

2 جولائی 1976ء کو بہاء الدین ذکریا یونیورسٹی ملتان میں قائداعظم پروفیسر شپ قائم کر دی گئی۔ اس کے تحت ممتاز سائنس دانوں اور سائنس، انجینئرنگ اور زراعت کے شعبوں میں عالمی شہرت کے پروفیسر حضرات کو تین سال کی مدت کے لیے یونیورسٹی میں آ کر قائداعظم پروفیسر کی نشست سنبھالنے کی دعوت دی جاتی ہے۔

اس یونیورسٹی کے قیام کا سہرا پروفیسر رفیع انور کے سر ہے۔ جنہوں نے فروری 1973ء میں اس کے تعمیری خدوخال کی جانب توجہ دی۔ یونیورسٹی نے 1975ء میں تدریسی کام کا آغاز کیا۔ ڈاکٹر خیرات ابن رسا اس کے پہلے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔

یونیورسٹی کے لیے سوا لاکھ ترپن ہزار روپے کی لاگت سے چار سو ایکڑ اراضی خریدی گئی جب کہ چھ سو ایکڑ مزید اراضی کی خریداری پر 40 لاکھ بتیس ہزار روپے خرچ ہوئے۔ یونیورسٹی کے تمام اہم شعبے کام کر رہے ہیں۔

قائداعظم پریس ٹرسٹ

برصغیر پاک و ہند میں آزاد مسلم اخبارات کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کے فنڈ سے ایک ٹرسٹ قائم کیا جسے انہوں نے 18 نومبر 1946ء کو دہلی میں رجسٹرڈ کرایا۔ ایک لاکھ 75 ہزار روپے قائداعظم محمد علی جناح کے پاس ٹرسٹ کی رقم کے طور پر تھے جس میں سے بیشتر حصہ قائداعظم محمد علی جناح نے کراچی میں روزنامہ ڈان اور منشور کے اجراء کے لیے استعمال کیا۔ ٹرسٹ ٹریڈ میں قائداعظم محمد علی جناح نے لکھا:

> ''پرنٹنگ پریس نصب کرنے اور مشینری اور دیگر اثاثوں کی خریداری کے بعد میرے پاس 22 ہزار 450 روپے رہ گئے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ٹرسٹی کی حیثیت سے ٹرسٹ کے امور کی نگرانی خود کی اور انہوں نے ایک یا ایک سے زائد جانشینوں کی نامزدگی کے اختیارات محفوظ رکھے۔ تاہم وہ ان دو اخبارات کے اجراء کے سوا رہن یا ٹرسٹ کے اثاثوں کی منتقلی کے تمام اختیارات سے لاتعلق رہے اور اچانک وفات پا گئے۔

قائداعظم پریس کنونشن

مدیران کی طرف سے عہد۔ 8 مئی 1983ء کو مزار قائداعظم پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہونے والے مدیران جرائد نے قائداعظم محمد علی جناح کے حضور اللہ تعالیٰ سے اپنے اس عہد کی تجدید کرتے ہوئے کہا:

1. ہم مسلمان صحافی کی حیثیت سے نیکی کو پھیلانے اور برائی کو مٹانے کا فریضہ پوری دیانتداری، جرأت مندی اور خدا و خلق خدا کے سامنے جوابدہی کے احساس کے ساتھ انجام دیں گے۔
2. ہم پاکستان کی حفاظت و سلامتی، ترقی و بقا اور اس کے نظریاتی کردار کے تحفظ کے لیے اپنی ذمہ داریاں پوری فرض شناسی سے انجام دیں گے اور اس راہ میں ہر ممکن قربانی دیں گے۔
3. ہم آزادی اظہار کے اس بنیادی حق کے لیے اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔ اس حق کو پامال یا سلب کرنے والی قوتوں کے خلاف ہماری مزاحمت ایمان کے ایک تقاضے کے طور پر مسلسل جاری رہے گی۔
4. ہم پاکستان کو معمار پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے نظریات و افکار کے مطابق ڈھالنے کی ہر کوشش میں بھرپور تعاون کریں گے، اور اس کے منافی کوششوں اور سرگرمیوں کی ہر قدم پر مزاحمت

کریں گے۔ خدا ہمیں اپنے عہد کو پورا کرنے کی ہمت وتوفیق عطا فرمائے۔"

قائداعظم پل

یہ پل آزاد کشمیر میں دریائے جہلم پر باندھا گیا ہے۔ اس کا افتتاح 16 جولائی 1985ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے کیا۔ یہ پل مظفر آباد سے دو کلومیٹر کی دوری پر دو میل کے مقام پر باندھا گیا ہے۔

قائداعظم پیپر سیل

یہ سیل اس وقت اسلام آباد میں کام کر رہا ہے۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح سے متعلقہ دستاویزات، تاریخی واقعات کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ تحریک پاکستان کی جدوجہد میں مسلمانوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں جو شاندار جدوجہد کی اسے پاکستان کی آئندہ نسلوں کے استفادہ کے لیے محفوظ کرنا ازحد ضروری تھا۔ چنانچہ یہ سیل اسی مقصد کے لیے قائم ہوا۔

قائداعظم جناح ......اسٹڈیز ان انٹر پرٹیشن

Quaid-i-Azam Jinnah studies in interpretation

اس کتاب کو پروفیسر شریف المجاہد نے کئی برسوں کی محنت شاقہ کے بعد لکھا۔ اسے قائداعظم اکیڈمی نے طبع کیا۔ یہ قائداعظم محمد علی جناح کی حیات و خدمات پر ایک فکر انگیز، تجزیاتی محققانہ اور جزئیات نگاری سے بھر پور کتاب ہے، اور یہ قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کو داستان گوئی کے حصار سے نکال کر علمی سچائی اور حقائق کے دائرے میں لے آتی ہے۔

غرض کہ قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی پر یہ تصنیف ایک نئے اور انوکھے انداز میں لکھی گئی ہے، اور قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں مزید تحقیق کی راہیں اجاگر کرتی ہے۔

قائداعظم جناح (ایک قوم کی سرگزشت)

یہ کتاب انگریزی زبان میں جناب جی الانا نے لکھی اور اس کا ترجمہ اردو میں رئیس امروہوی نے کیا۔ اسے فیروز سنز لاہور نے طبع کیا۔ یہ ایک عظیم قائد کی عظیم سوانح حیات ہی نہیں بلکہ ایک ایسی قوم کی سرگزشت بھی ہے جس نے اپنے لیے ایک منزل متعین کی اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھی جب تک کہ خود منزل نے آگے بڑھ کر اسے گلے سے نہ لگا لیا۔

ممتاز جرمن مستشرق ڈاکٹر این میری شمل نے اس کتاب کے بارے میں کہا:

"یہ ضرورت ایک مدت سے محسوس کی جارہی تھی کہ قائداعظم کی زندگی پر کوئی ایسا شخص کتاب لکھے جس نے انہیں قریب سے دیکھا ہو اور جو اس قابل ہو کہ ان کی تمام سیاسی اور نجی زندگی کو اس کے صحیح پس منظر کے ساتھ پیش کر سکے۔ جی الانا نے یہ کتاب نہایت لگن اور احتیاط سے لکھی ہے۔ اس کتاب سے قائداعظم کو سمجھنے اور ان کی غیر معمولی شخصیت کی صحیح عظمت سے آشنا ہونے میں پاکستانیوں کے علاوہ غیر ملکیوں کو بھی مدد ملے گی۔"

یہ کتاب 634 صفحات پر محیط ہے۔

اس کتاب کو جی الانا نے ان نامعلوم شہیدوں کے نام معنون کیا ہے جنہوں نے پاکستان کی جنگ آزادی میں اپنی جان قربان کر دی اور قوم کے ان مخلص و ایثار پیشہ کارکنوں کے نام جنہوں نے حصول پاکستان کی جدوجہد میں بے شمار مصیبتیں جھیلیں۔

قائداعظم (خطوط کے آئینے میں)

یہ کتاب خواجہ رضی حیدر نے مرتب کی اور اس کتاب کو نفیس اکیڈمی کراچی نے دسمبر 1985ء میں طبع کیا ہے۔

کتاب کو نجی مراسلت اور سیاسی مراسلت میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نجی مراسلت میں گمنام منجم کے نام اسکول کے پرنسپل کے نام، لنکنز ان کے بنچ آف ماسٹرز کے نام، جسٹس بدرالدین طیب جی کے نام، محمد اعظم کے نام، ملازمین کے نام تعزیت نامے، یتیم خانے کے مہتمم کے نام خطوط شامل ہیں۔ جبکہ سیاسی مراسلت میں ابوالکلام آزاد، احمد خان، اسماعیل ابراہیم چندریگر، اللہ بخش یوسفی، امیر حسن صدیقی، افضال حسین قادری، بہادر یار جنگ، پیر بخش خان۔ پیر جماعت علی شاہ علی پوری، پیر صاحب مانکی شریف، جواہر لال نہرو، چودھری خلیق الزمان، راجا امیر حیدر خان، سردار بہادر خان، شاعر مشرق علامہ اقبال، عبدالستار خان نیازی، محمد عبدالستار خیری، غفار مہدی، فاطمہ بیگم، فضل الحق، گاندھی جی، لارڈ لِنلتھگو، محمد اسد، محمد ایوب کھوڑو، میرزا ابوالحسن اصفہانی، ملک برکت علی، میاں فضل حسین کے نام شامل ہیں۔

خطوط قائداعظم کے مطالعہ سے تحریک پاکستان کے سلسلے میں متعدد پہلو سامنے آتے ہیں۔ خواجہ رضی حیدر اس ضمن میں مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے خطوط قائداعظم کو قومی زبان اردو میں منتقل کیا ہے۔

مرتب نے ہر شخص سے قائداعظم محمد علی جناح کی مراسلت کا پس منظر بھی بیان کیا ہے، تاکہ قاری کو یہ معلوم ہو سکے کہ مسئلہ زیرِ بحث کی تاریخ کیا ہے اور اس طرح یہ کتاب ایک اہم کتابی حوالہ بن گئی ہے۔

خطوط قائداعظم میں ان خطوط کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے جو انہوں نے کابینہ وفد کے اراکین کو لکھے تھے۔

ان خطوط کے مطالعہ سے اس وقت کے ہندوستان کے مسائل اور آزادی کے مجاہدوں کی سچی تصویر ابھر کر سامنے آ جاتی ہے۔

اگرچہ یہ خطوط سیاسی نوعیت کے ہیں تاہم ان میں قائداعظم محمد علی جناح کی سیرت اور کردار کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔

قائداعظم ڈاک ٹکٹ

پھلی برسی کے موقع پر

11 ستمبر 1949ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی برسی کے موقع پر محکمہ ڈاک نے 3 عدد ٹکٹ مختلف مالیات کے جن پر 25 دسمبر 1876 تا 11 ستمبر تحریر تھا، اور اتحاد، یقین محکم و تنظیم کے الفاظ درج ہیں جاری کیے۔

سولھویں برسی کے موقع پر

محمد علی جناح کی سولہویں برسی پر 11 ستمبر 1964ء کو محکمہ ڈاک نے دو ٹکٹ جاری کیے 15 پیسے اور 50 پیسے مالیت کے جن پر قائداعظم محمد علی جناح کے مقبرے کی تصویر ہے۔

90 ویں سالگرہ کے موقع پر

قائداعظم محمد علی جناح کی 90ویں سالگرہ کے موقع پر محکمہ ڈاک نے 25 دسمبر 1966ء کو 15 پیسے اور 50 پیسے والا ٹکٹ جاری کیا۔ جن میں خوب صورت چوکھٹوں کے درمیان قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر دی گئی ہے۔ ٹکٹوں کا سائز 5، 30 x 00ء149 ایم ایم ہے۔

14 اگست 1976ء، یوم پاکستان کے موقع پر

25 سالہ یوم آزادی کی تقریبات پر محکمہ ڈاک نے 10 پیسے والا ٹکٹ جاری کیا جس پر قائداعظم محمد علی جناح اور مینار پاکستان کی تصویر ہے۔

پچیسویں برسی کے موقع پر

قائداعظم محمد علی جناح کی 25ویں برسی کے موقع پر محکمہ ڈاک نے 11 ستمبر 1973ء کو ایک ٹکٹ جاری کیا جس کی مالیت ۲۰ پیسہ تھی۔

علاقائی تعاون برائے ترقی (آر سی ڈی)

بارھویں سالگرہ کے موقع پر

(آر سی ڈی) علاقائی تعاون برائے ترقی کی بارھویں سالگرہ کے موقع پر محکمہ ڈاک نے 20 پیسہ والا ٹکٹ جاری کیا جس پر قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر ہے۔

صد سالہ سالگرہ کے موقع پر

قائداعظم محمد علی جناح کی صد سالہ سالگرہ کے موقع پر محکمہ ڈاک نے 14 اگست 1976ء کو 8 ٹکٹوں کا سیٹ جاری کیا۔ اس میں اوپر کے چار ٹکٹوں پر جن کی مالیت 10 پیسے 15 پیسے 5 پیسے اور ایک روپیہ ہے۔ صد سالہ پیدائش قائداعظم کی تصویر کے ساتھ وزیر مینشن، سندھ مدرسہ، مینار پاکستان اور مقبرے کی تصاویر ہیں۔ ان ٹکٹوں کی مالیت 3 روپیہ، 50 پیسہ، 40 پیسہ اور 20 پیسہ ہے۔

صد سالہ سالگرہ کے موقع پر

قائداعظم محمد علی جناح کی صد سالہ سالگرہ پر اسکاٹ جمہوری منعقد ہوئی۔ محکمہ ڈاک نے 20 نومبر 1976ء کو 20 پیسہ مالیت کا ٹکٹ جاری کیا جس پر قائداعظم محمد علی جناح کالی شیروانی اور جناح کیپ پہنے ہوئے سلیوٹ کا جواب دے رہے ہیں۔ ٹکٹ کا سائز 34ء38 x 50ء28 ہے۔

قائداعظم کی صد سالہ سالگرہ کی تقریبات کے

موقع پر

قائداعظم محمد علی جناح کی صد سالہ سالگرہ کی تقریبات کے موقع پر محکمہ ڈاک نے 25 دسمبر 1976ء کو 10 روپے مالیت کا ٹکٹ جاری کیا۔ جس پر قائداعظم محمد علی جناح کا پورٹریٹ ہے۔ اس ٹکٹ میں 25 ملی گرام کا 23/24 قیراط سونا استعمال ہوا ہے۔

بہاولپور اور متحدہ عرب امارات کی

طرف سے جاری ہونے والا ٹکٹ

الحاق بہاولپور 13 اکتوبر کو پاکستان کے ساتھ الحاق کی پہلی سالگرہ کے موقع پر محکمہ ڈاک بہاولپور نے ایک ٹکٹ جاری کیا جس پر قائداعظم محمد علی جناح اور امیر بہاولپور کی تصویر ہے۔

متحدہ عرب امارات کے محکمہ ڈاک نے قائداعظم محمد علی جناح کی صد سالہ سالگرہ پر دو ٹکٹ جاری کیے۔ 50 فلساً اور 80 فلساً مالیت کے جن پر قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر ہے۔

قائداعظم ڈویژنل پبلک سکول گوجرانوالہ

یہ سکول جی ٹی روڈ گوجرانوالہ پر 160 ایکڑ اراضی پر قائم کیا گیا ہے۔ تقریباً 53 ہزار مربع فٹ پر مشتمل سکول جونیئر سیکشن کی عمارت ستمبر 1986ء تک مکمل کی گئی۔ اس سیکشن میں 32 کلاس روم، لائبریری، لیبارٹری، کمپیوٹر روم اور ایڈمن بلاک شامل ہے۔ ایک اقامتی درس گاہ جس میں چار سو طلبہ کے کوارٹر تعمیر کیے گئے۔ مسجد کا سنگ بنیاد کمشنر گوجرانوالہ اے زیڈ کے شیر دل نے رکھا۔ مسجد کے اردگرد خوبصورت لان بنایا گیا ہے۔ سکول کا سینئر سیکشن ساٹھ ہزار مربع فٹ رقبے پر محیط ہے۔ مسجد کا ایک کشادہ ہال ہے۔ برآمدہ کھلا صحن، وضو کی جگہ اور امام کے لیے کمرے تعمیر کیے گئے ہیں۔ جب کہ 43 فٹ اونچا ایک

خوبصورت مینار بھی ہے۔ سینئر سیکشن میں ہوسٹلز اور عملے کی رہائش گاہوں کی تعمیر بھی مکمل ہوگئی ہے۔

یہ سکول 15 اپریل 1987ء کو سیالکوٹ روڈ پر کرائے کی عمارت میں کھولا گیا، اور صرف چار جماعتوں تک اس میں بچے داخل کیے گئے۔ کمشنر گوجرانوالہ ڈویژن کی کوششوں سے 160 ایکڑ رقبے پر سکول کی عمارت بننا شروع ہوئی۔ اس ضمن میں قائداعظم ایجوکیشنل ٹرسٹ بھی قائم کیا گیا۔ سینئر سیکشن چھٹی سے دسویں تک ہے۔ کمپیوٹر سسٹم بھی رائج ہے۔ چھوٹے بچوں کے لیے پبلک لائبریری کا انتظام کیا گیا ہے۔ احاطہ میں مسجد آڈیٹوریم اور کھیل کے میدان وغیرہ بھی ہیں۔ اس میں نرسری کلاس بھی ہے جس میں تین سال کا بچہ داخل ہوتا ہے۔ ان بچوں کی دیکھ بھال کے لیے آیائیں موجود ہیں۔ یہاں ٹرینڈ اساتذہ بچوں کو تعلیم دیتے ہیں۔

قائداعظم ...... روحِ اسلام کا عظیم پیکر

ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام اپنے کالم میں یوں رقمطراز ہیں:

''بیسویں صدی میں ہندوستان کا مسلم معاشرہ تاریخ کے بدترین حالات سے دوچار ہوا لیکن اس تاریک ترین افق پر علامہ اقبال کا ظہور جس نے اسلامی روح کے اعجاز سے منتشر افراد میں ملی شعور پیدا کیا، اور ر انہیں ایک تابناک مستقبل کی نوید دی۔ اس تابناک مستقبل کے حصول کے لیے قائداعظم محمد علی جناح جیسا تاریخ ساز اور صدی کا بے مثل انسان میدان عمل میں آیا۔ وہ بیک وقت انگریزوں اور ہندوؤں کی دو متکبر اور سرکش طاقتوں سے ٹکرایا اور دونوں کو پاش پاش کر گیا۔ اورنگ زیب اور ابدالی کے ہاتھ میں تلوار تھی لیکن اس کا اسلحہ اسلام کی ابدی صداقت پر اس کا ایمان راسخ تھا اور بس۔ اس نے برصغیر کے مسلمانوں کی دس صدیوں پر محیط لاتعداد کوششوں اور قربانیوں کو صرف دس سال میں ایک قطعی نتیجے سے ہمکنار کر دیا جو کچھ اس نے کیا یقیناً کوئی دوسرا نہ کر سکا۔ اس نے کہا:

''ناکامی ایک لفظ ہے جسے میں نہیں جانتا۔''

یہ وہ زمانہ ہے جب قائداعظم اپنی ولولہ انگیز قیادت کے سبب سیاسی افق پر ایک روشن ستارے کی طرح چمک رہے تھے۔ مسلم لیگ روز بروز مستحکم ہو رہی تھی۔ مسلمانوں میں حصول وطن کے لیے جذبات ابھر رہے تھے اور دوقومی نظریے کی مضبوط اور منطقی اساس پر تقسیم ہند کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے رجعت پسند اور پاکستان مخالف قوتیں بھی اپنی اپنی جگہ پر اُٹھ رہی تھیں۔ انگریز، ہندو اور خود ساختہ مسلمان پاکستان کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔

بیورلے نکلس نے 18 دسمبر 1943ء کو قائداعظم سے ملاقات کی۔ ''ایک غیر معمولی انسان'' سے گفتگو کے عنوان سے اس نے اپنی معروف تصنیف ''ورڈکٹ آن انڈیا'' میں اس ملاقات سے متعلق ایک باب لکھا ہے۔ اس نے محمد علی جناح کو ایشیاء کی عظیم ترین شخصیت قرار دیا۔ گاندھی نے قائداعظم کے نام اپنے خط میں لکھا:

''آپ کا علیحدہ قوم ہونے کا دعویٰ فتح کی وجہ سے نہیں بلکہ لوگوں کے قبول اسلام کی وجہ سے ہے، کیا اگر ہندوستان کے سب لوگ اسلام قبول کر لیں تو دونوں قومیں ایک ہو جائیں گی؟''

حضرت قائداعظمؒ نے دو روز بعد خط کا جواب دیا:

''ہم اس نقطہ نظر پر قائم ہیں کہ مسلمان اور ہندو ہر لحاظ

اور ہر اعتبار سے دو بڑی قومیں ہیں۔ ہم دس کروڑ افراد پر مشتمل ایک قوم ہیں ۔مزید برآں ہم اپنی مخصوص تہذیب و تمدن، زبان اور ادب فن اور معماری، نام اور القاب ، اقدار اور تناسب ،قوانین اور اخلاق، رسوم اور تقویم، تاریخ اور روایات، رجحانات اور خواہشات کی حامل قوم ہیں۔ مختصر یہ کہ زندگی اور اس سے متعلق تمام بین الاقوامی قوانین کی رو سے ہم ایک قوم ہیں۔''

گاندھی جب قائد اعظم کے مضبوط اور منطقی دلائل کے سامنے بے بس ہو گیا تو اپنے ہر اصول کو چھوڑ کر تشدد کے ذریعے اسلامی تحریک کو کچلنے پر اتر آیا۔ اس کے سیکرٹری پیارے لال نے لکھا:

''گاندھی جی مصر تھے کہ برطانیہ کے ہٹ جانے کے بعد انہیں مسلم لیگ سے براہ راست بلامداخلت غیرے نپٹنے دیا جائے خواہ اس کا مطلب خانہ جنگی ہی کیوں نہ ہو۔''

تاریخی اسناد کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو پاکستان کے حصول کے لیے جتنی بھی فکری اور عملی کوششیں کی گئیں ان سب کی بنیاد صرف ایک تھی، اور وہ اسلام تھا۔ قائد اعظمؒ نے جب بھی اور جہاں بھی علیحدہ مملکت کے حصول کا تقاضا کیا تو صرف اس لیے کہ اس کے بغیر اسلامی قوانین کا اجراء جو مسلمان کی زندگی کا ضامن اور نصب العین ہے ناممکن نہیں۔ ہندوؤں کی اکثریت اور مخالفت میں مسلمانوں کی ملی زندگی نہ تشکیل پا سکتی ہے اور نہ ہی اس کی حفاظت کی ضمانت دی جا سکتی ہے، جب کہ وہ خود تعداد میں دس کروڑ ہوں۔

بلاشک وشبہ دوقومی نظریہ تاسیس پاکستان کا باعث بنا، چنانچہ اس عظیم تاریخی حقیقت کی طرف قائد اعظم نے پاکستان کی تاریخ کی صحیح تعین کرتے ہوئے 8 مارچ 1944ء کو فرمایا:

''پاکستان ہندوؤں کے شائستہ یا غیر شائستہ رویے کا نتیجہ نہ تھا۔ یہ پہلے سے موجود تھا صرف انہیں اس کا احساس نہیں تھا۔ ہندو اور مسلمان شہروں اور دیہاتوں میں باہم زندگی بسر کرتے ہوئے کبھی ایک قوم میں مدغم نہ ہو سکے۔ وہ ہمیشہ دو علیحدہ صورتوں میں رہے۔ پاکستان مسلمانوں کی حکومت سے بھی پیشتر اسی وقت معرض وجود میں آ گیا تھا، جب ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا تھا۔

قائد اعظمؒ نے فرمایا:

''پاکستان کو معرض وجود میں لانے سے ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت تخلیق کریں جہاں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہ سکیں، جو ہماری تہذیب و تمدن کی روشنی میں پھلے پھولے اور جہاں معاشرتی انصاف کے اسلامی تصور کو پوری طرح کا موقع ملے''

11 اکتوبر 1947ء کو فرمایا:

''جہاں تک قومی نظریے کا تعلق ہے، یہ کوئی نظریہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے ہندوستان کی تقسیم اسی حقیقت کی بنیاد پر ہوئی۔''

25 اکتوبر 1947ء کو فرمایا:

''اسلامی اقدار کو اپنانا انسانی ترقی کی معراج پر پہنچنے کے لیے ناگزیر ہے۔''

یہ ایک طرف قیام پاکستان کا جواز ہیں اور دوسری طرف ایک مثالی معاشرے کی ذمہ دار ہیں۔''

26 مارچ 1947ء کو فرمایا:

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اُسوہ حسنہ پر چلنے



مولوی اے کے فضل الحق

1962 - 1873

آپ ابتداء ہی سے مسلم لیگ سے وابستہ تھے۔ مسلم لیگ کے باقاعدہ قیام سے پیشتر اس کے لیے آئین اور منشور کی تیاری کے لیے جو چار رکنی کمیٹی بنائی گئی تھی آپ اس کمیٹی میں شامل تھے۔ 1912ء میں بنگال لیجیسلیٹو کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ 1913ء میں صوبائی مسلم لیگ بنگال کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ 1915ء میں آپ نے کرشک پرجا سمتی نامی تنظیم قائم کی۔ 1916ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ آپ 1914ء سے 1916ء تک بنگال مسلم لیگ کے صدر رہے۔ اس سے قبل 1912ء میں سنٹرل نیشنل محمڈن ایجوکیشنل ایسوسی ایشن بھی قائم کی۔ 1924ء میں بنگال میں وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ 1930ء سے 1933ء تک لندن میں ہونے والی تینوں گول میز کانفرنسوں میں شرکت کی۔ 1935ء میں انڈین لیجیسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ 1940ء میں قرارداد پاکستان پیش کرنے کا منفرد اعزاز آپ کو حاصل ہوا۔ 1951ء میں مشرقی پاکستان کے ایڈووکیٹ جنرل بنے۔ 1955 میں مرکزی وزیر داخلہ اور 1956ء میں گورنر مشرقی پاکستان رہے۔

میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔''

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

قائداعظم ریلیف فنڈ

روزنامہ نوائے وقت اپنے 15 ستمبر 1947ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''قائداعظم نے مہاجرین کی امداد کے لیے ایک ریلیف فنڈ جاری کیا ہے، قائداعظم کی اپیل ہماری طرف سے کسی تائید کی محتاج نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہر مسلمان اپنی استطاعت سے بڑھ کر اس فنڈ میں چندہ دے گا۔ مہاجرین کی ریلیف کا کام اتنا زیادہ ہے کہ کوئی حکومت محض اپنے سرکاری وسائل کے بھروسے پر اسے ہرگز انجام نہیں دے سکتی۔ ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور اس سے عہدہ برا ہونے کے لیے کوشاں ہو۔ ہمیں اعتراف ہے کہ مسلمان بحیثیت قوم غریب لوگ ہیں، اور مہاجرین کا تھوڑا بہت بوجھ ذاتی وانفرادی حیثیت میں اس وقت بھی مغربی پنجاب کے ہر مسلمان پر پڑ رہا ہے، لیکن اس کے باوجود قائداعظم نے جس مجموعی اور قومی کوشش کے لیے اپیل کی ہے، اس میں حصہ لینا بھی ہم سب کا فرض ہے۔ مسلمانوں کو عہد نبویؐ کے ان انصار کی مثال اپنے سامنے رکھنی چاہیے، جنہوں نے مکی مہاجرین کا مدینہ میں اس طرح خیر مقدم کیا تھا کہ اپنی جائیداد واملاک کا نصف حصہ مہاجر بھائی کے حوالے کر دیا، حتیٰ کہ جس انصاری کی دو بیویاں تھیں، اس نے ایک بیوی کو طلاق دے کر اس کا نکاح اپنے مہاجر بھائی سے کرا دیا۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا مسئلہ مسلمانوں کا قومی مسئلہ ہے، اور ہر پاکستانی مسلمان کو ان بھائیوں کی مصیبت کو اپنی ذاتی مصیبت سمجھتے ہوئے اسے دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ مسلمان امراء خاص طور پر ہمارے مخاطب ہیں۔ اب تک مسلمانوں کے قومی فنڈوں میں زیادہ تر چندہ غریب ہی دیتے رہے ہیں۔ امراء نے ہمیشہ بخل سے کام لیا، اور اگر چندہ دیا بھی تو لکھ پتیوں نے جو دعوتوں اور ضیافتوں میں ہزاروں روپے اڑا دیتے ہیں، چند سو روپے سے زیادہ کسی قومی فنڈ میں نہیں دیتے۔ ہم ان امراء کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ زمانہ بدل چکا ہے۔ اس کے ساتھ عوام کے مزاج میں بھی بڑی خطرناک تبدیلی پیدا ہو گئی ہے اگر امراء اپنا سب کچھ نہیں گنوانا چاہتے تو انہیں اس آڑے وقت میں اپنی دولت سے قوم کی مدد کرتے ہوئے ہچکچانا نہیں چاہیے، بلکہ خندہ پیشانی کے ساتھ اور دل کھول کر اس فنڈ میں چندہ دینا چاہیے۔''

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 15 ستمبر 1947ء)

قائداعظم زندہ باد

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 24 جنوری 1940ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''یوم نجات'' کے موقع پر گلبرگہ (حیدر آباد دکن) کے مسلمانوں نے گاندھی جی کو ایک تار بھیجا تھا، جس کا متن یہ تھا:

''یوم نجات کا پیام شادمانی قبول کیجئے، قائداعظم زندہ باد۔''

اس تار نے گاندھی کے ساز ہندویت کے تمام تاروں کو چھیڑ دیا۔ اس میں سے خدا جانے کیسے کیسے نوحے برآمد ہوئے، لیکن گاندھی جی نے بات بنانے کے لیے ایک انوکھا پہلو پیدا کیا۔ وہ یہ کہ قائداعظم اقلیتوں کو کانگریس کی مخالفت میں جمع کر رہے ہیں اور اس طرح لیگ کی ''فرقہ واری'' ''نیشنل رنگ'' اختیار کر رہی ہے: گاندھی جی نے اس پہلو کو سامنے رکھ کر مسٹر جناح کو مبارکباد دے دی اور اس موقع پر ''ہریجن'' میں ایک مقالہ لکھ کر اس کی ایک کاپی اپنے خط کے ساتھ مسٹر جناح کے پاس بھیج دی ہم نے یہ مقالہ پڑھا تھا تو اس کے ایک ایک لفظ کی تہ میں زہر رنج و عناد موجزن نظر آ رہا تھا۔ اگرچہ بظاہر گاندھی جی کی عبارت بڑی معصوم تھی۔''

قائداعظم کا جواب

اخبار اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''اس کے جواب میں گاندھی کو جو خط قائداعظم نے بھیجا، وہ سیاسیاتِ ہند کا ایک نادر مرقع ہے۔ مسٹر جناح نے پہلے بھی کئی بیان شائع کیے ہیں۔ ان کے متعدد خطوط بھی چھپ چکے ہیں، جن میں کانگریس، گاندھی جی، پنڈت نہرو اور دوسرے اصحاب کے طرزِ عمل اور روش فکر پر نکتہ چینی کی گئی تھی اور معلوم ہے کہ قائداعظم کے نقطۂ نگاہ کی محکمیت مذکورہ بالا تمام اصحاب کے لیے ہر موقع پر مہر سکوت بنتی رہی، لیکن ان کا زیرِ بحث مکتوب تمام سابقہ بیانات و خطوط پر بدر جہا فائق ہے۔ سبھاش بوس کئی مہینوں سے فارورڈ بلاک کا طنبورچہ بجائے پھرتے ہیں۔ سوشلسٹوں نے گاندھی جی پر خدا جانے اب تک کتنی تنقیدیں شائع کی ہیں، لیکن قائداعظم نے چند مختصر الفاظ میں گاندھی جی کے مدت العمر کے اندوختۂ فکر کی بے مائیگی اور بے حقیقتی کو جس طرح ظاہر کر دیا ہے، اس کی نظیر فارورڈ بلاک کے کارکنوں اور سوشلسٹوں کے سارے بیانات بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس مکتوب کو پڑھ کر ہر انصاف دوست ہندوستانی بے اختیار پکار اٹھے گا کہ ''قائداعظم زندہ باد''

گاندھی جی اور کانگریس

انقلاب اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''قائداعظم نے بالکل درست فرمایا ہے کہ گاندھی جی نے جو مقدمات ترتیب دیے ہیں، وہ بالکل غلط ہیں لہٰذا ان کے نتائج بھی غلط ہیں۔ وہ ہندوستان میں ایک قوم کے غلط مفروضہ کی بنا پر سب کچھ کہہ رہے ہیں، حالانکہ ہندوستان میں ایک قوم کا وجود ہی ناپید ہے۔ گاندھی جی کو مخاطب کر کے ارشاد ہوتا ہے:

''میں بعض اوقات حیران ہوتا ہوں کہ عملی سیاسیات میں اور آپ میں کیا مناسبت ہے۔ جمہوریت میں اور اس سیاسی انجمن (کانگریس) کے ڈکٹیٹر (گاندھی جی) میں کون سی مطابقت ہے۔ جس کی چار آنے کی ممبری بھی آپ نے آج تک قبول نہیں کی؟ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آپ (گاندھی جی) کانگریس کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ اس کے ممبر بنیں۔''

''گاندھی جی اس ارشاد کے جواب میں کیا کہہ سکتے ہیں۔''

آزادئ ہند کا صحیح راستہ

اخبار اپنے اداریہ میں مزید لکھتا ہے:

''پھر قائداعظم دل سوزی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ

''آپ (گاندھی جی) کو آج ''ہندو ہندوستان'' کا اعتماد سب سے بڑھ کر حاصل ہے، اور آپ کو ہندوؤں کی طرف سے فیصلہ کر دینے کا حق پہنچتا ہے، پھر یہ توقع بجا ہوگی کہ آپ اپنے فرائض پوری طرح ادا کریں گے، اور سراب کا تعاقب چھوڑ دیں گے۔ واقعات تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ متضاد باتوں کا تواتر یا ''ہریجن'' میں مابعد الطبیعات فلسفۂ اخلاقیات کے ہفتہ وار وعظ یا کھدر، اہنسا، چرخے کے متعلق آپ کے عجیب و غریب نظریات ہندوستان کو آزادی نہیں دلا سکتے، صرف عمل اور تدبر ہی کی برکت سے ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ بھی اپنے وطن کی خدمت کا حق ادا کریں گے اور ہندوستان کو اطمینان و مسرت کی منزل کی طرف لے جانے میں بقدر امکان امداد کریں گے۔''

کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ آج تک گاندھی جی کو کسی قائد نے ایسی مؤثر و دل نشین نصیحت کی؟

اقلیتوں کے اتفاق کی بنیاد

گاندھی جی نے اس بات پر بھی تعریض آمیز الفاظ میں بحث کی تھی کہ قائداعظم جسٹس پارٹی کے ممبروں، اچھوتوں، پارسیوں اور مسلمانوں کو متحد کر رہے ہیں۔ مسٹر جناح فرماتے ہیں:

''غیر کانگریسی ہندوؤں نے یومِ نجات کے ساتھ ہمدردی کا اعلان کر کے اس بات کا ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ ہم حق بجانب تھے، جسٹس پارٹی کے ممبروں، اور پارسیوں کے لیڈروں کو بھی انہی مصائب سے سابقہ پڑا، جن سے مسلمان دوچار ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ آپ (گاندھی جی) نے اس ہمدردی کو جو رنگ دینا چاہا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے حقیقت کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔''

قائداعظم کے اس ارشاد کے مطابق یہ ہی ہوسکتا ہے کہ مصیبت کے اشتراک نے ان سب کو اکٹھا کر دیا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مقاصد کا اشتراک ان کے اتفاق کا سبب بن گیا، لیکن اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ قائداعظم گاندھی جی کا مزعومہ ''نیشنلزم'' پیدا کرنے کے مساعی ہیں۔''

ایک قوم کا سراب

اخبار آگے چل کر مزید لکھتا ہے:

''سب سے آخر میں قومیت ہند کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔ اس کی حقیقت بھی قائداعظم ہی کی زبان سے سن لیجیے، ارشاد ہوتا ہے:

''ہندوستان میں نہ ایک قوم آباد ہے، نہ ایک ملک ہے، یہ ایک چھوٹا براعظم ہے۔ جو مختلف اقوام سے مرکب ہے۔ ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔''

گاندھی جی آج ہندوستان میں ایک قوم پیدا کرنے کے لیے یا بہ الفاظ صحیح تر تمام قلیل التعداد اقوام ہند کو ہندو اکثریت کے تابع لانے کے لیے مذہب اور سیاست کو علیحدہ علیحدہ ظاہر کر رہے ہیں، لیکن قائداعظم نے خود گاندھی جی کے ایک پرانے بیان کو پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ مذہب کو ہر شے کی بنیاد مانتے رہے ہیں، پھر آج اس سے کیوں منحرف ہیں۔''

گاندھی جی اور مذہب

اخبار اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:

''اس کی تفصیل یہ ہے کہ گاندھی جی ایک سیاسی وفد میں شامل ہو کر مسٹر مانٹیگو سابق وزیر ہند سے ملنے گئے

تھے۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ آپ تو سوشل اصلاح کے داعی ہیں، پھر اس خالص سیاسی کام میں کیوں شریک ہو گئے؟ گاندھی جی نے جواب دیا کہ یہ سوشل اصلاح کے دائرے کی توسیع ہے۔

''میں مذہبی زندگی بسر کرنے کا دعویدار نہیں ہوسکتا، جب تک اپنے آپ کو انسانیت کا لاینفک جزو نہ بنا لوں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک میں سیاست میں حصہ نہ لوں، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور خالص مذہبی کاموں کے دائرے کلیۃً الگ الگ نہیں کیے جاسکتے۔ میں کسی ایسے مذہب سے آگاہ نہیں جو کائنات و انسانیت کے عمل سے بے تعلق ہو، مذہب تمام کاموں کے لیے اخلاقی بنیاد فراہم کرتا ہے۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت، 24 جنوری 1940ء)

(تفصیل کے لیے دیکھیے: یومِ نجات: خراجِ عقیدت)

قائداعظم زندہ ہے

سید ضمیر جعفری ممتاز مزاحیہ شاعر و ادیب ہیں۔ انہوں نے ''قائداعظم زندہ ہے'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی۔

ہمارے دل میں جب تک مشعلِ ایقان زندہ ہے
تمنا زندگی کی، موت کا ارمان زندہ ہے
مرا اسلام باقی ہے مرا ایمان زندہ ہے
ہماری زندگی کا خواب پاکستان زندہ ہے
ہمارا قائد بہر عنوان زندہ ہے

ثبات عزم اس کا جادۂ اقبال ہے اپنا
وہ ماضی تھا، وہی اب حال و استقبال ہے اپنا
خیال اس کا بہر صورت شریک حال ہے اپنا
وہ مر جانے پہ بھی زندہ ہے وہ ہر آن زندہ ہے
ہمارا قائد بہر عنوان زندہ ہے

اجل بس اس کے جسم ناتواں کو چھین سکتی ہے
فنا کی موج مشتِ رائیگاں کو چھین سکتی ہے
مگر کب اس کے جذبِ بیکراں کو چھین سکتی ہے
وہ جذبِ بے کراں طوفان در طوفان زندہ ہے
ہمارا قائد بہر عنوان زندہ ہے

ہمارے منجمد ذہنوں کو شعلہ کاریاں بخشیں
اسی نے آرزوئیں، ولولے خودداریاں بخشیں
نظر کو بجلیاں احساس کو چنگاریاں بخشیں
یہ محسوسات زندہ ہیں تو پاکستان زندہ ہے
ہمارا قائد بہر عنوان زندہ ہے

اب اپنا کاروانِ شوق و ارمان رک نہیں سکتا
یہ دریا تھم نہیں سکتا یہ طوفان رک نہیں سکتا
مسلمان سو تو سکتا ہے مسلمان رک نہیں سکتا
مسلماں کا خدا زندہ ہے اور ایمان زندہ ہے
ہمارا قائد بہر عنوان زندہ ہے

قائداعظم سپر مارکیٹ

ماریشیس کے شہر پورٹ لوئیس میں یہ مارکیٹ 1970ء میں تعمیر کی گئی۔ اس کی تعمیر پر تیس لاکھ روپے خرچ ہوئے اور یہ مارکیٹ پورٹ لوئیس کے میئر کی نگرانی میں مکمل ہوئی۔ بلدیہ کراچی نے قائداعظم محمد علی جناح کی ایک روغنی تصویر وہاں روانہ کی۔

قائداعظم سٹریٹ (مانچسٹر)

میں برطانیہ کے شہر مانچسٹر میں اگست 1978ء ایک سٹریٹ قائداعظم محمد علی جناح کے نام سے موسوم کی گئی۔ اس کا انکشاف ایک خط سے ہوا جو برطانیہ کے وزیر صنعت مسٹر جیرالڈ کوف مین نے قائداعظم محمد علی جناح کے سابق پارلیمانی رفیق

مسٹر احمد، ای ایچ جعفر کو لکھا کوف مین نے مانچسٹر کونسل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اسٹریٹ کو قائداعظم محمد علی جناح کے نام سے موسوم کیا جائے۔ احمد، ای ایچ جعفر نے مسٹر کوف مین کی کوششوں کے لیے ان کا شکریہ ادا کیا۔

مانچسٹر دریائے رول کے کنارے واقع ہے۔ یہاں انجینئرنگ اور کیمیائی اشیا بنانے کی صنعتیں ہیں۔ ربڑ کاغذ اور آٹا پیسنے کے کارخانے بھی ہیں۔ یہ سبز کپڑے کی صنعت کے لیے خاص طور پر مشہور ہے۔ شہر میں متعدد یونیورسٹیاں اور کالج ہیں۔

قائداعظم سٹوڈنٹس فیڈریشن

1972ء میں اس فیڈریشن کا قیام انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور میں عمل میں آیا۔ اس کے قیام کے جو مقاصد بیان کیے گئے ان میں تعلیمی اداروں میں سیاست کو ختم کرنا، طلباء تنظیموں میں سیاسی پارٹیوں کی مداخلت کو روکنا اور تشدد کے عنصر کو ختم کرنا شامل ہے۔

اس تنظیم نے نہایت بھرپور انداز میں اپنے اہداف کو پورا کرنے کے لیے کام کیا ہے۔

قائداعظم سٹوڈنٹس ہوسٹل (لندن)

لندن میں پاکستانی طلباء کے عارضی قیام کے لیے یہ ہوسٹل تعمیر کیا گیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی نسبت سے اس کا نام قائداعظم سٹوڈنٹس ہوسٹل رکھا گیا۔

لندن کے مصروف ترین علاقے میں یہ ہوسٹل واقع ہے۔ شنید ہے کہ اس عمارت کو بیچ کر نیا ہوسٹل تعمیر کیا جائے گا۔

قائداعظم سٹیڈیم (ساہیوال)

اس سٹیڈیم کا سنگِ بنیاد 9 مارچ 1980ء کو بروز اتوار بمطابق 21 ربیع الثانی 1400ھ میں پنجاب کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل محمد سوار خان نے رکھا۔ یہ سٹیڈیم نور شاہ روڈ پر واقع ہے۔

اس سٹیڈیم کو خصوصی طور پر کرکٹ میچوں کے لیے تعمیر کیا گیا ہے اور اس پر 24،43،130 روپے خرچ ہوئے ہیں۔

اس کا افتتاح 14 مارچ 1982ء کو چیئرمین ضلع کونسل صوبائی وزیر بلدیات الحاج میاں غلام احمد مانیکا نے کیا۔ پویلین بلڈنگ کی بالائی منزل پر VIP پویلین واقع ہے۔

قائداعظم سوسائٹی

10 جنوری 1976ء کو یہ سوسائٹی گورنمنٹ کالج باغبانپورہ لاہور کے پرنسپل پروفیسر جیلانی کامران نے وزیر تعلیم پنجاب ملک غلام نبی کی خصوصی ہدایت پر قائم کی۔ تاریخ کے استاد اور تحریک پاکستان، تاریخ پاکستان اور جدید دنیائے اسلام کے مصنف ہدایت اللہ خاں چودھری کو اس سوسائٹی کا چیئرمین مقرر کیا گیا۔ سوسائٹی کے قیام کا مقصد نظریہ پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی اور کارناموں پر مذاکرات اور تقاریر کا اہتمام کرنا اور ان کی صد سالہ سالگرہ کے سلسلے میں تحریک پاکستان کے متعلق ایک کتابچے کی اشاعت تھا۔

قائداعظم صد سالہ ایوارڈ برائے مسلح افواج

25 دسمبر 1976ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر یہ ایوارڈ جاری کیا گیا۔ عام طور پر یہ ایوارڈ 23 مارچ اور 14 اگست کو دیا جاتا تھا لیکن صدر نے اس میں ترمیم کردی۔

قائداعظم طلائی تمغہ

اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے بنکوں کے اشتراک سے قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر قائداعظم تمغہ دینے کا اعلان کیا۔ یہ طلائی تمغہ اس سینئر بینکار کو دیا جاتا

ہے جس نے پاکستان میں بنکاری کے شعبے میں نمایاں خدمات انجام دی ہوں۔

قائداعظم علامہ مشرقی خط و کتابت

28 اپریل 1942ء کو علامہ مشرقی نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام ایک تار بھیجا، یہ تار کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین مفاہمت کرانے کے سلسلہ میں بھیجا گیا تھا۔ اس تار کا متن درج ذیل ہے:

از مدراس

28اپریل

قائداعظم مسٹر محمد علی جناح بمبئی

''سابق وزیراعظم مدراس مسٹر سی راج گوپال اچاریہ اور ایڈیٹر سری نواس نے اپنے پیغامات میں مجھ سے یہ خواہش کی ہے کہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے مابین مفاہمت کا فریضہ سرانجام دوں، تاکہ عارضی متحدہ حکومت کا مطالبہ ممکن ہو۔ وقت بڑا نازک ہے کیا آپ میری مداخلت کو قبول فرمائیں گے۔''

عنایت اللہ المشرقی

11 مئی 1942ء کو علامہ مشرقی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک اور تار دیا جس میں کہا گیا تھا:

''میری 28 اپریل کی تار کا جواب نہیں ملا۔ کیا آپ عارضی طور پر متحدہ حکومت کے قیام کے لیے کم از کم شرائط پر بات کرنا پسند کریں گے۔ یہ بھی واضح فرمائیں کہ کیا آپ راج گوپال اچاریہ سے خاکسار تحریک کا تعاون پسند کرتے ہیں۔''

11 مئی کے جوابی تار میں قائداعظم محمد علی جناح نے علامہ مشرقی کو لکھا:

''آپ کی 5 مئی کی تار موصول ہوئی۔ میری آپ سے اپیل یہ ہے کہ اس موقع پر مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کریں۔ متحدہ حکومت کے مطالبے کے بارے میں آپ نے جو خواہش ظاہر کی ہے اس پر خط و کتابت کے ذریعے بحث مناسب نہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی اس تار کے جواب میں 12 مئی کو علامہ مشرقی نے پھر ایک تار لکھا جس میں کہا گیا تھا:

''میں آپ کو مسلم لیگ کی ہر کوشش کے بارے میں جو تحریک پاکستان کے ساتھ ہندوستان کی مکمل آزادی کے بارے میں ہوگی خاکسار تحریک کی غیر متزلزل تائید کا یقین دلاتا ہوں۔ متحدہ مطالبات کی شرائط پر بحث کے لیے نئی دہلی میں ملاقات کا تعین کیجئے۔''

اس تار کا اگرچہ قائداعظم محمد علی جناح کی جانب سے انہیں کوئی جواب نہ ملا، اور گاندھی کی رہائی پر قائداعظم محمد علی جناح نے 19 جولائی 1944ء کو ان سے ملاقات کا خیال ظاہر کرتے ہوئے ایک اخباری بیان سری نگر سے حوالہ اشاعت کیا تو 30 جولائی کو خاکسار اعظم نے انہیں ایک خط میں یہ لکھا:

''پچھلے چند ہفتوں کے انتظار کے بعد جب کہ میں نے آپ کو آخری خط لکھا تھا میں آپ کے تازہ بیان پر انتہائی مخلصانہ قدر و محبت کا اظہار کرتا ہوں کہ آپ ہندوستان کی قسمت کو بہتر بنانے کے لیے میدان میں نکلے ہیں جب کہ آپ کو پہلے بھی یقین دلا چکا ہوں۔ میں اور اس سرزمین کا ہر خاکسار حصول پاکستان اور مسطور نتیجہ ہندوستان کی آزادی کے لیے آپ کے ساتھ پورے خلوص اور وفاداری سے کام کرے گا۔''

22 مئی 1946ء کو انگلستان سے وزارتی مشن کی ہندوستان آمد پر انہوں نے کہا:

''مجھے یقین ہو چکا ہے کہ جب تک پاکستان کو واضح طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک ہندوستان

کی آزادی بھی ناقابل تسلیم سمجھی جائے گی۔ مسٹر جناح جب حصول پاکستان میں پوری طرح مخلص ہیں تو میں ایک بار پھر انہیں خاکسار تحریک کی خدمات غیر مشروط طور پر پیش کرتا ہوں اور ان کے ساتھ اس راہ میں مل کر کام کرنے کو تیار ہوں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میری اس پیش کش میں کوئی بد دیانتی ہرگز نہیں بشرطیکہ مسلم لیگ پوری قربانی کے لیے تیار ہو۔ اگر مسٹر جناح متفق ہوں تو میں بغیر ہچکچاہٹ پورا زور لگانے کو تیار ہوں اور ہر خاکسار اس معاملے میں جان کی بازی لگا دے گا۔ میں ہندوؤں کو بھی یقین دلاتا ہوں کہ جب تک وہ مسلمانوں سے اتحاد عمل نہیں کریں گے انہیں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔"

روزنامہ مشرق لاہور اشاعت 25 اگست 1972ء مضمون سید صفدر سلیمی

قائداعظم فاؤنڈیشن

1974ء میں یہ فاؤنڈیشن قائداعظم محمد علی جناح کی بہن محترمہ شیریں جناح نے قائم کی۔ اس کے کنوینئر مسٹر رضوان احمد ہیں۔ ادارے کی رجسٹریشن کے بعد محترمہ شیریں جناح اس کی صدر اور رضوان احمد سیکرٹری منتخب ہوئے۔

اس فاؤنڈیشن نے 18 اپریل 1975ء کو اس نے باقاعدہ طور پر کام شروع کر دیا۔

قائداعظم فیلوشپ ایوارڈ

کراچی یونیورسٹی کی المنائی ایسوسی ایشن نے اس ایوارڈ کا اجراء کیا۔ یہ ایوارڈ ہر سال تقسیم کیا جاتا ہے۔

قائداعظم فیوجی کلر ٹرافی

ملک کے سب سے بڑے قومی کرکٹ مقابلے۔ یکم ستمبر 1982ء کو اس ٹورنامنٹ کو فیوجی کلر کی سرپرستی حاصل ہو گئی اور اب یہ ٹرافی قائداعظم فیوجی کلر ٹرافی کہلاتی ہے، اور اس میں حصہ لینے والے کھلاڑیوں کو چار لاکھ روپے کے انعامات دیے جاتے ہیں۔ بورڈ آف کنٹرول فار کرکٹ ان پاکستان اور واسطی انٹرپرائزز لمیٹڈ کے درمیان ایک معاہدے کے تحت اس سب سے بڑی قومی کرکٹ چیمپئن شپ کو سات لاکھ روپے دیے جاتے ہیں۔ تین لاکھ بی سی سی پی جب کہ چار لاکھ کھلاڑی لیتے ہیں۔

قائداعظم کا آخری سفر

پروفیسر سید وقار عظیم اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"11 اور 12 ستمبر کی درمیانی رات تھی۔ کوئی سوا دو بجے کسی نے میرے دروازے پر دستک دی۔ میں گھبرا کر اٹھا اور باہر آیا تو دیکھا کہ میرے ایک ہمسائے باہر کھڑے ہیں۔ ان کے حیران و پریشان چہرے کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ کوئی بری خبر لائے ہیں۔ دل نے کہا کہ الٰہی خیر۔ دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا اور میرے ہمسائے اب بھی خاموش کھڑے تھے۔ آخر انہوں نے کسی نہ کسی طرح اپنے دل پر قابو پا کر تھرائی ہوئی آواز میں کہا:

"قائداعظم" چل بسے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔"

اس چند سیکنڈ کے سکوت نے میرے دل میں طرح طرح کے وحشت ناک خیال پیدا کیے تھے، لیکن یہ بھیانک خبر سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ تھوڑی سی دیر میں خبر سارے محلے میں پھیل گئی اور ہر عورت، مرد اور بچے نے اس خبر کو اس طرح سنا جیسے قائداعظم کی وفات اس کا اپنا غم ہے۔

صبح جاگ کر کاٹی گئی۔ فجر کی نماز کے بعد سب نے قائداعظم مرحوم کی مغفرت کے لیے دعائیں مانگیں۔ جو لوگ قرآن پڑھ سکتے تھے انہوں نے ثواب کی خاطر تلاوت کی۔صبح ساڑھے سات بجے ریڈیو پاکستان نے اس غم انگیز خبر کا اعلان کیا اور یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔فوراً شہر کی ساری دوکانیں بند کر دی گئیں اور شہر کے ہر گوشے سے گورنر جنرل ہاؤس کی طرف جانے والی سڑکوں پر لوگوں کی قطاریں نظر آنے لگیں۔ ان قطاروں میں بے جان، بے سکت بوڑھے بھی تھے اور کمزور اور ناتواں عورتیں بھی۔ان میں سے ہر ایک اپنے محبوب قائد کی یاد پر آنسوؤں کے موتی نچھاور کرتا، اس کے آخری دیدار کے اشتیاق میں اس طرف جا رہا تھا جہاں انہیں آزادی دلانے والا ان کے حال سے بے خبر ابدی سکون کی نیند سو رہا تھا۔تھوڑی دیر میں یہ قطاریں ہجوم میں بدل گئیں اور رفتہ رفتہ ہجوم ایک سیلاب میں بدل گیا، جیسے کسی کی یاد کی کشش اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ دیکھتے دیکھتے گورنمنٹ ہاؤس کے وسیع و عریض میدانوں کے چپہ چپہ پر اس کے صدر دروازے کی سامنے کی سڑک پر آدمی ہی آدمی اکٹھے ہو گئے۔ گورنمنٹ ہاؤس میں موٹروں اور گاڑیوں کا تانتا بندھ گیا۔ پاکستان کی مرکزی حکومت کے وزیر، غیر ملکی حکومتوں کے سفیر، شہر کے شریف و امیر سب یکے بعد دیگرے آ رہے تھے، اور پاکستان کی سب سے عظیم المرتبت شخصیت کی خدمت میں اپنے غم کا خراج پیش کر رہے تھے۔ باہر کھڑے ہوئے تقریباً دو لاکھ عقیدت مندوں میں سے ہر ایک قائداعظم مرحوم کا آخری دیدار کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اس کا انتظام کیا گیا۔ قائداعظم کے محبوب جسم کو گورنر جنرل ہاؤس کے صدر ہال میں رکھ دیا گیا اور لوگوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ قطار در قطار میں اس کے قریب سے گزر کر آخری دیدار کی حسرت پوری کر لیں۔لوگ ہال میں داخل ہوئے اور ایک کے پیچھے ایک میت کے قریب سے گزرنے لگے۔ میت کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور اس کے سکون اور نور کو دیکھ کر یہ خیال ہوسکتا تھا کہ قوم کے غم میں زندہ رہنے والا کام کرتے کرتے تھک کر سو گیا ہے۔ نیند بھر جائے گی تو اٹھے گا اور پھر اپنے کاموں میں لگ جائے گا۔ کتنی قابل رشک تھی یہ موت!

دیکھنے والے پورے دو گھنٹے تک اسی طرح گزرتے رہے۔ آنسوؤں کے موتی نچھاور کرتے رہے، دوسروں کے لیے جگہ خالی کرتے رہے، اور آگے بڑھتے رہے۔ حکومت کے وہ وزیر جو 13 مہینے تک حکومت کا بھاری بوجھ اٹھانے میں اپنے رہنما کے شریک رہے تھے، ادھر ادھر کھڑے یہ غم ناک منظر دیکھ رہے تھے اور بغیر اس لحاظ کے کہ گزرنے والے انہیں اشکبار دیکھ کر کیا کہیں گے، رو رہے تھے اس لیے کہ سوائے رونے کے اس وقت اور کوئی چارہ نہ تھا۔

میت کے جلوس کی روانگی کے لیے 3 بجے دن کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ 3 بجنے سے کچھ پہلے، وزیر اعظم لیاقت علی خاں، سر محمد ظفر اللہ خان، سردار عبدالرب نشتر، جوگندر ناتھ منڈل، پیرزادہ عبدالستار اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے جنازہ کو صدر ہال سے اٹھا کر اپنے کاندھوں پر رکھا اور ہر زبان نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ لا الہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ (نہیں ہے کوئی خدا، سوائے الہ کے اور محمد ﷺ اس کے رسول

ہیں)
قوم کے اکابر جب اس امانت کو اپنے کاندھوں پر رکھے ہوئے باہر نکلے جو خدا نے اب دنیا والوں سے واپس لے لی تھی تو باہر کھڑے ہوئے ہزاروں انسانوں کو ضبط کا یارا نہ رہا اور ہر ایک بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔ جنازہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور گورنر جنرل ہاؤس کے صدر دروازے تک پہنچا۔ سرکاری رسوم کو پورا کرنے کی خاطر جنازے کو توپ کے اوپر رکھ دیا گیا، اور دو تین لاکھ آوازوں نے پوری قوت سے ''قائداعظم زندہ باد'' کا نعرہ لگایا۔ سچ مچ قائداعظم مرے نہیں وہ زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی چھوڑی ہوئی یادگار سدا ان کا نام زندہ رکھے گی۔ پاکستان زندہ باد قائداعظم زندہ باد!

جنازہ توپ پر رکھا جا چکا تو پاکستان کی بحریہ کے سفید پوش سپاہیوں نے آہستہ آہستہ اسے آگے بڑھانا شروع کیا۔ جنازے کے آگے سب سے پہلے وردیوں میں پولیس کے پچاس سپاہی تھے، ان کے پیچھے بحریہ کے پچاس جوان، اور اس کے بعد علی الترتیب بری اور ہوائی فوجوں کے پچاس پچاس سپاہی اور اس کے پیچھے گورنر جنرل کے باڈی گارڈ کے سواروں کا دستہ۔ جنازے کے دائیں بائیں حکومت کے وزراء اس کے پیچھے قائداعظم مرحوم کی دل شکستہ بہن محترمہ فاطمہ جناح اور مرحوم کی صاحبزادی مسز واڈیا کی موٹر، اس کے بعد کی موٹر میں بیگم ہدایت اللہ اور ان کے پیچھے دو لاکھ آدمیوں کا ہجوم، یہ سارا جلوس بڑی خاموشی سے سوا تین بجے کے قریب گورنر جنرل ہاؤس کے صدر دروازہ سے روانہ ہوا۔ وکٹوریہ روڈ الفنسٹن اسٹریٹ، گارڈن روڈ اور بند روڈ ہوتا ہوا نمائش کے میدان میں پہنچا۔ کوئی اڑھائی میل کے اس راستہ کے دونوں طرف سڑکوں پر بالا خانوں کی کھڑکیوں اور چھتوں پر اور درختوں پر لاکھوں آدمی اپنے مرحوم و مغفور رہنما کا آخری دیدار کرنے اور اس کے محبوب جسم کو آخری سلام کرنے کے لیے گھنٹوں پہلے اکٹھے ہو گئے تھے۔ دو لاکھ آدمیوں کا یہ ماتمی اور سوگوار جلوس جن جن سڑکوں سے گزرتا جاتا، سڑکوں کے کنارے کھڑے ہوئے لوگ اس جلوس کے پیچھے شریک ہوتے جاتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہ دو لاکھ آدمی چار لاکھ ہو گئے۔ ان چار لاکھ سوگواروں میں ہر عمر، ہر جنس، ہر طبقہ اور ہر ملت کے لوگ شامل تھے۔ عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے، غریب سے غریب اور امیر سے امیر، مسلمان، ہندو، یہودی، عیسائی او رپارسی۔ سب کے دل قوم کے اس عظیم غم کو اپنا غم سمجھ رہے تھے۔ ہر دل سوگوار تھا اور ہر آنکھ اشکبار اور ان کا محبوب ان کے دلوں کی کیفیت سے بے خبر اپنے گہوارہ میں پڑا سو رہا تھا اور اس کا یہ شاندار جلوس اسے اس کی آرام گاہ کی طرف لیے جا رہا تھا۔ ساڑھے چار بجے جلوس نمائش کے میدان میں پہنچا اور یہاں سے دو حصوں میں بٹ گیا۔ آگے آگے چلنے والے سپاہیوں اور فوجیوں کے دستے اور گورنر جنرل باڈی گارڈ کے سوار، قوم کی قیمتی دولت انہیں سونپ کر آگے بڑھ گئے اور جنازہ داہنی طرف مڑ کر نمائش کے میدان میں پہنچ گیا، جہاں ایک لاکھ آدمی پہلے سے اپنے محبوب قائد کے آخری استقبال کے لیے جمع تھے۔ ایک لاکھ کے اس ہجوم نے جنازہ دیکھتے ہی اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا، اور کانوں نے اس روح کو گرما دینے والے نعرہ کے

ساتھ دل ہلا دینے والی چیخیں بھی سنیں۔لوگوں کے دل کسی طرح یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ قائداعظم ان سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے۔

جنازہ لاکر بانس اور کاغذ کے بنے ہوئے سیاہ مینار کے برابر سیمنٹ کے چبوترے پر رکھ دیا گیا اور اعلان ہوا کہ پندرہ منٹ بعد نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔اس اعلان پر 5لاکھ آدمیوں نے صف بندی شروع کی اور دیکھتے دیکھتے انسانوں کا یہ سیلاب جنازے کے دائیں بائیں اور بہت دور پیچھے تک باقاعدہ صفوں میں تبدیل ہو گیا۔اگلی صفوں میں حکومت پاکستان اور سندھ، پنجاب اور بنگال کی حکومتوں کے وزیر اور اسلامی ممالک کے سفیروں اور نمائندوں کے علاوہ بھی جسے جہاں جگہ ملی وہ بلا امتیاز صف میں شامل ہو گیا۔مولانا شبیر احمد عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ''قائداعظم'' رحلت فرما گئے ہیں لیکن جس قوم کو ان کی ذات نے منظم و مرتب کیا، وہ زندہ ہے اور انشاء اللہ اسی طرح زندہ رہے گی، اور عزت کے ساتھ اپنی قوت اور مرتبے میں اضافہ کرے گی۔ ہماری قوم کے مستقبل کا انحصار اتحاد، ضبط اور تنظیم پر ہے۔'' مولانا کی تقریر ختم ہوئی تو لوگ جنازے کو مدفن کی طرف لے چلے۔ وہ جگہ یہاں سے کوئی ایک فرلانگ آگے اس اونچے ٹیلے پر تھی جسے قائداعظم نے کراچی کی جامع مسجد کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ جنازہ آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ اس کے دائیں بائیں پاکستان کی بحری، بری اور ہوائی فوجوں کے اعلیٰ افسر تھے اور پیچھے پیچھے وزیراعظم لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، جوگندر ناتھ منڈل، ناظم الدین، پیر الٰہی بخش اور میراں محمد شاہ، وزرائے سندھ کے علاوہ مصر، عراق، افغانستان، برما اور انڈونیشیا کے سفیر تھے اور سب باری باری جنازے کو کاندھا دے رہے تھے۔وزیروں اور امیروں کے کاندھوں پر جنازہ مدفن کے قریب پہنچا اور اتار کر زمین پر رکھ دیا گیا۔تھوڑی دیر بعد قبر تیار ہو گئی اور 6بج کر 24منٹ پر جناب لیاقت علی خاں، سرظفر اللہ خاں، سردار عبدالرب نشتر، پیر الٰہی بخش اور سیٹھ یوسف ہارون نے اپنے مرحوم رہنما کے جسم کو قبر میں اتار کر آخری خدمت انجام دی۔قبر کے منہ کو پتھروں سے ڈھکا گیا اور لیاقت علی خاں صاحب نے کلمہ طیبہ کے ورد کے ساتھ، مٹھی بھر مٹی آہستگی سے قبر کے پتھروں پر ڈال دی اس کے بعد دوسرے وزیروں اور سفیروں نے یہ آخری رسم ادا کی اور تھوڑی سی دیر میں ایک نازک جسم پر منوں مٹی کے انبار لگ گئے۔ مٹی پر پانی چھڑکا گیا۔ پھول چڑھائے گئے، عود اور اگر سلگایا گیا اور لاکھوں آدمیوں نے ایک ساتھ ہاتھ اٹھا کر اپنے قائداعظم کی مغفرت کے لیے دعا کی اور یہ سوگوار ہجوم اللہ کی وحدت اور محمد ﷺ کی رسالت کا کلمہ پڑھتا ہوا آنکھوں میں اشک اور دلوں میں ماضی کی یادیں لیے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوا اور کسی نے بڑے درد بھرے لہجہ میں یہ شعر پڑھا۔''

اے خاک تیرہ خاطر مہماں نگاہ دار
ایں نور چشم ماست کہ در برکشیدہ

(ماہنامہ نظریہ پاکستان، اشاعت دسمبر 2013ء)

قائداعظم کا اسلامی کردار

اس کتاب کو کرم حیدری نے مرتب کیا اور مطبوعات حرمت



قائداعظم محمد علی جناحؒ ڈرکی بسرت مسلم لیگ کے ممبران کے ہمراہ۔ شملہ 1945ء

راولپنڈی نے اسے طبع کیا۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے عدم واقفیت کا جو الزام لگایا جاتا ہے اس کا ازالہ حوالوں سے کیا گیا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں آج تک جتنی کتب ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں ان میں ان کے کردار کے اسلامی پہلو کے بارے میں ارشادات تو موجود ہیں تاہم ربط و تسلسل کے ساتھ صرف اسی پہلو پر ان کے بارے میں کوئی کتاب نہ تھی۔

یہ کتاب 144 صفحات پر مشتمل ہے۔

قائداعظم کا بچپن

1976ء میں یہ کتاب سال قائداعظم کی نسبت سے مکتبہ عالیہ اردو بازار لاہور نے باہتمام کلیم نشتر شائع کی۔ اس کتاب کو وحید قیصر نے مرتب کیا۔

یہ کتاب 80 صفحات پر مشتمل ہے۔اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے ابتدائی حالات نہایت مستند حوالہ جات کے ساتھ شامل ہیں۔ یہ کتاب نوجوان نسل کی رہنمائی میں انتہائی اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔

قائداعظم کا بچپن

یوں تو قائداعظم محمد علی جناح پر بے شمار کتب لکھی گئی ہیں، مگر اس کتاب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس کتاب میں بچپن کے واقعات کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی انکشاف کیا گیا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح انگلستان میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے نہیں گئے تھے، بلکہ ان کا منشاء وہاں جا کر اپرنٹس شپ کی تعلیم حاصل کرنا تھا تا کہ وہ وطن واپس آ کر اپنے والد کے گرتے ہوئے کاروبار سنبھال سکیں۔

لندن جا کر ان کی سوچ کا رخ تبدیل ہوا، وہاں انہیں انگلستان کے بڑے بڑے سیاستدانوں کی تقریریں سننے کا موقع ملا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان کی زندگیوں کا باریک بینی سے مطالعہ کیا اور ان پر یہ انکشاف ہوا کہ انگلستان کے یہ بڑے بڑے سیاستدان سب ہی بیرسٹر تھے، چنانچہ ان کے دل میں بھی قانون کی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا، یوں انہوں نے لنکنز ان میں داخلہ لے لیا۔

اس کتاب کو منصور بٹ نے تحریر کیا، اور اس کتاب پر وفاقی حکومت وزارت تعلیم حکومت پاکستان نے صدارتی ایوارڈ دے کر اس کاوش کو سراہا۔

قائداعظم کا پاکستان

محمد جاوید اپنے مضمون ''ہمیں قائداعظم کا پاکستان چاہیے'' میں رقمطراز ہیں:

''25 دسمبر کا دن جنوبی ایشیا کے اس عظیم مدبر کی پیدائش کا دن ہے جس کی بے مثال اور بے داغ قیادت میں پاکستان کی جنت دنیا کے نقشے پر ابھری۔ جہاں برصغیر کے مسلمانوں کو اپنے دینی شعائر اور اپنی تہذیب کے مطابق ایک آزاد و خودمختار قوم کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا موقع ملا۔ تاریخ کے اوراق یہ گواہی دے رہے ہیں کہ قائداعظم جیسی قیادت مسلمانان برصغیر کو نہ ملتی تو پاکستان کا قیام عمل میں نہیں آ سکتا تھا۔ ایسی قیادت جس کی دوراندیشی، بصیرت، تدبر بے مثال اور قوت ارادی اٹل تھی۔ اصولوں پر استقامت، مصلحت سے یکسر گریز کسی بھی فیصلے تک پہنچنے کے لیے طویل غور و فکر، تمام ساتھیوں سے مشورے، فرقہ پرستی کی سخت مخالفت، حقوق انسانی کا تحفظ، قائداعظم کی سیاسی زندگی کی بنیادی اقدار تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت واضح ہوتی جارہی ہے کہ قائداعظم کسی مصلحت یا منافقت

سے کام نہیں لیتے تھے۔ ان کے لہجے میں اعتماد تھا۔ ان کی سیاست میں تضاد نہیں تھا۔ ان کے دور میں جو سیاستدان تھے اور آج جو سیاستدان ہیں، قائداعظم ان سب سے مختلف شخصیت تھے۔ ان کا تعلق جاگیرداروں سے تھا نہ ان کی طرز فکر جاگیردارانہ تھی، فرقہ پرستی کے قائل تھے، نہ ان کی طرز فکر فرقہ پرستانہ تھی۔ لسانی یا نسلی تعصب سے مغلوب تھے نہ ان کی سوچ لسانی یا نسلی تھی۔ ان کے تدبر اور بصیرت کا ہی نتیجہ تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کو انگریز سامراج اور ہندو رام راج دونوں سے آزادی مل گئی۔ جہاں یہ برصغیر کے مسلمانوں کی خوش قسمتی تھی وہاں اہل پاکستان کی بدقسمتی کہ انہیں قائداعظم کی رہنمائی صرف ایک برس حاصل رہ سکی اور جلد خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس سے زیادہ بدنصیبی یہ کہ قائداعظم کے بعد آنے والے پاکستان کے حکمران، پاکستان کو قائداعظم کے افکار سے دور اور بہت دور لے جاتے رہے۔

قائداعظم سیدھے سادھے اور سچے مسلمان تھے۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ برصغیر کے مسلمان ایک جداگانہ قوم ہیں تو یہ بات انہوں نے کسی مصلحت کی بناء پر یا مسلمانوں میں شہرت کے حصول کے لیے نہیں کہی تھی۔ قائداعظم کی ساری زندگی گواہ ہے کہ سستی شہرت کے وہ کبھی طالب نہ ہوئے اور منفی سیاست ان پر کبھی غالب نہیں آئی۔ وہ دل سے مسلمانوں کے قومی تشخص کے قائل تھے۔ اسی طرح وہ قلب کی گہرائیوں سے پاکستان میں حقیقی معنوں میں اسلام کے عدل کا اجتماعی نظام قائم کرنے کے آرزومند تھے، کیونکہ اسلام بنیادی طور پر تکریم آدمیت کا درس دیتا ہے لیکن وہ ''لادین'' ہونے کے معنوں میں سیکولر ہرگز نہیں تھے اور وہ پاکستان میں کسی قیمت پر اس نوعیت کے سیکولر نظام کے قیام کے حامی نہیں تھے جیسا نظام مملکت اقوام مغرب نے اپنا لیا ہے۔ قائداعظم اللہ پر، اللہ کے آخری پیغمبر کی حیثیت سے رسول کریم ﷺ پر دل کی گہرائیوں سے ایمان رکھتے تھے اور پاکستان میں اسی نظام کے آرزومند تھے جسے دورِ رسالت و خلافت کے مطابق قرار دیا جا سکے۔

اکتوبر 1937ء کا مہینہ تھا۔ قائداعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی غرض سے بمبئی سے لکھنؤ تشریف لا رہے تھے جیسے ہی ان کی گاڑی کانپور کے مرکزی ریلوے سٹیشن پر داخل ہوئی مسلمانوں کے ایک بڑے ہجوم نے ان کے کمپارٹمنٹ کو گھیرے میں لے لیا۔ ہندوؤں کی مزاحمت کے حوالے سے ان کا جوش و خروش اتنا زیادہ اور عزم اتنا آہنی تھا کہ مسٹر جناح جیسا انسان جو خاموش، پرسکون اور ٹھنڈے دل و دماغ کا مالک تھا وہ بھی اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ ان کے چہرے سے عزم صمیم عیاں تھا اور ساتھ ہی اس اطمینان کی جھلک بھی نظر آتی تھی کہ آخرکار ان کی قوم اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ ہجوم کے بھڑکتے ہوئے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے انہوں نے چند کلمات ادا کیے۔ اپنے لیڈر کو دیکھ کر اکثر مسلمانوں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو چھلک پڑے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ یہی لیڈر انہیں غلامی سے بچا لے جائے گا۔ قائداعظم کی یہی دلکشی تھی کہ ایک عام آدمی کے لیے خطرہ اور مصیبت کے بدترین دور میں بھی وہ حوصلے اور اطمینان کا قابل اعتماد ذریعہ تھے۔ یہ کسی معجزے سے کم نہ تھا کہ ان کی وجہ سے ایک مردہ قوم میں زندگی کی روح پھونک دی گئی اور وہ متحد ہوگئی۔

انہوں نے گرجدار آواز میں کہا کہ ''دس کروڑ مسلمان ہمارے ساتھ ہیں میں انہیں بھرپور طریقے سے دوبارہ زندہ ہوتا دیکھ رہا ہوں۔ مسلمانان ہند کا اپنے خاکستر سے شعلہ جوالہ بن جانا کسی معجزے سے کم نہیں، اب وقت ہے کہ اس قوم کی تعمیر کے لیے ایک مثبت پروگرام وضع کیا جائے تا کہ یہ پاکستان کے حصول کی راہ پر پیش قدمی کر سکے۔منزل قریب ہے متحد رہیے۔ثابت قدم رہئے اور آگے بڑھتے جایئے۔''

ہمارے لیے بہت بڑا المیہ ہوگا اگر پاکستانی عوام نے قائداعظم کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ نہ بنایا اور ان کی دکھائی ہوئی راہ سے ہٹ گئے۔ یہ بلاشبہ ہماری بہت بڑی بدنصیبی ہے کہ ہم نے قائداعظم کی زندگی سے کوئی سبق نہ سیکھا اور اپنے اندر کوئی روح نہ پھونکی اور نہ ہی ان کے بتائے ہوئے اصولوں پر صدق دل سے عمل کیا۔وہ آزمائشیں اور تکالیف جن سے وہ ہماری خاطر گزرے ہم اس کے بھی ممنون نہ ہو سکے۔ نصف صدی سے زائد پر محیط ہمارے خیالات، بیانات اور کارنامے اپنے عظیم محسن سے بے پناہ ناشکرگزاری کا واضح ثبوت ہیں۔

آج پاکستان کے عوام اپنے وطن عزیز کو جن سنگین بحرانوں میں گھرا دیکھ رہے ہیں، معاشرہ جس طرح اخلاقی انحطاط اور فکری پستی میں ڈوبا ہوا ہے، ذاتی مفادات جس طرح قومی مفادات پر غالب آئے ہوئے ہیں اس وقت عوام کو اپنے قائد کی یاد جس شدت سے آرہی ہے، شاید ہی پہلے کبھی آئی ہو، عوام دل کی گہرائی سے سمجھتے ہیں کہ اب بھی پاکستان اگر بحرانوں سے نکل سکتا ہے تو صرف قائداعظم کے افکار اوران کے طریقہ سیاست پر عمل پیرا ہو کر۔عوام محسوس کرتے ہیں کہ سیاسی قائدین میں اصولوں کی پاسداری میں قائداعظم جیسی استقامت ہونی چاہئے اور ان کے کردار اور گفتار میں تضاد نہیں ہونا چاہئے، لیکن عوام جس طرف بھی نگاہ اٹھاتے ہیں ایسا کردار بہت کم نظر آتا ہے۔ قائداعظم کے پاکستان میں بار بار کے مارشل لاؤں نے قانون کی حکمرانی کی دھجیاں بکھیر دیں۔ عوام سوچتے ہیں کہ آج جس پاکستان میں وہ سانس لے رہے ہیں یہ قائداعظم کا پاکستان نہیں ہے جہاں جھوٹ کا دور دورہ ہے، کرپشن کا زور ہے، امراء، جاگیرداروں، سرمایہ داروں، صنعت کاروں، بیوروکریٹس سیاستدانوں نے بینکوں سے اربوں روپے کے قرض لے کر اپنے اثر ورسوخ سے معاف کرا لیے۔ملک چلانے کے لیے مرکزی حکومت آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، امریکہ اور یورپی یونینوں سے قرض لیتی ہے اور ان کے ناجائز مطالبات مانتی رہتی ہے اس سے ملک قرض میں ڈوبتا جارہا ہے اور کوئی پرسان حال نہیں ہے، مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ دہشت گردی، ڈرون حملے شہروں میں روزانہ گرتی لاشیں، چوری ڈکیتی کی وارداتیں، سٹریٹ کرائمز، لاقانونیت، حد سے زیادہ بے روزگاری مسلسل بڑھ رہی ہے، مظلوم کو انصاف نہیں ملتا، لوگ علاقائیت، لسانیت، فرقہ پرستی کے خانوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ قائداعظم کے پاکستان میں غریب کو دووقت کی روٹی حاصل کرنا مشکل ہے۔ ملکی خزانہ بے دریغ لوٹا جارہا ہے، ٹیکس چوری عروج پر ہے۔اختیارات کا ناجائز استعمال ہوتا ہے قانون کی حکمرانی کہیں نہیں ہے۔ اشیائے خورد ونوش عوام کی پہنچ سے روز بہ روز دور ہو رہی ہیں۔

پاکستان کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ جب یہ ہمالیائی سطح کے مسائل سے دوچار تھا اس وقت اس پر ایک ایسے گروہ نے قبضہ کرلیا جو نہ تو عوام کی نمائندگی کرتا تھا اور نہ ہی تحریک پاکستان کی روح سے سرشار تھا۔ غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب خان، ضیاء الحق اور پرویز مشرف جو سرکاری ملازم تھے اور جنہوں نے ریٹائر ہو کر پنشن لینا تھی انہوں نے اس ملک کے اقتدار پر قبضہ کرلیا اور اس پر حکمرانی کرتے رہے۔ انہوں نے کبھی ایک بلدیاتی انتخاب بھی نہ لڑا تھا وہ ہمیشہ اپنی دنیا میں عام آدمی سے بالکل کٹے ہوئے رہے۔

قائداعظم کی تصاویر بہت سے سرکاری اور نجی اداروں کی دیواروں پر آویزاں ہیں لیکن وہ کیا مقصد پورا کرتی ہیں۔ کیا یہ محض دکھاوا یا کوئی چال ہے؟ یا یہ قائداعظم کے تصورات جیسے دیانتداری، صداقت عمل، جمہوریت، سماجی انصاف، مساوات، بھائی چارے، اتحاد، ایمان اور تنظیم سے کسی یقینی وفاداری کا اظہار ہے، اگر قیادت مخلص ہوتی تو یہ ایک ایک کر کے کبھی بھی قائداعظم کے اصولوں کو پامال نہ کرتی۔ قائداعظم نے ہمیشہ جمہوریت سے وابستگی کا اظہار کیا۔ ہم نے سول اور فوجی آمریت مسلط کر لی۔

قائداعظم نے ہمیں بدعنوانی، اقرباء پروری اور بددیانتی جیسی برائیوں کے خلاف خبردار کیا، لیکن ہم نے ان برائیوں کو ایسی خوشدلی سے اپنایا جیسے مچھلی پانی کو اپناتی ہے۔ انہوں نے سماجی انصاف اور معاشی برابری پر زور دیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اپریل 1943ء کے اجلاس منعقدہ دہلی سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا کہ ''یہاں میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ باز آ جائیں، عوامی استحصال ان کے خون کا حصہ بن چکا ہے۔ وہ اسلام کی تعلیمات کو فراموش کر چکے ہیں۔ کیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ کروڑوں انسانوں کا استحصال ہوا ہے اور وہ ایک وقت کے کھانے سے بھی محروم ہیں۔ اگر پاکستان بنانے کا مقصد یہی ہے تو میں ایسا کرنے سے باز آیا، اگر وہ سمجھ دار ہیں تو انہیں اپنے آپ کو زندگی کی نئی حقیقتوں سے ہم آہنگ کرنا پڑے گا اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے پھر خدا ہی ان پر رحم کرے ہم ان کی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔'' ان کی ان خواہشات کے برعکس، ہم مفاد پرستی کا شکار ہوئے اور امیر غریب کے درمیان خوفناک خلیج پیدا کر لی۔

قائداعظم غیر معمولی دیانتدار شخصیت تھے اس معاملے میں ان کے دشمن بھی ان پر انگلی نہ اٹھا سکے۔ کیا یہ افسوس ناک حقیقت نہیں ہے کہ وہ ملک جس کے بانی کی شہرت ہی دیانتداری ہو، آج دنیا کے بدعنوان ممالک میں شامل کیا جاتا ہے۔

پاکستانی عوام اپنے حکمران، سیاستدانوں، بیورو کریٹس، علماء، تاجروں، صنعتکاروں اور اساتذہ سے، قائداعظم کا پاکستان مانگتے ہیں جہاں فیصلے ملکی مفاد میں ہوں، میرٹ کو ترجیح حاصل ہو، قانون کی پابندی امیر و غریب سب کے لیے یکساں ہو۔ قائداعظم نے کہا: ''رشوت اور بدعنوانی زہر ہے، سم قاتل ہے۔ اسے آہنی ہاتھ سے روکنا ہو گا۔ چور بازاری ایک عفریت ہے۔ معاشرے کے خلاف سب سے بڑا جرم ہے'' اقرباء پروری کے لیے قائداعظم نے کہا تھا کہ میں اسے برداشت نہیں کروں گا۔ میرٹ پر کسی کو اثرانداز نہیں ہونے دوں گا۔ قائداعظم نے کہا تھا میرے رہنما اصول انصاف اور مکمل غیر جانبداری

ہوں گے اور عوام کے تعاون اور حمایت سے یہ توقع کرسکتا ہوں کہ پاکستان دنیا کی عظیم ترین قوموں میں سے ایک ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم جیسے رہنما قوموں کے لیے قدرت کا عطیہ ہوتے ہیں جو اجتماعی زندگی کے انتہائی صبر آزما حالات کے چیلنج کے جواب میں سامنے آتے ہیں اور جن کے کردار کی مثالی بلندی ان کی کامیابی کی دلیل بھی ہوتی ہے اور ضمانت بھی۔ قائداعظم کی رہنمائی میں برصغیر کے مسلمانوں کو ایک آزاد مملکت کے حصول میں جو کامیابی میسر آئی وہ کسی حادثے یا اتفاق کا نتیجہ نہیں تھی، دس برس تک قوم ایک ایک قدم اس منزل کی جانب بڑھی تھی۔ اس وقت منزل بھی ایک تھی، راستہ بھی ایک، قومی وحدت بھی تھی اور قائداعظم کی دیانت اور صلاحیت بھی اور حقیقی کامیابی ان ہی اجزائے ترکیبی کی یکجائی سے حاصل ہوتی ہے۔ پاکستان ہمیں کسی نے بخشا نہیں ہے نہ ہی ہمیں طشتری میں رکھ کر دیا گیا ہے۔ ہم نے اسے اللہ کے فضل وکرم سے بہ حیثیت مسلمان قوم اپنے عزم و ارادے سے حاصل کیا ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت کا قیام صدیوں کے تاریخی تقاضوں کا منطقی نتیجہ ہے، اور اگر کوئی ایک فرد ہماری اس عدیم المثال کامیابی کی علامت ہے تو اس کا نام محمد علی جناح ہے۔

پاکستان کے آج کے حالات کو بطور خاص سامنے رکھئے تو بہت سی خصوصیات جو بتایا جاتا ہے کہ ایک سیاسی رہنما میں ہونی ضروری ہیں، ان میں سے کوئی بھی خصوصیت قائداعظم کی شخصیت میں نظر نہیں آتی۔ مثلاً وہ تنہائی پسند تھے۔ خاموش طبع تھے۔ وقتی اور سستی شہرت کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ جھوٹ بالکل نہیں بولتے تھے۔ صرف لوگوں کو خوش کرنے کے لیے نعرہ بازی کے قائل نہیں تھے۔ جو بات ناپسند ہوتی تھی، بھرے مجمع میں اس کا برملا اظہار کر دیتے تھے۔ اپنی محنت کی کمائی سے آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ غریبوں سے دکھاوے کی ہمدردی نہیں کرتے تھے۔ سیاسی کرتب دکھانے ان کو ناپسند تھے۔ لوگوں کے جذبات بھڑکا کر اپنے غلط فیصلوں کی جلسوں میں تصدیق کرانے کے ڈرامے انہوں نے کبھی بھی نہیں کھیلے۔ آج کے سیاستدان جلسوں میں یہ ڈرامے بہت کرتے ہیں اور غریب عوام ان سیاستدانوں کے جھانسوں میں آ جاتی ہے اور ان کی باتوں کو سچ سمجھ لیتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اپنے ملک کی تین چار دہائیوں میں ہمارے سیاسی رہنماؤں نے مقبولیت کے حصول کے لیے جو پیمانے بنا لیے ہیں قائداعظم ان میں سے کسی ایک پیمانے پر بھی پورے اترتے نظر نہیں آتے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ایک سیاسی رہنما ہی نہیں ایک مدبر کی حیثیت سے بھی قوم کی جانب سے جو بے پناہ محبت اور توقیر ان کو ملی، وہ برصغیر کی برطانوی دور کی پوری سیاسی تاریخ میں بہت کم کو نصیب ہوئی ہے۔

13 اپریل 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں کیا تھا بلکہ ہم یہاں ایک ایسی تجربہ گاہ بنانا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔'' سبی بلوچستان میں سول افسران سے مخاطب ہو کر قائداعظم نے 14 فروری 1948ء کو کہا تھا ''یقین

کیجیے آپ کے ضمیر کے ساتھ ہی آپ اپنے اللہ کے حضور حاضر ہو کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ نے دنیا میں اپنے فرائض پوری دیانت داری اور احساس ذمہ داری سے ادا کیے ہیں۔'' قائداعظم کو یوم احتساب کا پورا احساس تھا اور اسی سے اسلام سے ان کی وابستگی کا اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ کراچی بار ایسوسی ایشن کی تقریب یوم ولادت حضرت رسول مقبول ﷺ کے موقع پر اپنی تقریر میں 25 جنوری 1948ء کو پرزور الفاظ میں فرمایا ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ دانستہ شرانگیزی کیوں کر رہے ہیں اور ان کی جانب سے پروپیگنڈہ کیوں کیا جا رہا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی اساس پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول آج بھی انسانی زندگی پر اسی طرح نافذ العمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔'' یہ شرانگیزی اور پروپیگنڈہ امریکہ میں بھی ہونے لگا تو ایک ہی ماہ بعد فروری 1948ء میں قائداعظم نے ایک تقریر نشر کی تو اس میں فرمایا کہ ''مجھے یقین ہے کہ دستور جمہوری طرز کا ہوگا جس میں اسلام کے لازمی بنیادی اصول شامل ہوں گے۔ وہ اصول جو تیرہ سو سال پہلے نافذ العمل تھے، وہ اصول آج بھی حقیقی زندگی میں اسی طرح نافذ العمل ہو سکتے ہیں۔ اسلام اور اس کے تصورات نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے۔ اس نے ہمیں تعلیم دی ہے مساوات انسانی کی، عدل کے ہم لوگ وارث ہیں۔ بہرحال پاکستان کسی طرح بھی کوئی کلیسائی (تھیوکریٹک) مملکت نہیں ہوگا جہاں کوئی پادری اپنے مقدس مشن کا نام لے کر حکمرانی کرے۔ ہمارے یہاں بہت سے غیر مسلم، ہندو، مسیحی اور پادری بھی ہیں مگر وہ سب پاکستانی ہیں، ان سب کو وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گی جو دوسرے شہریوں کو حاصل ہوں گی، اور یہ لوگ پاکستان کے معاملے میں اپنا حقدارانہ کردار ادا کریں گے۔

پاکستان کے عوام دیکھتے ہیں کہ قائداعظم کے دونوں رہنما اصول، انصاف اور مکمل غیر جانبداری کو قائداعظم کے بعد آنے والے حکمرانوں نے کس طرح پامال کیا اور پاکستان کو کہاں پہنچا دیا۔ آج اقوام عالم کی صفوں میں پاکستان کہاں کھڑا ہے۔ عوام اپنے قائدین کے ضمیر پر دستک دے رہے ہیں۔ ان سے دردمندانہ اپیل کر رہے ہیں کہ قائداعظم کے افکار کو اپنے لیے مشعل راہ بنائیں۔ قائداعظم نے جن دو باتوں کو اپنا رہنما اصول بنایا صرف ان کو ہی اپنا لیا جائے تو ہم قائداعظم کے پاکستان کی بحالی پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

قیام پاکستان سے قبل تقسیم کے وقت جو اتحاد و یگانگت مسلمانوں میں نظر آتی تھی، وہ آج نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ہر قسم کی دولت سے مالا مال کیا ہے۔ آج بھی اگر بے لوث خدمت اور اتحاد کے ساتھ کام کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ ملک ترقی نہ کرے۔ کیا ہم قائداعظم کی توقعات پر پورے اترے اور کیا ہم ان کے اس اعتماد پر پورے اترے جو انہوں نے ہم پر کیا تھا؟ یہی ایک سوال ہے کہ جس کا جواب ہم پر قرض ہے۔''

(ماہنامہ نظریہ پاکستان، اشاعت دسمبر 2013ء)

قائداعظم کا پیغام

یہ قائداعظم محمد علی جناح کے اقوال پر مشتمل کتابچہ ہے۔ یہ کتابچہ لاہور کے ممتاز ادیب سید قاسم محمود نے مرتب کیا اور

گست 1967ء میں شائع کیا۔ انہوں نے اس کتابچے کی مدوین کے بارے میں بتایا:

''جب میں اسی سال صحافیوں کے وفد کے ساتھ پیکنگ گیا اور وہاں مجھے چیئر مین ماؤ کی تعلیمات کی ایک کاپی پیش کی گئی تو مجھے بھی اقوال قائداعظم کے اقتباسات پر مشتمل ایک کتابچے کی ضرورت محسوس ہوئی۔''

قائداعظم کا تصورِ ریاست

محمد جمیل اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

''قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے لیے جدوجہد کے وقت ایک غیر تحریری معاہدہ عمرانی موجود تھا، جو قائداعظم کے افکار کے مطابق مختصر ترین الفاظ میں کچھ اس طرح تھا:

مسلمانوں کی ایک جدید ''ترقی پسند'' انصاف پر مبنی مسلم ریاست قائم کی جائے جس میں اقتدار کا سرچشمہ عوام ہوں، تمام امور مملکت میں ان کی رائے اور شرکت کو یقینی بنایا جائے، قومی آزادی اور ملکی سلامتی کے لیے اپنی افواج کی حب الوطنی پر بھروسہ کیا جائے وسائل دولت کی منصفانہ تقسیم ہو اور کوئی شہری بنیادی انسانی حقوق سے محروم نہ رہے۔ علاوہ ازیں عوام کو انتخابات کے ذریعے اپنے حکمران منتخب کرنے اور انہیں معزول کرنے کا اختیار ہو، اور ایک ایسا منصفانہ معاشی وسماجی نظام وضع کیا جائے جو ملکی یکجہتی اور قومی سلامتی کو یقینی بنائے۔''

لیکن قیام پاکستان کے بعد قائداعظمؒ کے تصور کے مطابق عمرانی معاہدے کے خدوخال کو ریاست کے آئین کی شکل نہ دی گئی۔ اول تو 9 برس تک آئین نہ بنایا گیا اور اگر 1956ء میں بنایا بھی تو وہ عوام کی اُمنگوں کا مظہر نہ تھا۔ درحقیقت قائداعظم کی رحلت اور لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد سیاستدانوں کی اکثریت اس جاگیردار طبقے سے تعلق رکھتی تھی، جس نے مسلم لیگ میں اس وقت شمولیت اختیار کی، جب پاکستان بننے کا انھیں یقین ہو گیا تھا۔ دوسرا حکمران طبقہ سول بیوروکریسی تھی، جو نوآبادیات کے دور کی پیداوار تھی اور اس کے کل پرزوں کی ذہنیت بھی غلامانہ تھی۔ یہ لوگ ہمیشہ اپنے آقاؤں کے حکم کی تعمیل کے عادی اور اپنی قومی ذمہ داریوں سے ناآشنا تھے۔ ان کی ذہانت اور قابلیت بھی انگریزوں کی ہدایات اور احکامات میں چھپی ہوئی تھی، لہٰذا انگریزوں کے جانے کے بعد ان کی ذہانت بھی جاتی رہی۔

قائداعظمؒ نے کہا تھا:

''پاکستان (Theocratic State) نہیں ہوگی، جس پر ملاؤں کی حکمرانی ہو۔''

اس سے ان کا مقصد مملکت کو مسلکی تضادات اور انتشار سے محفوظ رکھنا تھا۔ تحریک پاکستان میں ایک طرف علامہ شبیر احمد عثمانی تھے تو دوسری جانب اہل تشیع میں سے راجہ صاحب محمود آباد تھے۔ علاوہ ازیں مختلف مکاتب فکر کے لوگ بشمول سر ظفر اللہ خان قادیانی اور جوگندر ناتھ منڈل ایک ہندو ان کی کابینہ میں موجود تھے جو ان کی مذہبی رواداری، دوسروں کو برداشت کرنے اور جمہوریت پسند ہونے کی دلیل ہے۔ قائداعظمؒ نے اپنی تقاریر میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو اکثر ہدف تنقید بنایا اور کہا کہ پاکستان کا دستور عوام ہی بنا سکتے ہیں۔

(دہلی 24 اپریل 1943ء)

ان افکار سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ قائداعظم کے ذہن میں پاکستان کے دستور کے خدوخال کیسے تھے۔ کچھ لوگ عوام کے ذہنوں اور قوم میں انتشار پھیلانے کے لیے قائداعظم کے چند جملے مسخ کر کے پیش کرتے ہیں، حالاں کہ انھوں نے کبھی بھی دینی ریاست کے الفاظ استعمال نہیں کیے۔ اگر انھوں نے ایک مرتبہ آئین کے حوالے سے کہا کہ ہمارے پاس قرآن مجید ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس سے رہنمائی حاصل کی جانی چاہیے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی رحلت اور لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد ان جیسا قدآور سیاستدان کوئی نہ رہا، لہٰذا انگریزوں کی تربیت یافتہ نوکر شاہی کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ انھوں نے سیاستدانوں کو غلط مشورے دے کر پاکستان کو امریکہ اور مغرب کے ساتھ دفاعی معاہدوں میں جکڑ دیا۔ اس حقیقت کو تسلیم نہ کرنا بھی بد دیانتی ہوگی کہ نوکر شاہی کے ساتھ ساتھ سیاستدانوں کا طرز عمل بھی کچھ زیادہ قابل رشک نہیں تھا۔ وہ بھی ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی بجائے محاذ آرائی کے راستے پر چلتے رہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ پارلیمان عوام کی حاکمیت کا مظہر ہوتی ہے۔ وہ اجتماعی قیادت فراہم کرتی ہے۔ حکومت اصولی طور پر پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے، مگر پاکستان میں کسی بھی حکمران کے دور میں اس اصول کو لائق توجہ نہ سمجھا گیا۔ 13 ویں اور 14 ویں ترمیم کے ذریعے منتخب حکمران اپنی جماعت کے منتخب ارکان سے تنقید کا حق چھین رہا تھا، 58-2(b) کو ختم کر کے اپنے ہی صدر کو بے اختیار کر رہا تھا، اور 15 ویں ترمیم کے ذریعے اختیارات اپنی ذات میں مرتکز کر کے آمریت کی جانب رواں دواں تھا تو کیا اس وقت اس پر کوئی تنقید کرسکتا تھا؟

24 اپریل 1943ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سیشن میں اپنے صدارتی خطاب میں قائداعظمؒ نے کہا تھا:

''آپ دستور سازی کے لیے اپنے نمائندے منتخب کریں گے۔ جمہوریت ہمارے خون میں ہے، صدیوں کے حالات نے خون کو ٹھنڈا کر دیا ہے یا منجمد ہو گیا ہے اور شریانیں کام نہیں کر رہیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب خون گردش کر رہا ہے۔'' اسی تقریر میں انھوں نے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو وارننگ دی اور ان کی خود غرضی و لالچ کو ہدف تنقید بنایا اور کروڑوں لوگوں کی حالت زار پر دکھ کا اظہار کیا جو ایک وقت کی روٹی کے محتاج تھے۔ غرضیکہ کون سا پہلو ایسا تھا، جس کے بارے میں قائداعظم نے رہنما اصول نہ بتائے ہوں۔

جب انھوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ واضح کر دیا کہ دستور عوام کے نمائندے بنائیں گے، اور یہ مذہبی ریاست نہیں ہوگی تو ابہام ختم ہونا چاہیے تھا۔ اس میں شک نہیں کہ قائداعظمؒ نے اسلامی تعلیمات سے استفادہ کرنے اور ان پر عمل کرنے کی تلقین کی، مگر یہ تو ہر مسلمان کا فرض ہے۔''

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013

قائداعظم (کاٹھیاواڑ سے کراچی تک)

مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح اپنے مضمون بعنوان بالا

لکھتی ہیں:

''بمبئی پریذیڈنسی کے تحت کاٹھیاواڑ کی شاہی ریاست، گونڈل کے حکمرانوں کی محکوم حکمرانی پورے طمطراق کے ساتھ قائم تھی۔ برطانیہ کے خلاف کسی بھی قسم کی بغاوت سے اپنی ریاست کو پاک رکھنا خود حاکم ریاست، ٹھاکر صاحب کے مفاد میں تھا کہ مبادا خود اسے ریاستی عوام پر غیر متنازعہ حکمرانی سے محروم نہ کر دیا جائے۔

ریاست گونڈل کی معیشت کی بنیاد زراعت تھی۔ نمایاں فصلوں میں کپاس، گندم، جو اور باجرہ شامل تھیں۔ زرعی پیداوار میں جس چیز نے گونڈل کو خاص شہرت عطا کی تھی وہ یہاں کی مرچ تھی، حتیٰ کہ آج بھی گونڈل کی مرچیں مشہور ہیں۔ ہمارے گھر میں میرے شعور کے ابتدائی دنوں ہی سے تمام کھانوں میں ہمیشہ مرچوں کا خوب چھڑکاؤ کیا جاتا تھا۔ ہم میں سے جس کسی کو کھانے کا ذائقہ اپنے مزاج کے مطابق محسوس نہیں ہوتا وہ ایک پلیٹ میں سے اپنے کھانے میں مزید مرچیں ڈال لیتا تھا۔ مرچوں سے بھری ہوئی پلیٹ ہمیشہ کھانے کی میز پر پڑی رہتی تھی۔

ریاست کے دوسرے بہت سے دیہات کی طرح پانیلی بھی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کی آبادی ایک ہزار سے بھی کم تھی۔ اس گاؤں میں میرے دادا پونجا رہتے تھے۔ میرے دادا پانیلی کے ان چند لوگوں میں سے تھے جو زراعت پیشہ نہیں تھے۔ ان کی چند دستی کھڈیاں تھیں جن پر وہ چند کاریگروں کے ہمراہ طویل اور تھکا دینے والے اوقات میں کام کیا کرتے تھے۔ اس مشقت کے نتیجے میں ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا تیار ہوتا جس کی فروخت سے انہیں اتنی آمدنی ہو جاتی تھی کہ ان کے خاندان کا شمار اس چھوٹے سے گاؤں کے خوشحال گھرانوں میں کیا جاتا تھا۔

ان کے تین بیٹے تھے، والجی، ناتھو اور جناح۔ مؤخر الذکر ان کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ ان کی ایک بیٹی بھی تھی جس کا نام مان بائی تھا۔ جناح اپنے دونوں بھائیوں کے مقابلے میں زیادہ فعال اور اولوالعزم تھے۔ ان کے نوجوان اور بلند نظر ذہن کو پانیلی نہ صرف ایک سست رو اور خوابیدہ گاؤں معلوم ہوتا بلکہ ان کے نزدیک یہ ایسی جگہ تھی جہاں زندگی محض ایک چھوٹے سے بازار اور گاؤں کے کنویں پر ہونے والی گپ شپ کے گرد گھومتی تھی۔ اُنہوں نے سنا تھا کہ گونڈل ایک بڑا شہر ہے جہاں زندگی زیادہ فعال اور کاروبار بھی وسیع ہے۔ پانیلی میں رہ کر وہ بھلا کیا کر سکتے تھے؟ دونوں بڑے بھائیوں کے ساتھ مل کر خاندانی کھڈیوں پر کام کرنے میں ان کے لیے کوئی کشش نہیں تھی۔ یہ بہت چھوٹا سا کاروبار تھا۔ ان کی نظریں بڑے شہر پر لگی ہوئی تھیں جہاں ان کی مہم جویانہ طبع کو تسکین مل سکتی تھی۔ اسی لیے اُنہوں نے گونڈل (شہر) میں کاروبار شروع کیا جو جلد ہی منافع بخش ہو گیا۔ میرے والد کا کاروبار پھیلتا گیا اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کافی پُراعتماد ہوتے گئے۔ 1874ء میں ان کی شادی میری والدہ مٹھی بائی سے انجام پائی۔

اگرچہ وسیع تر کاروباری مواقع انہیں بمبئی جانے کی ترغیب دے رہے تھے مگر تقدیر ان کے بارے میں اپنا فیصلہ سنا چکی تھی اور یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جس کے نتیجے میں میرے والدین کاٹھیاواڑ سے کراچی منتقل ہو گئے۔ میرے والد نے کھارادر محلے میں جہاں مکان

لیا وہ محض چند گھروں کے مجموعے کا نام تھا اور جیسا کہ نام سے واضح ہے وہاں بحیرۂ عرب کا نمکین پانی سڑکوں اور گلی کوچوں تک میں آتا رہتا تھا۔ میرے والد مجھے اور میری دو بہنوں کو رات کے وقت انگریزی لکھنا پڑھنا سکھایا کرتے تھے۔ وہ ڈسپلن کی سختی سے پابندی کرتے اور ہمیں انگریزی پڑھنے کے اس گھنٹے کے دوران ایسا طرزِ عمل اختیار کرنا پڑتا تھا گویا ہم سکول میں اپنی جماعت میں ہوں۔

ہم بچوں کو اپنے والد بہت بڑے آدمی نظر آتے تھے، ایک ایسے بڑے آدمی جو نہایت اچھی انگریزی بول سکتے تھے۔ ہم ان پر رشک کیا کرتے اور ہماری بڑی خواہش ہوتی تھی کہ ہم بھی ان کی طرح عمدہ انگریزی میں بات کر سکیں۔ کبھی کبھی جب ہم تینوں بہنیں مل بیٹھتیں اور شرارت کے موڈ میں ہوتیں تو ہم اپنے والد کی انگریزی کی نقل، اتارا کرتیں۔

ہم میں سے ایک کہتی: ''اش فش، اش فش، یس''

اور دوسری جواب دیتی: ''اش فش، اش فش، نو۔''

ہم کھیل نہایت سنجیدگی سے کھیلا کرتیں اور جھوٹ موٹ یوں ظاہر کرتیں گویا ہم پہلے ہی انگریزی پر عبور حاصل نہیں کر چکیں تو اسے سیکھنے کے مرحلے تک ضرور پہنچ چکی ہیں۔

میری والدہ کے ہاں پہلا بچہ ایک لڑکا تھا۔ اس روز اتوار تھا اور تاریخ 25 دسمبر 1876ء۔ بچہ کمزور اور لمبوترا تھا۔ والدین اس کی صحت کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ بچے کا وزن بھی معمول سے کئی پونڈ کم تھا۔ اُنہوں نے بچے کا ایک ڈاکٹر سے معائنہ کرایا جس نے بتایا کہ ظاہری کمزوری کے سوا بچے کی صحت یا اعضاء میں کوئی نقص نہیں اور یہ کہ والدین کو اس کی صحت کے بارے میں زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے مگر ایک ڈاکٹر کی خالی خولی یقین دہانی سے ایک شفیق ماں کے خدشات اور تشویش کیونکر ختم ہو سکتی تھی؟

بہرحال اس کے بعد بچے کا نام رکھنے کا سوال پیدا ہوا۔ کاٹھیاواڑ میں آباد ہمارے خاندان کے مردوں کے نام بڑی حد تک ہندوؤں کے ناموں سے مشابہ تھے مگر سندھ ایک مسلم صوبہ تھا اور یہاں آس پڑوس میں آباد لوگوں کے بچوں کے نام مسلمانوں جیسے تھے۔ والدین کا اتفاق اس پر ہوا کہ ان کے پہلے بیٹے کا نام محمد علی مناسب رہے گا چنانچہ اُنہوں نے اپنے بچے کا نام یہی رکھا۔

میری والدہ، محمد علی سے انتہائی محبت کرتی تھیں اور اس حقیقت کے باوجود کہ اُنہوں نے بعد ازاں چھ اور بچوں کو جنم دیا وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک محمد علی سے سب سے زیادہ پیار کرتی رہیں۔ رحمت، مریم، احمد علی، شیریں، فاطمہ اور بندے علی ان کے دیگر بچے تھے۔ ان کے کل بچوں میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔

میرے والد کے کندھوں پر پھیلتے ہوئے کاروبار کی بھاری ذمہ داریاں تھیں مگر میری والدہ کا اصرار تھا کہ محمد علی کو ہمارے آبائی گاؤں پانیلی سے دس میل کے فاصلے پر واقع ایک گاؤں میں حسن پیرؒ کی درگاہ پر لے جا کر ان کی رسم عقیقہ وہاں ادا کی جائے۔ یوں والدین نے کراچی سے ویراول (بندرگاہ) جانے والی ایک بادبانی کشتی میں اپنی نشستیں بک کروا لیں۔ نازک سی کشتی جو مسافروں کے بوجھ سے بری طرح لدی ہوئی تھی، طوفان میں پھنس گئی اور کھلے سمندر میں لکڑی کے تختے کی طرح ڈگمگانے لگی۔ کشتی میں



لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن قائداعظم محمد علی جناحؒ کو اختیارات سونپتے ہوئے۔ محترمہ فاطمہ جناحؒ بھی ہمراہ کھڑی ہیں۔ 14اگست 1947ء

موجود لوگ خوف و ہراس میں مبتلا تھے۔ ایسے موقعوں پر گھبراہٹ بہت تیزی سے پھیلا کرتی ہے۔

میرے والد سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے اور سوچتے کہ نہ جانے یہ طوفان کب تھمے گا؟ میری والدہ اپنے بیٹے کو سینے سے لگائے کشتی کے مسافروں کا سفر بخیر و عافیت ختم ہونے کی دعائیں کر رہی تھیں جن میں ان کا لاڈلا بیٹا محمد علی بھی شامل تھا۔ طوفان کے بعد سمندر پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہو گیا اور کشتی بآسانی اپنی منزل کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ کئی روز بعد میری والدہ نے والد کو بتایا کہ پریشانی کے ان لمحات کے دوران اُنہوں نے منت مانی تھی کہ اگر وہ بحفاظت اپنی منزل پر پہنچ گئے تو گاؤں میں حسن پیر کے مزار پر مزید ایک روز قیام کریں گی اور اللہ تعالیٰ کی اس رحمت پر ہدیہ تشکر پیش کریں گی۔

کشتی ویراول بندرگاہ پر لنگر انداز ہوئی اور وہ بخیر و عافیت خشکی پر قدم رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ گاؤں تک چند میل کا فاصلہ طے کرنے کے لیے اُنہوں نے ایک بیل گاڑی کرائے پر لے لی۔ بحیرۂ عرب میں ایک طوفانی سفر اور ہچکولے کھاتی ہوئی بادبانی کشتی کی سواری کے بعد یہ لوگ بالآخر اپنی منزل پر جا پہنچے اور اب میرا ننھا بھائی محمد علی اپنی والدہ کی آغوش اور بے شمار رشتہ داروں کے ہجوم میں گھرا حسن پیر کی درگاہ پر سر منڈانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ اس طرح میری والدہ کی منت پوری ہو گئی۔

حسن پیر کی درگاہ پر عقیقہ کی رسم سرانجام دینے کے بعد میرے والدین بالوں سے صاف سر والے ننھے منے بیٹے کو لے کر اپنے آبائی گاؤں پانیلی آ گئے۔ میری والدہ نے اپنے چہیتے بیٹے کی ولادت کی خوشی منانے کے لیے ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں پورے گاؤں کو رات کے کھانے پر بلایا۔ اپنے بچپن کے دنوں میں مَیں نے اپنے بزرگوں سے سنا: ''اس روز پانیلی کے کسی ایک گھر میں بھی چولہا نہیں جلایا گیا تھا۔ گھروں میں کھانے پکانے کے برتن اور کھانا کھانے کی پلیٹیں بدستور باورچی خانوں کے طاقچوں میں یوں پڑی رہیں گویا یہ بھی اپنی اپنی جگہوں پر آرام کرتے ہوئے ننھے محمد علی کی پیدائش کی خوشی منا رہی ہوں جو پانیلی کے ایک دیہاتی کا بیٹا تھا۔''

میرے والد بود و باش اور روپے پیسے کے معاملے میں محتاط تھے۔ ایک تاجر جو ایک نئے شہر میں پاؤں جمانے کے لیے جدوجہد کر رہا تھا، اسے چھوٹی چھوٹی رقوم کے معاملے میں محتاط ہونا ہی چاہیے تھا۔ ہمارا گھرانہ سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ شان و شوکت کی کمی کو ایک خوش و خرم زندگی کے تپاک سے پورا کیا جاتا۔ جب میرے والد کا کاروبار کافی پھیل گیا تب بھی بے مصرف کاموں پر روپیہ خرچ نہ کرنے کی ان کی عادت برقرار رہی۔ دولت آنی جانی چیز ہے، یہ آج آپ پر مہربان ہو سکتی ہے مگر کون جانتا ہے کہ کل اس کا موڈ کیا ہو گا؟ میرے والد نے اسی اصول کے تحت گھر کا بجٹ چلایا۔ جب ہم لوگ بڑے ہوئے تو اس بات کا ہمارے ذہنوں پر بڑا گہرا اثر موجود تھا۔ قائداعظمؒ کی زندگی کا یہ انداز ایسا تھا جو ہمیشہ برقرار رہا۔

محمد علی جناح جب چھ سال کے ہوئے تو میرے والدین نے انہیں گھر ہی پر گجراتی پڑھانے کے لیے ایک استاد کی خدمات حاصل کر لیں۔ ان کا خیال تھا کہ بیٹا ابھی بہت چھوٹا ہے اور سب سے قریبی سکول بھی ہمارے گھر سے کافی فاصلے پر تھا۔ یہ فاصلہ اتنا تھا

کہ والدین کے خیال میں چھ سال کا بچہ اسے پیدل طے کرنے کے قابل نہیں تھا۔

محمد علی کو پڑھنے کے لیے جو سبق دیا جاتا وہ اس سے لاپرواہ سے رہتے۔ وہ قطعی طور پر جمع تفریق کی حسابی دنیا میں داخل ہونے کے لیے تیار نہیں تھے یوں استاد کے ساتھ ان کا وقت ناگوار مجبوری کی حالت میں گزرتا۔ اس کے برعکس جب وہ پڑوسی لڑکوں کے ساتھ کھیل میں مشغول ہوتے تو زیادہ خوش و خرم رہتے اور زیادہ بے تکلفی سے کام لیتے۔ ان لڑکوں میں انہیں کھیلوں میں مہارت رکھنے والے بچے کی شہرت حاصل تھی۔ ان کے ساتھی بچے اپنے بچگانہ ذہنوں میں انہیں اپنا رہنما تصور کرتے اور محمد علی نے بھی محسوس کرنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے بہتر ہیں۔

جب وہ نو سال کے ہوئے تو انہیں پرائمری سکول میں داخل کرا دیا گیا جہاں امتحان کے وقت انہیں اپنے ہم جماعت طلبا کے ساتھ پڑھائی میں مقابلہ کرنا پڑا، انہیں یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ سکول میں دوسرے لڑکوں نے ان سے زیادہ نمبر حاصل کر کے انہیں شکست دے دی، کھیلوں میں وہ دوسرے لڑکوں کو شکست دے دیا کرتے تھے مگر اب انہیں معلوم ہوا کہ وہ اپنی کلاس میں اول پوزیشن کے مالک نہیں، سکول جانے کے بعد انہیں کھیل کے اوقات میں سے کئی گھنٹے پڑھائی کے لیے نکالنے پڑے تھے اور سکول میں اتنا وقت رہ کر بھی انہیں بہترین طالب علم کی حیثیت حاصل نہیں ہو سکی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں کتابوں اور سکول سے گریز کی عادت پیدا ہو گئی جس نے میرے والد کو پریشان کر دیا، وہ اپنے بیٹے کو مناسب تعلیم دلوانا چاہتے تھے تا کہ وہ میٹرک کرنے کے بعد کاروبار میں شامل ہو سکے، میری والدہ جنہیں محمد علی کی طالع بختی پر اندھا اعتماد تھا، اکثر کہا کرتی تھیں ''میرا محمد علی بہت بڑا آدمی بنے گا وہ بہت دانا اور ہوشیار ہے۔'' مگر اب انہیں اپنے خواب ٹوٹ کر زمین پر بکھرتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

ماں نے بیٹے کو پیار سے سمجھایا کہ وہ باقاعدگی سے سکول جایا کرے اور تعلیم کی جانب سنجیدگی سے توجہ دے کیونکہ صرف اسی طرح وہ زندگی میں آگے بڑھ سکتا ہے اور ایک بڑا آدمی بن سکتا ہے جو دوسروں سے بلند و برتر اور ممتاز ہو گا، اس معاملے پر شدید رنجیدہ ہونے کے باوجود والد نے ان کے ساتھ بدستور صبر اور نرمی سے کام لیا اور ان سے کہا کہ وہ اپنی کتابوں پر پوری طرح توجہ نہیں دے رہے۔

ننھے محمد علی نے کہا:

''ابا جان! مجھے سکول جانا اچھا نہیں لگتا میں آپ کے ساتھ دفتر میں بیٹھ کر سکول کی نسبت زیادہ بہتر کام کروں گا۔''

میرے والد ہوشیا آدمی تھے انہوں نے یہ کہتے ہوئے بیٹے کو ترغیب دینے کی کوشش کی:

''محمد علی! میرے دفتر کا نظم وضبط بہت سخت ہے۔ تمہیں میرے ساتھ صبح آٹھ بجے دفتر جانا پڑے گا۔ دوپہر کے کھانے کے لیے ہم دو سے چار بجے تک گھر واپس آئیں گے پھر دوبارہ ہمیں چار سے نو بجے رات تک دفتر میں رہنا ہو گا۔''

''مجھے اس کی پرواہ نہیں۔''

یوں محمد علی میرے والد کے ساتھ شریک کار ہو گئے۔

جلد ہی انہیں اندازہ ہوگیا کہ وہ دفتر میں کام کرنے کے قابل نہیں، ہر کام کا تعلق لکھنے پڑھنے سے تھا۔وصول اور ادا کی جانے والی رقوم رجسڑوں اور کھاتوں میں درج کی جاتی تھیں اور انہیں نہ پڑھنا لکھنا آتا تھا اور نہ حساب کتاب، دفتر میں وہ صرف چھوٹے موٹے کام کر سکتے تھے جنہیں وہ پسند نہیں کرتے تھے۔اس کے علاوہ مال کی خرید وفروخت اور دوسرے اہم امور کے متعلق فیصلے ہمارے والد اپنے کاروباری مشیروں یا کارندوں کے مشورے سے خود کرتے تھے۔

سب سے پریشان کن بات یہ تھی کہ دفتر میں بیٹھنے سے وہ اپنے پسندیدہ کھیلوں سے یکسر الگ تھلگ ہو کر رہ گئے تھے۔چنانچہ صرف دو ماہ کے اندر ہی وہ دفتر کے کام سے اکتا گئے اور ایک روز انہوں نے میرے والد کو یہ کہہ کر حیران کر دیا ''ابا جان، مجھے دفتر میں کام کرنا پسند نہیں ہے، میں واپس سکول جانا چاہتا ہوں۔''

میرے والد بہت خوش ہوئے مگر انہوں نے اپنی خوشی کو چھپائے رکھنا ہی بہتر سمجھا۔انہوں نے کہا:

''دیکھو بیٹا! زندگی کو سمجھنے کے دو ہی راستے ہیں۔ایک یہ کہ آپ اپنے بزرگوں کی دانش اور تجربے پر بھروسہ کریں، ان کی نصیحت قبول کریں اور ان کے مشورے کے عین مطابق عمل کریں۔دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ خود اپنے راستے پر چلیں غلطیاں کر کے ان سے سبق سیکھیں اور زندگی کی شدید اور تکلیف دہ ٹھوکروں اور مشکلات سے زندگی کو سمجھیں۔''

نوخیز محمد علی اپنے والد کی باتوں کو پورے انہماک سے سنتے رہے۔یہ واقعہ قائد کے اس وصف کی وضاحت کرتا ہے کہ وہ زندگی بھر کیوں اپنے راستے پر چلنے کو ترجیح دیتے رہے؟

اس بار محمد علی جب اسکول گئے تو وہ ایک بالکل بدلا ہوا بچہ تھا۔اب وہ لاتعلق، غیر متوجہ اور اپنے ہم جماعتوں سے کسی طرح بھی پیچھے نہ رہے، وہ اپنے ضائع شدہ وقت کی تلافی کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کے ہم عمر بلکہ ان سے چھوٹے لڑکے بھی پڑھنے لکھنے میں اب تک ان سے آگے نکل گئے تھے۔

وہ اپنے اسباق انتہائی محنت سے یاد کرتے اور رات گئے تک پڑھتے رہتے۔ وہ آگے بڑھنے کا عزم کر چکے تھے۔

میرے والد محمد علی کی سنجیدگی سے پڑھائی پر توجہ دینے سے بہت خوش تھے۔ایک روز سرراہ ان کی ملاقات اپنے بیٹے کے استاد سے ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ ان کا بیٹا پڑھائی میں کیسا جا رہا ہے؟

استاد نے کہا:

''وہ بہتر ہوتا جا رہا ہے مگر میں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کا بیٹا حساب میں بہت کمزور ہے۔''

میرے والد کو بے حد مایوسی ہوئی۔ان کا پہلے ہی خیال تھا کہ ان کا بیٹا غیر معمولی ذہانت یا اوصاف کا مالک نہیں ہے اور ان کے لیے قبل از وقت سہارے کا باعث نہیں بن سکے گا۔ان کا خیال تھا کہ سخت محنت کے بل پر وہ امتحان میں کامیابی تو حاصل کر لے گا مگر اس کے بعد دفتری کلرکوں کے گمنام عہدوں میں گم ہو کر رہ جائے گا۔ میرے والد چاہتے تھے کہ محمد علی حساب میں طاق ہو کیونکہ کاروبار میں حساب کتاب ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔وہ چاہتے تھے کہ جب ان کا بیٹا ان کا کاروبار سنبھالے تو ان کی فرم جناح پونجا اینڈ کمپنی ایک فعال کاروباری ادارے کی طرح آگے ہی آگے بڑھتی رہے۔ میرے والد

سوچنے لگے ”حساب میں کمزور حیرت ہے۔ یہ لڑکا آخر کیا بنے گا۔“

لیکن محمد علی پر میری والدہ کا اعتماد غیر متزلزل تھا۔ وہ کہتیں:

”تم دیکھنا تو سہی میرا محمد علی بہت اچھے کام کرے گا اور بہت سے لوگ اس سے حسد کرنے لگیں گے۔“

میرے والد نے فیصلہ کیا کہ اپنی بیوی کے وجدان پر چلنے کے بجائے انہیں وہ کام کرنا چاہیے جو بظاہر میرے بھائی کے بہترین مفاد میں ہے۔ انہوں نے اسے اپنے گھر سے دور کسی دوسرے سکول میں بھجوانے کا فیصلہ کیا، کیونکہ کھارادر کے پرائمری سکول میں ان کے ہم جماعتوں کے ساتھ میل جول سے ان پر منفی اثرات بھی مرتب ہوئے تھے۔ یہ لڑکے محمد علی کو ہمیشہ کتابیں چھوڑ کر گولیاں، لٹو، گلی ڈنڈا اور کرکٹ کھیلنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے چنانچہ والد نے فیصلہ کیا کہ محمد علی کو نیونہم روڈ پر واقع اپنے گھر سے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر موجود سندھ میں مسلمانوں کے واحد سکول سندھ مدرستہ الاسلام میں داخل کرا دیا جائے۔

محمد علی کو سندھ مدرستہ الاسلام میں 4 جولائی 1887ء کو گجراتی کی چوتھی جماعت میں داخل کرایا گیا تو ان کی عمر تقریباً دس برس تھی۔ سکول کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ سکول میں داخل کیے جانے والے لڑکوں میں ان کا نمبر 114 تھا لیکن سکول کی تبدیلی سے محمد علی میں تعلیم کی جانب رجحان میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور بدستور سکول میں تعلیم کے میدان میں کامیابی حاصل کرنے کی بجائے کھیل کے میدان میں کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔

انہی دنوں اتفاق سے میرے والد کی اکلوتی بہن مان بائی بمبئی سے کراچی آئی ہوئی تھیں۔ ہم انہیں مان بائی پوفی (پھوپی) کہا کرتے تھے۔ وہ نہایت زندہ دل شگفتہ مزاج اور مزاحیہ طبیعت کی مالک تھیں۔ میرے والد اپنی بہن سے بے حد محبت کرتے تھے اور مان بائی بھی اپنے سب سے چھوٹے بھائی جناح پر جان چھڑکتی تھیں۔ دونوں کے درمیان بہت محبت تھی اور یہ ان کے آخری دنوں تک بدستور قائم رہی۔ جب میں قائداعظمؒ کے ساتھ اپنی چالیس سالہ رفاقت پر نظر ڈالتی ہوں تو مجھے بے ساختہ دوستی اور خلوص کے وہ رشتے یاد آ جاتے ہیں جو میرے والد اور ان کی بہن کے درمیان قائم تھے۔

ایک روز میرے والد والدہ اور مان بائی پوفی سر جوڑ کر بیٹھے کہ آخر محمد علی جناح کا کیا کیا جائے؟ ان کی عمر دس سال ہو چکی تھی اور ابھی تک انہوں نے گجراتی کی چوتھی جماعت بھی پاس نہیں کی تھی۔ مان بائی نے تجویز پیش کی کہ وہ اسے اس امید پر اپنے ساتھ بمبئی لے جائیں گی کہ شاید ماحول کی تبدیلی سے ان کا دل پڑھائی کی طرف مائل ہو جائے۔ میری والدہ کو اس تجویز پر راضی کرنے کی کوشش کی گئی اور انہوں نے بادل نخواستہ اس کی اجازت دے دی۔ اس طرح محمد علی مان بائی پوفی کے ہمراہ چلے گئے۔

محمد علی کو بمبئی کے انجمن الاسلام سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ کچھ عرصے تک محمد علی نے اپنی درسی کتابوں پر سنجیدگی سے توجہ دی چنانچہ انہوں نے گجراتی کی چوتھی جماعت پاس کر لی اس طرح وہ انگریزی کی پہلی کلاس میں داخلہ لینے کے اہل ہو گئے لیکن ادھر والدہ کا اپنے چہیتے بیٹے کی جدائی میں برا حال تھا بالآخر ماں

کی محبت باپ کی منطق پر غالب آ گئی اور محمد علی بمبئی سے کراچی واپس آ گئے۔

اس وقت تک محمد علی جناح کو جنون کی حد تک گھڑ سواری کا شوق ہو چکا تھا۔ میرے والد کے پاس سواری کے لیے کئی بگھیاں تھیں جو اس زمانے کے مطابق سواری کا ایک رئیسانہ ذریعہ تھیں۔ موٹر کاروں کا دور ابھی بہت دور تھا۔ میرے والد کے اصطبل میں کئی شاندار گھوڑے تھے۔ محمد علی نے جلد ہی گھڑ سواری سیکھ لی، وہ اس کھیل سے بے حد محظوظ ہوتے تھے۔

محمد علی اپنے گھوڑوں سے پیار کرتے تھے جو گردنیں تان کر سیدھے کھڑے ہوتے اور طاقت اور خود اعتمادی کے مظہر ہوتے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ فطرت کے قاعدے کے مطابق زندگی ہمیشہ عمودی خطوط پر استوار ہوتی ہے۔ گھوڑے سیدھے اور تن کر کھڑے ہوتے ہیں۔ درخت بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ شاخوں پر پھول عموداً کھلتے ہیں انسان سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے۔ انہوں نے زندگی میں یہ اصول بنا لیا کہ وہ نہ صرف سامنے دیکھیں گے بلکہ اپنا سر بھی بلند رکھیں گے۔ وہ مشکلات کے آگے نہیں جھکیں گے بلکہ ان کا چیلنج قبول کر کے ان پر قابو پا لینے کی جدوجہد کریں گے۔ وہ صنوبر جیسے اونچے درخت کی مانند بنیں گے کہ طوفان جسے چھو سکتے ہیں مگر جھکا نہیں سکتے۔

تبدیلی کی جانب ان کا رجحان ایک بار پھر غالب آیا اور انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ وہ انہیں کسی دوسرے سکول میں داخل کرا دیں۔ ان کی اگلی درس گاہ لارنس روڈ کراچی پر واقع سی۔ ایم۔ ایس ہائی سکول تھی۔ مگر انہیں یہ سکول زیادہ پسند نہیں آیا۔ ایک بار پھر انہوں نے والد سے درخواست کی کہ انہیں واپس سندھ مدرسہ میں داخل کرا دیا جائے۔ چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق ایک ماہ بعد 9 فروری 1891ء کو انہیں تیسری مرتبہ سندھ مدرسہ میں انگریزی کی چوتھی کلاس میں داخل کرا دیا گیا۔ اب ان کی عمر پندرہ برس ہو چکی تھی اور میرے والد اپنے بیٹے کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہونے لگے تھے۔ انہیں حیرت ہوتی تھی کہ آخر ان کا بیٹا کیا بنے گا؟

اس دوران میرے والد کے دوست اور گراہمز ٹریڈنگ کمپنی کے انگریز جنرل منیجر نے پیش کش کی کہ وہ محمد علی کو اپنی فرم کے صدر دفتر میں تین سال کی کار آموزی (اپرنٹس) کے طور پر لندن بھجوا دیتا ہے۔ میرے والد اس تجویز پر خوش ہوئے حالانکہ بیٹے کو اس قسم کی تربیت دلانے سے فوری فائدے کی امید نہیں تھی اور خرچہ کافی تھا۔

تاہم انہیں یقین تھا کہ لندن میں بھرپور عملی تجربے کے بعد ان کا بیٹا خاندانی کاروبار میں یقیناً چند نئی اور منافع بخش راہوں کا اضافہ کرے گا مگر میری والدہ اپنے لاڈلے کو تین سال کے لیے جدا نہیں کر سکتی تھیں۔ والد صاحب کی طویل جدوجہد کے بعد آخر کار وہ رضا مند ہو گئیں لیکن انہوں نے شرط رکھی کہ محمد علی شادی کر کے جائے۔ یوں میرے بھائی کی شادی ایمی بائی سے ہوئی۔

شاید قائداعظمؒ نے اپنی زندگی کا یہ واحد اہم فیصلہ کسی دوسرے کو کرنے کی اجازت دی۔ وہ اپنی والدہ سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ ان کی بات سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ انہیں اپنے والد کی دنیاوی معاملات

میں فہم وفراست پر اتنا بھروسہ تھا کہ انہیں یقین تھا کہ وہ شاید ہی کوئی غلطی کریں گے۔اس زمانے کے دستور کے مطابق انہوں نے ایک فرمانبردار بیٹے جیسے طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا اور اپنے والدین کا فیصلہ قبول کر لیا۔ایمی بائی پانیلی میں ہمارے دور کے رشتے دار کی بیٹی تھیں اور سن بلوغ کو پہنچ چکی تھیں۔

شادی پانیلی میں ہوئی۔جب میرے والد کو پانیلی آئے چار ہفتے گزر گئے تو وہ کراچی میں کاروبار کے متعلق فکر مند ہونے لگے۔ان کی جانب سے بے صبری گھبراہٹ کا اظہار ہونے لگا اور انہوں نے فیصلہ سنا دیا کہ وہ جلد از جلد کراچی واپس جانا چاہتے ہیں۔مگر سماجی رسوم کی اپنی ایک طاقت ہوا کرتی ہے اور خاص طور پر اس پرانے زمانے میں ایک دور افتادہ گاؤں میں یہ اور بھی کڑی تھیں، معاشرتی رسوم ورواج کو توڑنا مقدس مذہبی روایات کو پامال کرنے کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔

میرے بھائی کے سسرال والے روایات کی سختی سے پیروی کرنے والے لوگ تھے۔انہوں نے یہ بات شائستگی مگر پوری شدت کے ساتھ اپنے سمدھی، جناح بھائی پر واضح کر دی تھی کہ ان کی بیٹی دلہن بننے کے بعد ان کے گھر میں اگر تین ماہ تک ممکن نہ ہو تو کم از کم ایک ماہ تک قیام ضرور کرے گی، اس کے بعد ہی اسے اس کے دولہا کے ساتھ کراچی جانے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

میرے والد کے لیے اتنا عرصہ پانیلی میں قیام کرنا ممکن نہیں تھا۔ادھر میری والدہ اپنے شوہر کو تنہا کراچی واپس جانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں تھیں، البتہ محمد علی پانیلی میں انتظار کر سکتے تھے یہاں تک کہ ان کے سسرال والے انہیں ان کی دلہن کو کراچی لے جانے کی اجازت دے دیتے مگر میرے بھائی بھی والدین کے ساتھ ہی کراچی واپس جانے کو بے تاب تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ شادی کے بندھن سے باہم وابستہ ہونے والے دونوں خاندان کئی روز تک باہم مل بیٹھ کر مسئلے کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر اختلافات ختم نہ ہوئے۔انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی لاینحل معاملے میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔اس تمام گفت وشنید کے دوران محمد علی خاموش رہے۔ان کی حیثیت اکھاڑے کے باہر بیٹھنے والے شخص کی سی تھی جس کے اندر خاندانی جھگڑے کو نمٹانے کے لیے کوشش کی جا رہی تھی، مگر جب انہیں یقین ہوا کہ بات چیت تعطل کا شکار ہوگئی ہے تو انہوں نے صورت حال نمٹانے کا کام خود سنبھال لیا۔

محمد علی والدین کو بتائے بغیر سسرال والوں سے ملنے چلے گئے۔ان لوگوں نے رسم ورواج کے مطابق اپنے داماد کا گرمجوشی سے خیر مقدم کیا اور ان کی خوب خاطر و مدارت کی۔انہیں بتائے بغیر کہ وہ کس مقصد کے لیے ان کے پاس آئے ہیں، محمد علی ان کے ساتھ کچھ دیر تک بیٹھے رہے۔ان کے سسرال والوں نے یقیناً سوچا ہوگا کہ ان کا داماد کتنا مہذب خاموش طبع اور فرمانبردار ہے۔ استقبال اور خوش آمدید وغیرہ کی رسومات مکمل ہو جانے کے بعد محمد علی نے نہایت پختہ لہجے میں بات کا آغاز کیا۔

انہوں نے کہا:

''میرے والدین پانیلی میں مزید قیام نہیں کر سکتے انہیں لازمی طور پر کراچی واپس جانا ہے میں بھی ان

کے ساتھ ہی اپنی دلہن کے ساتھ جاؤں گا۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ اگر آپ کو کوئی اعتراض ہے تو آپ اپنی بیٹی کو اپنے پاس رکھ سکتے ہیں اور جب چاہیں کراچی بھجوا سکتے ہیں۔''

دلہن کے والدین اس نوجوان کی بے باکانہ گفتگو پر حیران رہ گئے۔ انہوں نے اپنے داماد کو حیرت سے پھٹی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔اس کے غیر متوقع طور پر مضبوط لہجے اور صاف گوئی پر انہیں بہت اچنبھا ہوا تاہم محمد علی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ''وہ جلد ہی تین برس کے لیے کراچی سے یورپ روانہ ہو جائیں گے۔شاید دلہن کے والدین اسے اس کے شوہر کی عدم موجودگی میں کراچی بھیجیں اور اسے تین سال تک ان کی انگلینڈ سے واپسی کا انتظار کرنا پڑے گا۔''

نوجوان بیٹا اس مسئلے کو سلجھانے میں کامیاب ہو چکا تھا جس میں اس کے والدین کو ناکامی ہوئی تھی۔اگلے ہی روز محمد علی کے سسر اور خوش دامن میرے والدین سے ملنے آئے اور بڑی فکرمندی سے پوچھا کہ وہ ایمی بائی کو کب کراچی لے جانا چاہتے ہیں تاکہ وہ اس کی رخصتی کے لیے ضروری انتظامات کر سکیں۔دونوں خاندانوں کے درمیان اختلافات اور تلخی کی جگہ خیر سگالی کی فضا بحال ہو چکی تھی۔

ہمارے خاندان کی روایت کے مطابق ایمی بائی کو اپنے سسر کے سامنے آنے کے لیے ہر بار گھونگھٹ نکالنا تھا، یہ عمل خاوند کے خاندان کے بڑوں کے احترام کی علامت ہوتا تھا مگر اس قسم کے معاملات کے بارے میں محمد علی کے اپنے نظریات تھے۔ان کی بیوی ان کے والدین کی بہو ہونے کے ناتے ان کی بیٹی کی سی حیثیت رکھتی تھی اب وہ ان کے خاندان ہی کی ایک فرد تھی اور صرف اس بنیاد پر بڑوں کے سامنے آنے کے لیے گھونگھٹ نکالنے کا تکلف کرنا کہ ان کی دادی یا نانی ایسا کیا کرتی تھیں،محمد علی کے نزدیک غیر ضروری تھا۔میرے والد نے بھی اپنے نوجوان بیٹے کے خیالات کی تائید کی۔اس روز سے ایمی بائی نے صدیوں پرانی یہ روایت ترک کر دی جو ہمارے خاندان میں نسل در نسل چلی آ رہی تھی۔

میری والدہ بیٹے سے تین برس کی جدائی کے تصور ہی سے کھوئی کھوئی رہتی تھیں۔ان کے لیے یہ بہت طویل عرصہ تھا مگر انہوں نے اس جدائی کو محمد علی کی بہتری کے خیال سے قبول کر لیا تھا۔

انہوں نے فرزند عزیز سے کہا:

''میرے بیٹے! میں تم سے جدا ہونا پسند نہیں کرتی مگر مجھے یقین ہے کہ انگلینڈ جا کر تم بہت بڑے آدمی بن جاؤ گے۔یہ میری زندگی کا خواب ہے۔''

ان کا بیٹا خاموشی سے ماں کی باتیں سنتا رہا۔ماں نے مزید کہا:

''محمد علی! تم ایک طویل سفر پر جا رہے ہو۔ایسے محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں انگلینڈ سے واپس آتا دیکھنے کے لیے زندہ نہیں رہوں گی۔''

اور اس کے بعد وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگیں۔

محمد علی نے جذباتی ہو کر والدہ کو گلے لگا لیا۔

میری والدہ نے بیٹے کو الوداع کہا:

''محمد علی! خدا تمہاری حفاظت کرے گا۔ وہ میری خواہش کو ضرور پوری کرے گا۔تم بڑے آدمی بنو گے اور مجھے تم پر فخر ہو گا۔''

(ماہنامہ نظریہ پاکستان، اشاعت دسمبر 2013ء)

قائداعظم کا خطاب

جب سے یہ دنیا معرض وجود میں آئی ہے سینکڑوں ایسی شخصیات نے جنم لیا جنہوں نے دنیا کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور نہ صرف اپنے ہم وطنوں میں نام پیدا کیا بلکہ دنیا بھر میں معروف ہوئے لیکن قائداعظم محمد علی جناح کا لقب کسی کو بھی نہ ملا۔ ان میں ایک شخصیت قائداعظم کی تھی۔

انگریز قائداعظم کو سر کا خطاب دینا چاہتے تھے لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے اس سے انکار کر دیا، تاہم آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ منعقدہ لکھنو میں جب موچی دروازہ لاہور کے ایک عوامی کارکن میاں فیروز الدین احمد نے محمد علی جناح کے لیے قائداعظم کا نعرہ لگایا تو فضا قائداعظم زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔

تحریک پاکستان کے دوران میں ہندو لیڈر قائداعظم محمد علی جناح کی مقبولیت سے سخت پریشان تھے۔ لاہور کے ہندو اخبارات مسلم دشمنی اور حسد و رشک کی آگ میں جل رہے تھے انہوں نے قائداعظم کے لفظ کو کائداعظم میں بدل دیا اور اس کے جواب میں مسلم اخبارات نے بھی مہاتما گاندھی کو مہاطمع گاندھی لکھنا شروع کر دیا۔ جس کا شدید ردعمل ہوا اور ہندو پریس کو مجبوراً قائداعظم کا صحیح تلفظ لکھنا پڑا۔ لفظ قائداعظم محمد علی جناح سب سے پہلے دہلی کے سہ روزہ اخبار الامان نے استعمال کیا۔ یہ اخبار کانپور سے میاں مظہر الدین کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔

قائداعظم کا خطاب کس نے دیا یہ بھی ایک متنازعہ مسئلہ ہے۔ جامعہ ملیہ ملیر کا ایک ماہنامہ ''ستارہ'' جنوری 1972ء کی اشاعت میں صفحہ نمبر 39 پر تحریر کرتا ہے:

''محمد علی جناح کا لقب قائداعظم لاہور کے میاں فیروزالدین مرحوم نے دیا تھا۔''

جب کہ دوسری روایت یہ ہے:

''قائداعظم کا خطاب سب سے پہلے کانپور کے میاں مظہرالدین نے اپنے مشہور اخبار الامان کے ذریعہ دیا ہے۔''

قائداعظم کا خطاب (سرکاری)

12 اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے کراچی میں قائداعظم محمد علی جناح کو قائداعظم کا خطاب دیا تھا۔ اس ضمن میں 16 اکتوبر 1987ء کو پنجاب اسمبلی نے بیگم بشریٰ رحمان کی ایک قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کر لیا جس میں کہا گیا تھا:

''صوبائی حکومت مرکزی حکومت سے اس امر کی سفارش کرے کہ چونکہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی نے سرکاری طور پر قائداعظم کو قائداعظم کا خطاب دیا تھا اس لیے 12 اگست کا دن قومی سطح پر منانے کے لیے تقاریب تقسیم انعامات و ایوارڈز میں سے کوئی سرکاری تقریب 12 اگست کو رکھی جائے، تاکہ اس دن کی اہمیت قوم پر واضح ہوتی رہے۔''

بیگم شاہدہ ملک نے قرارداد میں اپنی اس ترمیم پر زور نہیں دیا کہ 12 اگست کو عام تعطیل کا اعلان کیا جائے۔ بیگم بشریٰ رحمٰن نے اپنی قرارداد میں مزید کہا:

''پنجاب کو فخر ہے کہ چودھری رحمت علی نے پاکستان کا نام رکھا اور میاں فیروز الدین نے محمد علی جناح کو قائداعظم کا خطاب دیا۔''

جناح کیپ کو بھی اعزاز کے طور پر استعمال کرنے کو کہا گیا۔

قائداعظم کا دورہ کشمیر

عبدالرافع رسول اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:

''بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی کے ساتھ ابتداء سے ہی حد درجہ دلچسپی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جدوجہد کے ہر دور میں انہوں نے کشمیری مسلمانوں کی نہ صرف رہنمائی بلکہ عملی مدد بھی کی، حتیٰ کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی وہ کشمیر کو نہیں بھولے۔ 1947ء میں جموں کے مسلمانوں کی عظیم شہادت جس کے دوران راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندو مہاسبھا وغیرہ کے خونخوار دہشت گردوں نے مہاراجائی فوج اور سول افسروں کی عملی مدد سے تقریباً اڑھائی لاکھ مسلمانوں کو شہید کیا اور شیخ محمد عبداللہ کی کانگریس نوازی نے انہیں بے کل کر دیا تھا جس کے نتیجے میں ان کی صحت پر بھی برا اثر پڑا۔ کشمیر کے ساتھ قائداعظم کی وابستگی کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی سیاست میں سرتا پا شمولیت اور پیشہ ورانہ مصروفیات کے باوجود انہوں نے متعدد بار کشمیر کے دورے کیے۔ اپنی زندگی میں وہ کتنی بار کشمیر آئے اور پہلی بار کب آئے، اس بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن اکثر تاریخ نویسوں کا کہنا ہے کہ وہ صرف تین بار کشمیر آئے۔ پہلا دورہ 1926ء میں کیا جبکہ ایک اور قابل قدر کشمیری قلمکار رشید ملک کا بیان ہے کہ انہوں نے 1928ء میں کشمیر کا پہلا دورہ کیا۔ آزاد کشمیر کے سابق جسٹس محترم یوسف صراف کا کہنا ہے کہ قائداعظم کا پہلا دورہ 1925ء اور 1928ء کے درمیان ہوا اور یہ دورہ مشہور ٹریول ایجنسی thomas Cook نے ترتیب دیا تھا اور پہلے پڑاؤ کے طور پر قائداعظم محمد علی جناح ممبئی سے راولپنڈی پہنچے۔ وہاں انہوں نے Flashman ہوٹل میں قیام کیا اور پھر وہاں سے وائرلیس موٹر کمپنی کے مالک آغا غلام جیلانی کی ذاتی کار میں وارد سری نگر ہوئے۔ آغا صاحب بذات خود اس کار کو Drive کرتے رہے۔ قائداعظم کی اہلیہ محترمہ بھی ان کی ہمسفر تھیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ 1926ء میں پتھر مسجد سری نگر میں کی گئی تقریر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے 1926ء میں کشمیر کا دورہ کیا تھا۔ سری نگر پہنچنے پر قائداعظم مشہور پارسی تاجر مسٹر Pestonji کی رہائش گاہ پر فروکش ہوئے اور دوسرے دن پہلگام کی طرف عازم سفر ہوئے۔ اپنے اس دورے کے دوران قائداعظم یہاں پر کتنی دیر ٹھہرے اور کہاں کہاں تشریف لے گئے۔ اس بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں قائداعظم ایک مشہور قانون دان کے طور پر ہی جانے جاتے تھے۔

1936ء میں آپ دوسری بار کشمیر آئے۔ ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ اس سفر کے دوران انہوں نے اسلام آباد (اننت ناگ) کے مشہور مقدمہ سرکار بنام حنیفہ بیگم و مہر علی کیس کی پیروی کی اور اپنی خداداد قابلیت سے چیف جسٹس سر برجور لال دلال اور ان کے ماتحت جج صاحبان جسٹس شیخ عبدالقیوم اور جسٹس سینی کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ یہ مقدمہ دراصل عدت نکاح کا مقدمہ تھا اور انہوں نے ہجری مہینے کے ایک باریک نکتے پر پہلی ہی پیشی پر کیس جیت لیا۔ ان کی فاضلانہ بحث سننے کے لیے کمرہ عدالت میں تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی۔

اس کیس کی روداد یوں ہے کہ اسلام آباد کی ایک خاتون حنیفہ بیگم کا پہلا خاوند ستمبر 1931ء کو پولیس

فائرنگ میں شہید ہوا۔ اس پر مذکورہ خاتون نے پیر عبدالکبیر نامی ایک استاد کے ساتھ نکاح کیا۔ مذکورہ استاد سے طلاق پانے کے بعد حنیفہ بیگم نے مرزا مہر علی تھانیدار کے ساتھ نکاح کیا۔ اس پر پیر عبدالکبیر نے تقریباً تین سال بعد مقامی عدالت میں رنبیر پینل کوڈ کے سیکشن 494 کے تحت مرزا مہر علی اور حنیفہ بیگم کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ ان کی طرف سے مرزا محمد افضل بیگ عدالت میں پیروی کرتے رہے۔ ماتحت عدالت نے ڈیفنس وکیل مرزا محمد افضل بیگ کی اس دلیل کو رد کر دیا کہ شکایت کنندہ کا نکاح دوران عدت ہوا تھا لہٰذا اسے Invalid قرار دیا جائے۔ اس پر یہ معاملہ اپیل کی صورت میں ہائیکورٹ کے سامنے پیش ہوا۔ انہی دنوں محمد علی جناح کشمیر آئے۔ شیخ محمد عبداللہ کا بیان ہے کہ انہوں نے مرزا محمد افضل بیگ کی معیت میں شوپورہ سری نگر کے ایک ہاؤس بوٹ میں قائداعظم سے ملاقات کی اور انہیں مرزا مہر علی کیس کی وکالت کرنے کے لیے آمادہ کر لیا اور ساتھ ہی فی پیشی ایک ہزار روپے فیس طے پائی لیکن جسٹس محمد یوسف صراف کا بیان ہے کہ جناح صاحب چونکہ کشمیر کی سیاحت پر تھے اس لیے انہوں نے اس کیس کی پیروی سے معذوری ظاہر کی۔ اس پر مرزا مہر علی نے مسلم لیگ کے ساتھ اپنی عملی وابستگی اور تحریک حریت کشمیر کے دوران اپنی خدمات کا حوالہ دیا جس پر قائداعظم نے اس کیس کو بلا معاوضہ لے لیا اور چیف جسٹس برجور لال دلال کی عدالت میں پیش ہوئے۔ مرزا محمد افضل بیگ نے ان کی معاونت کی۔ صراف صاحب کا بیان ہے کہ قائداعظم نے صرف ایک دن قبل مہر علی سے مقدمہ کے کاغذات طلب کیے اور ہائیکورٹ میں پیش ہونے کے وقت ان کے پاس کوئی قانونی کتاب یا رسالہ وغیرہ نہیں تھا جیسا کہ اس زمانے میں وکلاء کا شیوہ تھا لہٰذا مہر علی اور اس کے حامیوں کو آپ کے اس وطیرہ سے زبردست بے چینی ہوئی اور بے چینی اس وقت شدید تر ہو گئی جب آپ نے عدالت عالیہ کے سامنے استغاثہ کی دلیل کو پہلے تو تسلیم کر لیا لیکن اگلی ہی سانس میں چیف جسٹس سے مخاطب ہو کر کہا کہ عدت کا تعین قمری مہینوں کے اصول پر صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ جب متوفی کی وفات مہینے کی پہلی تاریخ کو ہوئی جبکہ عام صورتوں میں اس کی مدت 130 دن مقرر ہے۔ اس پر چیف جسٹس نے آپ سے کہا کہ وہ اس بارے میں کوئی اتھارٹی پیش کریں، جواباً قائداعظم نے انہیں کہا کہ مائی لارڈ میں خود اتھارٹی ہوں۔ اس طرح اس مشہور کیس کا فیصلہ مرزا مہر علی اور حنیفہ بیگم کے حق میں ہوا حالانکہ اس وقت کے تمام قانون دانوں نے اس کیس کو Hopeless قرار دیا تھا۔ اس کیس کی سماعت کے دوران کمرہ عدالت میں تعلیم یافتہ افراد بالخصوص وکلاء کا جم غفیر تھا، ان میں تحریک حریت کے سرکردہ قائد غلام نبی گلکار، مولوی عبداللہ وکیل، شیخ محمد عبداللہ، مولوی عبدالرحیم وکیل، چوہدری غلام عباس خان، پروفیسر ایم اے عزیز، غلام احمد اشائی، غلام محمد صادق، محمد یوسف قریشی، عبدالغفار ڈار، محمد صابر وغیرہ قابل ذکر ہیں۔''

قائداعظم کا مجسمہ

روزنامہ نوائے وقت اپنی اشاعت 30 مئی 1946ء میں لکھتا ہے:



سر شاہنواز بھٹو

1957 - 1888

آپ گڑھی خدا بخش لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ اکیس برس کی عمر میں سیاست میں حصہ لینے لگے 1920 تا 1934 ڈسٹرکٹ بورڈ لاڑکانہ کے پہلے غیر سرکاری اور منتخب صدر رہے۔ 1930 اور 1931 میں لندن میں منعقدہ گول میز کانفرنس میں آپ نے سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرنے کا مطالبہ بڑی خوش اسلوبی سے پیش کیا 1924 سے 1932ء تک حکومت بمبئی میں وزیر رہے۔ 1934 میں سندھ میں مسلمانوں کی پہلی سیاسی جماعت ''سندھ پیپلز پارٹی'' قائم کی 1937ء سے 1946ء تک سندھ اور بمبئی کی پبلک سروس کمیشن کے رکن اور پھر چیئرمین رہے۔ 1947 کے آغاز میں ریاست جوناگڑھ کے وزیراعظم مقرر ہوئے اس حیثیت میں آپ نے نواب جوناگڑھ کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کی تجویز پیش کی لیکن سردار پٹیل نے ان کی ایک نہ چلنے دی چنانچہ 1947ء میں شاہنواز بھٹو پاکستان آ گئے۔

"کراچی کی ایک رپورٹ ہے کہ بعض اصحاب نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ کراچی کی شاہراہ پر مسٹر جناح کا ایک مجسمہ نصب کیا جائے۔ اگر یہ رپورٹ درست ہے تو مسلمانوں اور مسلم لیگ کے ان نادان دوستوں کو اپنی یہ تجویز واپس لینی چاہیے۔ اسلام اپنے بڑے سے بڑے لیڈر کا مجسمہ نصب کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر مقصود قائداعظم سے عقیدت کا اظہار ہی ہے تو اس کے علاوہ کوئی اور موزوں طریقہ سوچا جا سکتا ہے۔ مثلاً کراچی میں قائداعظم کے نام پر کوئی اسکول یا کالج یا صنعتی ادارہ قائم کر دیا جائے۔ اگر روپیہ جمع نہیں کیا جا سکتا تو صنعتی تعلیم کے لیے وظائف دینے کا انتظام کر دیا جائے۔ مجسمہ نصب کرنے کی تجویز تو ہر اعتبار سے غیر مستحسن ہے، اور قائداعظم بھی اسے ہرگز پسند نہیں فرمائیں گے۔"

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 30 مئی 1946ء)

اس ضمن میں روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 5 جون 1946ء میں لکھتا ہے:

"پچھلے دنوں اخباروں میں کسی منچلے نے یہ تجویز پیش کر دی کہ کراچی یا بمبئی میں کسی موزوں مقام پر قائداعظم محمد علی جناح کا ایک مجسمہ نصب کیا جائے۔"

ملاحظہ فرمایئے، لادینی سیاست مسلمانوں کو کدھر لے جا رہی ہے۔ اسی لیے ہم نے گزشتہ سات آٹھ سال میں بیسیوں دفعہ مسلمانوں کی توجہ دلائی کہ پاکستان بالکل صحیح، قائداعظم بالکل مناسب اور مسلم لیگ سبحان اللہ، لیکن دین سے جو تغافل برتا جا رہا ہے، وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہے گا، چنانچہ دیکھ لیجیے کہ بعض فرنگی زدہ مسلم لیگیوں کو مسٹر جناح سے اظہار عقیدت اور ان کی یادگار قائم کرنے کا کوئی اور راستہ نہیں سوجھا، سوائے اس کے کہ فرنگیوں کی طرح ان کا ایک بت کہیں نصب کر دیا جائے۔ حالانکہ ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ مشاہیر کے مجسمے وغیرہ قائم کرنا ہمارے مذہبی وملی شعائر کے منافی ہے، اور عامۃ المسلمین اس قسم کی تجویزوں کو کافرانہ سمجھتے ہیں۔ قائداعظم نے قوم کی جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں۔ ان کی قدر اور ان کی یاد کے لیے مدارس، کالج، کتب خانے، شفاخانے اور علمی ادارے قائم کیے جا سکتے ہیں، جو خیر خواہی کا حکم رکھیں گے۔ مجسمہ خلاف شعائر اسلام ہونے کے علاوہ بالکل بے کار اور لاحاصل چیز بھی ہے۔"

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 5 جون 1946ء)

قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ

اس کتاب کو منشی عبدالرحمٰن نے لکھا اور اسے اپریل 1986ء میں کاروان ادب ملتان صدر نے شائع کیا۔ کتاب کا انتساب ان کے نام ہے۔

1. جو قائداعظم کو شیعہ تصور کرتے ہیں۔
2. جو قائداعظم کو فاسق فاجر اور کافر اعظم کہتے ہیں۔
3. جو کہتے ہیں کہ قائداعظم نے اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے پاکستان کا مطالبہ نہ کیا تھا۔

فہرست سے قبل اعلان قائداعظم دیا گیا ہے جس میں قائداعظم محمد علی جناح کی انگلستان واپسی اور مولانا ظفر علی خان اور سردار عبدالرب نشتر کی ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"میں لندن میں امیرانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اب میں اسے چھوڑ کر انڈیا میں اس لیے آیا ہوں کہ یہاں لا الٰہ الا اللہ کی مملکت یعنی پاکستان کے قیام کے لیے

کوشش کروں۔ اگر لا الہ الا اللہ کی حکومت قائم ہو جائے تو افغانستان، ایران، ترکی، اردن، بحرین، کویت، حجاز، عراق، فلسطین، شام، تیونس، مراکش، الجزائر اور مصر کے ساتھ مل کر یہ کتنا عظیم الشان بلاک بن سکتا ہے۔"

یہ کتاب 224 صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی قیمت 40 روپے مقرر کی گئی۔

قائداعظم کا نعرۂ حق

16 مئی کی اسکیم نے پاکستان کو دفن کر دیا تھا۔ ہندوستان اور بیرونِ ہند کا ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا کہ اب پاکستان نہیں بن سکتا، اب پاکستان نہیں مل سکتا، لیکن مسلم قوم کے ایثار پیشہ طبقہ نے ایسی قربانیاں پیش کیں کہ فضا بدلنے لگی، اور ناممکن ہوتا دکھائی دینے لگا۔

پاکستان کا حصول دراصل نعمت خداوندی ہے، بہار، یوپی اور بمبئی کے شہداء کا، اس عمارت کے گارے میں پانی نہیں استعمال ہوا ہے بلکہ خون استعمال ہوا ہے، اور خون بھی وہ خون جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے:

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں

اکثریت اور اقلیت کے اس تصادم نے فضا بدل دی، نظریات متغیر کر دیے، خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا اور مخالفین تک کو تائید وحمایت پر مجبور کر دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اب 16 مئی کی اسکیم قطعاً مسترد کر دی تھی اور پاکستان کے مطالبہ پر جم گئے تھے۔ جن حالات کے ماتحت قائداعظم محمد علی جناح نے یہ نعرہ لگایا تھا، انہیں اب حکومت برطانیہ ایک عرصہ دراز تک وحدتِ ہند کے راگ گانے کے باوجود نظرانداز نہیں کر سکتی تھی۔

میجر وہائٹ کابینہ وفد سے قبل جو پارلیمنٹری ڈیلی گیشن آیا تھا اس کے ممبر تھے۔ یہ لیبر پارٹی کے سربرآوردہ ممبر تھے اور پاکستان کے شدید مخالف۔

لندن کے اخبار ٹریبیون میں ایک مقالہ "سیاسیاتِ ہند" پر میجر وہائٹ نے لکھا، اس میں کانگریس کی غلط روی پر سختی سے نکتہ چینی کی، اور متنبہ کیا:

"اب کانگریس کو کسی نہ کسی شکل میں تقسیم ہند کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا اور پھر اس بات کی بھی ضمانت نہیں دی جا سکتی کہ پاکستان آئندہ کانگریسی ہندوؤں کے ساتھ اتحاد واشتراک کرے گا بھی یا نہیں۔

آج تک ہندو جس چیز کو مسٹر جناح کے خواب سے تعبیر کرتے تھے، اب وہ خواب حقیقت میں تبدیل ہو چکا ہے۔ 1946ء میں شملہ کانفرنس میں مسٹر محمد علی جناح نے مکمل پاکستان کے مطالبہ میں نرمی اختیار کر لی تھی، مگر اب جبکہ کامیابی ان کے قدم چوم رہی ہے، تو انہوں نے پھر سے مکمل پاکستان کا مطالبہ کر دیا ہے، اور وہ اسے حاصل کر چکے ہیں۔"

قائداعظم کا نظریاتی پاکستان

طاہر جمیل نورانی اپنے مضمون "قائداعظم کے نظریاتی پاکستان کو خراج تحسین......!" میں لکھتے ہیں:

"25 دسمبر دنیا بھر میں پھیلے محب وطن پاکستانیوں کے لیے اس لحاظ سے بھی خاص اہمیت کا حامل ہے کہ اس روز محمد علی جناحؒ دنیا میں تشریف لائے، یہ اس عظیم ہستی کا یوم پیدائش ہے، جس نے ہندوستان میں غیر منقسم مسلمانوں کو نہ صرف جگایا بلکہ انگریزوں کی مکاری اور ہندو کی عیاری کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کیا، اور یوں دنیا میں ایک بڑی مملکت اسلامی کا قیام عمل میں آیا ہے۔

جناح کو ہم سے جدا ہوئے ایک طویل عرصہ ہونے کو ہے مگر افسوس! کہ اپنے محسن حقیقی کی ان عظمتوں کا ہم تاہنوز اندازہ نہیں کر پائے، قائداعظم بلاشبہ کردار و عمل کے پیکر تھے۔ وہ ایک عظیم اور مدبر انسان ہی نہ تھے بلکہ ان کے افکار و نظریات میں پائی گئی اصول پسندی کا بھی کوئی ثانی نہ تھا، وہ ہمیشہ زندہ رہو اور زندہ رہنے دو کے اصول پر ڈٹے رہے۔ قائد کو جب مسلم لیگ کا باضابطہ صدر چنا گیا تو انہوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر فعال کردار ادا کرتے ہوئے مسلم لیگ کی اصول پرستی اور آئین پسندی کو ہمیشہ اپنی ذات پر ترجیح دی، اسلام سے ان کے لگاؤ کا اندازہ مسلمانان ہند کے لیے باعزت اور پروقار زندگی کے حصول کے لیے ایک جداگانہ اسلامی ریاست کا مطالبہ تھا تاکہ مسلمان ایک آزاد اور خود مختار مملکت میں رہتے ہوئے اسلامی احکامات کے تابع زندگی گزار سکیں۔ اس سوچ اور نظریہ کے تحت قائدؒ نے 14 اگست 1946ء کو جب قوم کو پکارا تو غیر منقسم ہندوستان کے کونے کونے سے مسلمان میدان عمل میں کود پڑے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے جن خوش نصیبوں کو قائد کا دیدار کرنے کا موقع ملا، اور یا پھر جن محققین اور ہم عصروں نے قائد کے ہمراہ پاکستان کو قائم ہوتے دیکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قائداعظم کے زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ اعتماد کے ترازو میں تلا ہوتا تھا؟ ان کی تقاریر میں بادل سی گرج ہوا کرتی تھی ان کی اثر انگیزی کا یہ عالم تھا کہ انگریز کو ان کی تقریر سننے کے بعد متعدد بار اپنی مادری انگریزی زبان پر شرمندگی کا احساس ہونے لگتا تھا انگریزوں کو حاضر جوابی سے مات دینا ان پر ختم تھا۔ مشہور تاریخی واقعہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک مرتبہ لندن آئے تو اس بار ان کی یہاں آمد بطور مسلم لیگی صدر تھی ایک انتہائی چالاک اور حالات سے باخبر گورے صحافی نے قائد کو بحیثیت صدر مسلم لیگ جب لندن میں دیکھا تو اسے یہ سوال سوجھا:

<u>ONCE A TIME YOU WERE IN CONGRESS MR. JINNAH?</u>

قائداعظمؒ گورے صحافی کے اس انتہائی طنزیہ جملے کو سنتے ہی مسکرائے! اور پھر اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

<u>YES! OF COURSE ONCE UPON A TIME I WAS A SCHOOL BOY?</u>

یہ جواب سنتے ہی وہ انگریزی صحافی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔ جن لوگوں کو قائداعظم محمد علی جناحؒ کے ہمراہ بیٹھنے اور ان کے افکار کو یکجا کر کے قوم تک پہنچانے کا اعزاز حاصل ہوا ہے ان کا کہنا ہے کہ قائداعظمؒ جب مذکرات کرتے تو دوران گفتگو اگر کوئی انہیں جھکانے کی کوشش کرتا تو وہ ہمیشہ ناکام رہتا۔ ایک مرتبہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور دیگر کانگریسی رہنماؤں کے ہمراہ اجلاس میں تھے کہ دوران مذاکرات ان کی عینک گر گئی۔ جواہر لعل نہرو اور ماؤنٹ بیٹن کے رفقاء کا خیال تھا کہ اپنا چشمہ اٹھانے کے لیے قائداعظم ضرور جھکیں گے۔ مگر ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ قائداعظمؒ نے کمال وقار اور بردباری سے اپنی جیب سے دوسری عینک فوراً نکالی اور یوں کانگریسی لیڈروں کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ بابائے قوم کی شگفتہ مزاجی اور مزاح پسندی بھی منفرد حیثیت کی حامل تھی۔ طنز و مزاح سے

اکثر لطف اندوز ہوتے اور برجستہ جملے کہتے۔ انہوں نے کبھی اخلاقی حدود سے تجاوز نہ کیا تھا۔ سچ بولنے اور سچ سننے کے عادی تھے۔ قائداعظمؒ کے بارے میں ایک تاثر یہ بھی تھا کہ وہ سخت مزاج اور خشک طبیعت کے مالک تھے مگر جناح کی بہن فاطمہ جناح کہتی تھیں کہ قائداعظم اپنی گھریلو زندگی میں ہمیشہ خوش مزاج شخصیت کے حامل تھے۔ اکثر لطیفوں اور شگوفوں سے دل بہلاتے تھے۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان کہتی ہیں کہ قائداعظم ایک مرتبہ اپنی ہمشیرہ فاطمہ جناح کے ہمراہ سری نگر گئے ہوئے تھے کہ ایک روز بیگم رعنا کے بہنوئی اور بہن کو رات کھانے پر بلا لیا۔ قائد اس وقت خوشگوار موڈ میں تھے خاتون خانہ نے قائداعظم سے کہا کہ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟

اس پر قائداعظم نے برجستہ جواب دیا کہ لیاقت سے کہو کہ میرے لیے بھی وہ کوئی رعنا ڈھونڈے''

افسوس آج وہ قائداعظم جنہوں نے ہمیں آزاد اور خود مختار مملکت اسلامی کا نایاب تحفہ دیا ہے۔ ہم میں نہیں رہے۔ ان کی عطا کردہ مملکت اسلامیہ کے ساتھ ہم نے جو سلوک روا رکھا۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے پاکستان تو حاصل کر لیا مگر 66 برس گزرنے کے باوجود اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر پائے جو قائداعظم کی خواہش تھی۔''

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

قائداعظم کمپلیکس

12 ستمبر 1918ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے کراچی میں ماہرین قانون، ادیبوں، صحافیوں اور مورخین سے سندھ ہائی کورٹ میں قائداعظم محمد علی جناح سے متعلق عدالتی مقدمات کے ریکارڈ کی نمائش کے موقع پر کہا:

''حکومت کو اطلاع ملی ہے کہ قائداعظم کا درجہ گھٹانے کے لیے جان بوجھ کر کوششیں کی گئیں اور ہدایات جاری کی گئیں جو جرم تھا۔''

انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے نام پر ایک کمپلیکس تعمیر کرنے کے لیے فنڈ جمع کرنے کا اعلان کیا اور کہا:

''اس کمپلیکس میں خوبصورت مسجد، قائداعظم اکیڈمی، ایک مدرسہ اور گونگے، بہرے اور اندھے افراد کے لیے ایک ادارہ شامل ہوگا۔''

جنرل محمد ضیاء الحق نے قائداعظم محمد علی جناح یادگار فنڈ میں دل کھول کر عطیات دینے کے لیے عوام سے اپیل کی اور اپنی جیب سے بھی عطیہ دیا۔ انہوں نے اس موقع پر سید شریف الدین پیرزادہ (اٹارنی جنرل) اور مولانا ظفر احمد انصاری کی بڑی تعریف کی۔

قائداعظم کوئز

اس کتاب کو ذکی احمد ذکی نے صد سالہ جشن قائداعظم کے سلسلے میں 1976ء میں مرتب کیا اور جنرل نالج اکیڈمی نے شائع کیا۔ کوئز پروگراموں کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح پر شائع ہونے والی یہ پہلی کتاب ہے۔ اس کتاب میں مولف نے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں بیشتر ممکنہ سوالات اور ان کے جوابات فراہم کیے ہیں۔ اور اس طرح معلومات عامہ میں دلچسپی رکھنے والے نوجوان قائداعظم محمد علی جناح کی ایک ایسی سوانح تک رسائی کر سکتے ہیں جس میں پورے اختصار کے ساتھ مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

قائداعظم کی اہلیہ

قائداعظم محمد علی جناح اپنی بیوی کو بہت چاہتے تھے وہ تھیں

بھی اس قابل۔ بہت خوبصورت، مہذب، تعلیم یافتہ، باوقار اور بہترین مقرر، لوگوں کا یہ کہنا بجا ہے:

''قائداعظم کے لیے ان سے موزوں اور کوئی لڑکی نہیں تھی۔''

ایک بار بمبئی ٹاؤن ہال میں لارڈ ولنگٹن کے الوداعیہ میں ہنگامہ ہوگیا۔ اس الوداعیہ کی مخالفت بہت مشہور وکلاء اور قومی لیڈر کر رہے تھے، ان میں قائداعظم محمد علی جناح پیش پیش تھے۔ دونوں طرف سے جذبات میں ہلچل تھی۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے ٹاؤن ہال کی سیڑھیوں پر چڑھ کر ایسی دھواں دھار تقریر کی کہ بدکا ہوا مجمع قابو میں آگیا اور قائداعظم محمد علی جناح کے حریفوں کو سخت شکست ہوئی۔ مسز جناح قائداعظم محمد علی جناح کا بے حد خیال رکھتی تھیں اور وہی کرتی تھیں، جو ان کے شوہر چاہتے تھے۔

بیوی کی موت کے بعد قائداعظم محمد علی جناح کے مزاج میں چڑچڑا پن آگیا تھا۔ وہ بجھ کر رہ گئے اور خود کو تنہا محسوس کرتے تھے۔ (بیگم حاتم بھائی طیب جی)

قائداعظم کی خوداعتمادی

سید ضمیر جعفری اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''1947ء کے موسم بہار میں پنڈت جواہر لال نہرو نے نئی دہلی میں جو ایشیائی کانفرنس بلائی تھی اس میں جمہوری انڈونیشیا کے پہلے وزیراعظم ڈاکٹر سلطان شہریار بھی شریک ہوئے تھے۔ واپسی پر جکارتہ جاتے ہوئے آپ ایک روز کے لیے سنگاپور رکے، تو ہم نے صلاح کی کہ انہیں اپنے میس (MESS) میں لا کر چائے پلائی جائے۔ راقم الحروف ان دنوں ہندوستان کی غیر منقسم فوج کے ساتھ جنوب مشرقی ایشیائی کمان کے شعبہ تعلقات عامہ کے ساتھ منسلک تھا۔ جن کا ہیڈ کوارٹر سنگاپور کی مشہور چودہ منزلہ عمارت ''کیتھے بلڈنگ'' میں تھا۔

جب پاکستان و ہند کی آزادی قطعی صورت پکڑنے لگی تھی، ہمارا میس کسی ''فوجی میس'' کے بجائے کوئی سفارتی ادارہ معلوم ہونے لگا۔ ہندوستان سے بھی زیادہ پاکستان ہی کا، کیونکہ حسن اتفاق سے اب ہم سب کے سب مسلمان ہی رہ گئے تھے، وہ بھی نہایت کٹر قسم کے پاکستانی۔ دو ایک اینگلو انڈین بھی تھے۔ مگر مرشد نے ان کو بھی ڈنڈے کے زور سے پاکستانی بنا رکھا تھا، رہا انگریز حاکموں کا خوف تو وہ اپنی آزادی کے قرب نے ختم کر دیا تھا۔

10 اپریل کو ڈاکٹر شہریار سنگاپور پہنچے تو ہم ملایا کے مشہور مسلمان قوم پرست لیڈر داتو جعفر بن عون کے دولت کدے پر جہاں وہ مقیم تھے، ان سے ملے، مگر ان کی مصروفیت کا یہ عالم تھا کہ گویا تقریب کے ساتھ تقریب بندھی ہوئی تھی، جلسے، جلوس، پارٹیاں، سپاسنامے، ڈنر، اکیلے شہریار کو ایک دن میں جاویوں، ملائیوں، ہندوستانیوں، چینیوں، سراوکیوں، ویت نامیوں، سیامیوں، فلپائنیوں اور خدا جانے کن کن قوموں کی تقریبوں میں شامل ہونا تھا۔ پروگرام دیکھ کر ہماری تو ہمت نہ پڑتی تھی کہ اپنی مقابلتاً چھوٹی گھریلو سی چائے کا ذکر بھی زبان پر لاتے، لیکن شہریار کے تپاک اور گرم جوشی کو دیکھ کر ہمت کر ہی دی اور جب اسی شام ہمارا معزز مہمان ہمارے دیہاتی میس کے دربانوں، ناریلوں اور بانسوں سے بنے ہوئے ''انٹی روم'' میں ہمارے درمیان بیٹھا تھا تو ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

لیڈروں کو چائے پر بلایا جاتا تھا مگر ان کو چائے پینے

کوئی نہیں دیتا تھا۔ وہ ابھی مشکل سے بیٹھنے ہی پائے تھے کہ باتیں شروع ہو گئیں۔ وقت کم تھا اور باتیں زیادہ، قدرتی طور پر ہم قائداعظم کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے تھے۔

''آپ ہمارے قائداعظم سے بھی ملے؟''

ہم میں سے کسی نے فوراً سوال کیا۔

''ملے کیا معنی؟''

''منحنا دھان پان سا شہریار اچھل کر بولا:

''مجھے ان سے ملنے کا ایک مدت سے اشتیاق تھا، مجھے خوشی ہے کہ میری یہ تمنا پوری ہو گئی۔ مسٹر جناح بے حد پرکشش آدمی ہیں، ایک مقناطیسی شخصیت۔ میری ملاقات اگرچہ مختصر تھی لیکن میں بہت سے گہرے نقوش لے کر آیا ہوں۔''

''قائداعظم سے آپ کی کیا کیا باتیں ہوئیں؟''

کسی نے بے تاب ہو کر سوال کیا۔

''میں اپنی گفتگو پر تو زیادہ روشنی نہیں ڈال سکتا، کیونکہ مسٹر جناح نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ہم دونوں نے دل کھول کر باتیں کیں۔ انہوں نے میری ہر بات کو شفقت اور وابستگی کے گہرے احساس کے ساتھ سنا، حالانکہ وہ مسلم لیگ کے نہایت ضروری مسائل میں الجھے ہوئے تھے اور بہت سے لیڈر مشوروں کے لیے باہر منتظر بیٹھے تھے۔''

''مسٹر جناح کی جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔'' انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

''وہ ان کی خود اعتمادی اور صاف گوئی ہے۔''

''انہوں نے مجھ سے کہا: ''شہریار! مجھے صاف صاف بتا دو کہ انڈونیشیا کے مسلمان نیم براعظم ہند کے مسلمانوں سے کیا کیا توقعات رکھتے ہیں، ہم ہر ممکن امداد کے لیے تیار ہیں اور ان کی آواز میں صداقت اور خلوص کی ایک ایسی قوت کانپ رہی تھی جو میں نے بہت کم زعما میں دیکھی ہے۔ بہت ہی کم۔ پھر وہ کچھ دیر مطالبہ پاکستان کی وضاحت کرتے رہے اور ان کے لہجے میں، میں نے پھر وہی عظمت خود اعتمادی محسوس کی۔

میں عصر حاضر کے بیشتر قابل ذکر لوگوں سے مل چکا ہوں، لیکن اظہار مافی الضمیر پر اتنی کاملانہ گرفت میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، بس اتنا کہتے ہیں صحت وصفائی کے ساتھ کہتے ہیں اور اپنے مدعا کے مکمل و موثر اظہار پر ساحرانہ قدرت رکھتے ہیں، اور میں نے چند منٹ کی گفتگو میں محسوس کر لیا کہ اختلافی مسائل پر ان سے بحث چھیڑنا آسان نہیں۔ وہ پروفیسر بیل (اس وقت نیدرلینڈ کا وزیراعظم) کی طرح اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہیں مارتے۔'' یہ کہتے ہوئے شہریار کھکھلا کر ہنس پڑے اور ان کے ساتھ ساری کی ساری محفل کشت زعفران بن گئی۔

ٹونی جو ایک زمانے میں پنڈت نہرو کا اندھا دھند عقیدت مند تھا اور اب تک جس کا تحت الشعور پوری طرح پاک نہ ہوا تھا۔ اس موقع پر پنڈت نہرو اور شہریار کی ذاتی دوستی سے فائدہ اٹھانے کی نیت سے بولا:

''معاف کیجیے گا میں بھی آپ سے ایک صاف اور سیدھے سوال کا صاف اور سیدھا جواب چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ ہندوستان کے کس لیڈر سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے؟''

''یہ بہت ہی مشکل سوال ہے۔''
شہریار نے کچھ سوچتے ہوئے چائے کا پیالہ چھوڑ کر ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔''میں سمجھتا ہوں، مجھے ایسے سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہیے۔ سچ تو یہ ہے میں نے ابھی تک اس پر غور ہی نہیں کیا، اتنی مہلت ہی کہاں؟''
(ذرا مسکرا کر)''اور میری ذاتی رائے صرف ذاتی رائے ہوگی جو پروفیسر بیل کے نزدیک اکثر غلط ہوتی ہے۔''
''جی ہاں! جی ہاں! میں آپ کی ذاتی رائے ہی جاننا چاہتا ہوں۔''
ٹونی نے اصرار جاری رکھا۔
''خیر، میں اس سوال کا براہ راست جواب تو نہیں دے سکتا۔'' وہ الفاظ کو جیسے تول تول کر اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر لا رہے تھے، مگر آپ لوگ یقیناً بہت خوش قسمت ہیں، آپ کے ملک میں دو تین آدمی یقیناً اتنے بڑے ہیں کہ وہ دنیا بھر کے لیڈروں سے بلند ہیں۔ان کی عظمت ایک دوسرے سے ان کی برتری کا موازنہ کرنا میرا یا کسی بھی شخص کا منصب نہیں، اس کا فیصلہ تاریخ کرے گی۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ دراصل ایشیاء کو آج ایسے قائدین کی ضرورت ہے۔جو تاریخ کے دھارے کو پلٹ سکیں۔''
اور یہ کہہ کر انہوں نے سوال کا رخ پلٹتے ہوئے فرمایا:
''آپ کے لیڈر اصل میں ہماری جنگ لڑ رہے ہیں۔ایشیاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔آج ایشیا کی روندی مسلی ہوئی انسانیت جناح کی طرف دیکھ رہی ہے۔اگر آپ آزاد ہو گئے تو ہم غلام نہیں رہ سکتے۔''
ٹونی کو پنڈت نہرو سے جتنی عقیدت تھی، ماشو کو اتنی ہی نفرت تھی، یا کم از کم چڑ کہنا چاہیے۔اس نے شہریار سے پوچھنے کے لیے مدت سے ایک ہی سوال سوچ رکھا تھا اور ہم سب کے روکتے روکتے پوچھ ہی لیا۔
''ایشیائی کانفرنس کے متعلق آپ کو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے جذبات و احساسات سے تو یقیناً آگاہی ہوگی۔''
''میں آپ کا سوال سمجھ گیا۔''
ڈاکٹر شہریار ذرا سنبھل کر بیٹھ گئے۔''میں آپ سے صرف اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے نقطہ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں نے مسٹر جناح پر بھی، حالانکہ ان کے سامنے ایک ڈرے ہوئے طالب علم کی طرح بیٹھا رہا، اپنا نقطہ نگاہ پوری طرح واضح کر دیا تھا اور مجھے خوشی ہے کہ وہ اس سے مطمئن معلوم ہوتے تھے۔''
مگر اس سوال پر انڈونیشیا کا جواں سال سوشلسٹ وزیراعظم خاصا پریشان ہو گیا اور گھبراہٹ کو شہریار کے چہرے کی پرکشش دلآویزی اور ان کی پرکشش آنکھوں میں سیلانگور کی طلسمی جھیل میں تیرتے ہوئے سات رنگوں کی طرح پھیلتی ہوئی مسکراہٹ بھی نہ چھپا سکی۔
''ہاں دیکھیے!'' ڈاکٹر شہریار نے اپنے کاغذات کے تھیلے میں سے سرخ رنگ کی ایک آٹوگراف نکال کر اس کے ایک ورق پر انگلی رکھتے ہوئے کہا:
''یہ دیکھیے، آپ کے قائداعظم کے دستخط، یہ میں نے اسی ملاقات میں حاصل کیے تھے۔''
اور واقعی آٹوگراف کے سفید ورق پر ہمیں قائداعظم کے مانوس و محبوب دستخط ثبت نظر آئے۔دستخط کے اوپر بحروف انگریزی الفاظ تحریر تھے۔'' Live

and Let live قائداعظم کے دستخط کے نیچے کسی انگریزی نظم کے دو بند تھے اور پھر مسز سروجنی کے دستخط۔

وطن سے ہزاروں میل دور اور پردیس میں بیٹھے ہوئے قائداعظم کے مبارک ہاتھ کی تحریر دیکھتے ہی جوش و حرارت کے نہ جانے کتنے ہی حیات افروز سوتے یک لخت ہمارے دل میں پھوٹ نکلے ...... اور ہم سب ...... آداب و قواعد اور فرق و مراتب کی تمام حدود توڑ تاڑ کر یکبارگی آٹو گراف پر ٹوٹ پڑے۔ جیسے اچانک کوئی آسمانی نعمت ہمارے سامنے آ گئی ہو۔ ماسوکا تو یہ حال تھا کہ نعرہ تکبیر بلند کرنے کے ولولے پر بڑی مشکل سے قابو پاسکا۔

شہریار اس منظر سے بہت متاثر ہوئے۔ تاثر میں ڈوبی ہوئی تقریباً گلوگیر آواز میں پاس بیٹھے واتو جعفر بن عنوان سے کہنے لگے۔ ''جناح بہت بڑی قوت ہے۔''

اور ان سے پرے ملایا کے گورنر جنرل مسٹر میلکم میکڈانلڈ کو جو دیر سے جوہور کے ولی عہد تنکومہا کوٹا سے نہ جانے کیا گپ شپ کر رہے تھے میں نے یہ کہتے سنا:

''مسٹر جناح کی نخوت کا راز مجھ پر آج کھلا، اس کی پشت پر پوری قوم ہے۔''

(ماہنامہ نظریہ پاکستان، اشاعت دسمبر 2013ء)

قائداعظم کی سیاسی زندگی

ڈاکٹر انور سدید اپنے مضمون ''قائداعظم کی سیاسی زندگی کا ایک اہم سال 1913ء'' میں رقمطراز ہیں:

''قائداعظم محمد علی جناح 25 دسمبر 1876ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ نسب گجرات کے ہندوؤں کی نسل خوجہ سے جا ملتا ہے جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے قانون کی تعلیم کے لیے لندن کی ممتاز درسگاہ ''لنکنز ان'' کا انتخاب کیا تو اس کی وجہ یہ بتائی کہ ''اس'' اس کے فریسکو میں جہاں دنیا کے بڑے مقنن اور قانون سازوں کے نام درج ہیں، ان میں محمد رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی سرفہرست لکھا ہوا دیکھا۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دل میں بانی اسلام سے عقیدت اور دین اسلام سے محبت کا جذبہ دور طالب علمی سے پرورش پا رہا تھا اور اس کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے برصغیر میں امت مسلمہ کی قیادت کا فریضہ قبول کیا اور دوقومی نظریے کی اساس پر حصول پاکستان کی تحریک کی تو تصور ''پاکستان'' میں اسلام کو بنیادی حوالہ قرار دیا، چنانچہ اپنی ایک تقریر میں کہا:

''ہماری عظیم المرتبت کتاب قرآن مجید ہے، اور یہی مسلم انڈیا کا لنگر زمین ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہماری وحدت زیادہ سے زیادہ استوار ہوتی جائے گی، یعنی ایک خدا اور ایک کتاب، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایک قوم۔'' ہندوؤں کے سب سے بڑے لیڈر گاندھی نے جب ذاتی طور پر قائداعظم کے پاس جا کر راج گوپال اچاریہ کے پاکستان کے فارمولے کے بارے میں بات کی تو گاندھی بار بار انہیں ان کے ہندو اسلاف کی یاد دلاتے رہے جسے وہ یکسر ناپسند کرتے تھے۔ دوسری طرف ان کے مقدر کا ستارہ اتنا بلند تھا کہ وہ آل انڈیا کانگریس کے چنگل سے نکل گئے اور انہیں اسلامیان ہند نے اپنا مستند سیاسی رہنما تسلیم کیا اور انہیں سیاسی جدوجہد سے بانی پاکستان کا شرف

حاصل ہو گیا۔ ان کے ایک معاصر ڈاکٹر سچد انند سنہا نے لکھا ہے:

''مسٹر جناح پہلے ہندوستانی الاصل مسلمان تھے جنہوں نے (خوفناک قوم پرستانہ مخالفت کے مقابلے میں) اپنے ہم مذہبوں کے لیے ہندوستان کے لیے نقشے سے ایک آزاد خود مختار ملک نکالنے میں کامیابی حاصل کی۔''

اہم بات یہ ہے کہ محمد علی جناح ابتدا میں آل انڈیا کانگریس کے پلیٹ فارم سے سیاسی دنیا میں مصروف ہوئے۔ ان کے سیاسی مزاج کی ترتیب ہندوستان کے ممتاز قانون دان بدرالدین طیب جی نے کی تھی۔ وہ فیروز شاہ مہتہ سے بھی متاثر تھے اور کانگریس کے سالانہ جلسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوئے تھے۔ مسلم لیگ کی بنیاد ڈھاکہ میں 1906ء میں رکھی گئی تھی لیکن اس تاسیسی اجلاس میں محمد علی جناح شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس کے برعکس وہ انڈین نیشنل کانگریس کے 1906ء کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے۔ جس کی صدارت ان کے مربی دادا بھائی نورو جی نے کی۔ جنہوں نے پہلی مرتبہ ہندوستان کے لیے حکومت اختیاری کا تصور پیش کیا تھا۔ محمد علی جناح نے اس جلسے سے اپنی عوامی زندگی کا آغاز کیا اور مسلم ''وقف علی الاولاد'' کے عنوان سے تقریر کی۔ ''سیلف گورنمنٹ'' ''تعلیم'' کے موضوعات پر ان کی تقریروں نے زبردست پذیرائی حاصل کی اور وہ نیشنل کانگریس کے اجلاس میں ہندوستان کے چوٹی کے لیڈروں کی صف میں کھڑے دکھائی دیے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی سیاسی زندگی میں 1913ء کا سال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس برس کے اوائل میں انہوں نے ''مسلم وقف ویلی ڈیٹنگ بل'' پر جو رپورٹ ایک منتخب قائمہ کمیٹی نے لکھی تھی اس پر امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں بے حد موثر اور مدلل تقریر کی۔ چنانچہ وائسرائے ہند نے 7 مارچ کو اپنی منظوری سے اسے قانون کا درجہ دے دیا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے حق میں یہ بل بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ جس کی منظوری میں محمد علی جناح کی قانونی بصیرت اور تدبیر و دلیل بے حد مفید ثابت ہوئے۔ اس مہینے میں لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تو انہیں ''سیلف گورنمنٹ سوٹ ایبل ٹو انڈیا'' کے موضوع پر تقریر کرنے کے لیے خصوصی دعوت دی گئی اور یہ تقریر اتنی پسند کی گئی کہ مسلم لیگ نے اسے اپنے مستقبل کے مطالبے کا نعرہ بنا لیا۔ اپریل 1913ء میں وہ کانگریس کے رہنما گوپال کرشنا گوکھلے کے ساتھ لندن گئے۔ واضح رہے کہ جناح ہندوستان میں گوکھلے کے کشادہ نظریات سیاست کی بے تعصبی سے بہت متاثر تھے اور ایک مرتبہ تو انہوں نے یہ بھی کہا:

''میری آرزو ہے کہ ''مسلم گوکھلے'' بن جاؤں۔''

اپنی انگلستان آمد کے چند ہفتوں کے دوران ہی انہوں نے ''لندن انڈین ایسوسی ایشن'' کی بنیاد رکھی جس نے لندن میں تعلیم حاصل کرنے والے ہندوستانی طلباء کو منظم کرنے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس دورۂ لندن کا اہم ترین واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے دوستوں مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن کی خواہش پر باضابطہ طور پر آل انڈیا مسلم لیگ کی رکنیت حاصل کی۔ مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن ان دنوں لندن میں موجود تھے۔ جناح

نے جب رکنیت کے فارم پر دستخط کیے تو اس تقریب کو ایک سادہ مذہبی رسوم کی صورت دے دی گئی۔ اگر چہ انڈین نیشنل کانگریس سے ان کی وابستگی قائم تھی لیکن مسلم لیگ میں شمولیت کا واقعہ اس لیے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے بعد ان کا کانگریسی لیڈروں کے قول اور فعل کے تضادات کو تجزیاتی نظر سے دیکھنے اور مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری کا رجحان روز افزوں ہو گیا۔ چنانچہ 1913ء میں واپس وطن آئے تو انہوں نے 20 دسمبر 1913ء کو بمبئی میں مسلم لیگ کے ایک جلسے کی صدارت کی۔ انہی دنوں نیشنل کانگریس کا ایک اجلاس کراچی میں ہو رہا تھا۔ محمد علی جناح نے اس میں بھی شرکت کی، لیکن اس اجلاس کے بعد وہ آگرہ پہنچے اور آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں30 دسمبر 1913ء کو نہ صرف شرکت کی بلکہ مسلم لیگ کے باقاعدہ ممبر ہونے کا اعلان بھی کیا۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس کے سرکردہ لیڈروں کے طرز عمل نے انہیں مایوس کیا تو وہ اس جماعت سے دور ہوتے گئے، اور مسلمانوں کے محبوب لیڈر بنتے گئے۔ جس کا واحد سیاسی نصب العین تشکیل پاکستان تھا۔ گاندھی نے اس رویے کا تجزیہ کیا تو ''ہری جن'' میں ایک مضمون لکھا:

''بہت حد تک مسلمانوں کی علیحدگی کا الزام ہم ہندوؤں پر عائد کیا جا سکتا ہے۔ اب تک ہم لوگوں نے انہیں قوم کا جز ولاینفک نہیں قرار دیا۔ ہم نے اب تک ان کا دل جیتنے کے لیے کچھ نہیں کیا۔''

آزادی کے بعد اگر چہ پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہ چکا ہے، لیکن بھارت نے تخلیق پاکستان کے عمل کو ہمیشہ نفرت سے دیکھا اور دشمنی کا رویہ قائم رکھا ہوا ہے۔ آج پاکستانیوں کو آزادی کے جو لمحات میسر ہیں، وہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی جدو جہد اور بے لوث قیادت ہی کا قیمتی ثمر ہیں۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ہمارے آج کے سیاسی رہنما قائد اعظم کی تعلیمات سے یکسر غافل ہو گئے۔ نتیجہ زوال مسلسل ہے۔''

(روزنامہ نوائے وقت اشاعت 25 دسمبر 2013ء)

قائداعظم کے آخری ایام

یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کے ذاتی معالج ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کی انگریزی تصنیف The last days of Quaid-e-Azam کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا ترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم اور خواجہ منظور حسین کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ 1949ء میں یہ کتاب پہلی مرتبہ شائع ہوئی لیکن اس میں اس وقت کی حکومت کے خلاف واقعات کی بنا پر اس پر پابندی لگا دی گئی تاہم 1978ء میں قائداعظم اکیڈمی کراچی نے اسے دوبارہ شائع کیا۔

کتاب میں مصنف نے ان المناک اور ناقابل فراموش واقعات کا ذکر کیا ہے جو دوران علاج پیش آئے۔

کراچی سے زیارت اور زیارت سے کراچی واپسی کے سلسلے میں تمام واقعات کو بڑی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔

قائداعظم کے 72 سال

یہ کتاب روزنامہ حریت کے سب ایڈیٹر خواجہ رضی حیدر کا پہلا شاہکار ہے۔ اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کی تمام اہم اور تاریخ ساز مصروفیات اور متعلقہ واقعات کو قابل اعتبار حوالوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ کتاب کے مواد کی تیاری میں 88 کتابوں کے علاوہ مختلف اخبارات،



قائداعظم محمد علی جناحؒ

رسائل، مضامین اور دستاویزات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
یہ کتاب 490 صفحات پر مشتمل ہے۔
19 دسمبر 1976ء کو اس کتاب کو مصنف نے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل کانگریس کے مندوبین کو پیش کیا جس میں انہوں نے خود بھی مقالہ پڑھا۔ اس کتاب کو انہوں نے اپنے والد حکیم حضرت قاری احمد پیلی بھیتی کے نام منسوب کی۔ اس کتاب کو نفیس اکیڈمی کراچی نے شائع کیا۔

قائداعظم کا تصور پاکستان

یہ کتاب غلام احمد پرویز کی تصنیف ہے۔ اسے مارچ 1972ء میں ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور نے شائع کیا۔
غلام احمد پرویز نے یہ کتاب تحریک پاکستان کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح کی تمام ترتگ وتاز کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرتب کی ہے۔ یہ ان مضامین اور خطبات کا مجموعہ ہے جو انہوں نے وقتاً فوقتاً مرتب کیے۔
یہ کتاب ان عناوین پر مشتمل ہے۔
پاکستان کا معمار اول، معرکہ دین وطن، ایک چراغ لاکھ اندھیرے، ہم نے پاکستان کیوں مانگا تھا۔ قرآنی پاکستان کیسا ہوتا ہے، کیا پاکستان اسلامی مملکت بن سکتا ہے، اسلامی مملکت کے فرمانروا، پاکستان اور دین و سیاست (حنیف رامے سے ایک انٹرویو)، تشکیل پاکستان کے سلسلے میں چند اہم سوالات، ہندو کیا ہے، نظریہ پاکستان کیا ہے، خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی، قائداعظم اور دو قومی نظریہ، اور پاکستان کا مطلب کیا۔
ان عناوین سے ظاہر ہے کہ ان کے مطالعہ سے مختلف موضوعات کے تحت قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت کے وہ تمام پہلو نکھر اور ابھر کر سامنے آ جاتے ہیں جو تحریک پاکستان کے سلسلے میں لازم وملزوم تھے۔
غلام احمد پرویز نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں مختصر ترین مگر جامع انداز میں ان تمام حقائق پر لب کشائی کی جائے جو نئی نسل کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں اور مملکت پاکستان کی بقا ان کا جزو ایمان بن جائے۔

قائداعظم کے شب وروز

یہ کتاب خورشید احمد خاں نے مرتب کی اور اسے مقتدرہ قومی زبان نے شائع کیا۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کے شب وروز کے واقعات شامل کیے گئے ہیں۔ کتاب کا انتساب روح قائد کے نام ہے۔
یوں تو حیات قائداعظم پر بے شمار کتب موجود ہیں لیکن ایک آدھ بنیادی کتاب کے سوا کوئی ایسی کتاب مرتب نہیں کی گئی جس میں حیات قائداعظم محمد علی جناح تاریخ وار بیان کی گئی ہو۔
1944ء تا 1947ء تین سال کا عرصہ بلاشبہ حیات قائداعظم محمد علی جناح کا اہم ترین دور ہے اور مرتب نے اس دور کو واقعات کی شکل میں پیش کیا ہے۔

قائداعظم کے حضور

پاکستان کے شعراء گاہے بگاہے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں جو نذرانہ ہائے عقیدت پیش کرتے رہے ہیں۔ انہیں 1976ء میں مصباح الحق صدیقی اور تسنیم کوثر گیلانی نے پہلی بار کتاب کی شکل میں ترتیب دیا اور شہزاد پبلشرز لاہور نے اس کتاب کو شائع کیا۔ کتاب کو مولانا کوثر نیازی اس وقت کے وفاقی وزیر برائے مذہبی و اقلیتی امور حکومت پاکستان کے نام منسوب کیا گیا ہے۔
احمد ندیم قاسمی نے کتاب کے تعارف میں لکھا ہے:

"قائداعظم کے حضور شعرائے کرام کے نذرانہ ہائے عقیدت کا یہ انتخاب اس کے مرتبین کے حسن عقیدت حسن ذوق اور حسنِ انتخاب کا ایک دلربا اور ولولہ انگیز اظہار ہے۔ قائداعظم کی عظیم شخصیت کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جائے گا۔ اور لکھا جانا چاہیے۔ اس انتخاب کے مرتبین اہل تاریخ و سیاست اور اہل علم وفن کی طرف سے دلی تبریک و تعاون کے مستحق ہیں کہ انہوں نے محض سیاسی نقطہ نظر ہی سے نہیں بلکہ علمی نقطہ نظر سے بھی قائداعظم کی کامیاب جدوجہد کے مثبت نتائج کی تہذیبی اور ادبی تحسین کا آغاز کیا ہے۔

قائداعظم کے ذاتی پہلو

یہ کتاب عزیز بیگ نے مرتب کی اور 1947ء میں یہ کتاب کراچی سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

قائداعظم کے ساتھ 6 ماہ

یہ کتاب قائداعظم کے سیکرٹری محمد شریف کی انگریزی تصنیف My Reminiscences Quaid-i-Azam کا اردو ترجمہ ہے، اسے اردو کے قالب میں محمد شریف طوسی کے فرزند انجینئر ہارون رشید طوسی نے ڈھالا۔ یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی بالمشافہ گفتگو اور مباحث کے نوٹس پر مبنی ہے جو کہ زیادہ تر جنوری 1943ء سے مارچ 1943ء کے دوران ہوئیں، اور یہ قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق ان کے تاثرات ہیں، اسے 1976ء میں نیشنل بک فاؤنڈیشن نے شائع کیا۔

قائداعظم کے لیے عقیدت کے پھول

Tributes to Quaid-i-Azam اس کتاب کو محمد حنیف شاہد نے انگریزی زبان میں مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں وہ مضامین شامل ہیں جو بعض افراد نے قائداعظم محمد علی جناح کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے رقم کیے تھے۔ ان میں محترمہ فاطمہ جناح، نواب زادہ لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، مولانا شبیر احمد عثمانی، غلام حسین ہدایت اللہ، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر ممتاز حسن، یحییٰ سید، اے آر صدیقی اور این ایچ ہاشمی شامل ہیں۔ علاوہ ازیں مسز سروجنی نائڈو، بیورلے نکولس اور دیوان چمن لال کے مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں۔

اس کتاب کو 1985ء میں سنگ میل پبلی کیشنز نے شائع کیا۔ یہ کتاب 214 صفحات پر مشتمل ہے۔

قائداعظم کے مہ وسال

یہ کتاب محمد علی چراغ نے مرتب کی، اور اسے 1986ء میں سنگ میل پبلشرز نے طبع کیا۔ یہ کتاب حیات قائداعظم کا ایک مختصر انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے عہد بہ عہد واقعات اور کارنامے اور حصول پاکستان کے لیے ان کی کوششوں کا پتہ چلتا ہے۔

یہ کتاب اس اعتبار سے بھی منفرد اہمیت کی حامل ہے کہ اسے پہلی بار واقعات کی صورت میں اردو زبان میں شائع کیا گیا ہے۔

کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی تقاریر اور بیانات کا خلاصہ ان کی اہمیت کے تحت دیا گیا ہے۔ اردو زبان میں اس قسم کی کتاب کی عرصہ دراز سے کمی محسوس کی جارہی تھی جسے محمد علی چراغ نے اپنی شبانہ روز محنت سے پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ یہ کتاب حقیقی معنوں میں قائداعظم محمد علی جناح اور تحریک

پاکستان کے سلسلے میں ان کی کوششوں کا ایک ایسا جامع مرقع ہے کہ جس کا مطالعہ نوجوان نسل کے لیے بڑا ہی ضروری ہے۔ یہ کتاب حوالے کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتی ہے۔

قائداعظم کی باتیں

اس کتاب کو فرزانہ یاسمین نے بچوں کے لیے مرتب کیا اور اسے مکتبہ عالیہ لاہور نے شائع کیا۔ مرتبہ نے قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں شائع شدہ کتب سے ان واقعات کو اکٹھا کرنے کی ایک سعی کی ہے جو ان کی سیرت و کردار سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کے مطالعہ سے نوجوان نسل قائداعظم محمد علی جناح کے کردار، سوچ، عقیدے، اصول پرستی، فرقہ واریت سے نفرت اور اسلامی نظریات کے بارے میں مکمل طور پر روشناس ہو سکے گی۔ کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے ان واقعات سے قائداعظم محمد علی جناح کی جو شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے وہ بے حد مثالی ہے۔

کتاب کی مرتبہ فرزانہ یاسمین نے پیش لفظ میں اس امید کا اظہار کیا ہے کہ پاکستانی قوم اپنے قائداعظم کے ان واقعات میں ان کے صحیح خدوخال ان کے عزائم و مقاصد، ان کے اصول و نظریات کے سچے اور روشن رخ دیکھ سکے گی، اور ان سے ایک سبق پاسکے گی کہ پاکستان اور پاکستانی قوم کے لیے سب سے بڑی ضرورت بھی ہے اور سب سے عظیم متاع بھی۔

قائداعظم کی پہلی سوانح

قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی سوانح شائع کرنے کا اعزاز لاہور کے مشہور پبلشر شیخ محمد اشرف کو حاصل ہوا۔ اس سوانح پر قائداعظم نے دستخط بھی کیے تھے۔

قائداعظم کی تصویر

اس کتاب کو آغا اشرف نے علیم پبلشرز لاہور کے لیے مرتب کیا۔ فروری 1983ء میں کتاب پہلی بار، اور تیسری بار 1985ء میں منظر عام پر آئی۔ بقول آغاز اشرف:

"یہ بچوں کے لیے پہلا ناول ہے جس میں پاکستان کی تحریک اور پس منظر تفصیل سے دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی حب الوطنی اور قائداعظم کی انوکھی تصویر کھینچی گئی ہے۔"

پاکستان رائٹرز گلڈ نے اس کتاب پر آغا اشرف کو انعام بھی دیا ہے۔

روزنامہ مشرق نے اپنے تبصرے میں لکھا ہے:

"پاکستان میں بچوں کے لیے مقصدی ناول بہت کم لکھے گئے ہیں اور یہ پہلا مقصدی و تاریخی ناول ہے جس کے یقیناً بڑے صحت مند اثرات مرتب ہوں گے۔ اس ناول میں بانی پاکستان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ پاکستان بنانے کا پس منظر کیا تھا۔ یہ کتاب 200 صفحات پر مشتمل ہے۔"

قائداعظم کی جائیداد سے اسلامیہ کالج پشاور کا حصہ

8 اگست 1987ء کو سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس سعید الزمان صدیقی نے قائداعظم محمد علی جناح کے بھتیجے اور ان کی جائیداد کے ایڈمنسٹریٹر لیاقت ایچ مرچنٹ کے ریفرنس پر ہدایت جاری کی:

"قائداعظم کی وصیت کے مطابق ان کی وراثت میں سے اسلامیہ کالج پشاور کا حصہ ادا کر دیا جائے۔"

قائداعظم محمد علی جناح کی وصیت کے مطابق ان کی

وراثت کے باقی ماندہ حصے کو سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی، علی گڑھ یونیورسٹی بھارت اور اسلامیہ کالج پشاور میں برابر تقسیم کیا جانا تھا۔ وصیت کے مطابق سندھ مدرسۃ الاسلام کو 24 لاکھ 50 ہزار روپے ادا کر دیے گئے تھے، مگر اسلامیہ کالج پشاور کا حصہ یونیورسٹی کو دے دیا گیا۔ اس پر اسلامیہ کالج نے دعویٰ دائر کیا:

"اس ادارہ کی پشاور یونیورسٹی سے الگ قانونی حیثیت ہے اور اس کا اپنا بورڈ آف ڈائریکٹرز ہے اس لیے بانی پاکستان کی وراثت میں سے اس کا باقی حصہ اسے بھی ادا کیا جائے۔"

دوسری طرف پشاور یونیورسٹی نے باقی حصہ پر اپنا حصہ جتایا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی جائیداد کے ایڈمنسٹریٹر نے سندھ ہائی کورٹ سے رہنمائی طلب کی چنانچہ کورٹ نے ضروری قانونی کارروائی کے بعد اسلامیہ کالج پشاور کو قائداعظم محمد علی جناح کی جائیداد کے تیسرے حصے کا وارث قرار دیا اور ہدایت کی:

"اسلامیہ کالج پشاور کا حصہ اسے ادا کر دیا جائے۔"

سندھ ہائی کورٹ کے فیصلے کے مطابق اسلامیہ کالج پشاور کے حصے میں ۸۰ لاکھ روپے سے زیادہ رقم آئی۔

قائداعظم کی چند نادر تقریریں اور بیانات

اس کتاب کو خورشید احمد خاں یوسفی نے ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان پنجاب یونیورسٹی کے لیے مرتب کیا۔ یہ کتاب 244 صفحات پر محیط ہے۔ یہ کتاب 1988ء میں شائع ہوئی۔ اس میں جولائی 1944ء اور اگست 1947ء کے درمیان پوری 24 تقریریں اور بیانات شامل کیے گئے ہیں۔ یہ اعزاز خورشید احمد خاں یوسفی نے حاصل کیا ہے۔ وہ اسلامیہ کالج لاہور کے ایک سابق طالب علم اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی اسلامیہ کالج برانچ کے ایک رکن تھے۔

اس کتاب میں بعض بہت اہم مگر فراموش کردہ تقاریر شامل ہیں۔ مثلاً نیوز کرانیکل لندن سے انٹرویو 15 فروری 1945ء، کوئٹہ کے جلسہ عام سے خطاب 16 اکتوبر 1945ء، پنجاب میں انتخابات کے بارے میں بیان 18 فروری 1946ء، یوم پاکستان پر اسلامیان ہند کے نام پیغام 24 مارچ 1946ء مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے مسلم لیگی ممبروں سے خطاب دہلی 7 اپریل 1946ء انجمن اتحاد المسلمین حیدر آباد کے صدر مقام پر خطاب 11 جولائی 1946ء۔ سکندر آباد، حیدر آباد دکن میں ایک جلسہ سے خطاب 13 جولائی 1946ء۔

قائداعظم کی شگفتہ مزاجی

یہ کتاب سمیع اللہ قریشی پرنسپل گورنمنٹ کالج جھنگ نے تصنیف کی۔ اس کی ابتداء مصنف نے اس شعر سے کی ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

152 صفحات پر محیط اس کتاب کو پروفیسر محمد عبدالسعید اور پروفیسر عبدالستار چاولہ کے نام منسوب کیا گیا ہے۔

خوشبو کی جستجو کے عنوان سے پیش لفظ لکھا گیا ہے۔

اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی شگفتہ مزاجی کے واقعات کو ان لوگوں کے حوالے سے قلمبند کیا گیا ہے جو کسی نہ کسی طرح قائداعظم محمد علی جناح اور تحریک پاکستان سے وابستہ رہے ہیں۔

قائداعظم کی فیس

ایک مرتبہ قائداعظم کے پاس ایک موکل آیا، اور اس نے آپ سے قانونی مشورہ چاہا، اس کے مقدمے کی مثل بہت لمبی چوڑی تھی، اور قائداعظم کی فیس بہت زیادہ۔

اس شخص نے کہا:

''میرے پاس صرف دس ہزار روپے ہیں۔''

یہ سن کر قائداعظم محمد علی جناح نے مقدمہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ آخر اس شخص کے اصرار پر طے ہوا کہ قائداعظم محمد علی جناح اس وقت مثل کا معائنہ چھوڑ دیں جب دس ہزار روپے کی فیس ختم ہو جائے۔

یہ قائداعظم محمد علی جناح کی ایک گھنٹے کی فیس تھی یعنی جہاں تک ایک گھنٹے میں پڑھ لیں، وہیں تک اپنی رائے دے دیں۔

قائداعظم محمد علی جناح جب ساری مثل کا معائنہ کر چکے، اور حساب کیا تو فیس محض 3550 روپے بنی، چنانچہ آپ نے دس ہزار میں سے اپنی فیس 3550 روپے وضع کر کے 6450 روپے موکل کو واپس کر دیے۔

قائداعظم کی کاپی

اپنے عملے کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح کے تعلقات ان کے اپنے مزاج اور کردار کے آئینہ دار تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کام کے معاملے میں سخت تھے، لیکن جو نوجوان ان کے عملے میں کام کرتے تھے، وہ بھی بڑے مخلص اور جاں نثار تھے۔ ان کے کردار پر قائداعظم محمد علی جناح کی بے مثل دیانتداری کا بہت اچھا اثر پڑا، ذیل کا واقعہ جو قائداعظم محمد علی جناح کے عملے کے ایک رکن نے بیان کیا ہے۔ اس اثر کی اچھی مثال ہے:

''قائداعظم ہمیشہ خاموش اور الگ تھلگ رہتے تھے، باوجود میری کوشش کے وہ کبھی مجھ سے بے تکلف نہ ہوئے، یہ بات مجھے ناگوار گزری، اور میں یہ جاننے کے لیے بے چین رہتا کہ ان کے دل میں کیا ہے اور وہ کیا سوچ رہے ہیں۔

وہ باقاعدہ کوئی روزنامچہ نہیں لکھتے تھے، لیکن میں نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک چھوٹی سی کاپی ہے، جس میں وہ کبھی کبھی لکھتے ہیں، وہ کاپی وہ اپنے دراز میں مقفل رکھتے تھے۔ ایک دن وہ اتفاق سے مجھے میز پر مل گئی، اور چونکہ میں اس وقت تنہا تھا، میں نے اس کی اوراق گردانی شروع کر دی، میں نے سوچا کہ اس چھوٹی سی ڈائری میں مجھے ان کے خیالات و واقعات کا سراغ مل جائے گا جس کا وہ کبھی کسی سے اظہار نہ کرتے تھے، یہ سوچ کر میں نے کاپی چرا لی، اور اپنے کمرے میں لے گیا، وہاں میں نے اسے دو گھنٹے اپنے پاس رکھا، پھر میرے ضمیر نے مجھے ملامت کرنا شروع کر دیا، جناح جیسے دیانت دار انسان کو دھوکہ دے کر کوئی شخص مطمئن نہیں رہ سکتا تھا، بالآخر میں وہ کاپی واپس لے گیا اور جہاں سے اٹھائی تھی وہیں رکھ دی۔''

قائداعظم اور کشمیر

معین باری اپنے کالم میں لکھتے ہیں:

''مجھے قائداعظم کے ساتھ ان دنوں کچھ ایام گزارنے کا اتفاق ہوا جب ان کی عمر 66 برس تھی۔ میں نے ان میں اخلاقی جرأت، چہرے پر تمکنت اور آواز میں وہ اثر محسوس کیا جو پہلے کبھی دیکھنے اور سننے میں نہ آیا تھا۔ ان کی آواز اب بھی ان کی برسی پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر سنائی جاتی ہے۔ جب وہ لاکھوں فرزندانِ اسلام کے سامنے تقریر کرنے کیلئے کھڑے ہوتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے پرسکون سمندر میں یک لخت طوفان آ گیا ہے سامعین جذبات سے بے قابو ہو جاتے، اور فلک شگاف نعروں سے پنڈال گونج اٹھتا۔ ان دنوں قائداعظم پنجاب کا دورہ کر رہے تھے۔ ہم دن رات ان کے ساتھ سفر میں شریک رہے تھے، اس

دوران محترمہ فاطمہ جناح بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ دن رات دعوتوں، جلسوں اور محفلوں میں ان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔ سیاسی اور غیر سیاسی لیڈروں کی ملاقاتوں کا اہتمام مقامی قیادت کی ذمہ داری تھی اور یہ مشکل فریضہ تھا۔ کئی بار تو رات گئے تک فرصت نہ ملتی اور تھک کر چکنا چور ہو جاتے، لیکن قائد اعظم کی طاقت اور استقامت کا یہ عالم تھا کہ ہم نے ان کے چہرے پر کبھی تھکاوٹ، گھبراہٹ اور افسردگی کے آثار نہیں دیکھے بلکہ انہیں دیکھ کر ہمارے جسموں اور مرجھائے ہوئے چہروں پر خوشی اور جان آ جاتی۔

مجھے آج بھی قائد اعظم سے آخری ملاقات یاد ہے۔ اس دن پنجاب کا دورہ ختم کر کے قائد اعظم واپس جا رہے تھے ہم ان کے ذاتی محافظ لائن میں کھڑے تھے۔ میں عمر میں سب سے چھوٹا تھا اس لیے آخر پر کھڑا تھا۔ والد (میاں عبدالباری) اور دوسرے رفقا جن میں نواب ممدوٹ، ممتاز دولتانہ، خواجہ ناظم الدین قائداعظم کے ساتھ آئے۔

قائد اعظم اپنے محافظوں کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے میرے قریب آئے تو رک گئے۔ مسکرائے اور بولے:

''خوب بہت خوب! بیٹے ابھی تم کمسن ہو۔ آئندہ زندگی میں تمہیں بڑے مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ ثابت قدم رہنا اور گھبرانا نہیں۔''

یہ جملے انہوں نے انگریزی میں کہے۔

.میں اس وقت یہ اندازہ نہ کرسکا کہ مجھے صبر و استقامت سبق دینے والا قائد خود ایک دن نہایت مایوسی کی حالت میں ٹوٹا ہوا دل لے کر ہم سے جدا ہوگا اور قوم کے اس محسن کو نزع کی حالت میں اٹھانے کے لیے ایک ایمبولینس بھی وقت پر نہ مل سکے گی۔

قائد اعظم کے آخری لمحات اور ان کی موت ہماری تاریخ کا افسوس ناک سانحہ ہے۔ جسے ہم قائد ملت کے وحشیانہ قتل، مادر ملت کی پر اسرار موت اور سقوط ڈھاکہ کی طرح بھول چکے ہیں۔ کرنل الٰہی بخش ہمارے فیملی ڈاکٹر تھے، اور والد مرحوم کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ جب کرنل الٰہی بخش قائد اعظم کے پاس زیارت پہنچے تو بقول ان کے وہاں نزدیک کوئی لیبارٹری تھی اور نہ کوئی ایکس رے مشین تھی، اور اس وقت تک کوئٹہ سول سرجن یہ پتہ نہ چلا سکا کہ قائداعظم کو بیماری کیا تھی۔ ڈاکٹر الٰہی بخش نے لاہور سے ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ڈاکٹر عالم ایکس رے سپیشلسٹ اور ڈاکٹر غلام محمد پیتھالوجسٹ کو میو ہسپتال سے زیارت بلوایا۔ انہیں مطلع کیا گیا کہ اپنے ساتھ ادویات بھی لیتے آنا۔ یہ ڈاکٹر اپنے ساتھ لیبارٹری کا سامان اور پورٹیبل ایکس رے مشین بھی لیتے گئے۔ زیارت پہنچنے پر ان ڈاکٹروں نے قائداعظم کے تھوک اور خون کا معائنہ کیا اور ایکسرے لیا۔ جس سے ثابت ہوگیا کہ قائد پھیپھڑوں کے مہلک مرض میں مبتلا ہیں ایکس رے مین سے پتہ چلا کہ پھیپھڑوں کی بیماری دو سال سے مہلک شکل اختیار کر چکی تھی، اور لاعلاج تھی انہی دنوں قائد اعظم کے پاؤں سوج گئے۔ سانس رکنے لگی تو معالجوں نے انہیں زیارت سے کوئٹہ جانے کا مشورہ دیا۔ قائد اعظم کو سٹریچر پر ڈال کر انہیں کوئٹہ ریذیڈنسی لایا گیا۔ اس وقت قائد اعظم کا وزن 80 پونڈ کم ہو چکا تھا اور نقاہت اس قدر تھی کہ بٹھانے کے لیے سر کو سہارا دینا پڑتا، لیکن کوئٹہ میں قائد کی طبیعت کچھ سنبھل گئی معالجوں نے انہیں دن میں ایک

سگریٹ پینے کی اجازت دی۔ سہارے کے ساتھ اٹھ کر چند قدم چل بھی لیتے۔ چند دنوں بعد صحت پھر گرنے لگی تو معالجوں نے کراچی جانے کا مشورہ دیا۔ قائد نہ مانے اور کہنے لگے کہ سٹریچر پر گورنر جنرل ہاؤس میں داخل نہیں ہوں گا، البتہ ملیر جانے پر وہ رضا مند ہو گئے۔ ملیر میں نواب آف بہاولپور کا بنگلہ ایسا تھا جہاں قائد اعظم کو ٹھہرایا جا سکتا تھا۔ قائد اعظم کہنے لگے:

''پرانے وقتوں میں جب کوئی وکیل ہائی کورٹ کا جج مقرر ہو جاتا تو وہ کلب اور دعوتوں میں جانا چھوڑ دیتا اور چند ایک تو اخبار بینی چھوڑ دیتے تاکہ کسی ملزم کے خلاف ان کے دل میں تعصب پیدا نہ ہو جائے۔ پاکستان کا گورنر جنرل ہونے کی حیثیت سے میں نواب آف بہاولپور سے کبھی گھر کے لیے درخواست نہیں کروں گا۔''

کرنل الٰہی بخش اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''29 اگست کو قائد اعظم نے مجھے کہا جب تم زیارت میں آئے میں زندہ رہنا چاہتا تھا لیکن اب اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا میں زندہ رہوں یا مر جاؤں۔''

الٰہی بخش لکھتے ہیں:

''اس وقت قائد اعظم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں اس مرد آہن کو پہلی بار اس حالت میں دیکھ کر لرز گیا اور جب میں نے اس نا امیدی کی وجہ پوچھی تو قائد فرمانے لگے:

''میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔''

ڈاکٹر الٰہی بخش لکھتے ہیں:

''دوسرے ہی دن قائد کے پاؤں کے تلووں میں خونی کلاٹ بننا شروع ہو گئے، پھر نمونیہ ہو گیا۔ قائد کے معالج دواؤں اور ٹیکوں کی تلاش میں سول ہسپتال اور بازار گئے لیکن وہ دستیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے معمولی برانڈ ٹیکوں سے علاج شروع ہوا۔ جنہیں لگانے سے قائد کو بہت تکلیف ہوئی۔''

''معالجوں کو اس وقت خیال آیا کہ قائد اعظم کے لیے لندن یا امریکہ کے کسی اچھے ڈاکٹر کو بلایا جائے لیکن اس پر بھی عمل درآمد نہ ہو سکا۔ ان کی جگہ کراچی کے ڈاکٹر مستری کو بلایا گیا قائد اعظم ہوش میں آ گئے۔ ریڈیو مانگا اور سننے لگے۔''

مس فاطمہ جناح نے کہا:

''چند دنوں سے قائد اعظم کو کشمیر کا خیال بہت ستا رہا ہے۔ رات کے وقت بڑبڑاتے ہیں اور کشمیر کی باتیں کرتے ہیں۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسئلہ کشمیر نے قائد اعظم کی گرتی ہوئی صحت پر کاری ضرب لگائی، جب بھارتی افواج کشمیر میں داخل ہو گئیں۔ قائد اعظم نے جنرل گریسی کو کشمیر میں فوج کشی کا حکم دیا تھا۔ اس نے انکار کر دیا۔ فیلڈر مارشل آکن لیک دلی سے ہوائی جہاز پر آیا اور قائد اعظم کو دھمکیاں دینے لگا کہ یہ حکم واپس لے لو ورنہ ہم باقی پاکستان بھی چھین لیں گے۔ پھر قائد کے حکم پر مجاہدین نے کشمیر کے مسلمانوں کو بچانے کے لیے چڑھائی کر دی۔ اس پر جنرل گریسی نے خفیہ ٹیلی فون پر بھارتی فوج کے کمانڈر انچیف لاک ہارٹ اور ماؤنٹ بیٹن کو مجاہدین کے ٹھکانوں کی اطلاع دے دی، پھر ماؤنٹ بیٹن کے حکم پر فاریسٹ کی برطانوی فضائیہ کشمیر مجاہدین کے خلاف حرکت میں آ گئی اور جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔

وفات سے چند یوم بیشتر قائد کو کشمیر کا فکر لاحق تھا وہ نیند میں بھی کشمیر کا نام لے کر بڑبڑاتے۔ کیا انہوں نے کبھی سوچا تھا کہ وہ وقت بھی آنے والا ہے جب پاکستان کی نا اہل کرپٹ اور راشی قیادت کی بداعمالیوں کی وجہ سے لاکھوں انسانوں کی قربانیوں کے نتیجے میں بننے والا ملک پاکستان دولخت ہو جائے گا، اور اس خانہ جنگی میں لاکھوں مسلمان مارے جائیں گے۔ کیا قائد کو اس خیال نے کبھی ستایا تھا کہ بقیہ پاکستان بھی ایک دن گروہ بندی، فرقہ واریت اور دہشت گردی کی لپیٹ میں آ کر تباہی کے کنارے پہنچ جائے گا، جہاں مسلمان مسلمان کا گلا کاٹے گا اور جہاں حکمران ڈرون حملوں کو دیکھ کر شترمرغ کی طرح اپنے سر ریت میں چھپالیں گے۔

جہاں کے لیڈروں اور اعلیٰ افسروں کے 42 ارب ڈالر صرف سوئٹزر لینڈ کے بنکوں میں ہوں گے اور کروڑوں عوام دو وقت کی روٹی کو ترس جائیں گے اور غریب عوام بچوں کو بیچنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ جہاں لیڈر مال و زر کے عوض دشمن کے ہاتھوں کالا باغ ڈیم کا سودا کر کے خاموش تماشائی بن جائیں یا اسے بم سے اڑانے کی دھمکی دیں، کیا وہ خطہ کشمیر کو کبھی آزاد کروا سکیں گے جہاں سات لاکھ بھارتی فوج قبضہ جمائی بیٹھی ہے۔''

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

قائداعظم کی یاد میں

شاعر ملت آقائی ابوالکیف کیفی سرحدی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

خلوص دل سے کیا جس کسی نے کارِ عوام
ہوئی نصیب اسی فرد کو حیاتِ دوام
اس کے ذکر سے رہتی ہے گرم بزمِ جہاں
اسی کی سیرت و کردار سے ہے فکر جواں
اسی کے حسن تدبر کی دھوم ہے ہر سو
اسی کے ذوقِ عمل سے ہے زندگی کی نمو
ہر ایک دور میں چھائی ہوئی بہار اسکی
قدم قدم پہ نمایاں ہے یادگار اسکی
فروغِ دیدۂ اہل ہنر ہے کام اس کا
زبانِ اہل خرد پر رواں ہے نام اس کا
نظامِ کفر کیا جس نے درہم و برہم
انہی کا درس ہے تنظیم و اتحاد و یقین!
ہے شاہکار انہی کا یہ سر زمین حسیں
دلایا ملت اسلام کو وہ پاکستان
کہ جس پہ جنت ارضی کا ہو رہا ہے گمان
یہ وہ جہاں ہے جہاں کفر و شرک ہیں نابود
فقط ہے وحدت ملی کا اس وطن میں وجود
نہ کیوں ہوا نعرۂ تکبیر اس وطن میں بلند
فلک کے اوج پہ ڈالی مجاہدوں نے کمند
ہر ایک دل میں جواں ولولوں کا عالم ہے
ہر ایک فکر میں تعمیرِ نو مقدم ہے
زباں پہ قائداعظم کا درس آ جائے
جناب حضرت کیفی کا کیف چھا جائے

قائداعظم لاج

7 جنوری 1977ء کو پاکستان سینٹ نے ایک قرارداد منظور کی جس میں ریذیڈنسی کا نام قائداعظم ہاؤس یا لاج رکھنے کی سفارش کی۔ زیارت ریذیڈنسی میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے تھے۔ یہ قرارداد بلوچستان

کے سینٹ کے رکن قاضی فیض الحق نے پیش کی، اور اس کی بھرپور حمایت وفاقی وزیر مملکت برائے ثقافتی امور ملک محمد جعفر نے کی اور کہا:

''حکومت اس تجویز کا خیر مقدم کرتی ہے۔''

انہوں نے اس موقع پر کہا:

''قائداعظم بلوچستان اور سرحد کی ترقی و خوشحالی کے لیے کوشاں تھے۔''

قائد حزبِ اختلاف محمد ہاشم غلزئی نے اپنی تقریر میں قرارداد کی حمایت کرتے ہوئے کہا:

''قائداعظم بلوچستان میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔''

اس ضمن میں انہوں نے 1937ء کا وہ وقت یاد دلایا جب انہوں (ہاشم غلزئی) نے لکھنؤ مسلم لیگ کانفرنس میں بلوچستان کی نمائندگی کرتے ہوئے آزادی کے فوراً بعد اسے صوبہ بنانے کی تجویز پیش کی تو قائداعظم محمد علی جناح اس پر بہت خوش ہوئے اور قرارداد میں معمولی تبدیلی کرنے کے بعد خود یہ قرارداد مسلم لیگ کی جنرل کونسل میں پیش کی اور منظور کرائی۔

قائداعظم لاء کالج

یہ کالج نجی طور پر لاہور میں قائم کیا گیا ہے۔ یہ کالج پنجاب یونیورسٹی سے ملحق نہیں۔ مسٹر جسٹس کے ایم اے صمدانی کو اس کالج کی ایڈوائزری کونسل کا چیئر مین بنایا گیا تھا لیکن انہوں نے دسمبر 1987ء میں اخبار وکلاء لاہور میں اس بات کی تردید کردی اور کہا کہ میرا کالج انتظامیہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ میں ان کا سرپرست اور سٹاف ممبر ہوں۔

قائداعظم لائبریری

یہ پاکستان کی جدید ترین لائبریری ہے۔ یہ باغ جناح کے اولڈ جم خانہ کلب میں قائم کی گئی ہے۔ قیام پاکستان سے قبل اسے محض تفریح کے لیے استعمال کیا جاتا تھا لیکن قیام پاکستان کے بعد اس کی حیثیت کثیر المقاصد عمارت کی سی ہو گئی۔ مئی 1981ء میں اس عمارت کو نظامت کتب خانہ جات عامہ پنجاب کے حوالے کیا گیا۔ جس نے تین سال کی لگاتار محنت کے بعد یہاں ملک کی جدید ترین لائبریری قائم کر دی۔ عمارتی فن تعمیر کے اعتبار سے یہ ایشیاء بھر میں اپنا ثانی نہیں رکھتی۔

اس لائبریری کے لیے ابتدائی تین برسوں میں 45 ہزار کتب خریدی گئیں۔ کچھ حضرات نے اپنے ذاتی کتب خانوں سے قیمتی عطیات بھی دیے۔ ان میں ماہنامہ ''ہمایوں'' کے ایڈیٹر اور قائداعظم محمد علی جناح کے رفیق میاں بشیر احمد بھی شامل ہیں۔ یہاں موجودہ دنیا کے ہر موضوع اور مضمون کی کتب انگریزی، اردو، عربی، فارسی، پنجابی، سندھی، پشتو اور بلوچی میں موجود ہیں۔ اس وقت یہ شعبہ جات کام کر رہے ہیں۔

◆1 ریفرنس سیکشن ◆2 اورینٹل سیکشن ◆3 ٹیکسٹ بک سیکشن ◆4 شعبہ خواتین ◆5 شعبہ اطفال ◆6 سمعی و بصری معاونت کا شعبہ۔

قائداعظم لائبریری میں ملک اور ملک سے باہر کے چار کے قریب رسالے اور اخبارات آتے ہیں۔ اقبال ہال کے نام سے ایک آڈیٹوریم بھی ہے۔

اس کا افتتاح اوائل 1985ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے کیا۔ اس وقت لائبریری میں 60 ہزار کتب ہیں اب اس لائبریری کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر ظہیر احمد بابر ہیں۔ جو پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح سے گہری محبت رکھتے ہیں اور بڑی نفیس طبع کے مالک ہیں۔

قائداعظم مارکیٹ (ماریطانیہ)

ماریطانیہ کے دارالحکومت پورٹ لوئی کی میونسپل کونسل نے 30 ستمبر 1969ء میں اپنی جدید سپر مارکیٹ کو قائداعظم محمد علی جناح کے نام سے موسوم کرنے کا فیصلہ کیا۔ کونسل نے متفقہ طور پر ایک قرارداد منظور کی جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا اور پورٹ لوئی کے میئر نے کراچی میونسپل کارپوریشن کے نام ایک خط میں یہ اطلاع دی۔

قائداعظم محمد علی جناح

(کی نجی زندگی کے دواہم پہلو)

اس کتابچہ کو شریف الدین پیرزادہ سابق اٹارنی جنرل، سابق وزیر قانون اور اسلامی کانفرنس کے چیئرمین نے انگریزی زبان میں لکھا اور قاضی عبدالسلیم نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا، یہ کتابچہ اگست 1982ء میں شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی نے شائع کیا۔ یہ کتابچہ 40 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتابچے میں قائداعظم محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش کو دستاویزی حوالوں سے درست ثابت کیا گیا ہے۔ نیز ان کی اہلیہ محترمہ رتن بائی کے بارے میں مفصل معلومات شامل کی گئی ہیں۔ جبکہ اس کی پشت پر مصنف کے حالات زندگی درج کیے گئے ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح (معمار پاکستان)

اس کتاب کو پروفیسر سجاد باقر رضوی نے مرتب کیا اور 1988ء میں سنگ میل پبلی کیشنز نے شائع کیا۔ بقول پروفیسر سجاد باقر رضوی:

”اس کتاب میں ان کے مخاطب نوجوان طالب علم ہیں۔“

اس اعتبار سے میں یہ کہوں گا کہ اسے تحقیق کی بجائے تخلیق کہنا چاہئے۔ اس کے مطالعہ سے طلباء کے ساتھ ساتھ عام قاری میں تحریک پاکستان کے متعلق قومی جدوجہد کا شعور پیدا ہوگا ویسے بھی کتاب مذکورہ کا انداز بیان نہایت سادہ اور دل نشین ہے۔

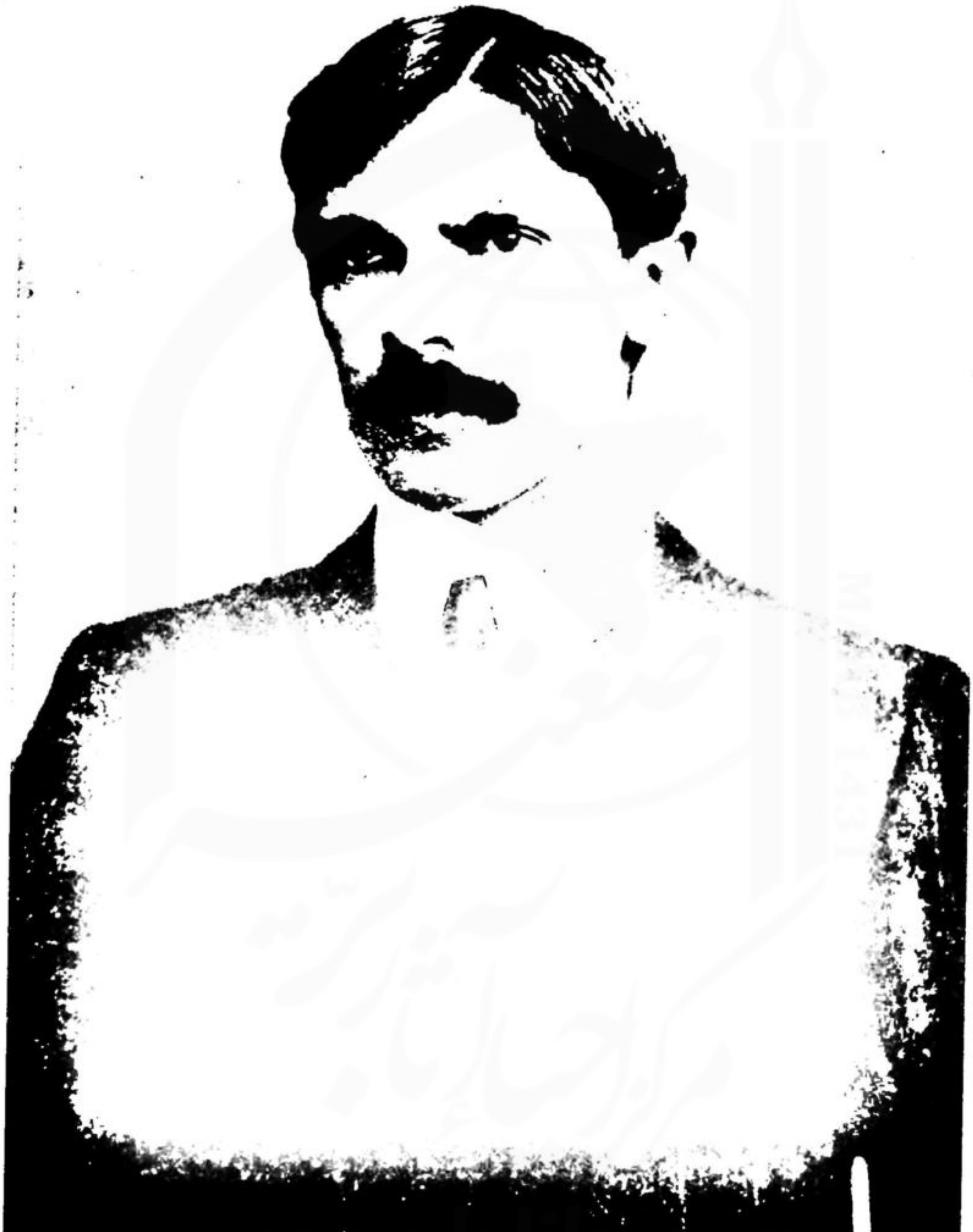
کتاب میں مصنف نے تحریک پاکستان کے اہم واقعات کا جائزہ سطحی طور پر لینے کی بجائے ان واقعات کے پس پردہ ٹھوس عوامل کا ذکر تجزیاتی انداز میں کیا ہے۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے جن کی تفصیل یہ ہے۔

1. پس منظر
2. قائداعظم محمد علی جناح۔ معمار پاکستان
3. دہلی کانفرنس اور نہرو رپورٹ
4. گول میز کانفرنس
5. 1935ء کا ایکٹ اور قائداعظم کا ردعمل
6. قرارداد پاکستان سے قیام پاکستان تک
7. اختتامیہ

قائداعظم محمد علی جناح (انگلستان سے پاکستان تک)

یہ کتاب 1976ء میں چودھری رحمت علی علوی نے مرتب کی اور اسے ادارہ صوت الاسلام 72 بی پیپلز کالونی لائل پور (فیصل آباد) نے طبع کیا۔ 192 صفحات پر مشتمل اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے ان حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کا آغاز ان کی جدوجہد پاکستان سے ہوا۔ کتاب کا ابتدایہ مشہور مسلم لیگی لیڈر خواجہ خیر الدین نے لکھا۔ کلمہ خیر بھی دیا گیا ہے۔



قائدِاعظم محمد علی جناحؒ۔1916ء

قائداعظم محمد علی جناح

یہ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے حالات کے بارے میں عبدالغفور سندھی کی کتاب ہے، اسے 1982ء میں انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی سندھ یونیورسٹی نے شائع کیا۔ یہ نوعمر طلباء کے لیے معاون ثابت ہوسکتی ہے۔ یہ کتاب مختصر ضخامت اور ایسی سلیس سندھی زبان میں لکھی گئی ہے جو تھوڑی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی پڑھ سکتا ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح

اس کتاب کو کتاب چودھری سردار محمد خاں بی اے نے قیام پاکستان سے قبل لکھا۔ یہ کتاب سات سو صفحات پر محیط تھی، اور اسے قائداعظم کی گیارہ عکسی تصاویر سے مزین کیا گیا تھا۔

مجلد قیمت فی جلد چھ روپے ہے۔ اسے مکتبہ ادب 12 آرکیڈیا بلڈنگ بمبئی نمبر 8 نے شائع کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح

یہ کتاب ایس منصور حسن نے مرتب کی اور پبلشرز دی انیشی ایٹرز نے اسے طبع کیا۔ یہ کتاب ساٹھ روپے قیمت کے ساتھ 1987ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

مرتب نے قائداعظم محمد علی جناح کی مقبولیت کے صرف چند گوشوں کو اپنی کتاب کا موضوع بنایا ہے۔ مثلاً:

1. قائداعظم اور خواتین
2. قائداعظم اور بچے
3. قائداعظم اور اقلیتیں
4. قائداعظم اور فوجی افسران
5. قائداعظم اور شعراء وغیرہ۔

قائداعظم محمد علی جناح

یہ کتاب سعید بخش پرنسپل فیڈرل گورنمنٹ انٹر کالج کوہاٹ چھاؤنی نے مرتب کی۔ اسے 1977ء میں آئینہ ادب لاہور نے شائع کیا۔

یہ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کی محبوبیت اور جذباتی وابستگی کے نئی نسل تک منتقل کرنے کی ایک بہت حقیری کوشش ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرنے میں طالبات میں سے شاہین فلک ناز (حصہ اردو) اور عائشہ افضل (حصہ انگریزی) نے بھرپور تعاون کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کا مشن

خورشید احمد اپنے کالم میں یوں لکھتے ہیں:

''ہم مورخہ 25 دسمبر 2013ء کو بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کا یوم پیدائش منا رہے ہیں۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کو خراج عقیدت پیش کرنے کا سب سے اعلیٰ طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کے نیک مشن کی تکمیل کرنے کی جدوجہد کو کامیاب کریں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ پاکستان کو ایک آزاد اور اقتصادی طور پر خود کفیل اسلامی مملکت کی تعمیر کے لیے کوشاں تھے۔ انہوں نے قوم کو تلقین کی کہ وہ خود ایمان کو مضبوط کرتے ہوئے تنظیم اور جدوجہد سے پاکستان کو اقتصادی اور سماجی طور پر مستحکم کرتے ہوئے ملک میں کارکنوں کو بامقصد روزگار نوجوانوں کو جدید علم سے منور کریں تاکہ سماج میں اسلامی مساوات کا عادلانہ نظام قائم کیا جائے۔ اسی لیے انہوں نے کالونی ٹیکسٹائل ملز کراچی کا افتتاح کرتے ہوئے اعلان کیا کہ پاکستان میں کارخانوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ کارکنوں کو صحت مند معقول حالات کار اور ان کی جائز ضرورتیں پوری کرنا اور ان کی محبت کا احترام دینا بھی دیرپا صنعتی ترقی کے لیے لازمی ہے۔ انہوں نے

یہ بھی اعلان فرمایا کہ عوام کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ بنیادی مفاد عامہ کے ادارے قومی ملکیت میں قائم ہوں۔ اس لیے موجودہ حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ اس پر عمل کرتے ہوئے بجلی، گیس ریلوے وغیرہ کو نجکاری کے حوالے کرنے کی بجائے ان کی شفاف انتظامیہ سے کارکردگی میں اضافہ کر کے خودکفیل بنائیں، وہ نوجوانوں کو تلقین کرتے رہے کہ وہ اپنی اخلاقی قدروں کو بلند کرتے ہوئے اپنے آپ کو جدید فنی تعلیم و تربیت کا حصول کرتے ہوئے کمال حاصل کریں۔ انہوں نے 1940ء میں دہلی میں مسلم لیگ جنرل کونسل کے اجلاس سے خطاب فرماتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ اگر ملک کے جاگیردار سمجھتے ہیں کہ وہ عیش کرتے رہیں اور غریب بھوک و ننگ کا شکار رہیں تو مجھے ایسا پاکستان نہیں چاہیے۔ آج ہمارے ملک میں جاگیرداراور سرمایہ دارانہ نظام کو تبدیل کرنا ہوگا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے یوم پیدائش کے موقعہ پر ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ انہوں نے اپنے کردار، قابلیت، نظم و ضبط اور اپنے مقاصد کی لگن سے پاکستان کی تحریک کو کامیاب کیا۔ انہوں نے اپنی تمام جائیداد قوم کے نام وقف کر دی، اور علم سے منور ہو کر دشمنوں سے اپنی قابلیت کا سکہ منوایا، اور اپنی جان پر کھیل کر قوم کی خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم ان کے ورثہ پاکستان میں ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے جہالت، غربت، دہشت گردی، فرقہ پرستی کی لعنت، بے پناہ، اونچ نیچ کا خاتمہ اور اسلامی مساوات پر بنی نظام قائم کریں جس سے پاکستان داخلی و خارجی خطرات کا مقابلہ کر سکے۔

آمین!

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

قائداعظم مسلم پریس کی نظر میں

یہ کتاب پروفیسر احمد سعید صاحب نے مرتب کی ہے، اور قائداعظم اکادمی کراچی نے اس کتاب کو شائع کیا۔ زیرنظر کتاب قائداعظم محمد علی جناح کی عظیم شخصیت، جدوجہد آزادی کے طویل ماہ و سال پر محیط ہوئی ہے۔ اس کتاب میں مولف نے اخبارات کے وہ اداریے مرتب کیے ہیں جو قائداعظم محمد علی جناح اور تحریکِ پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان اداریوں کا زمانہ 1910ء سے 1948ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔ اس مجموعے میں 253 اداریے شامل ہیں۔ ان اداریوں کے مطالعہ سے ان ادوار کے بہت سے پہلو، قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت اور تحریک پاکستان کے بہت سے گوشے عیاں ہیں۔ یہ کتاب 682 صفحات پر اردو ٹائپ میں شائع ہوئی۔

قائداعظم مسلم لیگ

1958ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے موقع پر خان عبدالقیوم خاں مسلم لیگ کے صدر تھے، چنانچہ انہیں بھی دوسرے سیاسی رہنماؤں کے ہمراہ گرفتار کرلیا گیا اور جیل بھیج دیا گیا لیکن جیل سے رہائی کے لیے انہوں نے صدر محمد ایوب خان کو معافی نامہ لکھ کر دیا جس کے تحت 12 دسمبر 1960ء کو انہیں رہا کر دیا گیا تاہم صدر محمد ایوب خاں کی کنونشن مسلم لیگ کی صدارت سے علیحدگی کے بعد کنونشن مسلم لیگ کے رہنماؤں نے انہیں جماعت کی صدارت سونپنے کی تجویز پیش کی لیکن خاں حبیب اللہ خاں، فدا محمد خاں اور مسلم لیگ کے دیگر ارکان کی مخالفت کی بنا پر وہ ایسا نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی علیحدہ جماعت قائداعظم مسلم لیگ قائم کی جس کے منتظم اعلیٰ صاحب زادہ

حسن محمود اور سیکرٹری جنرل ذوالفقار علی بھٹو مقرر ہوئے۔

ایک ایسا وقت بھی آیا کہ مسلم لیگ کے تینوں دھڑوں نے ادغام پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن عملاً ایسا نہ ہو سکا۔ چنانچہ خان عبدالقیوم خان نے قائداعظم مسلم لیگ کو اصلی مسلم لیگ قرار دیا اور 17، 18 اگست 1970ء کو اس کی مجلس عاملہ کا اجلاس ایبٹ آباد میں منعقد ہوا جس میں اس کا منشور منظور ہوا۔ بھٹو دورِ حکومت میں خان عبدالقیوم خان مرکزی وزیر رہے ان کی وفات کے بعد اس جماعت کی سرگرمیاں محدود ہو کر رہ گئیں۔

اس کا قیام 20 مارچ 1969ء کو سابق وزیراعلیٰ سرحد خان عبدالقیوم خان کی کوششوں سے عمل میں آیا۔ اس ضمن میں انہوں نے اعلان کیا:

"یہ کوئی نئی جماعت نہیں ہے اور نہ ہی نئے نظریات کی حامل ہے بلکہ دراصل اس مسلم لیگ کا احیاء کیا گیا ہے جس کی تنظیم قائداعظم نے کی تھی۔"

10 جنوری 1970ء میں خان عبدالقیوم خان کو کنونشن لیگ کے باغی گروپ کے طلب کردہ کونسل اور کنونشن نے پاکستان مسلم لیگ کا صدر منتخب کر لیا اور قائداعظم مسلم لیگ کو خان عبدالقیوم خان نے اس بڑی تنظیم میں مدغم کرنے پر خاموشی سے رضامندی کا اظہار کیا۔

قائداعظم میڈیکل کالج بہاولپور

اس کا نام بہاول وکٹوریہ ہسپتال تھا جس نے 1906ء میں کام کا آغاز کیا تھا۔ اس ہسپتال کو اس وقت شہرت نصیب ہوئی جب دسمبر 1945ء میں باقاعدہ طور پر وائسرائے ہند لارڈ ویول نے اس کا افتتاح کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان میں معدودے چند ہسپتال ایسے تھے جہاں گریجویٹ ڈاکٹروں کو تربیت دی جاتی تھی۔ بڑھتی ہوئی صحت کی ضروریات کے پیش نظر ملک میں مزید کالجوں کی ضرورت تھی تاہم 1955ء میں عبوری انتظامات کے تحت بہاول میڈیکل سکول قائم کر دیا گیا۔ اس سکول نے دیہی علاقوں کے لیے لائسنس یافتہ ڈاکٹر پیدا کیے۔

یہ بات عیاں تھی کہ زیادہ مدت تک عبوری انتظامات کو نہیں چلایا جا سکتا تھا اس لیے اسے 1967ء میں بند کر دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں علاقے میں صحت کے مسائل میں مزید اضافہ ہوا۔ عوام نے اسے دوبارہ جاری کرنے کا مطالبہ کیا چنانچہ ستمبر 1970ء میں حکومت پنجاب نے میڈیکل کالج کے قیام کا فیصلہ کیا، اس سے دو فوائد حاصل ہوئے۔ ایک تو عوامی مطالبے کو پورا کر دیا گیا اور دوسرے ملک کے دوسرے کالجوں میں داخلے کے لیے دباؤ کم ہو گیا۔

22 فروری 1971ء کو قائداعظم میڈیکل کالج نے باقاعدہ طور پر کام شروع کیا۔ پنجاب کے گورنر لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمٰن نے 13 ستمبر 1971ء کو اس کا افتتاح کیا۔ یہ 246 ایکڑ رقبے پر محیط ہے۔

قائداعظم میری نظر میں

اس کتاب کو صفیہ سلطانہ انور نے ترتیب دیا اور اسے 1953ء میں گوشہ ادب چوک انارکلی لاہور نے شائع کیا۔

اس کتاب میں قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

قائداعظم میری نظر میں

1987ء میں یہ کتاب منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب ذکریا ساجد نے ترتیب دی اور قائداعظم اکادمی کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔ کتاب قائداعظم محمد علی جناح کی سیرت و کردار پر ان کے رفقاء اور معاصرین کے تاثرات پر مبنی ہے۔ اس کتاب

میں قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت اور ذاتی و صفاتی خصوصیات پر اپنے تجربات کی روشنی میں وقار انبالوی، خلیل صحافی، میاں محمد شفیع، مولوی محمد سعید اور محمد احمد زبیری نے بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب 251 صفحات پر محیط ہے۔

قائداعظم میموریل فنڈ

قائداعظم محمد علی جناح کے مزار کی دیکھ بھال کے لیے جو فنڈ قائم کیا گیا اسے قائداعظم میموریل فنڈ کا نام دیا گیا۔ اس فنڈ کے قیام کا اعلان 20 ستمبر 1948ء کو گورنر جنرل پاکستان خواجہ ناظم الدین نے کیا تھا۔

قائداعظم میوزیم کراچی

4 اگست 1953ء کو اس عجائب گھر کا افتتاح پاکستان کے گورنر جنرل نے کیا۔ اس میں قائداعظم محمد علی جناح کا لباس اور دیگر اشیاء رکھی گئی ہیں۔ تاہم 1987ء میں باقاعدہ میوزیم قائم کیا گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی ذاتی اشیاء اور نادر دستاویزات کا میوزیم، یہ میوزیم 1987ء میں کراچی میں مزار قائداعظم کے پہلو میں ایک خوبصورت جالی دار عمارت کے اندر قائم کیا گیا ہے۔ میوزیم کے صدر دروازے سے داخل ہوں تو بائیں طرف قائداعظم محمد علی جناح کے استعمال میں رہنے والی دو کاریں شیشے کے کمروں میں رکھی گئی ہیں اور بائیں طرف شوکیسوں میں قائداعظم محمد علی جناح کے لباس کو رکھا گیا ہے۔ لباس میں چوڑی دار سبز رنگ کے پاجامے، گرمیوں میں پہننے والے دیسی کرتے، لکھنوی انداز میں کڑھائی والے کرتے، قمیصیں، ٹائیاں، بش شرٹ، پتلونیں اور مختلف رنگوں کے سویٹر شامل ہیں۔ ایک شوکیس میں گھڑ سواری کا لباس میوزیم کی زینت ہیں۔ گئے وقتوں کے فیشن کے مطابق بہت سے سفید کالر بھی ہیں اور سیاہ گاؤن بھی شوکیسوں میں دعوت نظارہ دیتے ہیں۔ اس لباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کو زیب تن کرنے والا کس قدر باذوق اور نفیس طبع انسان تھا۔

میوزیم میں قائداعظم محمد علی جناح کے ذاتی استعمال کی جو اشیاء رکھی گئی ہیں ان میں جوتے بھی شامل ہیں۔ ان میں کھسے بھی ہیں اور سیاہ رنگ کے چمکدار پمپ شو بھی شامل ہیں۔ میوزیم میں دائیں طرف شوکیسوں پر نظر ڈالیں تو لباس، جوتوں اور برتنوں کے شوکیس نظر آتے ہیں۔ ان میں چینی کے ڈنر سیٹ میز، کرسیاں، ایک لکڑی کی الماری اور صوفہ رکھا گیا ہے۔

اس سے آگے قائداعظم محمد علی جناح کے زیر استعمال ان کا ذاتی اسلحے کا شوکیس ہے جن میں تلواریں اور بندوقیں رکھی ہوئی ہیں۔

مطالعہ کے کمرے میں جہاں دیگر کتب ہیں وہاں قرآن مجید بھی موجود ہے۔ ایک شیشے کا کمرہ سپاسناموں سے سجایا گیا ہے۔ یہ وہ سپاسنامے ہیں جو قائداعظم محمد علی جناح کے حضور مختلف اوقات میں بعض شہروں میں وہاں کے استقبالیوں میں پیش کیے گئے۔ اس سے اگلے کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل سجی ہوئی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی چھتری ہے ایک کپڑے کا تھیلا ہے جس پر قائداعظم محمد علی جناح کے الفاظ کے پہلے حروف ایم اے جے انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں۔ دو گاڑیاں بھی محفوظ کی گئی ہیں۔

قائداعظم ہال (جامعہ ملیہ کراچی)

25 نومبر 1967ء کو ملیر میں جامعہ ملیہ کے قائداعظم ہال افتتاح مرکزی وزیر تعلیم قاضی انوار الحق نے کیا۔ اس موقع انہوں نے کہا:

''ملک کی تعلیمی ضروریات کے بڑھتے ہوئے اخراجات پورے کرنے کے لیے نجی اداروں کو حصہ لینا چاہیے۔''

قائداعظم ہاؤس

21 دسمبر 1976ء کو بلوچستان کے سینیٹر قاضی فیض اللہ نے تجویز پیش کی:

''زیارت کی ریذیڈنسی کا نام بدل کر قائداعظم ہاؤس رکھ دیا جائے۔''

انہوں نے یہ تجویز پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں تقریر کے دوران پیش کی۔

قائداعظم ہاؤس

(دیکھیے: زیارت ریذیڈنسی)

قائداعظم ہیومن رائٹس انٹرنیشنل ایوارڈ

1976ء میں قائداعظم محمد علی جناح کے صد سالہ جشن کے موقع پر وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو نے ایک لاکھ روپے کا قائداعظم ہومن رائٹس انٹرنیشنل ایوارڈ جاری کیا۔ بعد ازاں یہ رقم بڑھا کر 5 لاکھ روپے کر دی گئی۔ ایوارڈ کے منتظمین کے مطابق یہ ایوارڈ ہر اس شخص کو دیا جائے گا جس نے انسانی حقوق کے تحفظ اور اس کے فروغ کے لیے شاندار کارہائے نمایاں کا مظاہرہ کیا ہوگا۔

یہ انعام 21 اکتوبر 1976ء کو جاری کیا گیا۔

قائداعظم یونیورسٹی

4 جولائی 1967ء کو قومی اسمبلی نے اسلام آباد یونیورسٹی کا بل منظور کر لیا۔ اپوزیشن کے ڈپٹی لیڈر شاہ عزیز الرحمٰن نے اس میں دو ترامیم پیش کی تھیں جنہیں منظور کر لیا گیا۔ اس بل کا مقصد اسلام آباد میں پوسٹ گریجویٹ تعلیم اور تحقیق کے لیے ایک یونیورسٹی کا قیام تھا۔

شاہ عزیز الرحمٰن نے جو ترامیم پیش کی تھیں ان میں کہا گیا تھا:

''یونیورسٹی کے کسی ملازم کے تقرر، اس کو سزا دینے یا برطرف کرنے کے سلسلے میں وائس چانسلر کے اختیارات محدود کیے جائیں اور وائس چانسلر کو ایسے اختیار دے دیے جائیں جن کے تحت وائس چانسلر صدر پاکستان کو بھی جو چانسلر ہیں۔ برطرف کر سکتے ہیں۔''

دوسری ترمیم کا تعلق یونیورسٹی کے بجٹ سے تھا۔

اپوزیشن کے ارکان نے اس بل پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:

''یہ یونیورسٹی مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) میں کیوں قائم نہیں ہو سکتی۔''

22 اگست 1976ء کو سینیٹ نے اسلام آباد یونیورسٹی کا نام بدل کر قائداعظم یونیورسٹی رکھنے کا بل منظور کر لیا۔ یہ بل فلک شیر نے پیش کیا۔

قومی اسمبلی نے اسے پہلے ہی منظور کر لیا تھا۔ قائد ایوان راؤ عبدالستار قائد حزب اختلاف خواجہ صفدر، مولانا شاہ احمد نورانی، مسٹر مسعود احمد خان اور مسٹر عبدالوحید اختر نے بحث میں حصہ لیا۔

قائداعظم یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ سب سے پہلے 1964ء میں بنایا گیا۔ مارچ 1966ء میں قومی اقتصادی کونسل کی ایگزیکٹو کمیٹی نے اس کی اصولی منظوری دی اور بعد ازاں جولائی 1966ء میں باقاعدہ منظوری دے دی گئی۔

15 سو ایکڑ اراضی پر محیط یہ یونیورسٹی مرگلہ ایونیو کے قریب واقع ہے۔ 1967ء میں صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس وقت اس کا نام اسلام آباد یونیورسٹی رکھا گیا۔ یونیورسٹی کے تعمیری اخراجات وفاقی حکومت کے علاوہ یونیسکو اور یو این ڈی پی نے برداشت کیے۔

6 اکتوبر 1971ء کو صدر محمد یحییٰ خاں نے قائداعظم یونیورسٹی کے نئے کیمپس کا افتتاح کرتے ہوئے کہا:

”طلباء کو نہ صرف امور مملکت اور فنی شعبوں کے بارے میں مناسب تعلیم دینے کی ضرورت ہے بلکہ ان کو نظریہ پاکستان سے روشناس کرانا بھی ضروری ہے۔“

28 اپریل 1976ء میں وفاقی حکومت نے قائداعظم محمد علی جناح کے جشن صد سالہ کے موقع پر اسلام آباد یونیورسٹی کا نام قائداعظم یونیورسٹی رکھا۔

قائد کا پاکستان

قائداعظم محمد علی جناح 7 اگست 1947ء کو دہلی سے کراچی نئی مملکت کے انتظامات سنبھالنے کے لیے روانہ ہوئے۔ کراچی ایئر پورٹ پر لوگوں کا ہجوم ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔ جیسے ہی قائداعظم طیارے سے باہر آئے، بے قابو ہجوم سیڑھیوں کے قریب پہنچ گیا، اس غیر منظم ہجوم کو مخاطب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

”ایسے موقعوں پر آپ کو نظم و نسق کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ آپ ایک آزاد مملکت کے ذمہ دار شہری ہیں۔ میں اس وقت تک طیارے سے نہیں اتروں گا جب تک آپ اپنی جگہ واپس نہیں چلے جائیں گے۔“

اپنے قائد کے یہ الفاظ سنتے ہی ہجوم واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔ 14 اگست 1947ء بروز جمعتہ المبارک پاکستان بن گیا۔ آپ اپنی ہمشیرہ کے ساتھ جلوس کی شکل میں اسمبلی کی طرف روانہ ہوئے۔

15 اگست 1947ء کو جسٹس عبدالرشید نے قائداعظم محمد علی جناح سے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے حلف لیا، اس موقع پر انہوں نے تقریر کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے لیے نئے سکے اور کرنسی نوٹ جاری کروائے۔ آپ پاکستان کو ایک اسلامی مملکت بنانا چاہتے تھے۔ قائداعظم جانتے تھے کہ مغربی طرز کا نظام معیشت ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا۔ آپ نے ملک بھر کا دورہ کیا اور پاکستانی قوم کی اس مشکل موقع پر ہمت بندھائی، لاہور میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

”میں قوم کو یہ پیغام دیتا ہوں کہ اپنے اندر جوش و جذبہ پیدا کریں، مشکلوں اور مصیبتوں سے خوف زدہ نہ ہوں، کامیابی ہمارا مقدر ہے۔ یہ نعرہ کبھی نہ بھولیں۔ ”اتحاد، ایمان، تنظیم۔“

پاکستان بن جانے کے بعد سے لے کر اپنی وفات تک ایک سال کے عرصے کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے تعلیم، تجارت، آئین سازی، معاشی اور سرحدی امور کی طرف بھر پور توجہ دی۔ پاکستان بننے کے بعد آپ نے زیادہ محنت اور لگن سے کام کرنا شروع کر دیا۔

قائد کا ظرف

1943ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی میں ہندوؤں اور مسلمان طلباء کے درمیان اس بات پر تنازع ہو گیا کہ یونیورسٹی میں کانگریس کا پرچم لہرایا جائے۔

مسلمان طلباء کا کہنا تھا:

”کانگریس کا پرچم مسلمانوں کے جذبات کا عکاس نہیں، اور چونکہ الٰہ آباد یونیورسٹی میں مسلمان طلباء کی اکثریت زیر تعلیم تھی۔ اس لیے یہ پرچم وہاں اصولاً نہیں لہرایا جا سکتا۔“

ابھی یہ تنازع جاری تھا کہ اس سال پنجاب یونیورسٹی کے مسلم طلباء کی یونین سالانہ انتخاب میں اکثریت حاصل کر گئی۔ یونین کے طلباء کا ایک وفد قائداعظم محمد علی جناح کے پاس گیا، اور درخواست کی:

”آپ پنجاب یونیورسٹی ہال پر مسلم لیگ کا پرچم لہرانے کی رسم ادا کریں۔“

قائداعظم نے طلباء کو مبارکباد دی اور کہا:

"اگر تمہیں اکثریت مل گئی ہے تو یہ خوشی کی بات ہے، لیکن طاقت حاصل کرنے کے بعد اپنے غلبے کی نمائش کرنا نازیبا حرکت ہے، کوئی ایسی بات نہ کرو، جس سے کسی کی دل آزاری ہو۔ ہمارا ظرف بڑا ہونا چاہیے، کیا یہ مناسب بات ہے کہ ہم خود وہی کام کریں جس پر دوسروں کو مطعون کرتے ہیں۔"

تعمیرِ پاکستان میں ایک لیڈر کی ذاتی خصوصیات یہی تھیں، جس نے محض چند عشروں میں ایک نئی مملکت کو دنیا کے نقشے پر لا کھڑا کیا۔ کاش! اس لیڈر کی تھوڑی سی خوبیاں بھی ہم سب میں موجود ہوتیں تو آج ہم روحِ قائد سے شرمندہ نہ ہوتے۔

قائد کی خوشبو

سیماب اکبر آبادی کی نظموں کا مجموعہ ہے۔

قائد کی خوشبو کی نظمیں ہمارے شعور کو بیدار کرتی ہیں۔ ان نظموں کا ہر شعر اپنے اندر انفرادی جاذبیت رکھتا ہے۔ ان میں وسیع تجربات کی بے پناہ وسعتیں جذب ہیں جو قاری کے شعور کا جزو بن جاتی ہیں۔

قائد کی خوشبو کے دوسرے باب میں وہ نظمیں شامل ہیں جو سیماب اکبر آبادی نے قائداعظم محمد علی جناح کی حیات میں اور ان کی وفات کے بعد کہی تھی۔ ان میں سے اکثر روزنامہ جنگ کراچی، روزنامہ انجام کراچی، ہفت روزہ استقلال لاہور ماہنامہ ماہ نو کراچی اور ماہنامہ پرچم کراچی میں شائع ہو کر قبولیت عام حاصل کر چکی ہیں۔

وہ 1880ء میں اکبر آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام علامہ عاشق حسین تھا۔ انہوں نے ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔ عربی، فارسی اور اردو گھر پر والد بزرگوار مولانا محمد حسین صدیقی سے پڑھی، تعلیم کے بعد کانپور ریلوے میں ملازمت اختیار کر لی۔

اور مرصع آگرہ، کے ایڈیٹر رہے۔ داغ دہلوی سے تلمذ رہا۔

قائد کی شخصیت

ایک قائد اور رہنما کی بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دلیر ہو، نڈر ہو، بے باک ہو، جری ہو، نہ حکومت کا جاہ و جلال اسے مرعوب کر سکے نہ شاہوں اور شہریاروں کی بارگاہِ عظمت پناہ میں اس کا دل دھڑکے۔ نہ فاتحین اور کشور کشاؤں کے سامنے اس کی زبان گنگ ہو، نہ سپہ سالاروں اور شمشیر آزماؤں کو دیکھ کر اس پر لرزہ طاری ہو، نہ امارت و ثروت کے جلوے اس کی نگاہوں میں خیرگی پیدا کر سکیں۔ وہ حق بات سب کے سامنے کہہ سکتا ہو۔ بادشاہ کے سامنے بھی، اور جلاد کے سامنے بھی اور گورنر کے ایوان میں بھی، وہ اپنی قوم کا سچا اور مخلص وکیل ہو۔

نہ بہ زاری، نہ بہ زورے نہ بہ زری آید

کا مصداق ہو۔

اس معیار پر اگر قائداعظم محمد علی جناح کو پرکھا جائے اور جانچا جائے تو معلوم ہوگا۔ اس باب میں وہ فقید المثال خصائص اور قابلِ رشک اوصاف کے حامل ہیں۔ استعمار کے بام و دران کے نعرۂ حیدری سے لرزاں، شہنشاہیت کے ایوان و دربار میں اُن کی گرج، لرزہ خیز انہوں نے جو حق سمجھ لیا وہی کہا، اور اس کی پرواہ نہ کی کہ اس اعلائے کلمۃ الحق کی سزا اور عقوبت کیا ہوگی؟

لارڈ منٹو سے جھڑپ

سپریم لیجسلیٹو کونسل کی ممبری 1909ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو ملی، کونسل میں حکومت جنوبی افریقہ کا وہ ذلت بخش اور غیر شریفانہ طرزِ عمل زیر بحث آیا۔ جو اس نے

ہندوستانیوں کے ساتھ روا رکھا تھا، گوکھلے نے ایک احتجاجی تجویز پیش کی اور ایک پرمغز مدلل لیکن نرم تقریر کی۔ کونسل میں پہلی بار محمد علی جناح تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، انہوں نے اپنی تقریر میں کہا:

''یہ ایک نہایت تکلیف دہ سوال ہے، جس نے ہندوستان کے ہر طبقہ اور گروہ کو بے انتہا مشتعل اور برافروختہ کر رکھا ہے۔ ہر ہندوستانی اس سخت اور سفاکانہ سلوک سے بہت متاثر ہے، جو جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے۔''

ہزایکسی لینسی پریذیڈنٹ لارڈ منٹو نے کہا:

''میں معزز ممبر کو محتاط رہنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ ''سفاکانہ، بڑا غیر محتاط لفظ ہے۔ جو انہوں نے استعمال کیا ہے، معزز ممبر کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ایسی حکومت کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں، جو برطانوی ایمپائر کی حلیف اور دوست ہے، اور اس امر کو پیش نظر رکھ کر الفاظ کے انتخاب میں کافی غور و تامل سے کام لینا چاہیے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ٹھیک ہے، مجھے سخت الفاظ استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہیے، لیکن اس کونسل کے آئین و ضوابط سے میں پوری طرح سے واقف ہوں اور میں ان سے ایک لمحہ کے لیے بھی دامن نہیں بچانا چاہتا، لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں سے جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ وہ اتنا ظالمانہ ہے کہ ہر شخص اسے محسوس کر سکتا ہے۔ اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں یہ حقیقت ہے کہ اس ملک کا احساس غم و غصہ متفقہ ہے۔''

وزیر ہند کے اختیارات پر حملہ

مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ 1914ء میں سر ابراہیم رحمت اللہ کی زیر صدارت شہر آگرہ میں منعقد ہوا، اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک معرکتہ الآرا دستوری اور آئینی تقریر کی۔ انڈیا آفس اور وزیر ہند کے مطلق العنان اختیارات اور غیر ذمہ دارانہ روش پر سیر حاصل تبصرہ کیا اور ایک انقلابی تجویز پیش کی۔

تجویز یہ ہے:

وزیر ہند کی کونسل میں حسبِ ذیل تبدیلیاں فوراً عمل میں لائی جائیں۔

1. وزیر ہند کی تنخواہ انگریزی تخمینہ حکومت کے بجٹ سے ادا کی جائے۔
2. وزیر ہند کی کونسل کے نصف ممبر انتخاب کے ذریعے مقرر ہوں۔
3. نامزد ممبران میں سے نصف غیر سرکاری ہوں۔
4. بقیہ نصف ممبر ایسے ہوں، جو کم از کم دس سال تک ہندوستان میں ملازم رہ چکے ہوں۔
5. بلحاظ اختیارات وزیر ہند کی کونسل مشاورتی ہو نہ کہ انتظامی۔

مسلم لیگ جیسی جماعت میں جو ہوا خواہ سرکار تھی، ایسی تجویز پیش کرنا اور اسے منظور کرا لینا قائداعظم محمد علی جناح ہی کا حصہ تھا۔

لارڈ سیڈ نہم پر اعتراضات

1917ء میں مسٹر مانٹیگو وزیر ہند کے ہندوستان آنے کے بعد جب یہ یقین ہو گیا کہ اب ہندوستان اصلاحاتِ سیاسی سے بہرہ مند ہو گا تو برطانیہ کے رجعت پسند اور اقدامات پسند طبقہ میں ایک کھلبلی سی مچ گئی، اور برطانوی پریس میں ہندوستانیوں کی نااہلیت، عدم استحقاق اور نالائقی پر ایک سلسلہ مضامین شروع ہو گیا، تا کہ حکومت اپنا بڑھا ہوا قدم واپس لے

لے، اور نفاذ اصلاحات کا خیال ترک کر دے۔

سابق گورنر بمبئی لارڈ سیڈنہم نے خاص طور پر نفاذ اصلاحات کے خلاف ایک مستقل سلسلہ مضامین شروع کیا، قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں ہوم رول لیگ نے ہندوستان کی طرف سے اس کا جواب دینے کا فیصلہ کیا۔

نومبر 1917ء میں ہوم رول لیگ کے محبوب قائد اور ہندوستان کے مشہور رہنما قائداعظم محمد علی جناح کے زیر صدارت ایک شاندار جلسہ بمبئی میں منعقد ہوا، لارڈ سیڈنہم کے رویہ پر بحث کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر میں کہا:

> ''لارڈ سیڈنہم، یہ وہ رجعت پسند ہے، جو ایک عرصہ دراز تک ہندوستان کی مہمان نوازی سے متمتع ہوتا رہا۔ جس نے ہندوستان کے خزانہ سے بیش قرار تنخواہ وصول کی۔ اب وہ ایک ایسے ایجی ٹیشن کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جو کسی معقول آدمی کے لیے بھی باعث فخر نہیں ہوسکتا۔ وہ کہتا ہے ہم ہندوستانی عوام کے ٹرسٹی ہیں۔ جیسے ہی وہ حکومت خوداختیاری کی اہلیت پیدا کریں گے، ہم حکومت انہیں سونپ دیں گے۔
>
> حضرات! اس بکواس کا جواب جو بھی دے سکتا ہوں، وہ صرف یہ ہے کہ جب یہاں کے عوام حکومت خوداختیاری کے اہل ہو جائیں گے، تب وہ لارڈ منٹو سیڈنہم کے پاس حکومت خوداختیاری کی بھیک مانگنے نہیں جائیں گے۔ میں لارڈ سیڈنہم کو یہی جواب دے سکتا ہوں۔''

اپنے صوبے کے ایک سابق گورنر کے غلط طرزِ عمل پر ان الفاظ میں نکتہ چینی وہی کرسکتا تھا۔ جس کا دل اندیشہ اور وسواس سے خالی ہو۔ 1917ء کے ہندوستان کو وہ آزادیٔ تقریر نہیں حاصل تھی، جو 1946ء کے ہندوستان کو حاصل تھی۔

وار کونسل میں تقریر

جنگ عظیم 1917ء اپنے شباب پر پہنچی ہوئی تھی۔ جرمن خطرہ روز بروز شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ حکومت نے صوبوں میں وار کانفرنسیں قائم کر رکھی تھیں۔ ایک وار کانفرنس دہلی میں مرکزی حکومت نے قائم کی تھی۔ اس کانفرنس کا انعقاد ہونے والا تھا کہ گاندھی نے اپنے ایک انگریز دوست Rew ice Land of Combridge Mission کے ہاتھ وائسرائے کو ایک خط بھیجا اور لکھا:

> ''میں اپنے ملک والوں کو آمادہ کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ اپنے بڑھے ہوئے قدم پیچھے ہٹالیں، میں کانگریس کے تمام ریزولیشنوں کو واپس لینے کا مشورہ دوں گا، اور میں دورانِ جنگ میں ہوم رول یا ذمہ دار حکومت کا نام بھی نہ لوں گا، میں کوشش کروں گا کہ مادرِ ہند کا ہر تندرست بیٹا ایمپائر کی حرمت پر کٹ مرنے کے لیے میدان میں آجائے، اور اس نازک وقت میں اس کی مدد کرے۔''

یہ تو تھا گاندھی کا طرزِ عمل، اب قائداعظم محمد علی جناح کا رویہ دیکھیے، وہ دہلی کی وار کونسل میں شریک ہوئے، اور گاندھی کی طرح غیر مشروط اطاعت کا اعلان نہیں کیا، بلکہ ہندوستان میں جمہوری اصلاحات کی ترویج اور نفاذ پر ایک زبردست تجویز پیش کی، جسے صدر (ہز ایکسی لینسی وائسرائے) نے خلاف قانون قرار دیتے ہوئے پیش کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس کانفرنس میں گاندھی بھی رونق افروز تھے، وائسرائے کی اس روش سے کانفرنس میں تلخی اور بدمزگی پیدا ہوگئی، اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک مختصر تقریر کی اور کہا:

> ''ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر ہندوستان کی آئینی و دستوری اصلاحات کا سوال اس کانفرنس میں زیر بحث

لایا جائے تو اس سے مساعی جنگ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، بلکہ فائدہ پہنچے گا، ہر ہندوستانی اس ملک کے دفاع اور حفاظت کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے کو تیار ہے، لیکن سرکاری طبقہ اس سوال پر خوامخواہ بھڑکتا ہے اور وہ یہی مناسب سمجھتا ہے کہ وار کانفرنس میں بھی ہندوستانی قیادت کے وقار کو مجروح کیا جائے۔''

یاد رہے یہ تقریر وائسرائے کے سامنے کی جارہی تھی، صدر کی حیثیت سے اس نے جو''رولنگ'' دی تھی، اس کے خلاف کی جارہی تھی۔ کیا اس سے پہلے اس قسم کی کوئی جرات مندانہ مثال مل سکتی ہے؟

قائد کی وفات پر نوائے وقت کا اداریہ

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یہ بات ہر مسلمان کے دل میں ہے کہ اس وقت جبکہ پاکستان اور ملت اسلامیہ ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ قائداعظم کے تدبر اور رہنمائی کی بے حد ضرورت تھی، اس نازک مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلالیا، مگر ایک طرف عام مسلمان کے یہ دلی جذبات ہیں اور دوسری طرف اس کا یہ عقیدہ کہ کوئی موت بے وقت نہیں ہوتی!

خدا اپنے بندے کو موت کا پیغام اسی گھڑی بھیجتا ہے جب وہ اس دنیائے فانی میں اپنا وقت پورا کر چکا ہو۔ اس تاثر کو کوئی دلیل، کوئی توضیح کوئی دعاوی دل آزردہ سے دور نہیں کر سکتی کہ قوم کو اس وقت قائداعظم کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، مگر مسلمان کا اس پر بھی ایمان محکم ہے کہ موت کا وقت ہر شخص کے لیے معین ہے، اور اس میں ایک پل کے ادھر ادھر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔ قائداعظم کی وفات حسرت آیات صرف پاکستان کے مسلمانوں کے لیے ہی نہیں پورے عالم اسلام کے لیے ایک صدمہ جان کاہ ہے۔ قدرت کا قانون ہے کہ کسی انسان کو اس عالمِ خاکی میں عمرِ دوام نہیں بخشی جاسکتی۔ اگر یہ اٹل قانون کسی استثنا کا روادار ہوتا تو حضور نبی ﷺ کی ذات ستودہ صفات اس سے مستثنیٰ ہوتی، مگر موت محمد ﷺ کے لیے بھی مقدر تھی۔ حضور ﷺ کی وفات کا بھی مسلمانوں کو اس قدر صدمہ ہوا کہ ان کے دل نہیں مانتے تھے کہ اللہ کا رسول ﷺ بھی مر سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو وفورِ غم سے بے حال تھے، اور تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر اعلان کرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ محمد ﷺ مر گئے، میں اس کا سر تن سے اڑا دوں گا۔ اس وقت رسول کریم ﷺ کے حبیب صدیق اور یارِ غار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، انہوں نے ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ عمر! صبر و تحمل سے کام لو۔ پھر بآواز بلند فرمایا:

''اے ایمان والو! جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا تھا، وہ سن لے کہ محمد ﷺ آج انتقال فرما گئے، لیکن جو شخص اللہ کی پرستش کرتا تھا وہ سن لے کہ اللہ زندہ ہے، اور اسے موت نہیں!''

قائداعظم محمد علی جناح، محمد ﷺ کے ان غلاموں میں سے ہیں، جنہوں نے اپنے خلوص اور عمل سے عاشقانِ نبی (ﷺ) کی صف میں ایک ممتاز جگہ حاصل کر لی ہے۔ صدی میں ان سے بڑھ کر کسی نے امت محمدی کی خدمت نہیں کی، یہ خدمت خود رسولِ پاک ﷺ کی خدمت گنی جائے گی، ہم تو اسے نبی



قائداعظمؒ یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان (کراچی) کے افتتاح کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے۔

ﷺ کا اعجاز سمجھتے ہیں کہ محمد ﷺ کا ایک غلام ہندوؤں اور انگریزوں کے مشترکہ محاذ کے خلاف تن تنہا اور بالکل بے سرو سامانی کے ساتھ برسرِ پیکار رہا اور آخر کار اللہ نے اس کو فتح بخشی۔ تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ ایک بے یار و مددگار آدمی کی کوششوں سے ایک عظیم الشان مملکت سات سال کے قلیل عرصے میں معرضِ وجود میں آئی۔ یہ معجزہ مشیت ایزدی نے محمد ﷺ کے ایک غلام کی قسمت میں ہی لکھ رکھا تھا۔

قائداعظم اور پاکستان لازم و ملزوم تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم نے خود اپنے وجود کو پاکستان کے وجود میں مدغم کر دیا تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ مرحوم و مغفور کی صحت گزشتہ دو ماہ سے خراب تھی، اور ڈاکٹروں نے انہیں کامل آرام کی تاکید کر رکھی تھی۔ طبی مشورہ کے ماتحت ہی وہ پہلے زیارت میں اور اس کے بعد کوئٹہ میں قیام فرما تھے، مگر پاکستان کے لیے محنت کا یہ عالم تھا کہ کوئٹہ سے ایک نامہ نگار حبیب الرحمٰن صاحب کا خط ہمیں 12 ستمبر کو وصول ہوا، جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:

''جناب قائداعظم مدظلہ العالی بخیر و عافیت ہیں اور مملکت پاکستان کے نظم و نسق کے متعلق 6 گھنٹے دفتر میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔''

یہ خط 10 یا 11 ستمبر کو لکھا گیا ہوگا۔ نامہ نگار نے اس وقت ڈاک میں ڈالا۔ جب قائداعظم ابھی کوئٹہ میں ہی تھے، مگر ہمارے دفتر میں ایسے وقت پہنچا کہ ان کی وفات حسرت آیات کی خبر 8 گھنٹے پہلے موصول ہو چکی تھی۔ غور فرمایئے، 71 برس کی عمر، مرض الموت لاحق، کمزوری کا یہ عالم کہ ڈاکٹر آرام کا مشورہ دے رہے ہیں، مگر فرض کا احساس اور استحکامِ پاکستان کی لگن ہے کہ اس حال میں بھی 6 گھنٹے روزانہ کام کر رہے ہیں۔

خدمت! بے غرض خدمت!! مسلسل خدمت!! یہی قائداعظم کا پیغام ہے۔ جو وہ قوم کے نام چھوڑ گئے ہیں۔ ان کی روح زندہ ہے، اور دیکھ رہی ہے کہ قوم ان کے اس پیغام پر کس طرح لبیک کہتی ہے۔

محمد علی جناح مجسم پاکستان تھے۔ اگر پاکستان زندہ ہے تو محمد علی جناح زندہ ہیں۔ انشاء اللہ پاکستان ابدالآباد تک زندہ رہے گا، محمد علی جناح بھی ابدالآباد تک زندہ رہیں گے! دو سو سال بعد بھی جب کسی کے لب پر پاکستان کا نام آئے گا تو اس کا ذہن خود بخود محمد علی جناح کی طرف لوٹ جائے گا۔

قائداعظم ان زندہ جاوید ہستیوں میں سے ہیں، جنہیں موت کا بے رحم ہاتھ بھی نہیں مٹا سکتا۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

ان کا خاکی جسم آج ہمارے درمیان نہیں، مگر جو مشعل انہوں نے روشن کی ہے، وہ صدیوں تک ہماری رہنمائی کرتی رہے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج ہم چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں، مگر قائداعظم کی موت ہمارے دلوں میں افسردگی، مایوسی کے بجائے ایک نیا عزم اور ایک نیا ولولہ ان خطروں کے مقابلے کے لیے پیدا کرے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے، مگر قائداعظم کی زندگی سے ہمیں روشنی ملے گی۔ انہوں نے حق کی شمع کو ایسے وقت میں بلند کیا تھا، جب چاروں طرف اس سے بھی زیادہ گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا، یہ ٹھیک ہے کہ آج ہم میں کوئی ایسا لیڈر نہیں ہے، جو ان کی جگہ لے سکے،

مگر قائداعظم کو بھی اللہ نے ہی ہماری قیادت کے لیے مامور فرمایا تھا، اور انہوں نے ہماری رہنمائی کا ذمہ اسی وقت اٹھایا، جب خدا کو یہ منظور ہوا کہ وہ مسلمانانِ ہند کی کشتی کو گرداب سے نکال کر ساحلِ مراد تک لے جائیں، ورنہ یہی قوم اور یہی محمد علی جناح تھے۔ 1907ء سے ان کا شمار آل انڈیا اتحاد کے لیڈروں میں ہوتا تھا، مگر 1937ء تک کسی نے ایسے گوہر یک دانہ کی قدر نہ پہچانی، لیکن جب خدا کو یہ منظور ہوا کہ میرِ کارواں بنے تو دس ہی سال کے اندر پوری قوم ان کی پشت پر تھی اور سارے دشمن ان کے قدموں پر۔ اللہ کو منظور ہوگا تو وہ قائداعظم کا جانشین بھی پیدا کرے گا، لیکن جب تک وہ مردِ مومن اس خلا کو نہیں پورا کر دیتا، جو محمد علی جناح کی موت نے پیدا کردیا ہے۔ اس وقت تک ہم میں سے ہر ایک کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ محمد علی جناح بن جائے، یعنی ہر شخص جہاں کہیں بھی ہے وزیر ہے یا سرکاری حاکم، کارخانہ دار ہے یا تاجر، دکاندار ہے یا مزدور، بوڑھا ہے یا جوان، عورت ہے یا مرد، اسی بے غرضی، اسی ہمت، اسی عزم اور اسی استقلال کے ساتھ ملک و ملت کی خدمت پر کمر باندھ لے جو قائداعظم کے طغرائے امتیاز تھے۔ محمد علی جناح جب تک زندہ رہے، سات کروڑ پاکستانیوں کا کام کرتے رہے، اور چھوٹے بڑے ہر مسلمان کا ہر مسئلہ کے متعلق یہی ردِ عمل ہوتا تھا کہ قائداعظم اسے بحسن وخوبی حل کرلیں گے۔ مجھے فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اب ان کی موت کے بعد سات کروڑ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ مل کر اس کام کو مکمل کرنے کی کوشش کریں جسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش میں قائداعظم نے اپنی جان عزیز، جاں آفریں کے سپرد کی۔ یہ کام استحکامِ پاکستان ہے۔ قائداعظم کی بہترین یادگار پاکستان ہے اور ان سے محبت کا بہترین مظاہرہ اسے مضبوط بنانے کی سعی۔

قائداعظم زندہ باد

پاکستان پائندہ باد''

قائد ہم شرمندہ ہیں

ناصر آغا اپنے کالم میں قائداعظم محمد علی جناح کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''آپ کا معالج آپ کو چھ ماہ تک زندگی کے خاتمہ کی نوید سنا رہا تھا کہ آرام کی سخت ضرورت ہے۔ آپ جان کی فکرمندی کی بجائے ڈاکٹر کو قسم ڈالتے ہیں کہ اس خطرناک صورتحال کی خبر کو راز بنا کر رکھنا، ورنہ دشمنانِ پاکستان آزادی کے منصوبے کو التواء میں ڈال کر ختم بھی کرسکتے ہیں۔

یہ تھی وہ جرأت و پامردی اور منزل پاکستان کی سچی لگن کہ ملک وقوم کے لیے جان کی پرواہ کیے بغیر مسلسل پہلے سے بھی زیادہ محنت سے کام کرنے لگے۔ کوئی ترغیب کوئی لالچ کوئی خوف یا دباؤ آپ کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہ کرسکا، اور ہمیں آزادی دلا کر ہی دم لیا۔

لیکن قائداعظم ہم شرمندہ ہیں کہ آپ کے اس قدر جاں فشانی سے حاصل کردہ اس ارضِ پاک کو ہم نے اپنی نااہلیوں سے چوتھائی صدی سے بھی پہلے دولخت کر دیا، اور پھر بھی اس سانحہ سے ہماری آنکھیں نہ کھلیں، اور باقی ماندہ پاکستان بھی سنگین بحرانوں سے دوچار ہے۔ ہمارے سر ندامت سے جھکے ہوئے ہیں

کہ آپ کی چھوٹی سی عارضی رہائش گاہ کی ہی حفاظت نہ کر سکے، اور اسے دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن قائد! یہ دشمن نہیں جانتے آپ تو کروڑوں محب وطن پاکستانیوں کے دلوں کے مکین ہیں۔ان بدبختوں نے آپ کی رہائش گاہ کو نشانہ بنا کر انہی دلوں کو تاراج کیا ہے، جن میں آپ بستے ہیں۔

ہم شرمندہ ہیں کہ جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت میں ناکامی کے ساتھ ساتھ ہم آپ کی قائم کردہ نظریاتی سرحدوں پر بھی پسپائی کا شکار ہیں۔

یہ پسپائی یہ ذلت آپ کے دیے ہوئے رہنما زریں اصولوں سے انحراف و روگردانی کی بنا پر ہے۔آپ نے ایمان، تنظیم اور یقین محکم جیسے بیش قیمت قول سے نوازا، ہم نے بے ایمانی، انتشار اور بے یقینی کو شعار بنایا، آپ نے کام، کام اور بس کام پر زور دیا، ہم نے غفلت، لاپرواہی کے ساتھ کھیل، کھیل، کھیل اور بس کھیل کا وطیرہ اپنا کر قوم کو کرکٹریا میں مبتلا کر دیا، آپ نے قرآن مجید کو آخری اور قطعی رہبر قرار دیا اور فرمایا۔ ’’قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرتے رہو آخری فتح ہماری ہوگی۔‘‘ پیارے قائد! آپ نے عشق رسول ﷺ سے لبریز ہو کر معلم انسانیت کو عظیموں کی عظیم ہستی قرار فرمایا کہ ہماری نجات اسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے، جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام ﷺ نے بتایا ہے۔

انہی اسلامی جذبوں سے سرشار ہو کر قائداعظم آپ نے پاکستان کو اسلام کے اصولوں کو آزمانے کی تجربہ گاہ قرار دیا۔ قائد ہم شرمندہ ہیں کہ آج کچھ بیرونی آقاؤں کے کاسہ لیس تو کچھ اسلام بیزار اسلام کی عظمت سے ناآشنا کبھی آپ کو سیکولر تو کبھی آپ کے ایک آدھ بیان کو سیاق و سباق سے ہٹ کر اس کی خودساختہ تشریح کے ذریعے پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کے بیانات سے حقائق کو مسخ کر رہے ہیں۔

جبکہ آپ نے تو ان کے منہ یہ کہہ کر بند کر دیے تھے کہ ’’اسلام کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ہم نے جمہوریت تیرہ سو سال پہلے سیکھ لی تھی۔‘‘ اور یہ بھی فرمایا: ’’اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابلِ اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔‘‘ آپ نے تو پاک سرزمین کی اصل منزل اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی انصاف، اسلامی مساوات قرار دے کر ان باطل نظریات کا رد فرما دیا تھا۔ ہم شرمندہ ہیں کہ ہم ان جہلا کو یہ بھی باور نہ کرا سکے کہ آپ نے واضح فرمایا تھا کہ:

’’پاکستان اسلامی نظریات پر مبنی ایک مسلم ریاست ہوگی۔ یہ پاپائی ریاست نہیں ہوگی۔‘‘ عظیم قائد! ہم شرمندہ ہیں، ہماری اسلامی اقدار ہمارے ہی ہاتھوں رو بہ زوال ہیں، جبکہ آپ نے تو ترقی کی معراج پر پہنچنے کے لیے اسلامی اقدار کو ناگزیر قرار دیا۔

یہ تمام بحران آپ کے اپنے پاکیزہ خیالات و ارشادات سے پہلوتہی کا نتیجہ ہیں، ہم شرمندہ ہیں آپ نے 21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں تین لاکھ کے اجتماع میں واشگاف الفاظ میں اردو کو پاکستان کی قومی و سرکاری زبان قرار دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی آپ کو غلط راستے پر ڈالے، وہ درحقیقت پاکستان کا دشمن ہے۔ ایک سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم مضبوط بنیادوں پر متحد و یکجا نہیں رہ سکتی، اور نہ ہی وہ بحیثیت قوم اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔

ایک اور بیان میں آپ نے الگ تشخص کی پہچان

مذہب، ثقافت، زبان، آرٹ، موسیقی، تاریخی روایات اور فن وغیرہ کو قرار دیا۔
آپ نے تعلیم کا مدعا جسمانی و ذہنی اور روحانی ارتقا قرار دیا، اور تعلیمی پالیسی کے رہنما اصول اپنی تاریخ و ثقافت سے ہم آہنگ جدید تقاضوں کے مطابق بیان فرمایا، کبھی یہ کہہ کر تعلیم کی اہمیت اجاگر کی کہ ہماری قوم کے لیے تعلیم زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ آپ نے علم کو تلوار سے بھی زیادہ طاقتور قرار دیا۔
ہم شرمساری وندامت کے ساتھ کھڑے معذرت خواہ ہیں کہ ابھی ہم نے میکالے کے وضع کردہ نظام تعلیم اور مغربی آقاؤں کی غلامی کا شکار نصاب و نظام تعلیم کو نہیں چھوڑا، قائداعظم آپ نے میڈیا کو عظیم قوت قرار دیا اور اسے رہنمائی اور گمراہی دونوں کا ذمہ دار قرار دیا، اسے اہم کردار ادا کرنے کی ہدایت کی۔
ہم اس میدان میں بھی حکم بجا نہ لا سکے۔ ہم شرمندگی و ندامت اور خود احتسابی کے جذبہ سے سرشار وعدہ کرتے ہیں کہ ہم انشاء اللہ پاکستان کو لا الٰہ الا اللہ کا مطلب دے کر آپ کی روح کو تسکین دیں گے۔"

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 11 ستمبر 2013ء)

قحط زدگان (امداد)

اکتوبر 1943ء میں بنگال میں شدید قحط پیدا ہوا جس کے نتیجے میں اٹھارہ لاکھ تہتر ہزار سات سو نہتر افراد ہلاک ہوئے۔

7 نومبر 1943ء کو قحط زدگان کی امداد کے لیے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے سیکرٹری نواب سر یامین خاں کے گھر ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں قائداعظم محمد علی جناح کے علاوہ مولانا ظفر علی خاں، نواب زادہ لیاقت علی خاں، ڈاکٹر سر ضیاء الدین، سر سید علی رضا، مولانا عبدالمفتی، مسٹر اظہر علی، سیٹھ عبدالستار، نواب صدیق علی خاں، مسٹر یوسف ہارون، غلام بھیک نیرنگ، حاجی چودھری اسماعیل، چودھری محمد حسین اور حافظ محمد عبداللہ نے شرکت کی۔

اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ اسمبلی پارٹی ایک ہزار روپے اپنے ارکان میں سے جمع کر کے قائداعظم محمد علی جناح کو دے تاکہ وہ مسلم لیگ پارٹی کی طرف سے بنگال کے مصیبت زدگان کی امداد کے لیے بھیجیں، چنانچہ چند روز کے بعد مولانا نے ایک چیک کی صورت میں رقم قائداعظم محمد علی جناح کو بھجوا دی۔

قد اور وزن

قائداعظم محمد علی جناح کا قد پانچ فٹ ساڑھے دس انچ اور عام وزن تقریباً 112 پاؤنڈ تھا۔

قدردان محمد علی جناح

چوہدری اسد اللہ خاں اپنے ایک مضمون "قدر والوں کے قدردان محمد علی جناح" میں قائداعظم کی اس خوبی کو کہ وہ مخلص لوگوں کی ہمیشہ پذیرائی کرتے تھے۔ رقمطراز ہیں:

"بدقسمتی سے خارجہ قوتوں کے ایماء پر پاکستان کا ایک مخصوص طبقہ مختلف نظریات اور اقوال کو قائداعظم سے منسوب کر کے عظیم قائد کے مقامِ رفعت کو کم کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ قائداعظم بہت مغرور تھے۔ خود پسند تھے اور کسی دوسرے شخص کی ذات اور بات کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ ایسے الزامات حقیقت کے برعکس ہیں۔ ہاں! یہ درست ہے کہ قائداعظم خوشامدیوں کو ہرگز منہ نہ لگاتے تھے۔ وہ لیاقت، صداقت، دیانت اور تحریکِ پاکستان میں جانثاری و جاں سپاری کا جذبہ صادق رکھنے والوں کی بہت قدر کرتے تھے۔ تاریخ پاکستان

میں ایسے لوگوں کا ریکارڈ موجود ہے، آیئے ہم بھی دیکھیں۔''

علامہ محمد اقبال

''یوم اقبال کے جلسہ لاہور میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:
''علامہ اقبال اب ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ معلوم کر کے خوش ہوتے کہ ہم نے بعینہٖ وہی کیا جو'' وہ ہم سے کروانا چاہتے تھے۔''
مشاہد احمد، رزاقی کی کتاب ''اقبال اور سیاسیات'' کے پیش لفظ میں قائداعظم نے لکھا ہے:
''ہر بڑی تحریک کو ایک مفکر اور ایک فکری رہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہند کے لوگوں کے فکری رہنما علامہ اقبال تھے۔''

لیاقت علی خان

26 دسمبر 1943ء کو مسلم لیگ کے کراچی کے اجلاس میں قائداعظم نے فرمایا:
''لیاقت علی خان میرے دستِ راست ہیں۔ وہ شب و روز کام اور خدمت کرتے ہیں۔ یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ اپنے کندھوں پر کتنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں، وہ نواب زادہ ہیں، لیکن عام انسانوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ دوسرے نواب بھی ان کی پیروی کریں گے۔''
زمانے نے دیکھ لیا کہ لیاقت علی خان کا بطور وزیراعظم انتخاب قائداعظم کا لاثانی اور لافانی انتخاب تھا۔

مولانا شوکت علی

مولانا شوکت علی 28 نومبر 1938ء کو اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ ان کی وفات پر قائداعظم نے فرمایا:
''مولانا شوکت علی ایسے انسان تھے، جو نیک مقاصد کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ وہ تمام راستے کی تکلیفوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے۔ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ خدا ان کو جنت میں جگہ دے۔ آمین''

محترمہ فاطمہ جناح

محترمہ فاطمہ جناح جاں نثار عظیم بہن کی والہانہ محبت اور ایثار کا قائداعظم نے یوں اعتراف کیا:
'میری بہن فاطمہ نے طویل مدت تک میری خدمت کر کے اور مسلم خواتین کو بیدار کر کے مجھ پر اور پوری قوم پر ایک بہت بڑا احسان کیا، جس کا بدلہ میں نہیں دے سکتا۔''
اس کے علاوہ قائد نے ہر اس خاتون کو بہت محترم جانا، جس نے تحریکِ پاکستان میں شامل ہو کر حصولِ پاکستان کے لیے مخلصانہ تگ و دو کی۔ ان میں بیگم شاہنواز، بیگم رعنا لیاقت علی خاں اور لیڈی ہارون کے اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں۔

مولانا عبدالستار خان نیازی

یکم مارچ 1941ء کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے اسلامیہ کالج لاہور میں قائداعظم کی زیرِ صدارت ''پاکستان کانفرنس'' منعقد کی۔ اس موقع پر نوجوان عبدالستار خان نیازی کی ولولہ انگیز تقریر پر قائد نے فرمایا:
''یہ تقریر سننے کے بعد مجھے کامل یقین ہو چلا ہے اگر مسٹر نیازی جیسے جوان میرے ساتھ رہے تو ہم ضرور پاکستان حاصل کر لیں گے۔ انشاءاللہ''

حمید نظامی

حمید نظامی کو یہ لافانی اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے قائد کی تکمیل آرزو کے لیے روزنامہ ''نوائے وقت'' کا اجراء 23 مارچ 1940ء کو قراردادِ پاکستان کے تاریخی موقع پر کیا۔ بے لوث، قابلِ رشک، جاں نثار نظامی قائداعظم کو اس قدر عزیز تھے کہ آپ نے ہدایت دے رکھی تھی:

''جب بھی حمید نظامی ملنے کے لیے آئیں تو ان سے میری ملاقات اس طور پر کروائی جائے خواہ میں سویا ہوا ہی کیوں نہ ہوں۔''

یقیناً حمید نظامی کا یہ بلند مقام قابلِ رشک تھا۔

بلوچستان کے لوگ

بلوچستان کے نوابین مسلمانوں کے عظیم رہنما کو دل و جان سے چاہتے تھے، اور والہانہ پیار کرتے تھے۔ قائداعظم ان کے جذبہ ایثار و محبت کے باعث ان کے بہت شکرگزار تھے۔ کوئٹہ شہر میں 15 جون 1948ء کو شہری سپاس نامہ کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

''بلوچستان آزاد اور بہادر انسانوں کی سرزمین ہے۔''

خان عبدالقیوم خان

مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد خان عبدالقیوم خان اپنے لیڈر کے ہر حکم پر جاں سپاری کو سرشاری سمجھتے تھے۔ سابق صوبہ سرحد میں سرحدی گاندھی باچا خان کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ ان کٹھن حالات میں سابق صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کے فروغ اور عروج کا سہرا فقط عبدالقیوم کے سر ہے۔ اس بناء پر قائداعظم خان صاحب کی بہت قدر کرتے تھے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کی پہلی حکومت میں خان صاحب کو پہلا وزیراعلیٰ بنایا گیا۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق

اردو کے عاشقِ صادق مولوی عبدالحق ابتدائی زمانہ میں قائداعظم کے متعلق کوئی اچھی رائے نہ رکھتے تھے، لیکن جب قریب سے قائد کو دیکھنے کا موقع ملا تو قائد کے قائل ہو گئے۔ پھر مولوی صاحب نے دلی میں اپنی قیام گاہ پر قائداعظم کے اعزاز میں ظہرانہ دیا۔ قائداعظم نے مولوی صاحب کی خواہش کا خاص احترام کرتے ہوئے اس دعوت میں اعلان فرمایا:

''پاکستان کی قومی و سرکاری زبان اردو ہوگی۔''

بعدازاں قائداعظم نے قراردادِ پاکستان اور پھر پاکستان بننے کے بعد متعدد مرتبہ اردو کو سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا۔

دیگر نمایاں لوگ

دیگر قائدین میں مولانا محمد شفیع، مولانا ظفر علی خان، علی برادران، سلطان آغا خان سوم، عبداللہ ہارون، مولانا حسرت موہانی، مولوی فضل الحق، نواب بہادر یار جنگ، چودھری رحمت علی، سردار عبدالرب نشتر، راجہ صاحب محمود آباد، چودھری خلیق الزمان، نواب محمد اسماعیل خاں، چودھری محمد علی، خواجہ ناظم الدین، حسین شہید سہروردی، غلام حسین ہدایت اللہ، ابراہیم اسماعیل چندریگر اور میاں بشیر احمد بطور خاص شامل ہیں۔ پاکستان کی پہلی کابینہ کے آٹھ وزراء بھی قائداعظم کے محبوب لوگ تھے۔

قائداعظم کے باوفا چند جاں نثار ساتھی مثلاً لیاقت علی خان، محترمہ فاطمہ جناح، سردار عبدالرب نشتر جیسے

عظیم لوگ احاطۂ مزارِ قائد میں مدفون ہیں۔ وہ انشاء اللہ قیامت تک اپنے عظیم قائد کا ساتھ نبھائیں گے۔ یقیناً چشمِ فلک نے ایسا عظیم لیڈر اور ایسے جاں نثار ساتھی خال خال ہی دیکھے ہوں گے۔

خدا رحمت کند ایں بندگانِ پاک طینت را

(ماہنامہ پھول، اشاعت دسمبر 2012ء)

قدوائی، امیر الدین

وہ تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما تھے اور پاکستان کا پرچم بھی انہوں نے ہی ڈیزائن کیا تھا۔ وہ 1901ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم پائی۔ پاکستان کے قومی پرچم کا ڈیزائن انہوں نے تجویز کیا تھا جسے قائداعظم محمد علی جناح نے منظور کر لیا تھا۔ سیاسی زندگی کا آغاز تحریک خلافت سے کیا اور علی برادران کے ساتھ تحریک میں کام کرتے رہے۔ اس دوران میں آل انڈیا مسلم یوتھ کانفرنس کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ 1936ء میں سر راس مسعود کے پرنسپل اعزازی سیکرٹری مقرر ہوئے، اور مسلم یونیورسٹی کی نشاۃ ثانیہ کے لیے کام کرتے رہے۔

آل انڈیا مسلم کانفرنس کے سیکرٹری جنرل بھی رہے۔ کانفرنس کے صدر آغا خاں، نائب صدر عبداللہ ہارون اور علامہ اقبال تھے۔ تحریک پاکستان میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ٹیم میں شامل رہے، اور علی گڑھ میں پاکستان سکیم تیار کی جس کو بنیاد بنا کر قائداعظم محمد علی جناح نے 1940ء کی قرارداد تیار کی۔ یوپی مسلم لیگ میں کئی حیثیتوں سے کام کیا اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن رہے۔ 1947ء میں پاکستان آ گئے۔ اس سے قبل 1946ء میں پاکستان کے جھنڈے کا ڈیزائن بنایا۔ پاکستان میں لاہور لاء کالج کے پروفیسر رہے۔ سینئر ایڈووکیٹ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ جمعیت العلمائے پاکستان کے نائب صدر بھی رہے۔ 21 اگست 1973ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔

قرآن پاک اور قائداعظم

◆ قرآنی تعلیمات کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح کے افکار و نظریات ڈھکے چھپے اور پوشیدہ نہ تھے۔ ان کے افکار و نظریات بھی وہی تھے جو کہ سچے مسلمانوں کے ہیں۔ انہوں نے اس ضمن میں دوٹوک فرمایا:

''مسلمانوں کے لیے پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے پاس تو تیرہ سو سال سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے، اور وہ قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک میں ہماری اقتصادی، تمدنی و معاشرتی اصلاح و ترقی کے علاوہ سیاسی پروگرام بھی موجود ہے۔ میرا اس قانونِ الٰہیہ پر ایمان ہے اور جو میں آزادی کا طالب ہوں وہ اسی کلامِ الٰہی کی تعمیل ہے۔ قرآن پاک ہمیں تین چیزوں کی ہدایت کرتا ہے۔ آزادی، مساوات اور اخوت، بحیثیت ایک مسلمان کے میں بھی انہی تین چیزوں کے حصول کا متمنی ہوں۔ تعلیم قرآن ہی میں ہماری نجات ہے اور اس کے ذریعے ہم ترقی کے تمام مدارج طے کر سکتے ہیں۔''

30 اکتوبر 1947ء کو لاہور کے سب سے بڑے اور تاریخی اجلاس میں جو یونیورسٹی گراؤنڈ میں منعقد ہوا قائداعظم محمد علی جناح نے قرآنی تعلیمات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

''اگر ہم قرآنی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کریں تو میں پھر کہوں گا کہ فتح ہماری ہوگی۔ آپ ایک لمحے کے لیے بھی یہ مت سوچیں کہ آپ کے دشمن اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکیں گے۔ آپ کام کی زیادتی سے مغلوب نہ ہوں۔ آپ کی تاریخ ایسی مثالوں سے

بھری پڑی ہے کہ یقین محکم اور بلندی کردار سے قوم کی تشکیل ہوئی ہے۔ آپ لوگ تو آہنی قوت کے مالک ہیں اور کوئی آپ کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ بھلا آپ کیوں اپنے آباؤ اجداد کی طرح اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ آپ کو اپنے اندر مجاہدانہ جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔ آپ ایسی قوم ہیں جس کی تاریخ بے مثال صاحبِ کردار اور بہادروں اور مجاہدوں کے سنہری کارناموں سے بھرپور ہے۔ آپ اپنی تاریخی روایات قائم رکھئے اور ان میں آپ شاندار باب کا اضافہ کیجئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ اپنا کردار بلند رکھئے، اور موت سے ہرگز نہ ڈریے، کیونکہ ہمارا مذہب سکھاتا ہے کہ ہم ہر وقت موت کے لیے تیار رہیں۔ ہم بہادری سے اس کا مقابلہ کریں تاکہ اسلام اور پاکستان کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ مسلمان کے لیے شہادت کی موت سے بہتر اور کوئی ذریعہ نجات نہیں ہے۔ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ وہ حق کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کردے۔ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے صدق دل سے اپنا فرض ادا کرتے رہیں۔''

◆ 11 جولائی 1946ء کو حیدرآباد دکن کے جلسہ عام میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں کہا:

''میدانِ سیاست میں ہندو اور مسلمان کی جنگ جاری ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کامیاب کون ہوگا۔ علمِ غیب تو خدا کو ہے، لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن پاک کو اپنا آخری اور قطعی رہبر سمجھ کر صبر و رضا کے طریقے پر کاربند ہوجائیں، اور خدائے پاک کے اس ارشاد کو فراموش نہ کریں کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی ایک طاقت یا کئی طاقتوں کا اتحاد بھی مغلوب نہیں کرسکتا۔ مجھے یقین ہے کہ ہم تعداد میں کم ہونے کے باوجود فتح یاب ہوں گے، اور اس طرح کامیاب و فتح یاب ہوں گے، جس طرح مٹھی بھر مسلمانوں نے ایران و روم کی سلطنتوں کے تخت الٹ دیے تھے۔''

قرآنی تعلیمات

11 جولائی 1946ء کو چار بجے شام قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ حیدرآباد دکن کے ایک عظیم الشان اجتماع میں ''قرآنی تعلیمات'' کی برکات پر ایک جامع اور مسبوط تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

''ہم ہندوستان میں کسی قوم کے جائز حقوق و مفاد کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے، لیکن یہ بھی گوارہ نہیں کرسکتے کہ ہماری گردنوں میں اغیار کی غلامی کا گرانبار طوق پڑا رہے۔ پاکستان کے مطالبہ سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کی اکثریت کے علاقوں میں اسلامی تعلیمات کے مطابق آزادی کی فضا میں زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہوجائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ بھی فرمایا:

''میں نے حکومت کے باب عالی کے ممبروں اور حیدرآباد کے لیڈروں کو مشورے دیے ہیں۔ ان سے حیدرآباد میں بسنے والی تمام قوموں کو فائدہ پہنچے گا، اور کسی قسم کی حق تلفی نہ ہوگی۔''

قرارداد پاکستان

◆ قائداعظم محمد علی جناح کی زیرِ صدارت 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں جو قرارداد منظور کی گئی تھی اسے قرارداد لاہور کا نام دیا گیا تھا لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے 19 نومبر 1940ء کو مرکزی اسمبلی

میں تقریر کرتے ہوئے اسے پہلی مرتبہ قرارداد پاکستان کا نام دیا، اور کہا:

''ہم اس کے حصول کے لیے لڑنے اور مرنے پر بھی تیار ہیں۔''

◆ 29 دسمبر 1930ء کو مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس الٰہ آباد میں ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس وقت انگلستان میں تھے۔ شاعرِ مشرق، مفکر اسلام علامہ محمد اقبال نے اس اجلاس کی صدارت کی۔ وہ (Lincolns Inn) کے بیرسٹر تھے۔ کیمبرج (Cambridge) کے گریجویٹ تھے۔ انہوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری جرمنی کی ہائیڈل برگ (Haidelberg) یونیورسٹی سے حاصل کی تھی لیکن وہ اپنی زندگی میں انتہائی مذہبی خیال کے حامل رہے۔ اپنے خطبہ صدارت میں علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے دوقومی نظریہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا:

''فرقہ وارانہ گروہوں کی حقیقت کو تسلیم کیے بغیر مغربی جمہوریت کے اصول کا ہندوستان میں اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے انڈیا کے اندر مسلم انڈیا کے قیام کا ہر ممکن جواز ہے..... ذاتی طور پر میں (آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی) قرارداد کے مطالبات سے بھی آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ میں پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ایک ریاست کی صورت میں متحد دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک برٹش ایمپائر کے اندر یا اس سے باہر ایک ایسی خود اختیار مربوط مسلم ریاست کی تشکیل مسلمانوں کا کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہے۔''

اقبال اپنی نگاہ بصیرت سے مستقبل میں پاکستان کو دنیا کے نقشے پر ابھرتا دیکھ رہے تھے۔ واضح رہے کہ علامہ اقبال نے اس اجلاس میں کوئی قرارداد پیش نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں یہ ان کی پیش گوئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے 12 اکتوبر 1931ء کے ''دی ٹائمز'' میں ایک خط لکھا:

''میں برٹش ایمپائر سے باہر مسلم ریاست کا مطالبہ پیش نہیں کر رہا بلکہ ان زبردست طاقتوں کے دھندلے مستقبل میں جواب برصغیر ہندوستان کے مقدر کو تشکیل کر رہی ہیں ایک ممکن نتیجے کو صرف قیاس کر رہا ہوں۔''

1933ء میں پنجاب کے چوہدری رحمت علی نے کیمبرج سے ایک پمفلٹ شائع کیا جس میں پنجاب، سرحد (افغان صوبہ)، کشمیر، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل یونٹ کے لیے ایک علیٰحدہ فیڈریشن کے طور پر پاکستان (Pak (I) Stan) ''پاک ستان'' کا لفظ تجویز کیا گیا تھا۔ ان کے بقول یہ ڈاکٹر اقبال کے تصور سے بنیادی طور پر مختلف تھا کیونکہ انہوں نے آل انڈیا فیڈریشن کے اندر ایک وحدت کا مطالبہ کیا تھا۔

علامہ اقبال کے اس خطبے کے دس سال بعد تک مسلم لیگ اس کوشش میں رہی کہ کانگریس کے ساتھ ایک ایسا سمجھوتہ ہو جائے جس سے متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تسلی کے مطابق ان کے حقوق کا آئینی تحفظ ہو سکے، لیکن مسلم رہنماؤں کی مسلسل سعی کے باوجود ہندوقوم کی ذہنیت نہیں بدلی۔ دوسری گول میز کانفرنس میں مسلمانوں کے متفقہ مطالبات پر کانگریس کے واحد نمائندے اور حاکم اعلیٰ گاندھی کا ردعمل مایوس کن تھا۔ 1936-1937ء کے انتخابات میں ہندوسیٹوں پر کامیابی کے بعد کانگریس کا مزاج غرور وتکبر کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ اس نے الیکشن کے دوران تعاون کی جو روش اپنائی تھی وہ بالکل بدل لی۔ آٹھ صوبوں میں وزارتیں بنانے کے بعد مسلمانوں کے ساتھ ان کے سلوک سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ گاندھی اور کانگریس کا نصب العین متحدہ ہندوستان میں ہندوراج کے سوا اور کچھ نہیں، چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے ایک بیان میں کہا:

''ہندوستان یورپی جمہوریت کے لیے قطعاً موزوں

نہیں۔ایسی جمہوریت کو نافذ کرنے کا نتیجہ صرف یہ ہو گا کہ یہاں فرقہ وارانہ اکثریت عنان حکومت سنبھال لے یعنی ہندو راج قائم ہو جائے۔ مسلمان اس پوزیشن کو کسی حالت میں بھی قبول نہیں کر سکتے۔ جب مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ متحدہ ہندوستان کے لیے ہندو کانگریس کے ساتھ باعزت سمجھوتے کی کوئی صورت نہیں اور کانگریس ان کے ملی وجود کو ختم کر کے ہندو راج قائم کرنا چاہتی ہے تو انہوں نے اسی راہ پر چلنے کا عزم کر لیا جس کے لیے 1930ء میں علامہ اقبال نے شمع ہدایت روشن کی تھی مسلمانوں کی ایک آزاد مملکت کا قیام ہی ہندو مسلم مسئلے کا واحد حل ہے۔''

مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ 22 مارچ 1940ء کو لاہور میں ہونا طے پایا تھا۔اجلاس سے چند دن پہلے، 19 مارچ 1940ء کو لاہور میں ایک المناک سانحہ پیش آیا جو سکندر حیات کے دور حکومت کا ایک خونی باب ہے۔حکومت پنجاب نے خاکساروں اور اس قسم کی دوسری نیم فوجی فرقہ وارانہ تنظیموں پر پابندی لگا رکھی تھی کہ وہ اپنی مخصوص وردی پہن کر برسر عام پریڈ نہیں کر سکتے۔ 19 مارچ کی صبح خاکساروں کے ایک دستے نے شاہی مسجد کے قریب اس حکم کی خلاف ورزی کی تو پولیس سے اس کا تصادم ہو گیا۔ اس تصادم میں ایک انگریز پولیس افسر جان سے مارا گیا۔ پولیس نے انتقاماً بے دردی سے فائرنگ شروع کر دی جس سے ان کے شیر دل سالار آغا ضیغم سمیت تقریباً 32 خاکسار شہید اور بہت سے زخمی ہو گئے۔ مسلمانوں کے حزن و ملال اور غم و اندوہ نے لاہور کی فضا کو سوگوار کر دیا۔ مسلم رائے عامہ سر سکندر حیات کے خلاف ہو گئی۔ سکندر حیات نے کوشش کی کہ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ملتوی ہو جائے لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے ان سے اتفاق نہ کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی ذات اور عوام کے خلوص پر مکمل اعتماد تھا۔ 21 مارچ کی صبح قائداعظم لاہور پہنچے۔ان کے اعزاز میں ایک بے مثال جلوس نکالنے کا انتظام ہو چکا تھا لیکن خاکسار شہیدوں کے غم میں انہوں نے اس سے منع کر دیا اور ریلوے اسٹیشن سے سیدھے میو ہسپتال گئے جہاں انہوں نے زخمی خاکساروں کی عیادت کی۔

22 مارچ کی شب مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا جس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''غلطی سے یہ ہمیشہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں۔ مسلمان اقلیت نہیں۔ وہ ہر اعتبار سے ایک قوم ہیں۔ اگر برطانوی حکومت واقعی خلوص کے ساتھ اس برصغیر کے باشندوں کے لیے خوشی اور امن کی خواہش مند ہے تو اس کا صرف ایک طریقہ ہے کہ وہ ہندوستان کو خود مختار قومی ریاستوں میں تقسیم کر کے ان دو بڑی قوموں کو علیحدہ ہو جانے دے (کیونکہ) ہندو اور مسلمان الگ الگ فلسفہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں کی معاشرت جدا جدا ہے۔ دونوں کا ادب ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ان میں باہم شادیاں نہیں ہوتیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے۔ دراصل وہ دو الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کی بنیادیں متضاد تصورات پر قائم ہیں۔''

یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جس کی بنیاد پر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک آزاد مملکت قائم کر کے دکھا دی۔

مسلم لیگ کے دوسرے دن کے سیشن کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ شیر بنگال مولوی فضل الحق نے وہ ریزولیشن پیش کیا جو بعد میں ''پاکستان ریزولیشن'' کے نام سے مشہور ہوا۔ چوہدری خلیق الزماں اور بہت سے دیگر مسلم لیگی رہنماؤں نے اس کی تائید کی۔ تالیوں کی گونج میں ریزولیشن منظور کر لیا گیا۔ ریزولیشن یہ ہے:

''غور و فکر کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کا نقطہ نظر یہ ہے



قائداعظم محمد علی جناح آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبران کے ہمراہ-1938ء

کہ کسی دستوری منصوبے پر اس ملک میں عمل درآمد نہیں ہوسکتا اور وہ مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا جب تک وہ درج ذیل بنیادی اصولوں پر تیار نہ کیا گیا ہو یعنی ضروری علاقائی رد و بدل کر کے جغرافیائی اعتبار سے متصل یونٹوں پر مشتمل علاقوں کی حد بندی کی جائے اور یہ کہ جن علاقوں میں تعداد کے لحاظ سے مسلمان اکثریت میں ہیں، جیسا کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقے، انہیں خود مختار ریاستیں قرار دیا جائے جس میں ملحقہ یونٹ خودمختار اور آزاد ہوں۔ دستور میں اقلیتوں کے مذہبی، تمدنی، اقتصادی، سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے ان کے مشورے سے مناسب موثر اور واجب التعمیل تحفظات کا خاص بندوبست کیا جائے۔''

شروع میں اسے قرارداد لاہور کہا گیا لیکن ہندو پریس نے اسے ''قرارداد پاکستان'' کہا اور پھر یہی نام چل نکلا۔ یہ تھی وہ تاریخی قرارداد جس نے مسلمانان ہند کو ایک نصب العین دیا اور ایک نئی منزل کی راہ دکھادی۔

اس جلسے میں خاکساروں کے بارے میں قرارداد قائداعظم محمد علی جناح نے خود پیش کی جس میں خاکساروں سے ہمدردی کے بعد کہا گیا تھا:

''جتنی جلد ممکن ہو حکومت ان پر سے غیر قانونی پابندی ہٹائے اور خاکساروں اور پولیس کے درمیان جوافسوس ناک ٹکراؤ ہوا ہے، اس پر غیر جانبدار انکوائری کمیٹی قائم کی جائے جس پر لوگوں کو مکمل اعتماد ہو۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جلسے میں عوام کو یقین دلایا:

''مسلم لیگ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گی جب تک کہ خاکساروں کے ساتھ انصاف نہ کیا جائے۔''

اس اجلاس کو ختم کر کے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''یہ ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ہے۔''

انہوں نے کہا:

آپ اپنے آپ کو جتنا منظم کریں گے اتنا ہی زیادہ آپ اپنے حقوق حاصل کرسکیں گے۔''

تقریباً آدھی رات کو قائداعظم زندہ باد کے نعروں کے درمیان اجلاس کی کارروائی اختتام کو پہنچی۔ اس اجلاس کے کچھ مدت بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مطلوب الحسن سید سے کہا:

''اقبال اگر آج زندہ ہوتے تو یہ دیکھ کر کتنے خوش ہوتے کہ ہم نے وہی فیصلہ کیا جس کی انہیں آرزو تھی۔''

بادشاہی مسجد کے سنگ مرمر کے بلند مینار اور شاہجہاں کا قلعہ مسلمانوں کے ایک نئے دن کے آغاز کو کس مسرت سے دیکھ رہے تھے۔ دوسوسال کی غلامی کے بعد مسلمانوں کی عظمت کا سورج پھر طلوع ہو رہا تھا، اور ایک آہنی عزم رکھنے والے باہمت رہنما کی فراست سے انگریزوں کی حکمرانی اور ہندوؤں کے غلبے کی زنجیریں ٹوٹ رہی تھیں۔

قرارداد (ایم ایس ایف میرٹھ)

میرٹھ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری قاضی احمد آباد نے 18 اکتوبر 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو ایک قرارداد کی نقل بھیجی جو طلباء کے ایک ہنگامی اجلاس میں منظوری کی گئی تھی۔ اس میں کہا گیا تھا:

''میرٹھ کالج کے مسلم طلباء مسٹر گاندھی کے غیر منصفانہ، بلا جواز اور غیر منطقی رویے پر سخت برہم ہیں جو انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ مذاکرات میں روا رکھا ہے۔''

قرارداد میں مزید کہا گیا:

''ہندوستان چھوڑ دو کی کانگریسی تجویز مطالبہ پاکستان

کو نظر انداز کرنے کی ایک کوشش تھی لیکن پھر بھی امید کی ایک کرن باقی تھی کہ شاید کانگریس بالآخر سبق حاصل کرے گی، لیکن یہ امید بھی اس لیے ختم ہوگئی کہ مسٹر گاندھی ابھی تک اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ قائداعظم کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان کے آسمانوں کے نیچے رہنے والے لاکھوں مسلمانوں کا لامحدود جوش وخروش اور جذبات وخواہشات نہیں ہیں۔"

فیڈریشن نے مسٹر گاندھی پر زور دیا:

"وہ قرارداد لاہور کو تسلیم کریں۔"

اور اعلان کیا:

"مسلم طلباء قائداعظم محمد علی جناح کی باصلاحیت قیادت پر پورا بھروسہ کرتے ہیں اور انہیں ہندوستانی مسلمانوں کا نجات دہندہ اور اپنی قومی بیداری، استحکام اور اتحاد کے لیے مینارۂ نور سمجھتے ہیں۔"

قرارداد میں کہا گیا:

"مسلم مسئلہ کا واحد حل پاکستان ہے، اور ہندوستان کو غیر ملکی تسلط سے آزاد کرانے کا یہی سب سے زیادہ محفوظ راستہ ہے۔"

19 اکتوبر 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے خط کے جواب میں فیڈریشن کے سیکرٹری کو لکھا:

"میں میرٹھ کالج کے مسلمان طلباء کی رائے کی بہت قدر کرتا ہوں۔ براہ مہربانی ان کی حمایت اور حوصلہ افزائی کے لیے جو کچھ ان کو منظور کردہ اس قرارداد سے ملی ہے جسے آپ نے ازراہ کرم مجھے بھیجا ہے ان کا شکریہ ادا کر دیجئے۔"

قرارداد پاکستان (مسودہ)

21 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان کا مسودہ رات کو گیارہ بجے نواب شاہنواز ممدوٹ کے مکان (ممدوٹ وِلا) میں مرتب کیا گیا۔ جن میں درج ذیل اصحاب شامل تھے:

1. قائداعظم محمد علی جناح
2. سر سکندر حیات خان
3. نواب محمد اسماعیل
4. ملک برکت علی

سر سکندر حیات خاں نے اپنی ذاتی مساعی سے اپنی زونل سکیم کے تحت بھی ایک قرارداد مرتب کی تھی اس میں ایجنسی سنٹر کا ذکر بھی کیا گیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس قرارداد کا مسودہ ابتداء میں مسترد کر دیا تھا، لیکن بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے یہ افواہ پھیلا رکھی ہے کہ قرارداد پاکستان کا مسودہ وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ اور ممبر ایگزیکٹو کونسل سر ظفر اللہ خاں کے مشورے سے تیار کیا گیا تھا۔

قرارداد پاکستان کا اصلی متن انگریزی میں تھا۔ 22 مارچ 1940ء کو رات کے وقت جب سبجیکٹس کمیٹی میں بحث شروع ہوئی تو بعض لوگ انگریزی نہیں جانتے تھے انہوں نے اعتراض کیا کہ اس کا ترجمہ اردو میں کیجئے۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں نے وہی کاغذ مولانا ظفر علی خاں کے حوالے کر دیا کہ آپ سے بہتر ترجمہ کون کر سکے گا۔ مولانا ظفر علی خان نے وہیں بیٹھے بیٹھے بڑی خوبصورت اور نستعلیق اردو میں ترجمہ کر دیا۔ متن میں ایک لفظ زون بار بار آتا ہے۔ مولانا ظفر علی خان نے اس کا ترجمہ منطقہ کیا۔

22 مارچ کو سبجیکٹس کمیٹی میں رات کے گیارہ بجے تک بحث ہوتی رہی پھر 23 مارچ کو صبح 10 بجے سے ایک بجے تک بحث جاری رہی اس طویل بحث کے بعد قرارداد منظور ہوئی۔ مسلم لیگ کا کھلا اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں چار بجے سہ پہر کے وقت ہوا۔ جہاں یہ قرارداد بنگال کے وزیراعظم مولوی فضل الحق نے

پیش کی۔ مولوی فضل الحق نے نہایت فصیح و بلیغ اردو میں تقریر کی اور مسلمانوں کی تکلیفوں کا ذکر کیا اور انوری کے یہ دو شعر پڑھے۔

ہر بلائے کہ از آسماں آید
گرچہ بہ دیگرے قضا باشد
بر زمیں نارسیدہ می پرسد
خانہ انوری کجا باشد

22 مارچ 1940ء کو رات کے بارہ بجے سبجیکٹس کمیٹی کا اجلاس ختم ہوا تو ملک برکت علی اور عاشق حسین بٹالوی ایک ہی موٹر میں بیٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو گئے۔ راستے میں عاشق حسین بٹالوی نے کہا:

''قرارداد کے الفاظ میں کچھ نقص ہے۔''

ملک برکت علی نے پوچھا:

''کیا؟''

عاشق حسین بٹالوی نے کہا:

''پہلے یہ بتائیے کہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے جن کو آپ اپنی مجوزہ مملکت میں شامل کرنا چاہتے ہیں سے آپ کی مراد کیا ہے؟''

ملک برکت علی کہنے لگے:

''یہی پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ۔''

عاشق حسین بٹالوی نے کہا:

''تو پھر قرارداد میں واضح طور پر ان صوبوں کے نام کیوں نہیں لیتے۔''

ملک برکت علی بولے:

''اس سے کیا فائدہ ہوگا۔''

23 مارچ 1940ء کو صبح دس بجے جب اس نکتے پر بحث ہوئی تو عاشق حسین بٹالوی نے اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے کہا:

''اگر آپ لوگ پنجاب اور بنگال کے صوبوں کو مجوزہ مملکتوں میں شامل کرنا چاہتے ہیں تو جہاں آپ نے ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقوں کا ذکر کیا ہے وہاں صاف لفظوں میں ان صوبوں کے نام لیجئے تاکہ ہمارے مخاطب اور مخالف دونوں ہمارے مطالبے کی حقیقت ابھی سمجھ جائیں، ورنہ علاقائی رد وبدل کے تحت پنجاب اور بنگال کا قریباً نصف حصہ کٹ جائے گا۔''

اس کا جواب نواب زادہ لیاقت علی خان نے ان الفاظ میں دیا:

''ہم نے ایک مصلحت کی وجہ سے صوبوں کے نام نہیں لیے۔ اگر ہم پنجاب کا نام لے لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہماری مملکت کی سرحد گوڑ گاؤں تک ہوگی حالانکہ ہم علاقائی ردوبدل کے تحت دہلی اور علی گڑھ کو جو ہماری تہذیب اور تعلیم کے مرکز ہیں مجوزہ مملکت میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ مطمئن رہئے علاقائی ردوبدل کا یہ مطلب نہیں کہ پنجاب کا کوئی حصہ ہاتھ سے دینا پڑے گا۔''

نواب زادہ لیاقت علی خان کے اس جواب پر ایوان میں خوب تالیاں بجیں۔

(ماخذ......قرارداد پاکستان کی تدوین چند حقائق
ارشاد احمد حقانی
عاشق حسین بٹالوی
روزنامہ جنگ لاہور اشاعت 11، اکتوبر 1987ء

قرارداد کا متن

''آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس اپنی اس پختہ رائے کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اسلامی ہند اس وقت

تک مطمئن نہیں ہوگا جب تک آئین ہند کا مسئلہ ازسر نو طے نہیں کیا جاتا۔ وہ کوئی متبادل آئین اس وقت تک قبول نہیں کریں گے جب تک آئین ان کی خواہشات اور منشاء کے مطابق نہیں بنایا جاتا۔ اس اجلاس کی مزید رائے یہ ہے کہ کوئی آئین ملک کے لیے قابل قبول نہیں ہوسکتا اگر وہ اس اساس پر مبنی نہیں کہ جغرافیائی لحاظ سے ملحق حصوں کو حدود کی مناسب تبدیلی کے بعد اس طرح ملا دیا جائے کہ ہند کے شمال مغربی اور مشرقی علاقے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، آزاد ریاستوں میں بدل جائیں، اور وہ ان کے ترکیبی اجزاء خود مختار ہوں۔ نیز ان حصوں اور علاقوں میں اقلیتوں کو ان کی مرضی کے مطابق مناسب اور موثر آئینی تحفظات دیے جائیں تاکہ ان کے مذہبی، تہذیبی، سیاسی اور دیگر حقوق و مفادات محفوظ رہیں۔

یہ اجلاس مجلس عاملہ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ ایک ایسا آئین مرتب کرے جو ان بنیادی اصولوں کے مطابق ہو اور جس میں یہ گنجائش ہو کہ متعلقہ علاقے آخر کار دفاع، امور خارجہ، رسل و رسائل، محصول اور دیگر ضروری امور سے متعلق اختیار کے مالک ہوسکیں۔''

23 مارچ 1940 کو آل انڈیا مسلم لیگ نے قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں اپنے سالانہ اجلاس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی۔

قرارداد پاکستان اور کانگریس

قراردادِ پاکستان کی کانگریسی رہنماؤں نے شد و مد سے مخالفت کی تھی۔ اس ضمن میں کانگریسی لیڈروں نے 21، 22 مارچ 1940ء کو بہار کے شہر رام گڑھ میں اپنا اجلاس طلب کیا اور مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں منظور ہونے والی قرارداد پاکستان کی اہمیت کم کرنے کی غرض سے ایک قرارداد منظور کی جس میں حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ ہندوستان میں عام رائے دہی کی بنیاد پر ایک آئین ساز اسمبلی منتخب کی جائے، جو متحدہ ہندوستان کا آئین تیار کرے۔

کانگریس کے کہنے پر ایک تنظیم آزاد مسلم کانفرنس بھی قائم کی گئی جس کا اجلاس مسٹر مولا بخش سومرو کی زیر صدارت منعقد ہوا، اور اس میں مفتی کفایت اللہ، مولانا محمد سجاد اور آصف علی نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں کھلے الفاظ میں قرارداد لاہور کی مخالفت کی گئی، بالآخر قائداعظم محمد علی جناح نے 12 اپریل 1940ء کو ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا:

''اس وقت گاندھی جی جذباتی فضا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس لیے میں ان کے اس فضا سے باہر آنے کا منتظر ہوں تاکہ وہ معقولیت کے ساتھ میرے مطمع نظر کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ برصغیر کے تمام مسلمان 19 اپریل 1940ء کو لاہور میں منظور کی جانے والی قرارداد پر اظہار اعتماد کے لیے یوم پاکستان منائیں گے۔ اس طرح گاندھی کو اپنی اس غلط فہمی کا بھی جواب مل جائے گا کہ لاہور میں پچاس ہزار سے زائد افراد کے درمیان منظور کی جانے والی قرارداد چند افراد کی منظور کردہ نہیں بلکہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کی آواز ہے۔''

قرارداد دہلی

1946ء میں یہ قرارداد آل انڈیا مسلم لیگ لیجسلیٹو کنونشن کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس میں منظور ہوئی۔ اس اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ قرارداد متن یہ ہے:

''ہرگاہ کہ اس برصغیر میں بسنے والے دس کروڑ مسلمان

ایک ایسے عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں، جو ان کی زندگی کے ہر شعبہ تعلیمی و معاشرتی اور سیاسی زندگی کو منضبط کرتا ہے جو محض کچھ روحانی عقائد اور بعض مخصوص رسم و رواج اور تقریبات تک محدود نہیں ہے اور اس کے خلاف ہندو دھرم اور فلسفہ حیات ہے جو ہزاروں سال سے ذات پات کی تفریق کی بنیاد پر ایک نظام قائم کیے ہوئے ہے۔ اس دھرم نے 6 کروڑ انسانوں کو اچھوتوں کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ انسان اور انسان کے درمیان غیر قدرتی حد بندیاں قائم کر دی ہیں اور اس ملک میں بسنے والی عظیم اکثریت پر معاشرتی عدم مساوات اور معاشرتی ناہمواریوں کو پیدا کرنے والا نظام مسلط کر دیا ہے، اور مسلمان، عیسائی اور دیگر اقلیتوں کو معاشرتی اور معاشی طور پر غلام بنانے کے درپے ہیں۔

ہرگاہ کہ ہندوؤں کی ذات پات کا نظام قوم پرستی، مساوات، جمہوریت اور ان تمام اچھے نظریات کی جن کا اسلام بھی علمبردار ہے ضد ہے، اور ان کا صریح مخالف ہے۔

ہرگاہ کہ مشترکہ مقاصد و تصورات کو پیش نظر رکھ کر ایک متحدہ ہندوستان میں سب کے ارتقاء کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے مختلف اور متضاد تاریخی پسِ منظر، تمدنی روایات اور معاشی و معاشرتی نظام نے ناممکن بنا دیا ہے، اور ہرگاہ کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی دونوں الگ الگ قومیں ہی رہی ہیں۔

ہرگاہ کہ انگریز مغربی جمہوریتوں کے خطوط پر اکثریت کی حکومت کی بنیاد پر ملک میں سیاسی اداروں کا قیام عمل میں لایا ہے جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ایک قوم کی اکثریت دوسری قوم کی اکثریت پر اس کی مرضی کے خلاف اپنی مرضی تھوپ سکتی ہے، اور یہ بات 1935ء کے ایکٹ کے تحت متعدد اکثریت کے صوبوں میں کانگریس کے اڑھائی سالہ دور حکومت میں حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوگئی۔ ان اڑھائی سالوں میں مسلمانوں کو ناقابل بیان طریق پر خوفزدہ کیا گیا، اور اس کے نتیجے میں ان نام نہاد تحفظات کی جو دستور اور ہدایات برائے گورنروں میں دیے گئے ہیں۔ اصل حقیقت سے واقف ہو کر اس نتیجے تک پہنچے کہ اگر کوئی متحدہ ہندوستانی فیڈریشن تشکیل پا گئی تو مسلمان مسلم اکثریت کے صوبوں تک میں منصفانہ سلوک کی توقع نہیں کر سکتے، اور مرکز میں بھی ہندو اکثریت کے ہاتھوں ان کے حقوق و مفادات کا کبھی بھی تحفظ نہ ہو سکے گا اور ہرگاہ کہ مسلمان اس حتمی فیصلے پر پہنچ چکے ہیں کہ مسلم ہندوستان کو ہندوؤں کے غلبے سے محفوظ رکھنے کے لیے اور خود اپنے تصورات و نظریات کے مطابق اجتماعی زندگی کی تعمیر کرنے کے پورے مواقع حاصل کرنے کے لیے یہ ناگزیر ہے، کہ شمال مشرق میں بنگال و آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، سرحد اور بلوچستان اور سندھ پر مشتمل ایک خود مختار آزاد ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے۔

اس لیے مرکز اور صوبوں میں قانون اور اسمبلیوں کے مسلم لیگی ممبروں کا یہ کنونشن اچھی طرح غور و خوض کے بعد یہ اعلان کرتا ہے کہ مسلم قوم متحدہ ہندوستان کے لیے کسی دستور کو بھی تسلیم نہیں کرے گی، اور نہ ہی اس مقصد کے لیے بنائے جانے والے کسی ادارے میں شرکت کر سکے گی، اور یہ واضح کرنا ہے کہ برطانوی حکومت کا ہندوستانی عوام کو اختیارات حکومت منتقل کرنے کا کوئی فارمولا اس وقت تک قابل قبول نہ ہو

گا، جب تک کہ مندرجہ ذیل منصفانہ اصولوں پر جو ملک میں داخلی امن و استحکام برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہیں پورا نہ اتر تا ہو۔

1. کہ شمال مشرق میں بنگال اور شمال مغرب میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کے علاقوں پر جو پاکستانی علاقے ہیں، اور جہاں مسلمان واضح اکثریت میں ہیں مشتمل ایک آزاد خود مختار ریاست کا قیام عمل میں لایا جائے، اور اس بات کی غیر مبہم یقین دہانی کرائی جائے کہ بغیر کسی تاخیر کے پاکستان کی تشکیل کر دی جائے گی۔
2. پاکستان اور ہندوستان کے عوام دو علیحدہ علیحدہ دستور ساز ادارے بنائیں جو ہر دو ملکوں کے لیے دستور سازی کا کام انجام دیں۔
3. کہ ہندوستان اور پاکستان میں اقلیتوں کا تحفظ 23 مارچ کے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں منظور شدہ قرارداد کے مطابق کیا جائے۔
4. کہ مرکزی عارضی حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت کے لیے مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کی منظوری اور اس پر عمل ناگزیر شرط ہے۔

یہ کانفرنس ایک بار پھر پرزور الفاظ میں یہ اعلان کرتی ہے کہ متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر کسی دستور کو جبراً مسلط کرنے کی کوشش یا مسلم لیگ کے مطالبہ کے خلاف مرکز میں عارضی حکومت کے قیام کے لیے ہر جبری اقدام کا مسلمان اپنی بقا وتحفظ اور اپنے قومی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ہر ممکن طریق سے مقابلہ کریں گے۔''

قرارداد کراچی

8، 9 اور 10 اکتوبر 1938ء کو یہ قرارداد کراچی میں سندھ صوبائی مسلم لیگ کے اجلاس میں عید گاہ میدان (بندر روڈ) میں پیش کی گئی۔ اس اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ اجلاس میں پنجاب سے سر سکندر حیات، بنگال سے مولوی ابوالقاسم فضل الحق، صوبہ سرحد سے سردار اورنگ زیب، آسام سے سر سعد اللہ خان، بہار سے نواب اسماعیل خاں، یو پی سے چودھری خلیق الزمان، مولانا جمال میاں فرنگی، مولانا شوکت علی، بیگم مولانا محمد علی جوہر، راجا صاحب محمود آباد، سید سجاد یلدرم، انبالہ سے سید غلام بھیک نیرنگ، گیا، بہار سے عاشق علی وکیل، ناگپور سے عبدالرؤف شاہ، پنجاب سے خان بہادر پیر مرید حسین، نواب احمد یار خاں دولتانہ، ملک برکت علی اور میرٹھ سے نواب زادہ لیاقت خاں نے شرکت کی۔

اس اجلاس میں کہا گیا:

1. ''ہر گاہ کہ انڈین نیشنل کانگریس کی مجلس عاملہ کا ہندو مسلم مسئلہ کے بارے میں آل انڈیا مسلم لیگ سے گفت وشنید کرنے سے انکار (اس بہانے سے کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت نہیں ہے) کانگریس کے اس عزم کی عقدہ کشائی کر رہا ہے کہ وہ مسلمان قوم میں نفاق پیدا کر کے ان پر ہمیشہ کے لیے اپنا تسلط برقرار رکھے اور ساتھ ساتھ ہندوستان کی اقلیتوں کے مسئلہ کے باہمی اور پر امن حل کے امکانات کو ایک بار پھر برباد کر دے، حالانکہ مسلم لیگ گزشتہ پندرہ برسوں سے اس سلسلہ میں بے نتیجہ کوششیں کرتی رہی ہے۔''
2. ''ہر گاہ کہ کانگریس نے اپنے سرمایہ اور اخبارات کے ذریعہ مسلم عوام سے براہ راست رابطہ کی مہم شروع کر دی ہے تاکہ ایک طرف مسلمانوں کا آپس میں اتحاد ٹوٹ جائے اور دوسری طرف دنیا کو یہ گمراہ کن تاثر دیا جائے کہ کانگریس ہی ہندوستان کی سب

قوموں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔"

۳ "ہرگاہ کہ کانگریس نے ہندو راج قائم کرنے کی نیت سے بعض صوبوں میں ایسی وزارتیں بنائی ہیں جن میں یا تو کسی مسلمان کو بالکل شامل ہی نہیں کیا ہے، یا اگر (برائے نام) کوئی مسلمان وزیر لیا بھی ہے تو ایسا، جس کو اپنی مسلمان قوم میں کوئی بھی مقام حاصل نہیں ہے، حالانکہ وزارتیں قائم کرنے کا یہ طریقہ گورنمنٹ آف انڈیا کی آئینی اصلاحات کے ایکٹ (مجریہ 1935ء) اور برطانیہ سرکار کی طرف سے جاری کردہ ہدایت نامہ کی روح اور الفاظ کے برعکس ہے۔"

۴ "ہرگاہ کہ اس غلط طریقہ سے قائم کردہ صوبائی وزارتوں نے اس طرح سے راج کرنا شروع کیا کہ مسلمانوں میں خوف و ہراس پیدا کر کے ان کا حوصلہ پست کر دیں، مسلم کلچر کے صحت مندانہ اور تعمیری اثرات کو (ہندوستان سے) ختم کر دیں۔ مسلمانوں کے مذہبی رسم و رواج اور ان کی مذہبی ذمہ داریوں کو روک دیں اور ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے ان کے سیاسی حقوق کو پامال کر دیں۔"

۵ "ہرگاہ کہ جمہوریت کے تسلیم شدہ اصولوں کے برعکس کانگریس کی یہ کوشش ہے کہ جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ان میں بھی مسلمانوں کی سیاسی قوت کو ابھرنے نہ دیا جائے، اور اس مقصد سے کانگریس ان صوبوں (مثلاً صوبہ سرحد، بنگال، پنجاب اور سندھ) میں بھی ایسے گروہوں کو برسر اقتدار لا رہی ہے، یا ان کے ساتھ مل کر مخلوط وزارتیں بنوا رہی ہے یا مخلوط وزارتوں کی پشت پناہی کر رہی ہے، جن گروہوں کو مسلمان اراکین کی اکثریت اور مسلمان عوام کا اعتماد حاصل نہیں ہے۔

۶ "اس لیے یہ کانفرنس نہایت ضروری سمجھتی ہے کہ برصغیر میں دائمی امن اور ہندی مسلمانوں میں آزادانہ ثقافتی ترقی، اقتصادی اور سماجی، اصلاح اور سیاسی حق خود ارادی حاصل کرنے کی خاطر آل انڈیا مسلم لیگ سے سفارش کی جائے کہ وہ اس بات پر از سر نو غور کرے کہ ہندوستان کے لیے کون سا آئین مناسب ہوگا جس کے ذریعہ ان دونوں قوموں کو اپنا اپنا صحیح مقام حاصل ہو سکے، اور اپنے لیے ایسا آئینی منصوبہ تیار کرے جس کے تحت مسلمان قوم مکمل طور پر آزادی حاصل کر سکے۔"

۷ "مزید یہ کانفرنس آل انڈیا مشترکہ وفاق (جس کے لیے 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں بندوبست کیا گیا ہے) کو سختی سے نامنظور کرتی ہے اور حکومت برطانیہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اس ایکٹ کو عمل میں لانے سے گریز کرے کیونکہ اس ایکٹ میں درج منصوبہ ہندوستان کے عوام کے لیے بالعموم اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے بالخصوص نقصان دہ ہے۔"

یہ قرارداد شیخ عبدالمجید سندھی ایم۔ ایل۔ اے (سندھ) نے پیش کی اور اس کی تائید خان بہادر مشتاق احمد گرمانی، ایم۔ ایل۔ اے (پنجاب) نے کی۔ قرارداد کی مزید تائید سر حاجی عبداللہ ہارون ایم ایل اے (مرکز) سید عبدالرؤف شاہ ایڈووکیٹ ایم ایل اے (سی، پی) اور مولانا عبدالحامد بدایونی (یو، پی) نے کی۔

حالات حاضرہ پر شائع ہونے والے ایک جریدہ، "دی انڈین اینول رجسٹر" (1938ء) نے اس قرارداد کو نہایت اہم سمجھ کر اس پر اظہار خیال کیا۔ "دو وفاق...... مسلم اور غیر مسلم"

کے عنوان کے تحت تبصرے میں کہا گیا:

''ثقافت کے نام پر نئی مسلم قیادت، ملک کو، کسی چیز کو خاطر میں لائے بغیر، ہندو منطقے اور مسلم منطقے میں تقسیم کر دے گی۔ ان مہینوں کے دوران ہم یورپ میں واقع ہونے والے ایک ایسے حادثے کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے ہیں جوان (مسلم قیادت) کو یہ سوچنے پر اکساتا ہے بلکہ ہمت افزائی کرتا ہے کہ جس طرح سوڈیٹن جرمن چیکوسلواکیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اسی طرح ہندوستان کے مسلمان بھی ریاست ہند سے ان علاقوں کو حاصل کرنے میں حق بجانب ہوں گے جہاں مسلمان آباد ہیں۔قوموں کے حق خودارادی کے نام پر سوڈیٹن علاقہ چیکوسلواکیہ سے الگ ہو گیا اور چھن گیا۔''

''ہر گاہ کہ کانگریس نے اپنی مرکزی ہائی کمان کی اتھارٹی کو صوبائی وزاتوں کے کام پر اس طرح مسلط رکھا ہے جو طریقہ صرف فاشی آمریتوں میں مروج ہوتا ہے اور اس طریقہ کار کا نتیجہ اب یہ نکل رہا ہے کہ پارلیمانی رسم و رواج اور آئینی روایات کو ابھرنے کا موقع نہیں مل رہا ہے، مسلمانوں کی حق تلفی ہو رہی ہے اور انہیں ان کے جائز حصہ حاصل کرنے سے بھی محروم رہنا پڑا ہے اور صوبائی وزارتوں کو دستور کے مطابق مسلمانوں کے حقوق و مفاد کے مدنظر، از سر نو تشکیل کرنے سے بھی صاف انکار ہو چکا ہے۔''

''ہر گاہ کہ کانگریس یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ:

(الف) مسلمانوں کی سخت مخالفت کے باوجود ''ودیا مندر اسکیم'' (ہندی میں قدیم ہندو طریقہ تعلیم جس پر ہندو مذہب اور تہذیب کا پہلو غالب رہتا ہے) کو رائج کیا جائے۔

(ب) ''بندے ماترم'' کے نغمہ کو قومی ترانے کی حیثیت سے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں پر بھی مسلط کیا جائے، حالانکہ اس نغمہ کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔اس میں بت پرستی کے عناصر موجود ہیں۔اس کے بنیادی نظریہ کے مطابق یہ نغمہ مسلمانوں کے خلاف نفرت کی علامت ہے۔

(ج) ہندی کو دیوناگری رسم الخط میں ہندوستان کا قومی رسم الخط متعین کیا جائے حالانکہ اقلیتوں نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی ہے کیونکہ اس کے ذریعہ ہندو مذہب کے خیالات اور ہندو فلسفہ اور ثقافت کا بیج انسانی دماغوں میں بویا جاتا ہے، اور ہندوستان پر برہمن کلچر کے مسلط ہونے کا امکان روشن ہوتا ہے۔

(د) ہندو اکثریت کے زور پر بلدیاتی اداروں میں مخلوط انتخابات کرائے جائیں تاکہ مسلمانوں کو صحیح نمائندگی حاصل کرنے کا موقع نہ ملے۔

(ہ) جہاں کہیں ممکن ہو اردو اسکول بند کیے جائیں، اور اردو تعلیم کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے تاکہ ہندوستان سے اردو کا نام و نشان مٹ جائے۔

(و) تقریر و تحریر اور جائز سیاسی سرگرمی کی آزادی کو اس بہانے سے ختم کیا جائے کہ (لاء اینڈ آرڈر (قانون اور امن عامہ) کے لیے خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔

(ز) مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور رسم و رواج میں جبر و تشدد اور اسلحہ کی مدد سے رکاوٹ ڈالی جائے۔

''ہر گاہ کہ ہندوستان کی ہندو اکثریت ہزارہا سال سے دقیانوسی (مذہبی) چھوت چھات کی رسم پر کاربند رہی ہے، جو رسم قوم پرستی، انسانی مساوات، جمہوریت اور ان تمام مہذب اصولوں کے برعکس ہے جن کو جدید دنیا پہلے ہی تسلیم کر چکی ہے، اور ان کو اپنانے کی

جدوجہد کر رہی ہے، اور اس رسم کی وجہ سے آج ہندوستان کے کروڑہا انسان اقتصادی اور سماجی طور پر عدم مساوات کا شکار ہو چکے ہیں اور دائمی غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔''

ہرگاہ کہ مشترکہ توقعات اور نظریات کی بناء پر واحد متحد ہندوستان اور متحد قومیت کا ارتقاء اور فروغ ناممکن بن چکا ہے، جس کے اسباب یہ ہیں کہ ہندو اکثریت کی پرانی (مذہبی) چھوت چھات کی ذہنیت بھی قائم ہے اور ہندو اکثریت مسلمان قوم کی بدخواہ ثابت ہو چکی ہے، اوراس کے علاوہ ان میں (ہندوؤں اور مسلمانوں میں) مذہب، زبان، رسم الخط، ثقافت، سماجی وتمدنی روایات، نظریاتی رجحانات اور زندگی کے مقاصد میں بنیادی فرق ہے اور بعض علاقوں میں تو نسلی فرق بھی ہے۔

اسی اصول کے مطابق مسلمان ہندوستان کے عین قلب میں مسلم ریاستیں قائم کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں، خواہ ہندوستان کے ایک نئے نقشہ پر اس اسکیم کو جگہ دینے کے لیے لوگوں کی نقل وحمل اور لامحدود تبادلہ کی ضرورت ہی کیوں نہ پڑ جائے۔ اسی قسم کی خواہش اور آرزو کا یہ سارا شاخسانہ ہے اور یہی سارا جذبہ کارفرما ہے کہ سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس کے آخری اجلاس میں 10 اکتوبر 1938ء کو جناب محمد علی جناح کی زیر صدارت متذکرہ بالا مقاصد کے پیش نظر ایک قرارداد منظور کی گئی۔''

حاجی سر عبداللہ اور ان کے ساتھی (جن کے نام انہوں نے استقبالی تقریر میں بتائے ہیں:

شیخ عبدالمجید، سر غلام حسین ہدایت اللہ، جناب محمد ہاشم گزدر، جناب جی ایم سید، ملک عبدالعزیز، خان بہادر محمد ایوب کھوڑو، جناب ایم اے خالق، میر غلام علی خان تالپور، مولوی محمد شاء اللہ، مولوی عبدالحئ حقانی، سید محمد اسلم، جناب آغا، حاجی عبدالعزیز، جناب یوسف ہارون اور پیر محمد راشدی، جو کانفرنس کے جنرل سیکرٹری تھے۔) خاموش ہو کر نہیں بیٹھے۔ کانفرنس کے اختتام پر 7 نومبر 1938ء کو سر عبداللہ ہارون نے قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر اور قرارداد کی نقول سر سلطان محمد شاہ آغا خان سوم کو روانہ کیں، اور خط میں اس بات کی طرف اشارہ کیا:

> ''مسلم لیگی حلقے بڑی سنجیدگی کے ساتھ مسلم ریاستوں اور صوبوں کے ایک علیحدہ وفاق کے حصول کے امکانات پر غور کر رہے ہیں تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم ہندوؤں کے ظلم واستحصال سے نجات حاصل کر لیں۔''

آغا خان نے انہیں مدبرانہ جواب دیا۔ انہوں نے 20 دسمبر 1938ء میں اپنے خط میں لکھا:

> ''ہندو مسلم تعلقات کے بارے میں ہم سب ایک امکانی حل کا خیر مقدم کریں گے۔ کیا آپ کی لیگ مسلمانوں کی قطعی اور آخری پالیسی کی حیثیت سے ''پاکستان'' کے مقدمہ کی پیروی کرنے پر آمادہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو پھر رائے عامہ کو آہستہ آہستہ جس قدر جلد ہموار کیا جائے، اتنا ہی بہت ہے۔''

ماخذ سندھ صوبائی لیگ
کانفرنس 1938ء
پس منظر واہمیت از کریم بخش خالد

قرآن اور بانئ پاکستان

چند سال پہلے ایک جرمن اسکالر ڈاکٹر کراہن نے یہ علمی تحقیق پیش کی تھی:

> ''قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے اسلامی ریاست کا جو نمونہ تھا وہ قرآن تھا۔''

علمی تحقیق کے کاموں سے یورپ کے اسکالروں کا جو بھی

مفاد وابستہ ہو لیکن اس امر میں شک نہیں کہ ان کی علمی تحقیق متعلقہ مواد کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہوتی ہے، ڈاکٹر کراہنن کی اس تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں اس موضوع پر کافی مواد موجود ہے، لیکن ہمارے ریسرچ اسکالروں نے اس سے مناسب فائدہ نہیں اٹھایا، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہماری نئی نسل کو اس امر کا اندازہ بھی نہیں کہ بانی پاکستان قیام پاکستان کی جدوجہد میں قرآن مجید کو کیا مقام دیتے ہیں۔

قیام پاکستان کی جدوجہد کے ابتدا ہی میں قائداعظم محمد علی جناح نے یہ واضح کر دیا تھا:

"اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ہم پاکستان میں اس ضابطے کو نافذ کریں گے۔"

اس پر کانگریس کے بڑے بڑے لیڈروں نے شور مچایا:

"مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے، اس کی بنا پر ملک کو کیسے تقسیم کیا جا سکتا ہے۔"

چنانچہ اس سلسلے میں ان کے سب سے بڑے لیڈر مہاتما گاندھی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک خط لکھا، انہوں نے اس خط کا جواب دیتے ہوئے مہاتما گاندھی کو لکھا:

"آج آپ اس سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی تشکیل میں مذہب ایک بہت بڑا عنصر ہے، لیکن جب خود آپ سے سوال کیا گیا تھا کہ زندگی میں آپ کا مقصود کیا ہے اور وہ کون سی قوت محرکہ ہے جو ہمیں آمادہ بہ عمل کرتی ہے، کیا وہ مذہب ہے یا سیاست یا عمرانی اصلاح؟ تو آپ نے کہا تھا کہ وہ خالص مذہبی جذبہ ہے، لہٰذا مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے نہیں ہو سکتے، آپ تمدنی، معاشی، سیاسی اور خالص مذہبی امور کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے۔ جس مذہب کو انسانی معاملات سے واسطہ نہیں، میں اسے مذہب ہی نہیں تسلیم کرتا، مذہب انسان کے ہر معاملے کے لیے اخلاقی بنیاد مہیا کرتا ہے، اگر مذہب نہ ہو تو انسانی اعمال اس بنیاد سے محروم رہ جاتے ہیں، اور جب زندگی ایسی بنیاد سے محروم رہ جائے تو وہ انسانی زندگی محض غوغہ آرائی اور ہنگامہ پروری بن کر رہ جاتی ہے۔ جس میں شور وشغب تو بہت ہوتا ہے لیکن مقصد کچھ نہیں ہوتا۔"

(تقاریر جناح، جلد اول ص:140-139)

چنانچہ اپنے ان خیالات کی روشنی میں قائداعظم محمد علی جناح نے متعدد مواقع پر اس امر کو واضح کر دیا تھا کہ اسلامی مملکت وہ ہے جس میں قرآن عظیم کی حکمرانی ہو، انہوں نے قرآن مجید کی عظمت اور جامعیت کا کسی ایک بیان میں ذکر نہیں کیا بلکہ وہ پوری تحریک پاکستان کے دوران اس حقیقت کو دہراتے رہے، مثلاً اپریل 1943ء کا ذکر ہے۔ صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائداعظم محمد علی جناح سے ایک پیغام کے لیے درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا:

"تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں، میں تمہیں کیا پیغام دوں، جب کہ ہمارے پاس پہلے ہی سے ایک عظیم پیغام موجود ہے۔ جو ہماری رہنمائی اور بصیرت افروزی کے لیے کافی ہے، اور وہ پیغام ہے خدا کی کتاب عظیم یعنی قرآن کریم۔"

(تقاریر جناح جلد اول صفحہ 516)

یہی بات آپ نے 13 نومبر 1939ء کو قوم کے نام عید کے ایک پیغام میں کہی تھی۔ جس نے کانگریس کے بڑے بڑے لیڈروں کو مشتعل کر دیا تھا، آپ نے قوم سے کہا:

"جب ہمارے پاس قرآن کریم جیسی مشعل ہدایت موجود ہے تو پھر ہم اس کی روشنی میں ان اختلافات کو کیوں نہیں مٹا سکتے۔" (تقاریر جناح ج: 1، ص:108)



قائداعظم محمد علی جناحؒ۔ شملہ 1945ء

دسمبر 1943ء میں کراچی میں کل ہند مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے یہ سوال اٹھایا:

''وہ کون سا رشتہ ہے جس سے منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، وہ کون سی چٹان ہے جس پر ان کی ملت کی عمارت استوار ہے؟ وہ کون سا لنگر ہے جس سے امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟''

اس کے بعد خود سوالات کا جواب ان الفاظ میں دیا:

''وہ بندھن، وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر، خدا کی عظیم کتاب، قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے ہم میں زیادہ زیادہ وحدت پیدا ہوتی جائے گی، ایک خدا، ایک کتاب، ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لہٰذا ایک قوم۔''

(تقاریر جناح ج: دوم ص:50)

پھر 1945ء میں قوم کے نام عید کے پیغام میں اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

''اس حقیقت سے ہر مسلمان واقف ہے کہ قرآن کے احکام، مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں، مشہور مورخ گبن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ بحر اطلانتک سے لے کر گنگا تک ہر جگہ قرآن مجید کو ضابطہ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے۔ اس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں، بلکہ وہ مسلمانوں کے لیے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے۔ جس کے قوانین نوع انسانی کے تمام اعمال واحوال کو محیط ہیں، اور یہ قوانین غیر معتدل اور منشائے خداوند کے مظہر ہیں۔''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح فرماتے ہیں:

''اس حقیقت سے سوائے جہلا کے ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا بنیادی ضابطہ حیات ہے جو معاشرت، مذہب، تجارت، عدالت، فوج دیوانی، فوجداری اور تعزیرات کے ضوابط کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے، مذہبی تقاریب ہوں یا روزمرہ کے معمولات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا اجتماعی حقوق کا سوال ہو یا مواخذہ کا، ان سب کے لیے اس میں قوانین موجود ہیں، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ہر مسلمان قرآن کریم کا نسخہ اپنے پاس رکھے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا آپ بن جائے۔''

(تقاریر جناح، صفحہ 300)

عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے طلباء کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے اپنے مطالعہ قرآن کی بنیاد پر مذہب اور مذہبی حکومت کے لوازمات کے بارے میں فرمایا تھا:

''جب میں انگریزی زبان میں مذہب کا لفظ سنتا ہوں تو اس زبان اور محاورے کی رو سے میرا ذہن لامحالہ خدا اور بندے کے باہمی پرائیویٹ تعلق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ اسلام کے نزدیک مذہب کا یہ محدود اور مقید مفہوم نہیں۔

میں نہ تو کوئی مولوی ہوں یا ملا، نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے، البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلام کے مطالعہ کی اپنے طور پر ہر کوشش کی ہے، اس عظیم کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطہ سے باہر ہو، قرآن کریم کی اصولی ہدایات اور طریق

عمل نہ صرف مسلمانوں کے لیے بہترین ہیں، بلکہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کے لیے حسن سلوک اور آئینی حقوق کا جو حصہ ہے اس سے بہتر کا تصور ناممکن ہے۔''

(اورینٹ پریس بحوالہ روزنامہ انقلاب لاہور 8 فروری 1942ء)

انہوں نے اس ضابطہ حیات کی مختلف اوقات میں جو تشریح کی ان میں سے سب سے اہم یہ تھی کہ اس میں سرمایہ داری نظام کی کوئی گنجائش نہیں، بلکہ یہ نظام غریب لوگوں کو محنت کے استحصال پر مبنی ہوتا ہے چنانچہ 1943ء میں کل ہند مسلم لیگ کے خاص اجلاس کے صدارتی خطاب میں آپ نے فرمایا:

''اس مقام پر میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں، وہ ایک ایسے فتنہ انگیز ابلیسی نظام کی رو سے جو انسان کو بدمست کر دیتا ہے کہ وہ کسی معقول بات کو سننے کے لیے آمادہ نہیں ہوتا، عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی پر رنگ رلیاں مناتے ہیں، عوام کی محنت کو غصب کر لینے کا جذبہ ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے، میں اکثر دیہات میں گیا ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ لاکھوں خدا کے بندے ہیں جنہیں ایک وقت بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں ملتی۔ کیا اسی کا نام تہذیب ہے، کیا یہی پاکستان کا مقصود ہے۔ اگر پاکستان سے یہی مقصود ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا، اگر ان سرمایہ داروں کے دماغ میں ہوش کی ذرا سی رمق بھی باقی ہے تو انہیں زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اگر انہوں نے ایسا نہ کیا تو ان کا خدا حافظ۔ ہم ان کی کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔'' (تقاریر انگریزی جلد اول صفحہ 507)

افسوس ہے کہ قیام پاکستان کو 66 سال ہو گئے ہیں لیکن سرمایہ داری نظام جس سے غریب عوام کا استحصال کیا جاتا ہے، اور جسے قائداعظم محمد علی جناح پہلی فرصت میں ختم کرنا چاہتے تھے، ابھی تک قائم ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ مضبوط ہو چکا ہے، کیا قائداعظم محمد علی جناح کے نام پر قائم ہونے والی اکادمیاں ان کے اس نظریے کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گی۔

(جدوجہد قیام پاکستان، از پروفیسر رفیع اللہ شہاب، مطبوعہ مقبول اکیڈمی، لاہور)

قرطاسِ ابیض

(دیکھیے: وائٹ پیپر)

قرطاسِ ہند

(دیکھیے: مملکت خداداد پاکستان)

قصہ سکندر و دارا

دھیکٹر بولا تھو دینی کتاب پاکستان کا بانی محمد علی جناح میں رقمطراز ہیں۔ کراچی سے لاہور کا سفر خاصا طویل ہے۔ یہ شہر کراچی سے بہت مختلف ہے اور یہ فرق کراچی سے آنے والے مسافر کے لیے بڑا فرحت بخش ثابت ہوتا ہے۔ کراچی، جو ابھی کل تک ایک ویران ماہی گیری گاؤں تھا، آج اپنی وسعت اور دولت سے خود گھبرایا ہوا سا لگتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ شہر ہر لحہ پھیل رہا ہے۔ دفتروں کی زبردست مگر سپاٹ عمارتیں سرکاری کام کے بے پناہ شور سے گونجتی رہتی ہیں۔ دن میں حدِ نظر تک سفید مکانات، سورج کی روشنی میں چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ جگہ جگہ نئے نئے ہوٹل ہیں جن کی عمارتوں کا رنگ روپ نہایت

شوخ ہے اور جن کے اندر اسی قدر شوخ مغربی موسیقی سنائی دیتی ہے، مگر اس ٹیپ ٹاپ اور چمک دمک کے پردے کے پیچھے غربت، افلاس اور گندگی کی ایک دنیا چھپی ہوئی ہے۔ شہر کے چاروں طرف مفلس اور بے خانماں گھرانوں کے لاکھوں جھونپڑے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں انسانوں کی سب سے بڑی ہجرت میں جو لوگ زندہ بچ گئے، ان کی بہت بڑی تعداد آج تک کراچی کے ان جھونپڑوں میں زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔ ان کی آنکھوں میں ابھی تک اس دن کا تصور اور اس نصب العین کی چمک ہے۔ جس کی تلاش میں انہوں نے اپنے آبائی وطن کو خیر باد کہا، مگر آج انہیں مشکل سے پیٹ بھر روٹی کھانے کو ملتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جھونپڑیاں کیچڑ میں تیر رہی ہیں، مگر ایک ذرا سی چنگاری چشم زدن میں انہیں آگ کا ایک خوف ناک جنگل بنا سکتی ہے۔

شہر کے دوسرے حصوں میں روئی کے گٹھوں کے انبار دکھائی دیتے ہیں، جیسے بڑے بڑے پتھروں سے اہرام بنائے جا رہے ہوں۔ ہٹے کٹے پٹھان چوکی دار دن رات ان گٹھوں کی حفاظت کرتے ہیں، کبھی کبھی کام ختم کرنے کے بعد یہ پٹھان تلواریں ہاتھ میں لے کر ناچ بھی کرتے ہیں (روئی کی حفاظت بہت ضروری ہے کیونکہ یہی مغربی پاکستان کی سب سے بڑی دولت ہے۔)

کراچی میں جو آوازیں سنائی دیتی ہیں ان میں سب سے زیادہ خوش گوار ان گھنٹیوں کی آوازیں ہیں جو اُونٹوں اور گدھوں کے گلوں میں بندھی رہتی ہیں، اور جو راہ گیروں کے چیتھڑوں کے ناگوار اثر کو خاصا کم کر دیتی ہیں۔ سڑکوں پر بے شمار چمک دار موٹریں، سوٹ پہنے ہوئے مرد اور ساری میں ملبوس عورتیں دکھائی دیتی ہیں اور ان کے درمیان کہیں کہیں برقع پوش خواتین بھی نظر آتی ہیں جو چلتے پھرتے خیمے معلوم ہوتی ہیں۔ نقاب کے سوراخوں کے اندر سے وہ اس نئی دنیا کو حیرت سے تکتی ہیں جو محمد علی جناح نے بنائی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتیں پاکستان کی جاندار اور آزاد مملکت کا حصہ نہیں۔

کراچی کی زمین میں کوئی حسن اور رنگینی نہیں لیکن سمندر کے پانی کے بدلتے ہوئے رنگ، جن کا عکس سارے شہر پر پڑتا ہے، بڑے حسین معلوم ہوتے ہیں۔ صبح کے وقت پانی کا عکس فیروزی اور انگلستان کے گرد کے سمندر کی طرح شفاف ہوتا ہے۔ دن میں اس کا رنگ گہرا سنہری ہو جاتا ہے اور شام کو ذرا دیر کے لیے سمندر سے سرخی کا سیلاب بہتا ہے۔ پھر رات ہو جاتی ہے اور ستاروں کی مدھم روشنی میں ہر چیز نرم اور ستھری نظر آتی ہے۔ یہ ستارے اتنے نیچے دکھائی دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے وہ روشنی کے جامد مینار نہیں بلکہ چاندی کے چمکتے ہوئے پھندنے ہیں۔

کراچی سے ہماری ریل رات کے وقت لاہور پہنچی۔ کراچی اور لاہور میں بڑا حیرت انگیز تضاد ہے جسے راستے کی صحرائی آب و ہوا اور خشک زمین اور بھی نمایاں کر دیتی ہے۔ لاہور کے درختوں کی جڑیں موٹی اور گہری ہیں اور زمین میں پانی وافر ہے۔ یہ درخت انگلستان کے پارکوں کے شاہ بلوط کے درختوں کی طرح لمبے چوڑے ہیں اور شام کے دھندلکے میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کے سائے میں ہاتھیوں کے غول چل پھر رہے ہیں۔

جس طرح پنجاب کی زمین بھری بھری معلوم ہوتی ہے

اسی طرح اس کی تاریخی جڑیں بھی بڑی گہری اور پھیلی ہوئی ہیں، اور اس کا ماضی دل چسپ اور رنگین ہے۔ 326 ق-م میں اسکندر اعظم نے پورس کو شکست دی، جو چناب اور جہلم کے درمیان کے علاقے کا بادشاہ تھا اور اس کے بعد وہ لاہور کے قریب سے گزرا۔ لاہور سے سومیل شمال کی طرف دریائے جہلم اب بھی اپنی پرانی قوت اور وقار کے ساتھ بہتا ہے۔ دریا کے کنارے کھڑے ہو کر آج بھی ہم چشم تصور سے اسکندر کے اس بیڑے کو دیکھ سکتے ہیں جو شمال سے جہلم اور چناب کے پُرشور سنگم تک آیا اور پھر دریائے سندھ کے راستے سمندر میں چلا گیا۔ آج بھی دریا کے کنارے کئی بڑے بڑے رقبے بنجر اور غیر آباد پڑے ہیں اور یہاں کھڑے ہو کر تنہائی میں شاید ہم ان ملاحوں کے چپوؤں کی آواز بازگشت بھی سن سکتے ہیں جو اسکندر کے بیڑے کو اس پُرخطر راستے سے یونان لے گئے۔

محمد علی جناح ماضی سے بیگانہ تھے اور انہوں نے تصور میں اپنی مملکت کے قدیم ماضی کی یہ رنگا رنگ تصویریں شاید کبھی نہ دیکھی ہوں۔ اگر ان کو ماضی سے دل چسپی ہوتی تو وہ اس منظر سے ضرور متاثر ہوتے جب پورس ہاتھی پر سوار میدانِ جنگ میں داخل ہوا اور اس کے مقابلے میں اسکندر اپنے جیالے گھوڑے بوسی فیلس پر اس کے مقابل آیا اور پھر ان دونوں بادشاہوں کی اس گفتگو کو یاد کر کے وہ لطف اندوز ہوتے جو ان کے درمیان پورس کی شکست کے بعد ہوئی۔ اسکندر نے مفتوح بادشاہ سے پوچھا:

''میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟''

پورس نے جواب دیا:

''وہی جو ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ سے کرتا ہے۔''

اسکندر اپنی زبردست فوج کو لے کر لاہور کے پاس جس مقام سے گزرا تھا اس سے چند میل دور وہ جگہ ہے جہاں 1940ء میں پاکستان کی تاریخی قرارداد منظور ہوئی۔ اس عظیم اجتماع میں، جو ایک پہلوانی اکھاڑے میں منعقد ہوا تھا، مسلمانوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سیاسی طور پر ہندوؤں سے الگ ہو جائیں گے، اور اپنی علیٰحدہ قومیت کا دعویٰ کریں گے۔ آج کل یہ اکھاڑا برسات میں پانی سے بھر جاتا ہے اور بچے اس میں کھیلتے کودتے ہیں۔ کچھ بھینسوں کی پیٹھ پر سواری بھی کرتے ہیں۔ اس میدان یا اس کے آس پاس اب کوئی ایسی نشانی نہیں جو ہمیں اڑھائی ہزار برس قبل کے اس منظر کی یاد دلا سکے جب اسکندر گھوڑے پر سوار اس شہر کے پاس سے گزرا تھا۔ نہ بیس برس پہلے کی کوئی نشانی باقی ہے، جب محمد علی جناح نے وہاں کھڑے ہو کر مسلمانوں کو یقین دلایا تھا کہ وہ بھی ایک دن ایک آزاد اور طاقتور قوم بن جائیں گے۔ (اس اشاعت پر اب ایک قومی یادگار ''مینار پاکستان'' تعمیر ہو چکی ہے۔ با ایں ہمہ آج بھی تاریخ پر نظر رکھنے والا ماضی کی وادیوں میں سے دو ملتی جلتی آوازیں سن سکتا ہے۔ اڑھائی ہزار برس پہلے اسکندر اعظم نے کہا تھا:

''جرأت کی زندگی میں بڑا لطف ہے۔''

اور 1940ء میں محمد علی جناح نے کہا:

''مجھے لفظ ''شکست'' کے معنی معلوم نہیں۔''

شہر لاہور کی گلیوں اور اس کی یادگار عمارتوں کے ناموں میں اس کی تاریخ کے کئی باب پوشیدہ ہیں۔ مغل شہنشاہوں سے لے کر محمد علی جناح تک یہاں

کے باغ، بازار، قلعے اور مقبرے پنجاب کی تاریخ کے چار بڑے عہدوں کے مظہر ہیں۔ یہاں اکبری منڈی بھی ہے جو اکبر اعظم کے نام سے موسوم ہے اور باغ جناح بھی ہے جس کو حال ہی میں یہ نام دیا گیا۔ ان کے علاوہ کئی سڑکوں، عمارتوں اور باغوں کے نام سکھوں اور انگریزوں کے عہدِ حکومت کی یادگار ہیں۔

لاہور کی یادگاروں میں ایک بڑی اور اہم چیز وہ توپ ہے جسے ملکی زبان میں زمزمہ اور انگریزی میں Kim's Gun کہتے ہیں۔ اس توپ نے پنجاب کی تاریخ کے سارے انقلاب دیکھے ہیں اور اس پر بڑا خوب صورت نقشیں کام ہے۔ یہ 1657ء میں ڈھالی گئی اور پہلے اپنے افغانی نام ''ملک میدان'' سے مشہور تھی۔ ''زمزمہ'' کی وجہ تسمیہ وہ زوردار آواز ہے جو چلتی ہوئی توپ کے منہ سے نکلتی ہے اور اسی آواز کی رعایت سے سپاہیوں نے اس توپ کو یہ نام دیا، جو بعد میں عام ہوگیا۔ سکھوں نے جب پنجاب کو فتح کیا تو یہ توپ بھی ان کے ہاتھ لگی اور فتح کی نشانی کے طور پر محفوظ کر لی گئی۔ انگریزوں نے جب پنجاب پر قبضہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ توپ اب پرانی اور از کار رفتہ ہو چکی ہے۔ 1870ء میں ڈیوک آف ایڈنبرا کی آمد کی خوشی میں یہ توپ برسر عام ایک چبوترے پر چڑھا دی گئی۔ آج تک یہ وہیں کھڑی ہے اور راہ گیروں کے کام آتی ہے۔ بہت سے بے فکرے اس کی ٹیک لگائے دکھائی دیتے ہیں اور لڑکے اِس کی نال پر چڑھ جاتے ہیں۔ رڈیارڈ کپلنگ (Rudyard Kipling) کے ناول کا کردار ''کیم'' بھی یہی کیا کرتا تھا:

''میونسپلٹی کے احکام کے خلاف وہ زمزمے کی توپ پر بیٹھا کرتا جو عجائب گھر کے سامنے ایک اینٹوں کے چبوترے پر رکھی ہے۔ یہ زمزمہ پنجاب کی حکومت کی کنجی ہے۔ جس کے قبضے میں یہ آتش نفس محافظ ہے وہ پنجاب کا حاکم ہے کیونکہ نیا فاتح سب سے پہلے کانسی کی اس توپ پر قبضہ کرتا ہے۔''

زمزمے کے اِردگرد سارا دن سواریوں اور راہ گیروں کا ہجوم رہتا ہے۔ اس سے کچھ دور پرانا شہر ہے جس کے محلوں اور گلیوں کے نام اب بھی مغلوں کے دور کی یاد تازہ کرتے ہیں، مثلاً اورنگ زیب اسٹریٹ، شیش محل پارک اور کوچہ چابک سواراں۔

اسی مغلیہ دور میں پنجاب میں سب سے پہلے انگریزوں کی آواز سنائی دی تھی۔ پہلے ولیم ہاکنز (William Hawkins) انگلستان کے بادشاہ جیمز اوّل کے نمائندے کی حیثیت سے یہاں آیا اور اس کے بعد 1615ء میں سر تھامس رو (Thomas Roe) اس مقصد سے آیا کہ سلطنت مغلیہ میں انگریزی مال کی فروخت کے لیے سہولتیں پیدا کرے۔

اس کے بعد کی تین صدیوں میں بے شمار جنگیں اس سرزمین پر ہوئیں اور اس نے بڑے بڑے مظالم دیکھے، لیکن اب بھی مغلوں کے زریں عہد کی یادگاریں یہاں موجود ہیں۔ مثلاً اندرونِ شہر ایک بڑا اور نفیس مکان بارود خانے کے مقابل ہے۔ اس مکان میں میاں امیر الدین کا قیام ہے جنہوں نے وقت پر قائداعظم کے لیے بڑا کام کیا اور پاکستان کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ اگر آپ کو ان کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہو تو دیوار پار سے ایسی آواز سنائی دے گی جیسے کوئی نقارہ آہستہ آہستہ بج رہا ہو۔

آپ کے میزبان میاں امیر الدین آپ کو بتائیں گے کہ یہ آواز قریب میں چاندی کے ورق بنانے والوں کی دکان سے آرہی ہے اور پھر ذرا دیر میں ان دست کاروں کا نفیس کام آپ کے سامنے آجائے گا۔ خدمت گار بادام کے حلوے یا کسی اور نفیس شیرینی کی قاب آپ کے لیے لائے گا۔ اس پر خالص چاندی کے نازک ورق چپکے ہوں گے اور جب آپ چاندی کے یہ ٹکڑے ہضم کرنے لگیں گے تو میاں صاحب فرمائیں گے:

"صاحب، یہ قلب کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔ جب صنعاء کی ملکہ حضرت سلیمان کے پاس گئی تو وہ ان کے لیے سونے اور چاندی کے ورق میں لپٹی ہوئی مٹھائی لے گئی اور ہندوستان کے مغل بادشاہ بھی چاندی کے ورق میں لپٹی ہوئی مٹھائی کھایا کرتے تھے۔"

گلیوں کے ناموں کا ایک اور سلسلہ ہے جس میں اٹھارہویں صدی کے اوائل کے پنجاب کی لرزہ خیز داستان پنہاں ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سکھوں نے اس خطۂ زمین کو بے دردی سے روند ڈالا۔ لطیف نے اپنی "تاریخ لاہور" میں ان مصیبتوں کا ذکر کیا ہے جو آخری مغل بادشاہوں کے بعد اس خطے پر نازل ہوئیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"بہادر شاہ کی موت کے بعد جو ہنگامے برپا ہوئے ان کے دوران میں سکھ اپنی کوہستانی بستیوں سے نکل آئے اور انبالے سے لے کر لاہور تک پنجاب کی ساری سرزمین تباہ کر ڈالی۔ مسجدوں کی بے حرمتی کی گئی، گھر پھونک ڈالے گئے، عورتوں کی بے آبروئی ہوئی اور مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا...... مسجدیں اور مقبرے مسمار کر دیے گئے اور انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا گیا۔ عورت، بچے، بوڑھے بلا امتیاز موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ جتنے مسلمان اس علاقے میں تھے وہ سب بے دردی سے مار دیے گئے۔ کچھ ذبح کر دیے گئے، کچھ برچھیوں سے ہلاک کر دیے گئے، کچھ کا گلا گھونٹ دیا گیا، کچھ کو گولی مار دی گئی، کچھ ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے اور کچھ زندہ جلا دیے گئے۔"

برطانیہ کے لوگ ظلم اور بربریت کی یہ داستان پڑھ کر شاید لرز جائیں، لیکن انہیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اس زمانے میں ان کے اجداد کو برطانوی خانہ جنگی کے مظالم کی داستانیں یاد تھیں۔ اس سے صرف نصف صدی پہلے کرام ویل کی لاش ایک سلیج کے پیچھے بندھی ہوئی سارے لندن میں کھنچی کھنچی پھری تھی اور اس کے پیچھے بپھرے ہوئے لوگوں کا ایک ہجوم تھا جو مقتول کو کوستا جاتا تھا۔ لاہور میں سکھوں کے زمانے کی جو یادگاریں ابھی تک باقی ہیں ان میں چند یہ ہیں: گرو نانک اسٹریٹ، جو سکھ مذہب کے بانی کے نام پر ہے، گرو ارجن نگر، چوک پھولا سنگھ اور چوک جھنڈا سنگھ۔ ایک مہاراجا رنجیت سنگھ روڈ بھی ہے۔ یہ اس کانے سکھ فرماں روا کی یادگار ہے جس نے انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا اور اس پر قائم رہا۔

ملکی اکابر کی ان نشانیوں کے علاوہ برطانوی عہد حکومت کی یادگاریں بھی ہیں۔ 1849ء میں پنجاب پر انگریزوں کا تسلط ہوا اور اس کے بعد یہ سب یادگاریں قائم ہوئیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: مال، ایجرٹن روڈ، کوپر روڈ اور نکلسن روڈ۔ ان سڑکوں پر گھومیے تو برطانوی عہد کا نقشہ چشم تصور میں پھر جاتا ہے۔ مثلاً میو روڈ اس وائسرائے کی یاد دلاتی

ہے جو 1872ء میں انڈیمان میں قتل کیا گیا۔ لاہور میں ایچی سن پارک اور لارنس روڈ بھی ہیں۔ لارنس روڈ، سرجان لارنس کی یادگار ہے جو اپنے زمانے میں نجات دہندہ مشہور تھا۔ وہ 1846ء سے 1859ء تک پنجاب کا لیفٹیننٹ گورنر رہا اور پھر 1864ء میں لارڈ ایلگن کے بعد ہندوستان کا وائسرائے ہوا۔

لیکن برطانوی عہد کی یہ نشانیاں اب آہستہ آہستہ مٹ رہی ہیں اور اس کی جگہ پاکستانی اپنی قومی یادگاریں تیزی سے قائم کر رہے ہیں۔ مثلاً لارنس باغ کا نام ''باغ جناح'' ہو گیا ہے اور اس کے اندر گلاب کے پھولوں کا جو نشیبی چمن ہے اس کا نام گلستانِ فاطمہ رکھا گیا ہے۔

اس باغ کا حسن تاریخ اور اس کی یادگاروں سے بے نیاز ہے۔ وہ نہ مغلوں کی یاد دلاتا ہے، نہ سکھوں کی، نہ انگریزوں کی۔ وہ فطری حسن کی دولت سے مالا مال ہے۔ اس کی مصنوعی پہاڑیاں لالے، گل قرنفل (carnation) اور سنیر یریا (cineraria)، کے پھولوں سے فروزاں ہیں اور ان پہاڑوں کے درمیان گھاس کا ایک وسیع تختہ ہے۔ صبح تڑکے اس میدان میں پنجاب کے تنومند نوجوان کشتی لڑتے ہیں اور وزن اُٹھانے کی مشق کرتے ہیں، اور پھر بڑے بڑے بے تکے سے آئینوں میں اپنے پٹھے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ یہ آئینے خاص اسی مقصد کے لیے گھاس کے تختے پر لگائے جاتے ہیں۔

انہی نوجوانوں سے محمد علی جناح کی ساری اُمیدیں وابستہ تھیں۔ اِن کی نگاہیں ماضی کی بجائے مستقبل پر لگی ہیں اور انہی پر پاکستان کی قسمت کا دار و مدار ہے۔''

(پاکستان کا بانی محمد علی جناح، ہیکٹر بولائتھو مترجم زہیرہ صدیق اردو سائنس بورڈ لاہور)

قلمی خاکہ

قائداعظم محمد علی جناح بیسویں صدی کے اول عشرے میں ایک ابھرتے ہوئے وکیل اور مستقبل کے سیاست دان شمار ہونے لگے تھے۔

مشہور شاعرہ سروجنی نائیڈو کے بقول:

''وہ جذبہ حب الوطنی سے پوری طرح سرشار تھے۔''

مسز سروجنی نائیڈو قائداعظم محمد علی جناح کی مسحور کن وضع قطع اور کمیاب و پیچیدہ مزاج سے بہت متاثر ہوئیں۔ انہوں نے نوجوان محمد علی جناح کا ایک بہت ہی بصیرت افروز قلمی خاکہ یوں کھینچا ہے:

''طویل قامت اور پروقار تاہم انتہائی دبلا پتلا، عادت کے لحاظ سے بہت سست رفتار اور عیش پسند، محمد علی جناح کی لطیف شخصیت پر غیر معمولی قوتِ حیات اور برداشت کا مبالغہ آمیز پردہ پڑا ہے۔ ایک حد تک قاعدے قانون کا پابند، نازک مزاج، قدرے تنہائی پسند اور تحکمانہ انداز کا مالک وہ خاموش تمکنت اور کم آمیزی کا خوگر ہے، لیکن جو اسے جانتا ہو، اس کے لیے یہ سب مصنوعی نقاب ہیں۔ وہ ایک کھرا اور سرگرم انسان، تیز وجدان کا حامل اور عورت کی طرح نرم و نازک، زندہ دل و خوش طبع اور بچے کی مانند دلکش، دانش مندی کے اعلیٰ ترین معیار پر پورا اترنے والا اور باعمل انسان، اندازہ لگانے اور زندگی کو تسلیم کرنے میں ہوشیار و غیر جانبدار، اس کے مادی تدبر کی ظاہری متانت مؤثر طور سے شرمیلی اور شاندار اصول پرستی کو چھپائے ہوئے ہے، جسے انسانیت کا

اصل جوہر کہنا چاہیے۔"

قمر حجازی

قمر حجازی اوکاڑہ کے مشہور شاعر تھے۔ انہوں نے 6 جون 1931ء کو لیسٹر ینٹی کالج لندن کے جلسہ عام میں قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا:

سلام اے ملک پاکستان کے عظمت نشاں بانی
ہو تم پر رحمتیں لاکھوں ہو تم پر فضل ربانی
ہے بے شک پاک وہ دھرتی جہاں پیدا ہوئے ہو تم
مبارک ہے گھڑی جس میں ہوئی تشریف ارزانی
ہر اک دل کو عطا تم نے کیا احساس ملت کا
مبارک ہر عمل تیرا، مبارک جذب ایمانی
رہو مل جل کے سارے اور پکڑ لو رسن اللہ کو
محبت کی زباں بن کر سنایا حکم یزدانی
سلام اس تیرے جذبے پر جو دشمن پر ہوا غالب
قیامت تک رہے گی یاد سب کو تیری قربانی
یقیں محکم، عمل پیہم، سراسر ذات تھی تیری
ارادے تھے چٹاں جیسے اور جرأت کہستانی
ترا نعرہ تھا ہندو اور مسلم ہیں الگ دونوں
دو قومی نظریے پر یوں لگائی مہر ایمانی
خدا نے کامرانی سے کیا تھا سرخرو تجھ کو
لکھی تقدیر نے غیروں کی قسمت میں پریشانی
مسلماں ہو گئے آزاد ہمت تیری کے صدقے
سلام اے ملک پاکستان کے عظمت نشاں بانی
خدا تیری لحد پر رحمتوں کے پھول برسائے
قمر تیرے لیے کرتا ہے پیہم یہ دعا خوانی

قنا، مگن لال

وہ ہندو رہنما تھے جنہوں نے الفرٹ ہائی سکول راج کوٹ کے میدان میں قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کے بعد کہا:

"جناب جناح صاحب صرف مسلمانوں کے ہی نہیں ہند کے ایک عظیم رہنما ہیں۔ انہوں نے اقلیت کے لیے جو تحریک چلائی ہے وہ انصاف پر مبنی ہے۔ مخالفین کے اخبار بڑی ہی گمراہ کن خبریں شائع کرتے ہیں اور غلط بیانی سے کام لیتے ہیں اور لیگ کی خبروں کو حقیقت کے برعکس پیش کرتے ہیں۔"

قوتِ ایمانی

پروفیسر محمد مظہر عالم اپنے کالم "قائداعظم قوت ایمانی کے پیکر" میں رقمطراز ہیں:

"قیامِ پاکستان کا مرحلہ جوں جوں نزدیک آ رہا تھا، ہندوستان میں سیاسی سرگرمیاں عروج پر تھیں، خصوصاً دہلی ان تمام سیاسی مصروفیات کا مرکز و محور تھا، قائداعظم مملکت خداداد میں تشریف لانے کے لیے مختلف تقریبات میں اپنے مداحوں کی طرف سے الوداعی ملاقاتیں کر رہے تھے کہ 5 اگست 1947ء کو وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم سے نجی ملاقات کی۔ ماؤنٹ بیٹن کو سراغرسانی کے محکمہ نے اطلاع دی کہ قائداعظم کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ اس ملاقات میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے پنجاب کے خفیہ پریس کے محکمے کے ایک افسر سے قائداعظم کو متعارف کرایا۔

بقول کمپل جانسن، اس پولیس افسر نے ہنگاموں میں گرفتار ہونے والے شورش پسندوں کے بیانات سے

باخبر کیا اور خفیہ اطلاعات کے مطابق ان کے منصوبوں میں سکھ لیڈروں کا ہاتھ ہے۔ ان میں سے ایک منصوبہ یہ تھا کہ اگلے ہفتے کراچی میں قائداعظم آزادی کی تقریبات میں شرکت کے لیے تشریف لائیں تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا جائے۔ یہ سب کچھ سننے کے بعد آپ کے پایہ استقلال میں کوئی فرق نہ آیا، بڑے اطمینان اور سکون سے فرمایا:

''یومِ آزادی کا جلوس پروگرام کے مطابق نکلے گا، کیونکہ یہ دن سرکاری تقریبات میں سب سے اہم اور مبارک ہے۔''

7 اگست 1947ء کو آپ کراچی تشریف لائے۔ ہوائی اڈہ پر مسلمانوں کا ایک جم غفیر موجود تھا اور آپ بلا خوف وخطر عوام میں گھل مل گئے اور یہ حقیقت ہے کہ جب آپ ہوائی اڈہ سے گورنر جنرل ہاؤس کی طرف روانہ ہوئے تو راستے کے دونوں جانب کھڑے ہزارہا لوگوں نے فلک شگاف نعروں سے جس والہانہ محبت سے ماحول کو مسحور کن بنا دیا، وہ اپنی مثال آپ تھا۔ پاکستان جس کے قیام کے لیے انہوں نے برس ہا برس تک انتھک جدوجہد کی تھی ایک حقیقت بن چکا تھا۔ یومِ آزادی پر جن لوگوں نے اپنے محبوب قائد کو دیکھا، انہیں بابائے قوم کی آنکھوں میں عجز وانکسار کی جھلک دکھائی دی۔ یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ آپ ایمان کی لازوال دولت سے مالا مال تھے۔ اس وقت کے معروضی حالات میں آپ کو دشمنوں کی بدنیتی کی وجہ سے جان کا خطرہ تھا، مگر آپ نے کبھی پرواہ نہ کی۔ 13 اگست 1947ء کو نئی مملکت کی افتتاحی تقریبات میں شمولیت کے لیے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کراچی آئے۔ 14 اگست کو قائداعظم محمد علی جناح محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ جلوس کی شکل میں اسمبلی تشریف لائے۔ تقریبات کے بعد قائداعظم اور ماؤنٹ بیٹن اسمبلی سے گورنر جنرل ہاؤس روانہ ہوئے۔ دونوں شاہی بگھی میں سوار تھے، جن خفیہ اداروں کے لوگوں کو اس بات کا خدشہ تھا کہ قائداعظم پر قاتلانہ حملہ ہوگا، ان کے چہروں سے پریشانی اور خوف کے آثار نمایاں تھے، لیکن آپ نے ان کا یہ کہنا کہ ''کھلی بگھی یا گاڑی میں سفر نہ کیا جائے'' رد کر دیا، اور نہایت جرأت و استقامت سے عوام سے گزرنے کا فیصلہ کیا، حالانکہ جوں جوں جلوس آگے بڑھ رہا تھا، لوگوں کی تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا۔ آپ ماؤنٹ بیٹن سمیت بخیریت گورنر جنرل ہاؤس پہنچ گئے۔ کیمپل جانسن نے اس اہم دن قائداعظم کی جرأت کو سراہتے ہوئے اپنے روزنامہ میں لکھا:

''قائداعظم نے ماؤنٹ بیٹن سے کہا، آپ میرے ساتھ زندہ سلامت واپس آئے۔''

(مشن ماؤنٹ بیٹن کیمپل جانسن)

(روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 11 ستمبر 2013ء)

قولِ فیصل

13 نومبر 1939ء کو آل انڈیا ریڈیو بمبئی سے ''یومِ عید مبارک'' پر قائداعظم نے امت مسلمہ کو خطاب کرتے ہوئے تقریر نشر کی، جس میں قرآن کریم کے مطابق عبادت اور زندگی کے مابین حقیقی ربط کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''آج رمضان المبارک کے روزے اور عبادت کا نظم وضبط اللہ جل شانہ کے حضور دل کے ایک لافانی عجز کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گا، لیکن یہ عجز کمزور دل کا عجز نہیں ہوگا، اور جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ اللہ

تبارک و تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ دونوں کے ساتھ ناانصافی کا ارتکاب کرتے ہیں، کیونکہ یہ تمام مذاہب کا قولِ فیصل ہے کہ عاجز مضبوط ہوگا، اور اسلام کی صورت میں یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ اسلام فی الحقیقت عمل کا تقاضا کرتا ہے۔

ہمارے رسول ﷺ نے رمضان المبارک کا نظم وضبط ہمیں عمل کے لیے ضروری قوت مہیا کرنے کی خاطر وضع فرمایا تھا، اور عمل میں انسانی معاشرہ ملحوظِ خاطر ہے۔ جب ہمارے رسول ﷺ نے عمل کی تلقین فرمائی تو ان کے ذہن مبارک میں ایک فردِ واحد کی تنہا زندگی نہیں تھی، جو افعال اپنے طور پر اس سے سرزد ہوتے ہیں، عبادت اور وہ سب کچھ جس کا روحانیت سے تعلق ہے۔

قرآن کریم کے مطابق عبادت اور زندگی میں ایک بہت ہی حقیقی ربط موجود ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کتنے اور حیرت انگیز مواقع ہمیں عطا کیے گئے تاکہ ہم اپنے بھائیوں سے مل سکیں، ان کا مطالعہ کرسکیں۔ انہیں سمجھ سکیں، اور سمجھ کر ان کی خدمت کرسکیں، اور آپ دیکھیں گے کہ یہ تمام مواقع عبادات کا نظم قائم کرکے تخلیق کیے گئے۔ دن میں پانچ بار ہمیں محلّہ کی مسجد میں جمع ہونا ہے، پھر ہر ہفتہ جمعہ کے روز ہمیں جامع مسجد جانا ہے، پھر سال میں دوبار عیدین کے دن سب سے بڑی مسجد یا شہر کے باہر میدان میں بھی ہمارا اجتماع ہوتا ہے اور اخیر میں حج ہے۔ جس کے لیے مسلمان دنیا کے اطراف و جوانب سے سفر کرتے ہیں، تاکہ کم سے کم زندگی میں ایک بار بیت اللہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور حاضر ہوسکیں، آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا کہ ہماری عبادات کا یہ نظام لازمی طور پر نہ صرف دیگر مسلمانوں سے ہمارے رابطے استوار کرتا ہے، بلکہ جملہ اقوام کے افراد سے بھی جن سے ہمارا دورانِ سفر لابدی طور سابقہ پڑتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہماری عبادات کے بارے میں یہ احکام محض خوشگوار اتفاق ہو سکتے ہیں، مجھے یقین ہے کہ انہیں اس انداز سے وضع کرنے کا مقصد انسانوں کو ان کے معاشرتی احساسات کی تکمیل کے مواقع فراہم کرنا ہے۔

قرآن کریم میں ان کو درحقیقت خلیفۃ اللہ کا نام دیا گیا ہے۔ اگر انسان کی اس تعریف کی کوئی اہمیت ہے تو یہ ہم پر اتباعِ قرآن کا فریضہ عائد کرتی ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک روا رکھیں، جو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق، بنی نوع انسان کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ اس لفظ کے وسیع تر مفہوم میں یہ فریضہ ہے محبت اور درگزر کرنے کا اور یہ یاد رکھئے کہ یہ کوئی منفی فریضہ نہیں، بلکہ ایک مثبت بات ہے۔

اگر ہم اللہ کی مخلوق کے ساتھ، خواہ ان کا کسی بھی فرقے سے تعلق کیوں نہ ہو، انسیت اور رواداری کے قائل ہیں تو ہمیں اس عقیدہ پر اپنے روزمرہ کے وظائف اور نیکی کے کاموں میں اس پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ آج عید کے دن اس جذبے کا جو ہمارے دلوں میں روزہ اور نماز کی بدولت روشن ہوا ہے۔ اس سے بہتر کوئی مظاہرہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اس امر کا عہد کریں کہ ہم یک جہتی پیدا کریں گے۔ اپنے نگر میں، اپنے فرقے میں اور اپنے ملک میں جس میں مختلف مذاہب اور عقائد موجود ہیں اور کام کریں گے۔ خلوت ہو یا جلوت، خود غرضانہ مفاد کے لیے نہیں بلکہ اپنے ایفائے وطن اور آخرکار بنی نوع انسان کے عظیم تر مفاد کے لیے۔



سر شاہنواز خان ممدوٹ

1942 - 1883

ممدوٹ خاندان کی قیام پاکستان کے لئے ایثار و قربانی اور خدمات مثالی ہیں۔ اس خاندان کے سربراہ نواب سر شاہنواز خان ممدوٹ شروع ہی سے مسلم لیگ سے وابستہ تھے۔ علامہ اقبالؒ کے بعد آپ مسلم لیگ کے صدر بنے اور وفات تک اس عہدے پر فائز رہے۔ آپ مسلم لیگ کے 23 مارچ 1940ء کے تاریخی اجلاس کی مجلس استقبالیہ کے چیئرمین تھے۔ اجلاس کے انتظام و انصرام میں آپ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ مسجد شہید گنج کی تحریک میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔ جناح سکندر معاہدے کے لئے آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے انگریزوں کی حکومت سے مسلمانوں کے لئے قانونی مراعات حاصل کیں جو بہت بڑی کامیابی تھی۔ مسلمانوں کی ترقی اور بہبود اور مسلم لیگ کی سرگرمیوں کے لئے آپ ساری زندگی بھرپور مالی اعانت کرتے رہے۔

یہ ایک عظیم آئیڈیا ہے، جو سعی و ایثار کا تقاضا کرے گا۔ ایسا تو شاذ و نادر بھی نہ ہوگا کہ آپ کے ذہن شک و شبہ کی آماجگاہ بن جائیں۔ ایسے تفاوات ہو سکتے ہیں جن کی نوعیت مادی بلکہ روحانی بھی ہو، اور جنہیں آپ جرأت اور ہمت کے ساتھ حل کر لیں۔ ہمیں ان کا سامنا کرنا ہوگا اور اگر آج، جبکہ ہمارے دل عجز سے مملو ہیں، عالی حوصلگی سے کام نہ لے سکیں تو پھر کبھی بھی ایسا نہ کرسکیں گے۔ ہمارے تمام رہنما مسلمان اور ہندو دونوں فرقہ وارانہ مناقشات پر غمگین ہوتے رہتے ہیں۔ میں ان کے اسباب کی تاریخ کا تذکرہ نہیں کروں گا، لیکن ایسے لمحے آئیں گے، جب لوگوں کے جذبات مشتعل ہو جائیں گے اور جب اختلافات تصادم کا روپ دھار لیں گے اور ایسے لمحات میں مَیں آپ سے کہوں گا کہ آپ اپنی عید کی عبادت کو یاد کریں، اور چند ثانیوں کے لیے اس بات پر غور کریں کہ کیا ہم اس رہنمائی کی روشنی میں ان سے احتراز نہیں کر سکتے، جو ہمارے قرآن نے اور اس عظیم جذبے نے ہمیں عطا کی ہے، جو اسلام ہے۔ میں آپ سے کہوں گا کہ ایسے لمحات کے دوران آپ یہ یاد رکھیں کہ ہمارے رسول ﷺ کے نزدیک کوئی قاعدہ قانون دیگر تمام بنی نوع انسان کے ساتھ انسیت اور رواداری سے بڑھ کر زیادہ متبرک اور مقدس نہیں ہوسکتا۔''

آل انڈیا مسلم لیگ کے ستائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ 23 مارچ 1940ء بمقام لاہور، جس میں ''قراردادِ پاکستان'' منظور کی گئی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے قرآن کریم اور حدیث نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

''ایک اور نکتہ ہے جو کافی عرصے سے میرے لیے پریشانی کا باعث بن گیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر نہایت احتیاط سے غور کریں اور وہ ہے ہندو مسلم اتحاد کا سوال۔ گزشتہ 6 ماہ کے دوران میں نے اپنا بیشتر وقت مسلم تاریخ اور مسلم قانون کے مطالعہ میں صرف کیا، اور میں سوچنے پر مائل ہوں کہ یہ نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی قابلِ عمل۔ مسلم راہنماؤں کے تحریک سول نافرمانی کے دوران خلوص کو فرض اور تسلیم کر لینے کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کے مذہب میں اس طرح کی کسی بھی چیز کے لیے مؤثر ممانعت موجود ہے۔

آپ کو وہ گفتگو یاد ہوگی، جو میں نے آپ کو کلکتہ میں سنائی تھی، اور جو میرے، حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر کچلو کے درمیان ہوئی تھی۔ حکیم اجمل خان سے زیادہ نفیس مسلمان ہند میں موجود نہیں، لیکن کیا کوئی مسلمان رہنما قرآن سے سرتابی کر سکتا ہے۔ میں صرف یہ امید کر سکتا ہوں کہ اسلامی قانون کے بارے میں میرا ماحصل غلط ہو۔''

''میں سمجھتا ہوں کہ ان کا ماحصل درست ہے۔''

''میں دیانت داری اور خلوص کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت اور پسندیدگی کا قائل ہوں، میں مسلم رہنماؤں پر اعتماد کرنے کے لیے بھی پوری طرح آمادہ ہوں، لیکن قرآن اور حدیث کے احکام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ رہنما ان سے تو سرتابی نہیں کر سکتے، پھر کیا ہم مارے گئے؟ مجھے امید ہے کہ آپ کے فاضل ذہن اور دانش مند دماغ اس مشکل کا کوئی حل ڈھونڈ نکالیں گے۔''

19 نومبر 1942ء کو پنجاب مسلم کانفرنس لائل پور (فیصل

آباد) کے اختتامی اجلاس سے اردو میں خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''ہم اس ملک میں آبرومندانہ طریقے سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم کسی ایسی حکومت کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے، جس میں ہمیں محکوموں کی حیثیت دے دی جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسیحی اور (اچھوتوں) دھرم انجمنوں کو یقین دلایا کہ ان کے اپنے اپنے مفادات کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔ اعلیٰ ترین حاکم یعنی قرآن کریم کے احکام کے عین مطابق اقلیت کے ساتھ عادلانہ اور منصفانہ سلوک روا رکھا جائے گا۔

(دی اینول رجسٹر 1942ء حصہ دوم، صفحہ:295)

قائداعظم نے فرمایا:

''آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو ایک پیغام دوں۔ میں آپ کو کیا پیغام دے سکتا ہوں۔ ہماری رہنمائی اور بصیرت کے لیے عظیم ترین پیغام تو قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم خود کو پہچانیں اور ان عظیم صفات، خوبیوں اور قوتوں کو بھی جن کے ہم حامل ہیں۔ اپنے عظیم مقصد کے لیے کام کریں۔ ہمیں اپنی عظیم صلاحیتوں کو صحیح سمت میں روبہ عمل لانا چاہیے۔ ہمیں اپنے ذاتی مفادات اور سہولت کو اپنے لوگوں کے اجتماعی بہبود اور بلندتر اور بہتر مقصد پر قربان کر دینا چاہیے۔ پاکستان کا یہی مقصد ہے اور اگر ہم متحد، منظم اور اپنے مقصد کے وفا شعار رہے تو وہ وقت دور نہیں، جب ہم اپنی منزل پالیں گے اور خود کو اپنے حیرت انگیز اور شاندار ماضی کا اہل ثابت کر دیں گے۔''

اس سلسلے میں مؤلف ''قائداعظم کی شخصیت کا روحانی پہلو'' لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر عبدالحمید قاضی نے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو نوٹس دیا تھا کہ وہ ایک قرارداد پیش کرنا چاہتے ہیں، جس میں پاکستان کی تعریف کی گئی ہے، اور یہ کہ ان کی رائے میں مسلم ریاست کا قیام ان خطوط پر ہونا چاہیے جو کہ اسلام کے پہلے چار خلفائے راشدین نے بنائے تھے۔ ابھی اس قرارداد کو پیش کرنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ قائداعظم کو ''انجمن اثنا عشریہ'' لکھنؤ کی جانب سے ایک تار موصول ہوا، جس میں لکھا تھا:

''اگر پاکستان کا مطلب یہ ہے کہ اس میں پہلے تین خلفائے راشدین کے بتلائے ہوئے طرزِ حکومت کے مطابق حکومت ہونی ہے تو اہلِ تشیع اس قسم کے نظریے کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔''

میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ قائداعظم اس مشکل مسئلے کو کیسے حل کریں گے، اور کیسے پاکستان کی ایسی تصریح کریں گے، جو مختلف عقائد رکھنے والے مسلمانوں کو قابلِ قبول ہو۔

مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے دہلی میں ہونے والے مارچ 1943ء کے اجلاس میں قائداعظم نے ساری صورت حال کی وضاحت یوں کی:

''قبل اس کے کہ میں محرک کو قرارداد پیش کرنے کی اجازت دوں، میں ساری صورت حال کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں، جہاں تک میں سمجھتا ہوں، اور صحیح العقل مسلمان بھی اس پر اتفاق کرے گا کہ اس موقع پر پاکستان کا مقصد سیاسی قوت کو برطانوی حکومت سے مسلمانوں کے لیے حاصل کرنا ہے، یہ قوت مسلمانوں کے ہاتھوں میں حق خوداختیاری کی بنیاد پر

ہوگی، جسے وہ شمال مشرقی اور شمالی مغربی ہندوستان میں استعمال کرسکیں گے۔ ایک دفعہ یہ طاقت ہمارے ہاتھ میں آجائے تو تب یہ مناسب موقع ہوگا کہ ہم ان مسائل پر سوچیں جن کا تعلق ہم سے ہے۔ ہم سب بہن بھائیوں کی طرح ایک مہر کے گرد بیٹھ کر سوچیں گے کہ بحیثیت مسلمان، حالات اور رنگ ڈھنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں ہمارے لیے کون سا نظامِ حکومت بہتر رہے گا۔ ہم مسلمانوں کے لیے ایک ایسی مملکت چاہتے ہیں، جس میں وہ اپنی مرضی کی حکومت چلاسکیں اور اپنے معاملات کو دینی و مذہبی روایات اور اسلام کے بنیادی اصولوں، بھائی چارہ، مساوات اور اخوت کی روشنی میں طے کر سکیں، اگر شیعہ اور سنی مسلمان ایران، عراق اور دوسرے ممالک میں امن وامان سے اکٹھے رہ سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستانی مسلمان بھی یگانگت کی راہ پر چل کر اپنے آزاد پاکستان میں ایک مضبوط اور پائیدار حکومت قائم نہ کرسکیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو قرآن کریم سے والہانہ لگاؤ تھا۔ آپ اکثر اپنی تقاریر اور پیغامات میں قرآن کریم کے حوالے سے کوئی نہ کوئی بات ضرور کرتے۔ ان میں قرآن حکیم کے حوالہ جات دیتے۔ 1941ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میں نہ کوئی مولوی نہ ملا ہوں، نہ مجھے دینیات میں مہارت کا دعویٰ ہے، البتہ میں نے قرآن مجید اور قوانین اسلامیہ کے مطالعہ کی اپنے طور پر کوشش کی ہے۔ اس عظیم الشان کتاب کی تعلیمات میں انسانی زندگی کے ہر باب کے متعلق ہدایات موجود ہیں۔ زندگی کا روحانی پہلو ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا معاشی غرض یہ کہ کوئی شعبہ ایسا نہیں جو قرآنی تعلیمات کے احاطے سے باہر ہو۔''

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:

''بعض لوگ نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام کیا ہے یا یہ لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ میں اسلام سے ناواقف ہوں، میں نے قرآن کو بار بار بغور پڑھا ہے، اور جب میں یہ کہتا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام قائم ہوگا تو یہ محض ادعا اور بڑ نہیں تھی۔''

عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں 1941ء کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص اور ادارے کی۔ قرآن مجید کے احکامات ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرسکتے ہیں۔''

4اپریل 1943ء کو فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ نے مجھ سے ایک پیغام کی خواہش کی ہے۔ میں بھلا آپ کو کیا پیغام دے سکتا ہوں، روشنی اور رہنمائی کے لیے تو ہم سب قرآن کے عظیم ترین پیغام سے فیضیاب ہیں۔''

پیغام عید 13 نومبر 1945ء کو فرمایا:

''جب ہمارے پاس قرآن کریم ایسی مشعل ہدایت موجود ہے، تو پھر ہم اس کی روشنی میں ان اختلافات کو

کیوں نہیں مٹا سکتے۔"
آپ نے مزید فرمایا:
"اس حقیقت سے جہلاء کے سوا ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے۔ یہ ضابطہ حیات مذہب، معاشرت، تجارت، عدل، فوج، سول، اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ رسمی رسوم ہوں یا روز مرہ کی زندگی کے عام معاملات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اجتماعی واجبات کا سوال ہو یا انفرادی حقوق کا، اخلاقیات کا معاملہ ہو یا جرائم کا، اس دنیا میں مجرموں کی سزا کا سوال ہو یا آخرت کی عقوبت کا، ان تمام معاملات کے لیے اس ضابطہ میں قوانین موجود ہیں، اس لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہر مسلمان کو قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہیے اور اس طرح اپنا مذہبی پیشوا بن جانا چاہیے۔"

11 جولائی 1946ء کو ایک جلسہ عام میں حیدر آباد دکن میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اس وقت میدان سیاست میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی جنگ ہو رہی ہے۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کون فتح یاب ہوگا، علم غیب خدا کو ہے، لیکن میں ایک مسلمان کی حیثیت سے علیٰ روس الاشہاد کہہ سکتا ہوں کہ اگر ہم قرآن مجید کو اپنا آخری اور قطعی رہبر بنا کر ثبات و استقامت پر کاربند رہیں اور اس ارشاد خداوندی کو فراموش نہ کریں تو مسلمان سب بھائی بھائی ہیں تو ہمیں دنیا کی کوئی طاقت یا کئی طاقتوں کا مجموعہ بھی مغلوب نہیں کر سکتا۔"

مسلم لیگ کراچی سیشن میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

"وہ کیا چیز ہے جس نے مسلمانوں کو ایک رشتے میں پرو رکھا ہے۔ وہ کون سی چٹان ہے جس پر اس ملت کی عمارت کی بنیاد ہے وہ کون سا لنگر ہے، جس سے ان کی کشتی بندھی رہی ہے؟
ان سوالوں کا جواب ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ یہ محکم رشتہ، یہ سنگین چٹان، یہ آہنی لنگر خدا کی وہ کتاب عظیم (قرآن کریم) ہے، جس نے تمام مسلمانوں کو جسدِ واحد بنا رکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں وحدت زیادہ ہوتی جائے گی۔ اس لیے کہ ہمارا خدا ایک، خدا کی کتاب ایک اور اس کا رسول ﷺ ایک، اس لیے ہماری ملت بھی ایک ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"اس حقیقت سے ہر مسلمان باخبر ہے کہ قرآن کے قوانین صرف مذہبی اور اخلاقی حدود تک محدود نہیں، گبن نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ بحر اطلانتک سے لے کر گنگا تک ہر جگہ قرآن کو ضابطہ حیات کے طور پر مانا جاتا ہے۔ جس کا تعلق صرف الٰہیات تک نہیں بلکہ وہ مسلمانوں کے لیے سول اور فوجداری قوانین کا ضابطہ ہے۔ جس کے قوانین نوع انسان کے تمام احوال و اعمال کو محیط ہیں، اور وہ منشائے خداوندی کے مظہر ہیں، اس حقیقت کے سوائے جہلا کے، ہر شخص واقف ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ضابطہ حیات ہے۔ مذہب، معاشرت، تجارت، عدالت، فوج، سول اور فوجداری کے تمام قوانین کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ مذہبی رسم ہوں یا روز مرہ کی زندگی کے عام معاملات، روح کی نجات کا سوال ہو یا بدن کی صفائی کا، اس دنیا میں مجرموں کی سزا کا سوال ہو یا آخرت

کی عقوبت کا۔ ان تمام معاملات کے لیے اس ضابطے میں قوانین موجود ہیں۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا ہر مسلمان کو قرآن کا نسخہ اپنے پاس رکھنا چاہیے۔''

30 اکتوبر 1947ء کو یونیورسٹی سٹیڈیم میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم (ہندوؤں کی طرف سے) ایک ایسی سازش کا شکار ہوئے ہیں، جو بڑی گہری اور سوچ سمجھ کر اختیار کی گئی تھی، اور جسے دیانت، شجاعت اور عزت کے ابتدائی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر بروئے کار لایا گیا۔ ہم بحضور رب العزت سجدہ ریز ہیں کہ اس نے ہمیں ایسی ہمت اور یقین محکم عطا فرمایا جس سے ہم نے شرک اور ان تمام قوتوں کا پورا پورا مقابلہ کیا۔ اگر ہم نے قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کی تو میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ آخر الامر کامیابی ہماری ہی ہوگی۔ میرا آپ سب سے اور ان تمام افراد سے جن تک میرا یہ پیغام پہنچے، مطالبہ یہ ہے کہ آپ پاکستان کو اسلام کا مستحکم قلعہ بنانے اور اپنے آپ کو ایک ایسی عظیم ملت کی شکل میں تعمیر کرنے کے لیے جس کا مقصد ملک کے اندر اور باہر امن قائم کرنا ہو، عندالضرورت سب کچھ قربان کر دینے کا عہد کریں۔''

ایک اور موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اگر ہم قرآن مقدس سے تحریک اور ہدایت حاصل کریں تو میں ایک بار پھر کہنا چاہتا ہوں کہ آخری فتح ہماری ہوگی۔''

آپ نے مزید فرمایا:

''تیرہ صدیاں گزر جانے پر بھی اچھے اور برے احوال وظروف کے باوجود جن سے مسلمان گزرے ہیں، ہم لوگ اپنی عظیم اور مقدس کتاب پر نازاں ہی نہیں ہو رہے ہیں، بلکہ ان تمام زبانوں میں اس کے جملہ اصولوں کے ساتھ، ہمارا تعلق برقرار رہا ہے۔''

قومی اسمبلی اور تصویر قائد

10 جون 1964ء کو ایوب ہال راولپنڈی میں قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر کی نقاب کشائی کی گئی۔ یہ تصویر اسپیکر کی کرسی کے اوپر لگائی گئی۔ اسپیکر مسٹر فضل القادر چودھری نے نقاب کشائی کی رسم ادا کی۔ اس دوران تمام اراکین نے پر جوش تالیاں بجائیں اور قائداعظم محمد علی جناح کے احترام میں کھڑے رہے۔ سپیکر قومی اسمبلی، قائد حزب اقتدار خان عبدالصبور خاں اور قائد حزب اختلاف یوسف خٹک نے زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

قوم کی امانت

(دیکھیے: ووٹ)

قومی زبان

قائداعظم محمد علی جناح نے 21 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں جلسہء عام سے خطاب کے دوران کہا:

''زبان کے مسئلہ میں واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اردو کے سوا کوئی دوسری نہ ہوگی۔ جو لوگ آپ کو گمراہ کر رہے ہیں وہ پاکستان کے دشمن ہیں، کوئی قوم کسی واحد سرکاری زبان کے بغیر متحد و مستحکم نہیں رہ سکتی، اور نہ سرکاری فرائض بحسن وخوبی انجام دیے جا سکتے ہیں۔''

قومی زندگی

قائداعظم محمد علی جناح نے 4 جنوری 1939ء کو فرمایا:

''کانگریسی سراسر ہندو جماعت ہے۔ مسلمانوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ کانگریس کو یہ جتا دیا ہے کہ ان کی آئندہ تقدیر کا دارومدار حکومت اور ملک کے انتظام ان کے سیاسی حقوق کے حصول اور قومی زندگی میں جائز حصہ حاصل ہونے پر ہے، اور اس کے لیے وہ اس وقت تک برسرپیکار رہیں گے، جب تک مسلمانوں کے قالب میں روح ہے۔ وہ کانگریس کا غلام بننا ہرگز ہرگز گوارہ نہ کریں گے۔''

قومی کردار

مسٹر این ایم کوتوال پارسی بیرسٹر تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے ان کو اپنا قانونی مشیر مقرر کیا تھا، اور وہ ان کے بہت قریب تھے۔ قیام پاکستان کے بعد مسٹر کوتوال ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو معاشرے کی خرابیاں زیر بحث آ گئیں، اور قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''یہ جو خرابیاں نظر آتی ہیں، ان کا سبب کردار کی کمزوری ہے۔''

این ایم کوتوال نے کہا:

''قومی کردار ایک دو دن میں تو نہیں ابھرتا، اس کے لیے بیس سال درکار ہوں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''بیس سال؟ سو سال مسٹر کوتوال، سو سال چاہئیں۔''

قومیت کی نفی

قائداعظم محمد علی جناح صوبائی تعصب کو سب سے بڑی لعنت کہتے تھے۔ وہ اکثر قوم کو کہا کرتے تھے:

''آپ خود کو پاکستانی کہلوائیں۔''

ذیل میں ان کا ایک اقتباس درج ہے:

''ہم نہ بلوچی ہیں، نہ پٹھان ہیں، نہ سندھی ہیں نہ پنجابی نہ بنگالی، اب تو ہم سب پاکستانی ہیں۔ ہمارے احساسات اور طرز عمل بھی پاکستانیوں جیسے ہونے چاہئیں، اور ہمیں چاہئے کہ بجائے کسی اور نام کے صرف پاکستانی کہلائے جانے پر فخر کریں۔''

(15 جون 1948ء)

قومی حکومت! ایک فریب

کانگریس کا مطالبہ ''قومی حکومت'' کے سلسلے میں اپنے دولت کدہ اورنگ زیب روڈ پر منعقدہ پریس کانفرنس میں امریکی، چینی اور برطانوی نمائندگان صحافت کے سامنے 13 ستمبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے بیان میں کیا:

''قابل اطمینان معاہدات اور انتظامات کی رو سے منتقل ہونے والے اختیارات کو میں کسی نوبت پر بھی معین نہیں کرتا۔ خواہ وہ کتنے ہی وسیع کیوں نہ ہوں، لیکن اس امر پر لازماً مشروط ہوں گے کہ ساری جماعتیں مسلمانوں کے حق خود ارادیت کو تسلیم کر لیں اور ضمانت دیں اور مسلم رائے عامہ کے فیصلے پر عمل پیرا ہو کر اس کے مطابق ہندوستان کو تقسیم کرنے کا اپنے آپ کو حلفاً پابند کر لیں۔

اگر اس شرط کو پورا نہیں کیا گیا اور موجودہ دستور کے خاکے کے باہر کوئی عارضی حکومت بنائی گئی اور ان ہی خطوط پر بنائی گئی جن پر کہ چند اہم گوشوں سے اصرار ہو رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم گرفتار دام ہو گئے ہیں، کیونکہ موجودہ دستور کے خاکے کے باہر اگر کوئی عارضی حکومت بنے گی تو اس میں دستور کی

اساسی اور بنیادی تبدیلیاں ضرور ہوں گی اور ایک دفعہ ایسی تبدیلی ہو جائے اور ہمارے پاس کوئی مابعد جنگ معاہدے یا ضمانتیں نہ ہوں جس پر آج ہمیں اس قدر اصرار ہے تو اس کو مٹانا دشوار ہی نہیں، ناممکن ہو جائے گا۔

ہم نہیں چاہتے کہ جنگ کی ناگہانی ضرورتوں کے دباؤ سے بدحواس کر کے تم ایک ایسی عارضی حکومت ترتیب دے دو جو ہمارے مطالبہ پاکستان کے مغائر ہو یا اس کو متاثر و مفلوج کر دے۔

میں خاص طور پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کانگریس کی یہ تحریک محض برطانیہ اور حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ اور ان غیر کانگریسی اداروں کے خلاف بھی ہے جن سے کوئی مشورہ نہیں لیا گیا بلکہ ان کی ناراضی کے باوجود انہیں قابل اعتنا نہ سمجھ کر اس تحریک سول نافرمانی کا آغاز کر دیا گیا ہے، تاکہ اپنے ان مطالبات کو جبراً منوا لیا جائے جن کی شدید مخالفت مسلم لیگ، دوسری اقلیتوں اور اس ملک میں دیگر مفادات رکھنے والوں نے کی ہے۔

قومیت کی آڑ میں کانگریس کا مطالبہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ اُسے ایسا اقتدار دے دیا جائے کہ ملک میں ہندو راج قائم ہو جائے۔ ہم نے لمحات آزمائش میں بھی اپنے حق خود ارادیت کی دستبرداری سے انکار کر دیا ہے، اس لیے اب کانگریس یہ چاہتی ہے کہ حکومت برطانیہ اسے اقتدار کا کوئی جواز عطا کر دے کہ وہ مسلمانوں اور ملک کے دوسرے غیر کانگریسی اداروں کو حلقہ بگوش بنا سکے۔''

مسٹر چرچل کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''جہاں تک میں سمجھتا ہوں تقریر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ''سارے ہندوستان کی نیابت اور نمائندگی کا کانگریس نے جو ادعا کیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ کوئی سلیم الطبع شخص شاید ہی یہ کہہ سکے گا کہ کانگریس کا یہ دعویٰ کسی حقیقت پر مبنی ہے، لیکن بمبئی میں کل ہند کانگریس کمیٹی کے آخری اجلاس میں مسٹر گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تقریروں میں یہی دعویٰ کیا ہے۔ مسٹر گاندھی نے اپنی آخری تقریر میں اس پر بے حد زور دیتے ہوئے کہا:

''کانگریس ہی ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ یہی مسٹر نہرو نے بھی کہا بلکہ یہ اس سے اور آگے گئے اور فرمایا کہ کل ہند مسلم لیگ ایک رجعت پسند جماعت ہے، مسلم عوام کانگریس کے ساتھ ہیں اور کانگریس ہی سارے ہندوستان کی نمائندگی کرتی ہے۔

سمندر پار رہنے والے چونکہ صحیح حالات سے کماحقہ، واقفیت نہیں رکھتے، اس لیے وہ اس کذب و افترا کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ شرارت آمیز اور منظم پروپیگنڈہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے برابر جاری ہے۔''

اس بات پر ایک امریکی نامہ نگار نے سوال کیا:

''کیا آپ کو توقع ہے کہ کوئی ذلت آمیز تصفیہ سر منڈھ دیا جائے گا؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے مجھے اس کا خوف ہے تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ دنیا کی مہذب ترین اقوام شرمناک اقدام کی مرتکب ہوئی ہیں۔

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جیسی کانگریس ہے ویسی ہی مہاسبھا بھی ہے، البتہ مسلمانوں کے تعلق

سے ہندو مہاسبھا کانگریس سے بھی زیادہ مخاصمت رکھتی ہے اور وہ اس میں کوئی رازداری نہیں برتتی۔ اس کو ہندو مہاسبھا کا ایک وصف ہی سمجھنا چاہیے، کیونکہ یہ کانگریس کی طرح زہد و پاکیزگی کی آڑ تو نہیں لیتی وہ پھڑک پن سے دوٹوک کہہ تو دیتی ہے کہ اس ذیلی براعظم میں ہندو راج قائم کرنا چاہتی ہے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر سرِ تسلیم خم کر دیں ورنہ اُن کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ جرمنی میں یہودیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔''

اس موقع پر ایک نامہ نگار نے پوچھا:

''اس بیان سے آیا وہ یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ کل والی ''جناح مکرجی'' گفتگو بہت زیادہ کامیاب نہیں رہی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''میں اس گفتگو کو ظاہر تو نہیں کرسکتا لیکن یہ کہوں گا کہ مسلم لیگ نے کبھی ایسا مطالبہ ہی نہیں کیا جسے کوئی انصاف پسند آدمی غیر معقول کہہ سکتا ہو۔ مسلم لیگ تو مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی آزادی چاہتی ہے ہماری تجویز کے مطابق تین چوتھائی ہندوستان تو ہندوؤں کو مل ہی چکا ہے، اور اب یہ ہندو اس فکر میں ہیں کہ اگر ہو سکے تو بقیہ ایک چوتھائی کا بھی سودا کر لیں۔ کسی قوم کے حق خود ارادیت پر سمجھوتہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ اس کا آبائی اور پیدائشی حق ہے۔ اس سے انکار کرنا خود اس کے وجود سے انکار کرنا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسٹر چرچل کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا:

''اس تقریر سے مسلمانوں کے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ برطانوی حکومت مسلمانوں کا تعاون نہیں چاہتی اور اُسے وقیع نہیں سمجھتی۔ مسٹر چرچل نے ان دس کروڑ مسلمانوں کا ذکر کیا جو کانگریس سے بنیادی اختلاف رکھتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ اُنہیں اظہار رائے کا حق حاصل ہے۔

مسلم لیگ کی 20 اگست والی قرارداد بمبئی (جس میں مسلمانوں کے موقف اور ان کے مطالبات کی غیر مبہم وضاحت کی گئی تھی) سے متعلق برطانیہ کے وزیراعظم کا بس یہی ایک استعارہ لطیف ہے! کیا اس سے برطانیہ کی مبینہ تمنائے تعاون کا اظہار ہوتا ہے؟ کیا تمہارے لیے اس قدر کافی ہے کہ مسلمان کانگریس کے خلاف ہیں، جو ایک حقیقت ہے اور انہیں اظہار رائے کا حق حاصل ہے جو ایک بدیہی صداقت ہے؟ کیا وزیراعظم کو اسی قدر کہنا ہے؟

حکومت برطانیہ نے کانگریس کے سوا ساری جماعتوں کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر حال ہی میں اخبار ٹائمز نے لکھا تھا کہ کانگریس کو نظر انداز کر کے کوئی تصفیہ نہیں کیا جا سکتا میں اس بیان سے قطعی متفق نہیں ہوں۔ اس کے پڑھنے سے میرے ذہن میں برطانوی حکومت عملی کا جو تصور پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ ''کانگریس ناقابلِ برداشت سہی لیکن جب تک اسے اپنے ساتھ نہ رکھو کچھ نہیں ہو سکے گا۔'' میں ممکنہ قوت سے اس طریقۂ کار کی تردید کرتا ہوں۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ تم ایک ایسی جماعت کے تابع فرمان ہو گئے ہو کہ جس کے مطالبات ناممکن اور محال ہیں۔

مسلم لیگ مساعی جنگ کی حمایت نہیں کر رہی ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ لیگ ضدی اور بداندیش ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اس وقت تک کشادہ دلی اور سرگرمی سے مساعی جنگ کی حمایت کرنے سے معذور ہے جب

تک کہ عوام کو یہ محسوس نہ ہو کہ اس ملک کی حکومت میں ان کا حقیقی اشتراک اور آواز ہے۔
گزشتہ سال برطانوی حکمت عملی کتنی ہی قابل ملامت کیوں نہ ہو ہمارا موقف تو محض خربوزے کا سا ہے۔ اب خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر، نقصان تو خربوزے کا ہی ہوگا۔ فرض کیجئے کہ اس برطانوی حکمت عملی سے تنگ آکر مارے غم و غصے کے کل کو یہ کہہ دوں کہ ''حکومت سے عدم تعاون کرو۔'' تو یقین کیجئے کہ حکومت آج کل جس قدر مصیبت (کانگریس کے ہاتھوں) بھگت رہی ہے اس سے کم سے کم پچاس گنا زیادہ اس کو (ہمارے ہاتھوں) بھگتنی پڑے گی! یہ بندوق اور تلوار کی بات نہیں ہے۔ مسلمان پچاس گنا زیادہ دلیر ہیں۔ میں ہندوؤں پر کوئی چوٹ نہیں کرتا۔ مسلمان کا مزاج اور طریقہ تربیت ہی کچھ ایسا ہے۔
مسلم لیگ اب اس قدر طاقت ور ہوگئی ہے کہ اگر وہ چاہے تو جنگ کے کاموں میں رُکاوٹ پیدا کرسکتی ہے۔''
ایک برطانوی نامہ نگار نے پوچھا:
''کیا ایسے اقدام سے فوج اور مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان متاثر ہوں گے؟''
قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:
''جب یہ مخصوص سوال کیا ہی گیا ہے تو میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔ میں کوئی سنسنی خیز اور خونیں داستان نہیں سنانا چاہتا، پھر فوج سے میرا ربط بھی نہیں ہے، لیکن فوج 65 فی صد مسلمانوں پر مشتمل ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر لیگ اپنی مہم کا آغاز کردے تو بڑا حصہ متاثر ہو جائے گا اس کے علاوہ سارا سرحد بھڑک اُٹھے گا۔
افغانستان، ایران، عراق، ترکی، مصر اور دیگر ممالک اسلامیہ کے اخبارات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو اسلامیان ہند کے مطالبات سے پوری ہمدردی ہے۔ ان ممالک کے اخبارات مطالبہ پاکستان کی پر زور حمایت کرتے ہیں۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اگر حکومت برطانیہ اور مسلمانانِ ہند میں ٹھن جائے تو لازماً مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان متاثر ہوں گے۔
کانگریس نے ایک اہم فیصلہ کیا ہے کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ ہی اعلان کیا کہ جب تک برطانوی یہاں سے چلے نہ جائیں، ہندو مسلم تصفیہ کے سوال پر غور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کانگریس کا تازہ ترین گریز ہے۔ اس کا یہ جدید موقف اس کی بائیس سالہ اعلان شدہ بنیادی حکمت عملی کے قطعی مغائر ہے۔ آج سے پہلے وہ یہی کہا کرتے تھے کہ ہندو مسلم سمجھوتے اور اتفاق کے بغیر باشندگانِ ہند کو آزادی نہیں مل سکتی۔
جب تک ایسی ذہنیت کارفرما رہے گی، ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین سمجھوتہ کی گفت و شنید کی گنجائش کہاں؟ اس کے باوجود شب و روز کہا جاتا ہے اور خاص طور پر ہندو کہتے ہیں کہ کانگریس سے سمجھوتہ کرنے کے لیے مسلم لیگ کو قدم اُٹھانا چاہیے۔''

قومی کھیل

23 اپریل 1948ء بروز جمعۃ المبارک پاکستان کے پہلے قومی کھیلوں کا افتتاح قائداعظم محمد علی جناح نے پولو گراؤنڈ (باغ قائداعظم) میں کیا۔ اس ضمن میں کام کی ابتداء احمد ای ایچ جعفر نے کی اور ان کی صدارت میں 25 تا 27 فروری 1948ء کراچی میں پاکستان اولمپک ایسوسی ایشن کے قواعد د

ضوابط مرتب کرنے کے لیے ایک اجتماع ہوا اس اجتماع میں عہدیداروں کا انتخاب بھی عمل میں لایا گیا۔

ان کے نام یہ تھے:

پیٹرن ان چیف	قائداعظم محمد علی جناح
صدر	احمد ای ایچ جعفر
نائب صدر	پروفیسر اے بی حلیم
ایسوسی ایٹ سیکرٹری	(۱) ایم اے خالق
	(۲) ایس ایم کاظمی
خزانچی	ظفر علی شیخ
اعزازی جنرل سیکرٹری	کیپٹن ایس اے حمید

قائداعظم محمد علی جناح جب کھیلوں کے افتتاح کے سلسلے میں آٹھ گھوڑوں کی بگھی میں اور پچاس گھڑسواروں کی معیت میں آئے تو ان کی آمد پر بگل بجائے گئے۔

اس کے بعد ایسوسی ایشن کے عہدیداروں کا قائداعظم محمد علی جناح سے تعارف کرایا گیا۔ تعارف کے بعد کیپٹن ایس اے حمید قائداعظم محمد علی جناح کو ڈائس پر لے گئے اور استقبالیہ کمیٹی کے تمام ارکان ڈائس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ پیر الٰہی بخش نے کلام پاک کی تلاوت کی۔ ان کے بعد ای ایچ جعفر نے مختصر تقریر کی، پھر قائداعظم محمد علی جناح نے پیغام دیا۔

مارچ پاسٹ کے بعد کھیلوں کے آغاز کا اعلان قائداعظم محمد علی جناح نے کیا، پھر پنجاب ٹیم کے کپتان ایتھلیٹ ڈائس کے سامنے آئے اور کھڑے ہو کر مندرجہ ذیل حلف قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے اٹھایا:

''ہم حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پاکستان کے پہلے اولمپک اتھلیٹک چمپئن میں بڑی وفاداری، ضابطوں کے احترام کے ساتھ مکمل سپورٹس مین سپرٹ کے ساتھ حصہ لیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح اتھلیٹس کے مقابلے دیکھنے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔

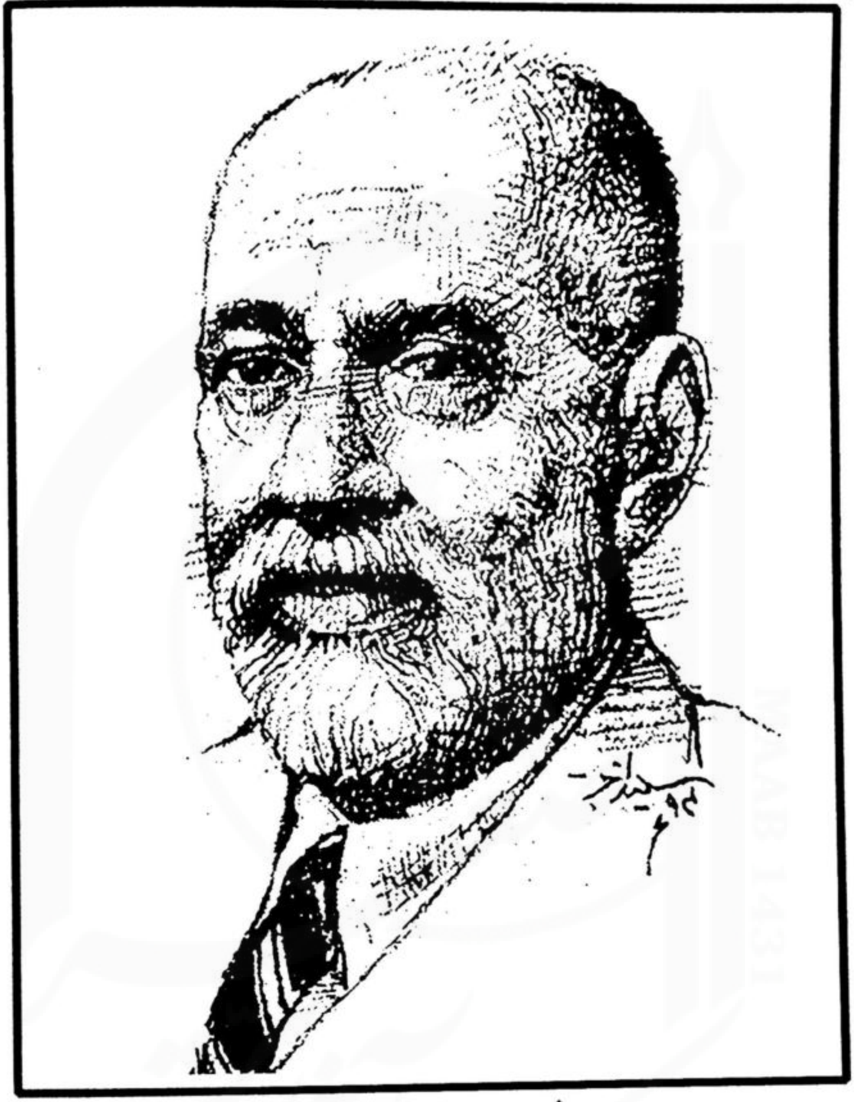
قومی مجلس دفاع

21 جولائی 1941ء کو وائسرائے ہند نے گورنر جنرل کی ایگزیکٹو کونسل کی توسیع اور قومی مجلس دفاع کی تشکیل کا اعلان کیا۔ وائسرائے ہند نے اس اعلان کی اطلاع ایک روز قبل گورنر بمبئی کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح کو پہنچائی لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے سخت برہمی کا اظہار کیا کیونکہ وائسرائے نے بغیر صدر مسلم لیگ کی اجازت کے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ارکان کو ایگزیکٹو کونسل اور قومی مجلس دفاع کا رکن بنا لیا تو نواب چھتاری بھی اس میں شامل ہو گئے تاہم انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنا استعفیٰ بھیج دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے بیان دیا:

''وائسرائے کی کونسل میں توسیع اور نام نہاد نیشنل ڈیفنس کونسل کے متعلق سرکاری اعلان بے حد قابل افسوس اور مایوس کن ہے۔ اس اقدام سے مسلم ہندوستان کی صدق دلانہ وفامندانہ اور حقیقی امداد اگر دیانتداری سے حاصل کرنی مقصود ہے تو حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس کی صاف اور سادی وجہ یہ ہے کہ نامزد مسلمان نہ مسلمانوں کے حقیقی نمائندے ہیں اور نہ انہیں مسلمان عوام کا اعتماد حاصل ہے۔ وائسرائے کا تدبران سے یکے بعد دیگرے غلطیاں کروا رہا ہے۔ یہ بات افسوسناک اور تکلیف دہ ہے کہ وائسرائے نے مسلم لیگ کے زعما اور ایگزیکٹو سے بالا بالا مسلم لیگ کے ممبروں کو ترغیب دی اور یہ اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہے کہ مسلم لیگ کے بعض ارکان اس ترغیب و تحریص کا شکار ہو گئے۔

جب پچھلے اگست میں حکومت نے پیش کش کی تو وہ



شیخ سر عبدالقادر

1950 - 1874

ممتاز قانون دان' کہنہ مشق صحافی' خوش بیان مقرر' خطیب' ادیب اور اکابرین تحریک پاکستان میں سے تھے۔ ابھی آپ انڈر گریجوایٹ تھے کہ مسلمانوں کے واحد انگریزی اخبار ''پنجاب آبزرور'' کے ڈپٹی ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ایک سال بعد چیف ایڈیٹر بنائے گئے۔ 1898ء میں آپ کے لیکچرز کا مجموعہ ''نیو سکول آف اردو لٹریچر'' کے نام سے شائع ہوا۔ اپریل 1901ء میں آپ نے مشہور و معروف رسالہ ''مخزن'' جاری کیا۔ 1907ء میں لنکنز ان سے بار ایٹ لاء کیا۔ 1923ء میں پنجاب اسمبلی کے رکن مقرر ہوئے اور 1925ء میں وزیر تعلیم بنے۔ 1926ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے 18 ویں سالانہ اجلاس دہلی کی صدارت کی۔ 1927ء میں سر کے خطاب سے نوازے گئے۔ 1934ء تا 1936ء ممبر کونسل سیکرٹری آف سٹیٹ رہے۔ دوبارا انجمن حمایت اسلام کے صدر کی حیثیت سے شاندار خدمات انجام دیں۔ مختلف اوقات میں پنجاب ہائی کورٹ کے جج رہے۔ 1942ء سے 1946ء تک بہاولپور کے چیف جسٹس رہے۔ آپ نے اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی کے لیے تاریخ ساز خدمات انجام دیں۔

مسلم لیگ کو منظور نہ تھی۔ اس کی معقول وجہ یہ ہے کہ اس سے مسلم لیگ کے نمائندہ کو اختیار حکومت میں حقیقی اور جائز حصہ نہیں ملتا۔ کون یہ کہہ سکتا ہے کہ موجودہ رجعت پسندانہ فیصلہ اسلامی ہند کی منظوری اور تعاون حاصل کر سکتا ہے۔ میں وائسرائے کو مسلم لیگ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے مسلم وزرائے اعظم اور لیگ کے بعض ارکان کی لیگ کے لیڈر اور ایگزیکٹو کے مشورہ اور علم کے بغیر اس سکیم کے لیے خدمات حاصل کر کے یہ پھوٹ پیدا کی ہے۔

بہر حال یہ چیز مسلم لیگ کو اس کی صراط مستقیم سے متزلزل نہیں کر سکتی۔ اس چال سے حکومت کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا بلکہ بد قسمتی سے اس سے تلخی پیدا ہو گی جو اس وقت موجود نہیں باوجود یکہ اس اعلان سے پہلے بھی حکومت کا رویہ پسندیدہ نہ تھا ان مسلمان وزرائے اعظم اور مسلم لیگ ارکان کے رویہ پر جنہوں نے لیگ کے لیڈر اور ایگزیکٹو کے حکم اور علم کے بغیر اپنے آپ کو اس توسیع اور نیشنل ڈیفنس کونسل سے وابستہ کیا ہے مناسب غور ہو گا اور مناسب کارروائی بھی کی جائے گی۔"

قیام گاہ دہلی (اورنگ زیب روڈ)

قائداعظم محمد علی جناح کی یہ رہائش مسجد نما تھی اور یہ عمارت سرخ و سیاہ مرصع کاری سے بھرپور تھی۔ ان کے پردے پر ہندوستان کا نقرئی نقشہ بنا ہوا تھا جس میں پاکستان کو سبز رنگ میں دکھایا گیا تھا۔

بمبئی کی قیام گاہ مالابار ہلز پر اور کراچی کی قیام گاہ نیوانہم روڈ پر تھی۔

قیصر، ملک لال دین

1935ء کے آئین کے تحت پنجاب میں عام انتخابات کے انعقاد کا اعلان ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال اس حق میں تھے:

"مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پنجاب کے مسلمان انتخاب میں حصہ لیں۔"

لیکن میاں فضل حسین اس کے حق میں نہ تھے، چنانچہ انہوں نے اپنی اتحاد پارٹی کو از سر نو منظم کیا۔ ان حالات میں ملک لال دین قیصر نے قائداعظم محمد علی جناح اور میاں فضل حسین کی ملاقات کا اہتمام کرایا۔ اگرچہ بات چیت نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی تاہم اس ضمن میں پنجاب میں مسلم لیگ کے اتحاد کی راہ ہموار ہو گئی۔

ملک لال دین 1899ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ معمولی تعلیم حاصل کی۔ پنجابی زبان کے شاعر اور ادیب تھے۔ تحریک خلافت کے فعال کارکن تھے۔ ملک لال دین نے اپنی انقلابی نظموں کے ذریعے مسلمانوں کے لہو کو گرمایا جس کی پاداش میں انہیں 8 بار جیل کی صعوبتیں جھیلنا پڑیں۔ علامہ اقبال کی خدمت میں بھی رہنے کا موقع ملا۔ ان کی مالی حیثیت اگرچہ اچھی نہ تھی لیکن اس کے باوجود 1920ء میں "امام" کے نام سے ایک پرچہ جاری کیا۔ 1921ء میں ٹھیکیداری شروع کر دی۔ 23 مارچ 1940ء کے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لیے انتھک محنت کی۔

ان کا انتقال 1956ء کو لاہور میں ہوا۔

قیصر باغ

قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں 5 جون 1938ء کو بمبئی کے مشہور قیصر باغ میں میمن برادری نے استقبالیہ دیا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد سپاسنامہ جناب الحاج ابراہیم موتی

والا نے پڑھ کر سنایا۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں جو سپاسنامہ پیش کیا گیا اس میں کہا گیا تھا:

''تمام میمن برادری حامیان پاکستان میں سے ہے،
اور تحریک پاکستان میں برابر کی شریک رہی ہے۔''

اس اجلاس کی صدارت جناب عبدالکریم جان محمد میمن نے کی۔ اجلاس میں دیگر رہنماؤں میں سے پنجاب کے وزیر اعلیٰ جناب سر سکندر حیات، بنگال کے وزیر اعلیٰ جناب فضل الحق، نواب احمد یار خاں، جناب نظام الدین، بنگال کے وزیر داخلہ جناب عبدالمتین چودھری، آسام کے وزیر زراعت جناب اورنگ زیب خاں سرحد لیگ کے جناب سید عبدالرؤف شاہ اور ملک برکت علی، جناب سیٹھ عبدالمجید، سندھ کے حاجی عبداللہ ہارون، بمبئی کے میئر جناب سلطان جتوئی، مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خان، میمن کانفرنس کے صدر سیٹھ حاجی عمر ماچس والا وغیرہ نے شرکت کی۔

ک

کابینہ کی تقرری (کا حکم نامہ)

سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان چوہدری محمد علی نے 15 اگست 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی منظوری کے ساتھ کابینہ کی تقرری کا گزٹ نوٹیفکیشن جاری کیا۔ اس کے تحت مندرجہ ذیل اشخاص کو کابینہ میں شامل کیا گیا۔ گزٹ کا متن یہ ہے۔

اعلان

کراچی 15 اگست 1947ء

نمبر ای۔سی۔ایف 47

ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل نے ازراہ عنایت حکومت پاکستان کی وزارتوں کے لیے مندرجہ ذیل اشخاص کے تقرر پر اپنی رضامندی ظاہر کی ہے۔

1. مسٹر لیاقت علی خان
2. مسٹر آئی آئی چندریگر
3. مسٹر غلام محمد
4. سردار عبدالرب نشتر
5. مسٹر غضنفر علی
6. مسٹر جوگندرا ناتھ منڈل
7. مسٹر فضل الرحمٰن

بذریعہ ہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ آنر مسٹر لیاقت علی خان، آنر مسٹر آئی آئی چندریگر، آنر مسٹر غلام محمد، آنر سردار عبدالرب نشتر، آنر مسٹر غضنفر علی، آنر مسٹر جوگندرا ناتھ منڈل، آنر مسٹر فضل الرحمٰن نے آج دوپہر سے پہلے اپنے عہدے کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔

دستخط محمد علی

سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان

کابینہ مشن منصوبہ

برطانوی سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہندوستان لارڈ پیتھک لارنس کی سرکردگی میں کابینہ مشن 24 مارچ 1946ء کو نئی دہلی پہنچا۔ مشن کے دیگر دو ارکان میں سرسٹیفورڈ کرپس اور اے وی الیگزینڈر شامل تھے۔ اس مشن کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کو جس قدر اور جس پوری طرح ممکن ہو آزادی مل جائے۔

کابینہ مشن نے 16 مئی 1946ء کو تجویز کیا تھا:

''برطانوی ہندوستان اور ہندوستانی ریاستوں پر مشتمل ہندوستانی یونین یا وفاق قائم ہونا چاہیے جس کے پاس امور خارجہ، دفاع اور مواصلات کے شعبے ہوں۔ وفاق کے ان امور کے علاوہ باقی تمام امور بشمول بچنے والے تمام امور صوبوں کے پاس ہوں گے۔ صوبوں کو ایگزیکٹو اور اسمبلیوں کے ساتھ گروپ بنانے کی آزادی ہوگی، اور گروپ اس بات کا تعین کرے گا کہ کون سے صوبائی امور مشترک رکھے جائیں۔''

یہ بھی تجویز کیا گیا تھا:

''وفاق اور گروپوں کے مابین ایسا انتظام ہو جائے جس کے تحت کوئی صوبہ اپنی اسمبلی کی کثرت رائے کی

مدد سے ابتدائی دس سال گزر جانے پر آئین کی شرائط پر نظرِ ثانی کرنے کا مطالبہ کرسکتا ہے۔''

آگے چل کر منصوبہ میں تجویز کیا گیا تھا:

''نیا آئین وضع کرنے کے لیے ایک آئین ساز ادارہ قائم کیا جائے گا۔ یہ ادارہ صوبائی اسمبلیوں کے ارکان منتخب کریں گے اور ابتدائی اجلاس کے بعد صوبائی نمائندے تین گروپوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ گروپ بی (B) پنجاب، سندھ اور سرحد کے شمال مغربی مسلم اکثریت والے علاقوں پر مشتمل ہو گا۔ گروپ سی (C) شمال مشرقی خطہ بشمول بنگال اور آسام اور گروپ اے اکثریت والے صوبے۔''

کابینہ مشن نے یہ بھی اعلان کیا:

''گروپنگ کابینہ مشن کے منصوبے کا ایک لازمی حصہ ہے۔ اس کا مقصد مسلمانوں کے ان خدشات کو دور کرنا تھا جو کانگریس کی طرف سے اس سے برعکس تاثر دینے کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 4 دسمبر 1945ء کے وزیر ہند کے اس اعلان کو مسترد کر دیا:

''حکومت برطانیہ انتخابات کے بعد ہندوستان میں دستور ساز اسمبلی قائم کرے گی اور ایک کابینہ مشن ہندوستان بھیجے گی تا کہ یہ ہندوستانی رہنماؤں سے ملاقات کر کے ہندوستان کے بحیثیت آزاد مملکت مستقبل کا فیصلہ کر سکے۔''

اس اعلان کے دو روز بعد قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''وفد بھیجنے کا فیصلہ وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں، حکومت کو اپنی تمام تر توجہ تقسیم اور قیام پاکستان پر مرکوز کرنی چاہیے تا کہ ہندو اور مسلمانوں کو آزادی مل سکے۔''

مسلم لیگ کی مجلس عاملہ نے کابینہ مشن کی آمد پر قائداعظم محمد علی جناح کو مشن کے ارکان سے مذاکرات کرنے کا اختیار دیا اور اس کے نتیجے میں قائداعظم محمد علی جناح نے 4 اپریل 1946ء کو مشن کے ارکان سے تین گھنٹے تک ملاقات کی۔ مشن نے ان سے پوچھا:

''آپ ایک علیحدہ پاکستان کے خواہش مند کیوں ہیں؟''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''چندر گپت موریہ کے زمانے سے ہی ہوتا چلا آ رہا ہے، حتیٰ کہ انگریزوں کی حکومت کے دوران بھی ہندوستانی ریاستیں الگ اور با اختیار رہیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ ہندوستان ایک ہے، بلکہ ان کی تعداد ایک سے زیادہ تھی، تاہم انگریزوں نے اسے ایک کر رکھا ہے۔''

مذاکرات کے دوران قائداعظم محمد علی جناح نے یہ بھی ثابت کیا:

''ہندو اور مسلم دو الگ الگ قومیں ہیں۔ اگرچہ وہ ایک ہزار سال سے ہندوستان میں ساتھ ساتھ رہتے ہیں تاہم اگر کوئی ہندوستان کے کسی شہر میں جائے تو اسے معلوم ہو گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے محلے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ دس کروڑ مسلمانوں اور 25 کروڑ ہندوؤں کو جن کا پورا طرز زندگی اس قدر مختلف ہے ملک معظم کی حکومت کیوں کر ایک جگہ رکھے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح سے بات چیت کرنے کے بعد وفد نے 16 اپریل کو قائداعظم محمد علی جناح کے سامنے یہ تجویز رکھی:

''مسلم لیگ اور کانگریس کل ہند یونین کی تجویز سے اتفاق کرلیں۔''

مشن کی اس تجویز کو قائداعظم محمد علی جناح نے مکمل طور پر مسترد کر دیا اور کہا:

''اگر مشن نے کوئی کمزوری دکھائی تو کانگریس مزید

مطالبات پیش کرے گی۔"

کابینہ مشن کے ارکان نے کانگریس کے رہنماؤں سے بھی اس مسئلے پر مذاکرت کیے لیکن مشن کسی نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہوا، بالآخر 5 مئی کو کانگریس مسلم لیگ اور کابینہ مشن کا سہ فریقی اجلاس شملہ میں طلب کر لیا گیا۔ 5 مئی کو وائسرائے ہاؤس میں یہ اجلاس شروع ہوا جو 12 مئی تک جاری رہا، لیکن اس کے باوجود مسلم لیگ اور کانگریس میں مفاہمت نہ ہوسکی اور بالآخر 12 مئی کو اس کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کر دیا گیا۔

مشن نے 16 مئی 1946ء کو اپنا تفصیلی بیان جاری کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 24 مئی کو شملہ سے ایک بیان میں کہا:

"کیبنٹ مشن کا بیان بے روح ہے۔ اس میں کئی جگہ خلاء موجود ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مشن نے مکمل خود مختار مملکت پاکستان کے مطالبے کو تسلیم نہیں کیا، لہٰذا مکمل خود مختار پاکستان کا قیام ہی ہندوستان کے آئینی بحران کا حل ہے۔"

8 جون 1946ء قائداعظم محمد علی جناح نے کونسل مسلم لیگ کے اجلاس میں کو کابینہ مشن کی تجاویز کو قبول کر لیا لیکن کانگریس نے اسے مسترد کر دیا۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول نے کابینہ مشن کے ارکان کے مشورے سے ایک چودہ رکنی ایگزیکٹو تشکیل دینے کا اعلان کیا۔

اواخر 29 جون 1946ء میں مشن واپس برطانیہ چلا گیا۔ 29 جولائی 1946ء کو مسلم لیگ نے کابینہ مشن کے منصوبے کو جو قبولیت دی تھی، وہ اس نے واپس لے لی اور پاکستان کے حصول کے لیے راست اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا۔

کابینہ وفد

مسلم لیگ کی پوزیشن یہ تھی:

1. شمال مشرق میں بنگال اور آسام اور شمال مغرب میں پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ سندھ اور بلوچستان پاکستان میں شامل ہیں اور اُسے (پاکستان کو) خودمختار اور آزاد حکومت کی حیثیت سے حاصل ہونا چاہیے۔ نیز یہ کہ بلاتاخیر قیام پاکستان کا صاف الفاظ میں وعدہ کیا جائے۔
2. دونوں حکومتوں کا آئین بنانے کے لیے پاکستان اور ہندوستان کے لوگوں کے لیے علیحدہ علیحدہ دستور ساز جماعت بنائی جائے۔
3. پاکستان اور ہندوستان کی اقلیتوں کے تحفظات لاہور والے ریزولیشن کے خطوط پر کیے جائیں۔
4. مسلم لیگ کا تعاون حاصل کرنے اور مرکز میں عارضی حکومت کے قیام میں اس کے شریک ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا جائے، اور اس پر فوری طور سے عمل درآمد ہو۔
5. ہم نے متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر کوئی وفاقی آئین مسلط کرنے یا مسلم لیگ کے مطالبہ کے خلاف مرکز میں عارضی حکومت کے قیام پر زور دینے کے خلاف حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا کہ ایسا اقدام حکومتِ برطانیہ کے اس اعلان کے صریحاً خلاف ہوگا، جو اگست 1940ء میں برطانوی پارلیمنٹ کی منظوری سے کیا گیا تھا۔ نیز یہ اقدام ان بیانات کے بھی خلاف ہوگا، جو وزیر ہند اور دیگر ذمہ دار برطانوی سیاستدان حکومت برطانیہ کے اعلان کی تصدیق میں وقتاً فوقتاً دیتے رہے ہیں۔

ہم نے بلا کسی تعصب کے خود کو کسی بات کا پابند کیے بغیر وزارتی مشن کے دعوت نامہ کو منظور کر لیا۔ ہم نے وزیر ہند کے خط مورخہ 19 اپریل 1946ء کے حسب ذیل الفاظ کے مطابق مشن کے مندرجہ بالا مختصر فارمولے پر اظہار رضامندی کیے بغیر گفت وشنید میں حصہ لیا وزیر ہند کے اس خط کے الفاظ یہ ہیں:

''ہم نے یہ بات پیش نظر رکھتے ہوئے کانگریس اور مسلم لیگ کو مدعو نہیں کیا کہ کانفرنس میں ان کی شرکت کے لیے خط میں درج کی ہوئی شرائط منظور کرنا لازمی ہے۔ ہم نے ان شرائط کو سمجھوتہ کے لیے بنیادی تجویز کے طور پر رکھا ہے، اور ہم نے کانگریس ورکنگ کمیٹی سے یہی درخواست کی ہے کہ وہ ہمارے اور مسلم لیگ کے نمائندوں کے ساتھ اس پر گفتگو کرنے کے لیے رضامندی کا اظہار کرے۔''

''مشن کے دعوت نامہ کے جواب میں کانگریس نے اپنے 28 اپریل 1946ء کے خط میں اپنی پوزیشن کا اظہار اس طرح کیا تھا کہ مرکز میں ایک مضبوط وفاقی حکومت قائم ہو، جس کے وفاقی یونٹ (واحدہ) موجودہ صوبہ جات ہوں۔ مرکزی وفاقی حکومت امور خارجہ دفاع، سکہ (سکہ جات) محاصل وچنگی کے شعبہ جات بھی اس میں شامل ہوں جن کا بہت قریبی تعلق ہو۔ کانگریس نے صوبوں کی گروپ بندی کے خیال سے انکار کر دیا۔ وزارتی مشن کے فارمولے پر گفت و شنید کرنے کے لیے وہ بھی کانفرنس میں شریک ہونے پر رضامند ہو گئی۔

بحث وتمحیص کے کئی روز بعد بھی گفت وشنید میں کوئی خاص تبدیلی نہ ہوئی تو پھر مجھ سے کہا گیا کہ ہم اپنی کم از کم شرائط تحریری صورت میں پیش کریں۔ نتیجہ کے طور پر ہم نے اپنے خاص مطالبات کی شرائط کو پُر امن اور دوستانہ سمجھوتہ کی خواہش کے پیش نظر ہندوستان کے عوام کی فوری آزادی اور خود مختاری کے حصول کی خاطر ایک پیش کش کے طور پر تحریری صورت دے دی۔ 12 مئی کو اِن تجاویز سے کانگریس کو مطلع کر دیا گیا اور اسی وقت اس کی ایک نقل وزارتی مشن کو بھیج دی گئی۔

① چھ مسلم صوبوں (پنجاب، صوبہ سرحد، بلوچستان، سندھ، بنگال اور آسام) کا ایک گروپ ہونا چاہیے۔ یہ صوبے، امور خارجہ، ڈیفنس اور ذرائع اور رسل و وسائل (جس حد تک ڈیفنس کے لیے ضروری ہوں) اس کے علاوہ تمام معاملات کے خود ذمہ دار ہوں گے امور خارجہ ڈیفنس اور ذرائع رسل و رسائل کا دونوں گروپوں مسلم صوبوں (پاکستان گروپ) اور ہندو صوبوں کے گروپوں کی آئین ساز جماعتیں مل کر انتظام کریں گی۔

② مذکورہ بالا چھ مسلم صوبوں کے لیے علیحدہ ایک آئین ساز اسمبلی ہونی چاہیے، جو گروپ اور گروپ کے صوبوں کے آئین بنائے گی، اور پاکستان وفاق کے تحت صوبہ داری اور مرکزی معاملات کی فہرست مرتب کرے گی۔ اس طرح کہ صوبوں کو باقی ماندہ معاملات میں اختیار کلی حاصل ہوگا۔

③ آئین ساز جماعت کے نمائندوں کے انتخاب کا طریقہ ایسا ہوگا جس سے پاکستان گروپ کے ہر صوبے میں بسنے والے ہر فرقے کی آبادی کے لحاظ سے اُس کی مناسب نمائندگی ہو۔

④ جب پاکستان کی وفاقی حکومت اور صوبوں کے آئین کی ترتیب آئین ساز جماعت مکمل کر دے،

اس کے بعد گروپ کے ہر صوبے کو حق حاصل ہو گا کہ وہ گروپ سے علیٰحدہ ہونے کا فیصلہ کرے بشرطیکہ اس صوبے کے باشندوں کی رائے اس علیحدگی کے متعلق شوریٰ عام کے ذریعے حاصل کر لی جائے۔

⑤ یہ بات مشترکہ آئین ساز جماعت میں بحث سے طے ہو گی، یونین کے لیے مالیات فراہم کرنے کے ذرائع کے متعلق بھی دونوں آئین ساز جماعتیں مشترکہ طور پر طے کریں گی، ٹیکس کے ذریعے کسی صورت میں روپیہ فراہم نہیں کیا جائے گا۔

⑥ اگر یونین میں ایگزیکٹو اور لیجسلیچر ہوئی تو ان صوبوں کے دونوں گروپوں کی نمائندگی برابر کی ہو گی۔

⑦ یونین کے آئین میں کوئی چیز جو فرقہ وارانہ سوال کے متعلق ہو، مشترکہ آئین ساز جماعت میں اس وقت پاس نہیں کی جائے گی جب کہ ہندو صوبوں کی آئین ساز جماعت کے ممبروں کی اکثریت علیٰحدہ علیٰحدہ اس کے حق میں رائے نہ دے۔

⑧ کسی ایسے مسلہ پر جس کے متعلق اختلاف ہو، یونین کوئی قانونی، انتظامی اور عاملانہ فیصلہ اس وقت تک نہیں کرے گی جب تک کہ تین چوتھائی اکثریت اس کے حق میں نہ ہو۔

⑨ گروپوں اور صوبوں کے آئین میں مختلف فرقوں کے مذہب، معاشرت اور دوسرے فرقہ وارانہ معاملات میں ان کے بنیادی اور ان کی حفاظت کا انتظام رکھا جائے۔

⑩ یونین کے آئین میں ایک ایسی مدبھی ہو گی جس کے ذریعہ سے ہر صوبہ اپنی لیجسلیٹو اسمبلی میں ووٹوں کی اکثریت کی بنیاد پر آئین کی شرائط پر نظر ثانی کا مطالبہ کر سکے گا، اور اسے حق حاصل ہو گا کہ ابتدائی دس سال گزرنے کے بعد کسی وقت بھی وہ یونین سے الگ ہو جائے۔

"ہماری پیشکش کا لب لباب، جیسا کہ اس کے متن سے ظاہر ہو گا؛ یہ تھا کہ چھ مسلم صوبوں کا ہندوستان گروپ اور دو وفاقوں کی بنیاد پر ہم یونین یا متحدہ وفاق پر غور کرنے کے لیے تیار تھے کہ اس کے تحت صرف تین چیزیں ہوں، یعنی امور خارجہ، دفاع اور دفاع کے لیے جس حد تک ذرائع رسل و رسائل ضروری ہوں۔ یہ دونوں آزاد وفاق خوشی کے ساتھ یہ چیزیں متحدہ وفاق کے سپرد کر دیتے۔ باقی تمام معاملات اور اختیارات وفاق اور صوبوں کو حاصل رہتے۔ یہ انتظام صرف عبوری دور کے لیے تھا اور ابتدائی دس سال کے زمانے کے بعد ہم یونین سے علیحدگی کے لیے آزاد ہوتے، لیکن سخت افسوس ہے کہ اس مصالحانہ اور معقول پیشکش کا انہوں نے جواب دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے برعکس کہ ان کی بنیادی تجاویز مرکز میں رہنے والے معاملات کے متعلق وہی تھیں، جو کانگریس کی کانفرنس میں شرکت سے قبل تھیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک اور سخت تجویز ہمارے سامنے رکھی، وہ یہ کہ مرکز کو اختیار ہونا چاہیے کہ وہ آئین کی شکست اور نازک موقعوں پر فوری اقدام کر سکے۔ یہ چیز ان کے 12 مئی کے جواب میں تھی، جو ہمیں پہنچایا گیا تھا۔

یہ بیان بے روح ہے اس میں کئی جگہ خلا ہے اس کا عملی حصہ چند مختصر پاروں پر مشتمل ہے جس پر میں آئندہ تبصرہ کروں گا۔

مجھے افسوس ہے کہ مشن نے کیسے مسلمانوں کا یہ مطالبہ

نظر انداز کر دیا کہ پاکستان کی کامل خودمختار حکومت قائم کی جائے جس کے متعلق ہمارا اب بھی یہی نظریہ ہے ہندوستان کی آئینی مشکلات کا وہی واحد حل ہے اور اسی کے ذریعہ پائیدار حکومتیں قائم ہوسکتی ہیں، جو نہ محض دونوں بڑی قوموں کے لیے باعثِ فلاح و خوشحالی ہوگی، بلکہ اس برکوچک کے تمام باشندوں کے لیے بھی۔ اس سے بھی زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ مشن نے پاکستان کے خلاف وہی عامیانہ باتیں پیش کرنی مناسب سمجھیں، جس کی دھجیاں اُڑائی جا چکی ہیں اور ایسی خاص چیزوں کی وکالت کی ہے اور ایسے ناگفتہ بہ انداز میں کہ مسلم ہند کے جذبات کو صدمہ پہنچنا یقینی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مشن نے یہ سب کچھ محض کانگریس کو خوش کرنے کے لیے کیا ہے، کیونکہ جب ان لوگوں کے سامنے اصلی مسئلہ پیش ہوا تھا تو اُنہوں نے حسب ذیل اعلان کیا تھا جو بیان کے پانچویں پیرے میں موجود ہے۔

''یہ خیال بہر حال ہمیں اس سے باز نہیں رکھ سکا کہ ہم اچھی طرح اور غیر جانبدارانہ طریقہ سے ہندوستان کی تقسیم کے امکان پر غور کریں۔ اس لیے کہ ہم پر مسلمانوں کے ان نہایت صحیح جذبات اور فکر کا گہرا اثر پڑا تھا کہ کہیں وہ اپنے آپ کو مستقل طور پر ہندو اکثریت کا محکوم نہ بنالیں۔

یہ جذبات مسلمانوں میں اتنی شدت سے ہیں اور عالمگیر ہیں کہ اُن کی تسکین محض کاغذی تحفظات کے ذریعہ سے نہیں ہوسکتی۔ اگر ہندوستان میں امن قائم کرنا ہے تو اسے ایسے اقدامات کے ذریعہ محفوظ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے تمام امور میں اقتدار کامل حاصل ہو، جن کا تعلق ان کی تہذیب، مذہب اور معاشی اور دوسرے امور سے ہے؟

اور پھر بارھویں پیرے میں ہے:

''اس فیصلے کے معنی یہ نہیں کہ ہم نے مسلمانوں کی اس حقیقی تشویش کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں کہ کہیں ان کی سیاسی اور معاشرتی زندگی خالص واحدانی ہند میں غرق نہ ہو جائے جس میں ہندوؤں کا ان کی بہت بڑی عددی قوت کی بنا پر غالب عنصر ہو گا۔''

اب دیکھنا یہ ہے کہ اپنے بیان کے بارھویں پیرے میں جن نہایت واضح اور زوردار نتائج پر وہ پہنچے ہیں۔ ان کے حصول کے لیے اُنہوں نے کیا طریقہ کار اختیار کیا ہے؟

اب میں اس بیان کے عملی حصہ کے چند اہم نکات پر بحث کروں گا۔

1. اُنہوں نے پاکستان کے دو حصے کر دیے ہیں جن میں شمال مغربی علاقوں کو وہ ''سیکشن بی'' کہتے ہیں اور شمال مشرقی علاقوں کو سیکشن سی۔
2. بجائے دو دستور ساز اسمبلیوں کے اُنہوں نے دستور اساسی بنانے والی ایک ہی جماعت بنائی ہے یعنی سیکشن اے، بی اور سی تینوں کے لیے۔
3. وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کی ایک یونین ہو، جس میں برطانوی ہند اور ریاستیں شامل ہوں، اور جو حسب ذیل امور سے تعلق رکھے گا۔ امور خارجہ، دفاع اور رسل و رسائل۔ نیز اُسے یہ بھی طاقت ہو کہ مذکورہ بالا امور کے لیے ضروری روپیہ بھی فراہم کر سکے۔''

اس کی کوئی توضیح نہیں کہ رسل و رسائل کے تحت صرف

اتنا ہی آئے گا، جس کا تعلق دفاع سے ہے۔ نہ اُس کی تشریح کی گئی ہے کہ جس قسم کی طاقت یونین کو ان تینوں امور کے لیے روپیہ فراہم کرنے کی غرض سے دی جائے گی۔ اس کے برخلاف ہماری رائے یہ تھی کہ مرکزی یونین کے اخراجات دونوں مجموعے اپنے حصے کے طور پر ادا کریں ٹیکس کی صورت میں نہیں۔

❹ یہ تجویز ہے کہ یونین میں ایک مجلس عاملہ اور ایک مجلس واضعان قانون ہو گی جو برطانوی ہند اور ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو گی۔ اگر کوئی فرقہ وارانہ مسئلہ مجلس واضعان میں پیدا ہو تو اس کے فیصلے کے لیے دونوں بڑے فرقوں کے موجود اور رائے دینے والے نمائندوں کی اکثریت ضرور ہو گی۔

❺ ہماری یہ تجویز بھی حذف کر دی کہ پاکستانی مجموعے کو یونین سے ابتدائی دس سال کے بعد الگ ہو جانے کا حق رہے، حالانکہ کانگریس کو اس سے شدید اختلاف نہ تھا اور اب ہم صرف اس روک کے ساتھ محدود کر دیے ہیں کہ یونین کے دستور اساسی میں ہر دس سال کے بعد ترمیم کرا سکیں۔

❻ دستور اساسی بنانے والی جماعت کے متعلق یہ ہے کہ برطانوی بلوچستان کا نمائندہ شعبۂ (ب) میں شامل کر دیا گیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس کا انتخاب کیونکر ہو گا۔

❼ وہی دستور اساسی بنانے والی جماعت جو سامنے بیٹھے گی کہ مجوزہ یونین کا دستور بنائے تو اس میں ہندوؤں کی بہت بڑی اکثریت ہو گی۔ دو سو بانوے کے ایوان میں برطانوی ہند سے مسلمانوں کی تعداد صرف اناسی ہو گی۔ اگر وہ تعداد بھی جو ریاستوں کے لیے متعین کی گئی ہے یعنی ترانوے شامل کر لی جائے تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا تناسب اور بھی گھٹ جائے گا اس لیے ریاستوں کے نمائندوں میں بھی بہت بڑی اکثریت ہندوؤں کی ہو گی۔ اس طرح جو اسمبلی بنے گی وہ اپنی کثرت سے اپنے صدر اور دوسرے افسروں کا انتخاب کرے گی اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشاورتی کمیٹی کے ارکان بھی یہی اسمبلی چنیں گے جیسا کہ بیان کے بیسویں پیرے میں ہے، اور یہی اصول دوسری عمومی کارروائیوں میں مدنظر رہے گا لیکن دیکھتا ہوں کہ تحفظ ایک جملہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"یونین کی کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی کی تجویزوں میں جو مذکورہ الصدر پندرھویں پیرے کے تحفظات کے خلاف ہوں یا کسی بڑے فرقہ وارانہ مسئلہ کے متعلق ہوں تو اس کے منظور ہونے کے لیے موجودہ نمائندوں کی اکثریت بھی ضرور ہو گی اور دونوں فرقوں میں سے ہر ایک کی اکثریت بھی۔ اسمبلی کا صدر فیصلہ کرے گا کہ کون سی تجویز ایسی پیش ہوئی ہے جس سے فرقہ وارانہ سوال اُٹھتا ہے اور اگر نمائندوں کی اکثریت اس سے مطالبہ کرے گی تو اپنا فیصلہ دینے سے پہلے وہ فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے گا۔"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ فیصلہ صدر کرے گا اور وہ فیڈرل کورٹ کی رائے کا پابند نہیں ہو گا اور نہ کوئی شخص یہ جان سکے گا کہ وہ رائے کیا ہے۔ اس لیے کہ چیئرمین کو صرف یہ ہدایت ہے کہ وہ فیڈرل کورٹ سے مشورہ کرے۔

❽ رہا صوبوں کا اپنے مجموعے سے نکل جانے کا مسئلہ تو اس کا فیصلہ صوبے کی مجلس واضعان قانون پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو نئے آئین کے تحت عام

انتخابات سے بنے گی کہ وہ اس کا فیصلہ کرے۔ حالانکہ ہماری تجویز تھی کہ تمام باشندوں سے عام استصواب رائے کیا جائے۔

◆ رہا بیسواں پیرا جس کے الفاظ یہ ہیں:

''ایڈوائزری کمیٹی جس کے متعلق شہریوں، اقلیتوں قبیلوں اور خارجی علاقوں کے حقوق کا تحفظ ہوگا۔ اس میں متعلقہ لوگوں کی پوری نمائندگی ہوگی اور اس کا کام یہ ہوگا کہ یونین کی کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں ان کے بنیادی حقوق اقلیتوں کے تحفظ کے لیے دفعات اور قبائلی نیز خارجی علاقوں کے انتظام کی اسکیم پیش کرے اور یہ مشورہ دے کہ آیا یہ حقوق صوبوں، مجموعوں اور یونین کے دستور اساسی میں شامل کر دیے جائیں یا نہیں؟''

اس سے ایک نہایت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کیونکہ اگر یونین کی کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی ہی پر یہ فیصلہ چھوڑ دیا جائے کہ وہ اپنی اکثریت سے رائے دے کہ ایڈوائزری کمیٹی کی سفارشات یونین کے دستور اساسی میں شامل ہوں یا نہیں، تو اس سے راستہ کھل جاتا ہے کہ مزید شعبے یونین گورنمنٹ کے حوالے ہو جائیں۔ اس سے یہ بنیادی اصول تباہ ہو جائے گا کہ یونین سختی کے ساتھ تین شعبوں تک محدود رہے۔

یہ ہیں چند بڑے نکات جو میں نے یہ اہم دستاویز پڑھنے کے بعد پبلک کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی اور کونسل کے فیصلے کے متعلق جس کا اجلاس عنقریب دہلی میں ہونے والا ہے۔ قبل از وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ برطانوی وزارتی وفد اور ہزایکسی لینسی وائسرائے کے بیان کا گہرا اور غیر جانب دارانہ مطالبہ کرنے اور پورے غور سے اس کے مالہ وما علیہ کا تجزیہ کرنے کے بعد ہم جو کچھ بھی مناسب سمجھیں گے وہی آخری فیصلہ کریں گے۔''

کاپر، ڈی جی سی

یو پی کی انڈین سول سروس کے سر ولیم مورس کی مرتب کردہ مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ 8 جولائی 1918ء کو شائع ہوئی۔ یہ اس قدر جامع رپورٹ تھی کہ سر ولیم مورس کو صوبہ متحدہ کا لیفٹیننٹ گورنر بنا دیا گیا۔

اس رپورٹ میں انتظامیہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس میں کہا گیا تھا:

''مالیہ کے لیے ایک رکن اور پولیس کا ایک رکن بھی گورنر نامزد کرے گا۔ دیگر امور میں بھی گورنر وزراء مقرر کرے گا۔''

حکومت نے اس تجویز کو تسلیم نہ کیا۔ کونسل کو اختیار دیا گیا:

''وہ وزراء کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ منظور کر سکتی تھی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس رپورٹ پر کھل کر اظہار خیال کیا کہ انہوں نے اس ضمن میں کہا:

''اس رپورٹ میں میثاق لکھنؤ کی متعدد تجاویز کو شامل نہیں کیا گیا، لہٰذا یہ عوام کی امنگوں کی آئینہ دار نہیں، اور اسی وجہ سے یہ رپورٹ اطمینان بخش قرار نہیں دی جا سکتی۔''

تاہم قائداعظم محمد علی جناح نے اسے مکمل طور پر مسترد نہ کیا اور اس میں مزید ردوبدل کرنے کے لیے کہا۔

جب اس رپورٹ پر امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں ستمبر 1918ء میں بحث ہوئی تو دو کمیٹیاں مقرر کی گئیں تا کہ وہ اس رپورٹ میں نظر انداز کردہ تجاویز کے معاملے میں مناسب



پاکستان کی پہلی کابینہ، بائیں سے دائیں: جناب فضل الرحمٰن، جناب غلام محمد، جناب لیاقت علی خان، قائداعظم، جناب آئی آئی چندریگر، جناب عبدالرب نشتر اور جناب پیرزادہ عبدالستار



مارچ 1940ء میں، میاں بشیر احمد کی رہائش گاہ پر مسلم لیگی رہنماؤں کے ساتھ

سفارشات پیش کر سکیں۔ کونسل میں سریندر ناتھ بینرجی نے ایک قرارداد پیش کی جس پر قائداعظم محمد علی جناح نے ان اصلاحات کو غیر تسلی بخش قرار دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے 9 اور 23 ستمبر کو مسٹر جی ایس کاپرڈی کی قراردادوں پر تقریر کی۔

23 ستمبر 1918ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسٹر جی ایس کاپرڈی کی ایک قرارداد کے جواب میں جس میں انہوں نے رولٹ ایکٹ کی رپورٹ ملتوی کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ تقریر کر چکے تھے اور انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں یہ بات امپیریل لیجسلیٹو کونسل کو بتا دی تھی کہ کمیشن کی سفارشات سے جرائم اور سرکشی کا خاتمہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس سے جرائم مزید بڑھیں گے۔

کاٹھیاواڑ اور قائداعظم

22 جنوری 1940ء کو قائداعظم محمد علی جناح مسلم لیگ پریس فنڈ کے سلسلے میں کاٹھیاواڑ کے شہر راج کوٹ تشریف لے گئے۔ اس ضمن میں پورے شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا اور محرابیں اور دروازے بنائے گئے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب گاڑی سے اترے تو کاٹھیاواڑ مسلم لیگ اور راج کوٹ اسٹیٹ کونسل نے ان پر پھول برسائے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو چار گھوڑوں کی بگھی پر بٹھا کر آئی آئی چندریگر، عثمان عیسیٰ بھائی میمن اور راج کوٹ مسلم کونسل کے صدر حاجی دادا ولی محمد میمن کے ساتھ ان کی قیام گاہ پر لایا گیا۔

پارسی بیرسٹر انہلیزیا نے شام چھ بجے قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں پارٹی دی اور کہا:

"جناح صاحب اب صرف نہ ایک قوم کے رہبر ہیں بلکہ ملک کے اقلیتی فرقوں کے بھی رہنما بن گئے ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی جوابی تقریر میں کہا:

"اب تک ہم سیاسی میدان میں بغیر ہتھیار کے لڑتے تھے مگر اب ہمیں ہتھیار جمع کرنے کے لیے رقم کی ضرورت پڑی ہے، اس غرض سے ہم دورے پر نکلے ہیں۔

جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے مسلم لیگ تو یہ چاہتی ہے کہ انصاف کسی ایک قوم کو نہیں سب کو ملنا چاہئے۔ خواہ وہ کسی بھی مذہب یا ذات پات سے تعلق رکھتی ہو، اقلیتوں کے حقوق جب تک نہیں دیے جاتے اس وقت تک اکثریت آرام کی نیند نہیں سوسکتی۔ ہند اب جاگ اٹھا ہے اور اب ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم متحد ہوجائیں۔ اگر ہم متحد ہو گئے تو انگریز سرکار اور کانگریس کو ہماری آواز سننی پڑے گی۔"

قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں الفرٹ ہائی سکول کے میدان میں ایک تقریب منعقد کی گئی۔ آئی آئی چندریگر نے اپنی تقریر سے جلسے کا آغاز کیا اور کہا:

"قائداعظم نے کبھی کسی سے چندہ نہیں مانگا بلکہ وہ تو چندہ دینے والوں میں سے ہیں۔ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ ان کے قائد کا ہاتھ سب سے پہلے انہی کی طرف پھیلا ہے۔

مسلمان خواہ کہیں بھی ہوں، چاہے راج کوٹ میں بستے ہوں یا فلسطین میں۔ جب ان پر ظلم و ناانصافی ہو گی تو دوسرے مسلمان اور مسلم لیگ خاموش نہیں بیٹھے گی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ آپ حضرات سب ایک نہ ہوئے تو سیاسی معاملات میں بے انتہا نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے راج کوٹ کے مسلمانوں کی مسلم لیگ کے لیے خدمات کو سراہا۔ بہاولنگر کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''ان پر بے انتہا ظلم ہو رہا ہے اسے ختم کیا جائے۔ مسلمان کہیں بھی بستے ہوں وہ ایک ہیں۔ سرحد اور فاصلے انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ مخالفین اگر اس گمان میں ہیں کہ وہ اس ملک میں ہندو حکومت قائم کریں گے اور مسلمانوں کو غلام بنائیں گے تو مسلمان کسی بھی حالت میں اس بات کو کبھی منظور نہیں کریں گے۔ اس کے خلاف ایک عظیم تحریک چلائیں گے ہم اپنے ملک کی آزادی کے ساتھ ساتھ اسلام کی سربلندی بھی چاہتے ہیں۔ آزاد ہند میں آزاد اسلام یہی ہماری تحریک کا مقصد اور نصب العین ہے۔

کانگریس آج نشے میں ہے۔ انہیں اکثریت اور اقتدار کا نشہ چڑھ گیا ہے، جب تک وہ ہوش میں نہ آئے گی اس وقت تک ہمیں جدوجہد کرنی ہے۔ ان لوگوں کے پاس دھن دولت ہے۔ علم ہے سب کچھ ہے لیکن ایک شے نہیں ہے جو ہمارے ہاں ہے۔ ہمارے پاس جگر و جگر ہے، ہمت ہے ہم ایک ہیں' ہمارا خدا ایک ہے، ہمارا پیغمبر (ﷺ) ایک ہے۔ ہماری کتاب ایک ہے۔ ہم ہند کے نو کروڑ مسلمان ایک ہیں۔ اتحاد کو کیسے توڑا جا سکے گا۔ اس وقت ماحول بلٹ دیا ہے ہند کے سیاسی اسٹیٹ کے پس پردہ بڑی بڑی چالیں کھیلی جا رہی ہیں لیکن مسلمان متحد رہیں اور بیدار رہیں تو کوئی قوت ایسی نہیں جو ضرر پہنچا سکے۔

آج لیگ کے سب کارکنان اپنے اپنے کام کاج چھوڑ کر اپنے وقت کی قربانی دے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔ آپ حضرات لیگ کے اس دورے کو کامیاب بنائیں۔ اس سلسلے میں مجھے آپ سے قوی امید ہے۔ آخر میں آپ لوگوں نے جو میرا استقبال کیا ہے، میں اس کا احسان مند ہوں گا۔ آپ سب بھائیوں کا جوش اور حوصلہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب مسلمانوں میں ایک جان پیدا ہو گئی ہے۔ ہمیں کسی قسم کا خوف نہیں ہونا چاہئے۔ ہم ایمانداری سے کام سرانجام دے رہے ہیں، کسی کا نقصان نہیں چاہتے لیکن کوئی ہمارا نقصان کرے تو ہم اسے برداشت نہیں کریں گے۔''

اس کے بعد لیگ پریس فنڈ وفد کے رکن فتح محمد کھنڈوانی نے لوگوں سے اپیل کی:

''آپ اخبار نکالنے کے لیے دل کھول کر چندہ دیں۔''

ایک مسلمان نے سوا روپیہ چندہ دیا۔ جام نگر کے رئیس علی محمد جوہری نے ایک سو پانچ روپے کی بولی لگائی۔ کاٹھیاواڑ مسلم لیگ کے صدر جناب عثمان عیسیٰ بھائی میمن اس سوا روپے کو دو سو روپے میں خریدنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس موقع پر ہندو رہنما لگن لال قنا نے بھی اپنی تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح کی تعریف کی۔ قائداعظم محمد علی جناح راج کوٹ سے گونڈل تشریف لے گئے جہاں ان کے اعزاز میں میمن برادری کے جناب سیٹھ نور محمد احمد میمن کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کو سپاسنامہ بھی پیش کیا گیا۔ ازاں بعد لیگ پریس فنڈ میں عطیات کی تھیلی پیش کی گئی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر فرمایا:

''میرے آباؤ اجداد کی پیدائش کا گاؤں پانیلی (گونڈل) اسی ریاست میں ہے۔ میں نے سنا ہے کہ یہاں کے حکمران منصف ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کو میں مبارک باد دیتا ہوں کہ ان کے پاس سیٹھ نور محمد میمن جیسا سراپا خلوص، نیک اور فراخ دل رہنما موجود ہے۔''

جلسہ کے خاتمے پر مہاراجا نے قائداعظم محمد علی جناح

چائے کی دعوت دی۔

پھر قائداعظم محمد علی جناح دھوراجی گئے جہاں قائداعظم محمد علی جناح نے میمن برادری کا ہائی سکول اور فاروقی مسجد بھی دیکھی۔

قائداعظم محمد علی جناح جب دھوراجی سے جونا گڑھ گئے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ نامور محقق قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی نے استقبالیہ کی تقریر اردو میں پڑھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر کہا:

''پچھلے اڑھائی سال سے مسلم لیگ نے مسلمانوں کو کافی حد تک جگایا ہے۔ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کو متحد ہو جانا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے چند پرانی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہا:

''میں جب دس سال کا تھا اس وقت جونا گڑھ آیا تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح 24 جنوری 1940ء کو نواب مانگرول کی دعوت پر جب مانگرول پہنچے تو ان کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کا چاندی کی بگھی میں ریاست کی ملٹری کی حفاظت میں جلوس نکالا گیا، بعد میں بگھی میں مانگرول کے عوام نے پریس فنڈ میں عطیات دیے۔

مانگرول سے قائداعظم محمد علی جناح بانٹوا جاتے ہوئے ماناودر میں ''امیر منزل'' میں ٹھہرے یہاں بھی لوگوں نے مسلم لیگ پریس فنڈ میں چندہ دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح 24 جنوری کو بانٹوا پہنچے تو انہیں کیس توپوں کی سلامی دی گئی اور ماناودر سٹیٹ کی چار گھوڑوں والی گاڑی میں قائداعظم محمد علی جناح کو بٹھایا گیا۔ ان کے ہمراہ میمن قوم کے رہنما علی بھائی جوہری، حسین قاسم دادا، حاجی پیر محمد بیٹھے تھے۔ رات کو مدرسہ اسلامیہ کے میدان میں قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں حسین قاسم دادا کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ سپاسنامہ میں قائداعظم محمد علی جناح کی رہنمائی پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا گیا اور قائداعظم محمد علی جناح کے اشارے پر جان و مال کی قربانی دینے کا عہد کیا گیا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے سپاسنامے کے جواب میں فرمایا:

''آپ لوگوں نے جس جوش اور امنگ سے خلوص اور محبت کا اظہا کیا ہے اس کے لیے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرے اشارے پر آپ جان و مال قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یہ جان کر مجھے دلی خوشی ہوئی ہے، مگر ایسا موقع آئے گا تو میں یہ بھی مانگوں گا مگر فی الحال جو سیاسی جنگ جاری ہے۔ آج ان ہتھیاروں کے لیے میں آپ کے پاس مالی مدد لینے کے لیے آیا ہوں۔ کانگریس کی ہائی کمان کے ساتھ آج ہم جو جنگ لڑ رہے ہیں کیا اس کا آپ کو اندازہ ہے۔

کانگریس کے پاس پلیٹ فارم اور اخبارات دونوں ہیں۔ یہ ایک بڑی طاقت ہیں۔ ہرصوبے میں کانگریس کے اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ مسلم لیگ کے پاس ہند بھر میں ایک بھی اخبار نہیں۔ کانگریس کے خلاف سیاسی جنگ لڑنے کے لیے آپ نے مجھے آگے بڑھایا ہے۔ میں یونیفارم پہن کر سپاہی بنا ہوں لیکن میرے پاس بندوق نہیں اور یہ بندوق حاصل کرنے کے لیے میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ کے پاس پریس فنڈ کے لیے آیا ہوں۔ وہ میں غریبوں سے نہیں لینا چاہتا کیونکہ غریبوں کی مدد کرنا لیگ کا نصب العین ہے۔

شہر بانٹوا میں بہت سے کروڑ پتی افراد ہیں۔ مجھے امید

ہے کہ وہ اس کام میں دل کھول کر مالی تعاون کریں گے۔
نیشنلزم ایک ڈھونگ ہے۔ ایک فریب ہے ہندوستان میں نیشنلزم جیسی کوئی شے نہیں۔ ہند میں صرف دو ازم ہیں۔ ہندو ازم اور مسلم ازم۔ اقتدار اور اکثریت کے نشے میں کانگریس کو ہوش نہیں۔ ہندوستان کے 9 کروڑ مسلمانوں کو کچل کر برٹش سنگینوں کے سائے میں وہ ہندو راج قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ہندوستان میں عزت سے رہنا چاہتے ہیں۔ آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ اکثریت والی قوم کا غلام بن کر رہنا ہمیں منظور نہیں۔

اے تمام ہندوستان کے مسلمانو! تم ایک ہی پرچم تلے متحد ہو جاؤ۔ مسلمانوں کا خدا ایک ہے نبی (ﷺ) ایک ہے، کتاب ایک ہے تو ان کا پلیٹ فارم بھی ایک ہی ہونا چاہیے، اور ان کی آواز بھی ایک ہی ہونی چاہیے۔ اس وقت مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والی صرف واحد جماعت مسلم لیگ ہے۔ اس کی طاقت دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے۔ کانگریس نے رابطہ مہم کے ذریعہ سے مسلمانوں میں پھوٹ اور انتشار پھیلانے کا جال بچھایا ہے لیکن یہ جال کامیاب نہیں ہوسکتا۔ نئے آئین کے بعد جتنے ذیلی الیکشن ہوئے ہیں ان تمام میں سوائے ایک کے تمام جگہ مسلم لیگ کو فتح حاصل ہوئی ہے۔

کانگریس نے شکست کھائی ہے۔ اس سے لیگ کی عوام میں مقبولیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ کانگریس کے پاس بے شمار اخبارات اور بہت سے لیڈر ہیں۔ لیگ کے پاس اخبارات نہیں لیکن پھر بھی کامیاب ہو رہی ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کے بعد آئی آئی چندریگر اور جناب کھنڈوانی نے بھی تقاریر کی تھیں۔ اس کے بعد بانٹوا کے رئیسوں نے لیگ فنڈ میں عطیات پیش کیے تھے۔

25 جنوری کو قائداعظم محمد علی جناح کتیانہ پہنچے۔ وہاں بھی جناب عبدالکریم منیا کی صدارت میں جلسہ منعقد ہوا، اور عبدالکریم کی رہائش گاہ پر پارٹی دی گئی پھر اہالیان کتیانہ نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں لیگ پریس فنڈ میں عطیات جمع کرائے۔

قائداعظم محمد علی جناح کتیانہ سے راناواؤ گئے اور میمن جماعت ہال میں ان کے اعزاز میں شاندار جلسہ منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پر اثر انداز میں مسلمانوں کو متحد ہونے کی تلقین کی۔

راناواؤ سے قائداعظم محمد علی جناح پور بند پہنچے تو 20 ہزار مسلمانوں کے ایک شاندار جلوس نے ان کا استقبال کیا۔ رات کو میمن ابوبکر حاجی اسماعیل جوہری کی صدارت میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں قائداعظم، چندریگر، کھنڈوانی اور مسلم لیگ کے حامی مکھن لال قنا نے تقاریر کیں اور لیگ پریس فنڈ کی اہمیت اور افادیت پر روشنی ڈال کر حاضرین کو متوجہ کیا تھا۔ بعد میں پور بند، راناواؤ ترسائی محال کی جانب سے پریس فنڈ میں عطیات پیش کیے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 26 جنوری کو اوپلٹیا جا کر وہاں نماز جمعہ ادا کی، پھر ایک استقبالیہ میں تشریف لے گئے۔ یہاں میمن جماعت کی جانب سے ایک سپاسنامہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا اور لیگ فنڈ میں لوگوں نے عطیات دیے۔

قائداعظم محمد علی جناح اوپلٹیا کے بعد اپنے آبائی گاؤں پانیلی گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پانیلی میں محمد بھائی مون ویل والا کی صدارت میں ہونے والے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے اپنے دل کی گہرائیوں سے عوام کا شکریہ ادا کیا۔

اسی شام کو قائداعظم محمد علی جناح جیت پور گئے۔ وہاں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھوں نے بھی قائداعظم محمد علی

جناح پر پھولوں کی بارش کی اور میمن یوتھ لیگ اور میمن برادری کی انجمن اسلام نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ جلسے کی صدارت ایوب عبدالکریم منیا نے کی تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''حقیقی جنگ بام عروج پر پہنچے گی۔ اس وقت ہم میں بہت سے لوگ شاید موجود نہ ہوں گے۔ اس وقت آپ نوجوانوں کو یہ جنگ لڑنی پڑے گی اور اس جنگ کو جاری رکھنا ہوگا۔''

اہالیان جیت پور نے بھی قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں 53 ہزار روپے پیش کیے۔

قائداعظم محمد علی جناح 27 جنوری کو حاجی داؤد ہسپتال اور ایوب محل دیکھ کر راج کوٹ چلے گئے۔

قائداعظم محمد علی جناح رات کو احمد آباد پہنچے تو ان کا شاندار استقبال ہوا۔ صفدر حسین کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''کاٹھیاواڑ نے لیگ وفد کا پرخلوص اور گرم جوشی سے استقبال کیا تھا کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کی بیداری نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔''

جلسے میں مرحبا مرحبا اور مسلم کاٹھیاواڑ زندہ باد کے نعرے لگے۔ لوگوں نے کہا:

''عمر ماچس والا اور جوہری سیٹھ کون ہیں؟''

قائداعظم محمد علی جناح کے کہنے پر انہیں سٹیج پر بلایا گیا۔

(تحریک آزادی اور میمن برادری یحیٰ ہاشم باداني، مترجم کھتری عصمت علی پٹیل)

کار پر مسلم لیگی پرچم

جب تک پاکستان وجود میں نہ آیا قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی کار پر پرچم نہ لگایا۔ اس بات کا انکشاف دسمبر 1986ء میں ان کے ڈرائیور عبدالحئی نے کیا۔ وہ 1936ء تا 1940ء تک قائداعظم محمد علی جناح کے ڈرائیور رہے۔ اس ضمن میں انہوں نے بتایا:

''جب قائداعظم بمبئی میں اپنی قیام گاہ سے باہر آئے تو میں نے اپنی موٹر کار پر مسلم لیگ کا پرچم لگا دیا۔ قائداعظم نے اپنی موٹر کار پر مسلم لیگ کا پرچم دیکھا تو وہ کچھ کہے بغیر واپس چلے گئے اور انہوں نے مجھے اندر آنے کو کہا میں ڈرتے ڈرتے اندر گیا تو فرمایا:

''یہ پرچم کس نے لگایا ہے؟''

اس پر میں نے جواب دیا:

''جب مسلم لیگی وزراء اپنی موٹر کاروں پر پرچم لگاتے ہیں تو آپ تو مسلم لیگ کے صدر ہیں اس لیے میں نے یہ جسارت کی۔''

انہوں نے میز پر مکہ مار کر فرمایا:

''جب تک پاکستان نہیں بنے گا میں موٹر کار پر پرچم نہیں لہراؤں گا۔''

چنانچہ میں نے باہر آ کر پرچم اتار دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس دن موٹر پر نہ بیٹھے۔ انہوں نے مڈگارڈ اتارنے کا حکم دیا۔

کاش! قائداعظم زندہ ہوتے!

ایم اے شیدا اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں:

''اسے قوم کی بدنصیبی کہنا چاہیے کہ بابائے قوم کی وفات نے ایک ایسا خلا پیدا کر دیا جو آج تک پر نہ ہو سکا ہے۔ قومی سطح پر لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہوا۔ خود غرضی اور رمفاد پرستی مصلحت کوشی کے تاریک سائے گہرے ہوتے چلے گئے۔ سیاسی سطح پر انتشار اور

افراتفری کی مکدر فضا میں سول اور خاکی بیوروکریسی کو فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، اور اس نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح ہماری تاریخ کا نصف حصہ فوجی اور سیاسی آمریت کی نذر ہو گیا۔ آج 66 سال کے بعد ہم وہیں کھڑے ہیں جہاں 1947ء میں تھے۔ ہمارے وابستگان سیاست کو شاید جمہوری نظام راس نہیں۔ اقتصادی اور معاشی طور پر دوسروں کے دست نگر ہیں۔ وہ خطہ جو پورے برصغیر کا اناج گھر تھا، اب ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی کفالت سے معذور ہے۔

ستم ظریفی تو یہ ہے کہ وہ سیاسی جماعتیں جو سیاسی، جمہوری اقدار کی علمبردار بنتی ہیں وہ بھی جمہوریت و سیاست کے بخیے ادھیڑنے میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ آزادی کا سورج طلوع ہونے سے قبل ایک برطانوی مصنف مسٹر ہرلیونیلسن نے قائداعظم سے پوچھا:

''آپ کے مخالف کہتے ہیں کہ پاکستان اقتصادی لحاظ سے اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے گا پھر آپ کی قوم پاکستان کیوں چاہتی ہے؟''

قائداعظم نے جواب دیا:

''محترم بھائی تم میرے ایک سوال کا جواب پہلے دو ''کیا تم ایسا انگلستان پسند کرو گے جو آزاد نہ ہو لیکن معاشی طور پر نہایت دولت مند ہو؟''

ہرلیونیلسن نے جواب دیا:

''قائداعظم! اس سوال کا جواب بالکل واضح ہے کہ کوئی قوم غلام بننا پسند نہیں کرتی۔''

تاریخ اسے اس کی مسیحائی کا اعجاز کہے گی جس کی بصیرت نے 200 سال کی طویل جدوجہد کو سات سال میں ایک آزاد منزل سے آشنا کیا۔ تحریک پاکستان ابھی ختم نہیں ہوئی یہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک آزادی کے متوالے پاکستان کے مقاصد اور اس کے قیام کی اصل روح کو حاصل نہیں کر لیتے۔ تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ پاکستان کسی فرد واحد کا ملک نہیں بلکہ اٹھارہ کروڑ بہادر اور غیور قوم کے پاس قائداعظم کی امانت ہے۔ میرے نزدیک تحریک پاکستان کی کامیابی کا بڑا راز یہ تھا کہ ہمارے لیڈر بکے نہیں تھے۔

حضرت قائداعظم کی سوچ اگر ہمارے سیاستدانوں کی طرح ہوتی تو پاکستان کبھی نہ بنتا۔ کاش قائداعظم آج زندہ ہوتے دراصل آج پاکستان میں سیاست ''ون مین شو'' بن کر رہ گئی ہے۔ جو پارٹیوں کی بجائے چند شخصیتوں کے گرد گھومتی نظر آتی ہے۔ تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں (سوائے چند ایک کے) قیادت کے لیے ایک ہی معیار کو اپنایا جاتا ہے اور وہ صرف جانشینی کا ہے۔ تقسیم ملک کے وقت ولبھ بھائی پٹیل جو گاندھی جی کے بعد سب سے بڑے لیڈر تھے۔

سبھاش چندر بوس، ڈاکٹر راجندر پرشاد، ڈاکٹر راج گوپال اچاریہ اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ کانگریس کے چوٹی کے رہنما شمار ہوتے تھے، لیکن ان تمام کے ہاں سیاست وراثت میں نہیں گئی اور نہ ہی ان کی سیاست وراثتی صورت میں عوام پر مسلط ہوئی۔ ہمسایہ ملک چین ہی کو لے لیجئے ماؤزے تنگ اور چو این لائی اس صدی کے عظیم رہنما تھے مگر ان کے بعد وہاں ان کی وراثتی سیاست نہ قائم ہوئی۔ ماؤ کی وفات کے بعد اس کی بیوہ کو صرف اس لیے گرفتار کر لیا گیا کہ وہ چار کے اس ٹولہ میں شامل تھی جو پوری قوم

کی نگاہوں میں سخت ناپسندیدہ گروہ تھا۔
عین اسی طرح روس میں لینن یا سٹالن کی اولادیں بھی سیاسی وراثت کو وراثتی عمل کے طور پر قبول کرنے سے گریزاں رہی۔ جمال عبدالناصر کی بیٹی کو تو میڈیکل کالج میں داخلہ نہ مل سکا کیونکہ نمبر مطلوبہ حد سے کم تھے کیا ہماری تاریخ ہم سے روٹھ گئی ہے؟ پھر بھی ہم عظیم ہیں۔ ہر دلعزیز ہیں۔ قوم کے رہنما ہیں۔ قائد اعظم کی قوم کے جو مینار پاکستان کی بلندیوں پر کھڑا ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ان سوالات کا جواب میں اپنے قارئین کرام پر چھوڑتا ہوں۔ یہ ایسے تلخ حقائق ہیں جو ہر مورخ کو معلوم ہیں! اگر ہم نے عہد کے تقاضوں کے پیش نظر اپنے کردار کو قومی سانچے میں نہ ڈھالا تو بے شک ہم اپنی درخشندہ روایات سے منہ موڑنے کے مجرم ہوں گے۔"

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت 25 دسمبر 2013ء)

کاشمیری، ظہیر

وہ ممتاز شاعر تھے۔ 1945ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح بذریعہ ریل نئی دہلی جا رہے تھے تو انہوں نے امرتسر ریلوے اسٹیشن پر قائداعظم محمد علی جناح سے ان کے کمپارٹمنٹ میں ملاقات کی، اور ان سے عرض کی:

"میں یہاں کی ٹریڈ یونین کا نمائندہ ہوں اور مزدور تنظیموں کے بارے میں کچھ پوچھنے آیا ہوں۔"

"میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کے آئین میں مزدوروں کی تحریک اور تنظیمی سرگرمیوں کو کس نظر سے دیکھا جائے گا کیا انہیں یونین بنانے اور اجتماعی طور پر اپنے حقوق کی حفاظت کرنے کی اجازت ہو گی۔ کیا انہیں اچھے معیار زندگی کے ساتھ ساتھ قانونی اور سیاسی آزادی کی ضمانت دی جائے گی۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"پاکستان ایک جمہوری ملک ہوگا، اور اس کا آئین اس کے عوام مرتب کریں گے۔ پاکستان میں ہر گروہ اور طبقے کو بلا لحاظ جماعت و مذہب مساوی شہری اور سیاسی حقوق حاصل ہوں گے اور جس طبقے کا آپ ذکر کر رہے ہیں، وہ تو سوسائٹی کا سب سے بڑا اور اہم حصہ ہے۔"

ظہیر کاشمیری 21 اگست 1919ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ایم اے او کالج سے بی اے اور ایم اے انگلش کے امتحانات پاس کیے اور صحافت کو بطور پیشہ اپنایا، مگر ایک شاعر کی حیثیت سے نام پیدا کیا۔ ظہیر کاشمیری کمیونسٹ نظریات کے حامل تھے اور عمر بھر اسی پر کاربند رہے۔ یہ لوگ قیام پاکستان کے خلاف تھے اور یہی پرچار کرتے رہے کہ پاکستان اقتصادی بنیادوں پر قائم ہوا۔ مذہب بیزار لوگ تھے۔

کاکس مقدمہ (Caucus Case)

قائداعظم محمد علی جناح کو 1907ء میں اس مقدمے کی پیروی کرنے کے لیے کہا گیا۔ اس مقدمے میں قائداعظم محمد علی جناح کو اپنی پوری صلاحیتیں دکھانے کا موقع ملا۔ بمبئی کے چند شہریوں نے ایک درخواست گزاری جس میں یہ الزام لگایا گیا:

"میونسپل روڈ کے انتخابات میں شہر کے یورپین باشندوں کے ایک گروہ نے سر فیروز شاہ مہتہ کو شکست دینے کے لیے ناجائز ذرائع استعمال کیے تھے۔"

سر فیروز شاہ مہتہ جو مذہباً پارسی تھے۔ کانگریس کے بزرگ لیڈروں میں سے تھے لوگ ان کا بہت احترام کرتے تھے اور شہر کے مقامی معاملات میں ان کا بڑا اثر تھا۔ قائداعظم محمد علی

جناح سرفیروز شاہ مہتہ کے دفتر میں کام کرتے تھے۔ انتخابات کی تنسیخ کے لیے جن شہریوں نے درخواست دی تھی انہوں نے اپنی وکالت کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کا انتخاب کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح اگرچہ مقدمہ ہار گئے تاہم انہیں اپنی صلاحیتوں کو دکھانے کا بھرپور موقع ملا۔ مقدمہ کی بحث سے ان کا وقار بلند ہوا، اور پہلی دفعہ ان کا نام اخباروں کی سرخیوں میں آیا۔

(پاکستان کا بانی محمد علی جناح، از: ہیکٹر بولائتھو مطبوعہ اردو سائنس بورڈ)

کالا باغ (جناح بیراج)

قائداعظم محمد علی جناح سے عقیدت کی وجہ سے کالا باغ کے نزدیک بیراج کا نام جناح بیراج رکھا گیا ہے۔ یہ بیراج 1939ء اور 1946ء کے دوران مکمل ہوا۔ یہ بیراج 3781 فٹ لمبا ہے اور اس پر 19400000 روپے لاگت آئی تھی۔ اس بیراج پر جو جھیل تھل بنائی گئی ہے وہ 46-1945ء میں مکمل ہوئی اور 7 جنوری 1946ء کو اس کا افتتاح ہوا۔ اس کا کل رقبہ 22 لاکھ ایکڑ ہے، اس وقت یہ جھیل ضلع میانوالی خوشاب، بھکر، لیہ اور تحصیل کوٹ ادو کو سیراب کر رہی ہے۔

کالا قانون

(دیکھیے: انقلابی جرائم)

کام، کام اور کام

قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کانفرنس جالندھر میں 15 نومبر 1942ء کو اپنے خطاب میں کہا:

"میں آپ کو مصروف عمل ہونے کی تاکید کرتا ہوں۔ کام، کام اور بس کام۔ سکون خاطر، صبر و برداشت اور انکساری کے ساتھ اپنی قوم کی سچی خدمت کرتے جایئے۔"

کامدار مرار جی

بمبئی میں گاندھی جی کی صدارت میں 3 کتوبر 1920ء کو ہوم رول لیگ کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں لیگ کے دستور میں ترامیم کی قرارداد پیش کی گئی۔ ترامیم کا مقصد یہ تھا:

"ہوم رول لیگ کو سوراج سبھا کا نام دے کر برطانوی حکومت سے ہند کی مکمل آزادی حاصل کی جائے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے قانونی نقطہ نظر سے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:

"اس اجلاس کو آئین میں ترمیم کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔"

گاندھی نے جب یہ غیر متوقع جواب سنا تو کہا:

"جس رکن کو نیا آئین منظور نہ ہو وہ بخوشی ہوم رول لیگ سے علیحدگی اختیار کر لے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے 25 اکتوبر کو اپنے جن 19 ساتھیوں کے ہمراہ اس جماعت سے استعفیٰ دیا ان میں کامدار مرار جی بھی شامل تھے۔

کامرار جی گوکل داس ہال

یہ بمبئی کا مشہور ہال ہے، 20 جولائی 1917ء کو جہاں قائداعظم محمد علی جناح نے ہوم رول لیگ کے جلسے کی صدارت کی۔ انہوں نے اپنے صدارتی خطبے میں حکومت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا:

"میری آواز فضاؤں کو چیر کر شملہ کی بلندی تک پہنچ جائے گی۔ جہاں وائسرائے ہند ملکی مسائل سے بے خبر ہو کر چپ بیٹھے ہیں، حالانکہ ہندوستان کے عوام سیاسی طور پر بیدار ہو چکے ہیں اور وہ اپنے دلوں کی گہرائیوں میں

بھی اس کا اثر قبول کر چکے ہیں۔"

کامرس کالج (پشاور)

1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح پہلی بار پشاور تشریف لے گئے تو ان کا نہایت شاندار استقبال کیا گیا۔ انہوں نے صوبہ سرحد میں یہ بات شدت سے محسوس کی کہ صوبے میں مسلمان کامرس کی تعلیم میں بہت پیچھے ہیں، چنانچہ انہوں نے (ہندوؤں کے اس تصور کو غلط ثابت کرنے کے لیے کہ مسلمان کامرس کے میدان میں قدم رکھنے کی صلاحیتوں سے عاری ہیں) صوبے میں کامرس کالج کے قیام کے لیے رقم فراہم کی۔

کامل، مظہر علی

9 جولائی 1946ء کو حیدرآباد دکن میں قائداعظم محمد علی جناح اور نظام دکن میر عثمان علی خان کے مابین ملاقات ہوئی۔ مظہر علی کامل نے اس ملاقات کا ذکر اپنے ایک مضمون میں کیا ہے۔ وہ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"نظام دکن سے ملاقات کے لیے قائداعظم گیسٹ ہاؤس سے صبح دس بجے روانہ ہوئے اور پھر دس منٹ کے بعد واپس آ گئے۔ اس قدر جلد واپس آنے کی وجہ یہ تھی کہ جب قائداعظم محمد علی جناح کنگ کوٹھی میں داخل ہوئے تو وہ سگار ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ نظام سخت برہم ہوا اور باآواز بلند قائداعظم سے کہا کہ انہیں آداب شاہی کا بھی کوئی لحاظ نہیں۔ قائداعظم نے اسی وقت سگار ہاتھ سے رکھ دیا، تاہم زیر بحث آنے والے مسائل چند جملوں میں ختم ہو گئے اور قائداعظم فوراً اپنی قیام گاہ پر واپس آ گئے۔

عوام کو جب نظام حید آباد کے قائداعظم کے ساتھ ناروا سلوک کا پتہ چلا تو انہوں نے نظام کی مذمت کی۔"

مظہر علی حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ والد قاضی صفدر علی علاقے کے مشہور عالم دین تھے۔ انہوں نے جامعہ نظامیہ میں مولوی کامل کا امتحان پاس کیا اور عربی علوم کی تکمیل کے بعد وکالت کی سند حاصل کی۔

حیدرآباد دکن کی سب سے پہلی مجلس بلدیہ کے انتخاب میں منتخب ہو کر 5 سال تک شہر کی حالت کو بہتر بنانے کے سلسلے میں انتہائی لگن اور محنت سے کام کیا۔

سقوط حیدرآباد کے بعد ایران چلے گئے اور پھر وہاں سے پاکستان آ کر اردو کالج کراچی میں عربی کی تدریس کا فریضہ انجام دینے لگے۔ 9 جون 1972ء کو کراچی میں انتقال کیا اور حسن سکوائر کے قریب قبرستان میں دفن ہوئے۔

کامیابی

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تقریر 18 اکتوبر 1945ء کو مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس کوئٹہ میں ارشاد فرمائی تھی۔ اس تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے آنے والے ایک دور کی جھلک پیش کی ہے۔ وہ دور جس سے بہت جلد مسلمان دو چار ہونے والے تھے، جس نے ان کی قسمت کا فیصلہ کرنا تھا، یا ادھر، یا اُدھر، یا تخت یا تختہ، یا کامرانی کی خوش کامیاں یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناکامی کی نامرادیاں!

"حضرات! میں مسلم طلباء کو ہدایت کروں گا کہ وہ سیاست کا عمیق نگاہ سے مطالعہ کریں۔ سیاست تمہاری تعلیم کا ایک حصہ ہے۔ میں تمہیں متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمہاری سیاسی بیداری اور جدوجہد کے راستہ میں چند شخصیتوں اور حکومت کی طرف سے رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری متحدہ اور پیہم کوشش ملک کے اندر ایک

انقلاب برپا کر سکتی ہے۔ تم اپنی جدوجہد جاری رکھو، مخالفین اور رکاوٹوں کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ مجاہد کی طرح اپنے عزم و استقلال کے ہتھوڑے سے راستے کے پتھروں کو پاش پاش کرو، تمہاری پیش قدمی رہنی چاہیے۔ آگے بڑھو، فتح و نصرت تمہارے قدم چومنے کے لیے بے تاب و بے قرار ہے۔

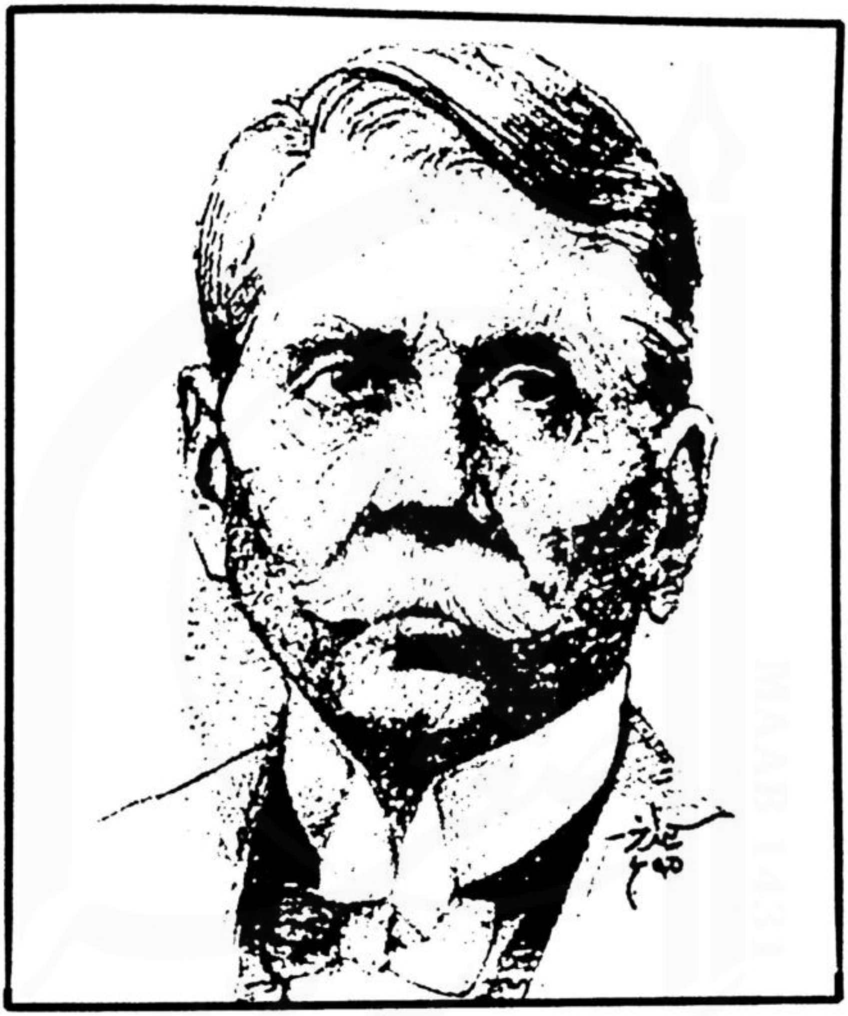
آپ کے سپاسنامہ میں یہ سُن کر مجھے دلی مسرت حاصل ہوئی کہ آپ اپنی جماعت میں تمام طبقوں کے درمیان اتحاد و تعاون کی اہمیت کا احساس رکھتے ہیں صرف آپ ہی کو اپنے صوبہ کے حکام کی روش کے خلاف شکایت نہیں بلکہ اس قسم کی شکایات دوسرے مقامات کے لوگوں کو بھی ہیں، ہر صوبہ میں عوام حکام کے رویہ سے نالاں ہیں اگر آپ منظم اور متحد ہو کر اپنی شکایات اور مطالبات کو پیش کریں گے تو یقیناً بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور حکومت آپ کے مطالبات سننے کے لیے مجبور ہو سکتی ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ بلوچستان کروٹ بدل رہا ہے، بلوچستان کی نیم سیاسی اور فوجی حکومت کے نظم و نسق کو بدلنے کے لیے عوام میں بیداری کی اور جدوجہد کی تڑپ پیدا ہو چکی ہے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی بیداری، آپ کی جدوجہد، آپ کی یک جہتی اور عزم و استقلال سے اس صوبے کے نظام میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنی جدوجہد آزادی میں صبر و استقلال کے دامن کو ہاتھ سے چھوٹنے نہ دیں۔ خواہ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز کیوں نہ ہوں۔

میں بہت ہی خوش ہوا ہوں کہ آپ ہندوستان کے سیاسی معاملات سے پوری پوری دلچسپی اور لگاؤ رکھتے ہیں، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آئندہ انتخابات ہندستانی سیاست کا ایک نہایت اہم مرحلہ ہوں گے۔ یہ بہت بڑی آزمائش کی ساعت ہے یہ آخری اور فیصلہ کن آزمائش ہے۔ ان انتخابات سے بہت سی گتھیاں وابستہ ہیں، جو اُن کے نتائج کے بعد حل ہو جائیں گی۔ ان انتخابات ہی سے ہمیں بتانا ہوگا کہ مسلمان پاکستان چاہتے ہیں یا کانگریس کے اکھنڈ ہندوستان کے حامی ہیں؟

ہمارا پر زور مطالبہ یہ بھی ہے کہ انتخابات آزادانہ ہونے چاہئیں اور کسی قسم کا سرکاری دباؤ یا اثر استعمال نہ کیا جائے۔ ہم کانگریس کے مقابلہ میں نمایاں اکثریت سے کامیاب و کامران ہوں گے۔ کانگریس کے ساتھ چند مسلمان ہیں وہ گنتی کے مسلمان ہیں، کانگریس ان کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کانگریس کے پاس دولت ہے۔ کانگریس کے پاس مضبوط اور طاقتور پریس ہے، لیکن ہمارے ساتھ خدا ہے۔ ان شاء اللہ ہم اِن طاقتوں کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔

پنجاب میں ایک جماعت خفیہ طور پر ہمارے خلاف کوشاں ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ پنجاب کا گورنر سر گلانسی یونینسٹ پارٹی کی حمایت میں مسلم لیگ کو شکست دینے کی پوری کوشش کرے گا۔ اس کی طرف سے ہر وہ کارروائی کی جائے گی، جس سے مسلم لیگ کو ناکام بنایا جا سکے۔ میں بہانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ نوکر شاہی کی پروردہ یونینسٹ کی طاقت کو پنجاب میں ہم توڑ کر رکھ دیں گے، اور ملت



سید امیر علی

1928 - 1848

آپ بنگال میں پیدا ہوئے۔ 1868ء میں اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ وہیں 1871ء میں نیشنل انڈین ایسوسی ایشن قائم کی جس کا نام بعدازاں بدل کر سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن رکھ دیا۔ آپ اس کے مستقل سیکرٹری رہے۔ آپ سر سید احمد خان کی علمی تحریک کے پرزور حامی تھے۔ مئی 1908ء میں مسلم لیگ کی لندن برانچ قائم کی۔ 1909ء میں ایک وفد کے ہمراہ سیکرٹری آف سٹیٹ سے ملے اور مسلمانوں کے حقوق کے لیے ایک عرضداشت پیش کی۔ 1911ء میں انجمن ہلال احمر قائم کی۔ ترکی میں خلافت کا خاتمہ کیا جانے لگا تو آپ نے انگریزوں کے سامنے مسلمانوں کے جذبات کا برملا اظہار کیا اور اس طرح لندن میں تحریک خلافت کے قائد بنے۔ ان کی شہرۂ آفاق کتاب کا نام ''دی سپرٹ آف اسلام'' ہے۔

اسلامیہ فتح وظفر کا پرچم لہراتی ہوئی مخالفتوں کے گرداب میں ابھرے گی۔(نعرہ ہائے تکبیر)

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی تقریروں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ 1942ء کی کانگریسی تحریک سے مسلمان بالکل الگ تھلگ رہے۔ میں خوش ہوں کہ اُنہوں نے حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے۔ مسلمانوں نے 1918ء سے لے کر 1931ء تک آزادی کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا۔ قید و بند کی مصیبتیں جھیلیں گولیاں کھائیں۔ عمر قید اور پھانسی کی سزائیں پائیں۔ آج میں فخر کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ مسلم لیگ کی ہدایات کے مطابق مسلمان 1942ء کی تحریک سے بالکل الگ رہے اور انہوں نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ ہی ان کا نمائندہ ادارہ ہے۔'' (پرزور تالیاں)

کامیابی (کا انحصار)

23 اپریل 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے آل پاکستان اولمپک کھیلوں کے موقع پر ارشاد فرمایا:

''زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری قوم کی کامیابی کا انحصار ذہنی تربیت پر ہے۔ آپ کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ جسمانی قوت پیدا کیجئے۔ جنگجوئی یا فوج گردی کے لیے نہیں، بلکہ سپاہیانہ قوت پیدا کرنے کی خاطر تاکہ عمر بھر زندگی کے ہر شعبے کے لیے امن و آشتی، بین الاقوامی خیر سگالی اور محبت کا سرچشمہ بنے رہیں۔''

کامیابی کی کنجی

(دیکھئے: صاق اور امین کے نقشِ قدم پر)

کامیابیوں کا زینہ

ایڈورڈ ہشتم (1901ء تا 1910ء) کے دورِ حکومت نے جو اتفاق سے بیسویں صدی کے ابتدا کے ساتھ ہی شروع ہوا محمد علی جناح کے ان کے پسندیدہ کیریئر سے مضبوطی سے استوار پایا۔ وہ خاصی رقم کمانے لگے تھے چنانچہ انہوں نے ایک نیا دفتر کرائے پر لیا اور اس باوقار اور پرکشش چیمبر کی آرائش وزیبائش میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

جناح بھائی پونجا کی صحت کاروبار میں خسارہ آ جانے کے ساتھ ہی خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ اپنے باقی بچوں کو لے کر کراچی سے بمبئی آ گئے۔ وہاں کھاجک کے خوجہ علاقے میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ ایسا لگتا ہے کہ درمیانی زمانے میں محمد علی جناح اپنے والد کی زیادہ خدمت نہیں کر سکے۔ یہاں تک کہ 1904ء میں جناح بھائی بمبئی کے دتن گیری ساحل پر منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے زندگی کے آخری ایام تنہائی اور کسمپرسی کے عالم میں گزارے، سات بہن بھائیوں میں سے محمد علی جناح نے اکیلی فاطمہ جناح کے ساتھ قریبی اور پائیدار تعلق قائم کیا جس نے بھائی کی گرانقدر مدد کی بدولت باندرا کانووینٹ سکول میں بورڈنگ طالبہ کی حیثیت سے داخلہ لیا تھا۔ ان دنوں ہندوستان بھر میں اسکول پرائمری اور ثانوی تعلیم کے بہترین مراکز تھے۔ شاندار اور ابتدائی تعلیم کی بنا پر مس فاطمہ جناح کو کلکتہ یونیورسٹی جیسے انتہائی سخت مقابلے والے تعلیمی ادارہ میں داخلہ مل گیا جہاں انہوں ڈینٹل سکول میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی۔

کانپور مسلم لیگ

29 مارچ 1941ء کو پہلی بار قائداعظم محمد علی جناح کانپور تشریف لے گئے۔ انہی ایام میں مسلمان طلباء کی تنظیم کا ایک

جلسہ وہاں منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اس میں تقریر کی۔ سید حسن احمد شاہ تنظیم کے صدر اور ایس ایم کاظمی اس کے سیکرٹری تھے۔ اس جلسے سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اکثریتی صوبوں میں تقریباً مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ ہے اور اقلیتی صوبوں میں تقریباً دو کروڑ۔ تو سات کروڑ مسلمان کی آزادی کی خاطر اگر دو کروڑ مسلمان قربان ہو جائیں تو یہ آزادی مہنگی نہیں ہوگی۔''

کانپور بھارت کا مشہور شہر ہے، اس کی موجودہ آبادی تقریباً بیس لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ بھارت کا یہ شہر دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے۔ 1877ء میں نانا صاحب نے برطانوی فوج کے پورے دستے کو یہاں کچل کر رکھ دیا تھا۔ یہ شہر بڑا تجارتی و صنعتی مرکز ہے۔

کانگریس

◆ قائداعظم محمد علی جناح نے ابتداء میں کانگریس میں شمولیت اختیار کی۔ 1906ء میں کانگریس کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا قائداعظم محمد علی جناح نے اس میں شرکت کر کے میدان سیاست میں قدم رکھا۔ کانگریس کے پلیٹ فارم سے ہی انہوں نے اپنی اولین تقریر وقف علی الاولاد کے موضوع پر کی تھی۔ اس اولین تقریر کا مقصد سراسر مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کا اس وقت موقف یہ تھا:

''ہندو اور مسلمان باہم متحد ہو کر انگریزوں کو اس ملک سے نکال دیں۔ نیز اگر دونوں میں اتحاد ہو جائے تو برصغیر کو بہت پہلے آزادی مل سکتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح گاندھی کے منافقانہ رویے کو ہرگز پسند نہ کرتے تھے۔ گاندھی یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان پر صرف اور صرف ہندوؤں کی حکمرانی ہو۔ گاندھی کے اس فیصلے کی وجہ سے دسمبر 1920ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا۔ وہ 1920ء میں ہوم رول لیگ سے بھی مستعفی ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ گاندھی نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا تھا کہ تنظیم کا نام صرف تین چوتھائی کی اکثریت کی رائے سے ہی تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

وہ گاندھی کی شہ پر چلائی جانے والی تحریک عدم تعاون کے بھی خلاف تھے۔ اس لیے بھی انہیں کانگریس سے علیحدہ ہونا پڑا۔ کانگریس کا قیام ایک انگریز لارڈ اے او ہیوم کی کوششوں سے 1885ء میں عمل میں آیا تھا۔

◆۲ قائداعظم محمد علی جناح نے اجلاس لکھنؤ کے خطبہ صدارت میں فرمایا:

''کانگریس نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لیے ہے۔ اس نے نام نہاد نیشنلزم کا سوانگ بھر رکھا ہے، میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ کانگریس پارٹی کی موجودہ پالیسی جماعتی عناد اور فرقہ وارانہ مناقشت پیدا کر کے ملوکانہ تسلط کے استبقاء کا باعث ہوگی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک اور موقع پر فرمایا:

''یہ صحیح ہے کہ برطانیہ اور کانگریس کے چند مسلمان دلالوں کے ذریعے مسلم لیگ میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی گئی، یہ کانگریس کے پروردہ ہیں اور برطانوی شہنشاہیت کے معین و مددگار، کسی نہ کسی طرح ہندو اخبارات ان کا پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ میں ایسے مسلمانوں کو مسلمان نہیں سمجھتا، جو دشمن کے لشکر میں جائیں اور وہاں سے ہم پر تیر چلائیں، مسلمانوں اور مسلم لیگ میں تفرقہ اندازی کی کوشش بالکل بے سود بلکہ ایک بے ہودہ تماشہ ہے، کیونکہ آپ نے دنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کا

واحد نمائندہ ادارہ ہے۔"

کانگریس اور ایٹلی کی سازش

ہندوستان میں نام نہاد قومی حکومت کا قیام عمل میں آیا اور......

اور پھر ایک دن کانگریس اور ایٹلی کی سازش رنگ لائی۔ لارڈ ویول نے تمام گزشتہ اعلانات کے برعکس اور تمام یقین دہانیوں کونظر انداز کرتے ہوئے پنڈت جواہر لال نہرو کو تشکیل وزارت کی دعوت دے دی۔

اس مبارک موقع پر وائسرائے ہند لارڈ ویول اور پنڈت جواہر لال نہرو نے مسلم لیگ کو شریک وزارت ہونے کی دعوت دی، لیکن اس نے پائے حقارت سے یہ دعوت ٹھکرادی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 26 اگست 1946ء کو اس نام نہاد قومی حکومت کے قیام پر فرمایا:

"وائسرائے کی نشریاتی تقریر نے مسلم لیگ اور مسلم ہندوستان پر ایک ضرب کاری لگائی ہے مجھے یقین ہے کہ مسلمانانِ ہند اُسے پوری ہمت اور جوانمردی کے ساتھ برداشت کریں گے اور عارضی حکومت اور آئین ساز اسمبلی میں اپنا باعزت اور انصاف کے مطابق مقام حاصل کرنے میں اپنی ناکامی سے سبق حاصل کریں گے۔

وائسرائے نے جو قدم اُٹھایا ہے، وہ انتہائی غیر دانش مندانہ اور غیر مدبرانہ ہے اور وہ خطرناک اور نازک ترین نتائج سے مملو ہے اُنہوں نے تین مسلمانوں کو نامزد کرکے اور مزید دو مسلمانوں کو جن کے ناموں کا اعلان کیا جانا باقی ہے۔ مسلمانوں پر زخم لگانے کے ساتھ ہی ان کی توہین بھی کی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان (نامزد کردہ مسلم ممبروں کو) مسلم ہندوستان میں کسی قسم کی وقعت اور اعتماد حاصل نہیں۔

مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ ہند کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس کا مطلب دونوں بڑی قوموں کی صحیح آزادی اور دونوں ریاستوں میں اقلیتوں کے لیے ہر ممکن تحفظ ہے۔

میں پھر اپنے سوال کو دہراتا ہوں کہ وائسرائے اور وزارتی وفد اپنے 16 جون کے بیان سے جسے قطعی و آخری بتایا گیا تھا اور بیس جون کے خط میں مسلم لیگ کو جن باتوں کا یقین دلایا گیا ان سے کیوں پھر گئے۔ 16 جون اور 22 جولائی کے وقفہ میں کون سی ایسی بات تھی جس کے باعث وائسرائے نے اس فارمولا میں اہم تبدیلیاں کرنا ضروری سمجھا۔ نیز 22 جولائی اور 24 اگست کے درمیانی حصہ میں کون سی ایسی چیز ہوئی ہے جس کی بنا پر وہ آگے بڑھے ہیں اور بالجبر ایک پارٹی کی حکومت قائم کر دی ہے۔

وائسرائے نے اپنے نشریہ میں کہا ہے کہ میں ان لوگوں سے خطاب کر رہا ہوں۔ جن کا یہ مشورہ تھا کہ اس وقت اور اس طریقہ پر یہ قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ میں بھی ان بدقسمت لوگوں میں سے تھا میں اب بھی ان پر قائم ہوں۔

وہ (وائسرائے) ابھی تک یہی راگ الاپ رہے ہیں کہ ہم برطانوی حکومت کی اس خاص پالیسی کے خلاف نہیں کہ ملک معظم کی حکومت ہندوستان کو خود اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے آزاد کر کے اپنے مواعید پورے کرے۔ بے شک ہم ہندوستان کے لوگوں کی آزادی کے مخالف نہیں، ہم نے یہ امر واضح کر دیا ہے کہ مسئلہ ہند کا واحد حل، ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کرنا ہے۔ جس کا مطلب دونوں

بڑی قوموں کے لیے حقیقی آزادی اور اقلیتوں کے لیے دونوں ریاستوں میں ہر ممکنہ تحفظ ہے۔
مشترکہ حکومت قائم کرنے میں اپنی ناکامی سے وائسرائے کو صدمہ پہنچا ہے۔ مجھے اس باب میں ان سے بھی زیادہ رنج ہے، مگر میرے رنج کا سرچشمہ مختلف ہے، اور اس کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ مجھے مُسرت ہے کہ وائسرائے یہ سمجھتے ہیں کہ اصل ضرورت مشترکہ حکومت کی ہے۔ جس میں دونوں بڑی جماعتوں کو نمائندگی حاصل ہو اور مجھے اس پر بھی مسرت ہے کہ انہوں نے یہ بات پنڈت جواہر لال نہرو اور کانگریس کی جانب سے بھی کہی ہے کہ اُن کی طرح کانگریس کا بھی یہ پکا خیال ہے کہ وہ حکومت میں شامل ہونے کے لیے مسلم لیگ کو ترغیب دینے کی کوشش جاری رکھیں گے۔ وائسرائے نے اپنی نشریاتی تقریر میں کہا ہے کہ جو پیش کش کی گئی ہے وہ ابھی تک قائم ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وائسرائے کا اس سے کیا مطلب ہے سوائے اس کے کہ مسلم لیگ کو پانچ نشستیں ملیں گی۔ یہ بالکل مبہم ہے، اس کے علاوہ کوئی بات صاف طور پر بیان نہیں کی گئی۔
انہوں نے بہت سی دیگر چیزوں کا حوالہ دیا ہے جن کے متعلق اس وقت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں تک دستور ساز اسمبلی کا تعلق ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وائسرائے کا ان الفاظ سے کیا مطلب ہے کہ ''پھر آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ لیگ کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ صوبوں اور گروپوں کا آئین بنانے میں 16 مئی کے بیان میں پیش کردہ طریق کار پر دیانتداری کے ساتھ عمل کیا جائے گا۔''
پھر آگے چل کر وہ (یعنی وائسرائے) کہتے ہیں کہ 16 مئی کے بیان میں پیرا نمبر 5 میں آئین ساز اسمبلی کے لیے جو بنیادی اصول تجویز کیے گئے ہیں۔ ان میں تبدیلی کا کوئی سوال نہیں ہوسکتا۔ پھر وہ کسی کی آواز پر عمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کانگریس اس بات پر رضامند ہونے کے لیے تیار ہے کہ کسی قسم کے نزاع یا الفاظ کی ترجمانی کو فیڈرل کورٹ میں پیش کیا جاسکتا ہے۔
لیکن ہم ان شرائط اور بنیادی اصولوں پر جو 16 مئی کے بیان میں تجویز کیے گئے ہیں کس طرح سمجھوتہ ہونے کی توقع کرسکتے ہیں، جب کہ ایک پارٹی مشن کے 16 مئی کے مستند بیان میں پیش کردہ شرائط اور اصولوں کے معنی دوسرے لے رہی ہو، لیکن وہ بڑی صفائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ کسی قسم کے جھگڑے اور (غلط) ترجمانی کو فیڈرل کورٹ میں پیش کرنے کے بارے میں کوئی دفعہ نہیں رکھی گئی ہے اور دوسرے یہ کہ دونوں جماعتیں ابتداء ہی میں اہم بنیادی اختلاف رکھتی ہیں، اور بنیادی شرائط کی مختلف ترجمانی کرتی ہیں۔
کیا ہم ان جھگڑوں اور مقدمات کو فیڈرل کورٹ میں لے جا کر آئین ساز اسمبلی کی کارروائیوں کی ابتدا کریں گے۔ کیا اس جذبے کے تحت اِس برکوچک کے 40 کروڑ انسانوں کے لیے مستقبل کا آئین وضع کیا جائے گا۔''

کانگریس اور قربانی

کانگریس میں نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح پر اکثر اعتراض کیا جاتا تھا:
''جس شخص نے قوم کی خاطر جیل کی صعوبتیں برداشت

نہیں کیں، وہ قومی رہنما کیسے کہلا سکتا ہے؟''
قائداعظم محمد علی جناح نے کوئٹہ میں تقریر کے دوران اس بات کا جواب کچھ یوں دیا:
''ہاں! واقعی جس قسم کی قربانی کانگریس نے دی ہے، ہم نہیں دے سکتے۔ بھیڑ بکریوں کی طرح پولیس کے آگے چلنا اور لاٹھیاں کھا کر جیل میں بیٹھ جانا، اس کے بعد وزن کم ہونے کی شکایت کر کے رہائی حاصل کر لینا، اس قسم کی قربانی صرف ایک ہی جماعت دے سکتی ہے اور وہ ہے کانگریس۔''
اس طنز اور مخصوص لب ولہجہ پر دیر تک قہقہے گونجتے رہے، پھر کانگریس کی طرف سے یہ اعتراض کبھی نہیں دہرایا گیا۔

کانگریس اور مسلمان

قائداعظم محمد علی جناح نے یہ تقریر 5 فروری 1938ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اسٹریچی ہال میں یونین کی طرف سے منعقدشدہ ایک جلسے میں ارشاد فرمائی تھی:
''جناب صدر! آپ نے کہا ہے مسلمان آزاد پیدا ہوتا ہے۔ وہ کب آزاد تھا؟ کم از کم اس ملک میں تو ہم ڈیڑھ سو سال سے غلام ہیں۔ میں آپ کو مایوس کرنا نہیں چاہتا، مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی کہ ''مسلم نوجوان'' ادراک پیری سے استفادہ کرنے پر تیار ہیں۔ محض حق اور نعروں کے بجائے عملی ذمہ داریوں کو وہ محسوس کرنا چاہتے ہیں۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے میثاق لکھنؤ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا:
''میں نے اس کے لیے کیا مساعی کی تھیں اور کانگریس سے کس قدر قریبی تعاون کیا تھا۔''
آپ نے بتایا:
''مسلمانانِ ہند آزادی کی جدوجہد میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ کامل حکومت خوداختیاری کی تمناؤں میں کانگریس سے ان کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ اس وقت کانگریس اور لیگ دونوں کا بنیادی اصول یہ تھا کہ دستور میں، وہ جس قسم کا بھی ہو اور جس کسی کا مدون کیا ہوا ہو، تمام اقلیتوں کے حقوق و مفادات کا تحفظ کیا جائے۔ 1944ء سے گول میز کانفرنس کے انعقاد تک ہندو مسلم سوال کے حل کی متعدد کوششیں کی گئیں۔
نہ معلوم اس وقت میری خودداریوں کو کیا ہو گیا تھا کہ میں کانگریس کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا۔ میں نے اس مسئلہ کے حل کے لیے اتنی انتھک اور مسلسل کوششیں کیں کہ ایک روزنامے نے اس پر لکھا:
''مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سوال سے کبھی بیزار نہیں ہوتے، لیکن گول میز کانفرنس کے اجلاس میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھچکا لگا ہے۔ خطرہ نمودار ہوتے ہی ہندو دل و دماغ ہندو جذبات اور ہندو روش نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ بالآخر اتحاد کی توقع ہی اُٹھ گئی۔
اس وقت میرے احساسات پر قنوطیت چھائی ہوئی تھی، میرے جذبات پر مایوسیاں منڈلا رہی تھیں۔ میں اپنے ملک سے نا اُمید ہو گیا تھا۔ صورت حال بہت ہی بدبختانہ تھی۔ مسلمان بے یار و مددگار تھے۔ ان کا کوئی پوچھنے والا ہی نہ تھا۔ کبھی تو دولت برطانیہ کے کاسہ لیس اور خوشامدی ان کی قیادت کرتے تھے اور کبھی کانگریس کے ''معتقد چاکر'' ان کی رہنمائی کا دم بھرتے تھے۔ جب کبھی مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کی جاتی تو ایک طرف ٹوڈی اور خوشامدی اوردوسری طرف کانگریس چھاؤنی کے غدار ایسی

کوششوں کو بے اثر کر دیتے تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میں نہ ہندوستان کی مدد کر سکتا ہوں نہ ہندو ذہنیت کو بدل سکتا ہوں اور نہ مسلمانوں کو اُن کی نازک حالت کا یقین دلا سکتا ہوں۔ احساسِ پستی اس قدر بڑھا کہ میں نے لندن ہی میں اقامت گزینی کی ٹھان لی۔ اس لیے نہیں کہ مجھے ہندوستان سے محبت نہیں رہی تھی بلکہ اس لیے کہ مجھے اپنی بے چارگیوں کا احساس ہو گیا تھا، تاہم میں نے ہندوستان سے برابر رابطہ قائم رکھا۔ پورے چار سال کے بعد آخر میں نے دیکھا کہ مسلمان شدید خطرے میں ہیں۔

میں لندن میں بیٹھا ہوا ان کی بہبودی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے ہندوستان واپس آنے کا ارادہ کر لیا، لیکن میں بے یارو مددگار تھا، میری حیثیت ایک بے بلائے مہمان کی سی رہ گئی تھی اور ساتھ سلوک بھی ایسا ہی کیا گیا۔ جس کا ایک بن بلایا مہمان مستحق ہوتا ہے۔

بہر حال 1935ء میں میں نے صوبہ داری انتخابات کے سلسلے میں صدر کانگریس سے گفت وشنید کی، اس نتیجہ کے طور پر ایک ضابطہ (فارمولا) مرتب ہوا لیکن ہندوؤں نے اُسے ناپسند کیا۔ 1936ء میں میں نے کانگریس سے اپیل کی کہ ''جو کچھ ہوا سو ہوا۔'' اب ''فرقہ وارعطیہ'' کی تلخ بحثوں کو ختم کر دو۔ یہ اچھا یا بُرا جیسا بھی ہوا، اُسے یوں ہی رہنے دو تا آنکہ ہم ایک متفقہ حل نہ دریافت کر لیں۔ اب ہمیں اس سے اہم امور کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

جب میں نے محسوس کیا کہ حصول اتحاد کے سارے طریقے آزمائے جا چکے ہیں تو میں نے مڑ کر حالات کا جائزہ لیا کہ وہ کس امر کے متقاضی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اِدھر تو جدید دستور کی آمد آمد ہے۔

اور یہاں 1924ء سے 1936ء تک ہم نے کچھ نہیں کیا ہے۔ مایوسیوں نے مجھے اور بیباک کر دیا اور میں نے اپریل 1936ء کو کل ہند مسلم لیگ کا اجلاس طلب کیا، اس میں یہ طے ہوا کہ صوبہ داری انتخابات میں حصہ لیا جائے ہر سمت اس فیصلہ کی مخالفت ہوئی۔ نہ صرف کانگریس بلکہ بہت سے ''اپنوں'' نے بھی اس کی مخالفت کی۔

ابتدائی تنظیمی اداروں کے بغیر انتہائی بے سرو سامانی اور ناکافی وسائل کے باوجود اس انتخابی مہم میں لیگ کو ایک معقول حد تک کامیابی ہوئی، ہماری اکثریت کے بعض صوبوں کی مجالس آئین ساز میں مسلم لیگ کی جماعتیں تک نہ تھیں۔ بہر حال 1936ء سے ہم نے عزم و استقلال کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے نتائج حیرت انگیز نکلے۔ (نعرۂ تحسین)

آیئے اب ہم اپنی حیثیت پر پھر ایک دفعہ نظر ڈال لیں۔ سب سے پہلے تو دفتری ذہنیت اور نوکر شاہی مزاج کو لیجئے۔ وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ ان کو مسلمانوں پر تصرف قدیم کی بنا پر ایک حق حاصل ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ''اگر یہ جناح دخل انداز ہوا تو مسلمان ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔'' اور ہوا بھی یہی! خدا کا شکر ہے کہ مسلمان آج ان کی دسترس سے باہر ہیں۔

لیکن اب اختیارات ایک حد تک فرقہ اکثریت کے ہاتھ میں منتقل ہو گئے ہیں۔

یہ امر اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ حکومت برطانیہ اب مسلمانوں کی دستگیری پر مائل نظر نہیں آتی، بلکہ انہیں بھیڑیوں کے آگے ڈال رہی ہے۔ یہ بھی اچھا

ہی ہے۔

مسلم لیگ نے بہت بڑی حد تک مسلمانوں کو برطانوی راج کے پنجہ سے چھڑا لیا ہے، لیکن اب ایک اور طاقت سامنے آئی ہے جس کا ادعا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کی جانشین ہے۔ آپ اس کو جس نام سے چاہیں پکاریں، لیکن وہ اصل میں ''ہندو'' اور ''ہندو راج'' ہے۔

سیاسی بولی میٹھی تو ہوتی ہے مگر گمراہ کن! اس لیے میں سیدھی سادی زبان میں گفتگو کروں گا۔ کانگریس کی روش کیا ہے؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''مسلم لیگ ٹوڈیوں پر مشتمل ایک رجعت پسند جماعت ہے اور برطانوی شہنشاہیت کی معاون ہے۔'' یوں لیگ کو قابل ملامت قرار دیا گیا۔ خیر! مسلم لیگ نے کیا کیا؟ مسلم لیگ نے فیصلہ کیا کہ حالات حاضرہ کے مدنظر صوبہ جاتی دستور سے بقدر افادیت استفادہ کیا جائے۔ اس کے برعکس کانگریس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس دستور کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ لیگ نے ایک نہایت پرجوش قومی نظام عمل منظور کیا تھا لیکن کانگریس نے ذرا بھی صبر سے کام نہ لیا۔

ہم اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ لیگ کو مسلمانوں کی کامل نمائندہ جماعت بنایا جائے، لیکن کانگریسی پریس میری غلط تعبیریں کر رہا تھا۔ مجھ پر تہمتیں تراش رہا تھا۔

انہوں نے مجھے فرقہ پرست کا خطاب دیا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ''خیر، جناح سچے ہوں تو ہوں لیکن ان کی طرف ایسے ٹوڈی اور خوشامدی جمع ہیں کہ ایک دن انہیں نگل جائیں گے۔'' وہ مسلمانوں کو نظر انداز کرنے کے لیے ہر موقع پر ایک نہ ایک بہانہ تراش لیا کرتے تھے۔'' کانگریس نے ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ کو زہر آلود کرنے کی کوشش کی اور انہیں ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ سمجھنے لگے واقعی کانگریس آزادیٔ کامل کی علمبردار ہے، اور وہ افلاس اور فاقوں کا خاتمہ کر دے گی۔'' لیکن درحقیقت کانگریس کا مقصد کیا تھا؟ وہ حکومت برطانیہ سے بعض عہد و پیمان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جس میں انہیں کامیابی ہوئی۔ اب وہ اسی دستور سے نہ صرف استفادہ کر رہے ہیں بلکہ اس پر پوری طرح عمل پیرا ہیں جس کو تباہ کر دینے کا اُنہوں نے بڑی شد و مد سے دعویٰ کیا تھا۔

مسلمانوں کو بھی اُنہوں نے طرح طرح کی احمقانہ ضمانتیں دیں۔ ایک صوبہ میں ایک کانگریسی وزیر نے تو یہاں تک بھی کہہ دیا کہ ''اگر کسی نے کسی مسجد کی ایک اینٹ کو بھی چھیڑا تو وہ اپنی جان عزیز قربان کر دیں گے۔'' یہ تو بڑی شریف النفسی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ہوا کیا؟ اسی صوبہ بہار میں رائے دہی کے مروجہ اصول تعداد آرا کو برخواست کر دیا گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پچھلے انتخاب میں ایک مسلمان بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ ہم ضمانتوں اور خیر اندیشوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے دنیائے سیاست میں خیر اندیشی الفت، محبت اور پاس خاطر اسی وقت ہو گا جب آپ طاقتور ہیں۔ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کی کمزوریوں سے کس طرح فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ آپ کی قوت و توانائی سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔

جب تمہیں فاقہ اور افلاس کی دلخراش داستانیں سنائی جائیں جب تم سے کہا جائے کہ آؤ اس دردناک

حالت کو بدل دیں! کانگریس حصولِ آزادی کے لیے جدوجہد کر رہی ہے۔ ایک اشتمالی اور اشتراکیت حکومت کے لیے لڑ رہی ہے، اقتصادیات ہی وہ مسئلہ ہے جس سے ہم دوچار ہیں تو یقیناً تم مضطرب ہو جاؤ گے، مجھے اعتراف ہے کہ بعض اوقات خود میرا دل دہل گیا، غرض ایسی باتوں سے ہمارے نوجوانوں کے کان مسلسل بھرے گئے۔

جب تمہیں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ تم ایک ہی وار میں حکومت برطانیہ زمینداروں اور سرمایہ داروں کا خاتمہ کرسکو گے تو یورپ کے حالات پر نظر ڈالو!

جرمنی میں نازیت کے قیام کا باعث اشتراکی اور اشتمالی تحریکات ہی ہوئیں، اطالیہ میں فاشطی تحریک کا ظہور بھی انہی وجوہات پر مبنی ہے۔ ہسپانیہ کی خانہ جنگی کا سبب کیا ہے؟ یہ وہی امر تنقیح طلب ہے۔ صدر کانگریس سے جب سوال کیا گیا کہ وہ اس عجیب و غریب نظام العمل کی تکمیل کب تک کرسکیں گے تو انہوں نے جواب دیا کہ ''میری زندگی کے اندر اندر'' اور اس کے ساتھ کہا کہ ''جب ہم طاقتور ہو جائیں گے تو دستور کا خاتمہ کر دیں گے۔ مگر ''نوکِ قلم'' سے نہیں!'' لیکن سوال یہ ہے کہ آخر کب تک اس ''نوک قلم'' کو جوان کے ہاتھ میں ہے یونہی پکڑے رہیں گے؟ قہقہہ!

ہندوستان میں ہماری تربیت برطانوی پارلیمانی جمہوریت کا روایات کے تحت ہوئی ہے یہ دستور جو ہمارے سر تھوپا گیا ہے۔ کم و بیش برطانوی طرز پر مُرتب کیا گیا ہے، لیکن اس ملک اور انگلستان کی مملکت میں بنیادی تفاوت ہے برطانیہ میں اکثریت کی جماعتیں تغیر پذیر ہوتی ہیں، ان کا رنگ و روپ اوران کی طاقت و قوت آئے دِن بدلتی رہتی ہے۔

آج قدامت پرستوں کی حکومت ہے تو کل حریت پسندوں کی اور پرسوں مزدوروں کی لیکن ہندوستان میں یہ حال نہیں ہے۔

یہاں ایک مستقل ہندو اکثریت ہے اور باقی اقلیتیں ہیں جو کسی قابل قیاس مدت کے دوران میں اکثریت بن جانے کی توقع نہیں کر سکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ اکثریت غیر فرقہ واری نقاب اوڑھ لے لیکن وہ اپنی سرشت اور اپنے افعال و اعمال میں بلاشرکت غیرے ''ہندو'' ہی رہے گی۔

اقلیتوں کے لیے صرف یہی ایک اُمید ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی تنظیم کر لیں اور اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لیے اختیارات کا ایک معین اور فیصلہ کن حصہ حاصل کر لیں ایسے اختیار کے بغیر کوئی دستور ہندوستان میں کامیابی سے نہیں چلایا جاسکتا۔

میں آپ سے یہ اپیل کرتا ہوں کہ آپ لیگ کے نظام میں شریک ہو جائیں۔ اگر مسلمانوں نے اتحاد و اتفاق کر لیا تو آپ کی توقع اور اندازے سے کہیں پہلے سمجھوتہ ہو جائے گا، لیکن حصول آزادی سے پہلے اپنے استحقاق کو منوانا ہوگا، چند ہی مہینوں کے کام سے لیگ کا نام ہندوستان کے ہر گوشہ میں پہنچ گیا ہے۔ لاکھوں اشخاص اس میں شامل ہو رہے ہیں ایک دن وہ لوگ بھی جو ہم سے اختلاف رکھتے ہیں محسوس کریں گے کہ وہ ایک سنگین مغالطے میں مبتلا ہیں اور ان کے لیے صحیح طریقۂ کار یہی ہو سکتا ہے کہ وہ لیگ میں شریک ہو جائیں اور سارے مسلمانوں کی آواز ایک اور صرف ایک ہو۔ (نعرۂ تحسین)

مجھے یقین ہے اور آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ

کانگریس کی حکمت عملی یہ ہے کہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کیا جائے۔ یہ برطانوی حکومت کی وہی پرانی چالیں ہیں۔ وہ (کانگریسی) اپنے آقاؤں کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ تم کہیں ان کی چالوں میں نہ آ جانا! مسلمانوں کے لیے یہ موت وحیات کے لمحات ہیں، مجھ سے یہ سن رکھو، اگر مسلمانوں میں باہمی اتحاد نہ ہوا تو وہ کسی قیمت پر بھی تباہی سے نہیں بچ سکتے۔

آخر ہندوؤں اور مسلمانوں میں کیا فرق ہے؟ اگر کل واردھا کوئی فیصلہ کر کے حکم جاری کر دے تو لاکھوں ہندو اس کی تعمیل کرنے لگیں گے؟ میں تم سے پوچھتا ہوں کہ فرض کرو مسلم لیگ کوئی حکم جاری کر دے تو کیا ہوگا؟ ہم کافی طور پر لیس اور تربیت یافتہ نہیں ہیں اسی وجہ سے تعمیل کے لیے لاکھوں مسلمان فراہم کرنا مشکل ہوگا۔

برطانوی حکومت یہ دیکھتی رہتی ہے کہ کانگریس کیا کر رہی ہے اور برطانوی حکمت عملی کا کانگریسی چھاؤنی میں کیا ردعمل ہونے والا ہے، لیکن کیا حکومت تمہارے افعال و اعمال کی بھی پرواہ کرتی ہے؟ نہیں، کیونکہ تم ایک منظم قوت نہیں ہو۔ پس تم اپنی طاقت بڑھاؤ اور باہمی اتحاد کو استوار کرو۔

''مسلم لیگ نے آزادی حاصل کرنے کا تہیہ کر لیا ہے، لیکن یہ آزادی نہ صرف مقتدر اور طاقتور کے لیے ہوگی بلکہ کمزور اور مجبور کے لیے بھی ہوگی۔''

(طویل نعرہ ہائے تحسین)

کانگریس کا دعویٰ جمہوریت

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 10 نومبر 1929ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''مسٹر جناح نے بمبئی واپس پہنچ کر مسلمانوں کے ایک عظیم الشان جلسے میں جو تقریر کی اس میں بعض بہت گرانقدر خیالات مرحمت فرمائے۔

آپ نے کانگریس کی ساری پوزیشن بیان کرنے کے بعد فرمایا:

''ادھر کانگریس کا دعویٰ یہ ہے کہ ہندوستان کا آئین وضع کرنا اس کا حق ہے دوسری طرف برطانوی حکومت کہتی ہے کہ آئین سازی کا استحقاق اسے حاصل ہے، لیکن مسلم لیگ دونوں کے حق کو تسلیم نہیں کرتی کہ کوئی دوسرا آئین مسلمانوں کے سر چپک دیں جسے مسلم لیگ کی منظوری حاصل نہ ہو اور اگر کوئی ایسا آئین نافذ کر دیا گیا تو مسلمان اپنے آخری قطرہ خون تک اس کا مقابلہ کریں گے۔''

مسٹر جناح نے فرمایا:

''میرے دل میں ہندوؤں کے خلاف ذرہ برابر بھی دشمنی نہیں، لیکن جب تک کانگریس ہائی کمانڈ نے خاموشیوں کی گرینڈ کونسل کا جامہ پہن رکھا ہے کسی قسم کا سمجھوتہ ممکن نہیں ہے۔''

آپ نے کہا:

''مسلمان چار صوبوں میں اکثریت رکھتے ہیں، اس لیے ان کو اقلیت کہنا غلط ہے، اور میں ہندوؤں کے ساتھ قطعی مساوات اور برابری کی بنیاد پر مفاہمت کرنے کو تیار ہوں۔ اکثریت اور اقلیت کی بنیاد پر نہیں۔''

مسٹر جناح نے کہا:

''بعض لوگ بالکل غلط کہتے ہیں کہ مسلم لیگ نے جمہوریت کو مردہ قرار دے دیا ہے۔ ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ جمہوریت کی اصل مساوات، حریت

اور اخوت پر ہے، اور اسلام اسی جمہوریت کا قائل ہے۔ مغربی فیشن کی جمہوریت کا نہیں۔ جس میں اکثریت واقلیت اور پارٹی گورنمنٹ کی پیچیدگیاں اور جو ہندوستان میں بالکل ناکام رہ چکی ہیں۔''

مسٹر جناح نے کانگریس کے دعویٰ جمہوریت کو بہت لتاڑا اور کہا:

''کیا یہ جمہوریت ہے کہ واردھا میں ایک گرینڈ کونسل بیٹھی ہوئی صوبوں کی وزارتوں کے نام احکام جاری کر رہی ہے، حالانکہ وہ وزارتیں اپنی قانون ساز مجلسوں کے سامنے جواب دہ ہیں۔ کیا یہ جمہوریت ہے کہ اس گرینڈ کونسل کا سب سے بڑا ڈکٹیٹر جمہوری جماعت کا چار آنے کا ممبر بھی نہیں ہے۔''

آپ نے کہا:

''سچائی کا دعویٰ اور سچائی کی تلقین کرنا ہی کافی نہیں، مسائل کے حقوق کا سامنا ضروری ہے۔ جب تک کانگریس کے لیڈر سچائی اور اخلاق کے ساتھ حقائق پر غور نہ کریں گے آزادی کی شکل بھی دیکھنی نصیب نہ ہوگی۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 10 نومبر 1939ء)

کانگریس کا سمندر

فیلڈ مارشل لارڈ ویول بحیثیت وائسرائے تشریف لائے تو انہوں نے بھی متحدہ ہندوستان کا نعرہ بلند کیا۔ مرکزی مجلس قانون کے اجلاس میں وائسرائے نے کہا:

''آپ جغرافیہ تبدیل نہیں کر سکتے، ہندوستان قدرتی طور پر وحدت ہے۔''

قائداعظم، مسلم لیگ اور مسلمانانِ ہند کو سخت ناگوار گزرا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے سخت جواب دینے کی بجائے، لارڈ ویول کو مذاق میں ٹالتے ہوئے فرمایا:

''لارڈ ویول کانگریس کے سمندر میں مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔''

کانگریس کا شو بوائے

(دیکھئے: بساطِ سیاست)

کانگریس کا نعرۂ آزادی

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا:

''میں نے ہندو اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کے لیے اپنی بہترین کوششیں صرف کیں۔ میری ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ بدنصیب ہندوستان کے یہ دونوں فرزند ایک دوسرے کو پہچانیں اور باہمی رواداری کے رشتے میں منسلک ہو جائیں، لیکن میری ان مساعی کو سازشوں کے ذریعے ناکام بنا دیا گیا۔

آزادی جسے کانگریس نے اپنا سیاسی نصب العین قرار دے رکھا ہے ایک حسین فریب ہے، اس آزادی کا مفہوم محض ایک قوم کی آزادی ہے، بلکہ میں اس سے بھی ایک قدم آگے جاتا ہوں کہ کانگریس کی آزادی کا مطلب صرف اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی آزادی ہے اور اس آزادی سے وہ دوسرے فرقوں اور قوموں کو محروم رکھنا چاہتی ہے۔''

کانگریس کے حربے!

کانگریس نے جب دیکھا کہ حکومت اسے اقلیتوں پر بالا دستی نہیں عطا کرتی تو اس نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی اور اس طرح حکومت کو مرعوب کر کے اپنا مطالبہ منوانا چاہا۔



عید الفطر کی نماز پڑھتے ہوئے

قائداعظم محمد علی جناح نے اسی ذہنیت اور صورت حال پر عربک کالج دہلی کے طلباء کے اجتماع میں نومبر 1940ء کو اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

''حضرات! کانگریس کا یہ ادعا ہے کہ تحریک ستیہ گرہ (سول نافرمانی) ہندوستان کی آزادی اور خودمختاری کے لیے جاری کی گئی ہے، کیا فی الحقیقت تحریک کا یہی مقصد ہے؟ گاندھی جی نے سال گزشتہ 29 اکتوبر کو لکھا تھا:

''اگر انگریز ہندوستان سے چلے گئے تو پنجابی اور گورکھے شمال سے نکل کر ملک کو تاخت وتاراج کریں گے۔''

پنجابی سے اس کی مُراد یقیناً مسلمان ہیں۔ اُنہوں نے اس کے بعد لکھا تھا:

''اگر ہندوستان میں برطانیہ کا اقتدار کوئی قائم رکھنا چاہتا ہے تو وہ کانگریس ہے جو باشندگان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔''

میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ ہندو اور کانگریس ملک کی خودمختاری اور آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ اُنہوں نے تحریک ستیہ گرہ کا کیوں آغاز کیا، برطانوی حکومت بھی جانتی ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ وہ برطانوی حکومت پر دباؤ ڈال کر یہ منوالینا چاہتے ہیں کہ کانگریس ہی ہندوستان کے باشندوں کی مقتدر اور واحد نمائندہ جماعت ہے، کانگریس (حکومت سے) کہتی ہے کہ ہم سے سمجھوتہ کرلو، ہم تمہارے دوست ہیں۔ ہم اس ملک میں تمہارا اقتدار چاہتے ہیں۔ ہمارے ساتھ چند شرائط طے کرلو، مسلمان اور دوسری اقلیتوں کو نظرانداز کردو۔

کہا جاتا ہے کہ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے مسٹر گاندھی سے گفتگو کرنے کے بعد مسلمانوں اور غیر کانگریسیوں سے اپیل کی کہ ان کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کریں۔ انہوں نے کم وبیش یہ کہا کہ ''کانگریس کو اپنے طریقہ پر جدوجہد کر کے حاصل کر لینے دو۔'' کیا میں کانگریس کی ہائی کمان سے پوچھ سکتا ہوں جس کے ایک رکن مسٹر ڈیسائی بھی ہیں اور وہ مقننہ میں کانگریسی جماعت کے قائد بھی ہیں کہ برطانیہ کے خلاف کانگریس کے جنگی مقاصد ہمیں یہی معلوم ہوتے ہیں کہ حکومت پر ممکنہ دباؤ ڈال کر انہیں رضامند کرلیا جائے تاکہ وہ ہمیں نیچے گرا دیں اور بھیڑیوں کے آگے ڈال دیں۔ کانگریس کا یہی مقصد ہے، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اُنہوں نے یہ خود فریبی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ ہم تو دھوکہ نہیں کھائیں گے! کانگریس کی جدوجہد اس چمگادڑ کی سی معلوم ہوتی ہے جو کمرے میں چاروں طرف اڑتی ہوئی دیواروں سے ٹکراتی رہتی ہے مگر یہ نہیں دیکھ سکتی کہ دروازہ بالکل کھلا ہوا ہے۔

اس لیے یہ ناممکن ہے کہ ہم اس تحریک کو خاطر جمعی سے دیکھیں اس کو ہمارے لیے ایک گہری تشویش کا باعث ہونا چاہیے۔ میں مسلمانوں کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اس مہیب صورت حال میں نہ پھنسیں جس کی ساری ذمہ داری کانگریس پر عائد ہوتی ہے، لیکن جب ہمیں معلوم ہوجائے کہ ہمارے مفادات کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے تو ہم محض ایک تماشائی کی حیثیت سے خاموش نہیں رہ سکتے بلکہ ہم اپنا فرض ادا کریں گے اور اگر ضرورت ہو تو اس میں مداخلت بھی کریں گے۔ اس تنبیہ کو وہ خوب سمجھ لیں!''

پھر قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریسیوں کے متعدد

بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

''کانگریسی رہنما کہتے ہیں کہ ہم مسٹر جناح یا مسلم لیگ کے کسی نامزد کو ہندوستان کا وزیراعظم بنانے پر تیار ہیں، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اختیارات نہیں چاہتے۔ مسلمان سارے اختیارات لے سکتے ہیں۔ ہم انگریزی راج کے بہ نسبت مسلم راج کو ترجیح دیتے ہیں۔ کیا کوئی شخص جس میں ذرہ برابر بھی عقل وتمیز ہو اس پر یقین کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! مسلمان اب باشعور ہو گئے ہیں ان میں آج سے تین سال پہلے کی بہ نسبت فرق ہو گیا ہے، کامل فرق، اساسی و بنیادی فرق اور مجھے یقین ہو گیا ہے۔ ایسا ہی یقین جیسا کہ اس وقت آپ کے روبرو میرے زندہ کھڑے ہونے کا کہ پانچ برس بعد یہ فرق اور بھی بڑھ جائے گا۔

اس تین سال کے عرصہ میں لیگ نے بڑی طاقت حاصل کر لی ہے، اور اس کی وجہ سے اس پر ایک اہم ذمہ داری سے اس طرح نام لیں کہ مسلم لیگ دن بہ دن طاقتور بنتی اور کامیابی حاصل کرتی منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔''

کانگریس کے دوسرے شکار

یومِ نجات کے سلسلے میں روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 23 دسمبر 1939ء کو اداریہ لکھتا ہے:

''مسٹر جناح نے فرمایا تھا کہ ''یوم نجات'' ہندوؤں کے خلاف نہیں منایا جا رہا ہے کیونکہ بے شمار غیر کانگریسی ہندو بھی کانگریسیوں کے جبر و استبداد سے اسی طرح نالاں ہیں جس طرح مسلمان اڑھائی سال سے نالاں چلے آتے ہیں۔ مسلم لیگ نے ''یوم نجات'' محض کانگریسی وزارتوں سے مخلصی پر خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے تجویز کیا ہے۔ اس پر مدراس کی جسٹس پارٹی (غیر برہموں اور ان کے ہمدردوں کی جماعت) کے لیڈر مسٹر راما سوامی نائر اور اچھوتوں کے لیڈر مسٹر امبید کرنے بھی اعلان کیا ہے کہ مسٹر جناح کی اپیل پر مسلمان تو ضرور عمل کریں گے، لیکن غیر کانگریسی ہندوؤں اور اچھوتوں کو بھی ''یوم نجات'' منانے میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ مسٹر راما سوامی تو یہ بھی کہتے ہیں کہ انہیں خود اس قسم کے ''یوم'' کا خیال آیا تھا، اور جن غیر کانگریسی جماعتوں کے ساتھ انہوں نے مشورہ کیا، انہوں نے اس کی تائید کی تھی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بڑی بڑی عظیم اقلیتیں ''یوم نجات'' میں مسلمانوں کی ہم آہنگ ہیں، اور مسٹر جناح کو نہ صرف مسلمان بلکہ غیر برہمن، مدراسی اور ہندوستان کے اچھوت بھی اپنے لیے طاقت کا ایک مینار سمجھتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ''یوم نجات'' سے فارغ ہونے کے بعد مسٹر محمد علی جناح سب اقلیتوں کو کانگریس کے خلاف منظم کرنے کے لیے کوئی عملی اقدام کریں گے، کیونکہ کانگریس کی ڈکٹیٹری کو توڑنے کا یہی ایک مؤثر حربہ ہے کہ ملک کے اکثر طبقات متحد ہو کر اس کی برتری سے انکار کریں۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 23 دسمبر 1939ء)

یومِ نجات کی شاندار کامیابی کے حوالے سے روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 28 دسمبر 1939ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

''یوم نجات کی شاندار کامیابی دوستوں کے لیے انتہائی فرحت وشادمانی اور دشمنوں کے لیے انتہائی ندامت و انفعال کا پیغام ہے۔ مسلمانوں نے ہندوستان کے

گوشے گوشے میں اپنے ہزارہا کے اجتماعات کے اندر کانگریسی حکومتوں کی شکست پر بارگاہ الٰہی میں ہدیۂ تشکر پیش کیا اور مسلم لیگ کے محترم صدر کے حکم کے مطابق تشکر و امتنان کی قرارداد منظور کی اگرچہ بعض مقامات پر کانگریس کے مسلمان پٹھوؤں نے اپنے آقایانِ ولی نعمت کا حقِ نمک ادا کرنے کے لیے کانگریس کی تعریف وتوصیف بھی کرنی چاہی، یہ امر ہمارے لیے غیر متوقع نہ تھا، نہ ہی تعجب انگیز لیکن مسلمانوں کی عظیم اکثریت کے نقارخانے میں ان کی آواز طوطی کی صدا بن کر رہ گئی اور سب پر ثابت ہو گیا کہ آج ہندوستان کے مسلمان مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہیں، اور کانگریس کی چیرہ دستی کے خلاف احتجاج کرنے میں کاملاً ہم آہنگ واقع ہوئے ہیں، بلکہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تمام اقلیتیں مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور لیگ کے محترم صدر کو اپنے حقوق کا بہترین محافظ سمجھ رہی ہیں۔

اس کے علاوہ یہ امر بے انتہا نازش و افتخار کا موجب ہے کہ مسلمانانِ ہند نے ''یوم نجات'' منانے میں انتہا کی نظم وضبط کا ثبوت دیا اپنے رہنما کے حکم کے مطابق انہوں نے جلسوں اور ہڑتالوں اور نعروں سے اجتناب کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں مسجدوں کے اندر جمع ہوئے۔ عجز و انکسار کے ساتھ سجدۂ شکر ادا کیا اور کانگریسی ہندوؤں اور ان کے پٹھوؤں کی اخباری اور تعزیری اشتعال انگیزیوں کے مقابلے میں کامل صبر و شکیب سے کام لیا، چنانچہ یہ تقریب جس امن و امان سے منائی گئی، اس کی بہت کم مثالیں آل انڈیا تحریکوں میں مل سکیں گی۔ کم از کم کانگریس کے منائے ہوئے ''کئی دنوں'' کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، جن سے اب تک خون ٹپک رہا ہے۔

اچھوتوں، ہندوستانیوں، مسیحیوں، پارسیوں اور مدراس کی جسٹس پارٹی والوں نے ''یوم نجات'' میں مسلمانوں کا ساتھ دیا اور مسٹر جناح کو اپنے لیے طاقت وقوت کا مینار بتایا۔ ہمیں یقین ہے کہ مسٹر جناح ان اقلیتوں کی تائید کی قدر کریں گے اور بہت جلد کوئی ایسی تدبیر اختیار کریں گے، جس سے ملک کی تمام اقلیتوں کو کانگریس کے خلاف ایک پلیٹ فارم پر منظم کیا جا سکے۔ اس قسم کا متحدہ محاذ سب اقلیتوں کے حقوق کے لیے مفید ہوگا۔

اب تو کانگریس ہائی کمانڈ کے اکابر کو واضح طور پر معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسلامی ہند ان کو اور ان کی وزارتوں کو کیا سمجھتا ہے۔ اب وہ زمانہ گزر گیا جب چند مسلمان نیشنلسٹوں کے بل پر عامۃ المسلمین کی رائے سے تغافل کیا جا سکتا تھا، اب مسلمان بیدار ہو چکے ہیں کانگریس کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق کے متعلق ایک ایسا سمجھوتہ کرے، جس سے مسلمانوں کو اپنے مستقبل کے متعلق اطمینان ہو جائے۔ اگر حصولِ آزادی کے لیے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے تو ہندو مسلم اتحاد کے لیے سب سے پہلے کانگریس ہائی کمان کے دماغوں کی درستی لازم ہے جب تک وہ ڈکٹیٹری کی اونچی مسند سے اتر کر مسلمانوں کے ساتھ برابری کی حیثیت میں مفاہمت نہ کریں گے، ہندوستان آزادی کے راستے پر ایک قدم بھی نہ بڑھا سکے گا۔ اب کانگریسی ہندوؤں کو یہ اپنے دماغ سے نکال دینا چاہیے کہ وہ حکومت برطانیہ سے کوئی ساز باز کر کے کوئی ایسا آئین نافذ کرا سکتے

ہیں، جس میں مسلمانوں کے حقوق محفوظ نہ کیے گئے ہوں۔ اس لیے کہ نو کروڑ مسلمان اگر منظم ہوں گے تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں حقوق سے محروم نہیں رکھ سکے گی۔ انگریز اس حقیقت کو سمجھ چکا ہے، ہندو بھی سمجھ لے۔" (روزنامہ انقلاب، اشاعت 28 دسمبر 1939ء)

کانگریس، لیگ سکیم

کانگریس کا اجلاس لکھنؤ جس میں "میثاق لکھنؤ" "لکھنؤ پیکٹ" معرض وجود میں آیا۔ اس اجلاس میں کم وبیش 5000 مندوبین اور ان سے کہیں زیادہ سامعین نے شرکت کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک قرارداد کے ذریعے مطالبہ کیا:

"معاہدہ لکھنؤ کی اصلاحات پر عملدرآمد کیا جائے۔"

اس مطالبہ کو زبردست پذیرائی حاصل ہوئی۔ چند دن بعد انہوں نے وہی قرارداد مسلم لیگ کے جلسہ میں پیش کی جس میں کہا گیا تھا:

"یہ اجلاس پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت بلاتاخیر ایک بل اسمبلی میں پیش کرے جس میں دسمبر 1916ء کی "کانگریس لیگ اسکیم" میں منظور کردہ اصلاحات شامل ہوں۔ یہ نمائندہ حکومت کی جانب پہلا قدم ہوگا۔"

جوں جوں نمائندہ حکومت کے روشن امکانات قریب آتے گئے۔ بہت سے مسلم لیگی زعما کی یہ تشویش بڑھتی گئی کہ ہندو اکثریت ان کے مفادات کو پس پشت ڈال دے گی۔

قائداعظم محمد علی جناح انہیں یقین دلاتے تھے:

"ایسا نہیں ہوگا۔"

ان کا استدلال یہ تھا:

"اگر نو کروڑ مسلمان کسی قانون کو منظور نہیں کرتے جسے بیلٹ بکس کے ذریعے پاس کرنا ہوگا تو آپ کا کیا خیال ہے۔ وہ پاس ہوسکتا ہے اور اسے ملک میں نافذ کیا جاسکتا ہے یا مسلمانوں کو اس تشویش میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ ہندو جو اکثریت میں ہیں، کوئی قانون نافذ کرسکتے ہیں۔ انہوں نے ایسا کیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

وہ مسلم لیگ کے ارکان کو زور دے کر نصیحت کرتے تھے:

"اپنے "دشمنوں" سے نہ ڈرو، ہندوؤں کے ساتھ تعاون کرنے سے نہ کتراؤ، کیونکہ حکومت خوداختیاری کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے۔"

کانگریس میں شمولیت

برصغیر کی سیاست کے بارے میں پہلی بات جو قائداعظم محمد علی جناح کے کانوں میں پڑی، وہ انڈین نیشنل کانگریس کی تھی، بمبئی کے اخبار "انڈین ریویو" نے سب سے پہلے 1905ء میں ان کا بطور کانگریسی مسلمان ذکر کیا اور ان کی سیاسی جرأت اور سمجھ کی تعریف کی۔ دادا بھائی نوروجی ان کی صلاحیت سے اچھی طرح واقف تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح دادا بھائی نوروجی اور گوپال کرشن گوکھلے سے متاثر تھے۔

1906ء میں انہوں نے آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی، 1906ء میں باقاعدہ کانگریس کے رکن بن کر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے۔ دسمبر 1906ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں ہوا، اس کے صدر دادا بھائی نوروجی تھے اور قائداعظم محمد علی جناح ان کے سیکرٹری تھے۔

کانگریس کے سالانہ اجلاس میں یہ قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی شرکت تھی۔ اجلاس کی کارروائی میں آپ نے بھی حصہ لیا اور پہلی بار تقریر کی۔ ان کی پہلی تقریر مسلم اوقاف کے بارے میں تھی۔ انہوں نے وقف کی تاریخ بیان کی اور قانونی نکات

اور فنی پہلوؤں پر بحث کی۔ ان کا دوسرا موضوع قومی تعلیم اور تیسرا حکومت خود اختیاری تھی۔ اس تقریر کی بدولت برصغیر میں آپ کو کافی شہرت ملی، یہ حسن اتفاق تھا کہ ان کی پہلی تقریر مسلم مفادات کے بارے میں تھی۔

کانگریسی راہنماؤں کی خط و کتابت قائداعظم:

1977ء میں یہ کتاب سید قائم حسین جعفری نے مرتب کی اور اسے انگریزی زبان میں عزیز پبلشرز اردو بازار لاہور نے شائع کیا۔

اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح ابتداء میں ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی اور مبلغ تھے، لیکن ہندو ذہنیت کی تنگ نظری اور تعصب نے انہیں وہ راستہ چھوڑ کر مسلمان قوم کی علیحدہ تنظیم اور ان کے لیے الگ وطن کے حصول کا مطالبہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ کانگریسی لیڈروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ کسی طرح قائداعظم محمد علی جناح کو مطالبہ پاکستان سے روکا جائے، لیکن ان کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی۔ اس سلسلے میں ان کی جو خط و کتابت قائداعظم محمد علی جناح سے ہوئی۔ زیر نظر کتاب اس کا ایک مختصر مجموعہ ہے۔ اس سے کانگریسی رہنماؤں اور قائداعظم محمد علی جناح کے نقطہ نظر کو سمجھنے میں خاصی مدد ملتی ہے۔ تاریخ دانوں اور محققین کے لیے یہ کتاب ایک عمدہ دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔

کانگریسی مسلمان

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے ایک خطبہ میں کانگریسی مسلمانوں کے بارے میں یہ فرمایا تھا:

"کانگریسی خیال کہ مسلمان اس بات کی اشاعت کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو غیر مشروط طور پر کانگریس کے حلقے میں آ جانا چاہئے تھا، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ان کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ اگر مسلمان اس فریب کا شکار ہو گئے تو سمجھ لیجئے کہ ان کی قومی ہستی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔"

کانگریسی مولوی

روزنامہ انقلاب اپنی اشاعت 3 اپریل 1936ء کے اداریہ میں لکھتا ہے:

"دہلی میں جہاں آل انڈیا مسلم کانفرنس مرکزی جمعیۃ العلماء ہند اور جمعیۃ تبلیغ صوبہ کے اجلاس منعقد ہوئے وہاں کانگریسی جمعیۃ العلماء نے بھی اپنا ایک جلسہ کیا۔ جس میں خدا جانے کس خیال سے ان کانگریسی مولویوں نے مسٹر محمد علی جناح کو تقریر کرنے کی دعوت دے دی، حالانکہ یہ "طائرانہ سدرۂ حریت" کسی "تعاون پسند" یا "عافیت کوش" یا "آئین پرست" کی تقریر سننا تو درکنار شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اب دربار ملت اسلامیہ کے ساتھ اپنا رشتہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیڈر کو اپنے اجلاس میں دعوت دے رہے ہیں بہرحال یہ آثار بہت اچھے ہیں۔ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آ جائے تو غنیمت ہے۔"

"کانگریسی مولویوں نے ہمیشہ حقوق اسلامی کی تحریک کے خلاف آواز بلند کی۔ مسلمانوں کے خیر خواہ رہنماؤں اور کارکنوں کو "فرقہ پرست" کا لقب دیا۔ وہ فرقہ وارانہ فیصلہ کو اب تک زہر کا پیالہ فرما رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم اور ان کے حقوق کی حفاظت کو لغو سمجھتے ہیں اور کانگریس میں شامل ہونے کی دن رات تلقین کیا کرتے ہیں۔ مسٹر جناح نے اپنی تقریر میں فرمایا:

''مجھے فرقہ پرست کہا جاتا ہے کیونکہ میں اپنی قوم کے لیے سامان حفاظت کا طالب ہوں۔ مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کوئی مذہبی معاملہ نہیں بلکہ خالص سیاسی مسئلہ ہے۔ ایسے مسائل پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولکوں میں بھی پیدا ہوتے رہے ہیں، حالانکہ دونوں ایک ہی مذہب مسیحی سے تعلق رکھتے تھے۔''

آگے چل کر مسٹر جناح نے حقوق مسلمین کی حفاظت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

''اس ملک میں پہلی مرتبہ ایک نمائندہ حکومت قائم ہو رہی ہے اور اقلیتوں کو قدرتی طور پر خطرات محسوس ہو رہے ہیں کہ نا جانے اکثریت ان سے کیا سلوک کرے گی۔ اکثریتیں ظلم کرسکتی ہیں۔ اقتدار و اختیار لوگوں کو مخمور کرسکتا ہے، لہٰذا جمہوری دستور کی ہر اسکیم میں اقلیتوں کی حفاظت کا سامان لازمی طور پر شامل ہونا چاہئے۔''

یہی وہ حقائق ہیں جن کو ہم گزشتہ آٹھ سال سے روزانہ دہراتے رہے ہیں اور کانگریسی خیال کے مسلمانوں نے ہمیشہ ہمارے ان خطرات کا مضحکہ اڑایا ہے، حالانکہ یہ سیاسی حقائق قوم میں اور ہر زمانے میں مسلم رہے ہیں اور کوئی صحیح الدماغ انسان اقلیتوں کے تحفظ کی ضرورت سے انکار نہیں کرسکتا۔ مسٹر جناح نے ہندوؤں کو یہ مشورہ دیا کہ فرقہ وار فیصلے پر بحث واختلاف کا دروازہ سرِ دست بند کردیا۔ خدا نے چاہا تو ہم کسی وقت اس سے بہتر تصفیہ کرسکیں گے۔ فی الحال آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے والے اہم تر مسائل پر توجہ دو۔ آخر میں مسٹر جناح نے کانگریسی مولویوں کو نہایت تیز دار الفاظ میں تلقین کی کہ وہ ہندوؤں کے طعن و تشنیع سے متاثر ہو کر اپنی قوم کی سیاسی حفاظت کا خیال ترک نہ کردیں۔''

انہوں نے فرمایا:

''لازم ہے کہ ہم اپنی ملت کے فوائد کا لحاظ کریں۔ اگر آپ حضرات نے اس سلسلے میں بہترین کوشش نہ کی تو آپ ناکام رہیں گے اور آپ کو کوئی وقعت حاصل نہ ہوگی اور کوئی شخص آپ کی بات تک نہ پوچھے گا، لہٰذا آپ اپنے آپ کو منظم کیجئے۔ اپنی ملت کی خاطر کام کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ ایسے اشخاص کو فرقہ پرست کہہ کر رسوا کرنے کا فیشن ہوگیا ہے، لیکن میں اس بنا پر فرقہ پرست کہلوانے سے ڈرتا نہیں ہوں کہ میں نے اپنی ملت کی مدد کی ہے۔ فرقہ پرست ہونے کے طعن و تشنیع پر کان نہ دھریے۔ میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کی مدد اس لیے کررہا ہوں کہ اگر وہ زیادہ منظم ہوگئے تو قومی جدوجہد کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔''

ہمیں مسٹر جناح کے ایک ایک لفظ سے اتفاق ہے۔ کانگریسی مولویوں کو چاہئے کہ وہ صرف اپنے آپ کو حریت طلبی کا واحد اجارہ دار نہ سمجھ لیں۔ ہر ہندوستانی آزادی کا طلب گار ہے، لیکن اپنی قوم کے حقوق کو محفوظ کرنا قوم پرستی اور حریت خواہی کے منافی نہیں ہے، بلکہ مختلف قومیں جس قدر مضبوط ہوتی جائیں گی اس قدر وہ جہادِ حریت میں مفید ثابت ہوں گی۔ خدا کرے مسٹر جناح کی صدائے حق کانگریسی مولویوں کے قلوب پر اثر کرے اور آئندہ مسلمانوں کی خدمت واعانت کو ہندوؤں کی رضا جوئی پر ترجیح دینے کا شعار اختیار نہ کریں۔''

(روزنامہ انقلاب، اشاعت 3، اپریل 1936

کانیا، مسٹر جسٹس

1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح ایک مقدمے کے سلسلے میں مسٹر جسٹس کانیا کی عدالت میں پیش ہوئے تھے حالانکہ قائداعظم محمد علی جناح اپنے موکل کے مقدمے کے فیصلے کے بارے میں پرامید نہ تھے، اور انہوں نے اس کا اظہار اپنے موکل ہندو تاجر سے بھی کر دیا تھا لیکن وہ نہ مانا۔ بالآخر قائداعظم محمد علی جناح عدالت میں پیش ہوئے، اور حسب توقع فیصلہ موکل کے خلاف ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے عدالت میں بیٹھے ہوئے اپنے موکل سے کہا:

''میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ اس ذلیل کورٹ کے سامنے مجھے مت لے جاؤ مگر تم نہ مانے اب نتیجہ سامنے ہے۔''

اتفاق سے جسٹس کانیا نے یہ الفاظ سن لیے اور قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''ابھی تم نے اپنے موکل سے کچھ کہا تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے پوچھا:

''کیا یورلارڈ شپ کو اس گفتگو سے دلچسپی ہے جو وکیل اپنے مؤکل سے کرتا ہے؟''

اس پر جسٹس کانیا نے اثبات میں جواب دیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے وہی الفاظ دہرائے اور جسٹس کانیا ایڈووکیٹ جنرل سے پوچھنے میں مصروف ہو گیا کہ کیا ان الفاظ سے عدالت کی توہین ہوتی ہے۔

کاؤنٹی کونسل لندن

1956ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی لندن رہائش گاہ پر ایک یادگار تختی لگائی جس پر لکھا تھا ''کاؤنٹ کونسل لندن''۔

کبریا، عنایت

وہ سرحد مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری تھے۔ 1943ء میں انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو اپنے ایک خط میں لکھا:

''ہم نے سرحد مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی تنظیم کر لی ہے اور اس میں بڑی حد تک ہمیں کامیابی ہوئی ہے، لیکن ہمارے سامنے بعض بنیادی مشکلات ہیں جن پر قابو پانا باقی ہے۔''

عنایت کبریا نے اپنے خط میں قائداعظم محمد علی جناح کو یقین دلایا:

''مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان کے مطالبے پر یقین رکھتی ہے اور اس کی تائید کرتی ہے، قائداعظم محمد علی جناح سے ہدایت حاصل کرتی ہے لیکن مقامی لیڈروں سے اسے کوئی علاقہ نہیں، دوسرے صوبوں کی طرح صوبہ سرحد میں بھی طلباء اور مسلم لیگ اور اس کے مخالفوں پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے جس پدرانہ شفقت کا اظہار کیا ہے طلباء اس کے لیے بے حد ممنون ہیں۔''

4 جون 1945ء کو عنایت کبریا نے پھر قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا:

''حال ہی میں جو واقعات پیش آئے وہ ہمارے قومی وقار پر براہ راست حملہ ہیں۔''

کپورتھلہ

16 نومبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح تین بجے جالندھر سے کپورتھلہ پہنچے تو اہالیان کپورتھلہ نے قائداعظم محمد علی جناح کا شاندار استقبال کیا۔ جامعہ مسجد میں کپورتھلہ کے

عوام نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ ساڑھے چار بجے وزیراعظم کپورتھلہ خان بہادر عبدالعزیز نے قائداعظم محمد علی جناح کو چائے پر مدعو کیا۔ اسی روز قائداعظم محمد علی جناح کپورتھلہ سے لاہور روانہ ہو گئے۔ راستے میں امرتسر میں مختصر قیام کیا۔

کتب

قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر یوں تو کتب کی تعداد ڈیڑھ دوسو کے لگ بھگ ہے، لیکن لائبریریوں میں اس وقت جو کتب دستیاب ہیں یہاں ان کے نام دیے جا رہے ہیں۔

1۔ ''ارشادات قائداعظم'' 1976ء نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی۔

2۔ ''اشاریہ قائداعظم 1976ء'' پروفیسر احمد سعید، نیشنل بک فاؤنڈیشن۔

3۔ ''افکار قائداعظم'' 1976ء محمود عاصم مکتبہ عالیہ لاہور۔

4۔ ''اقبال، قائداعظم اور پاکستان'' راجا رشید محمود، نذیر سنز پبلشرز لاہور۔

5۔ ''امیر پاکستان...... ارشادات قائداعظم'' عارف بٹالوی

6۔ ''بچوں کے قائداعظم'' افضال احمد، رنگا رنگ کتاب کلب کراچی۔

7۔ ''بے تیغ سپاہی'' نواب صدیق علی خاں، الائیڈ بک کارپوریشن کراچی۔

8۔ بطل مغفور

9۔ ''بیاد قائداعظم'' خواجہ ظفر نظامی، مکتبہ شاہکار لاہور۔

10۔ ''پنجاب کی کہانی قائداعظم کی زبانی'' محمد حنیف شاہد، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔

11۔ ''تاریخ میں قائد کا مقام'' شریف المجاہد

12۔ ''تعلیمات قائداعظم'' کلیم نشتر، مکتبہ عالیہ لاہور۔

13۔ ''حالات قائداعظم'' خالد اختر افغانی، آتش فشاں پبلی کیشنز، لاہور۔

14۔ ''حیات قائداعظم کے چند نئے پہلو'' احمد سعید، قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ اسلام آباد۔

15۔ ''حیات قائداعظم'' امین نواز، شعاع ادب لاہور۔

16۔ ''خطبات قائداعظم'' رئیس احمد جعفری، مقبول اکیڈمی لاہور

17۔ ''رہبر فرزانہ'' یوسف عزیز، مجید بک ڈپو فیصل آباد۔

18۔ ''روشنی کا مینار'' صغیرہ بانو شیریں، مکتبہ عالیہ لاہور۔

19۔ ''زندہ قائداعظم''، منظور احسن عباسی، مکتبہ شاہکار لاہور۔

20۔ ''ساڈا بابا جناح'' (پنجابی)۔ ڈاکٹر جاوید سوز، بک کارنر چوک فیصل شہید جہلم

21۔ ''ساڈا جناح''، ایم ایس ناز، مقبول اکیڈمی لاہور۔

22۔ ''طلباء اور تعلیم'' ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، قائداعظم اکیڈمی کراچی۔

23۔ ''عظمت گہوارے میں'' انتظار حسین، سجاد رضوی، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور۔

24۔ ''عظیم رہنما اور عظیم شہر'' عتیق ظفر شیخ۔ اشرف علی، ملک محمد ریاض، قومی ادارہ برائے تحفظ دستاویزات اسلام آباد۔

25۔ ''عظیم قائد'' نواب زادہ محمود علی خاں، ادارہ تحقیقات پاکستان لاہور۔

26۔ ''قائداعظم'' ۔ م ع سلام، آئینہ ادب لاہور۔

27۔ ''قائداعظم'' ۔ بلیغ الدین جاوید، سفینہ ادب لاہور۔

28۔ ''قائداعظم'' چراغ حسن حسرت، مکتبہ کاروان لاہور۔

29۔ ''قائداعظم'' (پشتو) احسان اللہ۔

30۔ ''قائداعظم ابتدائی تیس سال'' رضوان احمد، جنرل نالج اکیڈمی کراچی۔

31۔ ''قائداعظم اپنی بہن کی نظر میں'' طاہر اسدی، مکتبہ صحافت

لاہور
32۔ ''قائداعظم ارشادات و اقتباسات'' تحقیق نذیر سنز پبلشرز لاہور۔
33۔ ''قائداعظم افکار و کردار'' راجا رشید محمود، نذیر سنز پبلشرز لاہور۔
34۔ ''قائداعظم ایک سوانح'' آغا اشرف بساطِ ادب لاہور۔
35۔ ''قائداعظم اور پاکستان'' عبدالسلام خورشید۔
36۔ ''قائداعظم ایک آئین پسند کی حیثیت سے'' محمود علی۔
37۔ ''قائداعظم اور اسلامی طاقت'' احمد سعید
38۔ ''قائداعظم اور آزادی کی تحریک'' پروفیسر جیلانی کامران، مجلس ترقی ادب لاہور۔
39۔ ''قائداعظم اور اردو'' (کتابچہ)، دیال سنگھ کالج لاہور۔
40۔ ''قائداعظم اور ان کا عہد'' رئیس احمد جعفری، مقبول اکیڈمی لاہور۔
41۔ ''قائداعظم اور تحریک پاکستان'' ڈاکٹر وحید قریشی، مکتبہ عالیہ لاہور۔
42۔ ''قائداعظم اور پاکستان'' (کتابچہ) مولانا محمد بخش مسلم، محکمہ اوقاف لاہور۔
43۔ ''قائداعظم اور راولپنڈی'' منظور الحق صدیقی قومی ادارہ برائے تحقیق و ثقافت اسلام آباد۔
44۔ ''قائداعظم اور سرحد'' عزیز جاوید، ادارہ تحقیق و تصنیف پشاور۔
45۔ ''قائداعظم اور لائل پور'' ڈاکٹر معین الرحمٰن، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔
46۔ ''قائداعظم اور مسلم پریس'' (جلد اول) احمد سعید، ایجوکیشنل ایمپوریم لاہور۔
47۔ ''قائداعظم اور ہم'' حافظ امرتسری، ہما عظیم پبلشر لاہور۔
48۔ ''قائداعظم اور مسلم طلباء'' ۔ زہیر صدیقی۔
49۔ ''قائداعظم اور مسلم خواتین'' ۔ مختلف احباب۔
50۔ ''قائداعظم بحیثیت سربراہ مملکت'' ۔ کلیم نشتر، مکتبہ عالیہ لاہور۔
51۔ ''قائداعظم پر قاتلانہ حملہ'' ۔ محمد حنیف شاہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔
52۔ ''قائداعظم حیات و خدمات'' شریف المجاہد، خواجہ رضی حیدر، قائداعظم اکیڈمی کراچی۔
53۔ ''قائداعظم جناح'' ایک قوم کی سرگزشت۔ جی الانا، فیروز سنز لاہور۔
54۔ ''قائداعظم جیسا میں جانتا ہوں'' ایم اے ایچ اصفہانی، آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور۔
55۔ ''قائداعظم خطوط کے آئینے میں'' خواجہ رضی حیدر، نفیس اکیڈمی کراچی۔
56۔ ''قائداعظم سیرت و کردار کے آئینے میں'' زاہد حسین انجم الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور۔
57۔ ''قائداعظم پر منظومات کا مجموعہ'' محمود الرحمٰن، تابش صدیقی۔
58۔ ''قائداعظم جناح اور تعمیر ملت'' کونسل برائے پاکستان سٹڈیز کراچی۔
59۔ ''قائداعظم دی سوچ'' مسعود منور، پنجابی ادبی بورڈ لاہور
60۔ ''قائداعظم سوچ تے سیاست'' رفیق ڈوگر، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور۔
61۔ ''قائداعظم چند یادیں چند باتیں'' آفتاب احمد، گفتار پبلشرز کراچی۔
62۔ ''قائداعظم غلط بیانیاں اور حقائق'' ڈاکٹر وحید الزمان
63۔ ''قائداعظم کا اسلامی کردار'' کرم حیدری، مطبوعات حرمت راولپنڈی
64۔ ''قائداعظم کا بچپن'' وحید قیصر، مکتبہ عالیہ لاہور

65۔ ''قائداعظم کا پیغام'' سید قاسم محمود، پاکستان اکیڈمی لاہور
66۔ ''قائداعظم کا مذہب اور عقیدہ'' منشی عبدالرحمن، کاروان ادب ملتان
67۔ ''قائداعظم'' محمد رضی الدین، پبلشرز گرین ہاؤس لاہور
68۔ ''قائداعظم'' انور حارث، بروک بانڈ لمیٹڈ
69۔ ''قائداعظم'' محمد اشرف عطا، ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور
70۔ ''قائداعظم'' اعجاز احمد، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
71۔ ''قائداعظم اور اصفہانی خط وکتابت'' کراچی
72۔ ''قائداعظم اور اقبال'' احمد سعید، مکتبہ احیاء العلوم شرقیہ لاہور
73۔ ''قائداعظم اور اقلیتیں'' چمن لعل، کنڈیارو، مالمیک اکیڈمی سکھر
74۔ ''قائداعظم اور صحافت'' اشتیاق اظہر، میزان ادب کراچی
75۔ ''قائداعظم اور صوبہ سرحد'' محمد شفیع صابر، یونیورسٹی بک ایجنسی پشاور
76۔ ''قائداعظم اور طلوع اسلام'' بزم طلوع اسلام کراچی
77۔ ''قائداعظم اور مسلم اقتصادیات کا احیاء'' محمود علی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد
78۔ ''قائداعظم پر قاتلانہ حملہ'' منیر احمد منیر، آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور
79۔ ''قائداعظم کی ابتدائی زندگی'' حمید احمد خان
80۔ ''قائداعظم کے چودہ نکات'' ڈاکٹر حمیدہ کھوڑو
81۔ ''قائداعظم کشمیر میں'' خواجہ غلام دین دانی
82۔ ''قائداعظم کے تصور کا پاکستان'' غلام احمد پرویز، لاہور
83۔ ''قائداعظم کی باتیں'' فرزانہ یاسمین، مکتبہ عالیہ لاہور
84۔ ''قائداعظم کی تصویر'' آغا اشرف، علیم پبلشرز لاہور
85۔ ''قائداعظم کی خوشبو'' سیماب اکبر آبادی، جناح لٹریری اکیڈمی کراچی
86۔ ''قائداعظم کی ڈائری'' منصور احمد بٹ، مثالی پبلی کیشنز لاہور
87۔ ''قائداعظم کے آخری ایام'' کرنل الٰہی بخش، ''قائداعظم اکادمی کراچی
88۔ ''قائداعظم محمد علی جناح کی نجی زندگی کے دو اہم پہلو'' شریف الدین پیرزادہ ترجمہ قاضی عبدالسلیم، شعبہ تصنیف و تالیف وترجمہ کراچی یونیورسٹی
89۔ ''قائداعظم کے ۷۲ سال'' خواجہ رضی حیدر، نفیس اکیڈمی کراچی
90۔ ''قائداعظم معمار پاکستان'' سجاد باقر رضوی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔
91۔ ''قائداعظم محمد علی جناح'' سعید بخش، آئینہ ادب لاہور
92۔ ''قائداعظم محمد علی جناح'' مقبول انور داؤدی، فیروز سنز لاہور
93۔ ''قائداعظم مسلم پریس کی نظر میں'' احمد سعید، قائداعظم اکادمی کراچی
94۔ ''قائداعظم کے مہ وسال'' محمد علی چراغ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور۔
95۔ ''قائداعظم میری نظر میں'' ذکریا ساجد، ''قائداعظم اکادمی کراچی۔
96۔ ''قائداعظم ہم عصروں کی نظر میں'' جمیل الدین احمد۔
97۔ ''قائداعظم معاصرین کی نظر میں'' مصباح الحق صدیقی تسنیم کوثر گیلانی، شہزاد پبلشرز لاہور۔
98۔ ''قائداعظم محمد علی جناح'' فوٹوؤں کی البم، وزارت اطلاعات حکومت پاکستان
99۔ ''قائدین کے خطوط جناح کے نام''۔ عبدالرحمن سعید، حیدر آباد دکن بھارت۔
100۔ ''قائداعظم سیرت وسوانح'' ممتاز لیاقت، مکتبہ عالیہ لاہور



قائداعظمؒ کی یہ یادگار تصویر قیامِ بمبئی کے زمانہ میں اُتاری گئی۔

101۔ ''قائداعظم اور نئی نسل'' ۔محمود عاصم، مکتبہ عالیہ لاہور۔
102۔ ''قائداعظم پر کتابوں کی ڈائریکٹری'' عبدالستار چودھری، نیشنل بک کونسل لاہور۔
103۔ ''قائداعظم کا آخری دورہ دکن'' مولانا مظہر علی کامل
104۔ ''گفتار قائداعظم'' احمد سعید، قومی کمیشن برائے تحقیق و ثقافت اسلام آباد۔
105۔ ''گفتار و کردار قائداعظم'' سعید راشد، مکتبہ میری لائبریری لاہور
106۔ ''محمد بن قاسم سے محمد علی جناح تک'' شفیق بریلوی، نفیس اکیڈمی کراچی
107۔ ''محمد علی جناح''ہیکٹر بولائتھو، مرکزی اردو بورڈ لاہور۔
108۔ ''محمد علی جناح قائداعظم'' آغا حسین ہمدانی، نوید نور راولپنڈی
109۔ ''مرقع قائداعظم'' آغا اشرف، مقبول اکیڈمی، لاہور
110۔ ''ملت کا پاسبان'' کرم حیدری، قائداعظم اکادمی کراچی
111۔ ''میراث قائداعظم'' ۔ جاوید اقبال، فیروز سنز لاہور
112۔ ''میرا بھائی۔ فاطمہ جناح'' آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور
113۔ میر کاروان، مجید بک ڈپو فیصل آباد
114۔ ''ہمارا قائد پیارا قائد'' ضیا ساجد، علیم پبلشرز لاہور
115۔ ''نقوش قائداعظم'' پروفیسر رحیم بخش شاہین۔
116۔ ''ہمارے قائداعظم'' خورشید احمد انور، ینگ پیپل پبلشنگ لاہور
117۔ ''نقوشِ قائداعظم''، منصور احمد بٹ، بٹ پبلشرز، لاہور
118۔ ''ہمارے قائد، محمد علی جناح'' منظور حسین عباسی، ہجری مطبوعات اسلام آباد
119۔ ''وہ رہبر ہمارا وہ قائد ہمارا'' ناصر زیدی، نیشنل بک فاؤنڈیشن۔
120۔
121۔
122۔
123۔
124۔
125۔
126۔
127۔ ''قائداعظم محمد علی جناح حیات و خدمات'' رضوان احمد مجاہد، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، لاہور
128۔ ''قائداعظم کو کس نے مارا حقائق کی روشنی میں'' عبدالستار چودھری، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور
129۔ ''قائداعظم کوئز'' صائمہ بٹ، بمیرا بٹ، تخلیقات، لاہور
130۔ ''قائداعظم کوئز'' شاہد احسان، کانٹی نینٹل سٹار پبلشرز، لاہور
131۔ ''قائداعظم اور پاکستان تاریخی دستاویزات کی روشنی میں'' محمد حنیف شاہد، نشریات لاہور
132۔ ''قائداعظم کا تصور پاکستان'' سرفراز حسین مرزا، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، لاہور
133۔ ''قائداعظم محمد علی جناح'' انیس خورشید، قائداعظم اکادمی، کراچی
134۔ ''اجالوں کا سفیر'' تبسم ہارون الرشید، القلم پبلشرز، لاہور
135۔ ''قائداعظم محمد علی جناح (حیات و خدمات)'' رضوان احمد مجاہد، نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن، لاہور
136۔ ''قائداعظم محمد علی جناح نابغہ عصر'' شمیم محمود زیدی، مرکز تخلیقات اردو فارسی، گوپال پور
137۔ ''قائداعظم کے آخری پچاس دن اور ان کے ذاتی معالج'' خالد محمود ربانی، پاکستان سٹڈی سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
138۔ ''قائداعظم کی شاندار قیادت'' احمد بشیر، شیما مجید، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، لاہور

139۔ ''قائداعظم کی شخصیت کے روحانی پہلو'' حبیب اللہ ملک، گوہر سنز، لاہور

140۔ ''قائداعظم کی نظر میں عورت کا مقام'' سرفراز قمر، طاہرہ بشارت، ادارہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور

141۔ ''قائداعظم کے فرمودات سے اخذ کردہ اقوالِ زندہ'' رفیق احمد، نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن لاہور

142۔ ''قائداعظم کے تعلیمی افکار'' سرفراز حسین مرزا، نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن لاہور

143۔ ''قائداعظم کے دستِ راست'' محمد حنیف شاہد، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور

144۔ ''معلوماتِ قائداعظم'' یونس ادیب، زیڈ اے پبلشرز، لاہور

145۔ ''مکاتیب قائداعظم کا سیاسی و تاریخی پس منظر'' معراج نیر، الوقار پبلی کیشنز، لاہور

146۔ ''ہمارے قائداعظم'' سید نظر زیدی، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، لاہور

147۔ ''کشمیر قائداعظم کے اعلانات اور بیانات کی روشنی میں'' صائمہ رزاق، خواجہ شکیل احمد، شعبہ کشمیریات اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی لاہور

148۔ ''قائداعظم کے ارشادات کی روشنی میں ایک اسلامی جمہوری اور فلاحی ریاست کیسے بنے'' محمد حنیف شاہد، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، لاہور

149۔ ''تاریخ مشاہدات و واقعات'' کے ایچ خورشید، ثریا خورشید، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، لاہور

150۔ ''حضرت قائداعظم کے حضور'' محمد مظفر مرزا، ملٹی میڈیا افیئرز، لاہور

151۔ ''بابائے قوم'' سعادت حسین رضوی، علی مرکز، کراچی

152۔ ''بابائے قوم (قائداعظم محمد علی جناح)'' حمید اللہ شاہ ہاشمی، محبوب بکڈپو لائل پور

153۔ ''حیاتِ قائداعظم ایک نظر میں'' غلام حسین ذوالفقار، نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن لاہور

154۔ ''ارشاداتِ قائداعظم'' زوار حسین زیدی، قائداعظم پیپرز ونگ، اسلام آباد

155۔ ''رحمت اللعالمین قائداعظم کی نظر میں'' محمد حنیف شاہد، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، لاہور

156۔ ''فرموداتِ قائداعظم روش روش روشن'' سردار محمد چودھری، نظریہ پاکستان فاؤنڈیشن، لاہور

157۔ ''قائداعظم افکار و نظریات'' طارق صادق حسین، بک سنٹر راولپنڈی

158۔ ''بے مثال شخصیت، درخشاں کرداری جھلکیاں'' سلیم چودھری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

159۔ ''عظمت کے گہوارے میں'' انتظار حسین، پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

160۔ ''قائداعظم ایک ہمہ گیر شخصیت'' محمد عثمان جان، بیکن بکس ملتان

161۔ ''قائداعظم سے جنرل پرویز مشرف تک'' ڈاکٹر شاہد مختار، شاہد بک سنٹر، لاہور

162۔ ''قائداعظم اور نظریۂ پاکستان'' شفیق احمد عزیز، نیشنل بک فاؤنڈیشن، کراچی

163۔ ''قائداعظم سے غلام اسحاق خان تک'' ڈاکٹر شاہد مختار، شاہد بک سنٹر، لاہور

164۔ ''قائداعظم کا پیغام طلبہ کے نام'' محمد حنیف شاہد، انٹرنیشنل اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، لندن

165۔ ''قائداعظم کا تصور پاکستان'' مجید نظامی، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، لاہور

166۔ ''قائداعظم (ابتدائی تیس سال)'' رضوان احمد، آتش

فشاں پبلی کیشنز، لاہور
167۔ ''قائداعظم'' مقبول انور داؤدی، فیروز سنز لاہور
168۔ ''قائداعظم افکار و نظریات'' صادق حسین طارق، بک سنٹر راولپنڈی
169۔ ''اقبال اور قائداعظم'' احمد سعید، اقبال اکادمی، لاہور
170۔ ''قائداعظم افکار و کردار'' رشید محمود
171۔ ''قائداعظم اور قیامِ پاکستان'' فخر الدین صدیقی، نیو بک پیلس، لاہور
172۔ ''قائداعظم اور گاندھی'' محمد مظفر مرزا، بزم اقبال، لاہور
173۔ ''قائداعظم اور تحریک سکاؤٹنگ'' پوش کمال لودھی، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد
174۔ ''قائداعظم اور کشمیر'' نوید اقبال وڑائچ، محمد یوسف بخاری، اورینٹل کالج جامعہ پنجاب، لاہور
175۔ ''قائداعظم ایک مورخ اور بیورو کریٹ کے درمیان'' حیدر جاوید، فکشن ہاؤس، لاہور
176۔ ''قائداعظم اور مسلم پریس'' سرفراز حسین مرزا، نظریہ پاکستان ٹرسٹ، لاہور
177۔ ''قائداعظم تے سرائیکی زبان و ادب'' طاہر تونسوی، سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان
178۔ ''قائداعظم'' شریف فاروق، مکتبہ اتحاد، پشاور
179۔ ''اقبال کے خطوط قائداعظم کے نام'' سر محمد اقبال، محمد جہانگیر عالم، محبوب بکڈپو، لائل پور
180۔ ''قائداعظم تحریکِ پاکستان اور صحافی'' انعام الحق کوثر، سیرت اکیڈمی، کوئٹہ
181۔ ''قائداعظم سوچ تے سیاست'' رفیق ڈوگر، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور
182۔ ''قائداعظم جناح برصغیر کا مردِ حریت'' شریف فاروق، مکتبہ اتحاد، پشاور
183۔ ''قائداعظم حیات و خدمات'' شریف المجاہد، قائداعظم اکادمی، کراچی
184۔ ''قائداعظم محمد علی جناح (ماہ و سال کے آئینے میں)'' ہمایوں ادیب، نظریہ پاکستان ٹرسٹ لاہور
185۔ ''گفتار قائداعظم'' احمد سعید، قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ وثقافت، اسلام آباد

کتبہ

مزارِ قائداعظم پر اردو یا انگریزی میں کوئی کتبہ نہیں لگایا گیا۔ 1986ء میں وفاقی حکومت وزارت بلدیات میں اردو انگریزی میں مزار قائداعظم کا کتبہ مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تھی جس نے کتبے کی عبارت مذکورہ وزارت کو بھیج دی۔

کچلو، ڈاکٹر سیف الدین

وہ آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکریٹری اور بعدازاں آل انڈیا کانگریس کے رکن بن گئے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا جو اجلاس 30، 31 مارچ 1929ء کو دہلی میں منعقد ہوا اس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ اس اجلاس میں متفقہ طور ایک قرارداد پیش کی گئی، جس میں چودہ نکات کو بطور ضمیمہ بھی پیش کیا گیا تھا۔

اس قرارداد میں کہا گیا تھا:

> ''قائداعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات پر کسی قسم کا کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا، اور جب تک چودہ نکات کو تسلیم نہ کیا جائے اس وقت تک مسلمان کسی دستور حکومت پر رضامند نہ ہوں گے۔''

اس قرارداد کی حمایت درج ذیل اصحاب نے کی، مولا ابوالکلام آزاد، مفتی کفایت اللہ۔ نصرت احمد خان شیروانی اور،

ڈاکٹر سیف الدین کچلو۔

سیف الدین کچلو 25 جنوری 1886ء کو عزیز الدین کے ہاں پیدا ہوئے۔ انہوں نے امرتسر، علی گڑھ، کیمبرج اور جرمنی میں تعلیم مکمل کی۔ وہیں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ 1912ء میں وطن واپس آ کر پریکٹس شروع کی۔ انجمن اسلامیہ امرتسر کے کاموں میں خاص دلچسپی لینے لگے۔ رولٹ ایکٹ کے خلاف سرگرمیوں میں حصہ لینے پر گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور بیس سال قید کی سزا ہوئی لیکن جلد رہا ہو گئے، پھر ترک موالات کی تحریک میں حصہ لیا، اور کراچی میں تقریر کرنے کے الزام میں دو سال قید کاٹی۔

پہلے آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکرٹری رہے پھر کانگریس سے وابستگی اختیار کر لی اور وفات تک کانگریس سے وابستہ رہے۔

تقسیم ملک پر امرتسر سے دہلی چلے گئے۔ وہیں تجارت کے پیشے کو اپنایا۔ حکومت روس نے انہیں امن کے لیے لینن انعام دیا۔ گویا بنیادی طور پر کمیونسٹ تھے اور عمر بھر دین بیزاری کے عمل پر کاربند رہے۔

ان کا 27 اپریل 1962ء کو ہوا۔

کچھ، ریاست

(دیکھیے: کریم بھائی)

کیدار ناتھ

یہ وہ بد بخت انسان تھا، جو علم الدین شہید کے مقدمہ میں راجپال کے دو عینی شاہدوں میں سے ایک تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح جولائی 1929ء میں لاہور ہائی کورٹ میں مسٹر جسٹس براڈوے اور مسٹر جسٹس جانسٹن کی عدالت میں پیش ہوئے تو انہوں نے دونوں گواہوں کے بارے میں فاضل ججوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی:

"دونوں راجپال کے ملازم ہیں، لہٰذا ان کی شہادتوں کے پرکھنے کا صرف طریقہ یہ ہے کہ ان کی بیانات کے اختلافات کو دیکھا جائے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کیدار ناتھ کے بیان کو پڑھ کر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"گواہ مذکورہ کے بیان میں دوسرے شہادتی بھگت رام کا نام تک نہیں آیا، حالانکہ وہ بھی اس وقت موقع پر موجود تھا۔ جب کہ بھگت رام کا کہنا ہے کہ اس نے ملزم علم الدین کا تعاقب کیا اور کیدار ناتھ کے ساتھ مل کر ملزم پر کتابیں پھینکیں۔"

"جرح کے موقع پر بھی کیدار ناتھ نے بھگت رام کا نام نہ لیا، حالانکہ اس کا نام لینا بڑا ضروری تھا۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"گواہ کے مطابق جب ملزم کی گرفتاری عمل میں آئی تو ملزم نے کہا کہ میں نے کوئی چوری نہیں کی۔ ڈاکہ نہیں ڈالا۔ میں نے صرف اپنے پیغمبر (ﷺ) کا بدلہ لیا ہے۔ ایک لمحہ کے لیے ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کہ ملزم بھاگا تھا اور اس کا تعاقب بھی کیا گیا لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص گرفتار ہوتے ہی اقبال جرم کر لے۔ پولیس کو چاہئے تھا کہ ملزم کا اقبالی بیان مجسٹریٹ کے روبرو لکھوایا جاتا لیکن ایسا نہیں کیا گیا، لہٰذا یہ فرضی کہانی ہے اس لیے اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔"

کراچی

کراچی میں سندھ صوبائی مسلم لیگ کانفرنس کا ایک اہم اجلاس منعقد 8 اکتوبر 1938ء کو ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ اس اجلاس کے لیے قائداعظم محمد علی جناح خصوصی طور پر حیدرآباد سے بذریعہ ریل تشریف

لائے تھے۔ اس گاڑی میں پانچ سو مندوبین بھی قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ تھے۔

کینٹ اسٹیشن پر قائداعظم محمد علی جناح کے استقبال کے لیے ایک شاندار گیٹ بنایا گیا تھا۔ جس کا نام باب الاسلام رکھا گیا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے صدارتی خطبہ میں کراچی کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا:

''اس عظیم شہر میں جو سندھ کا دارالحکومت ہے اور شاندار بندرگاہ اور مسلمانوں کا پہلا گھر ہونے کی حیثیت سے ایک مخصوص اور انفرادی اہمیت کا حامل ہے۔ مجھے انتہائی مسرت ہے کہ میں اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس کی صدارت کر رہا ہوں۔ اس موقع پر میرے جو جذبات ہیں اور اس شہر کی فلاح و بہبود اور ترقی کا جس قدر میں خواہاں ہوں میں اس کا اظہار صحیح معنوں میں نہیں کرسکتا۔

میری خواہش ہے کہ اس شہر کا رتبہ بلندتر ہو اور یہ شہر مسلمانان ہند کے لیے ایک اہم کردار ادا کرے۔''

ہر انسان کی زندگی میں دو واقعات خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک اس کی پیدائش اور دوسری اس کی موت۔

قائداعظم محمد علی جناح کی پیدائش بھی کراچی میں ہوئی اور ان کی وفات بھی کراچی میں۔

کراچی کو یکم جولائی 1974ء کو ڈویژن کا درجہ دے دیا گیا۔ کراچی ضلع کے آخری ڈپٹی کمشنر کنور ادریس تھے اور ڈویژن بنائے جانے کے بعد کراچی کا پہلا کمشنر پرویز احمد بٹ کو مقرر کیا گیا، جبکہ تین اضلاع میں سے ڈسٹرکٹ ساؤتھ میں عبدالعزیز اشرفی، ڈسٹرکٹ ویسٹ میں نذر عباس کو پہلا ڈپٹی کمشنر مقرر کیا گیا تھا۔ چوتھے ضلع کا اضافہ کمشنر شاہد عزیز صدیقی کے عہد میں کیا گیا۔ یکم جولائی 1987ء بروز بدھ مطابق 4 ذی قعد 1407ھ کو کراچی کے چوتھے ضلع سنٹرل ڈسٹرکٹ نے کام شروع کر دیا۔ اس نئے ضلع میں لیاقت آباد، فیڈرل بی ایریا۔ ناظم آباد نیو کراچی سب ڈویژن شامل ہیں۔ سب ڈویژن لیاقت آباد میں لیاقت آباد، گلبہار اور جوہر آباد کی حدود میں آنے والے علاقے شامل ہیں۔ ناظم آباد سب ڈویژن میں ناظم آباد گلبہار پولیس سٹیشنوں کی حدود میں شامل علاقے ہیں جبکہ سب ڈویژن نئی کراچی۔ نیو کراچی۔ خواجہ اجمیر نگری اور شمالی ناظم آباد پولیس سٹیشنوں کی حدود میں شامل علاقوں پر مشتمل ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے جب مملکت پاکستان کا نظم و نسق سنبھالا تھا تو اس وقت کراچی کی آبادی تین لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہونے کے ناطے سے اسے ملک کا صدر مقام قرار دیا تھا۔

کراچی بحیرہ عرب کے کنارے آباد ملک کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس کی آبادی اس وقت 60 لاکھ نفوس سے زائد پر مشتمل ہے۔

ابتدا میں اس کا نام کلاچی جو گوٹھ تھا۔ جو بعد ازاں کراچی بن گیا۔ یہیں قائداعظم محمد علی جناح نے جنم لیا۔ پاکستان اور افغانستان کی تمام تر تجارت اسی شہر کے ذریعے ہوتی ہے۔

اسمبلی ہال، ایوان صدر، سندھ ہائی کورٹ، کاٹن ایکسچینج حبیب بنک پلازا، سٹیٹ بینک آف پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح مزار کے لیے یہ شہر مشہور ہے۔

یہاں بین الاقوامی ہوائی اڈہ اور دو بندرگاہیں بھی ہیں۔ کراچی یونیورسٹی اور این ای ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی اور آغا خان یونیورسٹی تعلیم کے اعلیٰ ادارے ہیں۔ یہاں ہر قسم کی صنعتیں ترقی کی منازل طے کر رہی ہیں۔

جنرل محمد ایوب خان نے نئے شہر اسلام آباد کو دارالحکومت بنا لیا جو اب تک دارالحکومت ہے۔

کراچی بار ایسوسی ایشن

25 جنوری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اسلام سب انسانوں کے لیے انصاف، رواداری، شرافت، دیانت اور عزت کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہے۔ صرف ایک خدا کا تصور اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے ہے۔ اسلام میں انسان انسان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مساوات آزادی اور اخوت اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔''

کرافورڈ کرنل

قائداعظم محمد علی جناح نے ستمبر 1944ء میں لی کمیشن کی رپورٹ کی آئینی اور قانونی حیثیت پر ایک طویل تقریر کی۔ اس تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے لی کمیشن کی رپورٹ پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا:

''ایوان کرنل کرافورڈ کی تمام تریقین دہانیوں کے باوجود اس رپورٹ کو مسترد کر دے گا۔''

25 اگست 1927ء کو سینڈ ہرسٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ترمیم کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح نے کرنل کرافورڈ کی تقریر کے پرخچے اڑا کر رکھ دیے تھے۔

کرائیڈن

یہ انگلستان کا ائیر پورٹ ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب لندن گئے تو ان کے ہمراہ لیاقت علی خاں اور سردار عبدالرب نشتر بھی تھے۔ اخباری نمائندوں نے قائداعظم محمد علی جناح پر طیارے سے نکلتے ہی بوچھاڑ کر دی:

''قائداعظم ''پلیز سٹیٹمنٹ''

مگر قائداعظم محمد علی جناح نے کوئی پرواہ نہ کی لیکن اسی وقت کسی بڑے تیز قسم کے اخباری نمائندے نے قائداعظم محمد علی جناح سے پوچھا:

''قائداعظم ہمارے لیے کیا لے کر آئے ہیں؟''

(مراد بیان سے تھی)

جواب ملا:

I have brought fine weather for you.

''میں تمہارے لیے بہت اچھا موسم لایا ہوں۔''

کیونکہ اس دن لندن پر خوب دھوپ چھائی ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود اخبار نویسوں نے پیچھا نہ چھوڑا تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''آپ کے لیے میرا آج کا بیان صرف یہ ہے کہ میں کوئی بیان نہیں دے رہا۔''

کرپس اور جناح

فروری 1946ء کے اواخر میں صوبائی انتخابات کے نتائج سامنے آئے تو پنجاب میں 88 میں سے 75 سیٹیں مسلم لیگ نے جیت لیں۔ یہ گویا صوبہ کے مسلمانوں کی طرف سے پاکستان کے حق میں واضح مینڈیٹ تھا، اگرچہ مسلم لیگ کو اتنی اکثریت حاصل نہ ہوئی کہ وہ سکھوں یا کانگریس کی مدد کے بغیر جمہوریت بنا سکے۔ سندھ میں مسلم لیگ کی حالت حسب سابق پتلی رہی۔ اسے 34 میں سے 28 سیٹیں ملیں۔ آسام میں اگرچہ اس کے 34 میں سے 31 امیدوار کامیاب ہوئے، تاہم کانگریس نے لیگ کے ساتھ مخلوط حکومت بنانے سے انکار کر دیا، البتہ بنگال میں قائداعظم محمد علی جناح کی پارٹی کو منفرد نوعیت کی فتح حاصل ہوئی جہاں 119 میں سے 113 سیٹیں اس کی حصے میں آئیں، تاہم صوبہ سرحد میں ووٹ اس قدر ملے جو دنیا کی نظر میں پاکستان کے مطالبہ کو جائز ٹھہرانے کے لیے

کافی تھے۔

پیتھک لارنس اور کابینہ میں اس کے دیگر رفقا کار 23 مارچ 1946ء کو ہندوستان پہنچے۔ انہوں نے اپنے پہلے بیان میں واضح طور پر کہا:

''حکومت برطانیہ اور برطانوی عوام ذہنی تحفظ کے بغیر ان وعدوں اور عہد و پیمان کو پورا کرنا چاہتے ہیں جو ہندوستان کے ساتھ کیے گئے تھے۔''

میجر ورڈز واٹ کابینہ مشن کے ساتھ کرپس کے معاون کی حیثیت میں ہندوستان آیا تھا۔ وہ اراکین وفد سے سب سے پہلے 27 مارچ 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح سے ان کی رہائش گاہ پر ملا۔

میجر واٹ نے 29 مارچ 1946ء کو کرپس کو رپورٹ دی:

''مسلم لیگ کی ثابت قدمی جناح کے پیچھے ہے۔''

کرپس نے 30 مارچ 1946ء کی صبح قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ اس کا پہلا تاثر یہ تھا:

''وہ پرسکون اور معقول نظر آئے، البتہ پاکستان کے مسئلہ پر پوری طرح ڈٹے ہوئے تھے۔''

اس گفتگو کے نتیجہ میں قائداعظم محمد علی جناح کا رویہ حیران کن حد تک خوشگوار اور بدگمانی دور کرنے والا تھا۔

کرپس تجاویز

سر سٹیفورڈ کرپس 23 مارچ 1942ء کو برصغیر کے نئے آئین کی تدوین کے سلسلہ میں ہندوستانی رہنماؤں سے بات چیت کرنے کے لیے ہندوستان آئے۔ کرپس نے دو ہفتے ہندوستان میں گزارے، اور ہندوستان کے آئندہ آئین کو مرتب کرنے سے متعلق تجاویز کے مسودہ پر بات چیت کی اور چند تجاویز پیش کیں۔ جنہیں کرپس تجاویز کہا جاتا ہے۔ اہم تجاویز یہ ہیں:

① جب تک دوسری جنگ جاری ہے مرکز میں ایک عارضی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔ جس میں تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے شامل ہوں یہ حکومت جنگی کاموں میں تعاون کرے۔ اس کے بدلے برطانیہ وعدہ کرتا ہے کہ جنگ ختم ہوتے ہی صوبوں میں انتخابات کرائے جائیں گے۔

② صوبائی اسمبلیوں کے ارکان ایک دستور ساز اسمبلی بنائیں گے۔ یہ اسمبلی جو دستور بنائے گی اسے برطانیہ قبول کرے گا۔ شرط یہ ہے کہ جو صوبے ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی میں شامل نہ ہونا چاہیں انہیں اجازت ہوگی کہ اپنی الگ دستور ساز اسمبلی بنا کر اپنا ایک دستور یا آئین بنالیں۔ اس طرح پاکستان کا اصول مان لیا گیا۔

کانگریس نے کرپس کی تجاویز کو تسلیم نہ کیا کیونکہ ایک تو اس میں پاکستان کے قیام کی گنجائش موجود تھی دوسرے اقتدار فوری طور پر اس کے حوالے نہیں کیا جا رہا تھا۔ مسلم لیگ نے اس بنا پر تجاویز ماننے سے انکار کر دیا کہ صاف صاف نہیں کہا گیا تھا کہ دو آئین ساز اسمبلیاں بنیں گی۔

کرپس، سٹیفورڈ

کابینہ مشن کے جس وفد نے 23 مارچ 1946ء کو لارڈ پیتھک لارنس کی سربراہی میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی ان میں سر سٹیفورڈ کرپس بھی شامل تھے۔

سٹیفورڈ کرپس 1889ء کو انگلستان میں پیدا ہوئے۔ قانون کی تعلیم کی تکمیل کے بعد سرکاری وکیل کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ انہیں کمیونسٹوں کے ساتھ متحدہ محاذ کی تلقین کرنے پر لیبر پارٹی سے نکال دیا گیا۔

1939ء میں انہیں دوبارہ شامل کر لیا گیا۔ سر ونسٹن چرچل

کی وزارتِ عظمیٰ کے دوران وہ روس میں برطانیہ کے سفیر رہے۔ سٹیفورڈ ہندوستان کی حکومت اختیاری کا منصوبہ لے کر صغیر آئے۔ برطانیہ کے وزیر اقتصادیات اور وزیر خزانہ بھی رہے۔ خرابیِ صحت کی بناء پر مستعفی ہو گئے۔

کرپس مشن

محمد سلیم اپنی کتاب قائداعظم محمد علی جناح، سیاسی و تجزیاتی مطالعہ میں رقمطراز ہیں:

''دوسری جنگ عظیم میں جنوب مشرقی ایشیا میں جاپان کی پیش قدمی سے ہندوستان کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ ملایا میں برطانیہ کا دفاع، جس پر انگریزوں کو بڑا ناز تھا ٹوٹ چکا تھا۔ سنگاپور پر بھی جاپانی فوجیں قابض ہو چکی تھیں اور اب جنگ کے شعلوں کی تپش ہندوستان کی سرحدوں پر محسوس کی جا رہی تھی۔ اس کے پیش نظر برطانیہ، چین اور ان کا با اثر اتحادی امریکہ بڑی شدت سے یہ محسوس کر رہے تھے کہ ہندوستانی عوام کی حمایت کے بغیر جاپانی حملے کی مدافعت بہت مشکل کام ہو گا۔ اس لیے ہندوستان میں ایسی سیاسی فضا پیدا کی جائے کہ یہ ملک پوری قوت کے ساتھ اپنا دفاع کرے۔ فروری 1942ء میں چیانگ کائی شک (Chiang Ki Shek) اور اس کی اہلیہ نے ہندوستان کا دورہ کیا، اور وائسرائے کے علاوہ ہندوستانی رہنماؤں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ وائسرائے ہند لارڈ لنلتھگو نے برطانوی حکومت کو مطلع کیا:

''ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں فوری طور پر کچھ عملی اقدامات کیے جانے چاہئیں۔''

چنانچہ 11 مارچ 1942ء کو وزیراعظم برطانیہ ونسٹن چرچل نے برطانوی پارلیمنٹ میں یہ اعلان کیا کہ وہ اپنے ایک وزیر سر سٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیج رہے ہیں تاکہ ہندوستان کو حملہ آور کے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے وہ کوئی ایسا فارمولا تجویز کریں جو حکومت برطانیہ کے ساتھ ساتھ ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھی منظور ہو۔ 23 مارچ 1942ء کو کرپس دہلی پہنچے۔ آتے ہی انہوں نے سیاسی لیڈروں سے ملاقاتیں شروع کر دیں، اور ہندوستانی رہنماؤں کے سامنے اپنی تجاویز کا مسودہ رکھا جو فوری طور پر عبوری حکومت قائم کرنے اور جنگ کے بعد ایک ایسا دستور بنانے کے لیے تھا جس میں صوبوں کو مرکز سے علیحدگی کا اختیار ہو۔ کرپس کا کہنا تھا:

''یہ تجاویز بجنسہ منظور ہوں یا مسترد۔''

30 مارچ کو یہ تجاویز شائع کر دی گئیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے:

1. مرکز میں ایک قومی حکومت کا قیام۔
2. جنگ ختم ہونے کے بعد انڈین یونین کا آئین بنانے کے لیے مشینری کی تخلیق اور قیام، مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر کوئی صوبہ مجوزہ آئین کو منظور نہ کرے تو اسے یونین سے علیحدہ ہو جانے کا حق حاصل ہو گا۔ ایسے صوبے یا صوبوں کو یہ حق بھی حاصل ہو گا کہ وہ اپنی علیحدہ یونین بنا لے یا بنا لیں۔

یہ تجاویز اس لحاظ سے خوش آئند تھیں کہ پہلی دفعہ حکومت برطانیہ نے اصولی طور پر صوبوں کے اس حق کو تسلیم کر لیا تھا کہ وہ یونین سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ اس طرح اصولاً نظریہ پاکستان کو تسلیم کر لیا گیا، لیکن ان تجاویز کے مسودے میں صوبوں کی مرکز سے علیحدگی کے لیے کوئی طریق کار متعین نہیں کیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں جب وضاحت کے لیے کہا گیا تو کرپس کے سیکرٹری نے 2 اپریل 1942ء کو مسلم لیگ کے صدر کے نام ایک خط میں لکھا:

''کوئی صوبہ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ وہ یونین میں رہے گا یا نہیں اپنی مجلس قانون ساز میں اس تحریک پر ووٹ دے گا کہ وہ یونین میں رہے۔ اگر یونین سے الحاق کے حق میں 60 فیصد سے کم ووٹ آئیں تو اقلیت کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مردوں کے لیے بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر رائے شماری کا مطالبہ کرے۔''

اس ضمن میں یہ بتانا ضروری ہے کہ اگرچہ بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، لیکن اپنی اپنی مجالس قانون ساز میں وہ اکثریت میں نہ تھے۔ ادھر سندھ اور شمال مغربی سرحدی صوبوں کی مجالس قانون ساز میں کل ارکان کی تعداد اتنی کم تھی اور غیر مسلموں کو دی گئی ترجیحی نشستیں اتنی زیادہ کہ ان اسمبلیوں کا کوئی فیصلہ ان صوبوں کے مسلمانوں کی صحیح رائے معلوم کرنے کا معیار نہیں ہوسکتا تھا۔ علاوہ ازیں استصواب کے لیے مسلمانوں کی بجائے صوبے کی کل آبادی کو ایک حلقہ بنایا گیا تھا جو مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہ تھا۔ مزید برآں، اس وقت کی سیاسی صورت حال ایسی نہ تھی کہ ان سب رکاوٹوں کے باوجود مسلم لیگ مسلم اکثریت کے صوبوں کو یونین سے یقینی طور پر علیٰحدہ کرا کر ان کی ایک الگ یونین بنانے میں کامیاب ہوجاتی۔ اس لیے مسلم لیگ کو یہ طریق کار منظور نہ تھا۔

چونکہ کرپس نے کہا تھا:

''یہ تجاویز یا تو سب کی سب منظور کی جائیں یا یہ سب رد کردی جائیں۔''

اس لیے قائداعظم محمد علی جناح کی رہنمائی میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے 11 اپریل 1942ء کو عارضی انتظام کے طور پر قومی حکومت کی مبہم تجویز پر وضاحت طلب کیے بغیر ہی ان تجاویز کو رد کردیا، البتہ اس بات پر خوشی کا اظہار کیا گیا:

''پاکستان کے امکان کو مبہم انداز میں تسلیم کرلیا گیا ہے۔''

11 اپریل 1942ء کو کانگریس نے بھی ان تجاویز کو رد کر دیا لیکن ایک مختلف پس منظر میں۔ اول تو کانگریس کے لیے یہ ناقابل برداشت تھا کہ حکومت برطانیہ صوبوں کا یونین سے علیٰحدگی کا اصول تسلیم کر لے۔ دوم کانگریس کا یہ خیال تھا کہ جنگ کی وجہ سے انگریزوں پر عرصہ حیات تنگ ہو چکا ہے، لہٰذا اس وقت انہیں اس بات پر مجبور کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی ارکان پر مشتمل وہ ایک نمائندہ حکومت بنائے جس کی حیثیت محض وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی نہ ہو بلکہ اسے کلی اختیارات حاصل ہوں۔ یہ کونسل مرکزی مجلس قانون ساز کے سامنے جوابدہ ہو۔ مرکزی اسمبلی میں ہندو 75 فیصد ہوں گے، اور وہاں وہ اپنی مرضی کی ہر بات منظور کروا سکتے تھے۔ اس طرح عارضی انتظامات کے لبادے میں ہندو راج قائم ہو جاتا لیکن حکومت نے کانگریس کی یہ تجویز منظور نہ کی۔ کرپس نے کہا:

''ایسی قومی حکومت کا مطلب اکثریت کی آمریت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔''

مزید برآں کرپس اور کانگریس کے درمیان اس بات پر اتفاق نہ ہوسکا کہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے

ہندوستانی رکن دفاع کو کیا اختیارات حاصل ہوں۔

گاندھی شروع ہی سے کرپس تجاویز کو منظور کرنے کے خلاف تھے۔ انہوں نے ان تجاویز کو ایک دیوالیہ بنک کے نام بعد کی تاریخ کا ایک چیک قرار دے کر مسترد کر دیا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ کانگریس کے خیال میں جاپان کی فتوحات کے پیش نظر حکومت برطانیہ اپنے اثر و اقتدار کے حوالے سے دیوالیہ ہو رہی تھی، اس لیے اس کی آزادی کی کسی پیش کش کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ کانگریسی رہنماؤں کا نقطہ نظر یہ تھا:

''جب جاپانی افواج انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیں گی تو اس ملک پر ہندو راج کے قیام کا خواب پورا ہو جانے کا زیادہ امکان ہوگا۔''

مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کی طرف سے ان تجاویز کو نامنظور کیے جانے کے بعد کرپس واپس چلے گئے۔ واپس جاتے ہوئے انہوں نے یہ دلچسپ فقرہ کہا:

''کانگریس چاہتی تھی کہ سب کچھ مل جائے یا پھر کچھ بھی نہ ملے، چنانچہ اسے کچھ بھی نہ ملا۔''

کرپس کی ہندوستان میں موجودگی کے دوران امریکی صدر فرینکلن ڈی روزویلٹ (Franklin D. Roosevelt) نے اپنے سابق نائب وزیر دفاع کرنل لوئیس جانسن (Louis Johnson) کو اپنے ذاتی نمائندے کے طور پر ہندوستان بھیجا لیکن وہ بے اثر ثابت ہوئے۔

جب روز ویلٹ کو پتہ چلا کہ کرپس ناکام واپس آرہے ہیں تو انہوں نے وزیراعظم برطانیہ ونسٹن چرچل کو ایک تار بھیجا:

''عام تاثر کے مطابق (ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں اور حکومت کے درمیان) ڈیڈ لاک کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ہندوستانی ٹیکنیکل، فوجی اور بحری دفاع کو برطانیہ کے سپرد کرنے پر رضامند ہیں لیکن پھر بھی حکومت برطانیہ ہندوستانیوں کو حق خود اختیاری دینے کے لیے تیار نہیں۔ امریکی عوام اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔''

12 اپریل 1942ء کو ونسٹن چرچل نے روز ویلٹ کو لکھا:

''آپ کے اور میرے درمیان کسی اہم اختلاف سے میرا دل ٹوٹ جائے گا اور اس سے اس شدید جدوجہد کے عروج پر ہمارے دونوں ممالک کو یقیناً گہرا نقصان پہنچے گا۔''

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کرپس کی تجاویز اس لحاظ سے بہت اہم تھیں کہ برطانوی حکومت کی کسی دستاویز میں پہلی مرتبہ کسی صوبے کے ہندوستانی یونین میں شامل نہ ہونے کے حق کو تسلیم کیا گیا تھا۔ اس طرح یہ تجاویز اگست 1947ء کی تقسیم ہندوستان کا نکتۂ آغاز تھیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ برطانیہ نے یہ حق کیوں تسلیم کیا۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان کی فوج میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ جنگ کے دوران حکومت برطانیہ نے ان پر ایک خوش گوار تاثر چھوڑنے کے لیے مبہم انداز میں پاکستان کے امکان کا ذکر کر دیا۔ دوسرے کانگریس کی اس وقت کی یہ پالیسی کہ حکومت فوری طور پر انگریزوں کے ہاتھ سے نکل کر صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں آجائے، اس بات کا تقاضا کر رہی تھی کہ حکومت مسلمانوں سے بگاڑ پیدا نہ کرے۔

کرپس کے انگلستان واپس جانے کے کچھ مدت بعد، 6 جون 1942ء کو گاندھی نے اتحادیوں پر دباؤ رکھنے



...ن-1938ء

کے لیے لکھا:

''میں فاشسٹ یا نازی طاقتوں اور اتحادیوں کے درمیان کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ یہ سب بڑی سنگ دلی کے ساتھ اپنے اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے لگے ہوئے ہیں۔''

یہ بیان کانگریس کی ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کا نکتۂ آغاز تھا۔

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم، مطبوعہ قومی پبلشرز لاہور)

کردار

قائداعظم محمد علی جناح نے 7اپریل 1946ء کو مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے مسلم ارکان سے دہلی میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

''کردار کسے کہتے ہیں۔ کردار کا مطلب ہے عزت نفس، عزم، دیانت اور ارادے کی پختگی، ان تمام خصوصیات کا موجود ہونا کردار کی بلندی ہے۔ قوم کے اجتماعی مفاد کے لیے افراد کو اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا ہی مثالی کردار کہا جا سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ حالات کی نامساعدت کے باوجود ہم نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ ہم نے گزشتہ پانچ سال میں معجزانہ طور پر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ جب میں اپنی قوم کی اس حیرت انگیز ترقی کا خیال کرتا ہوں تو مجھے یہ سب کچھ ایک خواب نظر آتا ہے۔ ملت کتنی تیزی کے ساتھ اپنے کردار کی تاریخی عظمت تک پہنچنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مرد، عورت سب کے سوچنے اور عمل کرنے کا انداز بدل چکا ہے، اور یہ ہمارے روشن مستقبل کی علامت ہے۔''

کردار قائداعظم

1 قائداعظم محمد علی جناح کے دشمن بھی ان کے حسن کردار سے متاثر تھے، اور ایک بار لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے:

''جناح کی شخصیت بھی بڑی نمایاں اور ممتاز تھی۔ چٹان کی طرح اپنے مقام پر محکم اور سخت اور اس کے ساتھ ساتھ انتہائی درجے کے ٹھنڈے دل اور دماغ کا انسان۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ اس کے سینے کی گہرائی میں اتر سکو، نہایت ذہین و فطین، وہ میرے دلائل نہایت آسانی سے سمجھ جاتے، لیکن اس کے بعد یہ محسوس ہوتا جیسے انہوں نے اپنے اور میرے درمیان کوئی پردہ لٹکا دیا ہو، وہ تمام دلائل کو ایک طرف رکھ دیتے، اور میں ان کے جواب کے لیے ان کے دماغ میں ذرا سی تحریک پیدا کرنے میں ناکام رہتا، میں ان کو ان کے کام سے ذرا بھی سرکا نہ سکتا۔''

2 کردار قائد کا ایک اور واقعہ رقم کیا جاتا ہے۔

''لارڈ اروِن 1925ء سے 1931ء تک برصغیر کا وائسرائے رہا۔ اس کا عہد بے شمار ہنگامہ آرائیوں کی روداد ہے۔ اوٹاوہ پیکٹ کا ذکر ان میں بہت نمایاں ہے۔

اوٹاوہ کینیڈا کا صدر مقام ہے۔ اس زمانے میں کینیڈا آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ کو نوآبادیات کا درجہ حاصل تھا۔ اس کے علاوہ کرہ ارض پر دو درجن سے زائد برطانوی مقبوضات تھے۔ جن میں سے برصغیر ہند کو خاص امتیاز حاصل تھا۔

برطانوی سلطنت کے بعض نمائندے اوٹاوہ میں جمع ہوئے اور فیصلہ ہوا کہ برطانیہ اس کی نوآبادیوں اور

مقبوضات کو ایک برادری تصور کیا جائے اور یہ ممالک باہمی تجارت میں ایک دوسرے کے مال پر محصول نہ لیں اور اس طرح صحیح دوستانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔ برطانوی حکومت کی عین تمنا تھی کہ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی اوٹاوہ پیکٹ کا بل منظور کر لے تاکہ اسے قانونی شکل دی جا سکے۔ اس وقت مرکزی اسمبلی میں تین جماعتیں تھیں۔

1. کانگریس پارٹی
2. انڈی پنڈنٹ پارٹی
3. سرکار کے نامزد ارکان جن کی تعداد 33 فیصد تھی۔

کانگریس پارٹی حکومت کی مخالف تھی۔ نامزد ممبران ہر حالت میں حکومت کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ اس لیے فیصلے کی چابی انڈی پنڈنٹ پارٹی کے پاس تھی۔ اس زمانے میں قائداعظم صرف مسٹر محمد علی جناح کہلاتے تھے اور انگریزی زبان میں شائع ہونے والے اخبارات انہیں عام طور پر مسٹر جینا لکھا کرتے تھے۔ آپ انڈی پنڈنٹ پارٹی کے لیڈر تھے۔ سرکاری گزٹ کے مطابق مرکزی اسمبلی میں اٹاوہ پیکٹ پر بحث کے لیے ایک دن مقرر کر دیا گیا۔

اس تاریخ سے چند روز پہلے مہاراجا بھاؤنگر قائداعظم محمد علی جناح کے دفتر میں آیا۔ بمبئی میں کوٹھیوں اور دیگر اہم عمارتوں پر مشتمل ایک جائیداد تھی جس کی مالیت دس کروڑ کے لگ بھگ تھی۔ اس جائیداد کے متعلق مہاراجہ کے خاندان میں تنازع پیدا ہو گیا، اور نوبت مقدمے بازی تک پہنچ گئی۔ مہاراجا بھاؤنگر نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا کہ وہ انہیں اس مقدمے میں اپنا وکیل بنانا چاہتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کاغذات سرسری طور پر دیکھے اور مقدمہ لینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ مقدمہ دیوانی نوعیت کا تھا اور اس زمانے کے دستور کے مطابق جائیداد کی کل قیمت کا ایک فیصد وکیل کا محنتانہ تصور ہوتا ہے اس مقدمے میں محنتانہ دس لاکھ روپے بنتا تھا۔ مہاراجا بھاؤنگر نے نصف رقم پیشگی ادا کرتے ہوئے پانچ لاکھ روپے کا چیک قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کر دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے مقدمے کے بعض کوائف اور پہلی پیشی کے متعلق دریافت فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی ڈائری دیکھی۔ مقدمے کی پہلی سماعت اس تاریخ کو تھی جس روز مرکزی اسمبلی میں اوٹاوہ پیکٹ پر بحث ہونے والی تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح حقیقت حال کو فوراً سمجھ گئے۔ آپ نے چیک پھاڑ کر پھینک دیا اور مہاراجا سے کہا:

"جاؤ اپنے آقا ارون سے کہہ دو کہ تم جناح کو کسی قیمت پر خرید نہیں سکتے۔ میں اسمبلی میں آؤں گا اور اوٹاوہ پیکٹ کا بل ہر حالت میں مسترد ہو گا۔"

مقررہ تاریخ کو قائداعظم محمد علی جناح نے اٹاوہ پیکٹ کے بل کے خلاف ایک پر اثر تقریر کی۔ آپ نے فرمایا:

"ہمارے خام مال کے گاہک جاپان، جرمنی، اٹلی اور فرانس ہیں اگر ہم انگلستان۔ آسٹریلیا یا کینیڈا کے مال پر محصول نہیں لیں گے تو ان کا مال جاپان جرمنی وغیرہ کے مقابلے میں ارزاں قیمتوں پر فروخت ہو گا، یوں جرمنی، جاپان اور اٹلی سے ہماری باہمی تجارت ختم ہو جائے گی۔ کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ کو ہماری خام اجناس کی ضرورت نہیں۔ اس بل کو منظور کر لینے کی شکل میں خام اجناس فروخت

کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی منڈی نہ ہوگی،
اور ملک کی معیشت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچے گا۔''
قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کے بعد رائے شماری بیکار سمجھی گئی اور بل مسترد ہو گیا۔

کردار نگاری

(دیکھیے: نقلِ قائد)

کرسچین مشن سکول (کراچی)

8 مئی 1892ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اس سکول میں چھٹے سٹینڈرڈ میں داخلہ لیا اور یہاں انہوں نے 4 ماہ تک تعلیم حاصل کی اور 31 اکتوبر 1892ء کو اسکول چھوڑ کر بمبئی چلے گئے۔

یہ کراچی کا پہلا انگریزی طرز کا اسکول تھا۔ جس کی بنیاد 1845ء میں کراچی کے پہلے کلکٹر کرنل پریڈی نے رکھی تھی۔ پہلے ایک کچے کمرے پر مشتمل تھا جس میں کلکٹر آفس اور دیگر عملے کے ملازمین کے لڑکے پڑھا کرتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ پکی عمارت کو چار بلاکوں میں تقسیم کر دیا گیا جو تقریباً سات ایکڑ قطعہ اراضی پر مشتمل ہے۔ اس کی تعمیر پر اس وقت 4 ہزار روپے خرچ آئے۔ قیام پاکستان کے وقت اس سکول میں کل 4 سو طلباء و طالبات زیر تعلیم تھے۔ 19 نومبر 1947ء کو اس کالج کا صد سالہ جشن منایا گیا۔

اس اسکول کے ریکارڈ کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح کی تاریخ پیدائش 20 اکتوبر 1875ء لکھی گئی جو غلط ہے۔

کرسمس (کا تحفہ)

ڈیفنس کونسل کی مسلم رکنیت پر قائداعظم محمد علی جناح اور لارڈ لنلتھگو میں تنازع چل نکلا۔ وائسرائے بنگال سے مولوی فضل الحق اور پنجاب سے سر سکندر حیات خان کو ان کی ذاتی یا سرکاری حیثیتوں میں کونسل کے ارکان دیکھنا چاہتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے کہ اتنی اہم تنظیم کی رکنیت کا اختیار بہرحال لیگ کے ہاں محفوظ رہے کہ جسے چاہے نامزد کرے۔

وائسرائے نے جب کہا:

''سر سکندر حیات خان اور مولوی فضل الحق بحیثیت وزیراعلیٰ شامل ہوئے ہیں۔''

اور قائداعظم محمد علی جناح نے ان دونوں حضرات کو اس سے آگاہ کیا تو سر سکندر حیات خان تو طرح دے گئے، مگر مولوی فضل الحق مقابلے پر ڈٹ گئے۔

مسلم اکثریت کے ان دونوں وزرائے اعلیٰ کا رویہ بہت دیر تک مسلم لیگ سے ہمدردی کے لیے وجہ انتشار رہا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح اپنے یاران عین و بسیار کے مزاج آشنا تھے۔ ایک بار علی گڑھ کے چند طلباء ان کی شکایت لے کر قائداعظم محمد علی جناح سے ملے آپ نے پوچھا:

''ان دونوں میں تمہیں کون ثابت قدم نظر آتا ہے؟''

سب نے کہا:

''فضل الحق۔''

اس لیے کہ وہ ایک بڑے معرکہ کا بیان دے چکے تھے کہ اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کا انتقام بنگال میں لیا جائے گا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''دونوں میں زیادہ قابل اعتماد فضل الحق ہیں۔''

چنانچہ جب انہوں نے وائسرائے کی ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہونے سے انکار کر دیا تو پتہ چلا کہ قائداعظم محمد علی جناح کی مزاج شناسی کس قدر درست تھی۔ یہی نہیں بلکہ انہی دنوں قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی طنز سے ایک بیان میں کہا:

''میں فضل الحق کو کرسمس کے تحفہ کے طور پر لارڈ لنلتھگو کو پیش کرتا ہوں۔''

کرسی کی نقاب کشائی

وفاقی سیکرٹری اطلاعات ونشریات لیفٹیننٹ جنرل مجیب الرحمٰن نے 7 نومبر 1983ء کو فیصل آباد میں اس تاریخی کرسی کی نقاب کشائی کی جس پر بیٹھ کر 29 نومبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے دھوبی گھاٹ فیصل آباد کے وسیع وعریض میدان میں خطاب فرمایا تھا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کا وہ خط بھی نمائش کے لیے پیش کیا گیا تھا جو انہوں نے بمبئی سے 7 اگست 1938ء کو فیصل آباد کے ریاض الدین کے نام لکھا تھا۔

کرکٹ

قائداعظم محمد علی جناح بچپن میں کرکٹ کھیلا کرتے تھے کیونکہ بقول ان کے وہ گولیاں کھیلنے پر اس کھیل کو ترجیح دیتے تھے۔

کرم حیدری

کرم حیدری ممتاز دانشور اور قائداعظم محمد علی جناح پر متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ 12 اگست 1915ء کو ملک حکم داد خاں کے ہاں تریٹ (مری) میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو اور بی ٹی کے امتحانات پاس کیے اور محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لی۔

کرم حیدری نے قائداعظم محمد علی جناح کی وفات حسرت آیات پر ایک نوحہ لکھا جس کے بول یہ ہیں۔

تو کیا گیا کہ ظلمتیں ابھری رات کی
کچھ ڈوبتی ہوئی سی ہیں نبضیں حیات کی
پھر کھو رہے ہیں دہر میں اپنا وقار ہم
تجھ سے ہیں شرمسار، بہت شرمسار ہم

(بحضور قائداعظم 1949ء)

کرنسی نوٹ

13 جولائی 1976ء کو سو، دس اور پانچ کے نئے کرنسی نوٹ بازار میں آئے۔ سو کا نیا نوٹ چار رنگوں میں تھا۔ اس پر قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر بائیں جانب کی بجائے دائیں جانب تھی۔ سو کے نئے نوٹ کا دوسرا بنیادی فرق یہ تھا کہ اس میں گارنٹی کا جملہ صرف اردو میں درج تھا۔ جب کہ پرانے نوٹ میں یہ انگریزی میں تھا۔ نئے نوٹ پر نمبر کی جگہ بھی تبدیل کر دی گئی تھی۔ چنانچہ ایک نمبر انتہائی دائیں جانب اور ایک انتہائی بائیں جانب تھی۔ نوٹ کی پشت پر بادشاہی مسجد بنی ہوئی تھی۔ یہ نوٹ سائز میں ڈالر سے مشابہت رکھتا تھا۔

دس روپے کے نوٹ پر بھی تصویر دائیں جانب آ گئی۔ اسی طرح پانچ کے نوٹ پر بھی تصویر دائیں جانب لائی گئی۔

کرنل انچیف

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان ملٹری اکیڈمی کو ایک منفرد اعزاز سے نوازا تھا۔ 1948ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح نے ٹریننگ بٹالین کا کرنل انچیف ہونا منظور کر لیا تھا تو اس بٹالین نے خود ہی قائداعظم محمد علی جناح کی ذاتی پہلی پاکستان بٹالین کہلوانا شروع کر دیا۔ ازاں بعد ملک کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر دوسری بٹالین بھی قائم کی گئی تھی۔ اپنے نام کے ساتھ یہ بھی قائداعظم محمد علی جناح کا نام استعمال کرتی ہے۔

کریکٹر سرٹیفکیٹ

بمبئی میں پریکٹس شروع کرنے سے پہلے قائداعظم محمد علی جناح کو کریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت تھی، اتفاق سے شہر میں کوئی

مجسٹریٹ ان کا واقف نہ تھا، لیکن اپنی خداداد صلاحیت سے انہوں نے یہ مسئلہ بھی حل کر لیا۔

ایک روز صبح ہی صبح آپ ایک انگریز مجسٹریٹ کی کوٹھی پر گئے، اور اپنے نام ایم اے جناح بار ایٹ لاء کی چٹ اندر بھیج دی۔ مجسٹریٹ نے نام سے متاثر ہو کر انہیں اندر بلا لیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی وجاہت، خوش لباسی اور شخصیت نے اس پر اور بھی زیادہ اثر ڈالا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے جاتے ہی مجسٹریٹ سے سوال کیا:

"جناب والا! میرے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

مجسٹریٹ نے بے ساختہ جواب دیا:

"مجھے آپ بے حد شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے ایک کاغذ آگے بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا:

"جناب والا! یہ الفاظ اس پر لکھ دیجئے۔ دراصل مجھے پریکٹس شروع کرنے کے لیے کریکٹر سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے۔"

مجسٹریٹ نے نہایت خاموشی سے سرٹیفکیٹ جاری کر دیا۔

کریم بخش

وہ زیارت میں قیام کے دوران قائداعظم محمد علی جناح کے خانساماں اور بیرے تھے۔

وہ لکھتے ہیں:

"وہ ہم لوگوں کے ساتھ بڑی ہمدردی کے ساتھ پیش آتے۔ وہ یہاں اڑھائی مہینے رہے۔ ان دنوں فاطمہ جناح دنبے اور بکرے ذبح کرواتی تھیں اور گوشت ہم غریبوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ وہ کپڑوں کی گٹھڑیاں لاتیں اور غریبوں میں تقسیم کرتیں۔ یہاں لوگوں کے پاس کپڑا نہیں ہوتا تھا، اور ان دنوں تو کپڑے پر بھی کنٹرول تھا۔

میں مرغی کا سوپ، روسٹ اور قورمہ بناتا تھا۔ شامی کباب اور پلاؤ بھی بناتا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح ناشتے میں انڈے، مکھن، سلائس اور جام پسند کرتے۔ سوپ پسند کرتے اور ہر کھانا چکھتے تھے۔"

کریم بھائی، سر

انجمن اسلام بمبئی کے صدر کریم بھائی کو حکومت ہند نے 1911ء میں سر کا خطاب دیا تو ان کے اعزاز میں انجمن نے ایک تقریب منعقد کی۔ اس تقریب سے قائداعظم محمد علی جناح نے بھی خطاب کیا قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں کہا:

"اراکین انجمن اسلام تمام مسلمانان بمبئی کی طرف سے آپ کو اعزاز بیرونٹسی پر مبارکباد دیتے ہیں۔ با استثنائے فرقہ پارسی سر کریم بھائی پہلے ہندستانی مسلمان ہیں جن کو یہ جلیل القدر اعزاز ملا ہے۔ آپ وسیع الاخلاق اور فیاض طبیعت کے مالک ہیں اور رفاہ عامہ کے کاموں میں گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور ان کی فیاضانہ اور شاہانہ سخاوتیں ایسی ہیں جنہوں نے اس ملک کے ہر باشندے کے دل میں گھر کر رکھا ہے۔ آپ کی قابلِ ذکر فیاضیوں میں سے ایک اپنی قوم یعنی خوجوں کے لیے سوا لاکھ روپے سے ایک یتیم خانہ کا قیام ہے۔ ریاست کچھ میں جناب نے ایک گرلز کالج قائم کیا ہے۔ میوزیم اور سائنس انسٹی ٹیوٹ کے لیے شاہانہ رقوم عطا کی ہیں۔ صرف میوزیم کی امداد میں تین لاکھ روپے مرحمت فرمائے ہیں۔ ہم جارج پنجم کے شکر گزار ہیں کہ ان کی مرحمت کے باعث جناب کو یہ اعزاز حاصل ہوا۔"

10 نومبر 1912ء کو ترک بھائیوں کے دکھ درد میں شریک ہونے کے لیے بمبئی میں ایک جلسہ عام سر کریم بھائی کی صدارت میں ہوا۔ اس جلسے سے دیگر معززین کے علاوہ قائداعظم محمد علی جناح نے بھی خطاب کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے خطاب میں کہا:

''مسلمانان ہند ترکی کے اخلاقی مددگار ہیں، اور حق و انصاف ترکی کی طرف ہے۔''

اسی جلسہ میں قائداعظم محمد علی جناح نے ایک قرارداد پیش کی جس میں کہا گیا تھا:

''دولت برطانیہ اور ترکی کی حکومت کے ان دوستانہ تعلقات کی بنا پر جن کے باعث اول الذکر سے آخر الذکر کو آئے دن اخلاقی اور اقتصادی امداد دی ہے۔ یہ جلسہ حکومت برطانیہ سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے کام لے کر ترکی حکومت کو برقرار رکھنے کی کوشش کرے۔ دولت برطانیہ ایک ایسی سلطنت ہے جہاں دیگر سلطنتوں کی نسبت مسلمان سب سے زیادہ تعداد میں آباد ہیں، لہٰذا دولت برطانیہ ترکی کو امداد دے جس سے تمام دنیائے اسلام کا مذہبی اور سیاسی تعلق ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس جلسہ میں ترکی کی مصیبتوں پر بہت افسوس کا اظہار کیا اور حاضرین کی توجہ ترکی کی امداد کی طرف دلائی۔

انہوں نے وائسرائے ہند کی جانب سے انجمن ہلال احمر کے چندہ میں ایک ہزار روپیہ دینے پر وائسرائے ہند کا شکریہ ادا کیا۔ (روزنامہ پیسہ اخبار لاہور 14 نومبر 1912ء)

کریون اے (Craven A)

قائداعظم محمد علی جناح کے پسندیدہ سگریٹ تھے، صحت کے ایام میں قائداعظم محمد علی جناح یہی سگریٹ استعمال کرتے تھے۔ کوئٹہ میں جب قائداعظم محمد علی جناح شدید علیل تھے انہیں سگریٹ کی طلب ہوئی لیکن کوئٹہ بھر میں یہ سگریٹ ناپید تھے۔ اس پر قائداعظم محمد علی جناح کے معالج کرنل الٰہی بخش نے کہا:

''میں نے کوئٹہ کے ایک دکاندار کے پاس سگریٹ دیکھے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ ہم پاکستان میں سگریٹوں کی فیکٹری کھول لیں، اور سگریٹوں کے لیے امریکہ کا تمباکو استعمال کریں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جوش میں آ کر فرمایا:

''پاکستان میں دنیا کے سب ممالک سے اچھا اور بہترین تمباکو ہوتا ہے۔ ہم امریکہ کے محتاج نہیں۔ ہم اپنے ملک میں ہی بہترین تمباکو کاشت کر سکتے ہیں، اور اگر ہم چاہیں تو اسے ترقی دے کر دیگر ممالک کو برآمد بھی کر سکتے ہیں۔ میری تمنا ہے کہ پاکستان ضروریات زندگی کے لیے دوسرے ملکوں کا محتاج نہ رہے بلکہ پاکستان میں ہر چیز پیدا ہو۔ ملک کی دولت ملک میں رہے۔''

کسان، محنت کش اور قائداعظم

پروفیسر رفیع اللہ شہاب اپنی کتاب ''جدوجہد قیام پاکستان'' میں رقمطراز ہیں:

''کسان اور محنت کش موجودہ دور کے ہر معاشرے کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ قوم و ملک کے لیے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیتے ہیں، اپنی محنت سے معاشرے کو گل و گلزار بنا دیتے ہیں، لیکن انہیں معاشرے کی اس خوشحالی سے بہت کم حصہ ملتا ہے، بلکہ ان کی اکثریت زندگی کی

بنیادی ضرورتوں یعنی روٹی کپڑا اور مکان تک ساری عمر محدود رہتی ہے۔ سرمایہ دار لوگ ان کی محنت کا استحصال کر کے عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں۔ برصغیر کے مسلمان کسانوں اور محنت کشوں کی حالت، دوسرے معاشرے سے مختلف نہ تھی۔ قائداعظمؒ نے تحریک پاکستان کے دوران ان کی اس حالت زار کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا، ان کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس طبقے کی حالت بہتر بنائی جائے، چنانچہ وہ ہر پلیٹ فارم پر اس اہم مسئلے کا ذکر کرنے لگے۔ اگرچہ برصغیر ہندو پاک میں غیر حاضر زمینداروں اور کارخانہ داروں کی اکثریت ہندو سرمایہ داروں پر مشتمل تھی، تاہم اس طبقہ میں کچھ مسلمان سرمایہ دار بھی شامل تھے۔ جب آپ کے نوٹس میں یہ بات لائی گئی کہ مسلمان کسانوں اور محنت کشوں کا استحصال کرنے میں مسلمان سرمایہ دار بھی ہندو سرمایہ داروں سے مختلف نہیں تو آپ کو اس کا بہت دکھ ہوا، چنانچہ 20 اپریل 1943ء کو دہلی میں کل ہند مسلم لیگ کے تیسویں اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''یہاں میں ایسے بڑے بڑے زمینداروں اور سرمایہ داروں کو کہ جنہوں نے ایک خودغرضانہ نظام کے ذریعے ہمارے لوگوں کا استحصال کر کے اپنی تجوریوں کو بھرا ہے، کو تنبیہ کرتا ہوں کہ وہ اس مذموم حرکت سے باز آ جائیں لیکن افسوس ہے کہ عوام کا استحصال ان کے خون میں سرایت کر چکا ہے، اور وہ اس بارے میں اسلامی تعلیمات سے منہ موڑ چکے ہیں۔ لالچ اور خودغرضی نے انہیں اندھا کر دیا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ اپنا مفاد حاصل کرنے کے لیے دوسروں کے مفاد کو قربان کر رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ اس وقت ہمارے پاس کوئی اختیار نہیں، آپ کہیں دیہات میں چلے جائیں، میں خود دیہات میں گیا ہوں، جہاں ہمارے کروڑوں بھائیوں کو دن میں بمشکل ایک وقت کھانا نصیب ہوتا ہے۔

کیا یہی تہذیب ہے، کیا یہی پاکستان کا مقصد ہے۔ آپ لوگوں نے کبھی محسوس کیا ہے کہ اس طرح کروڑوں انسانوں کا استحصال کیا گیا ہے، اور ان میں سے اکثر ایک وقت کے کھانے سے بھی محروم ہیں۔ اگر پاکستان کا یہی مقصد ہے تو میں ایسے پاکستان سے باز آیا۔ اگر یہ لوگ عقل مند ہیں تو انہیں اپنے آپ کو نئے زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلنا ہوگا، اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو انہیں سخت مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس مصیبت سے بچائے ہم ان کی مدد نہیں کریں گے۔''

(تقاریر جناح (انگریزی) ص:50، ج:1)

قائداعظم کی اس تقریر کی گونج سارے برصغیر ہندو پاکستان میں سنی گئی، اور ہندوستانی عوام میں وہ پہلے سے بھی زیادہ مقبول ہو گئے۔ ان کی اس مقبولیت سے ہندو کانگریس کے لیڈروں کو بڑی تکلیف ہوئی، چنانچہ ان کے سب سے بڑے لیڈر پنڈت نہرو نے اعلان کیا کہ کسانوں اور محنت کشوں کا استحصال صرف سوشلزم کا نظام اختیار کر کے ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ جس کے لیے کانگریس پہلے ہی دن رات کام کر رہی ہے، جب کہ مسلمان یہ نظام اختیار نہیں کریں گے، کیونکہ علماء نے اس کے خلاف اسلام ہونے کا فتویٰ دے دیا ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب روس میں سوشلزم کے نفاذ سے وہاں کے کسانوں اور

مزدوروں کا استحصال ختم کیا گیا تھا، سرمایہ دار ممالک کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر یہ نظام ان ملکوں تک پہنچ گیا تو پھر وہاں کے سرمایہ دار طبقے کی خیر نہیں، چنانچہ انہوں نے مذہبی طبقے کی اعانت حاصل کر کے اسے بے دین نظام مشہور کیا۔ اس وقت پنڈت نہرو نے سوشلزم اپنانے کا جو نعرہ لگایا تھا تو ہندو کانگریس کی جانب سے اس کا وسیع پیمانے پر پروپیگنڈہ کیا گیا تھا۔ جس سے مسلمانوں کے ذہن بھی مسموم ہونے لگے تھے، علامہ اقبال نے اس مذموم پروپیگنڈے کا بروقت نوٹس لیا تھا اور اس بارے میں قائداعظمؒ کو یہ خط لکھا تھا:

''اسلامی معاشرے کے لیے سوشل ڈیماکریسی کو ایسی مناسب شکل میں اختیار کر لینا جو اسلامی قانون کے تقاضوں کو پورا کرتی ہو، کوئی انقلابی قدم نہ ہو گا بلکہ ایک طرح سے اسلام کی خالص تعلیمات کی طرف رجوع ہو گا۔ اس لیے ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کے لیے موجودہ زمانے کے پیچیدہ مسائل حل کرنا زیادہ آسان ہے، لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ہے کہ اس چیز کو ممکن بنانے کے لیے ضروری ہے کہ برصغیر کی اس طرح تقسیم کر دی جائے کہ مسلم آبادی کے اکثریت والے علاقوں میں ایک یا ایک سے زیادہ اسلامی مملکتیں قائم ہو جائیں۔ آپ کے خیال میں کیا اب یہ مطالبہ پہلے سے زیادہ ضروری نہیں ہو گیا۔ میرے خیال میں تو پنڈت نہرو کے ملحدانہ سوشلزم کے اعلان کا یہ سب سے زیادہ مناسب جواب ہے۔ جو آپ اسے دے سکتے ہیں۔''

(محمد علی جناح ایک سیاسی مطالعہ، مصنفہ سید مطلوب الحسن ص 84-183)

تاہم قائداعظم کو یقین تھا کہ شریعت اسلامی میں اس کا حل موجود ہے۔ ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی عملی مثال تھی جنہوں نے مسلمان معاشرے سے غیر حاضر زمینداری نظام کا قطعی خاتمہ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے غیر حاضر زمینداری کو سودی معاملہ قرار دے کر مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ جس کے پاس اس کی ضرورت سے زیادہ زمین ہو، اور وہ اسے خود کاشت نہ کر سکے تو وہ اپنے کسی غریب مسلمان بھائی کو جس کے پاس اپنی زمین نہ ہو مفت دے دے۔ جب کچھ صحابہؓ نے اپنی ضرورت سے زائد اراضی کو فروخت کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا، اسلامی شریعت کا یہ مسئلہ ان اہم مسائل میں سے ہے جس پر حنفی فقہ کے بانی امام ابو حنیفہؒ سمیت چاروں فقہی مذاہب کے آئمہ کا اتفاق ہے، لیکن ہمارے علماء چھوٹے چھوٹے مسائل کے لیے تو امام ابو حنیفہؒ کا نام لیتے ہیں لیکن ان کے جس فتوے سے کروڑوں انسانوں کی زندگیاں خوشحال ہو سکتی ہیں۔ اس کا انہوں نے کبھی نام تک نہیں لیا۔

زمین کی ملکیت کی حد تک تو معاملہ قائداعظمؒ کے ذہن میں صاف تھا کیونکہ اس بارے میں شریعت اسلامی کے واضح احکامات موجود تھے کہ زمین کا مالک وہی ہو گا جو اس میں ہل چلائے گا، تاہم اس زمانے میں کارخانے موجود نہیں تھے، جب آپ کی توجہ اس امر کی طرف دلائی گئی کہ اسلامی شریعت کے احکام کے مطابق آپ کسانوں کی حالت تو بہتر بنالیں گے لیکن کارخانوں کے بارے میں تو شریعت اسلامی کا کوئی حکم موجود نہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اس مقصد کے لیے اگر ضروری ہو تو بعض صنعتوں کو قومی ملکیت میں لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے ایک نمائندے کو 8 نومبر

1945ء کو انٹرویو دیتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''میرا یہ یقین ہے کہ اس جدید زمانے میں بعض اہم صنعتوں پر حکومت کا کنٹرول ہونا چاہیے۔ اس طرح عام ضرورت کی بعض دوسری اشیاء کے بارے میں بھی ایسی ہی پالیسی اپنانی ہوگی، لیکن اس مقصد کے لیے کہ کون سی صنعت اور استعمال کی چیز اہم ہے، صرف ماہرین ہی فیصلہ کریں گے۔''

(تقاریر جلد دوم (صفحہ 232) شائع کردہ شیخ محمد اشرف لاہور)

بدقسمتی سے قائداعظمؒ کی وفات کے بعد اقتدار انہی غیر حاضر زمینداروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں آ گیا۔ انہوں نے قائداعظم کی خواہش کے مطابق مساوات پر مبنی اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی بجائے، غریب کسانوں اور محنت کشوں کا پہلے سے بھی زیادہ استحصال کرنا شروع کر دیا جس کی جھلک اگلے دن بھٹہ مالکان کے کونشن کے موقع پر دیکھنے میں آئی۔ ان مالکان کی کاروں کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوئی ہیں۔ جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ ہزاروں قیمتی نئے ماڈلوں کی کاریں لنڈن یا واشنگٹن کے کسی بڑے میدان میں کھڑی ہیں، اور جن محنت کشوں یعنی بھٹہ مزدوروں کی محنت کا استحصال کر کے یہ کاریں حاصل کی گئی ہیں ان کی حالت زار دن بدن بدتر سے بدتر ہوتی جا رہی ہے، اور وہ سارا دن ان مالکان کے لیے محنت کرنے کے باوجود دو وقت کی روٹی کے لیے ترستے رہتے ہیں۔ دور دراز کے علاقوں کو چھوڑیے خود لاہور شہر میں ایسے لاکھوں محنت کشوں کا استحصال ہو رہا ہے، اور کوئی ان کی حالت زار پوچھنے والا نہیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ارباب اختیار میں سے کسی کو قائداعظمؒ کا یہ مشن یاد آ جائے اور وہ کسانوں اور محنت کشوں کو سرمایہ داروں کے استحصال سے نجات دلانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دے۔'' (دسمبر 1988ء)

(جدوجہد قیام پاکستان، از پروفیسر رفیع اللہ شہاب)

کسریٰ

قائداعظم محمد علی جناح نے 1936ء میں جب مسجد شہید گنج کے سلسلے میں 23 فروری 1936ء کو گورنر پنجاب سے ملاقات کی تو انہوں نے گورنر سے سیاسی کارکنوں کی رہائی اور اخبارات کی ضمانتوں جیسے مسائل پر گفت و شنید کی۔ قائداعظم محمد علی جناح کو اس مسئلے پر خاصی کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ اس ملاقات کے بعد ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے ایک نمائندے نے قائداعظم محمد علی جناح سے گورنر کی ملاقات کے نتائج سے آگاہی کے لیے انٹرویو کیا تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں کوئی قیصر و کسریٰ نہیں ہوں کہ یہ کہہ سکوں کہ میں آ گیا ہوں اور آتے ہی میدان فتح کر لیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر کسی قسم کا بھی کوئی بیان دینے سے گریز کیا۔

کشمیر

قائداعظم محمد علی جناح عالم بے ہوشی میں بھی کشمیر کو نہیں بھولے تھے۔ ڈاکٹر ادویات پلانے کے بعد صحت کے نتیجہ کا انتظار کرتے تھے، اور قائداعظم محمد علی جناح ہر مرتبہ ہوش میں آنے کے بعد کشمیر کی بابت سوال کرتے تھے۔ کتنا اہم ہے کشمیر ہمارے لیے کہ قوم کا روحانی باپ زندگی کے آخری لمحات میں اپنے لیے کچھ نہیں کہتا، رشتے داروں کے لیے اور بہن بھائیوں کے لیے کچھ نہیں کہتا، دوستوں کے لیے کچھ نہیں کہتا، صرف ایک ہی سوال بار بار کرتا ہے، اور وہ ہے کشمیر کا معاملہ، ساری قوم کا معاملہ، پاکستان کی زندگی اور موت کا معاملہ۔

قائداعظم محمد علی جناح مئی 1936ء میں پہلی بار کشمیر تشریف لے گئے۔ 21 مئی 1936ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سری نگر سے مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے 54 اراکین کے ناموں کا اعلان کیا۔

1936ء کو قائداعظم محمد علی جناح کشمیر سے لاہور پہنچے۔

قائداعظم محمد علی جناح مسلم کانفرنس کی دعوت پر کشمیر میں تشریف لائے۔ ان کی آمد سے چار روز قبل سٹی ڈسٹرکٹ مسلم کانفرنس کے مشترکہ اجلاس میں چودھری حمید اللہ خاں ایم ایل اے کی سیکرٹری شپ میں استقبالیہ کمیٹی قائم کی گئی، اور ایک پبلک سکول میں قائداعظم محمد علی جناح کی آمد کا اعلان کیا گیا۔

مسلم کانفرنس کے ترجمان اخبار ہفت روزہ جاوید جموں نے 4 مئی 1944ء کو اپنے ادارتی نوٹ میں۔ اے آمدنت، باعث آبادی ما کے عنوان سے قائداعظم محمد علی جناح کے دورہ کشمیر پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''ہمارے قائداعظم مئی کے دوسرے ہفتے میں وارد کشمیر ہو رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر ہماری خوش نصیبی اور کیا ہو گی کہ دس کروڑ اسلامیان ہند کا بے تاج بادشاہ خاک کشمیر پر قدم رنجہ فرما رہا ہے۔

ع بریں مژدہ گرجاں فشانم رواست

قائداعظم محمد علی جناح نے ملت اسلامیہ کو خاک مذلت سے اٹھا کر تخت اقبال پر بٹھایا ہے۔ موصوف نے ہندوستان کی ہیچ مسلم اقلیت کو عظیم الشان اور خود مختار قوم میں بدل دیا ہے۔ اس محسن اعظم کے احسان کو مسلمانوں کی آئندہ نسلیں نہایت فخر سے یاد رکھیں گی۔

خود کشمیر کے متعلق ہمارے رہنما نے جس دلچسپی کا اظہار فرمایا اور ہماری حالت کو بہتر بنانے کے لیے جو سرگرمی دکھائی اس کے لیے بتیس لاکھ مسلمانوں کاروان رواں شکر گزار ہے اور اب خدا نے فضل و کرم سے ہمیں موقع دیا ہے کہ ہم ان جذبات عقیدت کا اظہار کر سکیں جو ہمیں قائداعظم کی محبوب شخصیت سے ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم حبیب گڑھ سے لے کر سری نگر تک اپنے شفیق لیڈر کا ایسا شاہانہ استقبال کریں جس کی نظیر تاریخ کشمیر میں ناپید ہو۔ ہم دنیا پر ظاہر کر دیں کہ مسٹر جناح صرف برطانوی ہند کے قائداعظم نہیں بلکہ جمیع مسلمانان ہند کی آنکھ کا نور ہیں اور کشمیر کے مسلمان اپنی ساری بدنصیبیوں کے باوجود اپنے بلند مرتبت قائداعظم کے استقبال میں کسی سے پیچھے نہیں۔''

8 مئی 1944ء کو پروگرام کے مطابق قائداعظم محمد علی جناح ریاست کے سرمائی صدر مقام جموں پہنچے مسلم کانفرنس کے ممتاز رہنماؤں نے ان کا استقبال کیا۔

رات کو مسلم کانفرنس نے ایک جلسے کا اہتمام کیا جس میں قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ جلسے کی کارروائی تلاوت کلام پاک سے ہوئی۔ چودھری غلام عباس نے سپاسنامہ پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے تحریک آزادی کا ذکر کرتے ہوئے انتباہ کیا:

''ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کو ان کی جدوجہد آزادی میں تنہا نہیں چھوڑیں گے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے دکھ درد میں برابر شریک ہوں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح 9 مئی 1944ء کو سری نگر روانہ ہوئے۔ 10 بجے اودھ پور پہنچے جہاں اودھ پور کے مسلمانوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ وہاں سے قائداعظم محمد علی جناح بانہال گئے۔ بانہال سے دو میل ادھر مسلمان سڑک پر دو رویہ



قائداعظم پاکستانی سکوں کے پہلے اجراء کے موقع پر



جسٹس عبدالرشید، قائداعظم سے گورنر جنرل کے لیے حلف لیتے ہوئے

کھڑے تھے، اور ان دو میلوں میں درجنوں دروازے بنائے گئے تھے۔ بانہال میں قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔

قائداعظم محمد علی جناح 10 مئی 1944ء کو 2 بجے سری نگر کو روانہ ہوئے، اور تقریباً 5 گھنٹے کی مسافت طے کرنے کے بعد سری نگر پہنچے۔ مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس نے قائداعظم محمد علی جناح کو خوش آمدید کہا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے استقبال کا سلسلہ پیر پنجال یعنی منڈہ سے ہوا۔ نیشنل کانفرنس کے زیراہتمام کول گام، ویری ناگ اور شاہ آباد کے ہزاروں زمینداران قاضی کنڈ میں جمع ہو گئے۔ کھنہ بل ڈاک بنگلہ کے پاس کئی دروازے بنائے گئے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح ڈاک بنگلہ پہنچے تو انہوں نے عوام کا شکریہ ادا کیا۔ کھنہ بل سے انہیں ایک دوسری کار میں بٹھایا گیا۔ ان کے ساتھ چودھری غلام عباس، مولانا میر واعظ یوسف شاہ اور بخشی غلام محمد بھی تھے۔ کار بچبہاڑہ پہنچی تو نواحی کسانوں نے جن کی تعداد پانچ ہزار تھی قائداعظم محمد علی جناح کا پرجوش خیرمقدم کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح شکریہ ادا کرتے ہوئے اونتی پورہ اور لتہ پورہ ہوتے ہوئے پانپورہ پہنچے۔ اس کے کھلے میدان میں دس ہزار افراد نے ان کا استقبال کیا۔ وہیں پر تاب باغ میں جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے کی کارروائی کا آغاز علامہ اقبال کی اس نظم سے ہوا۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

اس کے بعد شیخ عبداللہ صدر نیشنل کانفرنس نے خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا:

"آپ مسلمانانِ ہند کے معزز لیڈر اور ہمارے معزز مہمان ہیں۔ اس ریاست کے چالیس لاکھ ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں کی طرف سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

ایک فقرہ میں انہوں نے یہ بھی کہا:

"میں متنازعہ فیہ سیاسی معاملات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک بار پھر آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔"

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے پانچ منٹ کی مختصر تقریر کی۔ انہوں نے اس تقریر میں کہا:

"آپ لوگوں نے جس گرم جوشی سے میرا استقبال کیا اس پر بادشاہ بھی فخر کر سکتے ہیں، لیکن یہ استقبال میری ذات کو نہیں بلکہ مسلم لیگ کو کیا گیا ہے، جس کا میں صدر ہوں۔ اس سے آپ نے ہندوستان کے لوگوں کی عزت افزائی کی ہے جو مسلم لیگ کے تحت منظم ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہاں کی تمام ملتوں اور فرقوں کے لوگ صلح و آشتی کی زندگی بسر کریں۔"

اس کے بعد پنڈت جیالعل کلیم نے قائداعظم محمد علی جناح کے ارشادات کا ترجمہ اردو میں اور شیخ صاحب نے کشمیری زبان میں سنایا۔

قائداعظم محمد علی جناح وہاں سے دربجن تشریف لے گئے۔ وہاں مسٹر ساغر نے ان کو سپاسنامہ پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"یہ جوش اشتیاق جو آپ نے میری نسبت ظاہر کیا اس کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں کہ شکریہ ادا کروں۔ مسلمانوں کو متحد ہونا چاہیے۔ ہمارا خدا ایک، پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک، کتاب اقدس ایک اور ہماری آواز بھی ایک ہونی چاہیے۔ ریاست کی مسلم آبادی کے لیے جو کچھ ہم سے ہو سکے گا، امداد اور کوشش کریں گے۔ میری ہمدردیاں دل و جان کے ساتھ آپ کے ساتھ

ہیں۔"

میر واعظ یوسف شاہ نے کشمیری میں ترجمہ کیا اور قائداعظم محمد علی جناح کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا۔

پھر 19 جون 1944ء کو مسلم کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے شرکت کی اور اس موقع پر فرمایا:

"کچھ بھائیوں کی رائے ہے کہ مسلمانوں کو نیشنل کانفرنس میں شامل ہونا چاہیے۔ میں نے ان کی دلیل بھی سنی میرا کام کسی کو دبانا نہیں کیونکہ جو آپ کا سوال ہے برٹش انڈیا سے جدا ہے پھر بھی ایک مسلمان بھائی کی طرح میرا فرض ہر بھائی کی رائے سننا اور انہیں نصیحت کرنا اور ہدایت دینا ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے میں نہیں سمجھتا کہ وہ اس میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نیشنل کانفرنس آٹھ دس برس پہلے 1938ء میں وجود میں آئی۔ میں نے دریافت کیا کہ اس میں ہندو اور سکھ کتنے ہیں؟ جواب ملا چند سکھ اور چند ہندو ہیں اور اگر اس سات آٹھ برسوں کا جائزہ لیا جائے تو اس (نیشنل کانفرنس) میں نہ ہندو ہیں نہ سکھ! جواب ملا کہ نہ بھی ہوں تو بھی دروازہ بند نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آٹھ سال سے اس دروازے سے ہندو اور سکھ داخل نہ ہوئے تو اس کا سبب کیا ہے؟ یہ غلطی جس کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان دو فرقے ہو گئے ہیں؟ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہو لو بہت سوچ اور غور و فکر کے بعد آخر یہ جواب ملتا ہے، ہم دنیا کو دکھانا چاہتے ہیں کہ جموں و کشمیر میں فرقہ پرستی نہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس بھی برطانوی علاقہ میں سارے ہندوستان کی دعویدار تھی مگر یہ بات سچی نہیں تھی۔ اس نے یہی رویہ اپنائے رکھا کہ جھوٹا پروپیگنڈہ کریں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ جو مسلمان، عیسائی اور سکھ وغیرہ اس میں شامل ہوئے الگ ہونے لگے۔

ہر سوال پر ہندو اکثریت نے اقلیت کے نمائندے کی چیز کو ٹھکرا دیا۔ جموں و کشمیر میں یہی فریب بازی کرنا چاہتے ہیں کہ ہر بات میں مسلمان اکثریت اقلیت کو پامال کرتی پھرے یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ نہ آپ اس سے ہندوؤں اور سکھوں کا اعتماد حاصل کر سکتے ہیں۔ صاف کہیئے کہ ہم مسلمان ہیں ہم آپ کے ترجمان نہیں۔"

(اقتباس: تحریک حریت کشمیر جلد دوم مرتبہ رشید نثار)

اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے یہ بھی فرمایا:

"میں یہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا ہوں کہ ریاست کے مسلمان بیدار ہو گئے ہیں، اور اب متحد ہیں جیسا کہ ایک لاکھ انسانوں کے اجتماع سے ظاہر ہے جس میں بوڑھے، جوان، امیر، غریب، مزدور اور تاجر سبھی شامل ہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ مسلم کانفرنس کا مطالبہ ریاست میں مکمل ذمہ دار نظام حکومت کا ہے، لیکن میں آپ کو بتا دوں کہ آپ کا مقصد سخت جدوجہد کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

ذمہ دار نظام حکومت کوئی پکا ہوا پھل نہیں کہ خود بخود آپ کی جھولی میں آ گرے گا۔ اس کے لیے سخت محنت کی ضرورت ہے۔"

اس طرح مسلم اسٹوڈنٹس یونین کے سپاسنامے کے جواب میں طلباء کو تلقین کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"آپ اپنی نمائندہ جماعت سے وابستہ ہو کر اس کے پروگرام کی تکمیل کریں۔"

قائداعظم محمد علی جناح سری نگر میں ہاؤس بوٹ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یکم جولائی 1944ء کو ریاست کشمیر کی دعوت پر سرکاری مہمان کی حیثیت سے انہیں

گیسٹ ہاؤس میں نمبر 4 میں منتقل کر دیا گیا۔ کے ایچ خورشید نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ کام شروع کر دیا۔

یہیں پر اگلے روز قاضی عیسیٰ اور لیاقت علی خاں نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی اور انہوں نے مسلم لیگ کونسل کے آئندہ اجلاس کے ایجنڈے اور پنجاب کی نئی سیاسی صورتحال پر قائداعظم محمد علی جناح سے تبادلہ خیال کیا۔

3 تا 10 جولائی 1944ء کشمیر کے وزیراعظم پی این راؤ اور وزیر حضوری نواب خسرو جنگ نے قائداعظم محمد علی جناح سے گیسٹ ہاؤس میں ملاقات کی۔

نواب زادہ لیاقت علی خاں، بیگم لیاقت علی خاں، قاضی محمد عیسیٰ، ہاشم گزدر، پنڈت پریم ناتھ بزاز، چودھری غلام عباس کے علاوہ دیگر کئی مقامی رہنماؤں سے قائداعظم محمد علی جناح نے ملاقاتیں کیں۔

خواجہ غلام احمد جیولر نے امر سنگھ کلب کے لان میں قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں عصرانہ دیا۔

11 جولائی 1944ء کو راج گوپال اچاریہ نے راج گوپال اچاریہ خط و کتابت اخبارات میں شائع کرا دی۔ ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نمائندے نے قائداعظم محمد علی جناح سے ان کے خیالات جاننا چاہے تو انہوں نے فرمایا:

''فی الحال میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔''

میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ نے میر واعظ منزل میں 17 اور 21 جولائی 1944ء کے درمیان قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں دعوت دی اور ایک کشمیری شال پیش کی اور جب اسے قائداعظم محمد علی جناح کے کندھوں پر ڈالا گیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا:

''اب تو میں بھی کشمیری بن گیا ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے 18 جولائی 1944ء کو عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام پر کہا:

''مجھے اس کے قیام پر بڑی مسرت ہوئی ہے اور میں اس کی کامیابی کے لیے دعا گو ہوں۔''

اس سے اگلے روز یو پی مسلم لیگ کے قائم مقام صدر رضوان اللہ قائداعظم محمد علی جناح سے ملنے کے لیے آئے انہوں نے باہمی بات چیت کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 22 جولائی 1944ء کو فرمایا:

''میں کچھ عرصہ یہاں مقیم رہا۔ اس دوران میں مجھے اس ریاست کی آبادی کے تمام طبقوں کو دیکھنے اور مختلف مقامات پر ان کے نظریات کو سننے کا موقع ملا۔ میں نے اپنے متعلق پریس رپورٹوں اور نکتہ چینیوں کو دیکھا۔ جن میں چند ایک نامنصفانہ اور سخت تھیں۔ میری نسبت عوام اور خصوصاً مسلمانوں نے جس مروت کا اظہار کیا۔ اس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں۔ ریاست جموں و کشمیر ایک شاندار ملک ہے اور اس کو فردوس ارضی کا موزوں نام دیا گیا ہے، جیسا کہ میں نے جموں پہنچنے پر کہا کہ مسلم لیگ کی یہ پالیسی نہیں کہ وہ اس ریاست کے اندرونی نظام یا ان سنجیدہ مسائل جن کا سامنا مہاراجا بہادر اور ان کی حکومت کر رہے ہیں یا ان کے اور ان کی رعایا کے باہمی معاملات میں مداخلت کرے، لیکن ہمیں ریاستی مسلمانوں کی بہتری اور بہبود کا خاص خیال ہے۔ میری رائے میں محض معمولی سیر و سیاحت کے لیے آئے ہوئے سیاح کو بھی اس ریاست کے لوگوں کی حالت کو دیکھ کر انتہائی صدمہ ہوگا، کیونکہ انہیں ابتدائی ضروریات بھی میسر نہیں۔ سر پی این راؤ کو اس ریاست کا وزیراعظم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اس لیے عوام کی نگاہیں اب ان کی طرف لگی ہوئی

ہیں، متوقع ہیں کہ نئے وزیراعظم ان کی حالت کو سدھارنے کے لیے موثر ذرائع اختیار کریں گے۔
میرا دل چاہتا ہے کہ میں مہاراجہ کشمیر سے بھی ملاقات کروں کیونکہ وہ میری آمد کے وقت یہاں نہیں تھے لیکن اب وقت کی کمی ہے۔ میں اس عزت افزائی اور مہمان نوازی کا ممنون ہوں جو حکومت کشمیر نے مجھے سرکاری مہمان کی حیثیت میں دکھائی۔ میں ریاست کے عوام کی خوشحالی اور فارغ البالی کا خواہاں ہوں۔
جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے خصوصیت کے ساتھ ان کی بہتری و بہبود کا خیال ہے۔
شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں اور مسلم کانفرنس نے میرے یہاں آنے سے قبل دہلی اور لاہور میں میرے ساتھ بحث و مباحثہ کیا یہاں آنے پر میرا شاندار استقبال کرنے کی مہربانی کی، اور دونوں فریق اس بات کے لیے بے تاب دکھائی دیتے تھے کہ میں ان دونوں کے نظریات کو سنوں اور اس کے بعد ان میں تصفیہ کروں، لیکن جب میں نے کافی غوروخوض کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اور ایک جھنڈے تلے جمع ہوں تو یہ نصیحت نہ محض شیخ عبداللہ کے لیے قابل قبول ثابت ہوئی بلکہ انہوں نے میری مخالفت کرتے ہوئے توہین آمیز زبان استعمال کی اور گالی گلوچ سے بھی گریز نہ کیا۔
میری یہ نصیحت ہے کہ اختلافات کو دلائل، بحث اور مباحثہ اور تبادلہ خیالات اور معقولیت سے رفع کیا جا سکتا ہے غنڈہ ازم سے نہیں۔ میں حکومت کشمیر کی توجہ اس طرح مبذول کرتا ہوں کہ وہ ہر قیمت پر غنڈہ گردی کو دبائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح 25 جولائی کو 11 بج کر دس منٹ پر راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت مسلم کانفرنس، اراکین مسلم سٹوڈنٹس یونین اور کارکنان انجمن درس الاسلام اور متعدد معززین نے انہیں الوداع کہا۔ قائداعظم محمد علی جناح اسی روز ساڑھے بارہ بجے بارہ مولا پہنچے۔ سوپور مسلم کانفرنس کے اراکین بھی بارہ مولا آئے۔ یہیں جلسہ ہوا اور مسلمانان بارہ مولا کی طرف سے غلام محی الدین نے سپاسنامہ پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے شکریہ ادا کیا اور کہا:

''یہاں کے مسلمان اب بیدار ہو گئے ہیں، اور اب وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں کی حالت کو سدھارنے کی کوشش کی جائے۔ میری ہدایت یہ ہے کہ مسلمان باہمی اختلافات کو بھلا کر ایک ہو جائیں ایک جھنڈے، ایک پلیٹ فارم اور ایک نصب العین کو پانے کے لیے مسلم کانفرنس ممد ثابت ہوسکتی ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح وہاں سے اوڑی آئے وہاں بھی مولوی غلام محمد نے ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے جواب میں کہا:

''مجھے انتہا درجہ خوشی محسوس ہوئی ہے۔''

انہوں نے مسلمانوں کو کہا:

''وہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنے مسائل حل کرائیں۔''

25 جولائی کو قائداعظم محمد علی جناح مظفر آباد پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ مسلم کانفرنس، شیخ عبداللہ اور دوسرے معزز حضرات نے انہیں الوداع کہا اور وہاں سے قائداعظم محمد علی جناح راولپنڈی تشریف لے گئے۔

(بحوالہ ہفت روزہ کشمیر راولپنڈی 13 یا 19 اگست 1985ء)

قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی کو حکم دیا کہ وہ کشمیر میں

فوجی کارروائی کریں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح کشمیر کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔اس کا اندازہ ان کے اس تقریری اقتباس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

”کشمیر کا مسئلہ نہایت نازک مسئلہ ہے، لیکن اس حقیقت کو کوئی انصاف پسند قوم اور ملک نظرانداز نہیں کر سکتا کہ کشمیر تمدنی، ثقافتی، مذہبی، جغرافیائی، معاشرتی اور سیاسی طور پر پاکستان کا ایک حصہ ہے۔ جب بھی اور جس نقطہ نظر سے بھی نقشہ پر نظر ڈالی جائے گی، یہ حقیقت واضح ہوتی جائے گی کہ کشمیر سیاسی اور دفاعی حیثیت سے پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کوئی ملک اور قوم اسے برداشت نہیں کر سکتی کہ اپنی شہ رگ کو دشمن کی تلوار کے نیچے دے دے۔ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔ایک ایسا حصہ جسے پاکستان سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے یہ کہتے قطعاً ہچکچاہٹ نہیں کہ ریڈکلف ایوارڈ میں مسلمانوں کے ساتھ فراڈ کیا گیا ہے۔گورداسپور کے ایک ایسے حصے کو جو آبادی کے لحاظ سے مسلم اکثریت کا علاقہ تھا، محض اس لیے ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا تا کہ ہندوستان کو کشمیر کے معاملات میں مداخلت کی آزادی مل سکے۔ پاکستان نے ریڈکلف ایوارڈ کو دیانت داری سے تسلیم کیا تھا، لیکن ہندوستان کی نیت سے شروع سے فتور تھا اس فتور کا مظہر کشمیر کا جھگڑا ہے۔“

کشمیر کا تنازع اور قائداعظم کی تجاویز

تنازع کشمیر کو قائداعظم محمد علی جناح منصفانہ طریق سے حل کرنے کے خواہاں تھے، قائداعظم محمد علی جناح نے یکم نومبر 1947ء کو لاہور میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سامنے یہ تجاویز پیش کیں:

1. دونوں گورنر جنرل یہ اعلان کریں کہ 48 گھنٹے کے اندر اندر فریق جنگ ختم کر دیں اور قبائیلیوں کو انتباہ کیا جائے کہ اگر وہ فی الفور جنگ بندی کا حکم نہیں مانیں گے تو پھر دونوں ملکوں کی فوجیں ان کے خلاف کارروائی کریں گی۔
2. ہندوستان کی افواج اور قبائلی بیک وقت ریاست سے نکل جائیں۔
3. دونوں گورنر جنرلوں کو ان کی حکومتیں یہ اختیار دیں کہ وہ ریاست میں امن و امان قائم کریں۔ریاست کا انتظام خود سنبھال لیں اور بلا تاخیر مشترکہ کنٹرول اور نگرانی میں رائے شماری کا بندوبست کریں۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وعدہ کیا کہ ان تجاویز کو بھارتی کابینہ کے سامنے پیش کریں گے۔ 2 نومبر کو بھارتی وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک نشری تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح کی تجاویز کے جواب میں کہا:

”پہلے پاکستان حملہ آوروں کو کشمیر سے نکالنے کا وعدہ کرے۔ دوسرے بھارتی فوج اس وقت تک ریاست میں موجود رہے گی جب تک کہ حملہ آور باہر نکل نہیں جاتے۔“

پنڈت جواہر لال نہرو کے نزدیک کشمیر میں بھارتی فوج کے خلاف شریک جہاد سارے مجاہدین حملہ آور تھے۔ان میں کشمیری مجاہدین اور قبائلی بھائی جو ان کی مدد کو آئے تھے، سب شامل تھے۔ دراصل پنڈت جواہر لال نہرو کی شرائط فوجی طاقت کے ذریعے کشمیر کو ہضم کرنے کے لیے بھارت کی فریب کاری کی پہلی اقساط تھیں۔

کشمیر کا جناح

سناتن دھرم سبھا کے لیڈر پنڈت جیالال حکم جو بعد میں کشمیر ہائی کورٹ کے جج ہوئے، اور پنڈت شیونرائن کے ساتھ جب قائداعظم محمد علی جناح کا تعارف کرایا جا رہا تھا تو پنڈت شیونرائن نے اپنی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح پر چوٹ کرتے ہوئے کہا:

"اگرچہ میں کشمیر میں اقلیتوں کا لیڈر ہوں، لیکن کشمیر کا جناح نہیں ہوں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے مسکرا کر برجستہ کہا:

"پھر تو آپ بدقسمت ہوئے ناں! میں آپ کے مقدر کی یاوری کے لیے دعا گو ہوں۔"

کشمیری شال

مولوی محمد یوسف شاہ نے کشمیر میں ایک روز قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں میر واعظ منزل میں دعوت کا اہتمام کیا۔ اس میں مسلم کانفرنس میں شامل ہونے والے مندوبین بھی مدعو تھے۔ اس موقع پر میر واعظ محمد یوسف شاہ نے قائداعظم محمد علی جناح کو ایک کشمیری شال تحفہ میں پیش کی اور جب اسے کشمیری انداز میں قائداعظم محمد علی جناح کے کندھوں پر ڈالا تو قائداعظم محمد علی جناح نے مسکراتے ہوئے کہا:

"لو بھئی، اب میں کشمیری بن گیا ہوں۔"

کشمیری مہاجرین کی امداد

21 جون 1948ء کو حکومت پاکستان کی زیرنگرانی کشمیر مہاجرین کی امداد کی مرکزی کمیٹی نے کشمیری مہاجرین کی ضروریات کے لیے قائداعظم محمد علی جناح ریلیف فنڈ سے پانچ لاکھ روپے کی نقد رقم اور دیگر اشیا خوردنی کی منظوری دی۔

کفایت شعاری

❶ قائداعظم محمد علی جناح کفایت شعاری کے اصولوں کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے تھے۔ اگر ان کی کوٹھی میں بلا ضرورت لائٹیں آن ہوتیں تو آپ لائٹیں آف کرا دیتے، اور بسا اوقات خود اٹھ کر لائٹیں آف کر دیتے۔ اگر کسی کے ہاں مہمان ہوتے اور وہاں ضرورت سے زیادہ لائٹیں روشن ہوتیں تو ان کی روشنی گُل کر دیتے، یہی حال پریذیڈنسی میں رہا۔ جہاں آپ بحیثیت گورنر جنرل رہائش پذیر تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح فرماتے:

"روپیہ ضائع کرنا گناہ ہے اور اگر عوام کا پیسہ ہو تو گناہ کبیرہ ہے۔"

(دیکھیے: سیونگ سرٹیفکیٹ)

❷ محمد حنیف آزاد کو قائداعظم محمد علی جناح کی موٹر ڈرائیوری کا فخر حاصل رہا ہے۔ ایک بار قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے مہمانوں کی تسلی بخش خدمت کرنے کے صلے میں انہیں 200 روپے انعام دیے۔ بعد میں محمد حنیف آزاد کو اپنی والدہ کی جانب سے ایک خط ملا۔ جس میں انہوں نے اپنے بیٹے سے کچھ روپوں کا تقاضا کیا تھا۔

محمد حنیف آزاد نے ساحل سمندر پر سیر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح سے اپنی والدہ کے خط کا حوالہ دے کر والدہ کو کچھ پیسے بھیجنے کی خاطر رقم مانگی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فوراً پوچھا:

ابھی تمہیں 200 روپے دیے گئے تھے، وہ کیا ہوئے؟"

محمد حنیف آزاد بولے:

"صاحب خرچ ہو گئے۔"

قائداعظم محمد علی جناح یہ سن کر بولے:

"ویل مسٹر آزاد! تھوڑا ہندو بنو۔"

(یادرہے کہ ہندو بنیے اپنی کنجوسی کی وجہ سے مشہور ہیں)

کلاڈ بیٹلے (Claude Batley)

وہ ماہر تعمیرات تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر واقع کوٹھی کا جو نقشہ تیار ہوا اسے ماہر تعمیرات کلاڈ بیٹلے ہی نے بنایا تھا۔ کلاڈ بیٹلے کہتے ہیں:

''قائداعظم نے ابتدائی ہدایات دیتے ہوئے مجھے بتایا کہ مکان میں ایک بڑا کمرہ استقبال کے لیے، ایک بڑا دالان اور کئی بڑے بڑے لان پارٹیوں کے لیے ہونے چاہئیں۔ مکان کی تعمیر کے لیے عملے کا تقرر بھی انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر کیا۔ تعمیر کا ٹھیکہ ایک انگریز کو دیا۔

اس نئی کوٹھی میں انہوں نے اپنے دفتر کے لیے ایک چھوٹا سا کمرہ بھی بنوایا تھا۔''

کل جماعتی کانفرنس

14 جنوری 1922ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی میں ایک کل جماعتی کانفرنس بلائی، تا کہ کوئی متبادل راہ نکالی جائے، کیونکہ گاندھی کے شروع کردہ ''ستیہ گرہی'' پروگرام کے باعث جس میں ٹیکسوں کی عدم ادائیگی بھی شامل کر دی گئی تھی۔ صورت بگڑتی جا رہی تھی۔

مدراس کے سر سنکران نائر نے جو کانگریس کے سابق صدر اور اب وائسرائے کونسل کے ممبر تھے انہوں نے اس کانفرنس کی صدارت کی، انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو قرارداد پیش کرنے کو کہا:

''اس کانفرنس میں حکومت کی پالیسیوں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا اور مطالبہ کیا گیا:

''حکومت گول میز کانفرنس کا انعقاد کرے۔''

یہاں پر قائداعظم محمد علی جناح جیاکر اور نتراجن نے اخباری بیان بھی جاری کیے۔

سر سنکران نائر نے اس کانفرنس کے انعقاد پر بھرپور تنقید کی، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے کانفرنس کے حق میں بیان دیا۔

14 جنوری کو طلب کی گئی کل جماعتی کانفرنس کا اجلاس 16 جنوری کو بھی جاری رہا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس کانفرنس کے تین سیکرٹریوں میں سے ایک تھے۔ کانفرنس نے ایک متفقہ قرارداد پیش کی، اس قرارداد میں حکومت کی متشددانہ پالیسی کی مذمت کی گئی اور مطالبہ کیا گیا:

''قیدیوں کی رہائی، خلافت اور پنجاب کے مارشل لا کے معاملے اور سوراج کے اہم ترین مسئلے پر باغیانہ اجتماعات کا قانون فوراً واپس لیا جائے۔''

سر سنکران نائر نے کانفرنس کے کام اور اس کی قراردادوں پر شدید نکتہ چینی کی، لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے دیگر دو سیکرٹریوں جیاکر اور نتراجن کے ساتھ اس کے جواب میں ایک اخباری بیان دیا، اور کل جماعتی کانفرنس کے فیصلوں کی حمایت کی۔

ان خطوط میں یہ تحریر تھا:

''ہندوستان کے سیاسی مسائل کے حل کے لیے کم از کم قابل قبول تجاویز اور مطالبات سے آگاہ کریں۔''

18 جنوری کو قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی کی نمائندہ کانفرنس کی قراردادوں کی ایک کاپی وائسرائے ہند کے سیکرٹری کو بھجوائی۔ اس کے ساتھ یہ بھی تجویز کیا گیا:

''جلد گول میز کانفرنس کا انعقاد کیا جائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے۔''

کلف نارمن

21 مارچ 1946ء کو نیوز کرانیکل لندن کے نامہ نگار کلف نارمن نے قائداعظم محمد علی جناح کا انٹرویو لیا۔ اس میں انہوں نے کہا تھا:

''ہندوستان مختلف قوموں کا ملک ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ہمیں خودمختار ملک پاکستان حاصل ہو۔''

کلکتہ

یہ بھارت کا سب سے بڑا شہر ہے۔ دسمبر 1906ء میں قائداعظم محمد علی جناح سب سے پہلے کلکتہ میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کے اجلاس میں شریک ہوئے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 1912ء کے وسط میں کلکتہ میں مسلم رہنماؤں کی ایک کانفرنس میں شرکت کی جس میں تقسیم بنگال کی منسوخی پر برہمی کا اظہار کیا گیا۔

کلکتہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا اکتوبر 1916ء میں جو اجلاس منعقد ہوا اس میں قائداعظم محمد علی جناح نے بھی شرکت کی، جس میں مسلم لیگ اور کانگریس کے رہنماؤں کی جانب سے جن متفقہ مطالبات پر مشتمل ایک یادداشت پر دستخط کیے گئے، ان میں قائداعظم محمد علی جناح بھی شامل تھے۔ دسمبر 1917ء میں آل انڈیا مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس کے مشترکہ اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح نے دونوں جماعتوں کو یکجا کرنے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ستمبر 1920ء میں کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاسوں میں شرکت کی۔ اس موقع پر انہوں نے مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت بھی کی اور کہا:

''پہلے پنجاب میں رولٹ ایکٹ کی منظوری کے نتیجے میں ظلم وستم روا رکھا گیا پھر سلطنت عثمانیہ اور خلافت کی بے حرمتی کی گئی۔''

کلکتہ کے کل جماعتی کنونشن میں 31 دسمبر 1928ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے نہرو رپورٹ پر شدید نکتہ چینی کی اور تین ترامیم پیش کیں، اس کانفرنس میں لیاقت علی خاں اور قائداعظم محمد علی جناح کی پہلی ملاقات ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح 1937ء میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں شرکت کے لیے گئے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 16 اپریل 1938ء کو صوبائی مسلم لیگ کے ایک خصوصی اجلاس میں شرکت کی۔ 17 اپریل کو محمد علی پارک میں جلسہ ہوا جس میں انہوں نے اس بات کا اظہار کیا:

''میں ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کر کے بے حد خوش ہوا ہوں کہ ہر شخص مسلم لیگ کے جھنڈے تلے آ رہا ہے۔''

کلکتہ میں قائداعظم محمد علی جناح کی گاندھی سے ملاقات ہوئی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 20 فروری 1946ء کو ایک بیان میں کہا:

''مسلمانوں کا مطالبہ اور نعرہ پاکستان ہے۔ پاکستان کے بغیر سمجھوتے کی گنجائش نہیں۔''

25 فروری کو قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان ایمبولینس کے آفیسرز نے گارڈ آف آنر پیش کیا، اگلے روز کلکتہ کے مختلف سماجی اداروں نے قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم لیگ فنڈ میں ایک لاکھ پندرہ ہزار روپے دیے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 17 اگست 1946ء کو کلکتہ کے فسادات پر اظہار افسوس کیا، اور حکومت سے مطالبہ کیا:

''شرپسند عناصر کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جائے اور انہیں سزا دی جائے۔''

کلکتہ کارپوریشن کے انتخابات

قائداعظم محمد علی جناح نے کلکتہ کارپوریشن کے انتخابات کے لیے درج ذیل پیغام دیتے ہوئے کہا:

''کلکتہ میں کارپوریشن کے آئندہ انتخابات کے لیے میں ان تمام امیدواروں کی کامیابی کا متمنی ہوں جنہیں مسلم لیگ نے کھڑا کیا ہے۔ میں ہر اس مسلمان سے جو حلقہ ہائے انتخاب کا رکن ہے، یہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ نہ صرف مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دے بلکہ ان کے لیے کام کرے اور پوری دلی حمایت کرے۔

موجودہ انتخابات جیسے انتخابات اس بڑی جنگ کا ایک حصہ ہیں جس کے لڑنے میں مسلم لیگ مصروف ہے اور ہر فتح خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اس کے معنی ہیں آخری منزل کی طرف ایک اگلا قدم اٹھانا۔''

10 اورنگ زیب روڈ — دستخط ایم اے جناح
نئی دہلی — صدر آل انڈیا مسلم لیگ
12 مارچ 1940ء

کل ہند کنونشن دہلی 1946ء

پروفیسر محمد مظہر عالم اپنے مضمون ''قائداعظم کا کل ہند کنونشن دہلی 1946ء'' میں لکھتے ہیں:

''قائداعظمؒ نے اپنے آئندہ کے لائحہ عمل کو طے کرنے کے لیے 7، 8 اور 9 اپریل 1946ء کو دہلی میں کل ہند کنونشن طلب کیا۔ جس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''مرکزی اور صوبائی مجالس قانون سازی کے معزز اراکین! معزز خواتین وحضرات! میں خلوص دل سے آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ کو علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں الیکشن کے معرکے میں فتح وکامرانی عطا کی ہے۔ ہم نے 90 فیصد مسلم حلقوں میں کامیابی حاصل کر لی ہے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہمیں اب غیر مبہم الفاظ میں اپنے نصب العین کا اعلان کرنا ہوگا۔ جس کے متعلق ہم سب کی ایک رائے ہے کہ ہم پاکستان چاہتے ہیں اور وقت آنے پر ہم اس کے حصول کے لیے اپنی جان قربان کر دیں گے۔ ہندو کانگریس صوبوں کی از سر نو تنظیم اور مسلم اکثریت والے علاقوں کو خودمختاری دینے پر آمادہ ہے، لیکن مضبوط مرکز کی شرط پر جو ہندوستان کے دفاع کے لیے (ان کی نظر میں) ضروری ہے۔ سردار پٹیل کہتے ہیں ''کہ ہندو کانگریس یہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ یہاں دو قومیں آباد ہیں، اور نہ ہی یہ مذہب کی بنیاد پر جداگانہ قوم تسلیم کرتے ہیں۔'' پنڈت نہرو نے کہا تھا کہ موجود صورتحال کا حل یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی تسلیم کر کے اسے ہندوستانیوں پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ کسی مداخلت کے بغیر اپنے اختلافات طے کرلیں۔ تیسری پارٹی کی موجودگی میں جو صورتحال پر قابو رکھتی ہے، ان حالات کا سنورنا دشوار نظر آتا ہے۔ پنڈت جی نے حال ہی میں ایسے مسخ شدہ پاکستان کی پیشکش کی ہے جو ایک مضبوط مرکزی کانگریسی حکومت کے تابع ہو۔ ان تجاویز کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو پہلے برطانوی حکومت تسلیم کرے۔ جو سول اور فوجی حکومتی نظام سے متعلق ہے۔ یہ سب کانگریس کے حوالے کر دیے جائیں اور ہندو کانگریس پوری طرح اقتدار کی سیج پر قابض ہو جائے، اس وقت آئین ساز مجلس کا کام شروع ہو۔ جسے اقتدار حاصل ہوگا وہ 40 کروڑ

انسانوں کی تقدیر کا فیصلہ کرے گی۔ پنڈت نہرو کے مطابق اس وقت اس فیصلے کو تسلیم کرنا ہوگا، ورنہ جدال قتال کریں گے۔" ایسی "فسطائی گرینڈ کونسل" کو ایسے مستقل اختیارات سونپ دیے جائیں جو فوراً دس کروڑ عوام کے مقدر کا فیصلہ نامزد کرے گی۔ یہ مضحکہ خیز بات ہے۔ ہندو مسلم میں سابق صدیوں میں کبھی بھی مجلسی، معاشرتی یا سیاسی اتحاد نہیں ہوا۔

ہندوستان کی وحدت کا تصور سراب ہے۔ متحدہ قومیت کا کوئی وجود نہیں۔ برصغیر کو دو آزاد مملکتوں میں تقسیم کر دیا جائے (بھارت، پاکستان) کسی بھی عبوری حکومت میں مسلم لیگ کے تعاون کی شرط یہ ہے کہ پہلے پاکستان کے بنیادی اصول کو تسلیم کرو اور یقین دلاؤ کہ پاکستان کا مطالبہ بلا تاخیر پورا کیا جائے گا۔

چنانچہ ایک دستور ساز اسمبلی کا کوئی جواز باقی نہیں رہ جاتا۔ اسے تسلیم کر لینے سے مسلمان ایک بے بس اقلیت بن کے رہ جائیں گے ہمارے فارمولا کے مطابق دو آئین ساز ادارے ہوں گے ایک بھارت اور دوسرا پاکستان کے لیے۔ ہم ایسی کوئی تجویز منظور نہیں کریں گے جو کسی صورت میں پاکستان کی حاکمیت اعلیٰ کے لیے مضر رساں اور حقارت آمیز ہو۔ ہمارا مقصد عادلانہ ہے۔ اس لیے خدا ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارے قدم آگے ہی بڑھنے چاہئیں۔"

اس موقع پر مسلمانوں نے نعرہ ہائے تحسین و آفریں بلند کیے۔

(اشاعت روزنامہ نوائے وقت، 25 دسمبر 2013ء)

کلکتہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن (قیام)

10 جنوری 1936ء کو کلکتہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔

محمد عبدالواثق اس کے روح رواں اور محمد نعمان آرگنائزنگ سیکرٹری منتخب ہوئے۔

قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں شرکت کی دعوت مسٹر محمد نعمان نے دی جسے انہوں نے فوراً قبول کر لیا۔

یہ جلسہ محمد علی پارک کلکتہ میں منعقد ہوا۔ 27 دسمبر 1937ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے اجلاس سے خطاب فرمایا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی اس تقریر میں بتایا:

"میں ہندوستان کے مسلمانوں کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں امریکہ کے حبشیوں کی حیثیت میں نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ہم بھی ایسی ہی حکومت چاہتے ہیں جیسی ابراہام لنکن چاہتا تھا جو عوام کے لیے عوام کے ذریعے عوام کی حکومت تھی۔ جب لنکن حکومت نے اس اعلیٰ اصول کو اپنایا تو امریکی حبشیوں کو مستثنیٰ کر دیا اب ضروری یہ ہے کہ کانگریس ہائی کمان کو عقل کا راستہ دکھایا جائے۔ ہمارا موقف انصاف پر مبنی ہے، اور اگر ہم متحد رہے تو ہمیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

کم خوری

مسٹر محمود الحسن جو کسی زمانے میں مدراس کے ہفت روزہ اخبار "دکنی ٹائمز" کے ایڈیٹر اور بعد میں "ڈان" کے پہلے منیجر تھے۔ ایک دن قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، کھانا لگایا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے حسب معمول بہت تھوڑا سا کھانا کھانے کے بعد ایک چھری اٹھائی اور اسے اپنے ناخنوں پر بجانے لگے (ان کی اس عادت سے ان کے اکثر دوست واقف تھے)۔ مسٹر محمود الحسن جواب تک کھانے



قائداعظم محمد علی جناحؒ اسٹیٹ بنک آف پاکستان کا تالہ کھولتے ہوئے۔ یکم جولائی 1948ء

میں معروف تھے، کچھ خفت سی محسوس کرنے لگے اور قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:

''آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے جواب دیا:

''دنیا والے اس لیے تکلیفوں میں مبتلا ہیں کہ وہ کھاتے بہت ہیں۔''

کمال اتاترک

کمال اتاترک کا قائداعظم محمد علی جناح بڑا احترام کرتے تھے۔ 25 مارچ 1946ء کو لاہور کے ایئرپورٹ والٹن پر اے پی آئی ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا اور رائٹرز کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''اگر موجودہ دور کے تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو ہماری جنگ آزادی کمال اتاترک کی جنگ آزادی کے مشابہ ہے، جس طرح استعماری قوتوں کے ہاتھوں وسیع و عریض خلافت عثمانیہ کی مکمل تباہی کے بعد کمال اتاترک نے کوشش کی کہ اس سلطنت کی راکھ سے کچھ خطہ ارض ایسا حاصل کرلیا جائے جہاں ترک قوم آزادی، خودمختاری اور عزت و آبرو سے زندگی بسر کرسکیں، بعینہٖ ہماری یہ کوشش ہے کہ ہندوستان میں جہاں مسلمانوں نے کم وبیش ایک ہزار برس حکومت کی ہے عظیم مغلیہ سلطنت کی راکھ سے ایک خطہ زمین ایسا حاصل کرسکیں جہاں مسلمان مکمل آزادی اور خودمختاری کے ساتھ اپنی دینی اور ثقافتی روایات اور طرز بودوباش کے مطابق اپنی زندگی استوار کرسکیں۔''

کمال الدین، بیگم

وہ تحریک آزادی کی رہنما تھیں اور قائداعظم محمد علی جناح کی معتقد بھی، قائداعظم محمد علی جناح نے دہلی میں ایک ملاقات کے موقع پر بیگم کمال الدین سے فرمایا:

''میں مانتا ہوں کہ پٹھان، بہادر اور غیور قوم ہے، مگر تعجب ہے کہ وہ اکثریت میں ہوتے ہوئے کانگریسی وزارت میں کیوں شامل ہیں جبکہ کانگریس کے متعصبانہ رویے کا پردہ چاک ہو چکا ہے تو پھر کانگریسی وزارت میں ان کا شامل رہنا باعث حیرت ہے۔''

بیگم کمال الدین پر قائداعظم محمد علی جناح کی گفتگو کا بڑا گہرا اثر ہوا اور انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے فرمایا:

''میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کا پیغام سرحد کے ایک ایک گھر تک پہنچانے میں آپ کے ادنیٰ اشارے پر فوراً جان تک دے دوں گی اور وقت آپ کو بتا دے گا کہ پٹھان عورتیں اور مرد کس طرح کانگریسی وزارت کے ایوانوں کو ڈھاتے ہیں۔''

وہ 14 اگست 1898ء کو جہانگیر پورہ پشاور میں سردار نصرت جنگ کے ہاں پیدا ہوئیں۔ قرآن پاک اور اسلامی کتب کی تعلیم گھر پر ہی مکمل کی۔ فارسی ان کی مادری زبان تھی۔ شادی کے بعد میٹرک کیا اور پھر فارسی کا امتحان پاس کیا۔

1931ء میں آل انڈیا ویمنز کانگریس کی رکن بن کر سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور خواتین کے حقوق کے تحفظ کی کوششوں کی ابتدا کی۔ 1931ء میں ایشیاء ویمن کانفرنس منعقدہ لاہور میں اس کی صدارت کی۔ 1934ء میں ہندوستانی عورتوں کا وفد لے کر انگلستان، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، ہالینڈ، فرانس اور مصر کا دورہ کیا۔ استنبول کانفرنس میں انہیں دوبارہ وفد کا رکن چنا گیا۔ 1940ء میں شوہر کی وفات کے بعد ملکی سیاست میں سرگرمی

سے حصہ لینا شروع کیا اور سرحد کی مسلم خواتین کو تحریک پاکستان سے روشناس کرانے کے لیے شمال مغربی سرحد کے کونے کونے میں گئیں۔ حصول پاکستان کی تحریک میں حصہ لینے کی بناپر جیل بھی گئیں، لیکن دوسرے روز ہی رہا کردی گئیں۔

22 جنوری 1947ء سے 24 فروری 1947ء تک سول نافرمانی کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ 28 فروری کو پشاور گئیں۔

صوبہ سرحد میں خواتین نیشنل گارڈز کے قیام پر وہ اس کی کپتان بنیں۔ تاہم تحریک پاکستان کے سلسلے میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

کمزوروں کا رہنما

(دیکھیے: تیرہ سوسالہ جھنڈا)

کمیونل ایوارڈ

جب ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی فضا قائم نہ ہوئی تو 1932ء میں برطانوی حکومت نے اپنی جانب سے چند فیصلے کیے جنہیں کمیونل ایوارڈ کا نام دیا گیا۔ اس ایوارڈ کے مطابق:

1. مسلمانوں کو جداگانہ انتخابات کا حکم دے دیا گیا
2. سندھ کو بمبئی سے الگ کر کے ایک نیا مسلم اکثریتی صوبہ بنا دیا گیا۔
3. سرحد کو دیگر صوبوں کے برابر آئینی اصلاحات دے دی گئیں۔
4. صوبوں میں اقلیتوں کے لیے پاسنگ کا بندوبست کیا گیا۔
5. پنجاب میں ایسا بندوبست کیا گیا کہ مسلمانوں کو قانون ساز اسمبلی میں معمولی اکثریت حاصل ہوگئی۔

2 جنوری 1937ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے ڈھاکہ میں کمیونل ایوارڈ کے بارے میں فرمایا:

> ''کمیونل ایوارڈ کے خلاف ہندوؤں کو اپنا موجودہ رویہ ترک کردینا چاہئے۔ محض اخباری پروپیگنڈہ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

کنگ اینڈ کمپنی

جب پہلی بار قائداعظم محمد علی جناح لندن تشریف لے گئے تو ان سے خط و کتابت کنگ اینڈ کمپنی پال مال لندن کے توسط سے ہوتی تھی۔ بعدازاں اس کمپنی کا نام کاکس اینڈ کنگ پڑ گیا۔

رضوان احمد اپنی کتاب قائداعظم محمد علی جناح ابتدائی تیس سال میں لکھتے ہیں:

> ''اس کمپنی کے ذریعے پہلی بار قائداعظم محمد علی جناح کا کراچی سے لندن کا سفر اور لندن میں ان کی اقامت کا انتظام ہوا ہوگا۔''

کنگ بنچ واک

قائداعظم محمد علی جناح 1934ء میں جب لندن میں پریوی کونسل میں وکالت کر رہے تھے تو اس وقت انہوں نے اپنا دفتر کنگ بینچ واک میں قائم کر رکھا تھا۔

کنگ کوٹھی

(دیکھیے: کامل، مظہر علی)

کنگزوے ہال

یہ لندن کا وہ ہال ہے جہاں 14 دسمبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مقامی پاکستانیوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

> ''انگریز پوچھتا ہے کہ آخر ہم کیا چاہتے ہیں ہمارے مطالبات کیا ہیں۔ اس کا سیدھا سادا جواب ہے پاکستان۔

اب پاکستان کو کون روک سکتا ہے کیا انگریز سنگینوں کے سائے میں اقتدار ہندو اکثریت کو منتقل کر دے گا؟''

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے انگشت شہادت کو اٹھاتے ہوئے کہا:

''ہم آزاد ہوں گے اور پاکستان بن کر رہے گا جمہوریت مسلمان کے خون میں ہے۔''

کنیز یوسف، ڈاکٹر

پاکستان کی پہلی خاتون وائس چانسلر تھیں، بحیثیت طالبہ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو کئی مرتبہ قریب سے دیکھا۔ انہوں نے اس ضمن میں کہا:

''مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ایک مرتبہ قائداعظم محمد علی جناح اسلامیہ کالج فار بوائز لاہور میں تشریف لائے تو انہوں نے اپنی تقریر کی ابتدا جس واقعہ سے کی وہ آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ فرمانے لگے۔ آج جب میں لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچا تو ایک دس سالہ بچے نے مجھ سے آٹوگراف مانگا۔

میں نے اس بچے سے پوچھا:

''میرا آٹوگراف کیوں لے رہے ہو؟''

اس نے برجستہ جواب دیا:

''اس لیے کہ آپ مسلمانوں کے لیڈر ہیں۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''ایک چھوٹا بچہ تو جانتا ہے کہ میں ہندوستان کے مسلمانوں کا لیڈر ہوں لیکن حیرت ہے کہ نہرو نہیں جانتا۔''

ایک دوسرے موقع پر قائداعظم محمد علی جناح کے جلسہ کو درہم برہم کرنے کے لیے خاکساروں کے رہنما علامہ مشرقی نے اذان دے دی تھی۔ اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی تقریر ختم کر کے جلسہ برخاست کر دیا اور کہا:

''اذان ہو جائے تو مسلمانوں پر نماز پڑھنا فرض ہو جاتا ہے۔''

کولٹ مین، ایف جے

1936ء میں علامہ اقبال مسجد شہید گنج کے سلسلے میں کسی اچھے قانون دان کی خدمت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کا نام لیا لیکن قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''جب میں ثالث بن کر لاہور آیا تھا تو سکھوں اور ہندوؤں نے میرا پرجوش خیر مقدم کیا تھا لہٰذا اب مجھے اس جھگڑے میں فریق نہ بنایا جائے۔''

چنانچہ انہوں نے اس موقع پر ایک انگریز وکیل ایف جے کولٹ مین کی خدمات حاصل کرنے کے لیے کہا۔

کوئٹہ

بلوچستان کے رہنما قاضی محمد عیسیٰ کی دعوت پر قائداعظم محمد علی جناح کوئٹہ گئے جہاں 3 جولائی 1943ء کو انہوں نے بلوچستان مسلم لیگ کے تیسرے سالانہ اجلاس کا افتتاح کیا۔ یہ اجلاس قاضی محمد عیسیٰ کی صدارت میں منعقد ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''مسلمانان بلوچستان بھی اپنی گراں خوابی سے چونکیں اور ملت مسلمہ کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ آپ کے صوبے میں بھی مسلم لیگ کا نظام روز بروز وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کی یہی بیداری قومی تعمیر نو کی خشت اول ثابت ہو گی۔ کسی قوم کو بیدار کرنا ایک بڑی عظمت ہے۔ اس کو منظم کرنا اس سے بھی بڑی عظمت ہے۔ پس اب اٹھو اور دوسرے صوبوں کے

شانہ بشانہ صف آرا ہو جاؤ۔"

4 جولائی 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح کو مسلمانان بلوچستان کی جانب سے ایک تاریخی تلوار پیش کی گئی۔ تلوار کا تحفہ قبول کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"آپ نے جو تلوار مجھے دی ہے وہ صرف حفاظت کے لیے اٹھے گی۔ سب سے ضروری امر علم ہے۔ یہ تلوار سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہم وقت پر جان و مال کی قربانی دیں گے۔"

ٹاؤن ہال کوئٹہ میں بلوچستان مسلم لیگ کی طرف سے 7 جولائی 1943ء کو ایک شاہانہ ایٹ ہوم دیا گیا۔ اسی روز قائداعظم محمد علی جناح کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن بلوچستان کی طرف سے چائے کی دعوت دی گئی۔ چائے کے اختتام پر فیڈریشن کے طرف سے قائداعظم محمد علی جناح کے حضور ہندوستان کا ایک نقشہ پیش کیا گیا جس پر سبز رنگ کے ریشمی دھاگے سے پاکستان کا علاقہ کشیدہ ہوا تھا۔ یہ نقشہ بہترین چمڑے پر بنایا گیا تھا اور علامہ اقبال کا مشہور عالم مصرعہ کندہ تھا۔

ہر ملک ملک ما است کہ ملک خدائے ما است

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک مختصر تقریر میں فرمایا:

"آپ نے اپنے کام کا نتیجہ دیکھ لیا ہے لیکن آپ کو ابھی اور کام کرنا ہے کیونکہ بلوچستان کو ہندوستان کے مستقبل میں ایک عظیم الشان پارٹ ادا کرنا ہے۔ آپ اپنی سستی کو خیر باد کہیے۔ زود فہمی کی عادت ڈالیے۔ استقلال اور وسیع القلبی مبلغین کا خاصہ ہونا چاہیے۔ محنت کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی اگر آپ نے ان لائنوں پر کام کیا تو میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ نہ صرف اپنے لیے بلکہ تمام اسلامی ہندوستان کے لیے ایک قوت ثابت ہوں گے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اسی طرح کا ایک اور واقعہ پیش کرتے ہوئے کہا:

"1940ء میں بیشتر اس کے کہ مسلم لیگ نے پاکستان کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ میں روہیل کھنڈ میں جو اسلامی تاریخ کے نقطہ نظر سے بہت اہم جگہ ہے۔ سفر کر رہا تھا کہ مجھے میری واپسی سے کچھ عرصہ پیشتر ان کی نوجوان خاتون نے پاکستان کا ایک نقشہ پیش کیا، جو اس نے اپنے ہاتھ سے کشیدہ کر رکھا تھا۔ میں نے اس نقشہ کو بہت خوشی سے قبول کیا۔ یہ نقشہ ہمارے لیے ایک نیک فال تھا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان کا تصور ایک مدت سے ہمارے دل و دماغ پر مسلط ہے، لیکن مسلم لیگ نے اس مطالبے کو ایک شکل دی ہے اور اسے ایک خوبصورت انداز میں پیش کیا، جس کے باعث آج یہ ایک ہمارا قومی مقصود بن گیا ہے۔"

18 جولائی 1943ء کو قائداعظم محمد علی جناح کراچی روانہ ہو گئے۔

20 اکتوبر 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح بلوچستان کے دورے پر کوئٹہ پہنچے تو ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اسی روز انہوں نے ریذیڈنسی میں گورنر کے نمائندے سے ملاقات کی اور مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ 21 اکتوبر 1945ء کو مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن بلوچستان کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے طالب علموں کو مشورہ دیا:

"وہ سیاسی نظریات کا عمیق مطالعہ کریں۔ سیاست تعلیم کا ایک حصہ ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بلوچستان کروٹ بدل رہا ہے۔ بلوچستان کی نیم سیاسی اور فوجی حکومت کے نظم و نسق کو بدلنے کے لیے عوام میں بیداری کی لہر اور جدوجہد کی تڑپ پیدا ہو چکی ہے۔ وہ

اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی بیداری آپ کی جدوجہد، آپ کی یکجہتی اور عزم و استقلال سے اس صوبہ کے نظام میں تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنی جدوجہد آزادی میں صبر واستقلال کا دامن نہ چھوڑیں۔ خواہ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز نہ ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح جولائی 1948ء میں پھر کوئٹہ گئے، چونکہ ان کی صحت خراب تھی اس لیے وہ زیارت روانہ ہوگئے۔

کوئٹہ کا دورہ

1945ء میں قائداعظم محمد علی جناح الیکشن سے قبل فنڈ جمع کرنے کے لیے دورہ پر کراچی کے بعد کوئٹہ پہنچے۔ وہاں کی خشک ٹھنڈی آب وہوا ان کے پھیپھڑوں کے لیے بہترین سمجھی جاتی تھی۔ انہوں نے جہاں کہیں بھی تقریر کی، ان کا پیغام سادہ اور ایک ہوتا تھا:

''مسلم لیگ ہندوستان بھر میں مسلمانوں کی نمائندہ اور بااختیار جماعت ہے اور لیگ کا واحد پلیٹ فارم پاکستان ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک علیحدہ قوم کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں اس موقع پر انہوں نے تار دیا جس میں یہودی تارکین وطن کے فلسطین میں داخلہ پر پابندی نرم کرنے کے خلاف احتجاج کیا گیا تھا۔

انہوں نے برطانوی وزیراعظم ایٹلی کو خبردار کیا:

''آپ کو اس سے مطلع کرنا میرا فرض ہے کہ عربوں کی قربانی پر یہودیوں کو خوش کرنے کی کوشش کا زبردست برا منایا جائے گا۔ عالم اسلام سختی سے اس کی مذمت کرے گا اور اس کے نتائج بڑے تباہ کن ہوں گے۔''

1945ء کی انتخابی مہم کے دوران میں قائداعظم محمد علی جناح کو بلوچستان میں قیام کرنا پڑا، کیونکہ وہ سفر کرنے کے قابل نہ تھے۔ ان کی غیر حاضری میں لیاقت علی خان ورکنگ کمیٹی، سنٹرل پارلیمانی بورڈ اور الیکشن کمیٹی کے ممبران نے دہلی کے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھ کر مسلم لیگ کے معاملات کو چلایا اور امیدواروں کو ٹکٹ دیے۔ خصوصاً صوبہ بنگال اور سرحد میں معمولی باتوں پر تکرار اور ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے واقعات شروع ہوگئے۔

وسط ستمبر میں سر فیروز خان نے وائسرائے کی کابینہ سے بطور وزیر دفاع استعفیٰ دے دیا اور پنجاب لوٹ آئے تاکہ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب لڑ سکیں، تاہم ایک ماہ بعد وائسرائے ہند لارڈ ویول نے پیتھک لارنس کو اطلاع دی:

''فیروز خان کو عمومی طور پر خوش آمدید نہیں کہا گیا، اور مجھے شک ہے کہ وہاں پارٹی اتنی متحد اور سرگرم نہیں جتنا کہ اسے ہونا چاہیے۔ مسلم لیگ کی تنظیم کانگریس کے مقابلے میں ہمیشہ خراب رہی ہے اور اگر انہوں نے یہ وقت ذاتی جھگڑوں میں کھو دیا تو اس کے نتائج انتخابات میں بھگتنے ہوں گے۔''

اکتوبر کے آخری ہفتہ میں قائداعظم محمد علی جناح نے کوئٹہ سے بمبئی جاتے ہوئے احمد آباد میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا۔

کھارادر

یہ کراچی کے قدیم ترین علاقوں میں شمار ہوتا ہے۔ یہ وہی علاقہ ہے جہاں قائداعظم محمد علی جناح کی ولادت ہوئی تھی۔ اس کے نام کے بارے میں دو نقطہ نظر ہیں:

- یہ علاقہ سمندر کے قریب تر ہے اور ماضی میں اس علاقے کے آگے کوئی آبادی نہیں تھی۔ اس لیے اسے سمندر کے قریب پہنچنے کا آخری در کہا جاتا تھا اور چونکہ سمندر کا پانی کھارا

ہوتا ہے اس لیے یہ علاقہ کھارادر کے نام سے مشہور ہو گیا۔

ابتداء میں چونکہ کراچی میں پینے کا صاف پانی نہیں ملتا تھا اس لیے لوگ پانی کی ضروریات کی تکمیل کے لیے موزوں مقامات پر کنویں کھودلیا کرتے تھے اسی طرح کا ایک کنواں اس علاقے میں بھی کھودا گیا تھا، لیکن اس کا پانی کھارا تھا اس لیے اس پانی کی مناسبت سے یہ نام پڑا اور اس کے قریب ہی میٹھا در کا علاقہ ہے۔

اس علاقے میں میمن مسجد اور اسماعیلی جماعت خانہ کے بالمقابل جعفر قدر ٹاور ہے جو 1914ء میں بنایا گیا۔ اب اس میں بلدیہ کا شفاخانہ قائم ہے۔

کھیر بی جی

قائداعظم محمد علی جناح کی کوشش تھی کہ ہندو مسلم یعنی دونوں اقوام میں فرقہ وارانہ مفاہمت اور اتحاد کی فضا قائم ہو جائے، لیکن جب کانگریسی رہنما ڈاکٹر بابو راجندر پرشاد نے ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں ایک طویل بحث کا آغاز کیا تاکہ مسلمانوں میں نفاق ڈالا جائے تو اس وقت قائداعظم محمد علی جناح نے مسٹر بی جی کھیر کے ہاتھ گاندھی جی کو ایک پیغام بھیجا جس کا جواب گاندھی جی نے 22 مئی کو دیا جس میں انہوں نے خود کو بے بس ظاہر کیا تھا، اور کہا:

''ایسی مشکل میں صرف خدا کو پکارتا ہوں۔''

کیبنٹ مشن (1946ء-1947ء)

دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی سیاست اور صورت حال کے اپنے تقاضے تھے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ دنیا ہی بدل گئی ہے۔ ایشیا اور افریقہ میں قومی تحریکیں روز بروز زور پکڑ رہی تھیں اور مغربی اقوام کو احساس ہو رہا تھا کہ ان کو زیادہ دیر تک نو آبادیاں بنا کر رکھنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ ہندوستان میں 1857ء کے بعد پہلی دفعہ 18 فروری 1946ء کو (بحری) فوج میں بغاوت ہوئی۔ ادھر جنگ کے دوران کانگریس کے سابق صدر سبھاش چندر بوس نے ہندوستان سے فرار ہو کر جاپان کے زیر سایہ انڈین نیشنل آرمی بنالی تھی۔ عوام کا جذبہ حریت بھی عروج پر تھا اور نوجوانوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ انگریز کی اپنی اقتصادی حالت اتنی خستہ ہو چکی تھی کہ وہ سمجھتا تھا کہ صرف انگریز فوج کی مدد سے ہندوستان پر حکمرانی کرنا ممکن نہ ہوگا۔ دانش وری کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اس علاقے کو اس طرح چھوڑ دے کہ اس سے سیاسی تعلقات خوشگوار رہیں، اور اقتصادی رابطے ٹوٹنے نہ پائیں۔ اگرچہ سلطنت برطانیہ کی شان و شوکت کا سورج غروب ہو رہا ہے لیکن دولت مشترکہ کی صورت میں اس کی عظمت کا علم بلند رہے۔ اس پس منظر میں 19 فروری 1946ء کو برطانوی حکومت نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے مسائل حل کرنے کے لیے وہ اپنے تین وزراء پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجے گی۔ وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس (Pethick-Lawrence) اس وفد کے سربراہ ہوں گے۔ صدر بورڈ آف ٹریڈ سر سٹیفورڈ کرپس (Stafford CRipps) اور بحریہ کے فرسٹ لارڈ اے، وی، الیگزنڈر (Alexander) اس کے ارکان ہوں گے۔ چونکہ یہ وفد کابینہ کے ارکان پر مشتمل تھا' اس لیے ''کیبنٹ مشن'' کے نام سے مشہور ہوا۔ 15 مارچ 1946ء کو برطانیہ کے وزیراعظم ایٹلی نے پارلیمنٹ میں کیبنٹ مشن کے موضوع پر بحث کے دوران کہا:

''ہمیں اقلیتوں کے حقوق کا خیال ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اقلیتیں ہر قسم کے خوف سے آزاد ہو کر رہ سکیں، لیکن ہم کسی اقلیت کو اکثریت کی ترقی روکنے کے لیے ویٹو کا اختیار بھی نہیں دے سکتے۔''

قائداعظم نے اس بیان پر شدید احتجاج کیا اور کہا:

''مسلمان ایک اقلیت نہیں بلکہ ایک قوم ہیں۔''

کیبنٹ مشن 23 مارچ 1946ء کو کراچی اور 24 مارچ 1946ء کو دہلی پہنچا۔ قائداعظم کے احتجاج کے پیش نظر اگلے روز ایک پریس کانفرنس میں پیتھک لارنس نے وضاحت کی:

''مسلم لیگ کو صرف ایک اقلیتی سیاسی پارٹی سمجھنا درست نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ عظیم مسلم فرقے کی اکثریت کی نمائندہ ہے۔''

آیئے دیکھیں کہ اس وقت ہندوستان کی سیاسی صورت حال کیا تھی۔ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہو چکے تھے۔ قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ نے ہر سطح پر حیران کن کامیابی حاصل کی تھی۔ ان انتخابات نے ثابت کر دیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان صرف مسلم لیگ کے ساتھ ہیں، اور کانگریس صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے۔ پاکستان کے تصور سے مسلمانوں کے دل و دماغ روشن تھے۔ وہ اس تصور پر نازاں تھے کہ مسلمانوں کی ایک نئی مملکت وجود میں آئے گی جہاں اسلامی نظام نافذ ہو گا۔ اب کوئی پارٹی خواہ حکومت ہو خواہ کانگریس، مسلم لیگ کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ مسلم انڈیا قائداعظم کے اشارے کا منتظر تھا۔

وفد نے آتے ہی ہندوستان کی مختلف پارٹیوں کے رہنماؤں سے گفتگو شروع کر دی۔

قائداعظم کی اجازت سے مسلم لیگ کے رہنماؤں میں سب سے پہلے ابوالحسن اصفہانی، راجہ صاحب آف محمود آباد اور مس ممتاز شاہنواز نے کیبنٹ مشن سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے دوران کیبنٹ مشن کے تینوں ارکان ایک متحدہ ہندوستان کی جس میں مسلمانوں کو مناسب تحفظات ہوں حمایت کرتے رہے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ نہ صرف پاکستان کا دفاع ایک سنگین مسئلہ ہو گا بلکہ پاکستان اقتصادی طور پر بھی کمزور ہو گا، اور ہندوستان سے پیچھے رہ جائے گا۔ مسلم لیگی رہنماؤں نے دلائل سے ان کے نقطہ نظر کی تردید کی۔ اصفہانی نے جواب دیا:

''اول تو ہمیں آپ کی باتوں سے اتفاق نہیں لیکن بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ مثال کے طور پر اقتصادی صورت حال کے بارے میں جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ صحیح ہے تو بھی ایک غریب اور کم ترقی یافتہ مگر آزاد قوم کے طور پر زندہ رہنا' ایک مالدار اور ترقی یافتہ ہندوستان میں ہندوؤں کی محکوم اقلیت اور دوسرے درجے کے شہریوں کے طور پر زندگی بسر کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔''

3 اپریل 1946ء کو گاندھی کی مشن سے گفتگو ہوئی۔ انہوں نے صرف ایک دھوتی باندھی ہوئی تھی اور بہت صحت مند دکھائی دے رہے تھے۔ گاندھی نے مشن سے کہا:

''جناح کو ملک کی پہلی حکومت بنانے دیں۔ وزراء ملک کے منتخب نمائندوں میں سے ہوں۔ جناح جس کو چاہیں چن لیں لیکن ان وزراء کو اپنی اپنی اسمبلیوں سے اعتماد کا ووٹ لینا پڑے گا۔ اگر جناح حکومت بنانے میں انکار کر دیں تو پھر کانگریس کو یہی پیشکش کی جائے۔''

آپ نے گاندھی کا انداز دیکھا کہ وزیراعظم جناح صرف ان لوگوں کو چن سکیں گے جن پر ان کی اسمبلیاں اعتماد کا اظہار کریں۔ اپنی آبادی کی وجہ سے مسلم اقلیتی صوبوں کی اسمبلیوں میں ہندوؤں کی بڑی بھاری اکثریت تھی۔ ادھر عوام میں انتہائی مقبولیت کے باوجود مسلم اکثریتی صوبوں کی اسمبلیوں میں مسلمانوں کو آبادی کے لحاظ سے نشستیں نہ ملنے پر مسلم لیگ کو قطعی اکثریت حاصل نہ تھی۔ اس لیے مجبوراً اسے تقریباً سارے کے سارے کانگریسی ہندو یا غیر لیگی مسلمان وزیر رکھنے پڑتے۔ ایسی پیش کش کو قائداعظم کیوں قبول کرتے، اور اس

کے بعد حکومت خود بخود کانگریس کے پاس چلی جاتی۔ یہ تھی گاندھی کی پیش کش قائداعظم کے لیے۔

بروایں دام بر مرغ و گرنہ

پیتھک لارنس نے گاندھی سے کہا:

''اس طرح تو جناح کے زیادہ تر وزراء غیر لیگی ہی ہوں گے۔''

گاندھی نے کہا:

''اس سے تو گریز نہیں۔''

ایسی بات کو کون آگے بڑھاتا!

3 اپریل کو مشن کی گاندھی سے ملاقات پر جب گاندھی نے پینے کے لیے ایک گلاس پانی کی خواہش کی تو بجائے چپڑاسی کے سیکرٹری کو پانی لانے کے لیے بھیجا گیا، اور جب سیکرٹری فوری طور پر واپس نہ آیا تو اس بارے میں پتہ کرنے کے لیے بڑی عجلت میں کرپس خود گئے۔ یہ تھی وہ تعظیم جس کا اظہار گاندھی کے لیے کیا جا رہا تھا، اور اسی وفد سے قائداعظم نے مسلمانوں کے حقوق کے لیے بات چیت کرنی تھی۔ کیا کرپش جیسے لوگوں سے کسی انصاف کی توقع کی جا سکتی تھی۔ ویول نے اپنی ڈائری میں انہیں ایک بددیانت شخص قرار دیا ہے۔ تاریخ کے اوراق کرپس اور پیتھک لارنس کے کانگریس کی طرف زبردست جھکاؤ کے گواہ ہیں۔

4 اپریل 1946ء کو قائداعظم کی مشن سے گفتگو ہوئی۔ انہوں نے مشن کو بتایا:

''چندر گپت سے لے کر آج تک تاریخ میں ہندوستان کی کبھی کوئی ایک حکومت نہیں رہی۔ انگریزوں کے آنے کے بعد بھی ریاستوں کی وجہ سے ہندوستان کبھی ایک وحدت نہیں ہوا۔ ہندوستان اصل میں کئی ٹکڑوں پر مشتمل ہے، اور انگریزوں نے اسے جکڑ کر ایک بنایا ہوا ہے۔ مسلمانوں میں زندگی کا تصور ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔ وہ اپنے ہیروز میں مختلف خوبیوں کی توقع رکھتے ہیں۔ ان کا کلچر بالکل مختلف ہے۔ ان کی سماجی روایات بالکل مختلف ہیں۔ ہندو سوسائٹی اور فلسفہ دنیا بھر سے علیحدہ ہیں۔ مسلمان اور ہندو ایک ہزار سال سے ہندوستان میں اکٹھے رہ رہے ہیں، لیکن آپ ہندوستان کے کسی شہر میں جا کر دیکھ لیجئے آپ کو علیحدہ علیحدہ ہندو اور مسلم علاقے نظر آئیں گے۔''

اس طرح انہوں نے نہ صرف ہندوستان کی نام نہاد وحدت کی حقیقت بیان کر دی بلکہ ہندو اور مسلمان تہذیبوں کے فرق کو بھی واضح کر دیا۔

ہندوستانی سیاست دانوں، مشن اور وائسرائے کے درمیان ان ملاقاتوں کا سلسلہ جاری تھا کہ قائداعظم نے ایک عظیم رہنما کے طور پر یہ ضروری سمجھا کہ 46-1945ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی کا دباؤ کیبنٹ مشن اور کانگریس پر قائم رکھا جائے۔ چنانچہ انہوں نے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ارکان کا ایک کنونشن 7 اپریل 1946ء کو دہلی میں بلا لیا۔ اس میں ساڑھے چار سو سے زائد ارکان نے شرکت کی۔ یہ ایک بے مثال اور بے نظیر اجتماع تھا۔ جس میں ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے نمائندے جمع تھے۔ بنگال کے وزیراعلیٰ حسین شہید سہروردی نے ایک قرارداد پیش کی جو متفقہ طور پر منظور ہوئی۔ اس قرارداد کو پیش کرتے ہوئے سہروردی نے کہا:

''ہم امن سے رہنا چاہتے ہیں، لیکن اگر جنگ کی ضرورت ہوئی تو بنگال کا ہر مسلمان اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

پھر وہ ڈرامائی انداز میں قائداعظم کی طرف مڑے اور کہا:

''قائداعظم! آپ ہمیں ذرا آزما کر تو دیکھئے۔''

اس قرارداد میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا گیا:

''مسلمان ایسا کوئی آئین منظور نہیں کریں گے جو متحدہ ہندوستان کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہو۔''

اور یہ مطالبہ کیا گیا کہ وہ منطقے جو ہندوستان کے شمال مشرق میں بنگال اور آسام پر اور شمال مغرب میں پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان پر مشتمل ہیں، اور جہاں مسلمانوں کی بھاری اکثریت ہے انہیں ملا کر ایک آزاد اور خودمختار ریاست بنائی جائے۔ نیز یہ کہ اپنا علیحدہ علیحدہ آئین بنانے کے لیے پاکستان اور ہندوستان کی دو الگ الگ دستور ساز اسمبلیاں قائم کی جائیں۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس قرارداد میں بجائے خودمختار ریاستوں کے ایک خودمختار ریاست کا ذکر کیا گیا ہے، اور مجوزہ ریاست پاکستان کے علاقے کا بالوضاحت تعین کر دیا گیا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ قرارداد' لاہور ریزولیشن سے مطابقت نہیں رکھتی۔ قرارداد لاہور کوئی حتمی بات نہ تھی۔ مسلمانوں کے ایک نمائندہ اجتماع نے حالات کے تقاضوں کے پیش نظر اس میں ابہام دور کر دیا۔

9اپریل1946ء کو کونشن کے آخری اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

''یہ سچ ہے کہ مسلمان اپنے مذہب کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں، لیکن صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں۔ مسلمان اپنی سماجی اور اقتصادی زندگی کی بقا کے لیے بھی جدوجہد کر رہے ہیں، لیکن سیاسی طاقت کے بغیر آپ اپنے عقیدے اور اپنی معاشی زندگی کا کس طرح دفاع کر سکتے ہیں؟ اکھنڈ ہندوستان میں ہندو آئین کو بدل دیں گے، اور موجودہ تحفظات کا نام ونشان تک مٹا دیں گے۔''

انہوں نے خبردار کیا:

''قیام پاکستان کے بعد اگر ہندوستان میں مسلمانوں سے برا سلوک کیا گیا تو پاکستان خاموش تماشائی نہیں رہے گا۔''

انہوں نے اپنی تقریر کے آخر میں کہا:

''برطانوی حکومت پاکستان کے قیام میں دیر تو لگا سکتی ہے لیکن دنیا کی کوئی طاقت ہمیں پاکستان سے محروم نہیں کر سکتی۔ آیئے ہم امید، حوصلہ اور یقین کو اپنے دلوں میں جاگزیں کر کے اس تاریخی کونشن سے اٹھیں۔ انشاء اللہ فتح و نصرت ہمارے قدم چومے گی۔''

اس اجتماع میں شریک تمام نمائندوں نے ایک عہد نامے پر دستخط کیے جس میں کہا گیا تھا:

''پاکستان اور صرف پاکستان ہی مسلمانان ہند کی راہ نجات ہے، اور پاکستان کے حصول کی جدوجہد میں وہ کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔''

16اپریل 1946ء کو جب مشن نے قائداعظم سے ملاقات کرنی تھی تو پیتھک لارنس کے سیکرٹری ٹرن بل (Turnbull)، ویول اور کرپس نے اپنے اپنے بریف تیار کیے کہ جناح سے کس طرح بحث کی جائے۔ قائداعظم کی بحث کی صلاحیت کو یہ ایک منفرد خراج تحسین ہے۔ اس میٹنگ میں مختلف تجاویز پر غور ہوتا رہا۔ بات چیت کے دوران پیتھک لارنس نے قائداعظم کو بتایا کہ انہیں مکمل پاکستان ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ پاکستان کو وہ علاقے بھی مل جائیں جہاں غیر مسلموں کی اکثریت ہے، اور وہ ایک خودمختار آزاد ملک بھی بن جائے۔ قائداعظم نے مشن کو بتایا:

''چھ صوبوں پر ان کا دعویٰ ایک معقول مطالبہ ہے۔ کانگریس کا کیا جاتا ہے۔ وہ ہمارے سارے مطالبات مان لے تو بھی اس کے پاس تین چوتھائی ہندوستان رہ جاتا ہے۔''

پیتھک لارنس نے کہا:

''ایسی بات نہیں۔ کانگریس ہندوستان کی وحدت سے محروم ہو جائے گی، اور آج کی دنیا میں یہ بہت بڑی بات ہے۔''

24 اپریل 1946ء کو وفد کشمیر میں ایک ہفتے کی چھٹی گزار کر آیا تو ملاقاتوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔

5 مئی سے وائسرائے نے شملہ میں ایک کانفرنس بھی شروع کی، لیکن سیاست دانوں میں اتفاق رائے نہ ہونے پر 16 مئی 1946ء کو وفد نے اپنی تجاویز جو'' کیبنٹ مشن پلان'' کے نام سے مشہور ہیں' ریڈیو سے نشر کیں۔ اس پلان میں آزاد پاکستان کے تصور کو مسترد کر دیا گیا کیونکہ وفد کے خیال میں اس سے اقلیتوں کے فرقہ وارانہ مسائل' خاص طور پر سکھوں کے' حل نہیں ہوتے تھے اور آبادی کے لحاظ سے نمایاں اکثریت والے غیر مسلم علاقوں کو پاکستان میں شامل کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ مزید برآں یہ جغرافیائی حقیقت بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ مجوزہ پاکستان کے دو حصوں میں تقریباً 700 میل کا فاصلہ ہے۔ جنگ اور امن میں ان کے درمیان رابطہ ہندوستان پر منحصر ہو گا۔ اس کے علاوہ گزشتہ صدی میں برطانوی دور حکومت میں جس محنت سے فوجی' اقتصادی اور انتظامی وحدت قائم ہوئی ہے' وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائے گی۔ مشن کی طرف سے متحدہ ہندوستان کے دستوری ڈھانچے کے بارے میں مندرجہ ذیل دو حصوں پر مشتمل پلان کی سفارش کی گئی:

1. طویل المیعاد منصوبہ یعنی ہندوستان کے لیے ایک دستور ساز اسمبلی کا قیام۔ یہ اسمبلی پلان کے فریم ورک کے اندر رہ کر متحدہ ہندوستان کا دستور بنائے گی۔
2. قلیل المیعاد منصوبہ یعنی عبوری حکومت کا قیام۔

پلان کے فریم ورک کا خلاصہ یہ ہے:

1. ایک یونین آف انڈیا ہو جو برطانوی انڈیا اور ریاستوں پر مشتمل ہو۔ اس کے پاس صرف امور خارجہ' دفاع اور مواصلات کے محکمے ہوں۔ حکومت کے پاس ان محکموں کے اخراجات پورے کرنے کے لیے آمدنی اکٹھی کرنے کے اختیارات ہوں۔
2. یونین (یعنی مرکز) کے پاس انتظامیہ اور قانون ساز اسمبلی ہو جو ہندوستان اور ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ فرقہ وارانہ مسائل کا فیصلہ کرنے کے لیے اسمبلی میں دونوں بڑی قوموں میں سے ہر ایک کے حاضر اور ووٹ دینے والوں نمائندوں کی اکثریت ضروری ہو۔ علاوہ ازیں حاضر اور ووٹنگ میں حصہ لینے والے کل ممبران کی اکثریت بھی ضروری ہو۔
3. یونین کے محکموں کے علاوہ باقی تمام محکمے اور فاضل اختیارات صوبوں / ریاستوں کی تحویل میں ہوں۔
4. یونین کے تین سیکشن ہوں گے۔ سیکشن اے میں ہندو اکثریت کے صوبے یو پی، سی پی، بہار، مدراس، اڑیسہ اور بمبئی شامل ہوں گے، سیکشن بی میں مسلم اکثریت کے صوبے پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان اور سیکشن سی میں بنگال اور آسام شامل ہوں گے۔
5. ہر سیکشن کی اسمبلی کو اس سیکشن میں شامل صوبوں کے لیے صوبائی دستور بنانا ہو گا۔ وہ یہ فیصلے بھی کریں گے کہ کیا ان صوبوں کے لیے کسی اجتماعی آئین کی ضرورت ہے، اور اگر ایسا ہے تو پھر اس گروپ کے پاس کون سے صوبائی محکمے ہوں گے۔
6. صوبے گروپ بنانے کے لیے آزاد ہوں گے۔



قائداعظم محمد علی جناحؒ اپنی لائبریری میں

⑦ یونین اور گروپوں کے دساتیر میں ایک ایسی شق موجود ہو جس کے تحت کوئی صوبہ بھی اپنی قانون ساز اسمبلی کی اکثریت سے ہر دس برس کے بعد دستور کی شقوں پر نظرثانی کے لیے کہہ سکے گا۔

⑧ نئے آئینی انتظامات کے مکمل ہوتے ہی کسی بھی صوبے کو کسی گروپ سے علیحدگی کا حق حاصل ہوگا لیکن یہ فیصلہ نئے آئین کے تحت انتخابات معرض وجود میں آنے والی نئی صوبائی اسمبلی ہی کر سکے گی۔

فوری طور پر ایک عبوری حکومت قائم کی جائے گی جس میں وائسرائے کے علاوہ باقی سب ہندوستانی ہوں گے۔

مشن نے اس امید کا اظہار کیا کہ ان تجاویز سے ہندوستان کو مختصر ترین وقت اور اندرونی لڑائی جھگڑے کے بغیر آزادی حاصل ہو جائے گی۔

18 مئی 1946ء کو قائداعظم نے سری نگر سے ٹیلی فون کر کے وائسرائے کو پیغام دیا:

''مسلمانوں میں اس پلان کے خلاف بہت سخت ردعمل ہے۔ اس لیے ایک مہینے کے لیے اس پر بحث ملتوی کر دی جائے۔''

22 مئی کو قائداعظم نے ایک بیان میں اس بات پر افسوس کا اظہار کیا:

''مشن نے مکمل آزاد پاکستان کے قیام کی نفی کی۔ ہماری رائے میں اب بھی ہندوستان کے دستوری مسئلے کا صرف یہی حل ہے۔''

پلان کے اعلان کے فوراً بعد گاندھی کی طرف سے اس پلان کی تعریف کے ساتھ ساتھ اسے ایک اپیل اور مشورہ قرار دے کر اس پر تبصرہ بھی آ گیا۔ انہوں نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا:

① دستور ساز اسمبلی ایک آزاد ادارہ ہے۔ اس لیے وہ پلان میں تبدیلی کرنے یا اسے مسترد کرنے یا اس کی صورت بہتر کرنے کی مجاز ہے۔

② کسی صوبے کو اس کی مرضی کے خلاف کسی گروپ سے منسلک نہیں کیا جا سکتا۔

گویا شروع ہی سے گاندھی پلان کی من مانی تاویلیں کر رہے تھے۔

وڈرو وائٹ (Woodrow Wyatt) کیبنٹ مشن کے ایک سیکرٹری تھے۔ غالباً ان کے فرائض میں یہ بھی تھا کہ وہ قائداعظم سمیت مسلم لیگ کی قیادت سے اور گاندھی سمیت کانگریس کی قیادت سے قریبی رابطے رکھیں اور باضابطہ فیصلوں سے پہلے مسلم لیگ اور کانگریس کی سوچ کو کیبنٹ مشن تک پہنچائیں۔ مسلم لیگ کیمپ میں اپنا اعتماد قائم کرنے کے لیے وہ کانگریس کے کیمپ کی خبریں اصفہانی اور راجہ صاحب محمود آباد کے ذریعے مسلم لیگ کو پہنچاتے رہتے۔ اس طرح وہ مشن کی بعض تجاویز کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار بھی کرتے رہتے۔ ان سے جتنی اطلاع بھی اصفہانی اور راجہ صاحب محمود آباد کو ملتی وہ اسے قائداعظم تک پہنچا دیتے۔

24 مئی 1946ء کو وائٹ نے قائداعظم سے ملاقات کی۔ قائداعظم سے گفتگو کے بعد ان کے موڈ کا اندازہ کرتے ہوئے وائٹ ان سے کہنے لگے:

''میرے خیال میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی مندرجہ ذیل خطوط پر قرارداد پاس کرے گی:

''حکومت برطانیہ نے پاکستان کے خلاف رائے دے کر غیر مناسب حرکت کی ہے۔ اسے کوئی حق نہیں کہ وہ کروڑوں لوگوں کے مطالبے کو مسترد کر دے۔ اس کا پاکستان کے بارے میں تجزیہ بہت افسوس ناک ہے لیکن مسلمانوں نے کبھی کسی سے یہ توقع نہیں رکھی کہ وہ انہیں پاکستان دے گا۔ وہ جانتے ہیں کہ

انہیں پاکستان اپنے زور بازو سے حاصل کرنا ہے۔
کیبنٹ مشن کی سکیم ناقابل عمل ہے اور یہ کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یہ جاننے کے باوجود کہ مشینری کام نہیں کرسکتی، ہم پلان کو قبول کرلیں گے، کیونکہ ہم اس پلان کو موقع دینا چاہتے ہیں۔ ہم اسے ناکام بنانے کی کوشش نہیں کریں گے، بلکہ اس منصوبے کو پاکستان کی راہ میں پہلا قدم سمجھ کر منظور کرلیں گے۔''

یہ سن کر قائداعظم خوش ہوگئے اور کہنے لگے:

''آپ میرا مدعا اچھی طرح سمجھ گئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ مسلم لیگ ایسا ہی کرے گی۔''

24 مئی 1946ء کو کانگریس کی مجلس عاملہ نے ایک طویل قرارداد منظور کی جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ کہا گیا تھا:

''اس پلان میں صوبوں کو جس آزادی کے دیے جانے کا وعدہ کیا گیا ہے، ابتدائی گروپ بندی کی شرط اس آزادی کے منافی ہے۔ کیبنٹ مشن کے بیان کی سفارشی نوعیت باقی رکھنے اور مختلف شقوں کو ایک دوسرے کے مطابق بنانے کی غرض سے مجلس عاملہ یہ سمجھتی ہے کہ سب سے پہلے متعلقہ صوبے یہ فیصلہ کریں گے کہ آیا وہ اس گروپ میں شامل ہونا پسند کریں گے جس میں انہیں رکھا گیا ہے۔''

کانگریس کمیٹی نے مکمل معلومات حاصل ہونے تک کیبنٹ مشن کی تجاویز پر فیصلہ ملتوی کردیا۔

اب تک یہ ہوتا چلا آیا تھا کہ مسلم لیگ کانگریس کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتی تھی۔ اس بار کانگریس محتاط ہوگئی اور اس نے وضاحت کا بہانہ کرکے اپنا فیصلہ ملتوی کردیا۔

قائداعظم کے 22 مئی 1946ء کے بیان اور کانگریس ورکنگ کمیٹی کی 24 مئی 1946ء کی قرارداد کے پیش نظر کیبنٹ مشن اور وائسرائے کی طرف سے 25 مئی 1946ء کو ایک بیان جاری کیا گیا جس میں اس بیان اور اس قرارداد میں اٹھائے گئے نکات کے جواب میں یہ بھی کہا گیا:

''کانگریس کی قرارداد میں یہ توضیح کہ صوبے آغاز ہی میں یہ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنے طے شدہ گروپ میں رہیں گے یا نہیں، مشن کے منشا کے مطابق نہیں۔ صوبوں میں گروپ بندی ہمارے منصوبے کا ایک بنیادی حصہ ہے اور دونوں فریقوں کی مرضی کے بغیر اس میں کسی قسم کا ردوبدل نہیں ہوسکتا۔ نیز عبوری دور میں موجودہ آئین ہی نافذ رہے گا اور عبوری حکومت مرکزی اسمبلی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوگی''۔

مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے کیبنٹ مشن پلان پر غور وخوض کے بعد اس کی منظوری کا فیصلہ مسلم لیگ کونسل پر چھوڑ دیا۔ 5 جون 1946ء کو مسلم لیگ کونسل کی میٹنگ بلائی گئی۔ اس سے پہلے 3 جون کو قائداعظم نے ویول سے ملاقات کرکے پوچھا:

''اگر مسلم لیگ نے پلان منظور کرلیا اور کانگریس نے مسترد کردیا تو حکومت کی کیا پالیسی ہوگی۔''

ویول نے کہا:

''پلان کی منظوری کی صورت میں مسلم لیگ کو یقیناً نقصان نہیں پہنچے گا۔''

مشن سے مشورے کے بعد ویول نے 4 جون کو ایک خط لکھ کر قائداعظم کو یقین دلایا:

''جو پارٹی بھی پلان کے مطابق کام کرنے کو تیار ہو ہم اسے ساتھ لے کر آگے بڑھیں گے۔''

جب قائداعظم نے مسلم لیگ کونسل کو یہ روئیداد سنائی اور حکومت کے وعدے کا ذکر کیا تو 6 جون 1946ء کو کونسل نے یہ پلان ایک قرارداد کے ذریعے بڑی اکثریت سے منظور کرلیا۔

اس قرارداد کا متعلقہ حصہ یہ ہے:

''مسلم لیگ۔ کیبنٹ مشن کی سکیم منظور کررہی ہے اور وہ

دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرے گی۔ مسلم لیگ صوبوں یا گروپوں کے یونین سے علیحدگی کا حق استعمال کرنے کے لیے مناسب موقع کا انتظار کرے گی کیونکہ یہ حق کابینہ مشن پلان میں مضمر ہے۔ مسلم لیگ کے حتمی رویہ کا انحصار دستور ساز اسمبلی کی کارکردگی اور ان دساتیر کی آخری ہیئت پر ہوگا جو یہ اسمبلی مشترکہ طور پر اور اس کے تینوں گروپ علیحدہ علیحدہ غور وخوض کر کے بنائیں گے۔ مسلم لیگ یہ حق محفوظ رکھتی ہے کہ وہ دستور ساز اسمبلی کی پیش رفت کے دوران کسی وقت بھی، اور اگر حالات تقاضا کریں تو بعد ازاں بھی اپنی اس منظور شدہ قرارداد میں ترمیم کرے یا اسے بدل ڈالے۔''

گویا مسلم لیگ نے پورے منصوبے کو قبول کر لیا۔

کونسل میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

''میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مسلم انڈیا اس وقت تک اطمینان سے نہ بیٹھے گا جب تک پورا، مکمل اور آزاد پاکستان قائم نہ کر لے، یہ ایک بڑی اور مسلسل جدوجہد ہے، مشن کی تجویز کی منظوری پاکستان کے لیے جدوجہد کا خاتمہ نہیں۔ ہم پاکستان کے قیام تک اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔''

صوبوں کی گروپنگ کے بارے میں کیبنٹ مشن کے بیان کے باوجود کانگریس اپنی تاویلات پر مصر رہی، چنانچہ مسلم لیگ کونسل کی میٹنگ کے 20 دن بعد 25 جون 1946ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنے بیان کے مطابق کابینہ مشن پلان کے طویل المیعاد حصے کو منظور کر لیا مگر گروپنگ کے بارے میں توضیح پھر مشن کی وضاحت کے برعکس کی جو اس منصوبے کو مسترد کرنے والی بات تھی، البتہ عبوری حکومت کے منصوبے کو اس بنا پر صاف صاف مسترد کر دیا کہ کانگریس اپنا قومی کردار کبھی نہیں چھوڑ سکتی، نہ جعلی اور غیر منصفانہ پیریٹی کو تسلیم کر سکتی ہے اور نہ ہی فرقہ وارانہ ویٹو کو مانے گی۔ 6 جولائی 1946 کو کانگریس کمیٹی نے اس قرارداد کی توثیق کر دی۔

کمار بندو پادھیا لکھتے ہیں:

''اگرچہ بظاہر کانگریس نے لازمی گروپنگ کی تجویز منظور کر لی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ کہہ کر کہ یہ کسی صوبے یا صوبے کے حصے پر اس کی مرضی کے بغیر نافذ نہیں کر سکتی۔ اس نے اپنی منظوری کو خود ہی مسترد کر دیا، کانگریس کی اس قرارداد سے ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد پڑ گئی۔''

اس سے پیشتر کہ ہم بات آگے بڑھائیں، ہم اس اہم سوال پر غور کریں گے کہ مسلم لیگ نے کیبنٹ مشن پلان کیوں منظور کیا؟ کیا مسلم لیگ اپنے مطالبہ پاکستان سے ہٹ گئی تھی یا یہ پلان ہندوستان کے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے قیام پاکستان سے بھی بہتر تھا؟

بات یہ ہے کہ جب مسلم لیگ نے 23 مارچ 1940 کو قرارداد لاہور منظور کی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسی دن پاکستان کا مطالبہ منظور کر لیا جائے گا، اور 23 مارچ 1940ء ہی کو پاکستان وجود میں آ جائے گا۔ اس قرارداد نے تو مسلمانوں کا مقصد واضح کر دیا تھا۔ منزل متعین کر دی تھی اور اس منزل پر پہنچنے کے لیے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کا آغاز کر دیا تھا۔ سیاست میں یہ نہیں ہوتا کہ ہم کسی پلان کو صرف اور صرف اسی وقت منظور کریں جب وہ ہمیں مکمل کامیابی دلا رہا ہو بلکہ ہمیں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ اس کی منظوری پر ہمارا قدم آگے بڑھ رہا ہے یا نہیں۔ قائداعظم اور مسلم لیگ نے یہ سمجھا کہ کیبنٹ مشن پلان کی منظوری سے ہمیں اپنی جدوجہد میں مزید کامیابی حاصل ہوگی۔ ہمارا قدم آگے بڑھے گا اور آخر کار ہم پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب

ہوں گے۔

کیبنٹ مشن پلان کے نفاذ کی صورت میں یہ نتیجہ نکلتا:

① مرکز کے پاس صرف دفاع، امور خارجہ اور مواصلات کے محکمے ہوتے اور مسلمانوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے درمیان پیریٹی یعنی (مساوات) ہوتی۔

② تین میں سے دو سیکشنوں میں جن میں پنجاب اور بنگال اور آسام کے پورے صوبے بھی شامل ہوتے، مسلمانوں کی حکومتیں ہوتیں۔ اس پلان کا سب سے اہم حصہ یہی لازمی گروپنگ تھی۔

③ دس سال کے بعد آئین میں تبدیلی ہوسکتی تھی اور اس مدت میں مسلمان دو سیکشنوں میں شامل صوبوں میں اپنی حکومتیں قائم کر کے اتنے مضبوط ہو سکتے تھے کہ وہ مرکز سے علیحدہ ہو جانے کی قرارداد منظور کرا لیتے تو مرکز سے الگ ہونے کا اعلان کر دیتے۔ اس صورت میں ایک مکمل پاکستان مل جاتا۔

اگر تیسری شرط پوری کرنے کے لیے آئین میں تبدیلی ضروری ہوتی تو یہ ایک مشکل کام تھا، اور اس کے لیے سخت جدوجہد درکار تھی، لیکن اگر ہم یہ سمجھیں کہ سیکشنوں کے مرکز سے علیحدہ ہونے کا حق بھی پلان کے اندر ہی مضمر ہے اور اس کے لیے آئین میں تبدیلی لانے کی ضرورت نہیں تو پھر سیکشن مرکز سے علیحدگی کا اعلان کر سکتے تھے۔ اگر انگریز ہندوستانیوں کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتے تھے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ہندو، مسلم اکثریت کے گروپوں کو اپنے قابو میں رکھ سکیں۔

یہی سب باتیں تھیں جنہیں سوچ کر قائداعظم اور مسلم لیگ نے یہ پلان منظور کرلیا۔

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کانگریس کا نقطہ نظر اس پلان کے بارے میں کیا تھا؟ اور وہ گروپنگ کے بارے میں اپنی تشریح پر کیوں اصرار کر رہی تھی؟ جواب دینے سے پہلے ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کانگریس کا مقصد یا کانگریس کی منزل ہندوستان میں، ہندو، مسلم آزاد حکومت کا قیام نہیں تھا بلکہ گاندھی اوران کے ساتھی متحدہ ہندوستان کی ایسی آزادی کے خواہاں تھے جہاں صرف ہندو کی حکومت ہو۔ کیبنٹ مشن پلان مان لینے کی صورت میں انہیں نظر آتا تھا کہ مسلمان ان کے قابو میں نہیں آئیں گے، اور شاید بعد میں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے کہ متحدہ ہندوستان میں ہندو راج کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے۔ چنانچہ انہوں نے یہ اعلان تو کر دیا کہ ہمیں طویل المیعاد منصوبہ منظور ہے لیکن اس پر ایک شرط لگا دی اور وہ یہ تھی کہ نئے آئین کے تحت انتخابات کے بعد کی بجائے صوبے شروع ہی میں اپنی سیکشنوں سے علیحدہ ہو سکتے ہیں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ نکل سکتا تھا کہ صوبہ آسام اور صوبہ سرحد، جہاں کانگریسی یا غیر مسلم ارکان کی اکثریت تھی، مسلمان حلقوں سے باہر نکل جاتے اور آخر کار ہندوستان کے ساتھ ملحق ہو جاتے۔ اس سے کچھ مدت کے بعد پاکستان کے قیام کی آرزو تو کیا پوری ہوتی' مسلمانوں کے باقی صوبوں خاص طور پر بڑے صوبوں بنگال اور پنجاب کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت بہت کم تھی' اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا بہت مشکل ہو جاتا۔ جس طرح ایک مرحلے پر کانگریس اور انگریز کی سازش سے پنجاب میں سر خضر حیات ٹوانہ وزیر اعلیٰ ہو گئے تھے' اسی طرح آخر کار بقایا صوبے بھی مسلمانوں کے حلقہ اثر سے نکل جاتے۔ کانگریس کا یہ بھی خیال تھا کہ آئین بناتے وقت مسلم اکثریت کے گروپ ایسی شرائط رکھ دیں گے جن سے کسی صوبے کا اس گروپ سے نکلنا عملی طور پر ممکن نہ ہوگا۔ آخر کار یہی گروپ مرکز سے علیحدہ ہوکر پاکستان قائم کرلیں گے۔ یہی وہ باتیں تھیں جنہیں سوچ کر کانگریس نے اس منصوبے کے طویل المیعاد حصے کو صرف اپنی تشریحات کے ساتھ قبول کیا۔ یہ تشریحات ایسی تھیں کہ ان سے طویل المیعاد منصوبے کا مقصد ہی فوت ہوگیا۔

اگرچہ مشن نے گروپنگ کے بارے میں کانگریس کی تشریح منظور نہیں کی' اس کے باوجود 27 جون کو مشن نے اعلان کیا:

''چونکہ کانگریس نے 25 جون 1946ء کو طویل المیعاد منصوبے کو مان کر 16 مئی کے پلان کی منظوری دے دی ہے' اس لیے مسلم لیگ کے ساتھ وہ بھی عبوری حکومت میں شامل ہونے کی حق دار ہوگئی ہے۔''

چنانچہ 29 جون کو مشن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ کچھ وقفے کے بعد وائسرائے عبوری حکومت کے قیام کے لیے کوشش شروع کر دیں گے۔ مشن تین مہینے ہندوستان میں رہا۔ کھلی ناکامی کی صورت میں وہ اپنی حکومت اور اپنے عوام کو اپنی کارکردگی کے بارے میں کیا بتاتا؟ لہٰذا اس نے اعلان کر دیا:

''سب نے طویل المیعاد منصوبہ منظور کرلیا ہے!''

ادھر' جب پنڈت نہرو نے 7 جولائی 1946ء کو کانگریس کے صدر کے اختیارات سنبھالے تو 10 جولائی 1946ء کو اپنی پریس کانفرنس میں کہا:

''کانگریس ہر قسم کے معاہدے کی پابندی سے آزاد ہو کر دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرے گی۔ کانگریس نے صرف اسمبلی میں شرکت پر رضامندی ظاہر کی ہے اور اسمبلی میں اس پر پلان میں تبدیلی کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔''

اس طرح کانگریس جو بات الفاظ کی شعبدہ بازی سے چھپانے کی کوشش کر رہی تھی وہی بات نہرو نے کھل کر کہہ دی۔ (ویسے یہ بات گاندھی کیبنٹ مشن پلان کے اعلان کے فوراً بعد ہی کہہ چکے تھے لیکن وہ اس بات کا فائدہ اٹھاتے تھے کہ وہ تو کانگریس کے ممبر بھی نہیں ہیں)۔

پنڈت نہرو کے اس بیان پر قائداعظم کی ہدایت پر مسلم لیگ کی کونسل کی میٹنگ کے لیے نوٹس جاری کر دیا گیا۔ یہ میٹنگ 27 جولائی 1946ء کو شروع ہوئی، اور تین دن تک جاری رہی۔ قائداعظم نے اپنی تقریر میں بتایا:

''کس طرح کانگریس اور حکومت دونوں مسلسل وعدہ خلافی کرتے رہے ہیں۔ کیبنٹ مشن کانگریس کے ہاتھوں میں کھیلتا رہا ہے، ان مذاکرات کے دوران کیبنٹ مشن اور وائسرائے کانگریس کی دہشت اور دھمکیوں میں تھے۔ وہ اپنے وعدے سے مکر گئے ہیں اور اس تجویز کو جسے وہ اپنی آخری تجویز کہہ رہے تھے ترک کر دیا ہے۔''

انہوں نے کہا:

''کانگریس نے طویل المیعاد منصوبہ کبھی منظور ہی نہیں کیا، واقعات نے ایک دفعہ پھر ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان کے مسئلہ کا صرف ایک حل ہے اور وہ ہے پاکستان، مسٹر گاندھی یوں بات کرتے ہیں گویا وہ دنیا بھر کے مشیر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کانگریس ہندوستان عوام کی ٹرسٹی ہے۔ ہمیں ایک ٹرسٹی کا کافی تجربہ ہو چکا ہے جو 150 سال سے یہاں ہے۔ اب ہم کانگریس کو اپنی ٹرسٹی نہیں بنانا چاہتے، مسلمانوں کا صرف ایک ٹرسٹی ہے اور وہ ہے مسلم قوم۔''

اپنی تقریر کے دوران قائداعظم نے کرپس پر الزام لگایا:

''وہ الفاظ کی شعبدہ بازی سے برطانوی پارلیمنٹ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔''

کرپس پر شدید طنز کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

''انہوں نے اپنی طوفانی صلاحیتوں کی تذلیل کی ہے۔''

اس کے بعد ارکان نے تقریریں کیں۔ سر فیروز خاں نون نے کہا:

''ہمیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ کیبنٹ مشن پلان مان کر ہم نے غلطی کی۔ اب دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ

ہم تمام آئینی تجاویز مسترد کر دیں۔ ہمارے سامنے روشنی کا صرف ایک مینار ہے۔ پاکستان کی مکمل آزاد ریاست۔"

مولانا حسرت موہانی نے تالیوں کی گونج میں کہا:

"اگر قائداعظم ہمیں حکم دیں تو ہندوستان کے مسلمان ایک لمحے کے نوٹس پر بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔"

راجہ غضنفر علی خان نے کہا:

"اگر مسٹر جناح کال دیں تو پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد میں چھوٹے بڑے سب مسلمان میدان میں آ جائیں گے۔"

29 جولائی 1946ء کو مسلم لیگ نے دو قراردادیں منظور کیں۔

پہلی قرارداد میں کہا گیا:

"رونما ہونے والے واقعات کی روشنی میں مسلم لیگ محسوس کرتی ہے کہ دستور ساز اسمبلی میں مسلمانوں کے مفادات نہیں رہیں گے' اس لیے مسلم لیگ کابینہ مشن پلان کی منظوری واپس لیتی ہے۔"

دوسری قرارداد میں کہا گیا:

"جبکہ مسلم انڈیا' ہندوستان کے مسئلے کا مصالحت اور آئینی ذرائع سے پرامن حل نکالنے کی تمام کوششوں میں ناکام ہو گیا ہے۔

جبکہ کانگریس انگریزوں کے ساتھ مل کر ہندوستان میں اونچی ذات کے ہندوؤں کا راج قائم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

جبکہ موجودہ واقعات نے بتا دیا ہے کہ ہندوستان کے معاملات میں انصاف اور ایمان داری کی بجائے سیاست کی طاقت فیصلہ کن امر ہے۔

جبکہ یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک آزاد اور مکمل طور پر خودمختار پاکستان سے کم کسی چیز پر مطمئن نہ ہوں گے۔

وہ وقت آ گیا ہے کہ پاکستان کے حصول کے لیے مسلم قوت راست اقدام کرے تاکہ اس کی عزت محفوظ رہے اور وہ برطانیہ کی موجودہ غلامی اور اونچی ذات کے ہندوؤں کے آئندہ غلبہ سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔

مزید برآں حکومت برطانیہ کے طرزِ عمل کے خلاف شدید ناراضی کے اظہار کے طور پر مسلم لیگ کے تمام خطاب یافتہ اراکین اجنبی حکومت کے تمام خطابات واپس کر دیں۔"

ورکنگ کمیٹی کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ راست اقدام کے لیے منصوبہ بنائے۔

جب دونوں قراردادیں بڑے جوش و خروش سے منظور ہوئیں تو قائداعظم نے کہا:

"آج ہم نے ایک تاریخی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ مسلم لیگ کی تاریخ میں ہم نے کبھی آئین کی خلاف ورزی نہیں کی لیکن اب ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ آج سے ہم آئینی ذرائع کو خداحافظ کہہ رہے ہیں۔ مسئلے کے حل کے لیے گفتگو کے دوران دونوں پارٹیوں نے ہم پر پستول تان رکھے تھے۔ حکومت کے پاس اقتدار کا پستول تھا جس کے پس پردہ مشین گنیں تھیں' جبکہ کانگریس کے پاس عدم تعاون اور سول نافرمانی کی دھمکی کا پستول تھا۔ اس صورت حال کا جواب دینا ضروری تھا۔ اب ہمارے پاس بھی پستول ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ جون 1946ء تک قائداعظم کو یہ احساس

ہو گیا تھا کہ اس مرحلے پر برطانوی سامراج طاقت کی زبان اور عوامی تحریک کے علاوہ کسی اور بات کا اثر قبول نہ کرے گا' اس لیے راست اقدام ضروری ہے، چنانچہ انہوں نے 6 جولائی 1946ء کو وزیراعظم ایٹلی کو خط لکھا جس میں اور باتوں کے علاوہ قائداعظم نے کہا:

''مجھے امید ہے کہ انگریز حکومت مسلمانوں کو خون بہانے پر مجبور نہیں کرے گی، لیکن اگر حکومت نے کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تو اس کا یہی نتیجہ نکلے گا۔ اگر انصاف سے قطع نظر فیصلے سیاسی بنیادوں پر ہونے ہیں تو پھر صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے پاس طاقت کے استعمال کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس کے نتائج بھیانک ہوں گے اور پھر صلح کا دروازہ بند ہو جائے گا۔''

ہفت روز بلٹز (Blitz) نے 3 اگست 1946ء کو اپنے اداریے میں لکھا:

''سیاست کی اس ضرب کاری سے جناح نے حکومت اور کانگریس کو ذہانت اور داؤ پیچ میں مات دے دی ہے۔ کاش کانگریس کی قیادت جناح جیسے مسلمہ اہلیت کے سیاست دان اور حکمت عملی کے ماہر کے ہاتھ میں ہوتی۔''

نہرو کے 10 جولائی کے بیان کے بارے میں ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''ایک بدقسمت واقعہ ہوا جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ 10 جولائی 1946ء کو نہرو نے صدر کانگریس کی حیثیت سے بمبئی میں پریس کانفرنس کی۔ پریس کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے نہرو نے کہا کہ کانگریس کسی معاہدے کی پابندی سے بالکل آزاد حیثیت میں دستور ساز اسمبلی میں جائے گی۔ صحافیوں کے سوالات کے جواب میں نہرو نے زور دے کر کہا کہ کانگریس نے صرف اسمبلی میں شرکت پر رضامندی ظاہر کی ہے اور کانگریس کے لیے پلان کو تبدیل کرنے یا اس میں ترمیم کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔''

آزادی کا یہ تاثر دینا کہ یہ ایک اچانک واقعہ تھا' صحیح نہیں۔ نہرو کا یہ بیان ان کے پختہ خیالات کا اظہار کرتا ہے اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دیا گیا تھا کیونکہ وہ کیبنٹ مشن پلان کو اس کی صحیح سپرٹ میں قبول کرنے کو کسی طرح بھی تیار نہ تھے۔ نہرو کو الزام دیتے وقت' آزاد غالباً بھول گئے کہ ایک مہینے پہلے 10 جون 1946ء کو جب آزاد کانگریس کے صدر تھے نہرو نے ان کی ہمراہی میں وائسرائے اور مشن سے ملاقات میں ان ہی خیالات کا اظہار کیا تھا۔ نہرو نے کہا تھا:

''کانگریس ایک مضبوط مرکز کے لیے کام کرے گی اور گروپ سسٹم کو توڑ دے گی۔''

ویول اور مشن کے سامنے اس وقت کے صدر کانگریس کی موجودگی میں نہرو کی یہ بات کانگریس کے اندر آزاد کی بے بسی کی شدت ظاہر کرتی ہے۔ درحقیقت نہرو کا یہ بیان کانگریس کی اصل نیت کی عکاسی کرتا ہے۔ منشی لکھتے ہیں:

''کانگریس کے صدر کی حیثیت سے 10 جولائی کا بیان ہمارے دلوں کی آواز تھا لیکن اس سے جناح کو موقع مل گیا۔''

مشہور صحافی لوس فشر (Lous Fischer) نہرو کی پریس کانفرنس میں موجود تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے نہرو سے ان کی ہمشیرہ مسز وجے لکشمی پنڈت (Vijay lakshmi Pandit) کی موجودگی میں کہا کہ آپ نے تو انگلستان سے

معاہدے کی بنیاد ہی بدل ڈالی ہے تو انہوں نے مسکرا کر جواب دیا کہ میں اس بات کو پوری طرح سمجھتا ہوں۔"

موجمدار لکھتے ہیں:

"اس میں رتی برابر شک نہیں کہ یہ گاندھی کے دل کی آواز تھی جو نہرو کی زبان پر آ گئی۔"

سچی بات تو یہ ہے کہ پلان پیش ہونے کے فوراً" بعد گاندھی اپنے بیان میں دستور ساز اسمبلی کے بارے میں ایسی ہی رائے کا اظہار کر چکے تھے۔ معلوم نہیں آزاد ان کا ذکر کرنا کیوں بھول گئے۔

31 جولائی کی صبح ویول کی نہرو سے ملاقات ہوئی۔ ان کا تاثر یہ تھا کہ مسلم لیگ کی قرارداد سے نہرو ہل گئے ہیں اور انہیں احساس ہے کہ کم از کم جزوی طور پر یہ ان کے جلد بازی میں دیے گئے غیر محتاط بیان کی وجہ سے ہوا ہے۔ دراصل جب نہرو نے یہ بیان دیا تھا تو وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ کوئی غیر آئینی قدم اٹھانے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، لیکن قائداعظم کا ردعمل عام طور پر غیر متوقع ہوتا تھا اور اس دفعہ تو راست اقدام کی قرارداد نے نہ صرف نہرو بلکہ پوری ہندو قوم کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ اقدام کانگریس اور حکومت برطانیہ دونوں کے لیے انتہائی غیر متوقع تھا۔ اس سے ہندوستان کی سیاست کا نقشہ ہی بدل گیا۔ انگریزوں اور ہندوؤں کو پورا پورا یقین ہو گیا کہ مسلمان قوم اپنے حقوق کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آ گئی ہے۔ اب پورے ہندوستان پر ہندو راج کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔

یاد رہے کہ پنڈت نہرو نے 27 جنوری 1946ء کو سر سٹیفورڈ کرپس کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

"مسلم لیگ کی قیادت اس طرح کے زمینداروں اور مفاد پرستوں کے ہاتھوں میں ہے جو سماجی تبدیلی کے خلاف ہیں۔ وہ کسی قسم کے راست اقدام کی جرأت نہیں کر سکتے۔ وہ اس کے اہل ہی نہیں کیونکہ وہ آرام دہ زندگی بسر کرنے کے عادی ہیں۔"

حالانکہ مسلم لیگ کی قیادت قائداعظم کے ہاتھ میں تھی، اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ وہ زمیندار تھے نہ مفاد پرست۔ بہر حال مسلم لیگ کی اس قرارداد نے ان کی غلط فہمی دور کر دی۔

ادھر پیتھک لارنس نے اس قرارداد کے بعد ویول کو لکھا:

"آپ جتنی جلدی ممکن ہو جناح سے رابطہ کریں اور انہیں عبوری حکومت میں شرکت کے لیے کہیں۔"

لیکن ویول نے کہا:

"اگر اس وقت میں نے جناح سے رابطہ کیا تو انہیں ہمارے خوف زدہ ہونے کا احساس ہو گا اور جناح کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ میری تجویز یہ ہے کہ اس وقت جناح کو نظر انداز ہی کیا جائے۔"

جب مسلم لیگ کونسل نے راست اقدام کے سلسلے میں مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کو اختیار دے دیا تو ورکنگ کمیٹی نے ہندوستان بھر کے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ 16 اگست 1946ء بروز جمعہ یوم راست اقدام منائیں۔ اس دن تمام ملک میں جلسے ہوں تا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کی منظور شدہ قرارداد کی وضاحت کی جائے۔

بنگال میں اس وقت مسلم لیگ کی حکومت تھی، اور حسین شہید سہروردی وزیر اعلیٰ تھے۔ انہوں نے 16 اگست کو عام چھٹی کا اعلان کر دیا۔ لیفٹیننٹ جنرل سر فرانسس ٹکر (Francis Tuker) ہندوستان کی مشرقی کمانڈ کے انچارج تھے۔ انہوں نے لکھا ہے:

"مجھے مختلف رپورٹوں سے پتہ چلا کہ 16 اگست کی صبح کو سہروردی نے مسلمانوں کے ایک عظیم الشان ہجوم میں خطاب کیا اور کہا کہ کیبنٹ مشن پلان ایک دھونس

ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ برطانیہ کس طرح نہرو سے بنگال پر حکومت کراتا ہے۔''

اس نے عوام سے کہا:

''آپ اپنے گھروں کو جلدی واپس چلے جائیں۔ میں نے پولیس اور فوج سے کہہ دیا ہے کہ وہ آپ سے نہ الجھے۔''

رپورٹوں کے مطابق ہجوم میں بہت سے غنڈے شامل تھے جنہوں نے جلسے کے بعد ہندوؤں کی دکانوں اور مکانات کو لوٹا اور آگ لگائی، لیکن اصفہانی لکھتے ہیں:

''جب جلسہ کے بعد مسلمان واپس جا رہے تھے تو ہندوؤں نے ان پر پتھراؤ کیا۔ سہ پہر کو ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمان بچوں اور عورتوں پر حملہ کر دیا۔ اس سے ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ اگر مسلمانوں کا قتل و غارت کا ارادہ ہوتا تو اپنے بچوں اور عورتوں کو محلوں اور بستیوں میں پیچھے چھوڑ کر غیر مسلح حالت میں جلسے میں شرکت کے لیے نہ جاتے۔''

کلکتہ میں مسلمان صرف 24 فیصد تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے ڈٹ کر ہندوؤں کا مقابلہ کیا۔ اس قتل و غارت سے ہندوؤں کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں دہشت بیٹھ جائے گی، اور وہ پاکستان کے مطالبے سے باز آ جائیں گے، لیکن ان کا یہ منصوبہ ناکام رہا۔ کلکتہ کے واقعات سے ہندوؤں کے ارادے کھل کر مسلمانوں کے سامنے آ گئے، اور حصول پاکستان کے لیے ان کا عزم مزید راسخ ہو گیا۔

کلکتہ میں آتش بازی اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا، اور لاشوں کے تعفن سے چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ فساد زدہ علاقوں میں سر شام کرفیو لگا دیا گیا۔ 21 اگست کو ویول نے پیتھک لارنس کو بتایا:

''16 سے 20 اگست تک 3000 افراد قتل اور 17000 زخمی ہو چکے ہیں۔''

غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ان دنوں میں 16000 افراد ہلاک ہوئے۔

کانگریس نے بڑے زور و شور سے پروپیگنڈہ کیا:

''یہ قتل و غارت مسلم لیگی وزارت کی منصوبہ بندی سے ہوا۔''

لیکن وائسرائے کو اس کا کوئی تسلی بخش ثبوت نہیں ملا، البتہ وائسرائے کو ملنے والی رپورٹوں کے مطابق ان دنوں میں ہلاک ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں سے کہیں زیادہ تھی۔

ہندوستان کے چیف جسٹس سر پیٹرک سپینس (Patrick Spens) نے 14 مارچ 1947ء کو ویول سے الوداعی ملاقات پر انہیں بتایا:

''کلکتہ انکوائری سے پتہ چلے گا کہ کلکتہ کے شمال میں ہندوؤں نے بغیر اشتعال کے طے شدہ پروگرام کے مطابق مسلمانوں پر اچانک حملہ کیا اور وزارت بری الذمہ تھی۔''

کلکتہ میں بڑے پیمانے پر قتل عام سے مسلمانوں کے جذبات اتنے مشتعل ہو گئے تھے کہ ان کی وجہ سے نواکھلی (Noakhali) اور تپرہ (Tiperah) کے ضلعوں میں فسادات ہوئے۔ لیفٹیننٹ جنرل سر فرانسس ٹکر جنرل آفیسر کمانڈنگ ان چیف مشرقی کمانڈ لکھتے ہیں:

''ہمارا اندازہ یہ تھا کہ اس واقعے میں قتل ہونے والوں کی مجموعی تعداد تین سو سے خاصی کم تھی، جنون زدہ ہندو پریس نے خوفناک اور دیدہ دانستہ جھوٹی کہانیاں ساری دنیا میں مشہور کر دی تھیں۔ ان کہانیوں سے ہندوستان میں بہت نقصان ہوا' کیونکہ ان سے بہار اور یوپی میں ہندوؤں کی انتقام کی خواہش مشتعل ہو گئی۔''

مینن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگرچہ کافی مالی نقصان ہوا

لیکن ہلاک ہونے والوں کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔

6 نومبر کو گاندھی نے کلکتہ سے نواکھلی روانہ ہونا تھا جہاں حالات نارمل ہو چکے تھے' تاکہ وہاں کے ہندوؤں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر سکیں۔ بہار میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ سرکاری اندازے کے مطابق سات یا آٹھ ہزار (اور غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 30 ہزار) مسلمان شہید کر دیے گئے تھے۔ بہار کے کانگریسی مسلمانوں نے بہت اپیلیں کیں کہ گاندھی نواکھلی کی بجائے بہار کا دورہ کریں تاکہ اپنے بے پناہ اثر و رسوخ سے وہ ہندو اکثریت کو مسلمانوں کے قتل عام سے باز رکھ سکیں، لیکن گاندھی نے سنی ان سنی کر دی اور چار مہینے تک نواکھلی ہی میں رہے۔ ہندوؤں کو تسلی دیتے رہے اور ان کی بحالی کے لیے کوشش کرتے رہے۔ جب وہ بہار روانہ ہوئے تو مسلمانوں کا قتل عام ہوئے ایک زمانہ بیت گیا تھا۔ ظلم و ستم کی انتہا ہو چکی تھی۔ گاندھی نواکھلی میں یوں گھومتے رہے کہ دن بھر میں ایک دو میل طے کرتے۔ جب تک ان کی تسلی نہ ہو گئی کہ بہار میں مسلمانوں پر قیامت گزر چکی ہے وہ بہار نہ گئے۔

یامین کہتے ہیں:

''بہار کے فسادات کی کل ذمہ داری مہاتما گاندھی پر ہے۔ انہوں نے نواکھلی اور مشرقی بنگال میں ہندوؤں پر ظلم کی بابت اپنی پرارتھنا میں روزانہ اشتعال آمیز تقریریں کیں، (عبوری حکومت میں امور داخلہ کے رکن) سردار پٹیل نے یہ تقریریں ریڈیو کے ذریعے نشر کرائیں۔ (بہار کے) فسادات ان ہی تقریروں کا نتیجہ تھے۔''

لیفٹیننٹ جنرل ٹکر نے ان معلومات کی بنیاد پر جو انہیں مشرقی کمان کے جنرل آفیسر کمانڈنگ کے طور پر ملی تھیں' لکھا ہے:

''1946ء کی بہیمانہ وارداتوں میں سانحہ بہار سنگین ترین تھا۔ ہندوؤں کے زبردست ہجوم پوری طرح تیار ہو کر نکلے، اور ان مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے جن کے آباؤ اجداد اور وہ خود ان ہندوؤں کے ساتھ دوستی' محبت اور خلوص کے ساتھ ہمسایوں کے طور پر رہتے آئے تھے۔''

بہار کے گورنر ڈو (Dow) لکھتے ہیں:

''گھومتے پھرتے ہندو ہجوم مسلمانوں کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ہلاک ہونے والے تقریباً سب کے سب مسلمان تھے اور ان میں 75 فیصد عورتیں اور بچے تھے۔''

بہار کے مسلمانوں کی تعداد کے لیے مسلم لیگ نے فوری طور پر ایک ریلیف فنڈ قائم کیا اور خواجہ ناظم الدین کو ریلیف آپریشن کا انچارج مقرر کیا۔ چنانچہ لاکھوں مسلمانوں کی مدد کی گئی۔ بہار میں مسلمانوں کے قتل عام کی شدید مذمت کرتے ہوئے' قائداعظم نے 12 نومبر 1946ء کو ایک بیان میں کہا:

''اگر (ہندوؤں کی طرح) مسلمان (بھی) اپنا ذہنی توازن کھو دیں' انتقام اور بدلہ لینے کے جذبے کا اظہار کریں اور اپنے عظیم مذہب اسلام کی تعلیمات اور بلند ترین اخلاقی ضابطے کی نفی کریں تو نہ صرف پاکستان کے لیے ہمارے مطالبے کا جواز ختم ہو جائے گا بلکہ اس سے خون ریزی اور ظلم کا ایک دور چل پڑے گا۔''

صوبہ بہار میں مسلمانوں کے قتل عام کے بارے میں ایئن سٹیفنز (Ian Stephens) رقم طراز ہیں:

''بہار کا سانحہ تقسیم ہند کے نزاعی موضوع پر فیصلہ کن اثرات ثبت کر گیا۔ (مسلمانوں کے) اتنے زبردست قتل عام کے بعد جو (ہندوؤں کے) سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ہوا' ایک حکومت کے تحت



قائدِاعظمؒ شملہ میں خواجہ ناظم الدین اور سر غلام حسین ہدایت اللہ کے ہمراہ۔

ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کے امن و آشتی کے ساتھ مل جل کر رہنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ سانحہ بہار سے تقسیم ناگزیر ہوگئی۔''

بہار کے دلگداز سانحہ کے بعد مسلم لیگ کے خلاف معروف احراری رہنما شورش کاشمیری نے بھی اس سرزمین کا دورہ کیا۔ جس کے ایک مقام پر مہاتما بدھ کو گیان حاصل ہوا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''ان فسادات کا یہ پہلو عجیب و غریب تھا کہ انہی علاقوں میں فسادات کا لاوا پھوٹا، مسلمانوں کا خون بہا اور ان کے گھر بار جلائے گئے جہاں ڈاکٹر راجندر پرشاد، کامریڈ جے پرکاش نارائن اور بہار کے وزیراعلیٰ سری کرشن سنہا کے آبائی گھر، ان کا سیاسی اثر اور جماعتی پیروکار تھے۔ سری کرشن سنہا کو ویول مجرموں کے گروہ کا ایک رکن کہتے ہیں۔''

سانحہ بہار کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ کانگریس کی لغت میں آزادی کے معنی ہندو راج کا قیام اور مسلمانوں کی غلامی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

کلکتہ کے فسادات پر پٹیل نے یہ تجویز کیا:

''چونکہ بنگال کی (مسلم لیگی) وزارت صوبے میں ہندوؤں کے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکی اس لیے اسے برطرف کر دیا جائے اور مرکزی حکومت بنگال کے انتظام کو اپنے ہاتھ میں لے۔''

لیکن بہار کی وزارت کے لیے کانگریس ہائی کمان کوئی ایسا عمل تجویز کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔

صوبہ بہار کے بعد مسلمانوں کا ایک اور خوفناک قتل عام یو، پی میں ہوا۔ یوپی میں دریائے گنگا کے کنارے ایک شہر گڑھ مکتیشر (Garhmuktesar) ہے جہاں ہندوؤں کا ایک مذہبی میلہ لگتا ہے۔ اس میلے میں مسلمانوں کا جس طرح قتل عام کیا گیا اس کے متعلق لیفٹیننٹ جنرل ٹکر لکھتے ہیں:

''گڑھ مکتیشر میں کسی کو کوئی اشتعال نہیں دلایا گیا تھا۔ عملاً ہر مسلمان مرد، عورت اور بچے کو دہشت ناک طریقے سے مارا گیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر دیے گئے۔ ان بچوں کو جو ابھی ماؤں کے پیٹ میں تھے گھسیٹ کر نکالا گیا۔ ان کے سر زمین یا دیواروں پر مار مار کر بھیجا نکال دیا گیا۔ عصمت دری کی گئی۔ مسٹنڈے شیطانوں نے عورتوں اور بچوں کو ٹانگیں پکڑ پکڑ کر انہیں چیر دیا۔ میلے میں مسلمانوں کی دکانوں کو لوٹ لیا گیا اور آگ لگا دی گئی۔ مرے ہوئے یا مرتے ہوئے لوگوں کو شعلوں میں پھینک دیا گیا۔ زیادہ تر آدمیوں کو برچھیوں سے مارا گیا لیکن بعض لوگوں کو ٹھگوں کے روایتی طریقے پر گلا گھونٹ کر بھی ہلاک کیا گیا۔ قاتلوں کی عورتیں قریب ہی کھڑی جلتی ہوئی دکانوں کو دیکھ کر ہنستی رہیں اور اپنے مردوں کو اکساتی رہیں۔''

گاندھی نے روز اول ہی سے کیبنٹ مشن پلان کی وہ تشریح کی تھی جو اسے مسترد کرنے کے مترادف تھی۔ کانگریس بھی حیل و حجت کے بعد وہی بات کہہ رہی تھی، تاہم 10 جولائی 1946ء کو کانگریس کے صدر نہرو نے ایک پریس کانفرنس میں کھل کر یہ بات کہہ دی:

''ہم دستور ساز اسمبلی میں جو چاہیں گے کریں گے، ہم پر کیبنٹ مشن پلان کے فریم ورک کی کوئی پابندی نہیں۔''

اس پر حکومت کا رویہ دیکھتے ہوئے مسلم لیگ نے پلان کی منظوری واپس لے لی اور قائداعظم کی قیادت میں پہلی دفعہ راست اقدام کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں یہ طے ہوا کہ 16 اگست 1946ء کو ملک بھر میں جلسے، مظاہرے اور ہڑتالیں

کی جائیں۔

مسلمانوں پر اکثریتی صوبوں میں بھی اپنا دباؤ ظاہر کرنے کے لیے اس دن ہندوؤں نے کلکتہ سے فسادات کا آغاز کیا۔ اس شہر میں مسلمان صرف 24 فیصد تھے۔ چنانچہ پانچ دن کے فسادات میں سرکاری رپورٹ کے مطابق تقریباً 3 ہزار افراد ہلاک ہوئے اور 17 ہزار زخمی اور ان میں کافی زیادہ تعداد مسلمانوں کی تھی۔ اس کے ردعمل کے طور پر نواکھلی میں فسادات ہوئے جن میں تقریباً تین سو ہندو قتل کر دیے گئے۔ اس کے بعد ہندوؤں نے اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ بہار میں چند دنوں میں تقریباً 8 ہزار مسلمان اور یوپی کے شہر گڑھ مکتیشر میں ایک ہی دن میں تقریباً 2 ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ صرف کلکتہ کے فسادات کو دیکھ کر ویول نے مختلف انداز میں سوچنا شروع کر دیا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اگر مسلمانوں کو نظرانداز کر کے صرف کانگریس کی مدد سے حکومت چلانے کی کوشش کی گئی تو سارے ہندوستان میں خون کے دریا بہ جائیں گے۔ ان فسادات سے برطانیہ کی رائے عامہ بھی بہت زیادہ متاثر ہوئی جس کا اظہار ''لندن ٹائمز'' نے اپنے 28 نومبر 1946ء کے اداریے میں کیا۔ اس نے لکھا:

''حکومت برطانیہ دوسرے گروپوں کا خیال کیے بغیر ایک سیاسی پارٹی کو ذمہ داری نہیں سونپ سکتی اور نہ ہی مسلم اکثریت کے صوبوں کی حکومتوں کو ہندو کی کنٹرول کردہ مرکزی حکومت کی بے لگام سوچ پر چھوڑ سکتی ہے۔ اگر سٹیٹ پیپر پر آپس میں اتفاق نہیں ہو سکتا تو ہندوستان کی وحدت کو جو گزشتہ صدی کی ایک نمایاں کامیابی ہے' انصاف کے بنیادی اصولوں کے اعلیٰ مفاد پر قربان کرنا پڑے گا۔''

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم، مطبوعہ قومی پبلشرز، لاہور)

کیڈلک کار

یہ قائداعظم محمد علی جناح کی بحیثیت گورنر جنرل پاکستان سرکاری گاڑی تھی۔ یہ 1943ء ماڈل کی کار ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہے۔

18 مارچ 1976ء کو نیشنل موٹرز کمپنی نے اس کار کی مرمت کرا کے اسے مزار قائد کے منتظمین کے حوالے کیا۔

کیکسٹن ہال (لندن)

1912ء میں بحیثیت گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح نے انڈین ایسوسی ایشن کے اراکین سے کیکسٹن ہال لندن میں 28 جون 1912ء کو خطاب کیا قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر کہا:

''ہندوستانی طلباء کی باہمی اجنبیت اور معاشرت کی سب سے بڑی وجہ ذات پات کی لعنت ہے۔ انجمن کے سامنے سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ ہندوستانی طلباء میں علیحدگی کے جذبے کو ختم کرے جس کی وجہ سے وہ انگریزی تعلیم سے مکمل فیض حاصل نہیں کر پا رہے ہیں۔ طلباء کو چاہئے کہ وہ اس تہذیب وتمدن کا مطالعہ کریں جس کی تشکیل برطانوی قوم نے صدیوں کی محنت اور جدوجہد کے بعد کی ہے۔ آپ ملک وقوم کی خدمت کا جذبہ لے کر وطن واپس لوٹیں۔ طلباء کے لیے سب سے اہم چیز تعلیم ہے اور اس کے بعد سیاست۔ ناپختہ نوجوانوں کو سیاست سے الگ رہ کر ہی زندگی گزارنی چاہئے اور سیاست میں سخت کاری اور مجنونانہ تصورات سے علیحدہ رہنا چاہیے۔''

کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن

قائداعظم محمد علی جناح کو 1931ء میں کیمبرج مسلم ایسوسی

ایشن نے اپنے ہاں مدعو کیا۔ جلسہ اولڈ کامن نیشنل روم میں منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ایک گھنٹہ تک اس جلسے سے خطاب کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مخلوط انتخاب کی حمایت کی اور اس بات پر زور دیا:

''ہم سب کو انگریزوں کے خلاف متحد ہو کر کام کرنا چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر اس امر کی وضاحت بھی کی:

''چونکہ مسلمان مشترکہ انتخاب کی حمایت نہیں کرتے اس لیے اس میں جداگانہ انتخابات کی گنجائش بھی ہونی چاہیے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے حکومت برطانیہ سے کہا:

''وہ مسلمانوں کے جائز مطالبات تسلیم کرلے۔''

کیمبل جانسن ایلن

وہ گلوب رائٹرز کے نامہ نگار تھے۔ کیمبل جانسن ایلن نے 22 مئی 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح سے ایک انٹرویو کیا۔ اس میں انہوں نے کہا:

''پاکستان کے مجوزہ دونوں بازوؤں (مشرقی اور مغربی پاکستان) کو باہم ملانے کے لیے ہندوستان کی سرزمین پر ایک گزرگاہ کا ہونا ضروری ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح کو انہوں نے پہلی بار 1943ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں دیکھا تھا۔ اس موقع پر جانسن کیمبل نے قائداعظم محمد علی جناح کی تقریر کو بڑے انہماک سے سنا تھا۔ 1947ء میں جب کیمبل جانسن وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پریس اتاشی مقرر ہوئے تو انہوں نے پریس تعلقات کے بارے میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں ان کا پہلا تاثر یہ تھا:

''وہ بہت ہی باوقار، متین اور آہنی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اپنی عظمت منوانے کے لیے اپنی آواز میں للکار پیدا کریں۔ وہ فولادی روح رکھتے تھے اور عزم اور ارادے کے بہت پکے تھے۔''

کیمبل جانسن ایلن 1913ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ویسٹ منسٹر کرائسٹ چرچ آکسفورڈ میں تعلیم مکمل کی۔ 1937ء تا 1940ء سر آر چی بالڈ ینیکلیئر کے سیاسی سیکرٹری رہے پھر انٹر الائیڈ ریکارڈز سیکشن کے آفیسر انچارج اور 1947ء تا 1948ء لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے پریس اتاشی رہے۔ کیمبل جانسن انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ریلیشنز کے صدر بھی رہے۔

کینیا

1923ء میں برطانوی حکومت نے کینیا میں ہندوستانی آبادکاروں سے جو ناروا سلوک رکھا اس پر ہندوستان کے اخبارات نے شدید احتجاج کیا، پھر یہ ایک قومی مسئلے کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناح نے بمبئی کرانیکل کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

''ہندوستان اور ہندوستانیوں کو خواہ کہیں بھی ہوں اس وقت تک کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا، جب تک وہ برطانیہ کے محکوم ہیں۔ خودمختاری کی یادداشتیں پیش کرنے سے خودمختاری نہیں مل سکتی۔ ہم کو ہر قیمت پر اپنے اندر اتحاد پیدا کرنا ہوگا۔ ہم کو خالص سیاسی بنیادوں پر یہ اعلان کرنا چاہئے کہ ہندوستان ہندوستانیوں کا ہے۔''

قائداعظم کا یہ پہلا طویل ترین انٹرویو تھا جس میں انہوں نے قومی اور بین الاقوامی سیاست میں کھل کر اظہار رائے کیا تھا۔''

(بحوالہ قائداعظم کے 72 سال، از خواجہ رضی حیدر)

گ

گاڑیاں

قائداعظم محمد علی جناح کے پاس ایک زمانے میں پانچ گاڑیاں تھیں۔ ان میں سے سب سے پرانی سن بیم تھی اور یہ گاڑی لندن سے لائی گئی تھی۔ دوسری گولام پیچ، تیسری لاسالے جو نواب جوناگڑھ نے تحفہ میں دی تھی چوتھی پیکارڈ اور پانچویں شیورلیٹ تھی۔

گاندھی

◆ 1 قائداعظم محمد علی جناح نے موہن داس کرم چند گاندھی کو جنوری 1940ء میں اپنے ایک خط میں لکھا:

ڈیئر مسٹر گاندھی!

مجھے آپ کا خط ملا، اور اس مضمون کی نقل بھی جسے آپ نے ہریجن میں بغرض اشاعت بھیجا ہے، میں نہ صرف آپ کے اس حسن اخلاق کے لیے سپاس گزار ہوں بلکہ اس تشویش کے لیے بھی جو آپ کو میرے اس مقصد کے آگے بڑھانے کے سلسلے میں لاحق ہورہی ہے، جسے آپ میرے پیغامات اور تگ وتاز میں محسوس کررہے ہیں، لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ کے وہ تمام مفروضے غلط ہیں (جن پر آپ اپنی منطق کی عمارت استوار کررہے ہیں) آپ آغاز سخن ''ہندوستانی قوم'' انڈین نیشن کے نظریہ سے کرتے ہیں جس کا کہیں وجود ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب آپ کے منطق کی خشت اول ہی ٹیڑھی ہے تو اس پر اٹھائی ہوئی دیوار کس طرح سیدھی ہوسکتی ہے؟ لہٰذا اس غلط مفروضہ سے آپ جن نتائج تک پہنچیں گے وہ سب غلط ہوں گے۔ مجھے اتنا خیال ضرور ہے کہ کم از کم آپ اخبارات کی یکطرفہ رپورٹوں اور ان کی افسانہ تراشیوں اور افترا پردازیوں سے بہک نہیں جائیں گے، لیکن آپ کے مضمون کا بیشتر حصہ بھی محض آپ کے تخیل کی خلاقی ہے۔ حقیقت پر مبنی نہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ میوگاؤں کے بھورے میں تخلیہ کی زندگی بسر کرتے ہیں (اس لیے آپ کو معلوم ہی نہیں، ہوتا کہ باہر کی دنیا میں کیا ہورہا ہے) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے تمام خیالات اور حرکات آپ کی ''اندرونی آواز'' کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ آپ کو حقائق سے کچھ واسطہ ہی نہیں جسے ایک فانی انسان ''عملی سیاست'' سے تعبیر کرتا ہے۔ مجھے تو کبھی کبھی آپ پر تعجب ہوتا ہے کہ بالآخر آپ میں اور عملی سیاست میں کون سی بات مشترک ہے یا جمہوریت میں اور ایک ایسی سیاسی جماعت کے ڈکٹیٹر میں جس کا وہ چار آنے کا ممبر بھی نہیں؟ اس کی شاید وجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک کانگریس اس قابل ہی نہیں کہ آپ اس کے ممبر بنیں (آپ اسے اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں)۔ مجھے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ ''یوم نجات'' پر میرے ہدیہ تہنیت نے آپ کو طلسم پیچ وتاب نہیں بنا دیا۔ ''قائداعظم زندہ باد'' کی خاموش دعا میں آپ کی شرکت آپ کی شرافت کی دلیل ہے۔ اگرچہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، لیکن بایں ہمہ مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ آپ نے ''یوم نجات'' کے حقیقی مفہوم اور اس کی اہمیت کو محسوس کرلیا ہے۔ یہ خبر درست ہے کہ بہت سے غیر کانگریسی ہندوؤں نے ہمارے مطالبہ کی صداقت اور ہمارے دعوے کے مبنی برانصاف ہونے

بناء پر ''یوم نجات'' پر ہم سے اظہار ہمدردی کیا ہے۔ سینئر جسٹس پارٹی کے لیڈروں، اچھوت اقوام اور پارسیوں نے بھی جنہوں نے کانگریسی راج کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھائی تھیں، لیکن مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ان کی اظہار ہمدردی کو جو معنی پہنائے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس کے صحیح مفہوم کو سمجھے ہی نہیں۔ ان کا یہ عمل اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ مشترکہ مصیبتیں کس طرح اجنبیوں کو بھی ایک دوسرے کے قریب لے آتی ہیں، اور اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ باہمی مفاد کا اشتراک مسلمانوں اور اقلیتوں میں کس طرح اتحاد پیدا کر سکتا ہے۔ میں اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر دہرا دینا چاہتا ہوں، اور اس باب میں مجھے نہ کسی قسم کا دھوکہ ہے، نہ شک وشبہ کہ نہ ہندوستان میں ایک قوم بستی ہے، اور نہ ہی یہ ایک ملک ہے۔ یہ برصغیر مختلف اقوام کا مجموعہ ہے۔ جن میں ہندو اور مسلمان دو بڑی بڑی قومیں ہیں، آج آپ اس سے انکار کرتے ہیں کہ قومیت کی تشکیل میں مذہب ایک بہت بڑا عنصر ہے، لیکن (آپ کو یاد ہوگا) جب آپ سے یہ سوال کیا گیا تھا کہ زندگی میں آپ کے مقصود کیا ہیں، اور وہ قوت محرکہ کون سی ہے جو ہمیں آمادہ بہ عمل کرتی ہے، کیا وہ مذہب ہے۔ سیاست ہے یا عمرانی (سوشل) اصلاح ہے تو آپ نے کہا تھا کہ وہ خالص مذہبی جذبہ ہے۔ ایک مرتبہ میں ایک ایسے وفد کے ساتھ مسٹر مانٹیگو کے پاس گیا جو خالصتاً سیاسی تھا، مانٹیگو نے مجھ سے کہا کہ یہ بھی میرے سوشل کاموں کا ایک توسیعی گوشہ ہے، گر میں تمام نوع انسانی کے دکھ درد میں شریک نہیں ہو سکتا، اگر میں اپنے آپ کو ان میں ایک محسوس نہیں کرتا تو میری زندگی قطعاً مذہبی زندگی نہیں ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا ناممکن ہے، جب تک میں سیاست میں حصہ نہ لوں۔ (لہٰذا مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے نہیں ہیں) آج انسانی سطحی عمل کا دائرہ ایک ناقابل تقسیم وحدت بن چکا ہے۔ آپ تمدنی، معاشی، سیاسی اور خالص مذہبی امور کو الگ الگ شعبوں میں تقسیم کر ہی نہیں سکتے۔ جس مذہب کو نوع انسانی کے معاملات سے واسطہ نہیں میں اسے مذہب ہی تسلیم نہیں کرتا، مذہب انسان کے ہر عمل کے لیے اخلاقی بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اگر مذہب نہ ہو تو انسانی عمل اس بنیاد سے محروم رہ جاتے ہیں، اور جب زندگی ایسی بنیاد سے محروم رہ جائے تو وہ انسانی زندگی نہیں محض غوغا آرائی اور ہنگامہ پروری بن کر رہ جاتی ہے، جن میں شور و شغب تو بہت ہوتا ہے، لیکن مقصد کچھ نہیں۔ آج اس ملک میں آپ سے بہتر اور کوئی شخص ایسا نہیں جسے ہندوؤں کا اس قدر اعتماد حاصل ہو، اور جو ان کے نمائندہ کی حیثیت سے معاملات کا آخری فیصلہ کر سکے، ان خیالات میں اگر آپ سے یہ توقع کی جائے کہ آپ سراب کے پیچھے لپکنے کے بجائے (دنیائے حقیقت کی طرف آئیں اور) جس کام کے آپ اہل ہیں اسے سرانجام دیں تو میرا خیال ہے کہ یہ توقع کچھ زیادہ اور پر امید موہوم نہیں قرار دی جانی چاہئے۔ حالات بڑی تیزی سے بدل رہے ہیں اور واقعات برق رفتاری سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ آپ کی مناظرہ بازی یا ہر ہفتہ ہریجن (اخبار) میں مابعد الطبیعات، فلسفہ اور اخلاقیات پر اپدیش یا چرخہ، کھدر اور اہنسا کے متعلق آپ کے انوکھے نظریات ہندوستان کو آزادی نہیں دلا سکتے۔ عمل اور صحیح سیاسی تدبر ہی ہمارا قدم ہماری منزل مقصود کی طرف بڑھا سکتا ہے۔ میں نے یہ کچھ اس خیال سے کیا ہے کہ آپ شاید (حقائق کو سامنے رکھ کر) اپنی پوری توانائی اور استعداد کے ساتھ ملک کی بہبود کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور قدرت نے جو صلاحیتیں آپ کو دی ہیں انہیں اہل ملک کی مرفہ الحالی کے لیے صرف کر دیں۔ آپ کو اس سوال نے بڑا پریشان کر رکھا ہے کی میرے نام کے ساتھ القاب کون سے استعمال کیے جائیں۔ آپ کی اس تشویش کا شکریہ، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ القاب میں بالآخر کیا رکھا ہے؟ پھول کو کسی نام سے پکار لے

اس کی خوشبو میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، لہٰذا یہ معاملہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں، مجھے اس سے چنداں دلچسپی نہیں، اس پر البتہ تعجب ضرور ہے کہ آپ اس غم میں کیوں گھلے جا رہے ہیں؟ (برا نہ مانیں تو ایک بات عرض کروں) آپ نے لکھا ہے کہ آپ موجودہ القاب ان آداب معاشرہ کے مطابق استعمال کر رہے ہیں، جو آپ نے حکیم صاحب مرحوم سے سیکھے تھے، لیکن حیرت ہے کہ خود حکیم صاحب کی زندگی میں ان کی وفات کے کافی عرصہ بعد تک بھی آپ مجھے (حکیم صاحب کے سکھائے ہوئے القاب سے نہیں بلکہ) محض ''مسٹر'' کہہ کر پکارتے رہے۔ پھر مجھے ''شری'' کے لقب سے بھی یاد فرماتے رہے اور ان دونوں کے درمیان ''دوست'' کہہ کر بھی، لیکن چھوڑیے ان باتوں کو القاب میں بالآخر کیا رکھا ہے؟''

آپ کا مخلص

ایم، اے، جناح (جنوری 1940ء)

قائداعظم محمد علی جناح نے اگست 1945ء میں ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''ان کا (گاندھی جی کا) مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ زبان سے کہتے ہیں اور جو ان کا مقصد ہوتا ہے وہ کہتے نہیں، جب ان کے مفید مطلب ہوتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ کسی کے نمائندہ نہیں، وہ محض انفرادی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ کانگریس کے چار آنے کے ممبر بھی نہیں رہے، اور جب ضرورت ہوتی ہے تو سارے ہندوستان کے واحد نمائندہ بن جاتے ہیں، جب اور حربوں سے کام نہیں چلتا تو مرن بھرت رکھ لیتے ہیں، جب کوئی دلیل پاس نہیں ہوتی تو اندرونی آواز کو بدل لیتے ہیں، کہیے کہ ایسے شخص سے ہم کس طرح بات کر سکتے ہیں؟ وہ تو ایک چیستان ہیں، ایک معمہ ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک موقع پر فرمایا:

''یہ قطعی افترا اور مسلمانان ہند کی توہین ہے جس کا مسٹر گاندھی جیسے مرتبہ کی شخصیت کو مرتکب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میں مسٹر گاندھی کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ مسلمانان ہند اپنی اور صرف اپنی طاقت پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں۔ ہم نے اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لیے کانگریس اور برطانیہ کے خلاف آخری خندق تک لڑنے کا عزم کر رکھا ہے، اور کسی دوسرے پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے۔''

◆ قائداعظم محمد علی جناح نے 30 جنوری 1948ء کو گاندھی کے قتل پر یہ بیان دیا:

''گاندھی کا قتل بھارت کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔''

گاندھی 1869ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام موہن داس کرم چند تھا۔ انہوں نے لندن میں تعلیم حاصل کی۔ 1889 میں بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے افریقہ چلے گئے اور وہاں 1893ء سے 1900ء تک وکالت کے پیشے سے منسلک رہے۔ 1905ء میں انہوں نے مغربی لباس ترک کر دیا اور کھدر کا سادہ تہمد کرتا اور پگڑی پہننا شروع کر دی پھر لنگوٹ گئے۔ 1915ء میں ہندوستان چلے گئے، اور برصغیر کی آزادی کے لیے سرگرم عمل ہو گئے۔ 1919ء میں گاندھی نے ستیہ گرہ تحریک کا آغاز کیا۔ مختلف مواقع پر ملکی قوانین کی خلاف ورزی پر قید ہوئے۔

گاندھی نے دو مرتبہ اکیس اکیس روز کا بھرت بھی رکھا۔ 1931ء میں ہندوستان کو گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ 1942ء میں ہندوستان چھوڑ دو تحریک کا آغاز کیا۔ آزادی کے بعد ہندوستانیوں کی فلاح و بہبود میں مصروف ہو گئے۔

30 جنوری 1948ء کو انہیں گاڈسے نامی ایک مرہٹہ ہندو نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اپنے خیالات کے اظہار کے لیے

کئی کتب لکھیں۔ اپنی سوانح بھی لکھی۔

گاندھی ارون معاہدہ

20 جنوری 1937ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے پنڈت جواہر لال نہرو کے جواب میں جو طویل بیان شائع کیا اس میں انہوں نے گاندھی ارون معاہدہ کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا قائداعظم لکھتے ہیں:

''جس وقت گاندھی ارون معاہدہ طے پایا تھا اس وقت ملک کا یہ بڑا مدافع کہاں تھا۔
کانگریس نے اس پوزیشن کو منظور کرلیا تھا، چنانچہ میں سطور ذیل میں گاندھی ارون معاہدہ کی دفعہ نمبر 2 کے چند فقروں کو نقل کرتا ہوں تا کہ کانگریس کی پوزیشن اچھی طرح سمجھی جاسکے۔ جس حد تک کہ دستور اساسی سے متعلقہ امور کا تعلق ہے آئندہ مباحث حکومت انگلستان کی منظوری کے بعد گول میز کانفرنس کے اخذ کردہ نتائج پر ہوں گے۔ گول میز کانفرنس میں جس سکیم کی وضاحت کی گئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے لیے فیڈریشن کا قیام نہایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان ذمہ داری اور تحفظات جن میں دفاع، امور خارجہ، اقلیتوں کی پوزیشن، ہندوستان کی مالی ساکھ اور تعمیرات کے الفاظ کا خاص طور پر خیال رکھا جائے۔ یہ معاہدہ 5 مارچ 1931ء کو طے پایا تھا۔''

اس معاہدے کا پس منظر یہ ہے:

''وائسرائے ہند لارڈ ارون نے گاندھی جی کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا، اور اس کے بعد چار روز تک یعنی 17، 18، 19 اور 27 فروری کو وائسرائے اور گاندھی کے مابین مذاکرات ہوئے۔ ان کے نتیجے میں حکومت اور کانگریس کے درمیان جو معاہدہ طے پایا اس کے اہم نکات یہ ہیں۔

1. کانگریس سول نافرمانی کی تحریک ختم کردے گی۔
2. کانگریس گول میز کانفرنس میں شرکت کرے گی۔
3. حکومت نے کانگریس کو دبانے کے لیے جو آرڈیننس جاری کیے ہیں انہیں واپس لے لے گی۔
4. حکومت نے چند ایسوسی ایشنوں کو خلافِ قانون قرار دینے کے جو احکامات جاری کیے ہیں انہیں منسوخ کردے گی۔
5. سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں جو لوگ سزا بھگت رہے ہیں انہیں حکومت رہا کر دے گی۔

گاندھی جناح ٹاکس

قائداعظم محمد علی جناح اور مسٹر گاندھی کے مابین جو مذاکرات 9 ستمبر 1943ء تا 27 ستمبر 1944ء جاری رہے۔ ان کی روداد گاندھی جناح ٹاکس کے عنوان سے دہلی سے شائع ہوئی۔ اسے نومبر 1944ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے مرکزی دفتر واقع دہلی نے کتابی شکل دی۔ اس کتابچہ کا تعارف نواب زادہ لیاقت علی خان نے تحریر کیا تھا۔

گاندھی جناح مذاکرات کے سلسلے میں گاندھی نے مدراس کے سابق کانگریسی وزیراعلیٰ مسٹر راج گوپال اچاریہ فارمولے کی بنیاد پر بات چیت کا آغاز کیا۔ اس فارمولے میں یہ کہا گیا تھا:

''مسلم لیگ کو کانگریس کے ساتھ ہندوستان کے اصول آزادی کی کوششوں میں تعاون کرنا چاہیے۔''

اس میں یہ بات تھی کہ جنگ ختم ہوتے ہی ایک کمیشن قائم کیا جانا چاہئے جو مسلم اکثریت والے علاقوں کی نشاندہی

کرے گا۔ ان علاقوں کے لوگ فیصلہ کریں گے کہ آیا وہ علیحدہ مملکت کا قیام چاہتے ہیں کہ نہیں۔ لوگوں کی رائے معلوم کرنے کے لیے ایک ریفرنڈم کیا جائے گا، اور سیاسی جماعتوں کو اپنے اپنے نقطہ نظر کے پرچار کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ تقسیم کی صورت میں دفاع، مالیات اور مواصلات وغیرہ جیسے معاملات کے بارے میں معاہدے کیے جائیں گے۔ فارمولے میں بتایا گیا تھا:

''آبادی کی نقل مکانی رضا کارانہ بنیاد پر ہوگی۔''

مسٹر گاندھی چونکہ دوقومی نظریہ کے شدید مخالف تھے۔ اس لیے انہوں نے مسلمانوں کو حق خود ارادیت دینے سے انکار کر دیا لہٰذا یہ مذاکرات ناکام ہو گئے۔

گاندھی جناح خط وکتابت

قائداعظم محمد علی جناح نے ہندو مسلم مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لیے مسٹر گاندھی سے بذریعہ خط وکتابت مذاکرات کیے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے تین اہم خط یہ ہیں:

10 ستمبر 1944ء

محترم جناب گاندھی!

ہماری کل 9 ستمبر کی گفتگو کے حوالے سے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی انفرادی حیثیت میں مجھ سے ہندو مسلم سمجھوتہ پر بات چیت کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں، اور یہ کہ آپ نہ تو کانگریس یا ہندوؤں کے ایما پر آئے ہیں نہ ہی آپ کو کوئی نمائندہ حیثیت یا اختیار ہے، حتیٰ کہ آپ ایسا کرنے کے مجاز بھی نہیں۔ قدرتی طور پر میں نے آپ سے کہا تھا کہ فریق ثانی کی طرف سے کوئی نمائندہ حیثیت کا حامل شخص ہونا چاہئے جس کے ساتھ میں بات چیت کرسکوں، اور اگر ممکن ہو تو ہندو مسلم مسئلہ پر کوئی سمجھوتہ بھی طے کرلوں لیکن جو حیثیت آپ نے اختیار کی ہے، اس کی پہلے کوئی مثال بھی نہیں اور پھر یہ کہ اس سے میرے راستہ میں بے شمار مشکلات حائل ہو جائیں گی۔

آپ جانتے ہیں کہ میں تو مسلم ہند کے ایما پر صرف آل انڈیا مسلم لیگ تنظیم کے صدر کی حیثیت سے ہی بات کرسکتا ہوں، اور اسی کا میں نمائندہ ہوں اور پھر یہ بھی کہ مجھے اس تنظیم کے آئین اور قواعد وضوابط کے تحت ہی بات کرنا ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو احساس ہے، اور آپ تسلیم بھی کریں گے کہ ہندو مسلم مسئلے پر سمجھوتہ ہی سب سے بڑی اور اہم رکاوٹ ہے، اور جب تک ان دونوں قوموں کے نمائندے سر جوڑ کر نہیں بیٹھتے کوئی ایک نمائندہ بھی کیا پیش رفت کرسکتا ہے۔

پھر بھی میں نے آپ کے سامنے مارچ 1940ء کی قرارداد لاہور کی وضاحت کر دی، اور آپ کو ترغیب دلانے کی کوشش کی کہ آپ اس کے اہم اور بنیادی اصولوں کو تسلیم کرلیں، لیکن آپ نے نہ صرف اس پر غور وخوض کرنے سے ہی صاف انکار کر دیا بلکہ آپ نے قرارداد کی بنیاد کی ہی سرے سے پرزور مخالفت کی، اور کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک سمندر حائل ہے۔ میرے دریافت کرنے پر کہ پھر اس کا متبادل کیا ہے آپ کی تجویز تھی کہ آپ اپنا منظور شدہ مسٹر راج گوپال اچاریہ کا فارمولا پیش کرتے ہیں، لہٰذا ہم نے اس پر بحث و تمحیص کی لیکن چونکہ اس کے مختلف پہلو مبہم اور غیر واضح تھے اور کچھ کی وضاحت بھی درکار تھی، لہٰذا میں نے چاہا کہ اس کا تصور آپ سے واضح کر دوں اور اس کا حقیقی مفہوم سمجھنے کی کوشش کروں اور دیکھوں کہ اس میں کیا کیا الجھنیں ہیں، لہٰذا اس لیے میں آپ کو فارمولا میں درج تجاویز کی تشریح اور وضاحت کی تکلیف دے رہا ہوں۔

تھوڑی دیر بحث کے بعد آپ نے درخواست کی تھی کہ میں جن نکات کی تشریح اور وضاحت چاہتا ہوں، ان کو ضبط تحریر میں لا کر آپ کو ارسال کروں اور یہ کہ آپ پیر 11 ستمبر شام ساڑھے پانچ بجے ہماری دوسری ملاقات سے قبل ان کا تحریری

جواب دے دیں گے، لہٰذا وہ نکات آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔

◆ تمہید کے متعلق ہی آپ یہ فرمایئے کہ اگر میرے آپ کے درمیان کوئی سمجھوتہ طے پائے تو آپ اپنی کس حیثیت میں اس کی منظوری دینے والے فریق ہوں گے۔

◆ شق 1۔ جہاں تک آزاد ہندوستان کے آئین کے متعلق ہے جو اس شق میں مذکور ہے تو اولاً آپ بھی فرمایئے کہ آپ کس آئین کا حوالہ دے رہے ہیں۔ اس کی تشکیل کون کرے گا، اور یہ کب معرض وجود میں آئے گا۔ اس کے بعد فارمولے میں کہا گیا ہے کہ مسلم لیگ آزادی کے ہندوستانی مطالبے کی تائید کرتی ہے کہ اس سے مراد بمبئی میں 1942ء کی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی اگست کی قرارداد میں شامل کانگریس کا مطالبہ آزادی ہے؟ اور اگر وہ نہیں تو اس شرط کی کیا اہمیت ہے۔ کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلم لیگ نے تو نہ صرف اپنی قراردادوں میں بلکہ اپنے بنیادی سیاسی مسلک میں بھی جو اس کے آئین میں درج ہے، یہ بات اچھی طرح واضح کی ہوئی ہے کہ ہم تمام برصغیر کی آزادی اور خودمختاری چاہتے ہیں، اور یہ بات پاکستان اور ہندوستان پر بھی لاگو ہوتی ہے۔

پھر یہ کہا گیا ہے کہ مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ عبوری دور کے لیے عارضی ہنگامی حکومت کی تشکیل میں تعاون کرے گی۔ وہ بنیادیں اور خطوط کیا ہوں گے جن پر ایسی حکومت قائم یا تشکیل کی جائے گی۔ اگر آپ کے پاس کوئی مکمل اور واضح سکیم ہو تو ازراہ مہربانی مجھے ارسال فرمایئے۔

◆ شق 2۔ اس شق میں مذکور متن کون مقرر کرے گا۔ اس کی سفارشات پر عمل درآمد کون کرائے گا۔ نیز اس میں مذکور حتمی اکثریت سے کیا مراد ہے؟ کیا مجوزہ رائے شماری ضلعی سطحوں پر کرائی جائے گی، اور اگر نہیں تو یہ اور کس بنیاد پر ہوگی؟ اس بات کا فیصلہ اور تعین کون کرے گا کہ یہ رائے شماری بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوگی۔ یا کسی دیگر قابل عمل رائے دہندگی کی بنیاد پر؟ مذکورہ بالا رائے شماری کے فیصلے یا نتیجے پر عمل درآمد کون کرائے گا؟ کیا صرف سرکاری اضلاع کو ہی جنہیں موجودہ صوبہ بندی کے وقت حالیہ صوبوں سے الگ رکھا گیا ہے کسی ایک ریاست میں شامل ہونے کا حق ہوگا یا ان کو بھی جو موجودہ حدوں سے باہر ہیں حق حاصل ہوگا کہ وہ جس ریاست کے ساتھ چاہیں الحاق کریں۔

◆ شق 3۔ اس شق میں تمام فریقین سے کون مراد ہیں؟

◆ شق 4۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس شق میں جن باہمی معاہدوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ کیسی مشینری یا ایجنسی کے توسط سے کیے جائیں گے؟ دفاع، کامرس، اطلاعات کے تحفظ۔ نیز دیگر بنیادی امور سے کیا مراد ہے اور یہ تحفظ کس مخالف سے ہو گا۔

◆ شق 5۔ ان شرائط کی پابندی اس صورت میں لازمی ہوگی اگر برطانیہ حکومت ہند کے کل اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل کرے۔ میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ اقتدار کب، کسے اور کس مشینری یا ایجنسی کی وساطت سے منتقل کیا جائے۔

اسی لمحہ تو مجھے بھی اہم نکات سوجھے ہیں جن کی تشریح اور وضاحت درکار ہے۔ امید کرتا ہوں کہ آپ ان مختلف حرکات کے بارے میں جن کا میں نے ترتیب وار ذکر کیا ہے تفصیلات سے آگاہ کریں گے تا کہ آپ کی تجاویز کے بارے میں اطمینان سے کسی نتیجے پر پہنچنے سے قبل میں انہیں بہتر طور پر سمجھنے اور جانچنے کے قابل ہوسکوں۔

آپ کا مخلص

ایم اے جناح

مسلم قومیت کے علیحدہ تشخص کے لیے قائداعظم محمد علی جناح نے گاندھی کو جو خطوط لکھے ان میں سے چند کا متن یہ ہے۔

17 ستمبر 1944ء

ہم علیحدگی اور حق خودارادیت کا حق بحیثیت ایک علیحدہ قوم کے طلب کرتے ہیں۔ یہ کہ ایک علاقائی آبادی کے اور ہم بحیثیت مسلم قوم کے یہ پیدائشی اور نا قابل تنسیخ حق رکھتے ہیں کہ اپنی علیحدہ آزاد اور خودمختار مملکت قائم کریں۔ پاکستان کا قیام کسی موجود یونین سے علیحدگی نہیں جب ہم حق خودارادیت کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ مسلم قوم کا حق خوداختیاری ہے۔

21 ستمبر 1944ء

میں یہ امر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں کہ مسلمانان ہند اس ملک کے دوسرے لوگوں سے علیحدہ یا ممیز ہیں۔ صرف کہہ دینے سے کوئی بات ثابت نہیں ہو جاتی۔ میں علیحدہ قوم کی حیثیت سے نہیں البتہ دو بھائیوں کی حیثیت سے تقسیم ہند کے مطالبہ پر غور کرسکتا ہوں۔

گاندھی جناح ملاقات

رئیس احمد جعفری اپنی کتاب ''قائداعظم اوران کا عہد'' میں رقمطراز ہیں:

نئی باتیں ، نئی تجویزیں، نئے فارمولے

اس کتاب کا سب سے اہم ترین باب یہی ہے۔ یہاں سے مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان ایک ایسی خلیج پیدا ہوگئی ہے جوشاید مرور ایام سے بھی نہیں پٹ سکتی۔ اب تک کانگریس کے چہرے پر نقاب زریں کے درجنوں پردے تھے، لیکن اب وہ برافگندہ نقاب ہوگئی۔ رقص طاؤس دیکھنے والے اب تک اس کے رنگین بال و پر دیکھ رہے تھے، لیکن اب اس کے پائے زشت پر بھی نظر پڑ گئی۔

1944ء کے آغاز میں خرابی صحت کی بنا پر گاندھی جی غیر مشروط طور پر رہا کر دیے گئے ان کی رہائی نے ہندو مسلم اتحاد کا امکان پھر پیدا کر دیا۔

راجہ جی کا فارمولا

اس سلسلہ میں سب سے پہلے مسٹر راج گوپال اچاریہ کے فارمولے کا تذکرہ ضروری ہے، اور وہی سب سے پہلے منظر عام پر آیا۔ راجہ جی نے یہ فارمولہ 8 اپریل 1944ء کو مسٹر جناح کے پاس بھیجا جو حسب ذیل ہے:

''انڈین نیشنل کانگریس اور آل انڈیا مسلم لیگ کے درمیان شرائط مفاہمت کی وہ اساس جس پر گاندھی جی اور مسٹر جناح اتفاق کرتے ہیں، اور جسے علی الترتیب کانگریس اور لیگ سے منظور کرانے کی کوشش کریں گے۔

❶ تابع شرائط مندرجہ ذیل بابت دستور آزاد ہندوستان، مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبہ آزادی کی تائید وتوثیق کرتی ہے، اور عبوری دور کے لیے ایک عارضی عبوری حکومت قائم کرنے میں کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کرے گی۔

❷ اختتام جنگ کے بعد ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق کے ان باہم دگر متصل اضلاع کی حد بندی کے لیے جہاں مسلمانوں کی قطعی اکثریت ہے ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ جن علاقوں کی اس صورت سے حد بندی ہو چکے گی ان میں حق رائے دہی کے مطابق تمام باشندگان علاقہ کا استصواب عام عمل میں لایا جائے گا، اوراس کے نتیجے کے مطابق اس کا فیصلہ ہوگا کہ آیا یہ علاقے ہندوستان سے جدا ہوتے ہیں یا نہیں۔ اگر قطعی اکثریت نے ہندوستان سے الگ ایک کامل الاقتدار ریاست قائم کرنے کی موافقت



مسٹر جناح جنرل ایوب کے ہمراہ

میں فیصلہ کیا تو اس کا نفاذ اس صورت میں عمل میں لایا جائے گا کہ اضلاع سرحد کے اس حق کو کوئی صدمہ نہ پہنچے کہ وہ ان دونوں میں سے جس ریاست کے ساتھ چاہیں اپنے کو ملحق کر سکتے ہیں۔

3 تمام جماعتوں کو اختیار ہو گا کہ استصواب عام سے پہلے اپنے نقطہ نگاہ کی وکالت و تبلیغ کریں۔

4 اگر جدائی عمل میں آئی تو دفاع، تجارت، رسل و رسائل نیز دیگر بنیادی مقاصد کے تحفظ کے لیے باہمی معاہدات ہوں گے۔

5 نقل سکونت کی نوبت آئی تو صرف کامل رضا کارانہ اساس پر ہو سکے گی۔

6 یہ شرائط صرف اس صورت میں قابل پابندی ہوں گے کہ جب برطانوی حکومت ہندوستان پر حکومت کرنے کے پورے اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل کر دے۔"

سر کرپس کی تجاویز کی طرح اپنے فارمولے کے لیے راجہ جی کی شرط یہ تھی کہ اس میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی، یا اسے بجنسہ قبول کیا جائے یا مسترد کر دیا جائے۔ اس فارمولے کے متعلق راجہ جی کا خیال تھا کہ یہ مسلم لیگ کی قرارداد پاکستان کا لب لباب ہے۔

مسٹر جناح کا جواب

مسٹر جناح اپنی ذاتی ذمہ داری پر نہ اسے مسترد کر سکتے تھے نہ قبول کر سکتے تھے۔ انہوں نے 2 جولائی 1944ء کو جواب دیا:

"میں اسے مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کے سامنے پیش کروں گا۔"

مگر راجہ جی نے اس کی اجازت نہ دی اور اعلان کر دیا:

"مسٹر جناح نے فارمولا مسترد کر دیا۔"

راجہ جی نے یہ مراسلہ اور فارمولہ گاندھی جی کی کامل رضا مندی سے بھیجا تھا۔ اس سلسلہ میں نواب زادہ لیاقت علی خان کے ایک مقالہ کا حصہ اس قابل ہے کہ پیش نظر رہے وہ فرماتے ہیں:

"اس عرصے میں مسٹر گاندھی ایک اور اہم چال چلتے رہے۔ وہ یہ کہ وائسرائے سے مل کر کوئی سمجھوتہ کر لیں مسٹر جناح کو اس چال سے بے خبر رکھا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ ان سے مراسلت بھی جاری رہی۔"

گاندھی جی کا خط

17 جولائی 1944ء کو مسلم لیگ کونسل کے اجلاس لاہور میں مسٹر جناح نے ایک طویل تقریر کی۔ اس تقریر میں انہوں نے راجہ فارمولے پر نہایت بصیرت افروز تبصرہ کیا۔ خاص حصے درج ذیل ہیں:

مسٹر جناح کی تقریر

"اب فارمولے کی پہلی دفعہ کو لیجئے جس میں لکھا ہے: "حسب شرائط مصرعہ ذیل جہاں تک دستور اساسی کا تعلق ہے، مگر اس فارمولا میں کس دستور اساسی کا ذکر کر رہے ہیں؟ اس کے بعد یہ مطالبہ آتا ہے کہ ہم ہندوستان کے مطالبہ آزادی کی توثیق و تائید کریں۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہم اقوام ہند کی آزادی کے خلاف ہیں۔ مسٹر گاندھی اور مسٹر راج گوپال اچاریہ دونوں جانتے ہیں کہ یہ خواہ مخواہ کا اشارتی الزام ہے۔ اس طرح گویا مسلم لیگ پر بلاوجہ ایک ناروا اتہام لگایا جاتا ہے۔ اس کے بعد یہ شرط آتی ہے کہ ہم عبوری دور کے لیے ایک عارضی عبوری حکومت کی تشکیل میں کانگریس کے ساتھ تعاون کریں۔ گویا کانگریس کے غلبہ و تفوق کو تسلیم کر لیں۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ عبوری دور میں کسی قسم کی عارضی

عبوری حکومت قائم کی جائے گی۔ اس فارمولا میں اس کی ہئیت ، نوعیت ، افراد ترکیبی، اختیارات وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ہندوستان کے شمال مغرب اور مشرق کے ملحقہ اضلاع کی حد بندی کے لیے ایک کمیشن مقرر ہوگا، اور جہاں جہاں مسلمانوں کی قطعی اکثریت ہے وہاں کے تمام باشندوں سے ضلع وار استصواب ہوگا یہ نہیں بتایا گیا کہ کمیشن کا تقرر کون کرے گا، اور اس کی تجاویز کا نفاذ کون کرے گا؟ واقعی حیرت ہے کہ مسٹر راج گوپال اچاریہ کیونکر ایسی ڈھٹائی کے ساتھ یہ عام بیان دے سکے کہ اس فارمولے میں وہ سب کچھ منظور کر لیا گیا ہے۔ جس کا لیگ نے اپنی قرارداد مارچ میں مطالبہ کیا تھا۔ اگرچہ یہ معاہدہ صرف کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ہونا مقصود ہے لیکن تمام پارٹیوں کو اختیار ہوگا کہ استصواب عام کے موقع پر اپنے اپنے نقطہ نظر کی وکالت و تبلیغ کریں، پھر یہ کہ علیحدگی کی صورت میں دفاع، تجارت، رسل و رسائل اور دیگر ضروری مقاصد کے تحفظ کے لیے باہمی معاہدے ہوں گے، سوال یہ ہے کہ یہ تحفظات کس کے مقابلے میں ہوں گے، اور اس سے کیا مراد ہے؟ ان باہمی معاہدوں کی پابندی واجبی قرار دی گئی ہے، اور اس دفعہ کی اہمیت کو سمجھنا بہت آسان نہیں ہے۔ اب آخری دفعہ آتی ہے، اور اس دفعہ کی اہمیت کو سمجھنا بہت آسان نہیں ہے۔ جس میں نہایت ہوشیاری سے کام لیا گیا ہے ۔ یہ شرائط صرف اس وقت قابل پابندی ہوں گی، جب برطانیہ حکومت ہند کے پورے اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل کر دے گا، لیکن اس میں یہ نہیں بتایا گیا کہ کس کو اور کب منتقل کرے گی؟

نواب زادہ کا تبصرہ

نواب زادہ لیاقت علی خان نے اس فارمولے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"جب السٹر اور آئر لینڈ کو علیحدہ کیا گیا تو آئر لینڈ میں کوئی استصواب عمل میں لایا گیا؟ اس قسم کی اور بھی متعدد مثالیں دنیا کی آئینی تاریخ میں ملتی ہیں مسٹر راج گوپال اچاریہ جو اپنے دور وزارت میں کافی خودسر اور مطلق العنان رہے ہیں۔ اب یک بیک اس چیز کے بہت گرویدہ ہو گئے کہ تمام بالغ انسانوں کی رائے شماری کی جائے تا کہ قطعی اکثریت کا فیصلہ معلوم ہو سکے۔ بہت سے لوگ "قطعی اکثریت" کی اصطلاح کے جس پر مسٹر گاندھی نے بھی بہت زور دیا تھا، پورے مضمرات کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ قانونی اور آئینی مفہوم کے اعتبار سے قطعی اکثریت کے ایک خاص معنی ہیں، اور کوئی ضلع اس وقت تک پاکستانی علاقے میں شامل نہ ہو سکے گا۔ جب تک کہ نہ محض ان لوگوں کی اکثریت جو رائے دہی کے لیے پولنگ اسٹیشن جائیں۔ بلکہ کل رائے دہندگان کی اکثریت نہ حاصل ہو جائے، بلالحاظ اس کے کہ ان میں سے کتنے اپنے حق رائے دہی کو کام میں لاتے ہیں اور کتنے نہیں۔ دوسرے الفاظ میں قطعی اکثریت سے محض ان لوگوں کی واضح اکثریت مراد نہیں ہے۔ جو رائے دہی کی زحمت گوارا کریں بلکہ ان تمام بالقوۃ یا بالفعل مخالف گروہ بندیوں کے مقابلے میں اکثریت ہونی چاہیے جو رجسٹر رائے دہندگان اور بیلٹ بکس کے حساب سے بروئے کار آ سکتی ہیں۔"

گاندھی جی کی چال بازیاں

گاندھی جی ایک طرف تو مسٹر جناح سے خط و کتابت کرتے رہے دوسری طرف خفیہ اور پوشیدہ طور پر وائسرائے کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ان چال بازیوں سے ان کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کو مرعوب اور دہشت زدہ کر کے اسے آمادہ کریں کہ وہ ہندوستان کی باگ ہندو کانگریس کے ہاتھ میں دے دے۔

نواب زادہ لیاقت علی خاں جناح گاندھی مراسلت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

''ان مراسلتوں کے سلسلے میں جو ایک ہی وقت میں متوازی خطوط پر چلتی رہی ہیں۔ جو تاریخیں خاص اہمیت رکھتی ہیں انہیں میں ذیل میں درج کرتا ہوں:

☆ پنج گنی، 15 جولائی۔ مسٹر گاندھی کی طرف سے لارڈ ویول کے نام:

استورٹ گلڈر کا قصہ اور یہ تجویز کہ مسٹر گاندھی کو اپنے رفقائے کار سے حراست خانے میں یا باہر ملنے کی اجازت دی جائے۔

☆ پنج گنی، 17 جولائی۔ گاندھی کی طرف سے مسٹر جناح کے نام:

ہم ''دونوں کی ملاقات ضرور ہونی چاہیے۔''

☆ نئی دہلی۔ لارڈ ویول کی طرف سے مسٹر گاندھی کے نام:

معین اور تعمیری پالیسی کا مطالبہ (ملاقات سے انکار)

☆ سری نگر، 24 جولائی۔ مسٹر جناح کی طرف سے لارڈ ویول کے نام:

مطالبہ، مع ٹھوس پروگرام (کانگریس پریس کے الفاظ)

☆ نئی دہلی، 15 اگست۔ لارڈ ویول کی طرف سے مسٹر گاندھی کے نام:

دروازے بند کر دیے جاتے ہیں (ملاقات کی اجازت نہیں)

☆ 15 اگست۔ (گاندھی جناح کی) باہمی ملاقات کی تاریخ جو شروع میں مقرر ہوئی تھی۔

☆ 9 ستمبر۔ گاندھی جناح گفت و شنید کی ابتداء

''نتیجہ بالکل واضح ہے یعنی یہ کہ لارڈ ویول کو منانے اور ہموار کرنے کے سلسلے میں مسٹر گاندھی جانتے تھے کہ وائسرائے پر اس خیال کا کتنا کچھ اثر پڑ سکتا ہے کہ گاندھی جناح مذاکرات کا نتیجہ شاید ہندو مسلم مصالحت کی صورت میں نمودار ہو گیا تو حکومت برطانیہ سے اقتدار منتقل کرانے کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کی متحدہ جدوجہد کا ایک راستہ کھل سکتا ہے۔ اگر ہندوستان کے سلسلے میں برطانیہ کے رجعت پسندوں کے لیے اور اس طبقے کے لیے جس کے مفاد مستقل اور معین ہیں تو کوئی ہوا ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہندو مسلم مفاہمت کا امکان کا ہے، کیونکہ پھر ہندو مسلم اختلاف کے بہانے مطلب براری کا موقع ختم ہو جائے گا۔ تاریخوں پر نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر گاندھی چاہتے تھے کہ لارڈ ویول یہ محسوس کر لیں کہ اگر ان (مسٹر گاندھی) کی پیش قدمی کا دوستانہ جواب نہ ملا تو وہ مسلم لیگ سے اتحاد کر لیں گے، اور راجہ جی فارمولے کو جو باعتبار اصول و پالیسی تقسیم ہند کا حامی تھا منظور کر لینا ہی ایک ایسا فعل تھا جس سے اس کی طرف اشارہ ہوتا تھا۔''

گفت و شنید

ستمبر 1944ء کو بمبئی میں گاندھی جی اور مسٹر جناح

کے درمیان گفت وشنید شروع ہوئی جو کئی ہفتے جاری رہی۔ گاندھی جی اپنی جگہ پر قائم تھے، اور مسٹر جناح اپنے مطالبہ پر، نتیجہ یہ ہوا کہ گفت وشنید ناکامی پر ختم ہوگئی۔

یہ بڑی طویل گفت وشنید تھی لیکن اس کے چند اجزاء ضروری ہیں کہ پیش نظر رہیں۔

گاندھی: آپ کو یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ تجویز (لاہور) میں کہیں دوقوموں کے نظریے کا ذکر نہیں ہے۔ ہماری گفتگو کے دوران میں آپ نے بڑے جوش وخروش سے فرمایا کہ ہندوستان میں دوقومیں ہیں یعنی مسلمان اور ہندو اور اول الذکر (مسلمان قوم) کے وطنی خطے اس طرح ہندوستان میں موجود ہیں جس طرح موخرالذکر (ہندوقوم) کے وطنی خطے۔

ہماری بحث جتنی بڑھ رہی ہے آپ کی پیش کی ہوئی تجویز اتنی ہی ڈراؤنی ہوتی جارہی ہے۔ مجھے تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ اپنا مذہب بدل لینے والے لوگ اوران کی اولاد اپنے آباؤاجداد سے مختلف قوم ہونے کا دعویٰ کریں۔ اگر اسلام کے ظہور سے پہلے ہندوستان میں ایک قوم آباد تھی تو اس کے باوجود کہ اس کے بہت سے بچوں نے اپنا مذہب بدل لیا ہے وہ ایک ہی قوم رہے گی۔

(15 ستمبر کا خط)

جناح: ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ قوم کی جو بھی تعریف اور جو بھی معیار ہو۔ اس کے مطابق ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔ ہم دس کروڑ کی ایک قوم ہیں۔ ہماری تہذیب وتمدن، زبان وادب، آرٹ اور فنِ تعمیر نام اور اصلاحات قدروں کی پرکھ، قانونی اور اخلاقی نظام، رسوم اور تقویم، تاریخ اور روایات، طبعی میلانات اور رجحانات سب (دوسروں سے) مختلف ہیں جدا ہیں۔ مختصر یہ کہ ہمارا نظریہ زندگی مختلف ہے۔ بین الاقوامی قانون کے ہر اصول سے ہم ایک قوم ہیں۔''

(17 ستمبر کا خط)

دوقوموں کا نظریہ

گاندھی: اگر تجویز لاہور کے مطابق وہ علاقے الگ کیے جائیں گے جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے تو علیحدگی کے اس اہم مسئلے کو علاقے کے باشندوں کے سامنے پیش کرکے ان کی رضامندی حاصل کرلینی چاہیے۔

(17 ستمبر کا خط)

جناح: معلوم ہوتا ہے کہ ''خود اختیاری'' کے معنوں کے متعلق آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ہم کسی علاقہ جاتی وحدت کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک قوم کی حیثیت سے حق خود اختیاری کا مطالبہ کررہے ہیں، اور ہمیں اختیار ہے کہ ہم اپنے پیدائشی حق (خود اختیاری) کو مسلم قوم کی حیثیت سے استعمال کریں، لیکن آپ اس غلط فہمی میں ہیں کہ ''خوداختیاری'' کے معنی ہیں۔ صرف ''علاقہ جاتی وحدت'' کی خود اختیاری لیکن ان علاقوں کی بھی نہ توحد بندی ہوئی ہے اور نہ ابھی تک وضاحت کی گئی ہے۔ ہمارا مسئلہ کسی یونین سے جس کا ہندوستان میں وجود نہیں ہے۔ علیحدگی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ دو بڑی قوموں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی معاہدے (یا سمجھوتے) سے دو آزاد اور خود مختار ریاستوں کی تشکیل کی جائے۔ حق خود اختیاری میں جس کا ہم مطالبہ کررہے ہیں۔ یہ اصول موضوعہ مضمر ہے کہ ہم ایک قوم ہیں اور اس حیثیت سے یہ صرف مسلمانوں

کی خودمختاری ہو گی اور صرف انہی کو یہ حق برتنے کا اختیار ہوگا۔

گاندھی جی کا نیا فارمولا!

پہلے گاندھی جی نے مسٹر جناح کو راجہ فارمولا ماننے پر رضامند کرنے کی کوشش کی اور کئی روز تک اسی مسئلہ پر گفت وشنید ہوتی رہی، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ مرغ زیرک اسیر دام نہیں ہوتا تو۔

نیا جال لایا پرانا شکاری

اب انہوں نے خود ایک نیا فارمولا پیش کر دیا۔

گاندھی: عام طور پر مجھے آپ سے اختلاف ہے، لیکن پھر بھی میں حسب ذیل شرائط پر کانگریس اور حکومت سے سفارش کر سکتا ہوں کہ وہ علیحدگی کے اس مطالبے کو مان لیں جو مسلم لیگ کی تجویز لاہور 1940ء میں ہے کانگریس اور لیگ کا مقرر کیا ہوا ایک کمیشن (مسلم علاقوں کی حد بندی کرے (علیحدگی کے متعلق) حد بندی کے علاقوں کے باشندوں کی رائے دریافت کر لی جائے۔

اگر رائے علیحدگی کے حق میں ہے تو ہندوستان کے آزاد ہو جانے کے فوراً بعد یہ علاقے اپنی ریاست بنا لیں گے اور اس طرح دو آزاد خودمختار ریاستیں قائم ہو جائیں گی۔

علیحدگی کے لیے ایک معاہدہ ہوگا جس میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ امور خارجہ، دفاع، رسل و رسائل، محاصل، تجارت اور اس قسم کے دوسرے امور کا انتظام اطمینان بخش ہو اور معاہدہ کرنے والی پارٹیوں کے درمیان مشترکہ ہونے چاہئیں۔

معاہدے میں دونوں ریاستوں کی اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ بھی شامل ہوگا، جیسے ہی کانگریس اور لیگ اس سمجھوتے کو قبول کر لیں گے ایسے ہی وہ دونوں ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے لیے ایک مشترکہ طریق عمل تیار کریں گی۔

اگر کانگریس کوئی براہ راست اقدام کرنے کا فیصلہ کرے اور لیگ اس میں شریک نہ ہونا چاہے تو اسے براہِ راست اقدام سے الگ رہنے کی آزادی ہوگی۔

''اگر آپ کو یہ شرط منظور ہو تو کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ لاہور کی تجویز کے حدود میں مجھ سے کون سی شرائط قبول کروانا چاہتے ہیں جن کی سفارش میں کانگریس سے کروں؟ اگر آپ مہربانی فرما کر اتنی زحمت کریں تو میں یہ معلوم کر سکوں گا کہ میرے اور آپ کے رجحان میں کیا فرق ہے، اور میں کون کون سی شرائط قبول کر سکتا ہوں، آپ نے اپنے 23 ستمبر کے خط میں تجویز لاہور کے بنیادی اصولوں کا حوالہ دیا تھا اور آپ یہ چاہتے تھے کہ میں انہیں تسلیم کرلوں۔ یہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے کیوں کہ میرا خیال ہے کہ میں نے ان تمام نتائج کو تسلیم کر لیا ہے جو ان اصولوں کے قبول کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

(14 ستمبر کا خط)

جناح: آپ نے تجویز لاہور کے بنیادی اصولوں کو رد کر دیا ہے۔ آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں۔

آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلمانوں کو فطری طور سے خود اختیاری کا حق حاصل ہے۔ آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ صرف انہی (مسلمانوں) کو اپنا حق خود اختیاری استعمال کرنے کا حق ہے۔

آپ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ پاکستان دو علاقوں پر مبنی

ہے یعنی شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقے جن میں چھ صوبے یعنی سندھ، بلوچستان، صوبہ سرحد، پنجاب، بنگال اور آسام شامل ہیں۔ جیسا کہ لاہور کی تجویز سے ظاہر ہے۔ ان علاقوں میں باہمی سمجھوتے سے رقبہ جاتی ردوبدل ہوسکتا ہے۔ اگر مندرجہ بالا اصول تسلیم کرلیے جائیں تو علاقوں کی حد بندی کا مسئلہ اٹھایا جاسکتا ہے اور باہمی سمجھوتے سے اس کے لیے کوئی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

آپ کی خط وکتابت اور گفتگو سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کردینے کا مسئلہ صرف آپ کی زبان پر ہے آپ کے دل میں نہیں ہے۔

آپ کی شرائط سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے بنیادی اصول لاہور کی تجویز کے بنیادی اصولوں کے بالکل برعکس ہیں۔

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے لاہور کی تجویز کے عملی نتائج کو قبول کرلیا ہے تو پھر یہ کیوں نہ کیجیے کہ لاہور کے بنیادی اصولوں کو قبول کرکے تفصیلات کا تصفیہ کرلیجیے۔

(25 ستمبر کا خط)

بالآخر گفت وشنید ستمبر کے آخر میں ختم ہوگئی۔ مسٹر جناح نے خاموشی اختیار کرلی لیکن گاندھی جی اور ہندو پریس نے مخالفانہ پروپیگنڈہ بڑے زور سے شروع کردیا۔

مسٹر جناح کا بیان

اب مجبور ہوکر 14 اکتوبر 1944ء کو مسٹر جناح نے ایک پریس کانفرنس طلب کی اور اس میں حسب ذیل بیان دیا:

''بدقسمتی سے مسٹر گاندھی نے ہم دونوں کے مشترکہ بیان کے برعکس بڑے شدومد سے پروپیگنڈہ شروع کررکھا ہے۔ مسلم لیگ کی نمائندہ اور مستند حیثیت کو چیلنج کرنے کے علاوہ وہ میرے خلاف مسلمانوں کو بھڑکا بھی رہے ہیں اور اپنے بیان میں بار بار اپنے اس قول کا اعادہ کررہے ہیں، کہ انہوں نے گاندھی راجہ جی فارمولے میں نیز اپنی تجاویز میں جو انہوں نے آخری وقت پیش کی تھیں اور جنہیں اب وہ پیشکش یا پیش کشوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ قرارداد لاہور کا لب لباب تسلیم کرلیا ہے۔ ہر ذی فہم انسان دیکھ سکتا ہے کہ ان دونوں میں باعتبار اصل فرق نہیں جس چیز کو مسٹر گاندھی اپنی پیش کش کہتے ہیں۔ وہ اس وقت سامنے آئی۔ جب وہ قرارداد لاہور کے تمام بنیادی اصولوں کو مسترد کرچکے تھے، رہا گاندھی راجہ جی فارمولا تو وہ ابتدا ہی سے خارج از بحث کردیا گیا تھا۔

اب چونکہ معاملہ پبلک میں زیر بحث آگیا ہے اور مسٹر گاندھی بیان پر بیان اور انٹرویو پر انٹرویو دے رہے ہیں جو نہایت گمراہ کن ہیں اس لیے میں ان کی نام نہاد پیش کش کو زیر بحث لانے پر مجبور ہوں۔ کم از کم ہمیں اس کے خاص نکات کا جائزہ لینا چاہیے۔

1. ہندوستان کو بحیثیت ایک منفرد قومی وحدت کے فوراً آزادی دے دی جائے۔
2. ایک عارضی عبوری حکومت فوراً قائم کردی جائے جو مسٹر گاندھی کے تصورات کے مطابق ہو اور جس کی توضیح وہ اپنے خط مورخہ 15 ستمبر میں حسب ذیل الفاظ میں کرچکے ہیں۔'' ایک عارضی عبوری حکومت جو موجودہ یا جدید منتخب شدہ اسمبلی کے ارکان منتخبہ کے سامنے جواب دہ ہوگی۔ دورانِ جنگ میں اس

حکومت کے پاس کمانڈر انچیف کے اختیارات کے علاوہ تمام اختیارات ہوں گے۔ کانگریس اور لیگ میں جو کچھ مفاہمت ہو جائے اس کو نافذ کرنے کی مجاز بھی یہی حکومت ہوگی۔ ضمناً یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس کی رو سے نہ صرف یہ کہ ایک تیسرے فریق کی موجودگی تسلیم کر لی گئی ہے بلکہ زمانہ جنگ میں اس تیسرے فریق کو کمانڈر انچیف کے نیز دفاع کے جو اہم ترین اور سب سے زیادہ قوی الاثر شعبہ ہے کل اختیارات حوالہ کر دیے گئے ہیں (اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ فوراً ایک ایسی مرکزی وحدانی یا وفاقی حکومت قائم کر دی جائے جس کے قبضے میں پورا کشوری (سول) نظام ہوگا، اور ان کے ساتھ مجلس قانون ساز میں ہندوؤں کی غالب اکثریت ہوگی۔ جو کسی طرح 75 فیصد سے کم نہیں ہو سکتی، اور کابینہ اسی مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہوگا)''

◆ جب اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے تو اسی قائم شدہ حکومت کا یہ کام ہوگا کہ آزاد ہندوستان کا دستور مرتب کرے یا ایک ایسی ہیئت مجاز وضع کرے جو برطانوی اقتدار کے ہٹ جانے کے بعد دستور مرتب کرے گی۔

◆ یہ قومی حکومت مشترکہ مفاد والے امور کے متعلق جن کی وضاحت مسٹر گاندھی نے اپنی نام نہاد پیش کش میں کر دی ہے، یعنی امور خارجہ، دفاع، داخلی رسل و رسائل، بحری محاصل، تجارت وغیرہ کے نظم و نسق کے متعلق جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ بحیثیت امور مفاد مشترکہ انہیں لازماً و دائماً مرکزی ہیئت مقتدر یا حکومت کے معقول اور قابل اطمینان انتظام کے ماتحت رہنا چاہیے۔ میثاق و معاہدات کا مسودہ مرتب کرے گی۔ اس کے صرف ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں، یعنی یہ کہ تمام اہم ترین امور جو مملکت کے لیے شہ رگ کا حکم رکھتے ہیں مسٹر گاندھی کی تجویز کردہ قومی وفاقی حکومت کے قابو میں رہیں گے اور یہی وہ حکومت ہو گی جس کے ہاتھوں حکومت ہند کے سارے اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل ہو جائیں گی، لہٰذا یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ متذکرہ شرائط کے مطابق جو قومی حکومت معرض وجود میں لائی جائے گی اور مستحکم اور قابو یافتہ ہو لے گی اور جس کے ساتھ ہندوؤں کی ٹھوس اور غالب اکثریت ہو گی وہ معاً و عملاً خالص ہندو راج کے مترادف ہوگی۔

◆ اس کے بعد مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہم ان انتہائی پر پیچ شرائط پر رضامند ہو جائیں اور اس اصول کو تسلیم کر لیں جن کی بنا پر قطعی مسلم اکثریت رکھنے والے علاقوں کی حدود کا تعین کیا جائے۔ یعنی ضلع وار حد بندی کا اصول اور قطعی اکثریت سے گاندھی جی کی مراد یہ ہے کہ صرف وہ اضلاع قابل شمار تصور کیے جائیں گے، جن میں مسلمانوں کی تقریباً 75 فیصد آبادی ہو، کیوں کہ مسٹر گاندھی نے کہا ہے کہ قطعی اکثریت سے ان کی مراد اس قسم کی اکثریت ہے جیسی سندھ، بلوچستان یا صوبہ سرحد میں ہے۔ اگرچہ مسٹر راج گوپال اچاریہ کے نزدیک قطعی اکثریت کا مفہوم وہی ہے جو قانونی گفتگو میں سمجھا جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس مسئلے میں ان مشترک مصنفین میں خود آپس میں اختلاف ہے، لغت میں اکثریت کے معنی یہ پاتا ہوں کہ کسی جماعت کے جملہ ارکان کی اکثریت جس میں رائے دینے والے اور رائے نہ دینے والے دونوں شامل ہیں۔

◆ جن علاقوں کی اس طرح حد بندی ہو جائے گی۔ وہاں حق رائے دہی بالغاں یا کسی دوسرے قابل عمل اصول رائے دہی کے مطابق ایک عام استصواب عمل میں آئے گا، اور اصول و طریق استصواب کا تعین بھی، اگر ہم پہلے سے اس کے متعلق کوئی تصفیہ نہ کر لیں، محولہ بالا قومی حکومت ہی کرے گی۔

جب ہم یہ تمام شرائط منظور کر لیں، تب کہیں ان علاقوں کی جو قطع و برید سے مسخ ہو چکے ہوں گے، علیحدگی کا سوال پیدا ہوتا ہے وہ بھی مزید شرائط کے ماتحت

① اس مسئلے پر صرف اختتام جنگ کے بعد ہی غور و خوض کیا جا سکتا ہے، اور

② جب حکومت ہند کی تمام ذمہ داریاں اور اس کے تمام اختیارات اس قومی حکومت کے ہاتھ میں منتقل ہو جائیں گے تب کہیں یہ قومی حکومت باہم ملحق اضلاع کی حد بندی کے لیے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کمیشن مقرر کرے گی اور اس طرح تاخت و تاراج اور غارت گری کے کام کی تکمیل کرے گی بالخصوص پنجاب، بنگال، آسام میں اس کے بعد یہی ''قومی حکومت'' کمیشن کے نتائج تحقیقات کو عملی جامہ پہنائے گی، اور اگر یہ غریب، مفلوج علاقے کل ہند متحدہ وفاقی حکومت سے جو پوری قوت اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہو چکی ہو گی منقطع یا علیحدہ ہونا چاہیں گے تو پھر یہ ضروری ہو گا کہ وہ ایک مخلوط استصواب عامہ کی منزل بھی طے کریں، اور اس کے فیصلے کے سامنے سر اطاعت خم کر دیں، پھر یہ کہ اگر استصواب عام کا فیصلہ مسلمانوں کی موافقت میں ہوا تو بھی اہم ترین بنیادی حیثیت والے مسائل مثلاً امورِ خارجہ، دفاع، داخلی رسل و رسائل، محاصل، بحریہ اور تجارت وغیرہ ایک مرکزی ہیئت مقتدرہ یا حکومت کے ہاتھ میں رہیں گی اور وہی ان کا نظم و نسق بھی کرتی رہے گی۔ یہ چیز جس کا نام مسٹر گاندھی نے دو بھائیوں کے درمیان حصہ بانٹ یا تقسیم رکھ چھوڑا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ وہ کراہت انگیز حد تک برابر یہ رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ انہوں نے اپنی پیشکش میں قرارداد لاہور کا لب لباب یا اس کا جوہر دے دیا ہے، اس سے زیادہ منافقانہ، پرفریب اور عیارانہ دعویٰ کا تصور بھی مشکل ہے جسے وہ نہایت بھولے پن کے انداز میں دہرائے جا رہے ہیں۔''

(قائداعظم اور ان کا عہد، از: رئیس احمد جعفری)

گاندھی قائداعظم کی نظر میں

اپنی قوم کے نزدیک گاندھی کا مقام جس قدر اہمیت کا حامل تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، حتیٰ کہ وہ انہیں اپنا اوتار مانتے تھے، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی نظر میں گاندھی کوئی قابل قدر شخصیت نہ تھی۔ مثلاً قائداعظم محمد علی جناح نے ایک مرتبہ گاندھی کے بارے میں فرمایا:

''ہمیں جس حریف سے پالا پڑا ہے وہ گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ جب ان کا مفید مطلب نہیں ہوتا ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ کسی کے نمائندے نہیں، اور جب ضرورت ہوتی ہے تو سارے ہندوستان کے واحد نمائندہ بن جاتے ہیں۔ ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ زبان سے کہتے ہیں اور جو ان کا مقصد ہوتا ہے وہ کبھی زبان پر نہیں لاتے۔ جب اور حربوں سے کام نہیں چلتا تو مرن بھرت رکھ لیتے ہیں۔ جب کوئی دلیل نہیں بن پڑتی تو اندرونی آواز کو بلا لیتے ہیں، چنانچہ ایسے شخص سے ہم کس طرح بات کر سکتے ہیں وہ

تو ایک چیستان کا معمہ ہے۔"

گاندھی کا فتویٰ

(دیکھئے: ایک گناہِ عظیم)

گاندھی کی جادوگری

ہفتہ وار پیسہ اخبار نے اپنی اشاعت 19 ستمبر 1929ء کو دلچسپ اداریہ لکھا، جس کا عنوان تھا:

"مہاتما جی کی جادوگری مسٹر جناح پر نہ چل سکی۔"

"مسٹر نائیڈو کی نسبت بعض اخبارات نے لکھا کہ انہوں نے ہندو مسلمانوں کے مسائل کا تصفیہ کرانے کے لیے مہاتما گاندھی اور مسٹر جناح کی ملاقات کرادی ہے، تا کہ وہ روبرو اختلافات کا تصفیہ کرسکیں، لیکن معلوم ہے کہ مسٹر جناح پر گاندھی جی کی جادوگری کا کوئی اثر نہ ہوسکا، اور مہاتما گاندھی نے دنیا کو بتلا دیا کہ یہ ان کی محض دوستانہ اور پرائیویٹ ملاقات تھی۔ باوجود مسلمانوں اور ہندوؤں میں نہرو رپورٹ پر اس قدر شدید اور اصولی اختلافات ہونے کے اب بھی اگر چند مسلمان یہی کہیں کہ کانگریس میں ہندوستان متفق ہوگئے ہیں تو یہ کہاں کی دیانتداری ہے۔"

(ہفتہ وار پیسہ اخبار، اشاعت 18 ستمبر 1929ء)

گجرات

تحریک پاکستان اپنے عروج پر تھی دیگر علاقوں کی طرح گجرات میں بھی زمیندارا کالج کے طلباء نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھی، اور قائداعظم محمد علی جناح کو گجرات کا دورہ کرنے کی دعوت دی، چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح جب کشمیر کے دورے سے واپس دہلی جارہے تھے تو 28 جولائی 1944ء کو وہ مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن۔گجرات کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے گجرات تشریف لائے۔ ان دنوں گجرات شہر کے جنوب مغربی حصے میں ایک میدان پاسک باغ کے نام سے موسوم تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی تشریف آوری پر انہیں گلاب کے ہار پہنائے گئے صاحب زادہ مہدی علی خان نے قائداعظم محمد علی جناح کا استقبال کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح اچکن اور جناح کیپ پہنے ہوئے تھے۔ اس موقع پر انہوں نے تقریر کرتے ہوئے طلباء کو تلقین کی:

"آپ قوم کے مستقبل اور اس کی تقدیر ہیں، لٰہذا آپ کو محنت کرنا چاہیے اور اپنی تعلیم کی طرف توجہ دینی چاہیے۔"

اسی پاسک باغ میں ستمبر 1980ء میں جناب فضل حق کے کہنے پر سنگ سفید کا ایک کتبہ لگایا گیا جس پر یہ عبارت درج تھی:

"اس جگہ 28 جولائی 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب کیا تھا۔"

مقام افسوس ہے کہ جولائی 1987ء میں ایک وزیر باتدبیر کی آمد پر یہ کتبہ اکھاڑ پھینکا گیا۔ یہ کتبہ شاید اس لیے مٹایا گیا تھا کہ اس یادگار کے چبوترے پر وزیر کی سٹیج بننا تھی۔

گجراتی

گجراتی قائداعظم محمد علی جناح کی مادری زبان تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 23 دسمبر 1887ء کو بمبئی سے واپس آ کر سندھ مدرسۃ الاسلام میں داخلہ لیا۔ انہوں نے داخلے کے رجسٹر پر پہلی مرتبہ گجراتی میں دستخط کیے تھے۔

گجراتی تعلیم

محمد علی جناح چھ سال کے ہوئے تو انہیں گھر پر گجراتی تعلیم دینے کے لیے ایک استاد کا انتظام کیا گیا۔ والدین کا خیال تھا:

''بچے کی عمر کم ہے۔ اسے اسکول میں داخل کرنا مناسب نہیں۔''

اس کے علاوہ قریب ترین اسکول بھی گھر سے خاصا دور تھا اور بچے کے لیے پیدل اسکول آنا جانا مشکل ہوتا۔ محمد علی جناح فطرتاً چاق وچوبند اور ذہین تھے۔ انہیں گھر پر بیٹھے سبق یاد کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ وہ زیادہ وقت آس پاس کے ہم عمر بچوں کے ساتھ کھیل کود میں گزارتے، ہمجولیوں میں وہ بہترین کھلاڑی مشہور تھے۔ دوسرے لڑکے محمد علی جناح کو اپنا استاد سمجھتے اور وہ بھی خود کو ایک طرح دوسرے ساتھیوں سے ممتاز گردانتے۔ جب محمد علی جناح نوسال کی عمر کو پہنچے تو انہیں ایک پرائمری سکول میں داخل کرادیا گیا۔

گرے وولف

نومبر 1932ء میں جب قائداعظم محمد علی جناح لندن میں تھے، انہیں کمال اتاترک کی سوانح عمری Grey Wolf پڑھنے کا اتفاق ہوا، ان دنوں ان کی اکلوتی بیٹی صوفیہ دینا جس کی عمر تیرہ سال تھی، اپنے باپ کے پاس چھٹیاں گزارنے آئی ہوئی تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح یہ کتاب پڑھ چکے تو اپنی بیٹی کو دے دی اور کہا:

''لو بیٹی! اسے پڑھ لو، یہ بہت اچھی کتاب ہے۔''

پھر کئی دن تک وہ اٹھتے بیٹھتے اس کتاب کا اور مصطفیٰ کمال پاشا کا ذکر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ دینا نے اپنے باپ کو گرے وولف (Grey Wolf) کہنا شروع کر دیا۔ اب وہ کثر انہیں (Grey Wolf) کہہ کر چھیڑتی، جب وہ مقدمے کی تیاری کررہے ہوتے تو دینا مقدمہ کی مثل اپنے ہاتھوں سے پرے کر دیتی اور کہتی:

''گرے وولف چلیں، مجھے مزاحیہ ڈرامہ دکھالائیں، آخر میں تو چھٹیاں منانے یہاں آئی ہوں۔''

قائداعظم محمد علی جناح اپنی بیٹی کی یہ بات سن کر ہنس دیتے، اور اس کے اس لطیف انداز سے لطف اندوز ہوتے اور پھر اسے لے کر ڈرامہ دکھانے کے لیے چل دیتے۔

گریہم وڈ' لیڈی

دوسری گول میز کانفرنس سے قبل قائداعظم محمد علی جناح نے سیمپ لیسٹیڈ کے علاقے میں ہیتھ روڈ پر جو عالی شان مکان خرید کیا تھا وہ لیڈی گریہم وڈ کا تھا۔

گھر کی حالت درست کرو

قائداعظم محمد علی جناح نے ایک موقع پر فرمایا:

''مجھے معلوم ہے کہ مسلمان دلیر اور بہادر ہیں، مگر یہ وقت ایسا ہے کہ انہیں اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے۔ کیا تم نے اپنے گھر کی حالت درست کر لی ہے؟ اس سوال پر غور کیجیے، اور خود اپنے دل سے پوچھیے کہ اس کا جواب کیا ہے؟ میں جہاں کہیں جاتا ہوں، یہی سنتا ہوں۔''

''قائداعظم! ہم آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔''

میں کہتا ہوں قائداعظم محمد علی جناح ہرگز ہرگز حکم دینے کے لیے تیار نہیں، جب تک اسے یہ یقین نہ ہو جائے کہ مسلمان کا جو خون بہے گا وہ رائیگاں نہ جائے گا، اگر میں یہ یقین کیے بغیر مسلمانوں کو حکم دے دوں تو میں جنرل نہیں ہوں گا بلکہ مجرم ہوں گا۔ اس لیے میں تم سے کہتا ہوں، پہلے اپنے گھر کی حالت درست کرو، کافی دیر ہوگئی ہے، مگر ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا۔ بلند بانگ دعوؤں اور باتوں کی ضرورت نہیں ہے۔''



مسٹر جناح گورنر سٹیٹ بینک مسٹر زاہد حسین کے ہمراہ

گھڑسواری

دس سال کی عمر میں محمد علی جناح کو گھڑسواری میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔ ان کے والد کے پاس کئی بگھیاں تھیں۔ جو اس زمانے میں امارت کی نشانی سمجھی جاتی تھیں۔ اصطبل میں کئی عمدہ گھوڑے تھے۔ محمد علی جناح نے جلد ہی شہسواری سیکھ لی، اور انہیں ہمیشہ اس سے شغف رہا۔ اسکول میں ان کا ایک دوست کریم قاسم تھا جو کھارادر کے ایک تاجر کا بیٹا تھا۔ دونوں دوست روزانہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دور نکل جاتے۔

انہیں اپنے گھوڑوں سے بڑا لگاؤ تھا۔ قوت و اعتماد کے مظہر یہ جانور سینہ تانے اور سر اٹھائے انہیں بہت بھلے لگتے تھے۔ انہیں تناور اور سربلند مظاہر فطرت نے ہمیشہ متاثر کیا۔ گھوڑے اپنا سر بلند رکھتے ہیں اور درخت اور پھول بھی۔ انسان بھی پرندوں اور درندوں کی طرح تن کر چلتا ہے۔ یہی حال میناروں اور گنبدوں کا ہے۔ جن کی عظمت، آسمان کی بلندیوں سے باتیں کرتی نظر آتی ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کا یہ اصول وضع کرلیا کہ وہ نہ صرف مستقبل پر نظر رکھیں بلکہ ان کا سر بھی ہمیشہ بلند رہے گا۔ وہ مشکلات کے سامنے جھکنے کے بجائے ان کا مقابلہ کریں گے اور ان پر غالب آئیں گے۔ چیڑ کے عظیم اور تناور درخت کی طرح جسے طوفان اکھاڑ تو سکتا ہے جھکا نہیں سکتا۔ محمد علی جناح دن کو اسکول میں وقت گزارتے اور شام کے وقت گھڑسواری سے دل بہلاتے۔

(جی الانا۔ قائداعظم، مطبوعہ فیروز سنز لمیٹڈ لاہور)

گزٹ آف پاکستان

15 اگست 1947ء کو پاکستان کا اول گزٹ ''گزٹ آف پاکستان'' کا پہلا شمارہ شائع ہوا، جس میں تحریر تھا:

''ہرگاہ کہ ملک معظم نے قائداعظم محمد علی جناح کو پاکستان کا گورنر جنرل مقرر کیا ہے۔ متذکرہ تقرر کا اعلان کیا جاتا ہے، اور مشتہر کیا جاتا ہے کہ پاکستان کے گورنر جنرل نے آج اپنے اختیارات سنبھال لیے ہیں۔ مشرقی بنگال، مغربی پنجاب، سندھ، شمال مغربی سرحدی صوبے کی حکومتوں اور بلوچستان کے چیف کمشنر کو اس تقرر کا اعلان کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ یہ حکم مختلف چھاؤنیوں میں فوجی یونٹوں اور تمام بڑے بڑے بحری، بری اور فضائی اسٹیشنوں پر پڑھ کر سنایا جائے۔''

اس گزٹ میں دوسری اطلاع یہ تھی:

''ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل نے مسٹر لیاقت علی خاں، مسٹر آئی آئی چندریگر، مسٹر غلام محمد، سردار عبدالرب نشتر، مسٹر غضنفر علی خاں، مسٹر جوگندر ناتھ اور مسٹر فضل الرحمٰن کو وزیر مقرر کیا ہے۔''

گفتار خیالی

گفتار خیالی نے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے اسے قائداعظم محمد علی جناح کا عنوان دیا:

کتنی حقیقتوں کے پیمبر مرے جناح
دیدہ وروں کے شہر کے خاور مرے جناح
بخشی ہے جس نے قوم کو بیباکی نظر
سچ پوچھیے تو ہیں وہی رہبر مرے جناح
ایسی ہیں مستیاں کہ بہاروں میں بھی نہیں
کیسے پلائے کیف کے ساغر مرے جناح
کس کو ہے تیری عظمت و رفعت سے انحراف
روشن ہے مثل شمع تو گھر گھر مرے جناح
دریائے علم و فن میں در تابدار ہے

تو جہد کی ہے راہ میں پتھر مرے جناح
اعلان حق کیا تھا سر دار برملا
باطل کے سخت سینے میں خنجر مرے جناح
جکڑے ہوئے تھے ہم جو غلامی کے طوق میں
آزاد کر گئے ہیں ہمیں آ کر مرے جناح
رہبر تمام جس کی سیاست کے خوشہ چیں
تھے علم کے اک ایسا سمندر مرے جناح
گفتار جتنے روپ تھے دشمن کے سب کے سب
تو کر گیا ہے ہم پہ اجاگر مرے جناح

گفت وشنید

ڈاکٹر عطش درانی اپنی کتاب ''پاکستان ایک نظریہ یا تحریک'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''انگریزی حکومت کانگریس کے اس مطالبے کو ماننے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہ تھی کہ اقتدار صرف کانگریس کو منتقل کر دیا جائے اور مسلم لیگ اور مسلمانوں کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ اس لیے گاندھی جی نے قائداعظم کو گفت وشنید کی دعوت دی تا کہ انگریز حکمرانوں کو بتایا جا سکے کہ ہم تو مصالحت کے لیے تیار ہیں لیکن مسلمانوں کا لیڈر ہی نہیں مانتا۔

گاندھی نے راج گوپال اچاریہ کا فارمولا گفت وشنید کی اساس بنایا، لیکن قائداعظم نے اس کے خلاف بھرپور استدلال کیا تو گاندھی جی نے اسے ایک طرف کر کے قرارداد پاکستان پر گفت وشنید شروع کر دی۔ قائداعظم کا مطالبہ دوقومی نظریہ کے مطابق ملک کی تقسیم تھی۔ گاندھی جی اس مطالبے کو ماننے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے۔ وہ تمام ہندوستانیوں کو ایک قوم قرار دیتے تھے اور زیادہ سے زیادہ مسلمان فرقے کی اکثریت والے صوبوں کو متحد کر کے انہیں داخلی خودمختاری دینے کو تیار تھے۔

8 اپریل 1944ء کو راج گوپال اچاریہ نے قائداعظم کو ایک خط لکھا کہ اس نے ہندو مسلم سمجھوتے کے لیے ایک فارمولا تیار کیا ہے۔ گاندھی جی نے بھی اس فارمولے کی منظوری دے دی ہے اور اسے اختیار دیا ہے کہ آپ سے رابطہ کر کے ہندو مسلم مسئلے کو حل کیا جائے۔ قائداعظم نے جواب میں کہا کہ وہ یہ فارمولا غور وخوض کے لیے مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش کریں گے، اور وہی اس پر فیصلہ کرے گی مگر راج گوپال اچاریہ کا اصرار تھا کہ پہلے قائداعظم خود اس کی منظوری دے دیں۔ اس لیے اس معاملے میں بات آگے نہ بڑھ سکی اور تعطل پیدا ہو گیا۔ راجگوپال اچاریہ کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان سمجھوتے کی وہ بنیاد ہے جس پر گاندھی اور جناح نے اتفاق کیا اور کہا کہ وہ اس کے لیے کوشش کریں گے کہ کانگریس، اور مسلم لیگ سے اسے منظور کرائیں۔ اچاریہ فارمولا یہ تھا:

1. آزاد ہندوستان کے دستور کے مطابق مندرجہ ذیل شرائط کے تحت مسلم لیگ ہندوستان کے مطالبہ کامل آزادی کی تصدیق کرتی ہے اور عبوری دور کے لیے عارضی حکومت قائم کرنے میں کانگریس سے تعاون کرے گی۔
2. جنگ ختم ہونے کے بعد شمالی اور مشرقی ہند میں ان متصلہ اضلاع کے تعین اور حد بندی کے لیے جن میں مسلمانوں کی مطلق اکثریت ہے، ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا۔ ان علاقوں میں استصواب رائے کرایا جائے جس سے اس کا آخری فیصلہ ہو گا کہ یہ ہندوستان

سے الگ ہو جائیں گے۔ اگر اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ آزاد ریاست ہندوستان سے الگ قائم ہو تو یہ فیصلہ نافذ کیا جائے گا، مگر اس شرط کے ساتھ سرحدی اضلاع کو یہ حق حاصل ہو گا کہ دونوں میں سے جس ریاست کے ساتھ چاہیں الحاق کریں۔ (گویا بات مسلم اکثریت کے صوبوں سے کمتر ہو کر ضلعوں تک آ گئی تھی۔)

◆ تمام جماعتوں کو اس کی اجازت ہو گی کہ استصوابِ رائے سے پہلے اپنے خیال کی تائید میں تبلیغ واشاعت کریں۔

◆ علیحدگی کی صورت میں دونوں ریاستوں کے درمیان اس کے لیے باہمی معاہدہ ہو گا کہ دفاع، تجارت، مواصلات اور دوسرے مقاصد کا تحفظ ہو جائے۔ (وہی مسلم انڈیا، اور ہندو انڈیا میں تقسیم کا نقطہ نظر جو قیام پاکستان میں کہیں نہیں تھا۔)

◆ آبادیوں کا انتقال بالکل برضا و رغبت ہو گا۔

◆ یہ شرائط صرف اس صورت میں قابل پابندی ہوں گی کہ حکومت برطانیہ ہندوستان کی حکومت کا اختیار اور ذمہ داری پورے طور پر منتقل کر دے۔

اس فارمولے میں کانگریس کی طرف سے دو باتوں کا وعدہ تھا۔ ایک اس کا کہ مسلمانوں کی مطلق اکثریت کے اضلاع کی حد بندی کرا دی جائے گی اور دوسرے ان اضلاع میں استصواب رائے عامہ کرا دیا جائے۔ اس کا اس کے علاوہ اور کچھ فائدہ نہیں کہ بات صوبوں سے اضلاع تک آ گئی تھی، جس کا مستقبل پر بھی اثر پڑا، یا قائداعظم محمد علی جناح کے الفاظ میں اس فارمولے میں ایک موہوم کٹے پھٹے، لنگڑے لولے، مسخ شدہ، اور کرم خوردہ پاکستان کی پیش کش تھی۔

17 جون 1944ء کو گاندھی نے وائسرائے ہند کو ایک خط لکھا جس میں اس نے اجازت چاہی کہ وہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے اراکین سے ملاقات کر سکے تا کہ آئندہ کے طریق کار کے بارے میں وہ اپنے رفقائے کار سے مشورہ کریں، اور خط میں یہ بھی تحریر کیا کہ کانگریس اور حکومت کی کشیدگی اور ہندوستان کے سیاسی بحران کو ختم کرنے کے سلسلے میں کچھ تجاویز پیش کریں گے۔ وائسرائے نے جواب دیا کہ وہ تعمیری تجاویز پیش کریں گے تو ان پر غور کیا جائے گا۔ اس کے جواب میں گاندھی نے لکھا کہ وہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کو سول نافرمانی کی تحریک ختم کرنے اور جنگ کی صورت میں حکومت کے ساتھ پورا تعاون کرنے کا مشورہ دینے کو تیار ہوں، اگر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے اور قومی حکومت قائم کر دی جائے جو مرکزی اسمبلی کے سامنے جواب دہ ہو۔

15 اگست کو وائسرائے نے گاندھی کو جواب دیا کہ ان کی تجاویز میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ وہی مطالبہ ہے جو کانگریس نے کرپس مشن کے سامنے پیش کیا تھا۔ وائسرائے نے کہا کہ حکومت کے اختیارات اس وقت تک ہندوستان کے سپرد نہیں کیے جا سکتے۔ جب تک نیا دستور نہ آ جائے جس پر ہندوستان کے تمام اہم عناصر متفق ہوں اور دورانِ جنگ میں ایسا ممکن نہیں۔

گاندھی نے جب یہ محسوس کیا کہ وائسرائے سے اس کی مراسلت بارآور ثابت نہیں ہو رہی تو اس نے قائداعظم سے گفت و شنید کے لیے رجوع کیا تا کہ حکومت برطانیہ کو یہ یقین آ جائے کہ اب مسٹر گاندھی مسلم لیگ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کو بالکل تیار ہے، اور ہندو مسلم مسئلے کا سمجھوتہ یقینی ہے، اور پھر یہ دونوں

باہم متحد ہو کر انگریزوں سے اختیار چھین لیں گے۔ مسٹر گاندھی کے نزدیک حکومت برطانیہ سے کانگریس کے مطالبات منوانے کی یہ آخری ترکیب تھی۔ اس کی مبادیات انہوں نے اس زمانے میں شروع کر دی تھیں جب وہ لارڈ ویول سے مراسلت کر رہے تھے۔

17 جولائی 1944ء کو گاندھی نے قائداعظم محمد علی جناح کو خط لکھا جس میں ملاقات کی خواہش کی تا کہ بالمشافہ گفتگو کے ذریعے ہندو مسلم مسئلہ کو سلجھایا جائے۔ قائداعظم نے دعوت قبول کی، اور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی سے باقاعدہ اس کی اجازت بھی لے لی۔ قائداعظم اور گاندھی کے درمیان 9 ستمبر سے 27 ستمبر تک طویل مذاکرات ہوتے رہے جس میں گاندھی نے طرح طرح کے رنگ بدلے، کبھی انہوں نے ہندوستان کو ناقابل تقسیم قرار دیا، کبھی دو قومی نظریہ کی حقیقت سے انکار کیا۔ قائداعظم نے گاندھی سے واضح طور پر کہا:

''ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ قوم کی جو بھی تعریف اور جو بھی معیار ہو اس کے مطابق ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔ ہم دس کروڑ مسلمان ایک قوم ہیں۔ ہماری تہذیب و تمدن، زبان و ادب، آرٹ، اور فن تعمیر، نام اور روایات اور اخلاقی نظام و رسوم، اور تقویم و تاریخ، اور طبعی میلانات، اور رجحانات سب دوسروں سے مختلف ہیں جدا ہیں، مختصر یہ کہ ہمارا نظریہ زندگی مختلف ہے۔ بین الاقوامی قانون کے ہر اصول سے ہم ایک قوم ہیں۔''

ان مذاکرات میں گاندھی نے کئی رخ بدلے، کبھی راج گوپال اچاریہ کے فارمولے کو موضوع بحث بنایا کبھی قرارداد پاکستان کی بنیاد پر گفتگو کی۔ آخر میں گاندھی نے اپنی طرف سے ایک فارمولا پیش کیا۔ اگر پاکستان کا مطالبہ تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو پھر جن علاقوں میں مسلمان مطلق اکثریت میں ہیں، ان کی حد بندی ایک ایسے کمیشن کو کرنی چاہیے جو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کا منظور شدہ ہو اور ان علاقوں کے تمام بالغ افراد کی خواہش استصواب رائے کے ذریعے معلوم کی جائے۔

اس کا درحقیقت مطلب یہ تھا کہ سارے ہندوستان پر اقتدار پہلے کانگریس کو منتقل کیا جائے، جو اس کے بعد علیحدگی کے حق میں ووٹ ڈالنے والے مسلم اکثریتی علاقوں کو ایک خودمختار آزاد مملکت کی حیثیت سے نہیں بلکہ وفاق ہند کے ایک حصہ کے طور پر اپنی تشکیل کرنے کی اجازت دے گی۔ اس منصوبے پر عمل درآمد کرتے ہوئے پنجاب اور بنگال کے صوبوں کو جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، تقسیم کر دیا جائے گا۔ قائداعظم نے گاندھی کے فارمولے کو مسترد کرتے ہوئے اسے تحریر کیا کہ وہ صرف قرارداد پاکستان کے بنیادی اصولوں کو رد نہیں کر رہا بلکہ یہ بھی تسلیم نہیں کرتا کہ ہندوستان کے مسلمان ایک قوم ہیں۔ آخر میں قائداعظم نے لکھا:

''آپ کی مراسلت اور گفتگو سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کر دینے کا مسئلہ صرف آپ کی زبان پر ہے، آپ کے دل میں نہیں ہے''۔

قائداعظم کے اس جواب کے بعد گاندھی جناح مذاکرات ختم ہو گئے۔ اگرچہ یہ ملاقاتیں بے سود رہیں اور گفت و شنید کا کوئی نتیجہ نہ نکلا مگر اس کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ گاندھی قائداعظم کے

دلائل کا جواب نہ دے سکے اور نظریہ پاکستان کو درست تسلیم کرتے ہوئے بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اس سے قائداعظم کی عظمت اور مقبولیت میں اضافہ ہوا، اور مسلم لیگ کے نقطہ نظر کو مزید تقویت ملی۔ بقول وی، پی مینن:

''اس گفتگو کا عملی نتیجہ صرف یہ برآمد ہوا کہ مسلم لیگ کے مطالبے کی شکل ظاہر ہوگئی جس پر مسلم لیگ اب تک بغیر اس کی تعریف کیے ہوئے اصرار کر رہی تھی اس سے عموماً مسلمانوں میں مسٹر جناح کی حیثیت بڑھی اور ان کا وقار بلند ہوا۔ اب وہ واقعی پاکستان کے قائداعظم تھے۔''

مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان مفاہمت کے سلسلے میں ایک اور کوشش ہوئی جو لیاقت ڈیسائی معاہدے کے نام سے مشہور ہے۔ مرکزی اسمبلی میں کانگریسی لیڈر بھولا بھائی ڈیسائی اور مسلم لیگ کے ڈپٹی لیڈر لیاقت علی خاں کے درمیان ہندو مسلم مسئلے پر بات چیت ہوا کرتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو جائے تاکہ برصغیر کی آزادی کے لیے متحدہ طور پر کانگریس اور مسلم لیگ جدوجہد کریں۔ جنوری 1945ء میں بھولا بھائی ڈیسائی نے ایک معاہدہ کیا جو لیاقت ڈیسائی معاہدے کے نام سے مشہور ہوا۔ اس دستاویز میں یہ تجاویز تھیں:

① کانگریس اور مسلم لیگ اس بات پر متفق ہیں کہ وہ مرکز میں ایک عبوری حکومت قائم کریں۔ اس کی تشکیل حسب ذیل طریقے پر ہوگی:

(الف) عبوری حکومت میں کانگریس اور مسلم لیگ کے نامزد ارکان کو مساوی نمائندگی حاصل ہوگی۔ نامزد ارکان کا مرکزی اسمبلی کا رکن ہونا ضروری نہیں۔

(ب) اقلیتوں کے نمائندے خصوصاً اچھوت اور سکھ۔

② ہندوستانی فوج کا سپہ سالار۔

③ عبوری حکومت موجودہ قانون ہند مجریہ 1935ء کے تحت کام کرے گی۔ اگر کابینہ کسی مسودہ قانون کو اسمبلی سے منظور نہ کرا سکے تو وہ اس کے نفاذ کے لیے گورنر جنرل کے خصوصی اختیارات کو بروئے کار نہیں لائے گی اور اس طرح کابینہ گورنر جنرل کے اثر سے آزاد رہ سکے گی۔

④ کانگریس اور مسلم لیگ عبوری حکومت بن جانے کے بعد پہلا کام کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے اراکین کو رہا کرنے کا ہوگا۔

⑤ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے جائیں گے:

(الف) اس معاہدے کی بنیاد پر گورنر جنرل کو اس امر کے لیے تیار کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ وہ عبوری حکومت قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کرے اور جب گورنر جنرل مسٹر جناح، اور ڈیسائی کو اکٹھے یا علیحدہ علیحدہ بلائے تو یہ تجاویز اس خواہش کے ساتھ پیش کی جائیں کہ دونوں حکومت میں شرکت کے خواہش مند ہیں۔

(ب) صوبوں میں دفعہ 93 ختم کرنا، اور مخلوط وزارتیں قائم کرنا۔

جب یہ بات قائداعظم کے علم میں لائی گئی تو انہوں نے اس سے لاتعلقی کا اظہار کیا، اور اعلان کیا کہ ان تجاویز کو مسلم لیگ کی منظوری حاصل نہیں۔ بعد میں لیاقت علی خاں نے بھی اس کی تردید کی۔ ان کے لیے بھولا بھائی ڈیسائی کے درمیان گویا کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔

لیاقت ڈیسائی معاہدہ جسے گاندھی کی تائید و منظوری

حاصل تھی اس حیثیت سے نہایت اہمیت کا حامل تھا کہ اس کے ذریعے پہلی بار عارضی حکومت میں مسلمان اراکین کو نامزد کرنے کا اختیار مسلم لیگ کو دیا گیا۔"

(پاکستان ایک نظریہ یا تحریک، از ڈاکٹر عطش درانی مطبوعہ مکتبہ عالیہ، لاہور)

گل رعنا

یہ نئی دہلی میں نواب زادہ لیاقت علی خان کی رہائش گاہ تھی جہاں قائداعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت 3 تا 6 فروری 1940ء کو مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں لیاقت علی خان، کریم بھائی، ایم ایم بمبئی والے، راجا محمد امیر احمد خاں (راجہ صاحب محمود آباد) ملک برکت علی، عبدالمتین چوہدری، سر ظفر اللہ خان، اورنگ زیب (پشاور)، سر حاجی عبداللہ ہارون (سندھ)، مولوی اے کے فضل الحق (بنگال) اور عبدالستار سیٹھ اسحاق نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں لاہور میں منعقد ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جو قرارداد پیش کرنا تھی اس کا مسودہ تیار کیا گیا۔ سر سکندر حیات نے قرارداد کا مسودہ تیار کیا اور اس کے الفاظ میر محمود نے لکھوائے لیکن بوجوہ یہ مسودہ پیش نہ کیا جاسکا۔

گلبہار کمپنی

یہ حیدرآباد دکن کی ایک کمپنی تھی جس نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں 11 جولائی 1946ء کو کثیر زر پیش کیا۔

گلاب (کی خوشبو)

قائداعظم محمد علی جناح کبھی بھی الفاظ کے جادو سے متاثر نہیں ہوتے تھے۔ جب مسٹر گاندھی نے آپ سے پوچھا:

"آپ کو کس نام سے پکارا جائے؟"

آپ نے جواب دیا:

"میں آپ کے تردد کا جو آپ میرے احساسات کو ملحوظ رکھتے ہوئے میرے نام کے ساتھ القاب و خطابات کرنے کے بارے میں محسوس کرتے ہیں، ممنون ہوں، مگر لقب یا خطاب میں رکھا ہی کیا ہے۔ گلاب کو کسی بھی نام سے پکارو، اس کی خوشبو نہیں بدلتی، وہ گلاب ہی رہتا ہے۔"

گلاب کا پھول

قائداعظم محمد علی جناح کی دوسری اہلیہ رتن بائی جنہیں بمبئی کے لوگ گلاب کا پھول کے نام سے پکارتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو بھی گلاب کا پھول بہت زیادہ پسند تھا۔

گلزار احمد نادم، صابری

وہ تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح جب کپورتھلہ تشریف لے جاتے تو گلزار احمد نادم ان کی حفاظت کا انتظام کرتے۔ انہوں نے متعدد بار قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ جس کے نتیجے میں قائداعظم محمد علی جناح انہیں سپاہی کہہ کر پکارتے تھے۔

گلزار احمد 1918ء میں کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد خاکسار جماعت میں شمولیت اختیار کی۔ مسجد شہید گنج لاہور کے واقع سے کپورتھلہ کے لوگ احرار سے بدظن ہوگئے۔ چنانچہ وہ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔

گلوب تھیٹر، لاہور

اس جگہ 24 مئی 1924ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا پندرھواں ملتوی شدہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اپنا صدارتی خطبہ پیش کیا۔

ہندوستان کی اس وقت کی تازہ ترین سیاسی صورت حال

تفصیل سے روشنی ڈالی اور رولٹ ایکٹ کے نتیجے میں ہونے والی تبدیلیوں اور سرگرمیوں کی نشاندہی اور خلافت کے مسئلے پر روشنی ڈالی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے غلام محمد بھرگری کی خدمات کو سراہا۔

اس اجلاس میں ایک کمیٹی اس مقصد کے لیے تشکیل دی گئی تاکہ مرکزی حکومت تمام سیاسی جماعتوں کے مشورے سے ایک قابل قبول آئین تیار کر سکے۔ کمیٹی کے اراکین میں قائداعظم محمد علی جناح کے علاوہ سرفضل حسین، سرمقبول محمود، آغا محمد صفدر مشیر حسین قدوائی، سید ظہور احمد، سید رضا علی، چودھری خلیق الزمان، فضل الحق، آصف علی، نواب سرفراز حسین عبدالعزیز، شعیب قریشی، مولوی سید مرتضیٰ اور چودھری شہاب الدین نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں قائداعظم محمد علی جناح کو دوبارہ مسلم لیگ کا بلا مقابلہ صدر منتخب کیا گیا۔

اس اجلاس میں خلافت کمیٹی سے مذاکرات کی غرض سے ایک اور کمیٹی بھی بنائی گئی۔

گلشنِ قائداعظم (پشاور)

1936ء میں قائداعظم محمد علی جناح جب پشاور کے دورے پر پہلی مرتبہ تشریف لائے تو انہوں نے شاہی باغ میں عوام سے خطاب کیا۔ یہیں حکومت سرحد نے 16 لاکھ روپے کی لاگت سے ایک عظیم الشان یادگار تعمیر کی ہے۔ جو پوری کی پوری سنگ مرکی ہے۔ اس کے گرداگرد گلاب کے تختے سجائے گئے ہیں۔ ملحقہ باغ کو گلشنِ قائد کا نام دیا گیا۔ اس کا سنگ بنیاد 26 دسمبر 1982ء کو رکھا گیا۔ اس یادگار کا افتتاح 14 اگست 1983ء کو ہوا۔

گلینسی (جنرل)

وہ پنجاب کا گورنر تھا، 13 جنوری 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح دہلی سے لاہور تشریف لائے اور انہوں نے مسلم لیگ کے زیر اہتمام منعقدہ ایک جلسہ سے خطاب کے دوران مسٹر گلینسی کے رویہ کی شدید مذمت کی جو مسلمانوں کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو رہا ہے۔

ابتدا میں جب قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لاتے تو انگریزی میں تقریر کرتے تھے، مگر انہیں شدت سے اس کا احساس تھا کہ ان کا واسطہ جس قوم سے ہے، اس قوم کی اکثریت ان پڑھ ہے، اس کے لیے انگریزی سمجھنا تو بڑی بات ہے۔ وہ آسانی سے اردو سمجھنے سے بھی قاصر ہے، چنانچہ قائداعظم محمد علی جناح نے جب پہلی بار اسلامیہ کالج کے حبیب ہال میں رک رک کر اردو میں تقریر شروع کی تو سامعین بہت خوش ہوئے کہ اردو کا انتخاب کر کے انہوں نے عوام کی مشکل آسان کر دی تھی۔

اور یوں قائداعظم محمد علی جناح مسلمانوں کے بہت قریب پہنچ گئے۔ پہلے قائداعظم محمد علی جناح رک رک کر بولتے رہے، مگر آپ کے خیالات ایک رواں ندی کی طرح بہتے رہتے تھے۔ آپ کی تقریر کا موضوع انگریز گورنر گلینسی کا رویہ تھا، کیونکہ انتخابات میں پنجاب کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑنے والے امیدواروں کو بھاری تعداد میں کامیاب کرا کر اس جماعت سے وابستگی کا واضح اعلان کر دیا تھا۔

پنجاب میں مسلمانوں کی تعداد 55 فیصد تھی، اور غیر مسلموں نے انگریز حاکموں کی مدد اور تعاون سے چند کامیاب ممبروں کے ساتھ مل کر اپنی وزارت بنالی تھی، اس سلسلے میں انگریز دشمنی اور ہندوستان کی آزادی کا دعویٰ کرنے والی جماعت کانگریس کا کردار انتہائی شرمناک تھا، کیونکہ ہندوؤں کی اس جماعت نے محض مخالفت کے جذبے سے مسلم لیگ کے خلاف انگریزوں کی پروردہ یونینسٹ پارٹی سے سمجھوتہ کر کے

پنجاب میں وزارت بنالی، اور پنجاب میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈیشن نے اس سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح کو حبیب ہال میں کالج کے طلبہ کو خطاب کرنے کی دعوت دی تھی۔

قائداعظم محمد علی جناح کہنا چاہتے تھے:

''گلینسی پاگل ہوگیا ہے۔''

مگر فوری طور پر ان کی زبان سے پاگل کا لفظ ادا نہیں ہو رہا تھا، چند لمحوں تک قائداعظم محمد علی جناح کا ذہن اس لفظ کو تلاش کرتا رہا تھا، پھر قائداعظم محمد علی جناح نے بڑی بے ساختگی سے پاگل کا متبادل لفظ انگریزی میں ادا کر دیا اور بولے:

"Glancy is Mad

گم گشتہ صداقت

میسور سٹیٹ مسلم لیگ کے ایک سپاسنامہ کا جون 1941ء میں جواب دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''آپ یہاں ایک ایسی فضا میں رہ رہے ہیں جو ہمارے ماحول سے قطعاً مختلف اور متضاد ہے۔ دستوری اور بین الاقوامی نقطہ نظر سے آپ ایک خودمختار ریاست کے باشندے ہیں، لیکن میسور ہو یا دنیا کا کوئی اور گوشہ مسلمانوں کے درمیان اخوت کا ایک مضبوط اور ناقابل انفعال رشتہ اخوت کا قائم ہے۔ وہ ایک مخصوص قومی اور ملی رابطہ سے منسلک ہیں۔ اسلام کے فرزند حدود و نفوذ کی قید و بند سے یکسر آزاد ہیں۔''

اس گم گشتہ صداقت کو ہمارے بہت سے قائد اور رہنما اور علماء فراموش کر چکے ہیں، لیکن دل افروز حقیقت اس قائد کو یاد ہے۔ جس کا اسلام بعضوں کے نزدیک مشکوک اور مشتبہ ہے۔

گمنام شہر

(دیکھئے، ڈومینین سٹیٹس)

گنتھر جان

وہ امریکہ کے مشہور صحافی تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کر کے اپنے تاثرات کو ان الفاظ میں قلمبند کیا:

''بلاشک وشبہ قائداعظم مسٹر جناح ایشیاء کے دبلے پتلے انسان ہیں، لیکن اس ہندوستانی لیڈر کی زبان میں وہ جادو ہے کہ جس وقت اس ہونٹوں سے یہ الفاظ نکلتے ہیں کہ پاکستان ہمارا ہے یا تو ہم اسے حاصل کر کے رہیں گے یا دامن اسلام پر سر رکھ کر سو جائیں گے، تو دس کروڑ مسلمان پکار اٹھتے ہیں۔ پاکستان زندہ باد۔ میں جب انہیں ملا اور پاکستان کے بارے میں ان کے ساتھ گفت وشنید کی تو میرے سامنے انہوں نے جو دلائل اور براہین رکھے وہ اس قدر مستحکم تھے کہ میں انہیں رد نہ کر سکا۔ (قائداعظم) مسٹر جناح تلک اور فیروز شاہ مہتہ کے زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار تھے۔ یہ یک لخت اسلام اور مسلمانوں کے لیڈر کیوں کر بن گئے اس کی وجہ چند قوم پرست لیڈر تھے جن کا ہندو مذہب تھا۔''

گنیش اینڈ کمپنی

وہ مدراس کا ایک اشاعتی ادارہ تھا۔ اس ادارہ نے 1918ء میں قائداعظم محمد علی جناح کی ان تقاریر کا مجموعہ شائع کیا جو قائداعظم محمد علی جناح نے 1912ء سے 1917ء تک کے عرصے میں کی تھیں۔ ان تقاریر کو مسز سروجنی نائیڈو نے مرتب کیا کتاب کا عنوان اتحاد کا سفیر تھا۔

گوپال کرشن گوکھلے

(دیکھئے: گوکھلے، کرشن گوپال)

گوجرانوالہ

8 مئی 1944ء کو قائداعظم محمد علی جناح سٹی مسلم لیگ گوجرانوالہ کے صدر میاں ضیاء الحق کی دعوت پر محترمہ فاطمہ ح کے ہمراہ گوجرانوالہ پہنچے۔ جہاں ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ ڈسٹرکٹ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر میاں منظور حسین نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش جس میں قائداعظم محمد علی جناح کو یقین دلایا گیا تھا کہ وہ ان پیغام پنجاب کے کوچہ کوچہ قریہ قریہ تک پہنچا کر دم لیں گے۔

سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''میں اپنے ہندو سکھ بھائیوں کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلم لیگ کسی دیگر قوم، فرقے یا گروہ کے حقوق غصب نہیں کرنا چاہتی۔ ہم صرف اپنا حق مانگتے ہیں۔ ہمارا مذہب اور تاریخ ہمیں یہی درس دیتے ہیں کہ غیر مسلموں سے بھی انصاف کرو۔ ہم وہاں حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جو ہمارا قانونی حق ہے، اور ہم انشاء اللہ یہ حکومت بنا کر ہی دم لیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے یونینسٹ پارٹی کے بارے میں

مایا:

''وہ مسلم لیگ سے یہ کہہ کر کہ وہ قانون انتقال اراضی کو تبدیل کرانا چاہتی ہے متنفر کرنے کی کوشش میں مصروف ہے، حالانکہ زمیندار ہمارے بھائی ہیں۔ ہم کسی صورت میں بھی گوارا نہیں کرتے کہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل جائے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''ہمارے کچھ مسلمان بھائی ہماری بلا وجہ مخالفت کر رہے ہیں۔ ایسا کرنے میں وہ قطعاً حق بجانب ہیں۔ اگر وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں تو بہتر ہے وگرنہ ہم ان کے بغیر بھی خدا کے فضل و کرم سے منزل مراد تک پہنچ کر دم لیں گے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں جہاں بھی گیا بچوں نوجوانوں حتیٰ کہ بوڑھوں اور مستورات نے مسلم لیگ سے دلی وابستگی کا اظہار کیا۔ اگر مسلم لیگ کسی کو نقصان پہنچانے کی سوچتی تو یہ لوگ کبھی ہمارا ساتھ نہ دیتے۔

پنجاب میں مسلمان 57 فی صد ہیں لیکن تجارت، تعلیم اور دیگر کلیدی آسامیوں پر غیر مسلم چھائے ہوئے ہیں۔ کیا اسی کا نام انصاف ہے۔ ہم اپنا حق مانگیں تو ہمیں متعصب اور فرقہ پرست کہا جاتا ہے۔ اس میں فرقہ پرست ہونے کا قطعاً سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہم نے صرف اپنے حقوق مانگنے ہیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح خطاب مکمل کر چکے تو خواتین نے پرزور مطالبہ کیا:

''قائداعظم قوم کے باپ ہیں۔ ان سے کسی کو کوئی پردہ نہیں وہ خواتین کے درمیان ضرور آئیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح اس درخواست پر ڈاک بنگلہ کی عمارت کے اندر خواتین کے درمیان تشریف لے گئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو دیکھ کر خواتین نے نعرے لگائے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے خواتین کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کے لیے ہدایت کی اور اس کے ساتھ ہی قائداعظم محمد علی جناح سری نگر روانہ ہو گئے۔

گورکن

(دیکھئے: عبدالغنی)

گورنر بنگال کی دعوت

وائسرائے ہند لارڈ لِنلِتھگو نے گورنر بنگال سے کہا کہ وہ جناح کو کھانے پر مدعو کرے۔ گورنر بنگال نے جنوری 1947ء میں اس ہدایت کی تعمیل کی، جب آکسفورڈ سے لارڈ پلینڈ اپنے غیر سرکاری دورہ پر کسی مثبت آئینی سمجھوتہ کی تلاش میں کلکتہ پہنچا۔ گورنر نے وائسرائے کو رپورٹ دیتے ہوئے لکھا:

"میں نے جناح کو لنچ کی دعوت دی اور آج وہ میرے ساتھ کھانا کھانے آئے وہ سارے وقت بڑے دوستانہ موڈ میں رہے، اور اگر ان کے ساتھ اس معاشرتی رابطے کا کچھ اثر پڑے گا تو وہ یقیناً موافق ہوگا۔ کھانے کے بعد میں نے ان کے ساتھ بات چیت کی، میرا ارادہ تھا کہ گفتگو مختصر ہوتا کہ کوپ لینڈ سے نمٹ سکیں، لیکن بات چیت شروع ہوتے ہی گفتگو انتہائی منطقی اور مدلل تھی لیکن مجھے ان کی پوزیشن میں تبدیلی کا کوئی شائبہ دکھائی نہ دیا۔

وہ ہمارے رویے سے بالکل مطمئن لگتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے بعض خدشات ظاہر کیے کہ کانگریس اور دوسرے ہندو پروپیگنڈہ کرنے والے برطانوی پریس اور رائے عامہ پر اثر انداز ہوں گے۔"

گورنر قائداعظم محمد علی جناح کے دلائل کی منطق سے خاصا متاثر ہوا، تاہم مذاکرات کے اختتام پر اسے آئینی بحران کے حل کا کوئی امکان نظر نہیں آیا۔

گورنر بنگال نے جنوری 1947ء کے اختتام سے قبل لارڈ لِنلِتھگو کو بتایا:

"ہندوستان بڑی بے بسی کے ساتھ اور مجھے شک ہے کہ نا قابل تلافی انداز میں نسلی اور مذہبی گروہ میں تقسیم ہوگیا ہے۔ جسے ہم پاٹ نہیں سکتے۔ ہماری طرف سے انتقال اقتدار کا حقیقی مرحلہ جوں جوں قریب آرہا ہے یہ تقسیم زیادہ سنگین اور پختہ ہوتی جارہی ہے۔"

ایٹلی کو جب لارڈ لِنلِتھگو کی اس شکست خوردہ حالت کا پتہ چلا تو اسے بڑی تشویش ہوئی۔ یہ رپورٹ پڑھنے کے بعد اس نے ایمرے کو مطلع کیا:

"وائسرائے کی قوت فیصلہ پر سے میرا اعتماد بڑی حد تک اٹھ گیا ہے۔"

ایٹلی نے تجویز کیا:

"اب یہاں سے کسی اور کو ہندوستان بھیجا جائے، جس کے ذمہ یہ مشن لگایا جائے کہ وہ سیاسی لیڈروں میں اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔"

گورنر جنرل......ایک یادو

مشہور سیاست دان اور متحدہ پاکستان کے ایک وزیراعظم جناب حسین شہید سہروردی نے اپنی یادداشتوں میں یہ لکھ کر قائداعظم سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہے کہ انہوں نے خود پاکستان کے گورنر جنرل کا منصب سنبھال لیا حالانکہ اس سے پہلے ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان و پاکستان کا مشترکہ گورنر جنرل بنانے کی حمایت کی گئی تھی۔ ان سے پیشتر کئی اور حضرات بھی یہ بات کہہ چکے ہیں مگر اپنے اپنے انداز میں۔ مثلاً مولانا غلام رسول مہر نے عاشق حسین بٹالوی کے ایک خط کے جواب میں 13 فروری 1954ء کو لکھا:

"آپ کا یہ خیال درست ہے کہ ماؤنٹ بیٹن گورنر جنرل رہتا تو آبادیوں کے اٹھنے کی نوبت نہ آتی۔ کشمیر کا فیصلہ بھی بہ اطمینان ہوجاتا۔ غالباً ریفرنڈم کی ضرورت بھی پیش نہ آتی۔ میری معلومات یہی ہیں کہ ابتدا میں ماؤنٹ بیٹن کو ایک سال کے لیے بالاتفاق گورنر جنرل مانا گیا تھا اور یہ معاملہ طے کرکے بغرض



حسن علی آفندی

1895 - 1830

آپ حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ سر سید احمد خان سے بہت متاثر تھے۔ تعلیمی میدان میں آپ کی لازوال خدمات کے باعث آپ کو سندھ کا سر سید کہا جاتا ہے۔ آپ کراچی کے مشہور تعلیمی ادارے ''سندھ مدرستہ الاسلام'' کے بانی ہیں۔ نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن کے صدر کی حیثیت سے آپ نے میونسپل کارپوریشنوں، ڈسٹرکٹ بورڈ اور اسمبلی میں مسلمانوں کے حقوق و مفادات کے تحفظ کیلئے عظیم الشان جدوجہد کی۔ ترکی کے سلطان نے انہیں تمغۂ مجیدی عطا کیا اور 1889ء میں ''آفندی'' کے خطاب سے نوازا۔

منظوری لندن بھیج دیا گیا تھا، بعد میں غالباً ان لوگوں نے ردوبدل پر زور دیا جو سمجھتے تھے کہ اختیارات کا موقع انہیں فوری طور پر نہ مل سکے گا۔ میری معلومات کے مطابق قائداعظم کے سامنے معاملات کو ایسے رنگ میں پیش کیا گیا کہ وہ پہلے فیصلے کو منسوخ کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اگر اسے ماننا مناسب نہ تھا تو بہتر ہوتا کہ پہلے ہی انکار کردیا جاتا لیکن ماننے کے بعد انکار یا ردوبدل بہت مضر ثابت ہوا۔ اب اکثر واقف کار حضرات کم از کم میرے علم کے مطابق اسی رائے پر آ گئے ہیں۔"

غلام رسول مہر ایک ممتاز صحافی اور محقق کے طور پر شہرت رکھتے ہیں۔ وہ عام طور پر حوالوں کے بغیر بات کرنے کے عادی نہیں، لیکن یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ راز سینہ بسینہ ان تک پہنچا اور پھر ان کے تقریباً سب واقف کار حضرات کی یہی رائے بنی کہ قائداعظم نے پہلے ماؤنٹ بیٹن کو مشترکہ گورنر جنرل بننے کی دعوت دی تھی لیکن بعد میں یہ دعوت منسوخ کر دی۔ نامور محقق ہونے کے باوجود، غلام رسول مہر یہ بات بغیر کسی حوالے کے لکھ رہے ہیں۔

قیام پاکستان سے پہلے ہی اس قسم کی افواہیں پھیلائی جا رہی تھیں۔ اس پر 14 جولائی 1947ء کو خود قائداعظم نے دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں کہا:

"پریس میں یہ بات آ رہی ہے کہ مسلم لیگ نے پہلے مشترکہ گورنر جنرل پر اتفاق کیا تھا اور بعد میں اپنے وعدے سے پھر گئی۔ میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اس بات میں کوئی سچائی نہیں۔ مجھے حیرانی ہے کہ ذمہ دار افراد بھی غلط بیانی کر رہے ہیں، اور جھوٹے الزامات لگا رہے ہیں۔"

اب کسی اور کے لیے کچھ کہنے کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو قائداعظم کی اس پریس کانفرنس کا علم ہی نہیں تھا ورنہ وہ ایسی بات نہ لکھتے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ماؤنٹ بیٹن اس بات کے بہت خواہاں تھے کہ انہیں پاکستان اور ہندوستان کا مشترکہ گورنر جنرل مقرر کر دیا جائے۔ جو لوگ ان سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان کا ایک نہایت کمزور پہلو ان کی حد سے بڑھی ہوئی انا اور غرور تھا۔ انہیں تاریخ میں اپنا نام روشن کرنے کی ایسی خواہش تھی کہ جس کی وسعتوں کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ نہ صرف متحدہ ہندوستان کے آخری گورنر جنرل اور وائسرائے کے طور پر ان کا نام یاد رکھا جائے بلکہ یہ بات ان کی عظمت کی دلیل ہو کہ پاکستان اور ہندوستان کی دونوں نئی حکومتوں کی خواہش پر وہ ان کے مشترکہ گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں اس پر بخوشی تیار ہوں گی۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان کے مشیر خاص وی پی مینن نے ہیڈز آف ایگریمنٹ (Heads of Agreement) کے زیر عنوان جو مسودہ تیار کیا اس میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ دونوں نئی مملکتوں کا ایک مشترکہ گورنر جنرل ہو اور موجودہ گورنر جنرل ہی کو اس کے لیے نامزد کر دیا جائے۔ نہرو نے اس پر 17 مئی 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن کو ایک خط لکھا کہ اگر دو ممالک ہی ہونے ہیں تو ہمیں اس تجویز سے اتفاق ہے کہ عبوری دور میں دونوں ممالک کا ایک ہی گورنر جنرل ہو۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمیں خوشی ہوگی کہ اگر آپ اس عہدے پر قائم رہیں اور اپنے تجربہ کی بنا پر ہماری مدد کریں۔ 17 مئی ہی کو ماؤنٹ بیٹن کی قائداعظم اور لیاقت سے ملاقات ہوئی۔ ماؤنٹ بیٹن جاننا چاہتے تھے کہ کیا قائداعظم پاکستان کے لیے علیحدہ گورنر جنرل کو ترجیح دیں گے یا ہندوستان کے ساتھ مشترکہ گورنر جنرل قبول کر لیں گے۔ قائداعظم کا جواب تھا کہ بہتر یہ ہوگا کہ دو گورنر جنرل ہوں۔

کے علاوہ میری رائے میں برطانوی حکومت کا ایک نمائندہ جو دونوں ممالک کے درمیان اثاثوں کی تقسیم کا ذمہ دار ہو، اور اس عہدے پر ماؤنٹ بیٹن کا تقرر ہونا چاہیے۔ مزید گفتگو کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے تجویز کیا کہ جناح مجھے 19 مئی کو خط لکھیں جس میں سپریم ثالث اور دو گورنر جنرلوں کی تجویز کی وضاحت کریں۔ ریکارڈ میں ماؤنٹ بیٹن کے نام قائداعظم کا ایسا کوئی خط موجود نہیں۔

19 مئی کو نہرو نے ماؤنٹ بیٹن کے پرسنل سیکرٹری کیپٹن بروک مین (Brockman) کو لکھا:

''ہم مشترکہ گورنر جنرل چاہتے ہیں لیکن اگر کسی سبب سے ایک مملکت علیحدہ گورنر جنرل مقرر کرنا چاہے تو ہمیں اس پر کوئی ناقابل عبور اعتراض نہیں۔''

کانگریس نے ماؤنٹ بیٹن کا نام اس لیے قبول کیا تھا کیونکہ گاندھی، نہرو اور پٹیل کو یقین تھا کہ آزادی کے بعد بھی وہ ان ہی کا کھیل کھیلیں گے۔ اس کے علاوہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی سے وہ ریاستوں کو آسانی سے ہندستان میں ضم کر سکیں گے۔

8 جون کو لارڈ اسمے نے ایک یادداشت تیار کی جس میں دونوں مملکتوں کے لیے مشترکہ گورنر جنرل ہونے کے فوائد گنوائے۔ 20 جون 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن کے پرسنل ایڈوائزر سر ایرک میول (Eric Mieville) سے لیاقت علی خان نے ملاقات کی لیکن لیاقت نے مشترکہ گورنر جنرل کے بارے میں کوئی جواب نہ دیا۔ 23 جون 1947ء کو قائداعظم ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کے دوران پاکستان کے گورنر ل کی تقرری کے بارے میں ان کے سوال کے جواب میں کہا کہ وہ جو بھی فیصلہ کریں گے وہ اس وجہ سے نہیں ہوگا کہ وہ وائسرائے کو پسند نہیں کرتے کیونکہ انہیں (یعنی قائداعظم کو) وائسرائے پر پورا بھروسہ اور اعتماد ہے، لیکن ان کی زندگی کا یہ اصول ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے عوام کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ (اسی اصول کی وجہ سے) انہیں زندگی میں قریب ترین اور عزیز ترین افراد کو نظر انداز کرنا پڑا۔ اس طرح قائداعظم نے اشارہ کر دیا کہ ان کا ارادہ ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کا گورنر جنرل بنانے کا نہیں ہے، البتہ 2 جولائی 1947ء کو قائداعظم اور ماؤنٹ بیٹن کی ملاقات ہوئی تو قائداعظم نے انہیں بتایا:

''میں نے پاکستان کا گورنر جنرل بننے کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

ماؤنٹ بیٹن یہ سن کر ہکا بکا رہ گئے۔ انہوں نے اس فیصلے کے خلاف دلائل دیے اور تصفیے کے طور پر تجویز کیا کہ ان کے مشترکہ گورنر جنرل ہونے کی صورت میں جب وہ دہلی میں ہوں گے تو جناح پاکستان کے قائم مقام گورنر جنرل ہوں گے۔ قائداعظم نے ان کی یہ تجویز منظور نہ کی۔ اس پر ماؤنٹ بیٹن نے پوچھا:

''کیا آپ کو اندازہ ہے کہ آپ کو اس کی کتنی قیمت ادا کرنی ہوگی۔''

قائداعظم نے کہا:

''ہوسکتا ہے اثاثوں میں مجھے اس کی قیمت کروڑوں میں ادا کرنی پڑے۔''

ماؤنٹ بیٹن نے کسی قدر ترشی سے کہا:

''اس کی قیمت تمام اثاثے اور پاکستان کا مستقبل بھی ہوسکتا ہے۔''

چوہدری محمد علی نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مجھے ماؤنٹ بیٹن کے احساسات کی شدت کا اندازہ اس دن ہوا جب میں قائداعظم اور لیاقت علی خاں کے ساتھ وائسرائے ہاؤس کے ایک کمرے میں ہندوستان کی آزادی کے بل پر کام کر رہا تھا۔ ماؤنٹ بیٹن دفعتاً اس کمرے میں گھس آئے۔ آتے ہی

انہوں نے قائداعظم پر دلائل، منتوں اور دھمکیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ انہوں نے کہا کہ ایک مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز بڑے بلند مقاصد کے ساتھ سوچی گئی تھی اور پاکستان کے بہترین مفاد میں تھی۔ میں مشترکہ گورنر جنرل نہ بنا تو پاکستان کو اس سے بہت نقصان ہوگا۔ میں بڑی مشکل سے پاکستان کو اس کا حق دلا رہا تھا اور اگر تقسیم کے بعد میں پاکستان کا بھی گورنر جنرل نہ ہوا تو پاکستان کی مدد کے لیے میری قوت تیزی سے کم ہو جائے گی۔ پاکستان کو ناقابل اندازہ نقصان کی ذمہ داری جناح کی ہوگی۔ میں یہ باتیں عوام کو بتا دوں گا اور پھر دنیا فیصلہ کرے گی۔ مجھے یقین ہے کہ تاریخ کا فیصلہ میرے حق میں ہوگا۔ انہوں نے بار بار کہا کہ مجھے حیرانی ہے کہ میرے مشترکہ گورنر جنرل ہونے پر اعتراض کانگریس کی طرف سے نہیں بلکہ پاکستان کی طرف سے ہے۔ قائداعظم نے ماؤنٹ بیٹن کے حملے کا بڑے وقار اور تحمل سے سامنا کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے ذاتی خواہش کو سامنے رکھ کر نہیں بلکہ اپنی قوم کے مفاد میں یہ فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے ماؤنٹ بیٹن کو سپر گورنر جنرل بنانے کے بارے میں اپنی تجویز دہرائی لیکن اعتماد کے اس اظہار پر بھی ماؤنٹ بیٹن کی زخمی انا کی تسلی نہ ہوئی۔

4 جولائی 1947ء کو لیاقت علی خاں نے ماؤنٹ بیٹن کے نام ایک خط میں اس بات کی تصدیق کی کہ قائداعظم نے پاکستان کا گورنر جنرل بننے کا فیصلہ کر لیا ہے اور ان سے کہا کہ وہ قائداعظم کی تقرری کے لیے شاہ انگلستان کو لکھیں۔ خط میں یہ امید بھی ظاہر کی گئی تھی کہ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے گورنر جنرل رہیں گے۔“

یہ سارے حقائق بتاتے ہیں کہ قائداعظم نے کبھی بھی ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کا گورنر جنرل بنانے کا وعدہ نہیں کیا۔ ماؤنٹ بیٹن نے خود بھی کبھی یہ نہیں کہا کہ ان سے کوئی ایسا وعدہ کیا گیا تھا اور قائداعظم نے اپنی 14 جولائی 1947ء کی پریس کانفرنس میں ایسی کسی پیشکش کی صاف صاف تردید کر دی تھی۔ دراصل، مشترکہ گورنر جنرل کا تصور ہی قائداعظم کی سوچ کے خلاف تھا۔ وہ طبعاً بھی اور اپنے پیشے کے اعتبار سے بھی قانونی ذہن رکھتے تھے۔ ان کے لیے یہ بات ناقابل فہم تھی کہ دونوں مملکتوں کا گورنر جنرل ایک ہی ہو۔ اگر دونوں حکومتوں میں اختلاف رائے ہوگا تو گورنر جنرل کی کیا پوزیشن ہوگی؟ اگر وہ ایک حکومت کے حق میں بات کرتا ہے تو دوسری حکومت اس کا کیا بگاڑ لے گی؟ اگر ماؤنٹ بیٹن کوئی اہم فیصلہ کر لیتے جو پاکستان کے مفاد کے خلاف ہوتا تو کیا اس صورت میں پاکستانی افواج یا حکومت ان کا فیصلہ مانتی اور اگر نہ مانتی تو کیا اس دور رستا خیز میں مزید شورش پاکستان کے قیام کو پائیدار ہونے دیتی؟ یہ کہہ دینا کہ ماؤنٹ بیٹن اگر مشترکہ گورنر جنرل ہوتے تو کشمیر کا فیصلہ مختلف ہوتا‘ ان اذہان کی سوچ ہے جو انگریزوں اور ان کے طور طریقوں سے واقف نہیں۔ ایسے فیصلے افراد کی سطح پر نہیں‘ حکومتوں کی سطح پر ہوتے ہیں۔ ایک مشترکہ گورنر جنرل کے لیے حکومت برطانیہ کے خفیہ فیصلوں پر عمل درآمد کرانا زیادہ آسان ہوتا۔ اس امر کے پیش نظر قائداعظم نے ماؤنٹ بیٹن کو اثاثوں کی تقسیم کے لیے ثالث اعلیٰ بنانے کی پیش کش کی تھی کیونکہ اس صورت میں حکومتی معاملات میں دخل دینے کے لیے ان کے پاس کوئی اختیار نہ ہوتے۔ ماؤنٹ بیٹن بھی اس بات کو سمجھتے تھے اور انہوں نے اسی میں بہتری سمجھی کہ ہندوستان کے گورنر جنرل بننے ہی پر اکتفا کریں!

اس مسئلے پر مہاراشٹر کے سابق ایڈووکیٹ جنرل سیروائی لکھتے ہیں:

''درحقیقت یہ سارا واقعہ ہی افسوس ناک ہے کیونکہ یہ ناقابل یقین بات ہے کہ دو ممالک کا آئینی گورنر جنرل ایک ہو۔ گورنر جنرل کو اپنی وزارت یعنی حکومت کے مشورے کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے اور دونوں ممالک کو اپنی علیحدہ علیحدہ پالیسیوں پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ دونوں ممالک کی پالیسیاں آپس میں متصادم بھی ہو سکتی ہیں جس سے گورنر جنرل کے لیے ناممکن سے حالات پیدا ہونے کا امکان ہے، کیونکہ دونوں ملکوں کی حکومتیں یا وزارتیں ایسے مشورے دے سکتی ہیں جو ایک دوسرے سے متصادم ہوں۔''

اب ذرا ان آئینی نکتوں سے ہٹ کر بھی سوچیے کہ پاکستان کی تینوں افواج آرمی' فضائیہ اور بحریہ کے اعلیٰ ترین افسر انگریز تھے۔ پاکستان کے تین صوبوں کے گورنر بھی انگریز تھے۔ فوج میں بہت سے اعلیٰ عہدوں پر بھی انگریز ہی متعین تھے۔ اس صورت میں پاکستان دولت مشترکہ کا رکن بھی ہوتا اور اس کا انگریز گورنر جنرل بھی ہندوستان کے ساتھ مشترکہ ہوتا' تو نئی مملکت کے بارے میں عوام اور دنیا کو کیا تاثر ملتا؟ وہ ایک انتہائی مشکل دور تھا اور دشمن پاکستان کے قیام کو عارضی ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ادھر کانگریس زبردست پروپیگنڈہ کر رہی تھی کہ پاکستان کا وجود عارضی ہے اور وہ پھر ہندوستان میں آ ملے گا۔ قائداعظم کی قد آور شخصیت کے گورنر جنرل ہونے پر نہ صرف سب انگریز عہدے دار دب گئے بلکہ عوام کو ایک نیا حوصلہ اور عزم ملا اور ان کو پختہ یقین ہو گیا کہ پاکستان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہندوستان سے علیحدہ ہو چکا ہے۔

سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن پاکستان کا گورنر جنرل کیوں بننا چاہتے تھے۔ تمنا اور شدید آرزو کی حد تک تو ٹھیک ہے لیکن اس مقصد کے لیے تو انہوں نے اپنا وقار' اپنی عزت نفس' اپنی شہرت، اپنا طنطنہ، اپنا دبدبہ، اپنی شخصیت کا سحر' سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ انہوں نے دھمکیاں بھی دیں اور منتیں بھی کیں۔ آخر کیوں؟ ایک خیال تو یہ ہے کہ ماؤنٹ بیٹن نے حکومت برطانیہ کو یہ تاثر دے رکھا تھا کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں ان پر والہ وشیدا ہیں اور وہ انہیں مشترکہ گورنر جنرل چن لیں گی۔ قائداعظم کا یہ کہنا کہ وہ خود ہی پاکستان کے گورنر جنرل ہوں گے' ماؤنٹ بیٹن کے لیے ایک دھچکا تھا۔ ایک ایسا دھچکا جس سے انہیں بہت تکلیف پہنچی۔ ایسی تکلیف جس کے ذمہ دار وہ خود تھے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ پاکستان کے گورنر جنرل بن کر اس نوزائیدہ مملکت کو ختم کر کے نہرو، گاندھی اور پٹیل کا اکھنڈ ہندوستان کا خواب پورا کرنا چاہتے تھے تاکہ ساری دنیا کو یہ معلوم ہو کہ قیام پاکستان مسلمانوں کا ایک جذباتی فیصلہ تھا جس کی کوئی ٹھوس بنیاد نہ تھی، ان کی نیت نیک نہیں تھی۔ قائداعظم نے یہ بات نوٹ کر لی اور کسی قیمت پر بھی ان کی اس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔

یہاں ابوالکلام آزاد اور برائن ہوئے (BRian Hoey) کی کتابوں کے حوالوں سے چند باتوں کا ذکر نامناسب نہ ہوگا:

آزاد لکھتے ہیں:

''تقسیم کے بارے میں جواہر لال کی رائے بدلنے کی ذمہ دار لیڈی ماؤنٹ بیٹن کی شخصیت بھی تھی۔ وہ نہ صرف ایک نہایت ذہین خاتون ہیں بلکہ دل کو موہ لینے والے اطوار اور دوستانہ مزاج کی بھی مالک ہیں۔''

ہوئے (Hoey) لکھتے ہیں:

''ماؤنٹ بیٹن پر بہت سے الزامات ان کی بیوی کے ہندوؤں کی طرف میلان کی وجہ سے تھے۔ وہ بہت تیزی سے نہرو کے ساتھ جذباتی طور پر ملوث ہو گئی تھی اور کھلے عام ان کی تعریف کرتی تھیں، وہ نہرو کی خاطر ہر کام کر سکتی تھیں اور ان کی تمام ہمدردیاں نہرو اور ان

کی قوم کے ساتھ تھیں۔"

ماؤنٹ بیٹن کی بیٹی پامیلا (Pamela) کہتی ہیں:

"نہرو کے ساتھ ان کی والدہ کے تعلقات سے بعض اوقات ان کے والد کی زندگی اجیرن ہو جاتی تھی، کیونکہ وہ اکثر اسے ہندوستانیوں (مراد، ہندوؤں) کے لیے کچھ کرنے کو کہتی رہتی تھیں۔ ماؤنٹ بیٹن سمجھتے تھے کہ دوسری پارٹی کو پریشان کیے بغیر یہ ممکن نہ تھا۔ اس پر ان کا آپس میں بہت سخت جھگڑا ہوتا تھا۔"

کیا اس کے بعد بھی یہ سوچنے کی گنجائش ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کو پاکستان کا گورنر جنرل ہونا چاہیے تھا یا نہیں۔

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم مطبوعہ قومی پبلشرز، لاہور)

گورنر جنرل (قائداعظم)

3 جون 1947ء کے منصوبے کے پیش ہونے کے بعد اور کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کی جانب سے منظوری حاصل ہونے کے بعد جو امور حل طلب تھے، وہ یہ تھے آزادی کے بعد دونوں ممالک یعنی پاکستان اور بھارت کا کوئی مشترکہ گورنر جنرل ہو گا، یا دونوں اپنا الگ الگ گورنر جنرل رکھنا چاہیں گے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن جو بڑا خود پسند اور نمود و نمائش کا قائل شخص تھا۔ وہ پاکستان اور ہندوستان کا مشترکہ گورنر جنرل بننے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اپنی اس خواہش کا اظہار ماؤنٹ بیٹن نے نہرو، پٹیل، قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خان کے علاوہ برطانوی حکومت کے سامنے بھی کر دیا کہ دونوں ممالک انہیں مشترکہ گورنر جنرل تسلیم کر لیں گے۔ وہ مشترکہ گورنر جنرل بن کر تاریخ میں اپنا نام رقم کرنا چاہتا تھا۔ نہرو سے گفتگو میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی اس خواہش کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا:

"میں ہندوستان میں برطانوی اقتدار کو ختم کرنے والا آخری وائسرائے ہی نہیں بلکہ اس ملک کو نئی راہوں پر ڈالنے والا پہلا گورنر جنرل بھی بننا چاہتا ہوں۔"

قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ سے معاندانہ رویہ کا آغاز لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان آنے کے فوراً بعد شروع کر دیا تھا۔ نہرو ایک خوشامدی انسان تھا، اس نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی خوشامد کر کے اسے اپنی طرف کر لیا تھا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح خوشامدی لہجہ میں گفتگو پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے سیدھی سادی قانونی زبان استعمال کی۔

قائداعظم محمد علی جناح سے پہلی ملاقات کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ان الفاظ میں ان کی شخصیت کے متعلق تبصرہ کیا:

"اوہ میرے خدا! وہ تو برف کا تودہ تھا۔ ملاقات کا پیشتر حصہ تو اسے پگھلانے ہی میں صرف ہو گیا۔"

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنے ایک خصوصی ایلچی می ول کو نواب زادہ لیاقت علی خان کے پاس بھیجا، اس کے ذریعے مشترکہ گورنر جنرل کے تقرر کی تجویز منظور کروانے کے لیے جدوجہد شروع کر کے خوشگوار نتائج اور فوائد گنوائے، اور می ول کا پیغام لیاقت علی خان کے ذریعے قائداعظم محمد علی جناح تک پہنچا، جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو تسلی بخش جواب نہ ملا تو اس نے نواب آف بھوپال کی مدد لی، لیکن جب کوئی خاطر خواہ Response نہ ملا تو اس نے Direct خود قائداعظم محمد علی جناح سے اس سلسلے میں بات کی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"دونوں مملکتوں کے الگ الگ گورنر جنرل ہونے چاہئیں۔"

5 جولائی کو مسلم لیگ کی جانب سے وائسرائے کو اطلاع بھیج دی گئی کہ پاکستان میں علیحدہ گورنر جنرل مقرر کیا جائے اور مشترکہ گورنر جنرل کی تجویز کو رد کرتے ہوئے مسلم لیگ نے پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کا عہدہ قائداعظم محمد علی جناح کے

سپرد کر دیا۔

مسلم لیگ کے فیصلے کے بعد لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا خواب ٹوٹ گیا، اسے بے حد دکھ ہوا، اس کے جذبہ خود پسندی اور غرور کو بڑی ٹھیس پہنچی، اور وہ پاکستان اور قائداعظم محمد علی جناح سے انتقام لینے پر تل گیا، اس کے معاندانہ رویہ کا اظہار وزیر ہند کو بھیجی جانے والی رپورٹ سے ہوتا ہے۔ رپورٹ کے الفاظ یہ تھے:

''میں نے جناح سے دریافت کیا، پتہ ہے آپ کو اس انکار سے کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے؟ تو انہوں نے غمگین لہجے میں جواب دیا:

''ہاں! اثاثوں کی تقسیم میں غالباً کروڑوں روپے کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔''

میں نے تلخ لہجے میں کہا:

''کروڑوں بلکہ سارے گنوا بیٹھیں گے، بلکہ پاکستان بھی۔''

یہ کہہ کر میں کھڑا ہو گیا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

وائسرائے کا مخالفانہ رویہ تو پہلے ہی نظر آتا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے فیصلے کے بعد وہ کھل کر کانگریس اور ہندوستان کی حمایت میں مسلمانوں اور پاکستان کو نقصان پہنچانے لگا۔

10 جولائی 1947ء کو برطانوی پارلیمنٹ نے پاکستان کے گورنر جنرل کے طور پر قائداعظم محمد علی جناح کا نام منظور کیا۔

مسلم لیگ کے فیصلے سے اگرچہ وائسرائے کو تحریری طور پر مطلع کر دیا گیا تھا، لیکن اس فیصلے کی مختلف وجوہ کی بنا پر قائداعظم محمد علی جناح کا اعلان ہوا تو اسے کروڑوں مسلمانوں نے اپنے جذبات اور تمناؤں کے مطابق پایا اور خوشی کا اظہار کیا۔ دہلی کے مسلمانوں نے بغیر کسی جماعت کی تحریک کے عوامی سطح پر ایک جلوس ترتیب دیا، جو خوشی کا اظہار کرتا ہوا قائداعظم محمد علی جناح کے بنگلے پر پہنچا اور ان کو مبارکباد دے کر منتشر ہو گیا۔

26 جولائی 1947ء کو پاکستان کے نامزد گورنر جنرل قائداعظم محمد علی جناح کی جانب سے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ گورنر جنرل کے اس اعلان میں کہا گیا:

''3 جون 1947ء کے حکومت برطانیہ کے اعلان کی دفعہ 21 اور اس کی ذیلی دفعہ 5 اور 15 کے تحت گورنر جنرل یہ اعلان کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتے ہیں کہ نئی دستور ساز اسمبلی قائم کی جائے گی، جو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے نام سے منسوب ہوگی۔ جس کے اراکین کی تعداد 72 ہوگی۔''

یکم اگست کو متحدہ ہندوستان کی ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں حکومت پاکستان کی پالیسی کی وضاحت ان الفاظ میں کی گئی تھی:

''مختلف حلقوں سے مجھ سے سوال کیا گیا ہے کہ میں بتاؤں کہ انگریز اقتدار کے خاتمہ کے بعد پاکستان کی نئی حکومت کا ریاستوں کے متعلق کیا طرز عمل ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ میں صورت حال کو پہلے ہی صاف کر چکا ہوں، قانونی حیثیت یہ ہے کہ برطانوی اختیار کے منتقل اور اعلیٰ اقتدار کے ختم ہوتے ہی تمام ریاستوں کو اپنی مکمل اور لامحدود آزادی پھر سے فوراً حاصل ہو جائے گی، لہٰذا ان کو یہ آزادی ہے کہ وہ اولاً کسی مملکت میں شامل ہو جائیں یا آزاد رہیں۔ مسلم لیگ ہر ریاست کا اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنے کا حق تسلیم کرتی ہے، وہ کسی ریاست کو کوئی خاص طریق کار اختیار کرنے پر مجبور کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، اگر کوئی ریاست پاکستان میں شامل ہونا یا اس سے معاہدہ یا شرائط نامہ کرنا چاہے گی تو آئندہ قائم

ہونے والی پاکستان دستور ساز اسمبلی کی مفاہمتی کمیٹی یا پاکستان کے نمائندے جیسا بھی موقع ہوگا، رابطہ اور اشتراک کی شرائط کے لیے بڑی خوشی سے بات چیت کریں گے۔''

اس کے چندروز بعد پاکستان کے گورنر جنرل پاکستان کے سربراہ کا چارج لینے اور نئی مملکت کے انتظام وانصرام کی نگرانی کے لیے کراچی روانہ ہوئے۔ جہاں نئی مملکت کی سرزمین اور اس کے باشندے ان کے استقبال کے لیے چشم براہ تھے۔

گورنر جنرل کی تقرری (گزٹ نوٹیفکیشن)

15 اگست 1947ء کو کیبنٹ سیکرٹریٹ حکومت پاکستان نے پاکستان کا پہلا گزٹ شائع کیا۔ اس گزٹ میں قائداعظم محمد علی جناح کی بحیثیت گورنر جنرل پاکستان کا ذکر کیا گیا تھا گزٹ کا متین یہ ہے:

حکومت پاکستان کیبنٹ سیکرٹریٹ قرارداد

کراچی 15 اگست 1947ء

نمبر 1-بی/سی ایف/47۔حکم

حکم دیا جاتا ہے کہ مندرجہ ذیل فرمان کو پاکستان گزٹ میں شائع کردیا جائے۔ قائداعظم محمد علی جناح کو ہز میجسٹی کی جانب سے پاکستان کا گورنر جنرل مقرر کردیا گیا ہے۔ اس تقرر کی بذریعہ ہذا اطلاع دی جاتی ہے اور اعلان کیا جاتا ہے کہ پاکستان کے مذکورہ گورنر جنرل نے اسی دن اپنے عہدے کی ذمہ داری کو سنبھال لیا ہے۔

حکم دیا جاتا ہے کہ اس فرمان کو مختلف چھاؤنیوں میں افواج کے سربراہوں اور تمام بحری، بری اور فضائی افواج کے اہم مراکز پر پڑھ کر سنا دیا جائے۔

حکم دیا جاتا ہے کہ فرمان کی نقل اور مذکورہ قبل احکام کی نقلیں حکومت پاکستان کی وزارتوں کے پاس بغرض اطلاع بھیج دی جائیں۔ جب کبھی اس طرح کے احکام کی ضرورت پیش آئے گی وہ فوراً جاری کردیے جائیں گے۔

حکم دیا جاتا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کے عہدہ گورنر جنرل کی ذمہ داری سنبھال لینے کی اطلاع مشرقی بنگال، مغربی پنجاب، سندھ، شمال مغربی سرحد کی صوبائی حکومتوں اور چیف کمشنر بلوچستان کو دی جائے۔

گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ (1935ء)

24 جولائی 1935ء کو مشترکہ پارلیمنٹری کمیٹی کی سفارشات پر مبنی یہ ایکٹ برطانوی پارلیمنٹ نے منظور کیا۔ اس ایکٹ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ پہلی بار صوبوں کو علیحدہ قانونی اکائیوں کی حیثیت دی گئی۔ موضوعات کی تین فہرستیں بنائی گئیں۔

1. وفاق کے اختیارات کی فہرست
2. صوبوں کے اختیارات کی اور
3. مشترکہ اختیارات کی۔

سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرکے ایک صوبے کا درجہ دیا گیا۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کو پہلی بار مکمل صوبائی خودمختاری دی گئی۔ صوبائی ووٹروں کو فہرست میں جائداد کی شرائط کم کرکے توسیع کی گئی۔ وفاقی قانون ساز اسمبلی میں صوبوں کو برابر نمائندگی دینے کی بجائے ان کی آبادی کے تناسب سے نمائندگی دی گئی۔ وفاقی اسمبلی اور وفاقی ایگزیکٹو میں ہندوستانی ریاستوں کو بھی نمائندگی دی گئی۔ دوعملی صوبوں سے ختم کرکے وفاقی مرکز میں رائج کی گئی۔ اس کی بنیاد پر قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے قیام پر ملک کا پہلا آئین نافذ کیا۔

گوکھلے، کرشن گوپال

1. وہ کانگریس کے مشہور رہنما تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح

انہیں حق پرست اوراپنا سیاسی گرو بھی کہتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح 1905ء میں دیگر ہندوستانی لیڈروں کے ہمراہ ان کے ساتھ لندن تشریف لے گئے۔ 1911ء میں الٰہ آباد میں جو اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے ہمراہ اس کانفرنس میں شرکت کی۔

19 مارچ 1912ء کو لیجسلیٹو کونسل میں ابتدائی تعلیم کی سہولیات میں اضافہ کا جو بل پیش کیا گیا اسے سلیکٹ کمیٹی کی حمایت کی اور اس پر لگائے گئے اعتراضات کا بڑے مدلل طریقے سے جواب دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسٹر گوکھلے کو مبارکباد دی اور کہا:

"آپ تعلیم کے فروغ کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں وہ لائق صد تحسین ہیں۔"

کرشن گوپال گوکھلے نے 1913ء میں قائداعظم محمد علی جناح کو اتحاد کا پیغامبر کا خطاب دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح اکتوبر 1913ء میں کرشن گوپال گوکھلے کے ہمراہ لندن سے وطن واپس آئے۔

19 فروری 1915ء کو جب کرشن گوپال گوکھلے کا انتقال ہوا تو قائداعظم محمد علی جناح کو اس پر شدید رنج ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے بارے میں ایک بار یہ کہا تھا:

"میں مسلمانوں کا گوکھلے بننا چاہتا ہوں۔"

19 فروری 1921ء کو مسٹر گوکھلے کی چھٹی برسی پر قائداعظم محمد علی جناح نے سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"محبِ وطن گوکھلے نے قومی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کردی تھی اور وہ اپنی آخری سانس تک اس موقف پر قائم رہے۔ ہمیں گوکھلے کی زندگی سے سبق حاصل کرتے ہوئے ملک وقوم کی خدمت کی طرف رجوع ہونا چاہیے۔"

کرشن گوپال گوکھلے 1866ء میں مہاراشٹر میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے پونا میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے بعد زندگی تعلیم و تدریس کے لیے مختص کردی پھر 1899ء میں مجلس قانون ساز بمبئی کے رکن اور ازاں بعد مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن بنے اس حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔

◆ قائداعظم محمد علی جناح میں کسی دوسرے کی پیروی کرنے کا جذبہ بالکل نہ تھا۔ 1913ء میں ان کی عمر 36 برس تھی، لیکن اس وقت تک انہیں کسی انسان سے گہری جذباتی ہم آہنگی نہیں ہوئی تھی۔ نہ دوستی میں نہ محبت میں، فرصت کے اوقات میں وہ اکثر اپنے دوستوں کے دیوان خانوں میں آرام کرتے اور ان سے گپ شپ کرتے۔ خواتین سے وہ ملتے تو اکثر ان کی مبالغہ آمیز تعریف و توصیف کرتے اور نوجوان مشورے کے لیے ان کے پاس آتے۔ انہیں نصیحت کرتے تاہم وہ کسی سے بے تکلف نہ ہوتے تھے۔

1913ء میں وہ پہلی بار اپنی خود پسندی کے خول سے باہر نکلے اور انہیں گوپال کرشن گوکھلے سے عقیدت پیدا ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی طرح کرشن گوپال گوکھلے بھی بڑے عالی کردار شخص تھے اور ان کا دامن بے داغ تھا۔ وہ 1866ء میں ایک معمولی برہمنی خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح مسلمان تھے اور گوکھلے ہندو، لیکن ان دونوں مدبروں نے شروع سے ایک دوسرے کو پسند کیا۔ دونوں کا اندازِ فکر یکساں تھا اور انہیں ایک دوسرے کے خلوص اور نیک نیتی پر پورا بھروسہ تھا۔ گوکھلے نے قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق کہا تھا:

"وہ بڑا ٹھوس آدمی ہے اور فرقہ وارانہ تعصب سے بالکل پاک ہے۔ ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کی قیادت کا وہ سب سے زیادہ اہل ہے۔"

برسوں کی محنت کے بعد 1913ء میں گوکھلے اور محمد علی جناح دونوں نے ارادہ کیا کہ کچھ دن اکٹھے چھٹیاں منائیں، چنانچہ اپریل میں وہ دونوں انگلستان روانہ ہوگئے، کہنے کو دونوں چھٹی پر انگلستان گئے تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کے مصروف ذہن میں چھٹی یا تفریح کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، لہٰذا قیام لندن کے دوران میں بھی انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کے دو اہم کام انجام دیے۔ انہوں نے لندن، ''انڈین ایسوسی ایشن'' کے قیام میں مدد کی اور وطن لوٹنے سے کچھ پہلے مسلم لیگ میں شرکت منظور کرلی۔

گوکنڈہ سگریٹ فیکٹری

گوکنڈہ سگریٹ فیکٹری کا مقدمہ حیدرآباد دکن میں شروع تھا، قائداعظم محمد علی جناح نے پیروی کرتے ہوئے آہستہ آہستہ بحث کو آگے بڑھایا، تینوں جج نوٹس لے رہے تھے۔ ایک گھنٹے کے بعد ایک جج نے قائداعظم محمد علی جناح سے کوئی بات پوچھی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے دوبارہ اپنی بات کی وضاحت کردی۔ شاید جج کو تسلی نہ ہوئی تھی۔ اس نے وہی سوال پھر کردیا، اور یوں قائداعظم محمد علی جناح کی بحث کی روانی کو بار بار توڑا۔

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے تنگ آکر اپنا پاؤں کچھ اس انداز سے فرش پر پٹخا کہ بے چارے جج کے ہاتھ سے قلم نیچے گر گیا، اور عدالت کے تمام تر وقار کے باوجود حاضرین بے اختیار ہنس دیے۔

گول میز کانفرنس

حکومت برطانیہ کے لیے یہ بات بڑی پریشانی کا باعث تھی کہ ہندوستان کا آئینی بحران ختم نہیں ہو رہا تو اس نے اس مقصد کے لیے برطانوی ہند اور ریاستوں سے کانفرنس کے لیے نمائندوں کی نامزدگی کی۔ برطانوی ہند کے لیے جن مسلمان نمائندوں کی نامزدگی عمل میں لائی گئی ان میں سر آغا خان، قائداعظم محمد علی جناح، سر محمد شفیع، مولانا محمد علی جوہر، مسٹر اے کے فضل الحق، ڈاکٹر شفاعت احمد، چودھری ظفر اللہ اور نواب چھتاری کے نام قابل ذکر ہیں۔

ہندو نمائندوں میں وہ رہنما شامل تھے جو سیاسی پارٹیوں سے وابستہ نہ تھے۔ ان رہنماؤں میں سر تیج بہادر سپرو، مسٹر جیاکر، مسٹر سری نواس شاستری اور ہندو مہاسبھائی لیڈر ڈاکٹر مونجے شامل تھے۔ کانفرنس کی صدارت کے لیے برطانیہ کے وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ کا نام تجویز ہوا۔

11 نومبر 1930ء کو یہ کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی، اس کا پہلا اجلاس 19 جنوری 1931ء کو اس اعلان کے ساتھ ختم ہوا کہ حکومت برطانیہ نے مکمل خود مختار حکومت کی تجویز قبول کی جس میں وفاقی مرکز دو عملی ریاستوں کی خصوصیات کا حامل ہوگا۔

کانفرنس میں مسلمانوں کو ایک الگ قوم کی حیثیت دیے جانے اور ان کی حق نمائندگی کو تسلیم کرلیے جانے کے مقصد کی وضاحت قائداعظم محمد علی جناح، مولانا محمد علی جوہر، سر آغا خاں، فضل الحق، سر محمد شفیع، سر شاہ نواز، چودھری ظفر اللہ خاں، غلام حسین ہدایت اللہ نے کی۔

مولانا محمد علی جوہر کی تقریر سب سے پرجوش اور زوردار تھی۔

7 ستمبر 1931ء کو گول میز کانفرنس کا دوسرا اجلاس پھر لندن میں برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ اجلاس میں مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم محمد علی جناح، آغا خاں اور ڈاکٹر محمد اقبال نے شرکت کی۔ کانگریس کی طرف سے صرف گاندھی شامل ہوئے۔

کانفرنس میں سر آغا خاں اور قائداعظم محمد علی جناح نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے مخلصانہ کوششیں کی لیکن گاندھی کی سابقہ

روش اور بٹ دھرمی کی وجہ سے ان کی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔

یکم دسمبر 1931ء کو یہ کانفرنس ختم ہوئی جس کے نتیجے میں برطانوی وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ نے اجلاس میں شریک تمام رہنماؤں سے اپیل کی:

''آپ ہندوستان کے مسئلے کا کوئی حل تلاش کریں۔ اگر آپ ایسا کرنے میں ناکام رہے تو حکومت خود کوئی منصوبہ پیش کرے گی۔''

گول میز کانفرنس کا تیسرا اور آخری اجلاس 17 نومبر 1932ء سے 24 دسمبر 1932ء تک جاری رہا۔ اس کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح کو شرکت کی دعوت نہ دی گئی۔ اجلاس میں ہندوستانی مسلمانوں کی نمائندگی سر آغاخاں نے کی۔ اس میں کانگریس نے اس وجہ سے شرکت نہ کی کہ اس کے بڑے بڑے رہنما جیلوں میں تھے۔

اس اجلاس میں مختلف کمیٹیوں کی رپورٹوں پر غور کیا گیا۔ اجلاس میں برطانوی حزب اختلاف لیبر پارٹی نے بھی شمولیت اختیار نہ کی۔

گول میز کانفرنس کی ناکامی کے اسباب یہ تھے۔

1. حکومت برطانیہ وفاقی طرز کے مطابق آئین دینے پر آمادہ تھی لیکن کانگریس ایسے وفاق کی طلب گار تھی جس میں تمام اختیارات مرکزی حکومت کے پاس ہوں حتیٰ کہ باقی اختیارات بھی صوبوں کی بجائے مرکزی حکومت کی تحویل میں ہوں۔
2. مسلم لیگ وفاقی طرز حکومت کو قبول کرنے پر رضامند ہوگئی تھی بشرطیکہ یہ وفاق کے مسلمہ اصولوں کے مطابق ہو یعنی مرکز کے پاس وہ اختیارات ہوں، جو صوبے اپنی مرضی سے اس کی تحویل میں دیں اور باقی اختیارات صوبوں کے پاس ہوں۔
3. مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے قانون ساز مجالس میں علیحدہ نشستیں معین کیے جانے کا مطالبہ کرتی تھی، اور پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی غالب نمائندگی برقرار کیے جانے اور سندھ کے علیحدہ صوبہ بنائے جانے کی شرائط کے ساتھ مخلوط طریق انتخاب قبول کرنے کو تیار تھی۔
4. مسلم لیگ صوبائی خودمختاری چاہتی تھی جبکہ کانگریس صوبوں پر مرکزی حکومت کی پوری بالادستی قائم رکھنا چاہتی تھی۔
5. کانگریس ہندوستان کی تمام قوموں اور طبقوں کے نمائندگی کی دعوے دار تھی، لیکن چونکہ یہ دعوے حقائق کے خلاف تھے اس لیے مسلم لیگ اسے تسلیم نہ کرتی تھی۔

گول میز کانفرنس اور قائداعظم

نومبر 1930ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے گول میز کانفرنس کے اجلاس میں فرمایا:

''یہ بات اب تک واضح نہیں ہوئی کہ برطانوی ہندوستان میں کس قسم کا آئین ہوگا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس خیال کا اظہار فرمایا:

''دیکھنا یہ ہوگا کہ ہندوستانی ریاستیں کن بنیادوں پر وفاق میں شمولیت پسند کریں گی، اور کیا ان کی شمولیت کے بعد وفاق اس حد تک کمزور نہیں ہوجائے گا کہ اسے وفاق بھی نہ کہا جاسکے، چنانچہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے امور ہوں گے جنہیں ہندوستان کی ریاستیں وفاقی امور پر تسلیم کریں گی، اگر پہلے یہ فیصلہ ہوجائے تو یہ سوال بعد میں پیدا ہوجائے گا کہ یہ ریاستیں صوبوں کی سطح پر کس حد تک آسکیں گی؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے ریاستوں کے نمائندوں سے بھی یہ بات واضح طور پر پوچھی:

''وہ ایک حقیقی وفاق کے قیام اور اس میں شمولیت کی صورت میں ہندوستان کے مجموعی مفادات کے لیے



محمد علی جناحؒ خواجہ ناظم الدین، لیاقت علی خان اور دوسرے لیڈران کے ہمراہ

کس حد تک قربانی دے سکیں گے۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے یہ نکتہ بھی اٹھایا:
''موجودہ گورنمنٹ انڈیا ایکٹ کے تحت ایک وحدانی طرز کی حکومت کی بنیاد نظر آتی ہے جس میں صوبے خود مختار نہیں، لہٰذا ہندوستان کے وفاق کے سوال پر غور کرنے کے لیے کچھ باتوں کو ذہن نشین کرانا ضروری ہوگا۔
بنیادی بات یہ تھی کہ وفاق کے مقصد کے لیے صوبوں کو خود مختار ریاستوں کے طور پر تسلیم کرلیا جائے اور پھر دیکھا جائے کہ یہ ریاستیں کس حد تک وفاق کا جزو بننے کی کوشش کرتی ہیں۔''
قائداعظم محمد علی جناح نے اس امر کی وضاحت بھی کی:
''جب تک ہندوستانی ریاستیں اپنے کچھ اختیارات رضا کارانہ طور پر وفاق کے سپرد کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اس وقت تک اس بات پر غور کرنا عبث ہوگا کہ صوبوں کے کون سے امور وفاق میں شامل ہوں گے اور صوبے کس حد تک اپنے اختیارات وفاق کے سپرد کریں گے؟''
قائداعظم محمد علی جناح نے اس تجویز کی شدید مخالفت کی:
''آزاد ہندوستان میں برطانیہ کو تحفظات دیے جائیں۔''
2 جنوری 1931ء قائداعظم محمد علی جناح نے گول میز کانفرنس میں فیڈرل سٹرکچر سب کمیٹی کے انتخاب کے طریقہ کار کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔
9 جنوری 1931ء کو گول میز کانفرنس کی ڈیفنس سب کمیٹی میں قائداعظم محمد علی جناح نے ہندوستانی نقطہ نظر کی وضاحت کی۔

گول میز کانفرنسیں، کمیونل ایوارڈ (1929ء-1935ء)

محمد سلیم اپنی کتاب ''قائداعظم محمد علی جناح'' میں رقمطراز ہیں:
''ہندوستان میں سائمن کمیشن کا جس طرح استقبال کیا گیا اس سے وزیراعظم برطانیہ ریمزے میکڈانلڈ (Ramsay MacDonalD) کی حکومت کو اس بات کا بخوبی احساس ہوگیا کہ صرف سائمن کمیشن کی رپورٹ پر ہندوستان کے لیے آئین سازی کا کام درست نہ ہوگا۔ ہندوستان کی رائے عامہ کے اطمینان کے لیے اس موضوع پر ہندوستانی سیاسی رہنماؤں کے ساتھ گفت و شنید لازمی ہے۔ چنانچہ حکومت برطانیہ سے طویل مشوروں کے بعد 31 اکتوبر 1919ء کو وائسرائے ہند لارڈ اردن نے یہ اعلان کیا:

1. حکومت برطانیہ ہندوستان کو ڈومینین کا درجہ (Dominion Status) دینا چاہتی ہے۔
2. سائمن کمیشن کی رپورٹ موصول ہونے پر حکومت برٹش انڈیا اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کو صلاح و مشورہ کے لیے انگلستان آنے کی دعوت دے گی تاکہ برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے آئین کا ایک ایسا مسودہ رکھا جائے جسے وسیع پیمانے پر قبولیت حاصل ہو۔

جناح اور کئی ایک لبرل لیڈروں نے انگلستان میں بلائے جانے والی کانفرنس کے اعلان کا خیر مقدم کیا۔ گاندھی اور دیگر کانگریسی رہنماؤں نے بھی اسے خوش آمدید کہا لیکن ساتھ ساتھ یہ شرطیں بھی لگا دیں:

1. کانفرنس کا بنیادی مقصد ڈومینین کے درجے کے لیے ہندوستان کا آئین مرتب کرنا ہونا چاہیے نہ کہ اس پر غور وخوض کرنا کہ یہ درجہ کب دیا جائے۔
2. ہندوستان میں فوری طور پر ڈومینین کے درجے کے اصولوں کے مطابق حکومت کا کاروبار چلایا جائے۔
3. کانفرنس میں کانگریس کو فیصلہ کن نمائندگی دی

جائے اور تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔
ان شرائط کا مطلب یہ تھا کہ یہ معلوم کیے بغیر کہ مسلمان کس قسم کا آئین چاہتے ہیں' کانگریس کی مرضی کے مطابق آئین بنایا جائے۔ حکومت فوری طور پر منتخب نمائندوں کو سونپ دی جائے اور کیونکہ ہندو آبادی کی بہت بڑی تعداد کی وجہ سے مرکزی اسمبلی میں کانگریس کو اکثریت حاصل ہوگی' اس لیے اس طرح ہندو راج قائم ہو جائے گا۔
وائسرائے ہند لارڈ ارون کا کہنا تھا کہ کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے کے ساتھ آخری تجاویز تیار کی جائیں اور حکومت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ ان تجاویز کو پارلیمنٹ کے سامنے پیش کرے۔ اس پر گاندھی نے کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا اور جناح اور دیگر لبرل لیڈروں کی کوششوں کے باوجود راضی نہ ہوئے۔
دسمبر 1929ء کے آخری ہفتے میں پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے والد پنڈت موتی لال نہرو سے کانگریس کی صدارت کا چارج لیا تو کانگریس نے کانفرنس میں شریک نہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ حکومت پر دباؤ رکھنے کے لیے اس اجلاس میں یہ طے ہوا کہ چونکہ حکومت 1929ء کے دوران نہرو رپورٹ کو نافذ نہیں کر سکی' اس لیے کانگریس کی پہلے سے اعلان کردہ پالیسی کے تحت حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی ایک تحریک چلائی جائے جس کے لیے مناسب وقت اور پروگرام کا فیصلہ کانگریس ورکنگ کمیٹی پر چھوڑ دیا گیا۔ فروری 1930ء میں ورکنگ کمیٹی نے تحریک چلانے کا فیصلہ کیا، اور پروگرام کی تفصیل گاندھی پر چھوڑ دی۔ 13 مارچ 1930ء کو گاندھی نے اعلان کیا کہ وہ ساحل سمندر پر پہنچ کر قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے سمندر کے پانی سے نمک بنائیں گے۔
اس اعلان کے ساتھ ہی ہندوستان بھر میں قانون شکنی کی تیاریاں شروع ہو گئیں، اور چند مہینوں کے اندر ہی ہندوستان میں یہ تحریک عروج پر پہنچ گئی۔ لیکن تحریک خلافت کے تجربے کے بعد مسلمانوں نے اپنے آپ کو اس تحریک سے الگ رکھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سال کے اندر اندر تحریک عملی طور پر ختم ہو گئی۔ یاد رہے کہ اس موقع پر مولانا محمد علی جوہر نے بھی مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ سول نافرمانی کی اس تحریک سے الگ رہیں۔ کیوں کہ ''مسٹر گاندھی فرقہ پرست ہندو مہاسبھا کے زیر اثر ہندوازم کی برتری اور مسلمانوں کی غرقابی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔''
عین اس وقت جب تحریک اپنے عروج پر تھی' وائسرائے نے ہندوستان میں دستوری اصلاحات کے لیے لندن میں گول میز کانفرنس بلانے کا اعلان کر دیا۔ وائسرائے نے یہ بھی کہا کہ اس کانفرنس میں شرکت کے لیے نمائندوں کا انتخاب وہ خود کریں گے لیکن اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ ہر اہم سیاسی گروپ کو مناسب نمائندگی دی جائے۔
پنجاب کے میاں فضل حسین اس وقت وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کے ایک بہت بااثر رکن تھے۔ وہ ایک زیرک اور ذہین سیاست دان تھے، اور بجا طور پر سمجھتے تھے کہ اگر آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے مرتب کردہ مطالبات گول میز کانفرنس میں تسلیم نہ کیے گئے تو مسلمانوں کو ہندوؤں کے مقابلے پر ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔ چنانچہ انہوں نے یہ کوشش کی کہ حکومت کانفرنس کے لیے کسی ایسے مسلمان کو نہ چنے

جوخلوط انتخاب کا حامی ہو یا ان کے زیر اثر نہ ہوتا کہ کانفرنس کے اندر مسلمان لیڈروں میں اتفاق اور یکجہتی کا اظہار ہو اور ان کے مطالبات قبول ہونے کی کوئی صورت نکل آئے۔ وائسرائے سے کہہ کر انہوں نے جناح کے علاوہ سارے کے سارے مسلمان نمائندے اپنی مرضی کے مطابق نامزد کرا لیے۔ جناح کو نظر انداز کرنا بہت مشکل تھا، کیوں کہ مسلمانوں میں ان کی سیاسی حیثیت مسلم تھی۔ سب کو ان کی سیاسی عظمت کا اعتراف تھا، اور انہیں نظر انداز کرنے سے حکومت کے لیے مسائل پیدا ہو سکتے تھے، تاہم اپنے چودہ نکات پیش کرنے کے بعد اب جناح بھی جداگانہ انتخابات کے حامی ہو چکے تھے، لیکن یقیناً وہ میاں فضل حسین یا کسی اور کے زیر اثر نہ تھے۔ بہرصورت اس کوشش کا نتیجہ یہ ضرور نکلا کہ کانفرنس میں تمام مسلمان ہم زبان رہے۔

کانگریس کے سوا کہ وہ بائیکاٹ کر رہی تھی، حکومت نے کانفرنس میں شرکت کے لیے مختلف طبقوں کے 57 افراد نامزد کیے۔ ان میں سے 16 مسلمان تھے جن میں مولانا محمد علی جوہر اور آغا خاں بھی شامل تھے۔ ہندوستانی ریاستوں کے 16 نمائندوں میں بیکانیر اور بھوپال کے حکمران بھی تھے۔ اس کے علاوہ وزیر اعظم برطانیہ ریمزے میکڈ لنلڈ اور ہندوستان کے دو سابق وائسراؤں لارڈ ہارڈنگ اور لارڈ ریڈنگ نے شرکت کی۔ شاہ برطانیہ نے 12 نومبر 1930ء کو کانفرنس کا آغاز کیا۔ ان کے مختصر ایڈریس کے دوران سب لوگ کھڑے رہے۔ اس کے بعد وزیر اعظم برطانیہ ریمزے میکڈ لنلڈ کو کانفرنس کا چیئرمین منتخب کیا گیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا کہ غصے، عاقبت نا اندیشی یا شرانگیزی کے زیر اثر ماضی میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میز پر اسے فراموش کر دینا چاہیے۔ تاریخ خواہ کچھ ہی کیوں نہ بنے، اس کا تعلق اس کانفرنس سے ضرور ہوگا۔

مسلمان مندوبین کے ترجمان کے طور پر جناح نے جامع و مدلل تقریریں کیں۔ ان کی پہلی تقریر کے ابتدائی جملوں ہی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یہاں کھری کھری باتیں کہنے آئے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ وعدوں کا دور گزر چکا ہے، اور اب عمل کا وقت ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ ہندوستان میں برطانیہ کے تجارتی اور سیاسی مفادات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ ہندوستان کے مستقبل کے دستور پر نظر رکھے، لیکن آپ کو بھی یہ مان لینا چاہیے کہ ہندوستان سے آپ کے تو صرف تجارتی، مالی یا سیاسی مفادات وابستہ ہیں جب کہ ہمارا تو سب کچھ یہی ہے۔ اگر ہندوستان کی تمناؤں کو پورا کرنے کے لیے مناسب انتظامات نہ کیے گئے تو پھر سات کروڑ مسلمانوں اور ان سب لوگوں کو جو ابھی تک تحریک عدم تعاون سے علیحدہ تھے، اس میں شامل ہونے کی ترغیب ملے گی۔ انہوں نے بحث کے دوران یہ کہا کہ کانفرنس میں شریک چار پارٹیوں میں مفاہمت ہونی چاہیے۔ یہ پارٹیاں حکومت برطانیہ، ریاستوں کے حکمران، ہندو اور مسلمان ہیں۔ اس طرح انہوں نے پہلی دفعہ مسلمانوں کو ایک ''پارٹی'' کہا اور اپنی نمائندگی اسی پارٹی تک محدود رکھی۔

مولانا محمد علی جوہر نے اس کانفرنس میں ایسی تقریر کی کہ سارے عالم میں اس کی دھوم مچ گئی۔ مولانا نے

کہا کہ کوئی ذی ہوش انسان جسے اتنی شدید بیماریاں ہوں جو مجھے ہیں، سات میل کا سفر کرنے کا بھی قصد نہیں کرسکتا، جب کہ میں سات ہزار میل کا جو بحری اور بری سفر طے کر کے یہاں آیا ہوں۔ درحقیقت جب اسلام اور ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ ہو تو میں بے خود ہو جاتا ہوں۔ میرے یہاں آنے کا واحد مقصد یہ ہے کہ میں اپنے ملک کے لیے آزادی کا پروانہ لے کر جاؤں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں ایک غلام ملک میں واپس جانے کی بجائے ایک آزاد ملک میں مرنا پسند کروں گا۔ آپ کو یا تو ہندوستان کو آزادی دینی ہوگی، یا پھر میری قبر کے لیے جگہ۔ مولانا نے اپنے قول کو نبھایا۔ وہ 4 جنوری 1931ء کو انگلستان ہی میں انتقال کر گئے۔ سارے عالم اسلام میں ان کا سوگ منایا گیا۔ ہندوستان کے گوشے گوشے سے تار دیے گئے کہ مولانا کے جسد خاکی کو وہاں دفن کیا جائے۔ کلکتہ، علی گڑھ، رام پور، اجمیر، لکھنؤ اور دہلی کا بھی مطالبہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پیارے بندے کے لیے سرزمین انبیاء کا ایک ٹکڑا مخصوص کر رکھا تھا۔ مفتی اعظم امین الحسینی کی تجویز و اصرار پر انہیں بیت المقدس میں دفن کیا گیا:

خاک قدس او را بہ آغوش تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گزشت

کانفرنس میں سرتیج بہادر سپرو کی اس تجویز پر اتفاق رائے ہو گیا کہ ہندوستان میں ایک وفاقی حکومت ہونی چاہیے۔ ریاستی حکمرانوں کی طرف سے نواب بھوپال اور مہاراجہ بیکانیر نے اس سے اتفاق کیا، بشرطیکہ ریاستوں کی داخلی خودمختاری کی ضمانت دی جائے۔ سر محمد شفیع نے بھی اس تجویز کو سراہا۔

مینن لکھتے ہیں:

''ریاستی حکمران برٹش انڈیا میں سول نافرمانی کا رجحان دیکھ چکے ہیں، اور وہ خوب سمجھتے تھے کہ اس کا دائرہ ان کی ریاستوں تک وسیع کرنے سے کیا ہوگا۔''

مسلم لیگ تو شروع ہی سے مضبوط مرکز کی مخالف رہی تھی اور وہ سمجھتی تھی کہ ریاستوں کے فیڈریشن میں شامل ہونے سے مرکز کے پاس صرف چند ایک محکموں کا رہ جانا یقینی ہو جائے گا۔

وفاق کے مسئلے پر مسلمانوں کے وفد میں اختلاف رائے موجود تھا۔ جو لوگ وفاق کے مخالف تھے ان کا خیال تھا کہ بعد میں جب ریاستیں اس وفاق میں شامل ہوں گی تو ہندوؤں کی غالب اکثریت کے آگے مسلمانوں کی حیثیت بالکل ختم ہو جائے گی، اور اس طرح مسلمان اپنی موجودہ سیاسی اہمیت بھی کھو بیٹھیں گے۔ جو لوگ وفاق کے حامی تھے وہ کہتے تھے کہ مرکز کے پاس زیادہ محکمے ہونے ہی نہیں چاہئیں۔ نیز تمام بقیہ اختیارات صوبوں کے پاس ہوں۔ 25 مارچ 1931ء کو جناح نے (آسام کے) عبدالمتین چوہدری کو لکھا کہ میں گول میز کانفرنس میں ایسے وفاق کے حق میں تھا جو حقیقی اور اصلی ہو نہ کہ جعلی اور مصنوعی۔ آغا خاں لکھتے ہیں: جناح وفاق کے نظریے کے مخالف تھے، لیکن بعد میں مسلم وفد کی اکثریت کی رائے کے پیش نظر اور مسلمان وفد میں یکجہتی کے اظہار کے لیے انہوں نے اس کی مخالفت ترک کر دی۔

14 جنوری 1931ء کو جناح، آغا خاں اور سر محمد شفیع نے وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ سے ملاقات کی اور انہیں صاف صاف بتا دیا کہ اگر ان کی حکومت نے

پالیسی بیان میں فرقوں کے تسلی بخش تحفظ کا اعلان نہ کیا گیا تو زیادہ تر مسلم مندوبین کانفرنس کے فیصلوں سے لاتعلقی کا اظہار کر دیں گے۔

اس کانفرنس کا اہم ترین فیصلہ وفاقی طرز حکومت پر تمام پارٹیوں اور حکمرانوں کا اتفاق رائے تھا۔

جناح سے بات چیت کے دوران وزیراعظم ریمزے میکڈانلڈ نے ان سے کہا کہ ہندوستان میں آنے والی تبدیلیوں کے پیش نظر، حکومت کو صوبائی گورنروں کی تقرریوں کے لیے ممتاز ہندوستانیوں کی تلاش ہوگی۔ مطلب یہ تھا کہ اگر جناح اپنا رویہ درست کر لیں تو ان کے گورنر بننے کا امکان ہے۔ جناح کسی قسم کے لالچ میں آنے والے نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر وزیراعظم پر واضح کر دیا کہ وہ بکاؤ مال نہیں ہیں اور اس پیش کش کو جوان کے خیال میں انہیں رشوت دینے کی ایک کوشش تھی سختی سے مسترد کر دیا۔

1931ء میں جب دوسری گول میز کانفرنس ہوئی تو برطانوی حکومت میں تبدیلی آ چکی تھی۔ اگرچہ ریمزے میکڈانلڈ ہی وزیراعظم تھے لیکن اب لیبر پارٹی کی حکومت کی بجائے وہ مالی اور اقتصادی بحران سے نمٹنے کے لیے قائم قومی حکومت کے سربراہ تھے۔

اس دفعہ گاندھی اور وائسرائے ارون کے درمیان سمجھوتے پر کانگریس کانفرنس میں شرکت کے لیے تیار تھی اور گاندھی اس کے واحد نمائندے کی حیثیت سے انگلستان پہنچ گئے تھے۔ وہاں سب کی آنکھیں ان ہی کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ حکومت بھی ان سے مرعوب نظر آ رہی تھی۔

دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے روانگی سے قبل جناح نے 11 اگست 1931ء کو لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اگر ہندو پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت کو تسلیم کرنے پر تیار ہو جائیں تو پھر فرقہ وارانہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

کانفرنس کے لیے روانگی سے قبل اقبال نے کہا:

''اگر پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کے مطابق نمائندگی اور دیگر مطالبات منظور نہ کیے گئے تو جو دستور بھی ہندوستان کو دیا جائے گا مسلمان اس کے پرخچے اڑا دیں گے۔''

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں رہنماؤں کو پنجاب اور بنگال کی اسمبلیوں میں مسلمانوں کے لیے اکثریت کے حصول کا کتنا شدید احساس تھا۔

دوسری گول میز کانفرنس 7 ستمبر 1931ء کو شروع ہوئی۔ مسلمانوں کے نمائندوں میں محمد علی جناح اور شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال بھی شامل تھے۔ جناح نے مختلف کمیٹیوں کے اجلاسوں میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا۔ 26 نومبر 1932ء کو ایک کمیٹی کی میٹنگ میں انہوں نے کہا:

''اگر مسلمانوں کو ایسے تحفظات فراہم نہ کیے گئے جن سے انہیں مکمل حفاظت کا احساس ہو اور ہندوستان کے مستقبل کے آئین کے بارے میں اعتماد پیدا ہو، تو ایسا آئین ہندوستان میں 24 گھنٹے بھی نہیں چل سکے گا۔''

گاندھی کا اقلیتی ارکان سے سمجھوتہ نہ ہونے پر 13 نومبر کو اقلیتوں سے متعلق کمیٹی کے سامنے آغا خاں نے سکھوں کے علاوہ سب اقلیتوں کی طرف سے چیئرمین کو مطالبات کی ایک مشترکہ یادداشت پیش کی۔

گاندھی نے کہا:

''میں اور کانگریس اس یادداشت کو مسترد کرتے ہیں۔ کانگریس اس تجویز کی حمایت کرنے کی بجائے یہ پسند کرے گی کہ سالہا سال تک ویرانوں میں بھٹکتی رہے۔''
اور آخر ہوا بھی یہی مینن لکھتے ہیں:
''گاندھی انگلستان سے ایک مایوس آدمی کے طور پر واپس آئے۔''
ادھر جناح کی حق گوئی اور بے باکی کی وجہ سے اپنوں اور بیگانوں دونوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، چنانچہ مانچسٹر گارڈین نے لکھا:
''گول میز کانفرنس میں مسٹر جناح ایک انوکھی پوزیشن کے مالک تھے۔ ہندوؤں کا خیال تھا کہ وہ فرقہ واریت کا شکار ہیں۔ مسلمان انہیں ہندوؤں کا حامی سمجھتے تھے۔ ریاستی حکمرانوں کا خیال تھا کہ وہ حد سے زیادہ جمہوریت پسند ہیں اور انگریز انہیں انتہا پسند خیال کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہ رہے۔ انہیں کوئی بھی پسند نہ کرتا تھا۔''
جب 1936ء میں مسجد شہید گنج کے سلسلے میں مصالحت کرانے کے لیے وہ لاہور آئے تو ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں نے ان کے اعزاز میں مشترکہ طور پر ایک جلسے کا انتظام کیا۔ وہاں تقریر کرتے ہوئے جناح نے خود بھی یہی باتیں کیں۔

جناح نے دونوں کانفرنسوں میں جو رول ادا کیا اس پر انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مسز سروجنی نائیڈو نے لکھا ہے کہ مقناطیسی شخصیت، موثر انداز بیان اور متوازن لب و لہجہ، یہ تھے ان کے تین سرمائے۔ ان میں ایک ذہین وکیل کے تمام اوصاف موجود تھے، اور گول میز کانفرنس نے ان ہی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع دیا تھا۔

کوئی سمجھوتہ نہ ہونے پر 16 اپریل 1932ء کو وزیراعظم برطانیہ ریمزے میکڈانلڈ نے لندن میں برطانوی حکومت کی جانب سے ''کمیونل ایوارڈ'' کا اعلان کیا۔ اس ایوارڈ میں آل پارٹیز کانفرنس کے کئی مطالبات تسلیم کر لیے گئے: چنانچہ

1. جداگانہ انتخاب قائم رہا۔
2. مسلم اقلیت کے صوبوں میں اضافی تناسب برقرار رکھا گیا۔
3. صوبہ سرحد میں مکمل اصلاحات رائج کر دی گئیں۔
4. البتہ پنجاب میں مسلمانوں کو اکثریت سے کم سیٹیں دی گئیں۔ چند خاص سیٹیں ملا کر جن پر مسلمان زمینداروں کا انتخاب یقینی تھا۔ مسلمانوں کی بمشکل اکثریت ہو جاتی تھی، 175 میں سے 89 سیٹیں۔ پنجاب میں سکھوں کی آبادی 13.2 فیصد تھی لیکن انہیں 175 ارکان کی اسمبلی میں 32 نشستیں دی گئیں۔ یعنی 18.3%۔ بنگال میں مسلمانوں کی آبادی کے لحاظ سے اکثریت قائم نہ کی گئی بلکہ یورپین ممبروں کو غیر معمولی اضافہ تناسب دے کر حکومت نے طاقت کا توازن اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ علاوہ ازیں گورنروں کو ہدایات جاری کر دی گئیں کہ صوبائی وزارتوں میں اقلیتوں کو ایک تہائی حصہ ضرور ملنا چاہیے۔''

انگریز حکومت کسی صورت بھی پنجاب اور بنگال کی اسمبلیوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے لحاظ سے سیٹیں دینا نہیں چاہتی تھی، کیونکہ اس سے ان کو حتمی اکثریت حاصل ہو جاتی، اور وہ وزارت بنانے کے لیے کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگرچہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدل دیا گیا تھا۔ کسی ہندو

صوبے میں ایسا نہیں ہوا۔ اس طرح ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کو آسانی سے نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ جب کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمان غیر مسلموں کے محتاج ہو کر رہ گئے۔

علامہ اقبال اگر چہ کمیونل ایوارڈ کو مسلمانوں سے صریح ناانصافی سمجھتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی یہ رائے تھی کہ کسی تصفیے تک کمیونل ایوارڈ کی حمایت کرنا ہی مسلمانوں کے لیے صحیح راہ عمل ہے۔

اچھوتوں کو بھی ہندوؤں سے علیحدہ قرار دے کر جداگانہ انتخاب کا حق دے دیا گیا۔اس پر گاندھی بہت مضطرب ہوئے اور انہوں نے مرن بھرت رکھ لیا۔ آخر کار اچھوت رہنما ڈاکٹر امبید کر سے مذاکرات کے بعد پونا پیکٹ ہوا، اور ان دونوں غیر مسلم رہنماؤں کے اتفاق پر اچھوتوں کے لیے پھر مخلوط طرز انتخاب رائج کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔اس سمجھوتے نے اچھوتوں کا مستقبل ہمیشہ کے لیے تاریک کر دیا۔

کانگریس نے نہ کمیونل ایوارڈ منظور کیا نہ ہی اسے مسترد کیا۔ جناح کی تجویز پر مسلم لیگ نے کسی تصفیے تک یہ ایوارڈ منظور کر لیا۔

تیسری گول میز کانفرنس 17 نومبر 1932ء سے 24 دسمبر 1932ء تک جاری رہی۔کانگریس نے اس میں شرکت نہیں کی کیوں کہ وہ یو پی، بنگال اور صوبہ سرحد میں حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلا رہی تھی۔ اس کانفرنس میں جناح کو مدعو نہیں کیا گیا۔ کانفرنس کے بعد، وزیر ہند سر سیموئل ہور (Samuel Hoarw) نے اعلان کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کے مطالبے کے مطابق مرکز میں ایک تہائی نمائندگی دی جائے گی اور اڑیسہ اور سندھ برٹش انڈیا کے نئے صوبے بن جائیں گے۔

تینوں کانفرنسوں میں گفت وشنید کی روشنی میں اور حکومت کے مختلف اعلانات کے مطابق 12 ستمبر 1934ء کو حکومت برطانیہ کی طرف سے ایک بل دارالعوام میں پیش کیا گیا۔ چرچل نے اس پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

”یہ بل کروشئے سے تیار کردہ بہت بڑا لحاف ہے۔ یہ بونوں کی تیار کردہ دھوکے کی ایک عجیب الخلقت یادگار ہے۔“

پارلیمنٹ سے پاس ہونے کے بعد 4 اگست 1935ء کو شاہی منظوری سے یہ بل گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء بن گیا۔

یہ ایکٹ ایک وفاقی حکومت کے لیے تھا۔ جس میں صوبے اور ریاستیں دونوں شامل تھے۔ اس کے مطابق مرکز میں اس ایکٹ کے نفاذ کے لیے ضروری تھا کہ ریاستی حکمرانوں کی ایک مخصوص کم از کم تعداد وفاق میں شمولیت کے لیے اقرار کرے، چونکہ یہ تعداد کبھی بھی پوری نہ ہو سکی۔ مرکزی حکومت 1919ء کے ایکٹ کے تحت ہی چلتی رہی، حتیٰ کہ انڈیا اور پاکستان آزاد مملکتوں کے طور پر وجود میں آ گئے۔

1935ء کے ایکٹ کے صرف صوبوں والے حصے پر عمل درآمد ہو سکا۔ صوبوں میں یہ ایکٹ یکم اپریل 1935ء سے نافذ کیا گیا۔ اگر چہ یہ ایکٹ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے ہرگز تسلی بخش نہیں تھا، کیونکہ اس میں مسلمانوں کو پنجاب اور بنگال میں آبادی کی اکثریت کے باوجود اسمبلیوں میں اکثریت نہیں دی گئی تھی، لیکن یہ 1919ء کے ایکٹ سے بہتر تھا، اور باتوں کے علاوہ اس کی رو سے ہندوستان میں مسلم اکثریت

کے چار مکمل صوبے بن گئے۔"

(قائداعظم محمد علی جناح، از محمد سلیم مطبوعہ قومی پبلشرز، لاہور)

گیارہ ستمبر

وقار انبالوی نے گیارہ ستمبر کے عنوان سے قائداعظم محمد علی جناح کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

پھر سینہ اخلاف میں تازہ ہے تیرا غم — اے قائداعظم
پھر آج نگوں یاد میں تیری ہوا پرچم — اے قائداعظم
یہ ماہ ستمبر ہے کہ ماہ ستمگر — بے درد سراسر
وہ زخم دیا اس نے کہ جس کا نہیں مرہم — اے قائداعظم
ترکہ ترا اخلاف نے تیرے نہ سنبھالا — اے مورث والا
اک سوگ ترا دوسرے محرومی کا ماتم — اے قائداعظم
تھے پیٹ کے بندے تری تربت کے مجاور — لیڈر رتھے کہ تاجر
آویزش باہم رہی یا سازش پیہم — اے قائداعظم
جو شمع تیرے خون جگر سے تھی فروزاں — رخشندہ و تاباں
افسوس اس شمع کی لو ہو گئی مدھم — اے قائداعظم
کرسی کی لڑائی میں گرا قوم کا پایہ — وہ وقت بھی آیا
کچھ ہم میں سکت رہ گئی باقی نہ رہا دم — اے قائداعظم
ہم عہد تو کرتے ہیں کہ رکھیں گے تری لاج — افسوس! مگر آج
وہ جہد مسلسل ہے نہ کوئی کوشش پیہم — اے قائداعظم

گیڈگل، ڈاکٹر پروفیسر

قائداعظم محمد علی جناح نے پروفیسر گیڈگل کا ذکر اپنے اس انٹرویو میں کیا ہے جو انہوں نے 25 اکتوبر 1947ء کو رائٹر کے نمائندے کو دیا تھا وہ کہتے ہیں:

"نامور پروفیسر ڈاکٹر گیڈگل نے بھی اپنے 19 اکتوبر کے بیان میں یہ سچی بات کہی ہے کہ نئی انڈین یونین کی موزوں اور مناسب تعبیر صرف یہ ہے کہ یہ ایک ہندو ریاست ہے یا ہندو قومی ریاستوں کا وفاق ہے۔ وہ کہتا ہے کہ انڈین یونین کو ہندو ریاست کہنا اس بنا پر درست ہے کہ یہی اس کے مزاج کا سب سے نمایاں اور بالاتر پہلو ہے۔"

ل

لاجپت رائے، لالہ

9 ستمبر 1920ء کا واقعہ ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا جلسہ کلکتہ میں ہوا اس میں انہوں نے شرکت کی۔ ازاں بعد 1927ء میں وزیر ہند لارڈ برکن ہیڈ نے ہندوستان کو بعض سیاسی مراعات دینے کی غرض سے جو کمیشن قائم کیا اس کی مخالفت کرنے والوں میں قائداعظم کے ساتھ لالہ لاجپت رائے نے لیجسلیٹو اسمبلی میں ایک قرارداد کے ذریعے اعلان کیا:

> ''چونکہ اس ایوان کے نزدیک سائمن کمیشن کی ہیئت ترکیبی اور اسکیم قطعی نا قابل قبول ہیں، لہٰذا اسمبلی کو اس کمیشن سے کسی حیثیت سے اور کسی منزل پر کسی قسم کا واسطہ نہیں ہوگا۔''

قرارداد میں یہ بھی کہا گیا تھا:

> ''اسمبلی کو اس کمیشن پر اعتماد نہیں ہے جو انہوں نے ہندوستان کے آئین کے سلسلے میں مقرر کیا ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے اس قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے کہا:

> ''اگر حکومت ہمارے موقف کو سمجھنے پر تیار نہیں تو ہمیں بھی اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ ہم اس سے تعاون کریں یا نہ کریں۔''

دیال سنگھ کالج لاہور کے ہال میں 5 مارچ 1936ء کو جو جلسہ منعقد ہوا اس کالج کی یونین کے صدر لالہ لاجپت رائے تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انہیں گوکھلے سے تشبیہ دی۔

لاجپت رائے 1865ء میں جگراؤں (لدھیانہ) میں منشی رادھا کشن کے ہاں پیدا ہوئے۔ 1880ء میں انٹرنس اور 1884ء میں مختار کاری کا امتحان پاس کیا اور وکالت سے منسلک ہو گئے۔ 1894ء میں ہائی کورٹ میں پریکٹس شروع کی۔ انہوں نے دیانند اینگلو ویدک کالج قائم کیا۔ اسی کالج کے سیکرٹری اور پھر تاریخ کے پروفیسر رہے۔ آریہ یتیم خانہ فیروز پور کے سیکرٹری بھی رہے۔

لالہ لاجپت رائے نے 17 نومبر 1928ء کو وفات پائی۔

لارڈ سائمن (ہندوستانی بار)

قائداعظم محمد علی جناح ایک اعلیٰ پائے کے قانون دان تھے۔ اپنی دیانتداری، فرض شناسی اور بے باکی کی وجہ سے قائداعظم محمد علی جناح خاصی شہرت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے قائداعظم محمد علی جناح کو ہندوستانی بار کا لارڈ سائمن کہا جاتا ہے۔

آخری چیف جسٹس (غیر منقسم ہند)

غیر منقسم ہندوستان کے آخری چیف جسٹس لارڈ پیٹرک ایسیز سپنس تھے، وہ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ایسا کوئی مرد یا عورت اس دنیا میں نہیں ہے، جو اس کی دیانتداری کے خلاف انگشت نمائی کر سکے۔ میرے واقف کار لوگوں میں وہ سب سے زیادہ راست باز تھے، اور جہاں تک مجھے علم ہے انہوں نے تمام زندگی ایک لمحے کے لیے بھی کسی کو فریب دینے

کی کوشش نہیں کی۔ وہ کسی کو دھوکے میں نہ رکھتے تھے کہ ان کا موقف کیا ہے وہ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے کیا ذرائع استعمال کرنا چاہتے ہیں۔''

لاڑکانہ میونسپل کمیٹی

18 اکتوبر 1938ء کو قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا گیا۔ یہ سپاسنامہ انگریزی میں ریشمی کپڑے پر تحریر تھا۔

صوبہ سندھ کا یہ مشہور شہر نہر گھاڑ کے کنارے کوٹری حبیب کوٹ ریلوے سیکشن پر حبیب کوٹ سے 40 میل اور دادو سے 46 میل کی مسافت پر واقع ہے۔ لاڑک قبیلے کی نسبت یہ شہر لاڑکانہ کہلاتا ہے۔ اس کے قریب ہی آدم شاہ کے پوتے محمد شاہ کلہوڑا کا مزار مرجع خلائق ہے۔ چانڈ کا میڈیکل کالج، شیخ زید زنانہ ہسپتال، مصطفیٰ کمال پاشا اور ڈاکٹر احمد سوئیکارنو کی یادگاریں اور سر شاہ نواز لائبریری کے لیے یہ شہر مشہور ہے۔

1979ء میں ایٹمی سنٹر قائم کیا گیا۔ کیڈٹ کالج کی تعمیر بھی کی گئی ہے۔ اس شہر کا ریلوے سٹیشن جدید طرز کا ہے۔

لال جی حسین بھائی

1926ء میں انہوں نے بمبئی سے مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں قائداعظم محمد علی جناح کے مخالف کی حیثیت سے حصہ لینے کا اعلان کیا۔ الیکشن کے روز مسٹر حسین بھائی لال جی مقابلہ سے دستبردار ہو گئے اور قائداعظم محمد علی جناح بلا مقابلہ اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے۔ اگرچہ ہندو کانگریس نے حسین بھائی لال جی کو اسمبلی کا رکن منتخب کرانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ تاہم قائداعظم محمد علی جناح کے 3600 ووٹوں کے مقابلے میں صرف انہیں 127 ووٹ نصیب ہوئے۔

مسلمان عوام نے حسین بھائی لال جی کے اس اقدام پر بڑے اضطراب کا اظہار کیا لیکن قائداعظم محمد علی جناح کی جبیں پر شکن تک نہ آئی اور نہ ہی قائداعظم محمد علی جناح اپنے ذاتی انتخاب کے سلسلہ میں بمبئی تشریف لے گئے کیونکہ انہیں اپنی قوم پر مکمل بھروسہ تھا۔ قوم نے بھی ان کے اعتماد کو ٹھیس نہ پہنچائی۔

لالن، سیٹھ نور محمد

وہ کراچی کے مشہور تاجر تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کی فرم محمد علی جناح بھائی سے تقریباً 25 ہزار روپے کی مالیت کی فش ماوز لندن اور تقریباً 10 ہزار روپے کی مالیت کی اشیا چین بھجوائیں۔ اس کاروبار میں نوعمر محمد علی جناح نے دو ہنڈیاں بھی جو 2500 کی تھیں اپنے دستخطوں سے لکھ کر نور محمد لالن کے سپرد کی تھیں۔ ایک ہنڈی 27 نومبر 1892ء کو اور دوسری 2 دسمبر 1892ء کو لکھی گئی۔

قائداعظم محمد علی جناح 1919ء میں کراچی آئے تو سیٹھ نور محمد لالن سے ملنے کے لیے گئے۔ انہوں نے سیٹھ نور محمد لالن سے اپنے پیدائشی مکان کے بارے میں پوچھا تو اس نے مکان کی نشان دہی کی اور اپنے پوتے عاشق لالن کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ قائداعظم محمد علی جناح کو نیوی نہم روڈ پر لے جا کر انہیں ان کا پیدائشی گھر دکھا دے۔

لاہور

یہ قائداعظم محمد علی جناح کا پسندیدہ شہر تھا۔ اس شہر کو قائداعظم محمد علی جناح نے قرارداد لاہور کی منظوری کے لیے منتخب کیا۔ 24 مئی 1924ء کو لاہور کے گلوب تھیٹر میں آل انڈیا مسلم لیگ کا پندرہواں ملتوی شدہ اجلاس قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اپنے خطبہ صدارت میں

قائداعظم محمد علی جناح نے برصغیر کی سیاسی صورتحال کا ایک مدبر اور سیاست دان کی حیثیت سے نہایت تفصیل سے حقیقت پسندانہ جائزہ پیش کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے رولٹ ایکٹ کی منظوری کے بعد سے ہندوستان میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں اور سرگرمیوں کی نشاندہی کی اور اس کے اثرات پر بھی روشنی ڈالی۔ اس تقریر میں قائداعظم محمد علی جناح نے غلام محمد بھرگڑی کی خدمات کو بھی خراج عقیدت پیش کیا۔ 1929ء میں قائداعظم محمد علی جناح علم الدین شہید کے مقدمے کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے اور لاہور ہائی کورٹ میں پیش ہوئے۔

قائداعظم محمد علی جناح 29 فروری 1936ء کو ثالث کی حیثیت سے مسجد شہید گنج کے تصفیہ کے سلسلے میں پھر لاہور تشریف لائے۔ انہوں نے لاہور ٹاؤن ہال میں خطاب کیا، نیز قائداعظم محمد علی جناح نے پنجاب کے گورنر سے بھی ملاقات کی۔ قائداعظم محمد علی جناح نے مسجد شہید گنج کے سلسلے میں جو مصالحتی کردار ادا کیا گورنر پنجاب نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ اپریل 1936ء میں مرکزی پارلیمانی بورڈ کی تشکیل کے سلسلے میں قائداعظم محمد علی جناح لاہور تشریف لائے اور سر فضل حسین اور ملک لال دین قیصر سے ملاقات کی۔ انہوں نے علامہ اقبال سے بھی تبادلہ خیال کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح جون 1936ء میں کشمیر سے پھر لاہور پہنچے اور برکت علی اسلامیہ ہال اور نیڈوز ہوٹل سے خطاب کیا۔ اجلاس میں چار سو سے زائد مسلم لیگیوں نے حصہ لیا۔

قائداعظم محمد علی جناح 21 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے اور منٹو پارک میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ستائیسویں سالانہ جلسے کی صدارت کی۔ اس اجلاس میں قرارداد لاہور پیش کی گئی اور قائداعظم محمد علی جناح نے ایک تاریخی خطبہ پیش کیا۔

فروری 1941ء میں قائداعظم محمد علی جناح پنجاب سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جلسے میں شرکت کے لیے لاہور آئے۔ انہوں نے 2 مارچ 1941ء کو اس کے اجلاس میں کہا:

> ''اپنے آپ کو ایک قوم کا فرد قرار دینے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کوئی قوم ہوا پر نہیں بستی اور زمین پر زندگی گزارتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی زمین کی حاکم ہو۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے لاہور میں 22 نومبر 1942ء کو علامہ اقبال کے مزار پر حاضری دی۔ 23 نومبر 1942ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے جناح کالج اور جناح اسکول لاہور کی طالبات کے ایک استقبالیہ میں شرکت اور طالبات سے خطاب کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح نے یکم مارچ 1944ء کو مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس کا افتتاح کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح اپریل 1944ء کے آخر میں پھر لاہور آئے اور وزیراعظم پنجاب ملک خضر حیات ٹوانہ سے تبادلہ خیال کیا۔

قائداعظم محمد علی جناح 19 جنوری 1946ء کو انتخابات کا جائزہ لینے کے لیے لاہور آئے۔ اس موقع پر انہوں نے کہا:

> ''انتخابات منصفانہ ہوئے تو لیگ سو فیصد کامیابی حاصل کرے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح 20 مارچ 1946ء کو لاہور آئے 28 مارچ تک یہیں مقیم رہے۔ اکتوبر 1947ء کے آخری عشرے میں پھر قائداعظم محمد علی جناح لاہور آئے۔

لائبریری

قائداعظم محمد علی جناح کتابوں کے بڑے شوقین تھے، اور اچھی اچھی کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہتیں۔ انہوں نے ہزاروں کتب جمع کی تھیں۔ ان میں سے صرف دو ہزار کراچی یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ قائداعظم محمد علی جناح کی لائبریری

کے بارے میں پروفیسر اختر حنیف یوں رقمطراز ہیں:

''قائداعظم نے اپنی قانون کی کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ (تقریباً ایک ہزار کتابیں) اوائل 1945ء میں اپنے بمبئی کے قیام کے دوران این ایم ترپاٹھی بمبئی کے ایک بک سیلر کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، کیونکہ آپ نے 1944ء میں قانون کے پیشہ سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ مجموعہ کتب میں صرف 65 کتابیں ایسی ہیں جن پر آپ نے اپنا نام تحریر کیا ہے۔ یا دستخط کیے ہیں، اور چند پر تاریخ بھی لکھی ہے۔ سب سے پرانی کتاب جس پر دستخط اور تاریخ ہے وہ ہے:

Ira Remsen Anintroduction to the study of chemisty. London Macmillan ء1893

اس کتاب پر آپ نے اپنا نام ''محمد علی جناح بھائی'' لکھا ہے، اور اس کتاب پر تاریخ 20 جون 1895ء درج ہے۔ اس تاریخ سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ آپ اپنے نام کے ساتھ 1895ء تک ''بھائی'' کا لفظ استعمال کرتے رہے۔ اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح کے سوانح نگار ہیکٹر بولائتھو نے لکھا ہے:

''محمد علی جناح اپریل 1894ء تک اپنے نوعمری کے نام جناح بھائی'' جو گجراتی لوگوں میں مستعمل ہے، استعمال کرتے رہے اور 14 اپریل 1894ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے انگریزی طرز پر اپنے نام کو ایم اے جناح کے طور پر تمام عمر کے لیے اپنایا۔''

ان کتب میں صرف ایک کتاب ہے جس پر آپ نے نوٹ تحریر کیا ہے۔ کتاب کا نام ہے۔

Walter Scott: Old mortality Brighton standford.

اور اس کتاب پر نوٹ حسب ذیل ہے:

This book is mine till I am dead. Steel not for fear of shame So here's owner name.

M.A Jinnah

اس نوٹ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح نے انگریزی طرز پر نام جون 1895ء کے بعد اپنایا۔

مجموعہ کتب میں قائداعظم محمد علی جناح کی دستخط شدہ کتاب جو سب سے آخری ہے وہ حسب ذیل ہے۔

Liaquat Ali Khan
Resolution of All India Muslim League

مجموعہ کتب کے جائزے سے دوسری بات جو معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ کچھ کتابیں مصنفین اور ناشرین نے آپ کو تحفہ میں پیش کیں اور کچھ آپ کے دوستوں اور مداحوں نے، ایسی کتابوں کی تعداد جن پر پیش کرنے والوں کے نام تحریر ہیں وہ 128 ہیں۔

الائس مینل کا مجموعہ کلام آپ کو مسز سروجنی نائیڈو نے پیش کیا۔ اس پر مسز سروجنی نائیڈو کا تحریر کیا ہوا حسب ذیل نوٹ ہے:

To
M.A Jinnah from his friend and comrade Sarojni Naidu in remembrance of 28th June 1913 London, Indian Association.

قائداعظم محمد علی جناح اپریل 1913ء میں ہندو لیڈر گوپال کرشن گوکھلے کے ہمراہ تفریح کے لیے لندن گئے تھے۔ وہاں پر آپ نے کرشن گوپال گوکھلے اور مسز سروجنی نائیڈو کے ساتھ مل کر انڈین ایسوسی ایشن قائم کی، اور 28 جون 1913ء کو کنگز ہال لندن میں ایک یادگار تقریر کی۔ مسز سروجنی نائیڈو نے اسی تقریر کا خصوصی حوالہ دیتے ہوئے کتاب کو تحفتاً پیش کیا۔

دوسرے لوگوں نے جو دستخط شدہ کتب قائداعظم محمد علی جناح کو پیش کیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

- مہارانا سراودے بھان جی
- سرشاہنواز خان آف ممدوٹ
- سلطان جہاں بیگم نواب آف بھوپال

اس مجموعہ کتب میں چند کتب مادرملت محترمہ فاطمہ جناح کی بھی ہیں اور چند آپ کی اہلیہ رتی بائی جناح اور بیٹی دینا کی ہیں۔

اپنی کتاب میں ہیکٹر بولائتھو رقمطراز ہے:

''ظاہری طور پر جناح کو ادب، آرٹ اور تاریخ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی ان کا ذہن ماضی کی طرف راغب نہیں ہوتا تھا، اور لندن میں ان کی دلچسپیاں صرف لنکنز ان کے لیکچرز اور پارلیمنٹ کی تقاریر تک ہی محدود تھیں۔''

یہ صحیح نہیں ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ذخیرہ کتب سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، اور لندن کے قیام کے دوران حسب ذیل کتب انہوں نے خریدیں، حالانکہ وہ تعلیم قانون کی حاصل کر رہے تھے۔

1. Peoms of Elizabeth Barret London. Routledge, 1893.
2. The Life and Workes of Lord Byron. London, Fullarton

قائداعظم محمد علی جناح کو تاریخ سے بھی عدم دلچسپی نہ تھی بلکہ تاریخ یہ بھی آپ کا پسندیدہ مضمون تھا اور حسب ذیل کتب انہوں نے اپنے لندن کے دوران قیام 1892ء سے 1896ء تک خریدیں اور ان کا مطالعہ کیا۔

1. Lord Macaulay & The history of England from the accession of James the Second. London, Longman, 1889, 8 volumes.
2. Edward Gibbon: The decline and fall of Roman Empire London. Fredrick, 1895.
3. Geroge Cos: The crusdes, London Longman, 1889.
4. J.R. Seeley: Expansion of England, London, Macmillan 1895.
5. F.A. Mignet: History of French Revoluetion from 1789 to 1814.. London, George Bell. 1894.

قائداعظم محمد علی جناح نے قانون کی کتب کے علاوہ جوان کا پیشہ تھا دیگر علوم کی بھی کتب جمع کیں۔ جس سے آپ کے علم سے دلچسپی کا شوق ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کے پاس قریب قریب ہر مضمون پر کتب موجود تھیں۔ آپ کا ادب کا شوق نہایت اعلیٰ تھا اور لٹریچر کے معیاری مجموعے جن میں شیکسپیئر، بائرن، ٹینی سن، ورڈز ورتھ کے مکمل ورکس تھے۔ رباعیات عمر خیام، سعدی شیرازی کی گلستان و بوستان، رابندر ناتھ ٹیگور کی گیتا نجلی کے انگریزی کے تراجم آپ کے ذخیرہ کتب میں شامل ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح کو مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ سے والہانہ محبت تھی اور اسلامی کتب کی خرید کا 1900ء سے پہلے ثبوت ملتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح اپنی ابتدائی زندگی میں نپولین بوناپارٹ سے بھی بے حد متاثر تھے۔ آپ کے پاس نپولین کی سوانح حیات پر تین کتب موجود ہیں۔ جو قائداعظم محمد علی جناح نے 1905ء سے پہلے حاصل کیں اور ان میں سے دو پر آپ کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اپنی حاصل کی ہوئی کتب کو ہمیشہ احتیاط سے اپنے پاس محفوظ رکھا اور اپنے عہد کو جو آپ نے 1895ء میں کیا تھا عمر بھر نبھایا:

This Books is mine
Till I am dead
M.A. Jinnah
10th September 1895.

لائل پور (فیصل آباد)

17 نومبر 1942 کو قائداعظم محمد علی جناح میاں عبدالباری ضلعی صدر اور جنرل سیکرٹری عزیز الدین کی دعوت پر بذریعہ ریل لاہور سے لائل پور (فیصل آباد) روانہ ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے ہمراہ نواب افتخار حسین ممدوٹ، آغا جان محمد بیرسٹر راولپنڈی، مولانا عبدالستار خان نیازی، سید بہاؤالدین گیلانی بٹالہ، خواجہ ناظم الدین بنگال، مولانا عبدالحامد بدایونی، جمال میاں فرنگی محلی، میاں امیر الدین، میاں عبدالکریم سوداگر چرم اور خواجہ عبدالغنی بھی تھے۔ جب گاڑی شیخوپورہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچی تو ظہیر نیاز بیگی نے ریلوے اسٹیشن پر قائداعظم محمد علی جناح کا استقبال کیا۔ شیخوپورہ کے اسٹیشن پر قائداعظم محمد علی جناح کو تھیلی پیش کرنے کے علاوہ لنچ بھی دیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح جب وہاں سے لائل پور پہنچے تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اب پاکستان کی منزل دور نہیں۔''

ریلوے اسٹیشن سے قائداعظم محمد علی جناح اور خواجہ ناظم الدین کا ڈیڑھ میل لمبا جلوس نکالا گیا۔ جلوس ریلوے اسٹیشن سے ریل بازار اور بھوانہ بازار سے گزرتے ہوئے عیدگاہ باغ میں ختم ہوا۔

قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں میونسپل کمیٹی لائل پور کرسچیئن ایسوسی ایشن اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے سپاس نامے پیش کیے۔ میاں عبدالباری صدر مجلس استقبالیہ اور خواجہ ناظم الدین صدر کانفرنس نے اپنے طویل مگر پر از معلومات خطبے پڑھے۔ خلیق قریشی نے قائداعظم محمد علی جناح کا خیر مقدم کرتے ہوئی یہ نظم پڑھی:

ملت کا خضر راہ محمد علی جناح
بے تاج بادشاہ محمد علی جناح
جو رک نہ سکا کفر کے کوہ مہیب سے
وہ سیل بے پناہ محمد علی جناح
گرداب سے وہ قوم کی کشتی نکال کر
لایا لب مراد پہ ہے دیکھ بھال کر
ملت کی آرزو کا ستارا وہی تو ہے
اسلامیوں کی آنکھ کا تارا وہی تو ہے
جس کے اک اک اشارے پر ہوں جاں نثار
محبوب دل نواز دل آرا وہی تو ہے
اسلامیوں کو جس نے دیا زندگی کا درس
جرأت کا اور تہور و مردانگی کا درس
دانش میں بے نظیر فراست میں باکمال
بینش میں بے مثال سیاست میں باکمال
وہ رہبر وہ قائداعظم وہ رہنما
وہ قائد جہاں، وہ قیادت میں باکمال
لاریب وہ ہے فضل خدا سے ادا شناس
وہ ماسوا شناس بھی ہے اور خدا شناس

آخر میں سر سکندر حیات خان وزیراعظم پنجاب نے بھی تقریر کی۔ 18 نومبر دوپہر کو خواتین کا جلسہ زیر صدارت محترمہ فاطمہ جناح منعقد ہوا۔ شام 5 بجے معززین لائل پور نے چائے کی دعوت دی۔ سردار بہادر دل باغ سنگھ نے لائل پور کے عوام کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ 19 نومبر کو آخری اجلاس ہوا اور آخر میں قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''اب پاکستان کے سوال کو لو۔ یہ سوال بالکل واضح ہے۔ بچہ بچہ جانتا ہے کہ پاکستان کیا ہے۔ میں آپ کو سی پی کا ایک قصہ سناتا ہوں۔ بارہ سال کا ایک بچہ پاکستان کا نعرہ لگا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ پاکستان کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہماری حکومت۔ میں

نے اس سے پوچھا کہ حکومت کہاں قائم کرو گے؟ اس نے کہا بنگال، پنجاب، سندھ اور سرحد میں۔ میں نے پوچھا وہاں کیوں اپنے صوبے میں یہ حکومت قائم کیوں نہیں کرتے۔ وہ کچھ گھبرایا مگر دو منٹ بعد اس میں ہمت آ گئی اور اس نے کہا کہ اس لیے کہ وہاں ہماری اکثریت ہے۔ میں کہتا ہوں جب بچے سمجھتے ہیں کہ پاکستان کیا ہے تو یہ بڑے بڑے ہندو اور بڑے بڑے اخبار کیوں جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھتے کہ پاکستان کیا ہے؟ مگر وہ سمجھنا نہیں چاہتے وہ چال چلتے ہیں۔ یہ فریب بازی اس لیے ہے کہ مسلمانوں کو کسی طرح پھندے میں پھنسایا جا سکے۔''

یہ کانفرنس ہر لحاظ سے غیر معمولی طور پر کامیاب رہی۔

سپاسناموں کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں اب پاکستان کو معرض وجود میں آتے ہوئے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پاکستان اب ایک ٹھوس حقیقت بن چکا ہے۔ یہ پرچم سبز ٹکڑے کا نہیں بلکہ پاکستان کی امنگوں اور تمناؤں کا نقیب ہے۔ پاکستان بن کر رہے گا اور لائل پور اس کا عظیم شہر ہوگا۔''

اس اجلاس میں ایک لاکھ افراد نے شرکت کی۔ قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں باشندگان ضلع نے گیارہ ہزار روپے کی تھیلیاں پیش کیں۔

(قائداعظم اور لائل پور، از: ڈاکٹر معین الرحمٰن)

وِنڈلیس، سر جارج

بمبئی میں مقیم ایک انگریز بیرسٹر تھے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ بڑا تعاون کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے بارے میں فرمایا تھا:

''میں انہیں اپنے باپ کے برابر سمجھتا ہوں، اور وہ بھی مجھ سے بیٹے کا سا سلوک کرتے تھے۔ جب وہ حکومت ہند کے لاء ممبر کی حیثیت سے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں شامل ہو گئے تو میں نے ان کی شدید مخالفت کی۔ بایں ہمہ ہماری دوستی آج تک قائم ہے۔ پنڈت موتی لال اور میں لیجسلیٹو اسمبلی میں خونخوار بلیوں کی طرح لڑتے تھے۔ مگر اس گرما گرمی کے بعد وہ میری بیوی اور میری جانب سے رات کے کھانے پر مدعو ہوتے۔ سیاسی اختلافات کے باوجود میرے دل میں کسی کے لیے بغض و کینہ نہ تھا۔''

(قائداعظم جناح ص 40، از جی الانہ، مطبوعہ فیروز سنز لاہور)

لائق علی، میر

وہ حیدرآباد دکن کے وزیراعظم تھے۔

25 ستمبر 1947ء کو جب حکومت ہند نے اعلان کیا کہ وہ کاٹھیاواڑ کی ریاستوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دے گی اور وہاں ایک بریگیڈ فوج بھی بھیج دی۔ انہی ایام میں حیدرآباد دکن کے وزیراعظم میر لائق علی لاہور آئے اور انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھ علالت کے باوجود تین گھنٹے تک مذاکرات کیے۔

بات چیت میں حیدرآباد کے سیاسی مسائل کے علاوہ برعظیم کے عمومی مسائل بھی زیر بحث آئے۔ اس طویل ملاقات اور بحث مباحثے نے قائداعظم محمد علی جناح کو اس قدر کمزور کر دیا کہ ان کے ٹمپریچر میں اضافہ ہو گیا اور وہ کئی روز تک خود کو نہ سنبھال سکے۔

(بحوالہ ملت کا پاسباں کرم حیدری)

میر لائق علی حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مانچسٹر یونیورسٹی سے بی ایس سی آنرز میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ 13 سال تک انجینئرنگ کے شعبے سے

وابستہ رہے۔ 1943ء میں ہندوستان کی سیاست میں دلچسپی لینے لگے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے بڑے قریب تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کی اقتصادی ترقی کے لیے جو جائزہ کمیٹی مقرر کی تھی وہ اس کے رکن تھے۔

قیام پاکستان کے بعد آزاد حیدر آباد دکن کے وزیراعظم تھے۔ 1948ء میں جب بھارت نے حیدر آباد دکن پر قبضہ کیا تو انہیں گرفتار کرلیا گیا، لیکن وہ کسی طرح بھاگ کر پاکستان چلے آئے۔ یہاں آ کر انہوں نے سات سال دفاعی امور کے مشیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ 1951ء سے 1971ء کا زمانہ انہوں نے خاموشی سے گزارا اور اس دوران ٹریجڈی آف حیدر آباد نامی کتاب لکھی۔

پاکستان آنے کے بعد انہوں نے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے ایک ٹرسٹ بھی قائم کیا۔

23 اکتوبر 1971ء کو نیویارک میں انتقال کیا، لیکن جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

لباس

قائداعظم محمد علی جناح بڑے خوش پوش تھے۔ اس ضمن میں 11 ستمبر 1964ء کے نوائے وقت لاہور میں محمد الیاس مسعود لکھتے ہیں:

> ’’لباس کے معاملہ میں قائداعظم کی پسند اتنی بلند تھی کہ اس کا مقابلہ ہزاروں میں سے ایک آدمی ہی کر سکتا تھا۔ آپ جو بھی لباس زیب تن کرتے وہ اتنا مکمل اور اعلیٰ ہوتا کہ اس میں کوئی بھی آدمی آداب لباس کے اعتبار سے نقص نہ نکال سکتا تھا۔ ہم سب جانتے ہیں کہ قائداعظم عموماً انگریزی لباس زیب تن کرتے تھے، لیکن جب اچکن، چست پاجامہ، ٹوپی اور سلیم شاہی جوتا پہنتے تھے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے انہوں نے کبھی کوئی اور لباس پہنا ہی نہیں۔‘‘

1944ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے شلوار پہلی مرتبہ ممدوٹ ولا لاہور میں پہنی تھی۔ یہ شلواریں لاہور کی ایک مشہور فرم نے تیار کروائی تھیں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے جب شلوار پہنی تو ممدوٹ ولا کے مغربی برآمدے میں آئے اور وہ بڑے خوش تھے۔ شلوار پہن کر انہوں نے چست پاجامہ کی گھٹن اور پتلون کے بوجھ سے نجات محسوس کی تو بہت خوش ہوئے فرمایا:

> ’’یہ بہت ہلکی ہے اور ہوا دار ہونے کے ساتھ ساتھ آرام دہ بھی ہے۔‘‘

اس کے بعد اپنی وفات تک قائداعظم محمد علی جناح نے شلوار ہی پہنی۔

قائداعظم محمد علی جناح اپنے لباس کے بارے میں Conscious تھے۔ وہ لندن میں رہ کر آئے تھے۔ اس لیے زیادہ تر انگریزی لباس (تھری پیس سوٹ، پینٹ کوٹ) استعمال کرتے تھے۔ بعد میں قائداعظم محمد علی جناح نے شلوار، شیروانی اور پمپ شو استعمال کرنا شروع کردیا۔

قیام پاکستان کے بعد وہ شلوار اور شیروانی استعمال کرتے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح ابتدا میں فیلٹ ہیٹ، سولا ہیٹ استعمال کرتے تھے، پھر انہوں نے ترکی ٹوپی اور پھر قراقلی یعنی جناح کیپ کا استعمال کرنا شروع کردیا۔ سردیوں میں سامبر اور سوئیڈ کے جوتے استعمال کرتے تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح مہینے میں ایک بار بال کٹواتے۔ قائداعظم محمد علی جناح کے پاس شیو بنانے کے لیے اپنے سات استرے تھے۔ ایک استرے کی باری ہفتے میں ایک بار آتی تھی۔ قائداعظم محمد علی جناح ہر روز صبح ساڑھے سات بجے شیو بنواتے۔ ایک بار ان کے ہیئر ڈریسر اسلام سلمانی جب پانچ منٹ دیر سے پہنچے تو قائداعظم محمد علی جناح نے شیو بنوانے سے انکار کردیا اور کہا:

''اگر میں شیو بنواتا ہوں تو تمام دن کے پروگرام پر اثر پڑے گا۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی شخصیت، لباس، ہیئر سٹائل ہر چیز متاثر کن تھی۔ نہ صرف عورتیں بلکہ سب ہی ان کے لباس اور شخصیت کے سحر میں مبتلا تھے۔ وہ نہایت خوش لباس شخص تھے۔

راجہ امیر احمد خان قائداعظم محمد علی جناح کی خوش لباسی کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

''شادی کے بعد قائداعظم تیز چمکدار آنکھوں کے ساتھ اپنے شاندار لباس میں ملبوس رہتے، جیسے بکنگھم کے اندر رہنے والا لارڈ ہو۔''

راجگو پال اچاریہ قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں کہتا ہے:

''وہ ایشیا کی اہم ترین شخصیت ایک مسٹر سڑسٹھ سالہ، دراز قد، کمزور جسم اور خوش پوش مرد ہیں، سفید ڈروی فیس بند ما ایک آنکھ کا چشمہ لگا تا ہے اور گرم ترین موسم میں بھی کھڑا کالر پہنتا ہے۔''

لبرل کانسٹی ٹیوشنل پارٹی

مصر کی سیاسی جماعت جس نے 19 دسمبر 1946ء کو قائداعظم محمد علی جناح کے اعزاز میں عصرانہ دیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمارے لیے پاکستان زندگی اور موت کا سوال بن چکا ہے اور اگر آپ اپنے گھروں میں آزاد رہنا چاہتے ہیں تو آپ کو چاہئے کہ آپ ہماری امداد کریں۔

ہندو ایمپائر کا مطلب صرف ہندوستان ہی میں اسلام کا خاتمہ نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے مسلمان ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ اگر ہم ڈوب گئے تو سب ڈوب جائیں گے۔''

مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینین اور لبرل کانسٹی ٹیوشنل پارٹی کے سیکرٹری جنرل ایاز پاشا قائداعظم محمد علی جناح کی اس تقریر سے بے حد متاثر ہوئے۔

لٹل گبز روڈ

بمبئی میں جب قائداعظم محمد علی جناح نے ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر اپنی نئی کوٹھی تعمیر کرائی تو انہوں نے پرانا بنگلہ منہدم کرا دیا۔ اور اس کی جگہ نئی کوٹھی بنوائی۔ اس دوران قائداعظم محمد علی جناح لٹل گبز روڈ پر ایک مکان میں مقیم رہے۔ لٹل گبز روڈ پر اب یہ مکان نہیں رہا۔

لٹل گو

قائداعظم محمد علی جناح کے تمام سوانح نگاروں نے قائداعظم محمد علی جناح کے لنکنز ان میں داخلے سے قبل لٹل گو کا امتحان پاس کرنے کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ غلط ہے محقق قائداعظم محمد علی جناح رضوان احمد رقمطراز ہیں:

''ہر بڑی لغت میں اس اصطلاح کے معنی آکسفورڈ یونیورسٹی کے بی اے کے داخلے کا امتحان ہے اور آج بھی اس معنی میں مستعمل ہے۔''

(دیکھئے: لنکنز ان میں داخلہ)

لڑکپن کا خواب

(دیکھئے: ہندو غلبہ)

لقمان جی، ابراہیم جی

وہ کراچی کے مشہور تاجر اور بوہرہ فرقہ کے رہنما تھے۔ لقمان جی ابراہیم جی نے قائداعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پاکستان کے کرنسی نوٹوں کے نمونے چھاپ کر پیش کیے تھے۔ لقمان جی ابراہیم جی 1897ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے

پرنٹنگ کے کاروبار کو فروغ دیا۔ انہوں نے تقسیم سے قبل بمبئی میں سب سے بڑا پرنٹنگ پریس قائم کر کے شہرت حاصل کی۔ اسی پریس میں انہوں نے پاکستان کے کرنسی نوٹوں کے نمونے بھی چھاپ کر پیش کئے تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے ان کو پاکستان میں سیکورٹی پرنٹنگ پریس قائم کرنے کی دعوت دی تھی، لیکن وہ پاکستان میں جلد نہ آ سکے۔ بعد میں انہوں نے پاکستان میں ہیرلڈ پبلی کیشنز کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی۔

تقسیم کے وقت انہوں نے گودھرا کے ہندو مسلم فسادات میں ہزاروں مسلمانوں کی جان بچائی۔

3 مئی 1966ء کو کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔

لکھنؤ (معاہدہ)

قائداعظم محمد علی جناح کی کوششوں سے 1916ء میں مسلم لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح دو روز قبل اجلاس میں شرکت کے لیے بمبئی سے یہاں آئے۔ مشترکہ اجلاس اے سی موجمدار کی صدارت میں منعقد ہوا اس اجلاس میں پہلی مرتبہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے جداگانہ انتخابات کے مطالبہ کو تسلیم کیا۔

لکھنؤ کا یہ اجلاس اس اعتبار سے اہم تھا کہ اس میں صوبائی خود مختاری اور مرکزی اور صوبائی مجالس قانون ساز کے 80 فیصد ارکان منتخب کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یہ بھی طے پایا کہ بعض شرائط کے تحت انتظامیہ مجلس قانون ساز کے سامنے جواب دہ ہوگی۔ یہ تحفظ قبول کیا گیا کہ مسودہ قانون یا قرارداد کا اطلاق کسی ایک فرقہ پر نہیں ہوگا۔ اگر اس فرقے کے تین چوتھائی ارکان اس کی مخالفت کریں گے تو اسے منظور کرنے کے لیے کارروائی نہیں کی جائے گی۔ اس سمجھوتہ میں مرکزی حکومت میں مسلم منتخب ارکان کا تناسب 33-1/3 فیصد مقرر کیا گیا۔

پنجاب اور بنگال میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ان کی نمائندگی کا تناسب علی الترتیب 50 فیصد اور 40 فیصد قرار دیا گیا۔ بمبئی، صوبجات، بہار، 30، 25 اور 15 مقرر کیا گیا پنجاب اور بنگال کو ان کی مسلم اکثریت کے استحقاق سے کم نمائندگی دی گئی، البتہ دوسرے صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے وہاں کی آبادی میں تناسب سے زیادہ نمائندگی دی گئی۔ مسلم اہل قلم حضرات نے اس سمجھوتے پر اعتراض کیا:

> ''مسلمان جن صوبوں میں اقلیت میں تھے، وہاں آبادی کے تناسب سے قدرے زیادہ نمائندگی مل جانے سے ان کے لیے کوئی خاص فرق نہ پڑا۔''

لیکن پنجاب اور بنگال میں وہ اپنی اکثریت سے محروم ہوگئے۔ اس منصوبے کی بہرحال یہ بڑی خوبی تھی کہ آئینی مسائل پر ایک ایسا سمجھوتہ طے پا گیا جس پر ہندو اور مسلمان دونوں قومیں متفق تھیں۔

لکھنؤ کے اس اجلاس میں لیفٹیننٹ گورنر سر جیمس مسٹن نے بھی شرکت کی، لیکن اس کے باوجود حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی گئی۔ ایک قرارداد کے ذریعے مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام کی نظر بندی پر افسوس کا اظہار کیا گیا، اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ بلا وجہ اور بغیر مقدمات کے نظر بند کیے جانے والے تمام رہنماؤں کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔

مسلم لیگ اور کانگریس کے اس اجلاس لکھنؤ میں قائداعظم محمد علی جناح نے جو خطبہ دیا اس میں انہوں نے فرمایا:

> ''اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے آج بھی وقت کی نبض پر ہاتھ نہیں رکھا اور اس نئی زندگی سے پورا فائدہ نہیں اٹھایا اور ملک کی آواز پر کان نہیں دھرے تو وہ اپنی گزشتہ روایات سے غداری کے مجرم ہوں گے۔ اب ہمیں ہندوستان کی تعمیر نو کا بیڑہ اٹھانا ہے۔ ہم

سب کی پہلی اور آخری منزل ہندوستان ہے جلد یا بدیر ہندوستانی ضرور حکومت خود اختیاری حاصل کرکے رہیں گے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس راہ میں حائل نہیں ہوسکتی اور یہ ایک اٹل بات ہے کہ انگریزی تدبر اتنا دیوالیہ نہیں ہوا ہے کہ وہ سیاسی بصیرت کھو بیٹھا ہو۔اسی لیے وہ مجبور ہوگا کہ ہندوستانی نظام حکومت میں خاطر خواہ تبدیلی کرلے:

ہندوستان کے انگریزی عمال حکومت قدرتی طور پر قدامت پسند ہیں اور انتظامی تغیرات وسیاسی تجربات کو بہت خطرناک سمجھتے ہیں اور ہندوستانیوں کو انتظام حکومت میں حصہ دینے سے گھبراتے ہیں اپنے اختیارات میں کمی پسند نہیں کرتے ہیں، لیکن ہندوستان کی پراعتماد اور بے چین آوازیں ان کو پریشان کردیتی ہیں مگر زیادہ دیر تک ایسا ممکن نہیں کیونکہ اس طرح طبقاتی جنگ کا خطرہ بڑھتا جارہا ہے۔ یہ کہنا جمہوری مجالس مشرق میں بارآور نہیں ہوسکتا۔قطعی غلط ہے۔ اسلامی تعلیمات کی درخشندہ روایات اور ادبیات اس امر پر شاہد ہیں کہ دنیا کی کوئی قوم جمہوریت میں مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی جو اپنے مذہب میں بھی جمہوری نقطہ نگاہ رکھتے ہیں۔ ہم اس بات کا عہد کرچکے ہیں کہ ہم برطانوی حکومت پر یہ ثابت کردیں گے کہ ہم برطانوی سلطنت میں ایک مساوی شریک کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہندوستان اس سے کسی کم رویے پر راضی نہیں ہوگا۔''

قائداعظم محمد علی جناح کی یہ تقریر 7373 الفاظ پر مشتمل تھی۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس 15 تا 18 اکتوبر 1937ء لکھنؤ میں قائداعظم محمد علی جناح کی صدارت میں منعقد ہوا۔ یہ اس اعتبار سے اہم تھا کہ اس میں پنجاب، بنگال اور آسام کے وزرائے اعلیٰ نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا۔ اس اجلاس میں مسلم لیگ کا پرچم بھی بلند کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پہلی بار وہ ٹوپی پہنی جو بعدازاں جناح کیپ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اجلاس میں صوبائی اسمبلیوں کے اندر مسلم لیگ اسمبلی پارٹیاں قائم کرنے کا جو فیصلہ کیا گیا۔ مولانا ظفر علی خان نے اس اجلاس میں ولولہ انگیز نظم پڑھی۔ اس اجلاس میں دو ہزار مندوبین نے شرکت کی۔ مندوبین نے بندے ماترم کی مذمت کی۔

کانگریس نے چھ صوبوں میں اقتدار قبول کرنے کے بعد اپنے پروگرام سے ثابت کردیا مسلمان اس سے انصاف کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ مسلم لیگ کے اس تاریخی اجلاس میں 15 قراردادیں منظور کی گئیں۔ پہلی قرارداد میں ڈاکٹر انصاری، سرراس مسعود، سرفضل حسین، خان بہادر مسعود الحسن اور شیخ محمد علی کے لیے اظہار تعزیت کیا گیا۔

لکھنؤ جنوب مغربی اتر پردیش کا مشہور شہر ہے۔ اس کی آبادی دس لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔

یہ ہندوستان کا بہت بڑا تعلیمی مرکز ہے۔ یہاں سوتی کپڑا چاندی، تانبے اور پیتل کے اوزار اور گلی ظروف بنتے ہیں۔ یہاں پر آصف الدولہ کے امام بارگاہ کے علاوہ شاہی دور کی عماریاتی باقیات نچلے درجے کی ہیں۔ جنگ آزادی کے دوران میں انگریزی آبادی کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

للو بھائی لاء کالج یونین (بمبئی)

17 جنوری 1945ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے احمد آباد میں سرللو بھائی لاء کالج یونین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''قانون کے پیشے میں کامیابی صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو وضع دار، محنتی اور مستقل مزاج

ہوتے ہیں۔ وکیل کی حیثیت سے نامزد ہونے کے تین سال تک مجھے مقدمے میں بالخصوص کسی وکیل کے ساتھ کام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا، پھر انگریزوں کی اکثریت تھی اور بالخصوص سالسٹر کے رواج کی وجہ سے انہوں نے اسے ایک مضبوط قلعہ بنالیا تھا۔اس لیے کسی ہندوستانی کے لیے اس قلعہ کو توڑنا مشکل تھا۔''

لندن آمد

جنوری 1893ء میں محمد علی جناح لندن روانہ ہوگئے۔اس سفر میں نہ کوئی اتالیق ان کے ہمراہ تھا نہ خادم، البتہ ایک بوڑھا انگریز ان کی ذہانت اور حاضر جوابی سے متاثر ہوکر دوست بن گیا اور انہیں اپنا بیٹا بنالیا۔ مارسیلز میں اترتے وقت وہ اس مہم جو نوجوان کو لندن میں اپنی قیام گاہ کا ایڈریس دے گیا۔ اگلے چار سالوں کے دوران وہ جب بھی لندن آتا۔محمد علی جناح کو بڑے خلوص سے اپنے پاس بلاتا اور ان کی دعوت کرتا۔

ساؤتھ مپٹن کی بندرگاہ پر اترنے کے بعد نوجوان جناح کشتی کے ذریعے وکٹوریہ اسٹیشن اور پھر اپنی منزل مقصود پر پہنچے انہوں نے بعد میں بتایا:

''کئی ماہ تک انگلینڈ مجھے عجیب سا ملک لگا اور بڑا اجنبی ماحول محسوس ہوا۔ میں وہاں کسی ذی نفس کو نہیں جانتا تھا۔لندن کی دھند، کہر اور سردی نے الگ ناک میں دم کردیا۔''

گراہم کمپنی کے دفتر میں وہ ایک چھوٹے سے ڈیسک پر بیٹھ جاتے، ان کے چاروں اطراف حسابات کے رجسٹر بکھرے ہوتے۔ ان کا کام یہ تھا کہ ان رجسٹروں میں سے رقوم نقل کرکے بقایا جات معلوم کریں۔ بظاہر یہ ایک مشکل اور ان کی طبیعت کے خلاف کام تھا، کیونکہ ریاضی کے ساتھ انہیں کبھی بھی لگاؤ نہیں رہا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے پورے انہماک سے اپنا فرض ادا کیا۔

ایجنسی کا دفتر لندن کی تھریڈ نیڈل سٹریٹ کے قریب واقع تھا، جو تاریخی گلڈ ہال بنک آف انگلینڈ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرانے دفاتر سے تھوڑے فاصلے پر دریائے ٹیمز کے کنارے ایک پرفضا جگہ میں تھا۔ان کے قریب ہی لیڈن ہال سٹریٹ تھی نوجوان جناح نہ اپنے پاس ڈائری رکھتے تھے نہ انہیں اپنی یادداشتیں قلم بند کرنے کا شوق تھا۔

لندن ٹائمز

قائداعظم محمد علی جناح کی وفات پر دنیا کے عظیم ترین اخبار نے ان الفاظ میں انہیں خراج عقیدت پیش کیا:

''قائداعظم نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ پیش کر کے اپنے اس دعوے کو ثابت کردیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ان میں وہ ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریز کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصا ہے۔ ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت واضح اور شفاف ہوتے تھے۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں جیسی حیلہ سازی نہ تھی بلکہ وہ جس نقطہ نظر کو اپنا ہدف بناتے تھے، اس پر براہ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے۔وہ ایک ناقابل تسخیر حریف تھے۔''

لندن کانفرنس

آئین ساز اسمبلی کی تمام جماعتوں کا تعاون حاصل کرنے کی غرض سے برطانوی حکومت نے لندن میں ایک کانفرنس طلب کی جس کا اجلاس 2 دسمبر 1946ء کو ہوا۔ اس کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح کے علاوہ جواہر لال نہرو، نواب زادہ لیاقت علی خان، سردار بلدیو سنگھ سمیت دیگر ہندوستانی شریک ہوئے۔

لارڈ ویول بھی اس کانفرنس میں جو چار روز تک جاری رہی

موجود تھے۔

لندن میں ترکوں کی حمایت

عالم اسلام سے قائداعظم محمد علی جناح خوشگوار تعلقات قائم رکھنے کے خواہش مند تھے۔ انہوں نے آزادی سے پہلے بھی اسلام دشمن تحریکوں کی ہمیشہ مذمت کی۔ تحریک خلافت کے دنوں میں وہ لندن میں تھے۔ 23 جون 1921ء کو انہوں نے برطانوی حکومت کی پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے ترکوں کی حمایت میں کہا:

''آج ایک مسلمان کے احساسات کیا ہوسکتے ہیں، وہ دیکھ رہا ہے کہ ترکوں کا وطن عزیز یونان کے حوالے کیا جارہا ہے، اور استنبول کو برطانیہ اور اس کے اتحادیوں نے اپنی توپوں کی چھاؤں میں خود اپنے تحفظ کے لیے گروی رکھ لیا ہوا ہے۔ ایسے میں ایک مسلمان کے احساسات کیا ہوسکتے ہیں۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ اب انگریزوں کو ہندوستان کے مسلمانوں کی ہمدردیاں کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکیں۔''

لندن میں تقریر

قیام لندن کے دوران میں ایک پریس کانفرنس سے قائداعظم محمد علی جناح کا خطاب!

14 دسمبر کو لندن میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے تفصیلی طور پر یہ بتایا کہ کس طرح وزارتی مشن اور برطانوی گورنمنٹ نے مسلم لیگ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ دوران گفتگو میں اس کی وقعت کو گرانا چاہا، پاکستان کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی اس کو مٹانے کی پوری کوشش کی۔

جب آپ سے ایک پریس کے نمائندے نے سوال کیا:

''پاکستان سے مراد مکمل آزادی ہے۔''

آپ نے جواب میں کہا:

''پھر ہم کس لیے لڑ رہے ہیں۔ مکمل آزادی کا ہی دوسرا نام پاکستان ہے۔''

ایک دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا:

''اگر فیڈرل کورٹ برطانوی حکومت کے 6 دسمبر والے بیان کے خلاف فیصلہ دے دے تو ملک معظم کی حکومت کیا رویہ اختیار کرے گی۔ کیا برطانوی حکومت فیڈرل کورٹ کے فیصلہ کے مطابق عمل کرے گی۔ میں کہتا ہوں ایسے حالات میں مسلم لیگ کسی طرح بھی نمائندہ اسمبلی میں شریک نہ ہوگی۔''

ایک جرنلسٹ کے سوال پر کہ آخر لیگ فیڈرل کورٹ سے فیصلہ لینے کے کیوں خلاف ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

''کسی قوم کی قسمت کا فیصلہ عدالت نہیں کرتی۔ دُنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں۔ فیڈرل کورٹ کا بار بار سوال اُٹھانا بے کار ضد ہے۔ گروپنگ کا سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے، بلکہ یہ تو ساری اسکیم کی جڑ ہے۔ خود وزارتی مشن جو اس کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر کسی کے دل میں اب بھی شک ہے تو میں صاف صاف الفاظ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس قسم کے سوال پر کسی کورٹ کا فیصلہ ماننے کو تیار نہیں۔''

ایک اور رپورٹر نے سوال کیا کہ اگر کانگریس نے برطانوی تجاویز کو قبول کرلیا تو مسلم لیگ اسمبلی میں شریک ہو جائے گی تو کیا ایسی حالت میں مسلم لیگ کانفرنس سے متفق ہو جائے گی کہ نمائندہ اسمبلی ایک آزاد جمہوری ادارہ ہے جس میں باہر کی طاقت کو کوئی دخل نہیں ہوگا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے سوال کے پہلے حصہ کے جواب میں کہا:

"اگر کانگریس برطانوی حکومت کے 6 دسمبر والے بیان کو بغیر کسی اگر مگر کے تسلیم کرے تو وہ فوراً نئی دہلی میں اپنی کونسل کا جلسہ طلب کرلیں گے لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ کونسل کا فیصلہ نمائندہ اسمبلی میں شریک ہونے کے متعلق کیا ہوگا۔"

سوال کے آخری حصہ کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح نے صحافی کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے یہ سوال کر کے کافی اہم معاملہ پیش کر دیا۔انہوں نے کہا:

"اس کا جواب کانگریس کا آئندہ طرزِ عمل دے گا۔ لیکن جس جمہوریت کا راگ اکثر گایا جاتا ہے۔اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس مجلس آئین ساز میں کانگریس کے 292 ممبر ہیں شاید دو ایک کم شریک ہوں۔ وہاں مسلمانوں کی گنتی صرف 75 ہے، ہندو اور مسلمان کے درمیان کوئی جمہوریت نہیں بن سکتی۔ وہاں تو ایک قوم کے مشترکہ مطالبہ کو بھی ٹھکرا دیا جاسکتا ہے اور محض اس بنا پر کہ اس کے نمائندے 79 ہیں اور کانگریس کے 292۔

مسلمان ہرگز نمائندہ اسمبلی میں کسی بیرونی طاقت کا دباؤ نہیں چاہتے، بلکہ وہ تو اسکیم کو بنیادی طور سے اس طرح عمل میں لانا چاہتے ہیں۔ جس سے ایک قوم دوسری قوم کی دست بُرد سے محفوظ ہوجائے۔

لیکن ایک طرف اسمبلی کی خودمختاری کا دعویٰ کرنا اور دوسری طرف مسلمانوں کو نظر انداز کرنا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک خطرناک حرکت ہے۔

کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ دنیا کے کسی قطعہٴ زمین میں کوئی آئین کامیاب ہوگیا ہو۔ جب تک کہ اس کو ملک کے بڑے بڑے طبقوں کی تائید حاصل نہ ہوئی ہو۔ مشین بھی اس وقت تک ٹھیک کام نہیں کرتی جب تک کاری گروں کی پوری ہمدردی اور اشتراک عمل نہ ہو۔

یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان اکثریت کے خلاف ویٹو استعمال کرتے ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ اکثریت سے کیا مراد ہے؟ اگر اکثریت کا مطلب ہندو ہیں تو انہیں کون اپنا آئین بنانے سے روکتا ہے وہ جلد سے جلد اپنا آئین تیار کرلیں،ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ہم پاکستان کا آئین خود تیار کرلیں گے۔"

جب آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مسلم لیگ پاکستان کے لیے اپنی علیحدہ نمائندہ اسمبلی چاہتی ہے تو قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا:

"میں نے ہمیشہ ایسا کہا ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کانگریس کے اس وقت کے رویہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے عارضی حکومت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

"کانگریس نے صاف طریقہ سے یہ اعلان کر دیا ہے کہ عارضی حکومت ایک کیبنٹ کی طرح مشترکہ ذمہ داری سے کام کرلے گی اور وہ اسمبلی کے سوائے اور کسی دوسری طاقت کے سامنے جواب دہ نہ ہوگی۔ اس اسمبلی میں جہاں اُن کی بھاری اکثریت ہے۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ اس صورتِ حال کو برداشت نہیں کیا جاسکتا تو ہم کو سرکاری پارٹی اور برطانوی حکومت کے پٹھو کہہ کر بدنام کیا جاتا ہے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

"اس وقت جب کہ آئندہ کے آئین بنانے کا سوال طے نہیں ہوا، عارضی حکومت ایسے اقدامات کر رہی ہے جو ہمارے مطالبہٴ پاکستان کے لیے تارپیڈو ثابت

ہورہے ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے آخر میں کہا:

"6 دسمبر کے برطانوی بیان میں جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اگر ہندوستان کی پارٹیاں فیڈرل کورٹ سے رجوع کرنا چاہیں تو نتیجہ نکلنے تک آئین سازی کو روک دینا چاہیے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کانگریس دانائی کا ثبوت دیتے ہوئے فیڈرل کورٹ کے فیصلہ تک اسمبلی کے سیشن کے اجلاس کو ملتوی کردے گی۔"

لندن میں قیام

ریمزے میکڈانلڈ کی طرف سے فرقہ وارانہ مسئلہ کے حل میں ناکامی کی خبر ابھی کینیڈا پہنچی نہ تھی کہ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی تاریخ سر پر آ گئی۔ یہ اجلاس 29 اور 30 دسمبر کو الٰہ باد میں ہوا۔ جس کی صدارت اردو کے صوفی شاعر وفلاسفر ڈاکٹر علامہ اقبال نے کی۔ وہ "لنکنز ان" کے بیرسٹر تھے۔ انہوں نے اعلیٰ تعلیم ہیڈل برگ (میونخ) میں پائی تھی، اور ٹرینی کالج آکسفورڈ کے گریجویٹ تھے۔ ان کا جھکاؤ مذہب کی طرف بہت زیادہ تھا، اور پنجاب کی سیاست میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔

1926ء سے 1930ء تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔ الٰہ آباد سیشن میں انہوں نے پہلی بار دوقومی نظریہ پیش کیا اور دعویٰ کیا:

"ہندو مسلم تنازع پر کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی۔"

اگرچہ ابھی تک انہوں نے دونوں قوموں کی مکمل علیحدگی کا پرچار نہیں کیا تاہم یہ بات زور دے کر کہی:

"جمہوریت کے یورپی اصول کا ہندوستان پر اطلاق نہیں ہوسکتا، جب تک فرقہ وارانہ گروپوں کا حقیقت کا اعتراف نہ کیا جائے اس لیے مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ان کے لیے ہندوستان کے اندر مسلم انڈیا کا قیام عمل میں لایا جائے، بالکل درست اور جائز ہے۔"

ایک قدم اور آگے بڑھا کر انہوں نے کہا:

"میں پنجاب، مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان کو ایک ریاست کی صورت میں متحد دیکھنا چاہتا ہوں۔ جسے برٹش ایمپائر کے اندر یا اس کے باہر حکومت خوداختیاری حاصل ہو۔ شمال مغرب میں مسلمانوں کی مذکورہ ریاست کی تشکیل مسلمانوں کے بارے میں زیادہ پرامید نہ ہے۔"

اپنی تقریر کے آخر میں انہوں نے ریمزے میکڈانلڈ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا:

"اس نے یہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے کہ ہندوستان کا مسئلہ ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔"

14 جنوری 1931ء کو آغا خان، قائداعظم محمد علی جناح اور سر شفیع نے ریمزے میکڈانلڈ سے ملاقات کرکے اسے خبردار کیا:

"اگر حکومت کے پالیسی بیان میں اقلیتوں کے تسلی بخش تحفظات کا اعلان نہ کیا گیا تو مسلم مندوبین کانفرنس کے اخذ کردہ نتائج سے لاتعلقی اختیار کریں گے۔"

کانجی دوارکا داس لکھتا ہے:

"ریمزے میکڈانلڈ نے کانفرنس کے دوران اب تک جناح کا تعاون حاصل کرنے کی بڑی کوشش کی تھی۔"

اس موقع پر ان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے ریمزے میکڈانلڈ نے کہا:

"ہندوستان پر متوقع تبدیلیوں کے پیش نظر حکومت برطانیہ کو ایسے ممتاز ہندوستانیوں کی تلاش ہوگی، جن کی بحیثیت صوبائی گورنر تقرریاں کی جاسکیں۔"

اس تجویز کا واضح اشارہ یہ تھا کہ قائداعظم محمد علی جناح کے

لیے گورنر بننے کا شاندار موقع ہوگا اگرچہ وہ خود کو حکومت کا تابعدار اور معاون ثابت کریں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے فوراً جواب دیا:

''میری اپنی خدمات فروخت کے لیے دستیاب نہیں۔''

یوں انہوں نے میکڈانلڈ پیش کش بڑی بے اعتنائی سے ٹھکرا دی۔ ان کے نزدیک اس کی حیثیت سیاسی رشوت سے زیادہ نہ تھی۔

اس وقت قانون پر قائداعظم محمد علی جناح کا سختی سے عمل ان کے ناقابل فروخت ہونے کی طرح اہمیت کا حامل بن چکا تھا۔ اس نے لندن میں مسلمانوں کو اور بعد ازاں پورے ہندوستان کو قیادت کرنے میں بڑی مدد دی۔ پہلی گول میز کانفرنس کے اختتام پر مسلمان وفد یہ جاننے کے لیے بے تاب تھا کہ آئین میں اقلیتوں کے لیے کون سے تحفظات شامل کیے جانے والے ہیں۔ اس سلسلے میں آغا خان کو ایک خط موصول ہوا، اور وفد نے پورے طور پر ان کے کمرے میں جمع ہو کر اس پر غور کیا اور قائداعظم محمد علی جناح کے آنے سے پہلے، جو لیٹ آئے تھے اس کی منظوری دے دی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے خط کا بغور مطالعہ کیا اور ایک ایسی خامی کی نشاندہی کی جس کے ہوتے ہوئے کچھ باقی نہیں رہتا تھا۔ ایک ایسی خامی جو اس سب پر پانی پھیر دیتی جو کچھ تسلیم کیا گیا تھا۔ اس نکتہ آفرینی پر سب دنگ رہ گئے، نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے اپنی قوم کے لیے 14 میں سے 12 پوائنٹس حاصل کر لیے۔

اس طرح مسلمان وسط جنوری میں کانفرنس کے اختتامی سیشن کے موقع پر یکجان ہو گئے، اور انہوں نے اقلیتوں کی سب کمیٹی کے آگے اپنی آخری پیش کش رکھ دی۔ جس میں ایک تو یہ تجویز کیا گیا تھا کہ پنجاب میں ہندو، سکھ اور مسلمانوں کے درمیان پیریٹی (مساوات) ہونی چاہیے، دوسرے بنگال میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو مساوی حیثیت ملنی چاہئے، تاہم یہ دونوں معقول تجاویز پنجاب کے سکھوں اور بنگال کے ہندوؤں نے قبول نہ کیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اختتامی سیشن میں قائداعظم محمد علی جناح، سر شفیع یا آغا خان میں سے کسی نے بھی تقریر نہیں کی البتہ سر شفیع کی کارکردگی کو ایک ''نئے عہد کے طلوع' سے تعبیر کیا گیا، لیکن قائداعظم محمد علی جناح کے تاثرات ایسے نہ تھے۔

دو ماہ قبل لندن آمد کے موقع پر انہوں نے کانفرنس سے جو امیدیں وابستہ کی تھیں وہ بری طرح ناکام ہو گئیں اور ہندو مسلم تصفیہ کے حل کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ انہوں نے محترمہ فاطمہ جناح اور اپنی صاحبزادی دینا کو بھی لندن بلا لیا تھا تاکہ وہیں ان کے ساتھ قیام کریں۔ اب قائداعظم محمد علی جناح نے ایسے مکان کی تلاش شروع کر دی تھی جس میں تینوں اکٹھے رہ سکیں، وہ مسلم لیگ کو علامہ اقبال اور پنجابی دوستوں کے لیے چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔

اب ان کی صرف ایک آرزو تشنہ تکمیل رہ گئی تھی وہ تھی پارلیمنٹ کے رکن بننے کی امنگ، خواہ کسی پارٹی کے ذریعے سے اس میں کامیابی حاصل ہو۔ شاید ان کی سوچ یہ تھی کہ وہ اب بھی مسلمانوں کی خدمت کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو پریوی کونسل کا بنچ تو کہیں نہیں گیا جو ان کے کامیاب کیریئر کا عروج ثابت ہوگا۔ انہوں نے جوں جوں ہندوستان کے بارے میں خبریں پڑھیں، اور وہاں سے جو اطلاعات موصول ہوتیں ان سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ بحران کے زمانہ میں منظر سے ہٹ جانا ہی دانش مندی ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے لندن کے ''انر ٹمپل'' میں کرائے پر چیمبر حاصل کرنے کے لیے درخواست دی۔ جو ان دنوں تھا۔ اس وقت ٹمپل کے خزانچی سر جان سائمن تھے۔ انہیں جلد ہی ''کنگز بنچ واک'' میں مطلوبہ چیمبر مل گیا، تاہم مناسب مکان

کے حصول میں کئی ماہ لگ گئے۔ ''جوئندہ یابندہ'' کے مصداق بالآخر ہیمپیڈ ویسٹ ہیلتھ روڈ پر ان کو پسند کا ایک تین منزلہ مکان مل گیا جہاں انہوں نے کئی سال گزارے۔

لارڈ ولنگڈن نے 18 اپریل 1931ء کو بطور وائسرائے ہند حلف اٹھایا۔ لندن روانگی سے بیشتر 21 مارچ کو اس کے اور قائداعظم محمد علی جناح کے مابین ایک خوشگوار ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں ہونے والی گفتگو کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوا۔ عام قیاس یہی ہے کہ دو پرانے دوستوں کے درمیان سوشل قسم کی بات چیت ہوئی ہوگی۔ جس میں قائداعظم محمد علی جناح نے نئے وائسرائے کو مسلمانوں کے مطالبات سے آگاہ کیا ہوگا۔ ولنگڈن کے جواب کا بھی بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ ہر اقلیت کے معاملے میں مدد کرنے والا اور مسلمانوں کے مطالبات کی حوصلہ افزائی کرنے والا تھا۔ اسے اس بات پر یقیناً خوشی ہوئی ہوگی کہ مسٹر جناح کی نظر بڑی پختہ ہوگئی ہے۔

لنکنز ان

➊ یہ قانونی تعلیم کا ادارہ ہے جس میں 5 جون 1893ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے داخلہ لیا اور 29 اپریل 1896ء کو ان کے بیرسٹر ہونے کا اعلان ہوا۔ لنکنز اِن میں قائداعظم محمد علی جناح کے داخلے کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے جس کا ذکر 25 جنوری 1948ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے سندھ بار ایسوسی ایشن کی جانب سے منعقدہ سیرت النبی ﷺ کے ایک جلسے میں کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس موقع پر بتایا:

''جب میں قانون کی تعلیم کے لیے گیا تو ایک گائیڈ مجھے چاروں ان (لنکن ان، گرے ان، انر ٹیمپل اور مڈل ٹمپل) دکھانے کے لیے لے گیا تو وہاں میں نے دیوار پر بہت کچھ لکھا ہوا دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ اس نے بتایا کہ یہ فریسکو ہے جس میں دنیا کے بڑے بڑے مقنن کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا سب سے اوپر کس کا نام ہے۔ اس نے رسول مقبول ﷺ کا نام لیا تو میں نے کہا میں یہیں پڑھوں گا، چنانچہ لنکنز ان میں داخلہ لے لیا اور وہاں سے بیرسٹر بن کر نکلا۔''

➋ قائداعظم محمد علی جناح نے بیرسٹری کا امتحان لندن میں قانون کی تعلیم کے چار اداروں کے ہوتے ہوئے لنکنز کا انتخاب کیوں کیا۔ اس ضمن میں 1947ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے کراچی بار کے وکلاء کو اور 1948ء میں کراچی میں منعقدہ سیرت کانفرنس میں خود سنایا کہ انہوں نے لندن میں اپنی درس گاہ کا انتخاب اس وجہ سے کیا کہ اس کی پیشانی پر جن مقنن حضرات یعنی Great Law Givers کا نام کندہ تھا، ان میں سرفہرست اسم گرامی رسولِ رحمتہ اللعالمین خاتم النبین حضرت محمد ﷺ کا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح کے اس فیصلے سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں رسول اللہ ﷺ سے کتنا عشق تھا، اور اسلامی تعلیمات پر عمل درآمد کے لیے وہ کس قدر خواہاں تھے۔

لنکنز ان لائبریری

لندن کے قانونی تعلیم کے مشہور ادارے لنکنز ان کی لائبریری۔ اس لائبریری میں قائداعظم محمد علی جناح کی تصویر آویزاں ہے۔

لنکنز ان میں داخلہ

امتحان پاس کرنے، منت ماننے اور ''لنکنز ان'' میں داخلہ لینے کے ضمن میں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کہتی ہیں:

''اس دوران انہوں نے برطانوی تاریخ کے عظیم معاصر رہنماؤں کی سوانح کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔

جس سے ان پر یہ بات آشکار ہوئی کہ ان رہنماؤں میں بیشتر نے بار کے لیے قانون کی تعلیم حاصل کرنے اور قانون کے علم کے سبب ہی وہ اپنی عوامی اور سیاسی زندگی میں کامیاب وکامران رہے تھے۔

اب ان کا ذہن دو متبادل راہوں کے انتخاب میں الجھ گیا، یعنی یہ کہ انہیں گراہمز کمپنی میں ہی اپرنٹس کی حیثیت سے کام کرتے رہنا چاہیے یا پھر بیرسٹر بننے کے لیے لندن کی مختلف انز میں سے کسی میں داخلہ لینے کے لیے انٹرنس کے امتحان کی تیاری کرنا چاہیے۔"

لِنلِتھگو، لارڈ

25 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان کی منظوری کے دو روز بعد ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لِنلِتھگو نے وزیر ہند لارڈ زٹلینڈ کو حسب ذیل خط لکھا:

"میں جناح کے ان مطالبات کو کوئی اہمیت نہیں دیتا کہ ہندوستان کو ایک غیر معینہ تعداد کے مذہبی خطوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ آپ چاہیں تو خطوں کی بجائے ڈومینین کا لفظ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ میری رائے میں مسٹر جناح کا موجودہ رویہ کچھ اس طرح کا ہے کہ چونکہ کانگریس ایک بے ہودہ مطالبہ کر رہی ہے جو وہ خود جانتی ہے کہ قابل قبول نہیں۔ اس لیے وہ بھی ایک ایسا ہی ناقابل عمل مطالبہ پیش کریں۔ انہیں خود بھی اس کا احساس ہے لیکن انہیں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے ایک طرف کانگریس کے مطالبہ کے بارے میں مسلمانوں کا مخالفانہ رویہ واضح ہو جائے گا۔ دوسری طرف اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے بارے میں یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس واضح نظریات نہیں ہیں اس کا وزن کم ہو جائے گا۔"

لِنلِتھگو جناح مراسلت

نئی دہلی 5 نومبر 1939ء

ڈیئر لارڈ لِنلِتھگو!

میں ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے 4 نومبر کو ملاقات کا موقع عطا کیا۔ آپ نے 28 اکتوبر کو اپنے خط میں لکھا کہ اگر آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی 22 اکتوبر کی قرارداد کے بعض پہلوؤں کی مزید وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ بخوشی مجھے ملاقات کا وقت دیں گے۔

4 نومبر کو اس موضوع پر آپ سے میری مفصل بحث ہو چکی ہے۔ آپ کے حسب خواہش ذیل کے نکات آپ کے ملاحظہ کے لیے ارسال کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ جلد جواب فرمائیں گے۔

1. جونہی یہ جنگ ہوئی یا جس وقت واقعات نے اجازت دی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء سے قطع نظر کر کے ہندوستان کے آئندہ کانسٹی ٹیوشن کے پورے مسئلے پر از سر نو غور کیا جائے گا۔
2. ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی مسلمانوں اور ہندوؤں کی منظوری اور رضامندی کے بغیر ملک معظم کی حکومت یا پارلیمنٹ کسی نوع کا اعلان کرنے یا کسی قسم کا آئین وضع کرنے کی ہرگز مجاز نہیں ہوگی۔
3. ملک معظم کی حکومت کو چاہیے کہ اعراب فلسطین کے تمام جائز قومی مطالبات تسلیم کرنے کی کوشش کرے۔
4. ہندوستانی سپاہیوں کو کسی مسلمان ملک کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔

میں نے ملاقات کے وقت ان جملہ نکات کی تائید میں تفصیلی دلائل آپ کی خدمت میں پیش کر دیے تھے۔ اس کے علاوہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی 18 ستمبر اور 22

کتوبر کی قراردادوں کی نقول بھی آپ کے ملاحظہ کے لیے بھیجی چکی ہیں۔

مجلس عاملہ کے 19 ستمبر کے اعلان میں ایک اور مسئلے کا بھی ذکر کیا گیا تھا یعنی کانگریسی صوبوں میں مسلمانوں سے انصاف کیا جانا چاہیے، کیونکہ کیفیت یہ ہے کہ ان صوبوں میں تو مسلمانوں کے ابتدائی حقوق تک کو بے رحمی سے کچلا جا رہا ہے، لیکن کانگریس نے چونکہ وزارتوں سے استعفیٰ دے دیا ہے اس لیے میں سردست اس موضوع پر کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ گزارش یہ ہے کہ میں کل صبح بمبئی جا رہا ہوں۔

آپ کا مخلص
ایم۔اے جناح

نئی دہلی

7نومبر 1939ء

ڈیئر مسٹر جناح!

آپ کے 5 نومبر کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ جن نکات کا ذکر آپ نے کیا ہے میں ان کی اہمیت کو بخوبی محسوس کرتا ہوں، جتنی جلدی ممکن ہوسکا آپ کو جواب بھیجنے کی کوشش کروں گا۔

آپ کا مخلص
لنلتھگو

بمبئی

18نومبر 1939ء

ڈیئر لارڈ لنلتھگو!

آپ کے 7نومبر کے خط کا شکریہ۔ جس دن سے آپ کا موصول ہوا ہے چاروں طرف سے یہ تقاضا ہو رہا ہے کہ ہم نے آپس میں کیا معاملہ طے کیا ہے۔ اگر آپ کو چنداں اعتراض نہ ہو تو میں اپنا 5 نومبر کا جواب اخباروں کو بغرض اشاعت بھیج دوں۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

کیمپ وائسرائے

26/27نومبر 1939ء

ڈیئر مسٹر جناح!

آپ کے 18 نومبر کے خط کا شکریہ۔ مجھے آپ کی اس خواہش کا بخوبی احساس ہے کہ آپ اپنا 5 نومبر کا خط اور میرا جواب شائع کرنا چاہتے ہیں، لیکن اگر آپ اور دس دن ٹھہر جائیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے خط کی اشاعت اور میرے جواب میں جس کی ترتیب و تدوین میں اس لیے کچھ وقت لگے گا کہ مجھے ملک معظم کی حکومت سے مشورہ کرنا ہے، کم سے کم وقفہ ہونا چاہیے، تاہم اگر آپ کے خیال میں اس کی بلا توقف اشاعت ضروری ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ بہرحال میری درخواست یہ ہے کہ ازراہ کرم مجھے پہلے سے اطلاع کر دیجیے گا کہ کس تاریخ کو آپ یہ خط شائع کر رہے ہیں۔

آپ کا مخلص
لنلتھگو

بمبئی

29نومبر 1939ء

ڈیئر مسٹر جناح!

آپ کے آج کے تار کا بہت شکریہ۔ مجھے امید ہے میرا خط جو 27 نومبر کو بہاولپور سے پوسٹ کیا گیا تھا۔ اب تک آپ کو مل گیا ہوگا!

لنلتھگو

بمبئی

29نومبر 1939ء (تار)

امید ہے میرا 18 نومبر کا خط آپ کو مل گیا ہوگا۔ آپ کے

فوری جواب کا منتظر ہوں۔

جناح

کیمپ وائسرائے کلکتہ
23 دسمبر 1939ء
ڈیئر مسٹر جناح!

❶ اب میں اس قابل ہوں کہ آپ کے 5 نومبر کے اس خط کا جواب دے سکوں جس میں آپ نے بعض غور طلب امور میرے سامنے پیش کیے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس بات کا احساس ہوگا کہ جن امور کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے۔ان میں سے چند ایک ایسے ہیں جن پر اگر تمام متعلقہ پہلوؤں سے بحث کی جائے تو بعض ایسے تنقیح طلب امور سامنے آئیں گے، جن کا اثر ہندوستان کی دوسری قوموں پر پڑنا لازمی ہے۔ظاہر ہے کہ جو خطوط ہم اس وقت ایک دوسرے کو لکھ رہے ہیں ان میں تنقیح طلب امور کے بارے میں کسی قسم کا اعلان یا اظہار خیال کرنا مناسب نہیں، تاہم مجھے امید ہے کہ جواب ہر چند کہ اس کا دائرہ ان پابندیوں نے محدود کر رکھا ہے، کسی حد تک آپ کی مشکلات رفع کرنے میں معاون ہوگا۔

❷ آپ کے پہلے سوال کے جواب میں میری گزارش یہ ہے کہ میں نے 18 اکتوبر کو ملک معظم کی حکومت کی منظوری سے جو اعلان کیا تھا اس کے مطابق (بوقت ضرورت) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کے کسی حصے پر یا اس پالیسی اور خاکے پر جو اس ایکٹ کی بنیاد ہے غور کیا جا سکے گا۔

❸ آپ نے جو دوسرا نکتہ پیش کیا ہے اس کے بارے میں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ملک معظم کی حکومت کو اس کا پورا احساس ہے کہ ہندوستان میں کسی آئین اور دستور کے استحکام کے لیے مسلمانوں کو مطمئن کرنا ضروری ہے۔ آپ کو اس سلسلہ میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی قوم کو ہندوستان میں جو اہمیت حاصل ہے اس کا خیال رکھا جائے گا۔

❹ فلسطین کے متعلق پالیسی وضع کرتے وقت ملک معظم کی حکومت نے عربوں کے تمام جائز مطالبات کو تسلیم کرنے کی کوشش کی ہے اور ملک معظم کی حکومت کو اس معاملہ کی اہمیت بخوبی احساس رہے گا۔

❺ آخر میں آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو اس بات کا یقین دلاؤں کہ ہندوستانی سپاہیوں کو کسی مسلمان ملک کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔خوش قسمتی سے ملک معظم کی حکومت اس وقت کسی مسلمان ملک کے خلاف برسرپیکار نہیں، لہٰذا سوال پیدا نہیں ہوتا، تاہم آپ محسوس کریں گے کہ ان وسیع حدود کے اندر جن کا اظہار آپ نے اپنے خط میں کیا ہے اس قسم کا یقین دلانا ممکن نہیں، کیونکہ ہندوستان کو بہرحال یہ حق حاصل ہے کہ اپنی حفاظت کے لیے اپنی فوج استعمال کر سکے۔نہیں معلوم آئندہ مستقبل میں کیا واقعات رونما ہوں گے لہٰذا اس وقت ایسا جواب دینا جس سے ہندوستان کے اس حق کو مشروط اور محدود کر دیا جائے، سردست ممکن نہیں۔ بہرحال جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حکومت ہند کی درخواست پر ملک معظم کی حکومت نے اس ضمن میں ہر احتیاط کی ہے کہ مسلمانان ہند کے جذبات واحساسات کا احترام کیا جائے گا۔

آپ کا مخلص
لنلتھگو

10 اورنگ زیب روڈ
نئی دہلی
6 فروری 1940ء
ڈیئر لارڈ لنلتھگو!

میں اس عریضے کے ہمراہ ورکنگ کمیٹی کی اس قرارداد کی ایک نقل آپ کے ملاحظہ کے لیے بھیج رہا ہوں جو کمیٹی نے 3 فروری 1940ء کو اس خط وکتابت کے متعلق منظور کی ہے،

آپ کے اور میرے درمیان ہوتی جارہی ہے۔

آپ کا مخلص

ایم،اے جناح

قرارداد

آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے اس خط وکتابت پر غور کیا ہے جو مسٹر جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ اور ہزایکسی لینسی وائسرائے ہند لنلتھگو کے درمیان ہوتی رہی ہے، اور جس کا اختتام وائسرائے کے 23 دسمبر کے خط پر ہوا ہے۔ ورکنگ کمیٹی کی رائے میں وائسرائے کا جواب اطمینان بخش نہیں کیونکہ بعض اہم پہلو ایسے ہیں جن کی مزید وضاحت اور تشریح درکار ہے لہٰذا یہ کمیٹی صدر کو اس بات کا اختیار دیتی ہے کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے خیالات کو وائسرائے کے سامنے پیش کرکے یہ درخواست کریں کہ ہزایکسی لینسی کو چاہیے کہ ورکنگ کمیٹی کی ان قراردادوں پر غور کرکے جو 18 ستمبر اور 22 اکتوبر 1939ء کو منظور کی گئی تھیں۔ امور متعلقہ کے بارے میں یقین دلائیں تاکہ اس طرح مسلمانان ہند کے دلوں پر جملہ شکوک وشبہات اور اندیشے رفع کیے جاسکیں۔

قائداعظم محمد علی جناح نے ورکنگ کمیٹی کے ایماء پر وائسرائے لنلتھگو سے ازسرنو خط وکتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ خطوط درج ذیل ہیں:

نئی دہلی

23 فروری 1940ء

ڈیئر لارڈ لنلتھگو!

آپ کے اور میرے درمیان جو خط وکتابت ہوتی رہی ہے جس کا آخری مکتوب آپ نے مجھے 23 دسمبر 1939ء کو لکھا تھا۔ میں نے اسے 3 فروری 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھ دیا تھا۔

جیسا کہ آپ نے 6 فروری کو بوقت ملاقات مجھ سے کہا تھا۔ میں اس ضمن میں ورکنگ کمیٹی کے خیالات آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

آپ نے پہلے نکتہ کی جو وضاحت فرمائی ہے، ورکنگ کمیٹی نظر پسندیدگی سے دیکھتی ہے اور اس بات پر بھی اطمینان کا اظہار کرتی ہے کہ آپ نے ملک معظم کی حکومت کی منظوری سے 18 اکتوبر 1939ء کو جو اعلان کیا تھا، اس میں یہ چیز شامل ہے کہ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے کسی حصے پر یا اس پالیسی اور خاکہ پر جس کے مطابق یہ ایکٹ وضع کیا گیا تھا نظرثانی کی جاسکے گی۔

جہاں تک دوسرے نکتہ کا تعلق ہے ورکنگ کمیٹی آپ کی وضاحت سے مطمئن نہیں۔ ورکنگ کمیٹی نے یہ درخواست کی تھی کہ اس امر کا حتمی یقین دلایا جائے کہ مسلمانان ہند کی منظوری اور رضامندی کے بغیر اصولاً یا کسی اور طریقے سے اس قسم کا کوئی اعلان نہیں کیا جائے گا۔ نہ ملک معظم کی حکومت کوئی آئین ہندوستان پر مسلط کرے گی نہ پارلیمنٹ ہی کوئی آئین وضع کرے گی۔ یہ صحیح ہے کہ آپ نے ذیل کے الفاظ میں اس نوع کا یقین دلانے کی کوشش ضرور کی ہے کہ:

> ''ملک معظم کی حکومت کو اس کا پورا احساس ہے کہ ہندوستان میں کسی آئین اور دستور کے استحکام کے لیے مسلمانوں کو مطمئن کرنا ضروری ہے۔ آپ کو اس سلسلہ میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی قوم کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا خیال رکھا جائے گا۔''

تاہم مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا ہے کہ آپ کے ان الفاظ سے مسلم لیگ کا مطالبہ پورا نہیں ہوتا کیونکہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کا مسئلہ بدستور مشورے کا محتاج رہے گا اور اس کا آخری حل بھی برطانیہ عظمیٰ کے ہاتھ میں ہوگا کہ وہ جس طرح چاہے اس کا تصفیہ کرے۔

افسوس ہے کہ ہم اس پوزیشن کو قبول نہیں کر سکتے۔

جہاں تک فلسطین کا تعلق ہے۔آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ ملک معظم کی حکومت سے پرزور درخواست کرتی ہے کہ اس قضیے کو اس طرح حل کیا جائے جس سے عرب مطمئن ہو جائیں۔ مجلس عاملہ کو آپ کے ان الفاظ سے خوشی ہوئی ہے کہ ملک معظم حکومت نے عربوں کے تمام جائز مطالبات کو تسلیم کرنے کی پوری سعی کی ہے اور آئندہ بھی کوشش جاری رکھی جائے گی۔ دنیائے اسلام کی آنکھیں فلسطین کی طرف لگی ہوئی ہیں، لہٰذا اس قضیے کا فوری حل تلاش کرنا بے حد ضروری ہے۔

رہا یہ سوال کہ ہندوستانی سپاہیوں کو کسی اسلامی ملک کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔مجلس عاملہ کا خیال ہے کہ آپ کو اس ضمن میں غلط فہمی ہوئی ہے جب ہم نے آپ سے اس بات کا حتمی وعدہ طلب کیا تھا کہ ہندوستانی سپاہیوں کو ہندوستان سے باہر کسی اسلامی ملک کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا، تو ہمارا مقصد اس سے یہ نہیں تھا کہ کل کو اگر ہندوستان پر کسی بیرونی غنیم نے حملہ کیا تو ہندوستان کی حفاظت کے لیے ہندوستانی سپاہیوں کو استعمال نہیں کیا جائے گا۔ بہرکیف ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں اطلاع یہ دی ہے کہ حکومت ہند کی تحریک پر ملک معظم کی حکومت نے ہمیں یہ اطلاع دی ہے کہ حکومت ہند کے جذبات کا احترام کرنے کی ہر ممکن احتیاط کی ہے، لیکن ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس مسئلے پر مزید وضاحت کی جانی چاہیے۔

مسلم لیگ سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانان ہند کی طرف سے اس امر کا یقین دلائے کہ مسلمان موجودہ جنگ میں برطانیہ کی پوری مدد کریں گے۔مجلس عاملہ کی رائے اس مطالبہ کے جواب میں یہ ہے کہ پہلے مسلمانان ہند کو اطمینان دلایا جانا ضروری ہے کہ ان کا مستقبل محفوظ ہے، اور وہ محض ہوا میں معلق نہیں۔ بنا بریں ہم یہ مطالبہ کرنے میں آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں کہ اس قسم کا پختہ یقین دلایا جائے کہ منظوری اور رضامندی کے بغیر آئندہ ہندوستان کے آئین یا کسی عبوری انتظام کے بارے میں کسی فریق کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا، اگر ملک معظم کی حکومت مسلمانان ہند کی ''لیڈر شپ'' کو ایک ذمہ دار فریق سمجھنے پر آمادہ ہے تو حکومت کا فرض ہے کہ اس ''لیڈر شپ'' پر اعتماد کرے۔ بالخصوص ایسے مسئلے میں جس کا تعلق مسلمانوں کے مستقبل کا تعین کرنے سے ہے۔

ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آپ بلا وجہ دوسرے فرقوں کے متعلق اس قدر ذکی الحس ہیں، ہماری یہ ہرگز خواہش نہیں کہ کسی فرقے کے ساتھ ناانصافی یا زیادتی کی جائے۔ہم نے جو غور طلب نکات اٹھائے ہیں ان کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہندوستان کی دوسری طاقتور جماعتوں سے مرعوب ہو کر حکومت کوئی ایسا قدم اٹھانے یا ہندوستان کے آئندہ دستور کے بارے میں کوئی ایسی مفاہمت کرنے پر تیار نہ ہو جائے، جس سے مسلمانوں کے مفاد کو نہ صرف نقصان پہنچے بلکہ انہیں ملیامیٹ کرنے کا احتمال ہو۔

مسئلہ فلسطین کے بارے میں اور ہندوستانی سپاہیوں کے متعلق مسلمانوں کے جن مطالبات کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے ان سے ہرگز کسی دوسرے فرقے کے مفاد کو گزند نہیں پہنچتا۔ موجودہ خط میں جملہ اسباب اور تفصیلات پر سیر حاصل بحث نہیں کی جاسکتی، تاہم اگر آپ پسند فرمائیں اور آپ کو اس کام کے لیے فرصت بھی ہو تو میں حاضر ہو کر مجلس عاملہ کا نقطہ نگاہ تفصیل سے پیش کرنے کو آمادہ ہوں۔

آپ کا مخلص

ایم،اے، جناح

وائسرائے

19 اپریل 1940ء

ڈیئر مسٹر جناح!

آپ کا خط محررہ 24 فروری پڑھ کر خوشی ہوئی کہ میرے 23

ستمبر کے خط سے آل انڈیا مسلم لیگ کے بعض شکوک وشبہات ازالہ ہوگیا ہے۔ آپ کے خط سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ لیگ کی مجلس عاملہ کو مسئلہ فلسطین اور اختتام جنگ کے بعد دستوری معاملات پر نظر ثانی کرنے کے بارے میں میری جانب سے کوئی مزید وضاحت درکار ہے۔

بہر حال آپ یہ معلوم کرنے کے خواہاں ہیں کہ ہندوستانی سپاہیوں کو مسلمان ممالک کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں میرے لیے یہ باعث اطمینان ضرور ہے کہ آپ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اگر کل کو ہندوستان پر کسی بیرونی غنیم نے حملہ کیا تو ہندوستان کی حفاظت کے لیے ہندوستانی سپاہیوں کو استعمال نہیں کیا جائے گا۔ جہاں تک میں اندازہ کرسکا ہوں۔ آپ اس قسم کی کوئی گارنٹی نہیں مانگتے۔ جس سے ہم آئندہ پیش آنے والے واقعات کے بارے میں ابھی سے گویا اپنے آپ کو پابند کردیں۔ سردست اس قسم کی گارنٹی دینا بدیہی طور پر ممکن نہیں، تاہم میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اگر کبھی حالات نے اس قسم کی صورت اختیار کی تو جس تردد کا اظہار آپ نے کیا ہے، اس سے ہرگز چشم پوشی نہیں کی جائے گی۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت جملہ اسلامی ممالک کے ساتھ ملک معظم کی حکومت کے تعلقات دوستانہ، ہمدردانہ ہیں۔ ان میں سے بعض ملکوں کے ساتھ ملک معظم کی حکومت کے باقاعدہ معاہدے قائم ہیں اور بعض کے ساتھ پرخلوص مراسم ہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ میں نے آپ کے دوسرے نقطے کی جو وضاحت اپنے خط میں کی ہے، اس سے لیگ کی مجلس عاملہ کی بخوبی تسکین نہیں ہوئی۔ آپ نے یقیناً وزیر ہند کی 18 اپریل کی تقریر پڑھی ہوگی جس میں یہ الفاظ بھی درج ہیں:

''لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آئندہ ہندوستان کا دستور اس ملک کے باشندوں کی مرضی کے بغیر برطانوی حکومت اور پارلیمنٹ زبردستی مسلط کرے گی۔ ملک معظم کی حکومت نے وعدہ کیا ہے کہ آئندہ دستور وضع کرتے وقت ہندوستان کی تمام جماعتوں کے نمائندوں سے مشورہ کیا جائے گا۔ ظاہر ہے وعدہ کا مطلب یہی ہے کہ دستور کی تشکیل باہمی مشورے سے ہوگی نہ کسی قسم کے جبر واکراہ سے یہ صحیح ہے کہ اگر متحدہ ہندوستان کے تصور کو حقیقت کا جامہ پہنانا ہے۔''

جس کی خاطر بے شمار ہندوستانیوں اور انگریزوں نے محنت کی ہے، تو لازماً ہندوستان کی مختلف قوموں میں باہمی اتحاد کا ہونا ضروری ہے۔ اندریں حالات میں یہ قطعی باور نہیں کرسکتا کہ اس ملک کی کوئی حکومت یا پارلیمنٹ ملک معظم کی رعایا کے آٹھ کروڑ مسلمانوں پر جو ہندوستان کے باشندے ہیں۔ اس قسم کا آئین زبردستی مسلط کرنے کی کوشش کرے گی جس کے تحت وہ امن وعافیت کی زندگی بسر نہ کرسکیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اس ضمن میں جو شکوک پیدا ہوسکتے تھے۔ وزیر ہند کے اس اعلان سے رفع ہوجائیں گے۔

آپ کا مخلص
لنلتھگو

ماتھران
18 مئی 1940ء
ڈیئر لارڈ لنلتھگو!

آپ کا خط محررہ 19 اپریل 1940ء کو ملا۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ جواب بھیجنے میں جو تاخیر ہوئی ہے اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، وجہ یہ تھی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کی تشکیل کا مسئلہ درپیش تھا اور میں اس سوچ میں تھا کہ یہ مرحلہ طے ہوجائے تو آپ کو خط لکھوں۔ گزارش یہ کہ نئے سال کی مجلس عاملہ کی تشکیل ہوگئی ہے، اس لیے میں عنقریب آپ کا خط اس کے سامنے پیش کروں گا اور جو فیصلہ وہاں ہوگا اس سے

آپ کو مطلع کروں گا۔

آپ کا مخلص

ایم، اے، جناح

بمبئی

17 جون 1940ء

ڈیئر لارڈ لنلتھگو!

مجلس عاملہ کا اجلاس 16 جون کو بمبئی میں ہوا تھا، جو قرارداد اجلاس ہذا میں منظور کی گئی تھی اس کی ایک نقل اس عریضہ کے ہمراہ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ کے خیال میں اس مسئلے پر کسی مزید بحث و تمحیص کی ضرورت ہے یا میرا بالمشافہ حاضر ہونا ضروری ہے تو میں بخوشی آپ سے ملاقات کے لیے آنے کو تیار ہوں۔

آپ کا مخلص

ایم، اے، جناح

لارڈ لنلتھگو 1936ء تا 1943ء ہندوستان کے وائسرائے رہے۔ ان کے عہد میں نئے آئین کے مطابق 1937ء میں عام انتخابات منعقد ہوئے، اور گیارہ صوبوں میں وزارتیں قائم ہوئیں۔ ان کے عہد میں دوسری جنگ عظیم ہوئی۔ کانگریسی وزارتیں مستعفی ہوئیں۔ 23 مارچ 1940ء کو قرارداد پاکستان منظور ہوئی۔ 1942ء میں کرپس ہندوستان آیا۔ 1943ء میں بنگال میں شدید قحط پڑا جس سے لاکھوں افراد ہلاک ہوئے۔ کانگریس کی ہندوستان چھوڑ دو تحریک بھی ان کے عہد میں شروع ہوئی۔

لودھی خاں

آل انڈیا مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے نامزد کردہ قائداعظم محمد علی جناح کے اے ڈی سی تھے۔ اس دوران وہ لیاقت علی خاں کے پرنسپل سیکرٹری بھی رہے۔ اکتوبر 1947ء میں علی گڑھ مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے۔

لودھی خاں علی گڑھ میں پیدا ہوئے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی۔

وہ نواب زادہ لیاقت علی خان کے کہنے پر دادری اسٹیشن پر اکتوبر 1947ء میں جو ہنگامہ ہوا اور قتل و غارت کی وارداتیں ہوئیں ان کی تحقیقاتی رپورٹ پر مامور ہوئے۔

لوکوموٹر کمپنی

شملہ میں 30 اگست 1939ء کو سنٹرل لیجسلیٹو اسمبلی کا اجلاس منعقد ہوا تو اس اجلاس میں لوکوموٹر کمپنی کی رپورٹ پیش کی گئی۔

قائداعظم محمد علی جناح نے اس رپورٹ کے بارے میں فرمایا:

> ''یہ ایک ٹیکنیکی رپورٹ ہے اس لیے اس پر 15 ستمبر 1939ء تک بحث ملتوی کردی جائے۔''

لیاقت ڈیسائی معاہدہ

جنوری 1945ء میں یہ معاہدہ نواب زادہ لیاقت علی خان اور بھولا ڈیسائی کے مابین طے پایا قائداعظم محمد علی جناح نے اس معاہدے سے 22 جنوری کو لاتعلقی کا اظہار کیا۔

اس معاہدے کے تحت دونوں رہنما اس بات پر متفق ہوگئے:

> ''مرکز میں ایک عارضی حکومت کے قیام کے لیے کانگریس اور مسلم لیگ دونوں شریک ہوں گے جن کی ترتیب یہ ہوگی۔''

(الف) مرکزی عاملہ میں کانگریس اور لیگ کے نامزد اشخاص کی تعداد برابر برابر ہوگی۔ نامزد اشخاص کا مرکزی مقننہ کا رکن ہونا ضروری نہیں ہوگا۔

(ب) اقلیتوں کے نمائندے (خاص طور پر پسماندہ



لیاقت علی خان

1951 - 1895

نواب زادہ لیاقت علی خان رکن الدولہ شمشیر جنگ نواب رستم علی خان کے ہاں کرنال (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ 1910ء میں علی گڑھ سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ 1919ء میں انگلستان چلے گئے اور 1921ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایگزیٹر کالج سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ 1924ء میں واپس آئے۔ 1926ء میں یوپی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ یوپی اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر بھی رہے۔ 1923ء میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ 1937ء میں مسلم لیگ کی تنظیم نو ہوئی تو قائداعظمؒ نے اُنہیں اعزازی سیکرٹری مقرر کیا گیا وہ قیام پاکستان تک سیکرٹری رہے۔ 1940ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ قائداعظمؒ کے دستِ راست تھے۔ سنٹرل پارلیمنٹری بورڈ کے چیئر مین رہے۔ برصغیر کی عبوری حکومت میں وزیر خزانہ رہے۔ پاکستان کے پہلے وزیراعظم بنے۔ اُن کا اہم کارنامہ قراردادِ مقاصد کی منظوری ہے۔

طبقوں اور سکھوں کے)
(ج) کمانڈر انچیف۔
حکومت 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کام کرے گی۔ کانگریس اور لیگ اس بات پر متفق ہوگئیں:
"اگر اس قسم کی عبوری حکومت بن گئی تو اس کا پہلا کام کانگریس کی مجلس عاملہ کے ارکان کی رہائی ہوگا۔"
دونوں لیڈر اس پر بھی متفق ہوگئے:
"صوبوں سے دفعہ 93 کے ہٹائے جانے اور مخلوط حکومتیں بنانے کی کوشش کی جائے گی۔"

لیاقت علی خاں

قائداعظم کے دست راست۔

وہ یکم اکتوبر 1895ء کو رکن الدولہ شمشیر جنگ نواب رستم علی خاں کے ہاں کرنال (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کے بڑے بھائی خورشید علی خاں نے چند نا گہانی جھگڑوں سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ ان کی والدہ محترمہ محمودہ بیگم سہارنپور کے ایک قصبہ راجپور کی رہنے والی تھیں۔

لیاقت علی خان 1914ء میں جب انٹرنس میں تعلیم پا رہے تھے تو ان کی شادی ان کی چچیری بہن جہانگیرہ بیگم سے کر دی گئی اور 1919ء میں ان کے بطن سے ولایت علی خاں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے دوسری شادی رعنا بیگم سے کی اور دو بچے اکبر اور اشرف پیدا ہوئے۔

لیاقت علی خان نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی بعدازاں 1910ء میں علی گڑھ گئے جہاں وہ 1918ء تک امتیازی حیثیت سے امتحانات میں کامیابی حاصل کرتے رہے۔ علی گڑھ سے بی اے کرنے کے بعد لیاقت علی خان 1919ء میں انگلستان چلے گئے اور 1924ء میں انر ٹمپل سے قانون کی ڈگری لے کر وطن واپس آئے۔ 1926ء میں وہ یو پی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ قائداعظم محمد علی جناح کی مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد 1937ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔

قائداعظم محمد علی جناح نے 26 دسمبر 1943ء کو انہیں اپنا دست راست کہا تھا۔

1945ء میں شملہ کانفرنس میں مسلم لیگ کے نمائندے کی حیثیت سے حصہ لیا۔ 1946ء میں ہندوستان کی عارضی حکومت میں وزارت خزانہ کا قلمدان سنبھالا اور انہیں پہلا ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے ہندوستان کا بجٹ پیش کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناح انہیں ملک کا پہلا وزیراعظم مقرر کیا۔ علاوہ ازیں وزیر دفاع وزیر داخلہ کا عہدہ بھی انہوں نے سنبھالا تھا بعدازاں چودھری ظفر اللہ کو وزیر خارجہ بنا دیا گیا۔

لیاقت علی خاں مسئلہ کشمیر کے حل کے بھی متمنی تھے۔ مسئلے کے سلسلے میں ان کی حکمت عملی یہی رہی کہ اسے گفت وشنید کے ذریعے حل کیا جائے۔ جولائی 1951ء میں بھارت نے اپنی نوے فیصد فوج پاکستان کی سرحد پر بھیج انہوں نے اپنا مکہ اتنا بلند کیا کہ دشمن دہل گئے۔

16 اکتوبر 1951ء کو جب وہ راولپنڈی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرنے والے تھے۔ سید اکبر نے گولیوں کا نشانہ کر شہید کر دیا۔ ان کے آخری کلمات تھے۔

"خدا پاکستان کی حفاظت کرے۔"

لیاقت علی خاں جناح مراسلت

8-بی ہارڈنگ ایونیو
نئی دہلی
15 جنوری 1942ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح!

- آپ کا 11 تاریخ کا لکھا ہوا خط کل موصول ہوا۔ شکریہ۔ یوپی لیگ نے اپنے گزشتہ روز کے اجلاس میں فیصلہ کیا ہے کہ سالانہ اجلاس اللہ آباد میں منعقد کیا جائے۔ یقیناً یہ وقت ایسٹر کی تعطیلات کا ہوگا۔ جو 3 اپریل سے شروع ہو رہی ہے، اجلاس کا مکمل پروگرام جب آپ اگلے مہینے یہاں آئیں گے تو اس وقت ترتیب دیا جاسکتا ہے۔
- جہاں تک کونسل کی میٹنگ کا تعلق ہے ہمیں ایک اجلاس فروری کے مہینے میں بلانا پڑے گا میں نہیں سمجھتا کہ موجودہ وقت میں کلکتہ میں موزوں رہے گا۔ یہ زیادہ مرکزیت رکھتا ہے اور ہمیں وہاں بہتر حاضری کی امید ہے علاوہ ازیں جنگ کی صورت حال کے پیش نظر کلکتہ سے اندرون ملک کی جانب لوگوں کی بہ افراط روانگی ہو رہی ہے، اور مجھے بتایا گیا ہے کہ باوجود اس حقیقت کے کہ محکمہ ریلوے کلکتہ سے خصوصی ٹرینیں چلا رہا ہے۔ لوگوں کو گاڑیوں میں جگہ حاصل کرنے کے لیے کئی کئی روز تک انتظار کرنا پڑتا ہے۔ ان تمام حقائق کے پیش نظر میرے خیال میں دہلی بہتر رہے گا۔

آپ کا مخلص
لیاقت علی خاں

لیبیا کا سیاح

قائداعظم محمد علی جناح کا جہاز 1946ء میں لندن سے واپس آتے ہوئے لیبیا کے ہوائی اڈے الآدم پر اترا تو قائداعظم محمد علی جناح مزاحاً فرمانے لگے:

”مجھے لیبیا کا سیاح کہلانے کا حق حاصل ہوگیا ہے۔“

لیجسلیٹو کونسل سے استعفیٰ

قائداعظم محمد علی جناح رولٹ ایکٹ کی منظوری کے بعد لیجسلیٹو کونسل سے مستعفی ہو گئے۔ اس ضمن میں انہوں نے وائسرائے ہند لارڈ چیمسفورڈ کو درج ذیل خط لکھا:

ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ مالا بار ہل بمبئی

28 مارچ 1919ء

عزت مآب وائسرائے صاحب!

رولٹ ایکٹ کی منظوری اور اس پر آپ کی منظوری کے اس سانحہ نے حکومت برطانیہ کے نظریہ انصاف و عدل کے متعلق میرے اعتماد میں تزلزل پیدا کر دیا ہے۔ مزید برآں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے موجودہ ڈھانچہ کو صرف برائے مقننہ کہا جاسکتا ہے کیونکہ اس میں نہ تو اقلیت کی متفقہ آواز کی کوئی حیثیت ہے اور نہ عوام کی رائے کی کوئی عزت و وقعت سمجھی جاتی ہے۔ حکومت نے نہ معلوم کیوں ایک کالے اور پرنفریں قانون کو منظور کر کے انتظامیہ کو عدلیہ پر اختیار دے دیا ہے۔ اس بل کو منظور کرتے وقت ان تمام دلائل کو جو پچھلے سال جنگ میں عوام کا تعاون حاصل کرنے کے لیے دیے تھے۔ اس کو نظر انداز کر دیا اور وہ اصول و مقاصد جن کے حصول و حفاظت کے لیے برطانیہ جنگ لڑنے کا دعویٰ کرتی ہے۔ ان کو پاؤں تلے روند دیا۔ عدل و انصاف کے بنیادی تقاضوں کو تہ و بالا کر دیا ہے اور عوام کے آئینی حقوق کو اس وقت پامال کیا گیا۔ جب کہ مملکت کو کوئی خطرہ نہیں یہاں تک کہ غیر ذمہ دار بیوروٹیز جو عوام کے سامنے جواب دہ ہیں اور عوام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے وہ بھی مقابرین میں اس مسودہ قانون کی منظوری اور اس قانون کی منظوری کے طریق کار کے خلاف احتجاج کے طور پر امپیریل کونسل سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ بحالات موجود کونسل میں میری شمولیت

ملک کے عوام کے لیے بے کار ہے اور یہ امر کسی شخص کی عزت نفس کے منافی ہے کہ وہ کسی ایسی حکومت سے تعاون کرے جس نے کونسل کے ایوان میں عوامی نمائندوں اور ایوان سے باہر ملک بھر کے عوام کی رائے کو بالکل نظر انداز کر دیا ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ حکومت آئین میں اس قسم کے قانون منظور کرتی ہے۔ اسے مہذب حکومت نہیں کہا جا سکتا۔ مجھے اب بھی یہ امید ہے کہ وزیر ہند مسٹر مانٹیگو تاج برطانیہ کو مشورہ دیں گے کہ اس سیاہ قانون کی منظوری نہ دی جائے۔

آپ کا مخلص

ایم، اے، جناح

لیڈرز کانفرنس

2 جون 1947ء کو لیڈروں کی وہ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 3 جون 1947ء کا منصوبہ ہندوستانی لیڈروں کے سامنے پیش کیا۔ اس میں انہوں نے ایک مفصل تقریر کی جس میں یہ کہا:

''گزشتہ پانچ سال کے اندر میں بڑی اہم کانفرنسوں میں شریک رہا ہوں جہاں جنگ کی قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں، لیکن صاف بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی فیصلہ ایسا نہ تھا جس کا دنیا کی تاریخ پر اس قدر اہم اثر ہوا ہو جیسا ان فیصلوں کا اثر ہوگا جو اس جلسے میں ہونے والے ہیں۔''

انہوں نے یہ واضح کیا:

''میں آپ کی مرضی کے خلاف جلدی نہیں کر رہا ہوں۔ میں نے جس کسی سے بات کی اس نے مجھ پر شدید فوریت کا احساس ظاہر کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ تذبذب اور بے اطمینانی کی موجودہ حالت ختم ہو، لہٰذا جتنی جلد اختیار منتقل کیا جائے بہتر ہے۔''

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وزارتی مشن کے منصوبے کے متعلق پارٹیوں کے طرز عمل اور اس کی عدم منظوری کے اسباب کا ذکر کرنے کے بعد بتایا:

''موجودہ منصوبہ لندن میں کسی پارٹی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ حزب اختلاف یعنی کنزرویٹو پارٹی بھی اس کی موید ہے۔''

انہوں نے بڑی ہوشیاری سے بیان کے بیسویں پارے کے منصوبے سے لیڈروں کو آگاہ کیا جس میں یہ تھا:

''جون 1948ء سے قبل ہی دونوں نوآبادیوں کو اختیارات منتقل کر دیے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا:

''برطانیہ مرتبہ نوآبادی اس وجہ سے منظور نہیں کر رہا ہے کہ ہندوستان میں اس کا دخل باقی رہے بلکہ اس وجہ سے کہ انتقال اختیار میں تعجیل مرتبہ نوآبادی ہی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔''

اس کے بعد انہوں نے لیڈروں کو 3 جون 1947ء کے بیان کی نقلیں دے دیں۔

انہوں نے لیڈروں سے کہا:

''اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ اس پر آپ اپنی کامل رضامندی دے دیجئے تو میری خواہش آپ کے ضمیر کے خلاف ہوگی۔ اس لیے میں آپ سے صرف یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ امن پسندی کی اسپرٹ کے ساتھ اسے قبول کر لیجیے۔''

پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا:

''کانگریس کامل طور پر تو اس منصوبے کو ہرگز منظور نہیں کر سکتی لیکن پھر بھی قبول کر لے گی۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''میں تنہا اس معاملے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ مجھے اور ورکنگ کمیٹی دونوں کو قطعی فیصلے سے پہلے،

اپنے آقاؤں (یعنی کونسل) کے سامنے جانا پڑے گا جو قوم کے نمائندوں پر مشتمل ہے۔"
لارڈ ماؤنٹ بیٹن اس پر بولے:
"ایسے وقت آتے ہیں جب لیڈروں کو اپنے پیروؤں سے مشورہ لیے بغیر اہم فیصلے کرنے پڑتے ہیں اور ان کو یہ اعتماد ہوتا ہے کہ وہ بعد میں ان کو اپنا ہم خیال کر لیں گے۔ وہ فیصلہ جو چوٹی کے لوگوں نے کیا ہو اور جس کی قوم بعد میں تصدیق کرے جمہوری ضابطے کے مطابق ہوتا ہے۔"
قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:
"میں منصوبے کو منہدم کرنے کے لیے قوم کے سامنے نہیں جاؤں گا، بلکہ اس لیے جاؤں گا کہ اس کو سمجھا کر قبول کرنے پر آمادہ کر دوں۔ یہاں میں ذاتی طور پر بس اتنا یقین دلا سکتا ہوں کہ میں اپنی طرف سے پوری کوشش کروں گا۔"
ماؤنٹ بیٹن یہ چاہتے تھے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹیاں اور سکھ آدھی رات گئے تک اپنے تاثرات سے مطلع کر دیں۔ کرپلانی صدر کانگریس اور بلدیو سنگھ اس پر رضامند ہو گئے کہ شام تک خط بھیج دیں گے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:
"وہ ورکنگ کمیٹی کی طرف سے تحریر تو نہ بھیج سکیں گے، لیکن خود آ کر وائسرائے کو زبانی اطلاع دے دیں گے۔"
ماؤنٹ بیٹن اس سے مطمئن ہو گیا۔ انہوں نے قائداعظم، پنڈت نہرو اور بلدیو سنگھ سے کہا:
"میں کل شام کو آل انڈیا ریڈیو پر سمجھوتے کی کامیابی کے متعلق تقریر نشر کروں گا، میرے بعد آپ تینوں بھی تقریر کریں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے منظور کیا۔
لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے انگلستان جانے کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے 22 مئی کی تقریر میں مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان تک آٹھ سو میل کی ایک رہگذر (کوریڈور) کا مطالبہ کیا تھا۔ اسی دوران میں مسٹر گاندھی اپنی شام کی پرارتھنا کے جلسوں میں تقسیم کے خلاف سخت پروپیگنڈہ کرتے رہے تھے۔ ان دونوں باتوں سے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو تشویش تھی۔ جلسہ ختم ہونے پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح سے کہا:
"جلسے کے بعد ٹھہر جائیں۔"
مگر قائداعظم محمد علی جناح نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور سب کے ساتھ ہی واپس چلے گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس گفتگو کو رات کی ملاقات پر ملتوی کیا لیکن کسی جگہ اس کی روداد درج نہیں ہے کہ وائسرائے اور قائداعظم محمد علی جناح کے درمیان اس مسئلے پر کوئی گفتگو ہوئی۔
مسٹر گاندھی البتہ تیسرے پہر میں ساڑھے چار بجے وائسرائے سے ملنے کے لیے آئے، لیکن بات کرنے اور بولنے کا روزہ رکھ کر۔ مسٹر گاندھی نے تحریر میں جواب دیے جن میں ایک یہ تھا "میں نے اپنی تقریروں میں کیا ایک لفظ بھی کوئی ایسا کہا ہے جو آپ کے خلاف ہو؟ اگر آپ یہ مانتے ہیں تو آپ کی تنبیہ غیر ضروری ہے۔" وائسرائے کو اس پر اطمینان ہو گیا۔
قائداعظم محمد علی جناح حسب وعدہ ماؤنٹ بیٹن سے ملنے کے لیے رات کو آئے اور انہوں نے ورکنگ کمیٹی کا تاثر بیان کیا۔ وائسرائے کو اس پر اصرار تھا کہ مسلم لیگ کی طرف سے قطعی منظوری ہونی چاہیے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے وہی عذر دہرایا کہ کونسل کی منظوری ضروری ہے اور یہ مزید کہا:
"آئینی طور پر منظوری دینے کا مجھ کو اختیار نہیں ہے۔"
اس پر ماؤنٹ بیٹن نے کہا:

''اگر آپ کا طرز عمل یہ ہے تو کانگریس پارٹی اور سکھ کل صبح کو قطعی منظوری دینے سے انکار کر دیں گے، اس کے بعد اختلال اور بدامنی ہو گی اور آپ اپنا پاکستان کھو دیں گے۔''

غالباً لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے التجا کے انداز میں کہا:

''مسٹر جناح میرا یہ ارادہ نہیں ہے کہ اس فیصلے میں جو کام ہو چکا ہے اسے میں آپ کو درہم برہم کرنے دوں۔ چونکہ آپ مسلم لیگ کی طرف سے قبول نہیں کرتے لہٰذا مسلم لیگ کی طرف سے میں بولوں گا۔ میں یہ کہنے کا خطرہ اپنے ذمے لوں گا کہ آپ نے مجھے یقین دلایا ہے اور میں اس سے مطمئن ہوں۔ اگر آپ کی کونسل سمجھوتے کی تصدیق نہ کرے تو آپ میرے اوپر الزام رکھ سکتے ہیں۔ میری صرف ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ جب میں صبح کو جلسے میں کہوں کہ مسٹر جناح نے مجھ کو یقین دلایا ہے جس کو میں نے قبول کر لیا ہے اور اس پر مجھ کو اطمینان ہے تو آپ کسی حال میں اس کی تردید نہ کریں، اور یہ کہ جب میں آپ کی طرف دیکھوں تو آپ اپنے سر کی حرکت سے اپنی منظوری کا اظہار کر دیں۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ماؤنٹ بیٹن کی اس تجویز کا جواب سر کی حرکت ہی سے دیا، زبان سے کچھ نہ بولے۔

ماؤنٹ بیٹن نے قائداعظم محمد علی جناح سے آخری سوال یہ کیا:

''کیا مسٹر جناح کا یہ خیال ہے کہ ماؤنٹ بیٹن کا یہ فعل صحیح ہو گا کہ وہ ایٹلی (وزیراعظم برطانیہ) کو یہ مشورہ دیں کہ وہ آگے بڑھیں اور اعلان کر دیں؟''

اس کے جواب میں مسٹر جناح نے کہا:

''ہاں۔''

اس یقین دہانی پر ماؤنٹ بیٹن اور ازمے دونوں نے یہ محسوس کیا کہ کونسل آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے قبل جو زیادہ سے زیادہ منظوری ہو سکتی تھی وہ مسٹر جناح سے وصول کر لی گئی۔

دوسرے روز صبح کو جلسے میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے مسٹر جناح سے ملاقات اور ان کی منظوری کی روداد سنائی۔ مسٹر جناح خاموش سنتے رہے اور حسب قرارداد سر کی حرکت سے انہوں نے اس کی تصدیق کر دی۔ کانگریس پارٹی اور سکھوں کی تحریریں آ چکی تھیں۔ انہوں نے پلان منظور بھی کیا تھا اور اس پر کچھ اعتراضات بھی کیے تھے مگر ماؤنٹ بیٹن نے ان کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ میں صورت حال سے واقف ہوں۔ ان خطوط میں جو تجاویز درج ہیں وہ کسی پارٹی کو منظور نہ ہوں گی لہٰذا میں اس جلسے میں وہ پیش کرنا نہیں چاہتا۔

اس کے بعد وائسرائے نے یہ اعلان کیا:

''اس منصوبے کی منظوری اس حد تک سو فیصدی کے قریب قریب ہے جتنی کہ ممکن تھی۔''

تینوں پارٹیوں کے لیڈروں نے تسلیم کیا کہ یہ ان کی رائے کی صحیح ترجمانی ہے۔

نشری تقریریں

3 جون کی شام کو وائسرائے نے، قائداعظم محمد علی جناح، پنڈت جواہر لال نہرو اور بلدیو سنگھ نے ریڈیو پر تقریریں کیں۔

وائسرائے نے کہا:

''ہمیشہ سے میری یہ مستقل رائے تھی کہ اگر فرقوں کے درمیان معقول حد تک اچھے تعلقات ہوں تو متحدہ ہندوستان بہترین حل ہو گا، لیکن وزارتی منصوبے پر یا کسی اور ایسے منصوبے پر جس سے ہندوستان کی وحدت قائم رہے، باہمی سمجھوتہ ناممکن تھا۔ مسلم لیگ نے ہندوستان کی تقسیم کا مطالبہ کیا اور کانگریس نے

صوبوں کی تقسیم کے لیے وہی دلائل استعمال کیے۔ اگرچہ میں صوبوں کی تقسیم کا بھی ایسا ہی مخالف تھا جیسا کہ ہندوستان کی تقسیم کا مگر وہ دلائل ناقابل تردید معلوم ہوئے۔ اس لیے یہ معاملہ ہندوستان کے باشندوں پر ہی چھوڑ دیا گیا ہے کہ ہندوستان کی تقسیم ہو یا نہ ہو۔ ملکوں کی سرحدیں حد بندی کمیشن طے کرے گا اور وہ یقیناً وہ نہ ہوں گی جو ہنگامی طور پر معین کر دی گئی ہیں۔''

سکھوں کے متعلق وائسرائے نے کہا:

''وہ تمام پنجاب میں اس طرح بکھرے ہوئے ہیں کہ کوئی تقسیم بھی ہو اس میں سکھوں کی تقسیم ضرور ہو گی۔ یہ خیال کر کے افسوس ہوتا ہے کہ پنجاب کی تقسیم میں، جس کی خود سکھوں نے خواہش کی ہے، کم یا بیش سکھوں کی تقسیم ناگزیر ہے۔ واقعی وہ تقسیم کس حد تک ہو گی یہ حد بندی کمیشن پر چھوڑ دیا گیا ہے جس میں سکھوں کی نمائندگی بھی ہو گی۔''

وائسرائے نے کہا:

''پورا منصوبہ بے عیب نہ سہی، لیکن تمام منصوبوں کی طرح اس کی کامیابی اُس جذبۂ خیر سگالی پر منحصر ہے جس سے اس کا عملدرآمد ہو گا۔ میں نے ہمیشہ یہ محسوس کیا کہ انتقال اختیار جلد سے جلد ہو۔ جو تجویز میں نے پیش کی، اور مجھے خوشی ہے کہ منظور کر لی گئی، یہ ہے کہ ملک معظم کی گورنمنٹ کو چاہیے کہ فوراً برطانوی ہند کی ایک یا دو حکومتوں کو اختیار منتقل کر دے جن میں سے ہر ایک کو مرتبہ نو آبادی حاصل ہو۔''

پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا:

''اعلان میں ایک طرف اس کا امکان ہے کہ بعض علاقے ہندوستان سے الگ ہو جائیں گے، اور دوسری طرف کامل آزادی کی راہ میں بہت بڑی ترقی ہے۔ میں جو ان تجاویز کی سفارش کر رہا ہوں اس سے میرے دل میں خوشی نہیں ہے، اگرچہ میرے دل میں اس کے متعلق کوئی شبہ بھی نہیں کہ یہ صحیح طریقہ ہے جو اختیار کیا گیا ہے۔''

انہوں نے اس پر زور دیا کہ وہ متحدہ ہندوستان جس کے لیے ہم نے محنت کی تھی وہ جبر اور جور کا نہیں بلکہ آزاد لوگوں کا آزادانہ اور برضا و رغبت اجتماع تھا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اس طریقے پر ہم اس متحدہ ہندوستان تک کسی اور طریقے کے مقابلے میں جلد تر پہنچ سکیں اور اس کی بنیاد زیادہ مضبوط اور محفوظ ہو۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''جو وزنی اور مشکل کام ہمیں انجام دینا ہے دنیا میں اس کی کوئی متوازی مثال موجود نہیں ہے۔ خصوصاً ہندوستانی لیڈروں پر بڑی اہم ذمہ داریاں عائد ہیں۔ اس لیے ہم کو چاہیے کہ اپنی تمام قوتیں اس پر مرکوز کر دیں کہ انتقال اقتدار پرامن طریقے پر اور ترتیب کے ساتھ عمل میں آئے۔ میں اخلاص کے ساتھ ہر فرقے سے اور بالخصوص مسلمانان ہند سے التجا کرتا ہوں کہ وہ امن و انتظام قائم رکھیں۔

یہ بالکل واضح ہے کہ چند اہم معاملات میں یہ منصوبہ ہمارے نقطۂ نظر کے مطابق نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے اور نہ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس منصوبے میں جس طرح بعض معاملات طے کیے گئے ہیں اس سے ہم مطمئن ہیں یا اس سے ہم کو اتفاق ہے۔ ہم کو اس پر غور کرنا ہے کہ آیا یہ منصوبہ، جس طرح کہ ملک معظم کی گورنمنٹ نے پیش کیا ہے۔ ہم سمجھوتے کے طور پر قبول کریں یا فیصلے کے طور پر۔ میں اس معاملے میں

یہ نہیں چاہتا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے فیصلے سے پہلے، جس کا جلسہ 9 جون کو طلب کیا گیا ہے، خود اپنا فیصلہ دے دوں اور ہمارے دستور، سابقہ مثالوں اور معمول کے مطابق آخری فیصلہ کونسل ہی کر سکتی ہے۔

لیکن جہاں تک میں مجموعی طور پر دہلی میں مسلم لیگ کے حلقوں کے تاثرات کا اندازہ کر سکا ہوں وہ امید افزا ہیں، تاہم یہ ضروری ہے کہ آخری فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ منصوبے کا غور سے مطالعہ کیا جائے۔

مجھے یہ کہنا چاہئے کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ وائسرائے نے مختلف طاقتوں کے مقابلے میں بڑی بہادری سے جنگ کی اور جو اثر انہوں نے میرے دل پر چھوڑا ہے وہ یہ ہے کہ وہ خوش معاملگی اور غیر جانبداری کا اعلیٰ ترین احساس تھا جس سے انہوں نے یہ کام انجام دیا۔ اب یہ ہمارے ذمے ہے کہ ان کا کام آسان کر دیں اور جہاں تک ہم سے ہو سکے، اس میں ان کی مدد کریں کہ پرامن طریقے پر اور ترتیب کے ساتھ ہندوستان کے باشندوں کے حق میں اختیار منتقل کر کے وہ اپنے فریضے کی تکمیل کریں۔''

آخر میں قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ صوبہ سرحد سے اپیل کی کہ وہ اپنی پرامن سول نامتابعت کی تحریک واپس لے کر استصواب رائے عامہ میں مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے سرگرمی کے ساتھ تنظیم کرے اور یہ اعتماد ظاہر کیا کہ صوبہ سرحد کے لوگ اپنی متفقہ رائے کے ساتھ پاکستان کانسٹی ٹوینٹ اسمبلی میں شرکت کا فیصلہ کریں گے۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے 4 جون کو اخباری نمائندوں کی کانفرنس میں پہلی مرتبہ حکومت برطانیہ کے اس ارادے کا اعلان کیا:

''جون 1948ء تک نہیں بلکہ 15 اگست 1947ء تک اختیار حکومت منتقل کر دیا جائے گا۔''

10 جون کو آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس پر اس نے اظہار اطمینان کیا کہ وزارتی مشن کا منصوبہ ترک کیا گیا، اور اس کی تصدیق کی کہ ہندوستان کے مسئلے کا حل صرف یہی تقسیم تھا جو ملک معظم کی گورنمنٹ نے 3 جون کے منصوبے میں تجویز کیا ہے۔ کونسل نے یہ رائے ظاہر کی کہ اگرچہ وہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم سے اتفاق نہیں کر سکتی اور نہ وہ ایسی تقسیم کے لیے منظوری دے سکتی ہے لیکن اس کو مجموعی طور پر انتقال اختیار کے پورے منصوبے پر غور کرنا ہے۔ قرارداد میں صدر مسلم لیگ کو اس کا پورا اختیار دیا گیا کہ وہ منصوبے کے بنیادی اصولوں کو سمجھوتے کے طور پر قبول کر لیں اور جن اقدامات اور فیصلوں کی ضرورت ہو وہ کریں۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جلسہ 14 جون کو ہوا۔ ہندوستان کی وحدت پر ایک طویل وعظ کے بعد کمیٹی نے 3 جون کے منصوبے کے تحت ہندوستان کی تقسیم منظور کر لی۔

مولانا ابوالکلام آزاد کو اس رزولیشن کی تائید کرنی پڑی، مگر انہوں نے اپنی تقریر میں یہی کہا کہ وزارتی مشن کا منصوبہ 3 جون کے منصوبے سے بہتر تھا اور آخر میں یہ کہ اس تقسیم کی عمر بہت مختصر ہے۔ دوران بحث میں جن لوگوں نے رزولیشن کی مخالفت کی وہ نیشنلسٹ مسلمان تھے اور مسلم اکثریت کے صوبوں کے ہندو۔

اس موقع پر کانگریس ورکنگ کمیٹی کی وہ روداد بڑی دلچسپ ہے جو ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھ کو اس پر حیرت تھی اور افسوس تھا کہ ماؤنٹ بیٹن کا منصوبہ گاندھی جی نے کیسے قبول کر لیا۔ اب انہوں نے ورکنگ کمیٹی میں

تقریر کی جو تقسیم کی تائید میں تھی۔ خان عبد الغفار پر اس کا جو اثر ہوا بس اس کا تصور ہی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ چند منٹ بالکل مبہوت رہے اور ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔ انہوں نے ورکنگ کمیٹی سے اپیل کی اور اس کو یہ یاد دلایا کہ انہوں نے ہمیشہ کانگریس کی حمایت کی ہے۔ اگر کانگریس نے ان کو اس وقت چھوڑ دیا تو صوبہ سرحد میں اس کا ردعمل بڑا خوفناک ہوگا۔ ان کے دشمن ان پر ہنسیں گے اور دوست یہ کہیں گے کہ جب تک کانگریس کو صوبہ سرحد کی ضرورت تھی اس نے خدائی خدمتگاروں کی تائید کی، مگر جب کانگریس نے مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنا چاہا تو اس نے صوبے اور اس کے لیڈروں سے مشورہ کیے بغیر تقسیم کی مخالفت ترک کر دی۔ خان عبد الغفار خان نے بار بار یہ کہا کہ اگر اب اس نے خدائی خدمتگاروں کو بھیڑیوں کے سامنے ڈال دیا تو وہ اس کو کانگریس کی غداری سمجھیں گے۔''

حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان سمجھوتے میں ہمیشہ یہ نیشنلسٹ مسلمان ہی مانع آئے۔ اگر یہ درمیان میں نہ ہوتے تو ہندو مسلم مسئلہ ہرگز اتنی پیچیدگی اختیار نہ کرتا۔ ہندوؤں کو بہت پہلے مسلمانوں کی اہمیت کا اندازہ ہوتا اور وہ حقیقتیں ان کے سامنے آجاتیں، جو بالآخر تقسیم کا باعث ہوئیں۔ ہندوستان کو تقسیم ہونا ضروری تھا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے یہ ہی بہتر تھا مگر نیشنلسٹ مسلمانوں کی در اندازیوں کے بغیر جو تقسیم ہوتی وہ مسلمانوں کے حق میں اس سے بہتر ہوتی جیسی کہ ہوئی۔ یقیناً اس صورت میں وہ نقصانات بھی نہ ہوتے جو تقسیم سے قبل، اس کے دوران میں اور اس کے بعد ہوئے۔ ان کی ذمہ داری بڑی حد تک ابوالکلام آزاد پر ہے جو نیشنلسٹ مسلمانوں کے لیڈر تھے اور جنہوں نے ہمیشہ کانگریس کی پشت پناہی کے لیے نیشنلسٹ مسلمانوں کو ابھارا اور مجتمع رکھا۔

لیڈر کی خاصیت

حمید نظامی کا بیان ہے:

''علی گڑھ میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا اجلاس تھا۔ قائداعظم محمد علی جناح بھی علی گڑھ تشریف لائے ہوئے تھے۔ شام کو غالباً سٹریچی ہال کے قریب لان میں چائے کی دعوت تھی۔ چائے سے پہلے علی گڑھ یونیورسٹی مسلم سٹوڈنٹس یونین کے ارکان نے قائداعظم محمد علی جناح سے ایک گروپ فوٹو میں شرکت کی درخواست کی جسے آپ نے منظور کر لیا۔ جب مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا میں نے معذرت کرتے ہوئے ازراہ مذاق یہ کہہ دیا:

''میں وہابی ہوں اس لیے فوٹو نہیں اتروا سکتا۔''

جب یہ تقریر ختم ہوئی تو قائداعظم محمد علی جناح نے مجھ سے پوچھا:

''کیا واقعی اتنے متشدد وہابی ہو۔''

میں نے عرض کیا:

''نہیں وہ بات تو میں نے مذاق کے طور پر کہی تھی۔''

فرمانے لگے:

''تو پھر گروپ فوٹو میں کیوں نہیں بیٹھے؟''

میں نے جواب دیا:

''فوٹو علی گڑھ والوں کا تھا میرا اس میں بیٹھنا مناسب نہ تھا۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے ہنس کر جواب دیا:

''یہ لڑکا کبھی لیڈر نہیں بن سکتا۔''

ایک طالب علم نے جو غالباً جسٹس سلمان مرحوم کے

صاحب زادے تھے، پوچھا:

''کیوں جناب؟''

قائداعظم محمد علی جناح نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''لیڈر تو دھکے مار کر بھی فوٹو کے وقت آگے آجاتے ہیں۔''

لیڈروں کی درآمد

قائداعظم محمد علی جناح نے 15 مئی 1944ء میں مسلم سٹوڈنٹس کشمیر کی دعوت پر خطاب کیا۔ اس سے قبل ان کے ہاؤس بوٹ میں جو دریائے جہلم میں لال منڈی کے مقام پر تھی۔ کشمیری طلباء کے ایک وفد سے ملاقات کی۔

قائداعظم محمد علی جناح طلباء سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ طلباء نے ان سے مختلف امور میں ان کی رہنمائی حاصل کی۔

قائداعظم محمد علی جناح سے طلباء نے شکایت کی:

''کشمیر میں ڈوگرہ حکومت نیشنل کانفرنس اور ہندوؤں کی ملی بھگت ہے۔''

قائداعظم محمد علی جناح نے کہا:

''یہ بالکل درست ہے، لہٰذا آپ لوگ جب تک تعلیم مکمل نہیں کر لیتے عملی سیاست میں نہ آئیں صرف سٹڈی سرکل قائم کرو، اکٹھے بیٹھ کر ملکی مسائل پر تبادلہ خیالات کیا کرو۔''

ایک طالب علم نے کہا:

''کشمیر کے مسلمانوں میں کوئی لیڈر نہیں ہے۔''

اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے ذرا غصے سے کرسی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا:

''تم لوگ بڑے ہو کر خود لیڈر بنو، کیا میں اب تمہارے لیے برطانوی ہندوستان سے لیڈر درآمد کروں۔''

لی کمیشن سفارشات

(دیکھیے: پبلک سروسز کمیشن)

لیگ فنڈ

قائداعظم محمد علی جناح کی اپیل پر لیگ پریس فنڈ کل اڑھائی لاکھ روپے جمع ہوئے۔ جس میں سب سے زیادہ رقم ڈیڑھ لاکھ کاٹھیاواڑ کی میمن برادری نے دی تھی۔

لیگ کانگریس اتحاد

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ میں شرکت اس لیے کی تھی کہ وہ کانگریس اور لیگ میں ناقابل انفعال تعلق پیدا کر دیں۔ 1915ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا، اس موقع پر انہوں نے مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ بھی بمبئی میں منعقد کرایا تاکہ ملک میں یہ دو بڑی انجمنیں ایک دوسرے کو اچھی طرح جان سکیں پہچان سکیں۔ اس جلسہ کی کامیابی کا سہرا صرف قائداعظم محمد علی جناح کے سر ہے۔ جنہوں نے اپنے وجود، اپنی شہرت اپنی ناموری کو خطرہ میں ڈال کر یہ اجلاس منعقد کرایا اور ایک ایسی فضا پیدا کر دی کہ ہندو اور مسلمان بہت قریب ہو گئے۔ کانگریس اور مسلم لیگ میں دوئی باقی نہ رہی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہندو مسلم لیڈر علی الاعلان گلے مل رہے تھے، اور مسلمان والنٹیئر ہندو رضا کاروں کے ہاتھ بٹا رہے تھے۔ لیگ کے پنڈال کے دروازہ پر ایک کتبہ آویزاں تھا۔ جس پر لکھا تھا:

''اتفاق طاقت ہے۔''

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ ہندو اور مسلمان لیڈر ایک پلیٹ فارم پر بیٹھے ہوں۔ اس سال کے اجلاس میں کانگریس لیگ کے جن خاص خاص غیر مسلم لیڈروں

شرکت کی ان کے نام درج ذیل ہیں:

سر سنہا، صدر کانگریس

سر سریندر ناتھ بینرجی

مسز اینی بسنٹ

مسز سروجنی نائیڈو

◆ پنڈت موہن موہن مالویہ

◆ مسٹر گاندھی

اس اجلاس میں مسٹر مظہر الحق صدر اجلاس نے کہا:

''ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ ہم کس قدر قلیل تعداد میں یہاں آئے، اور آخر عظیم الشان سلطنت کے مالک بن گئے لیکن باوجود بادشاہ ہونے کے ہم نے ہندوستان کو اپنا وطن سمجھا۔ کیا سلاطین مغلیہ نے ہندوستان کے علاوہ کسی اور جگہ اپنا گھر بنا رکھا تھا؟ کیا وہ سالانہ یا پانچ سال کے بعد اپنے وطن واپس چلے جاتے تھے۔ یا ہر سال ممالک اسلامیہ سے تازہ خون ہندوستان میں آتا تھا اور یہیں کا ہو جاتا تھا۔ سلاطین مغلیہ کی عمارات سے کیا ثابت نہیں ہوتا کہ زر کثیر خرچ کر کے انہوں نے ہندوستان کی رونق کو دوبالا کیا۔ کیا تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ہندوستان کے علاوہ کہیں اور بھی انہوں نے عمارات تیار کیں۔ یہ تو ایک حقیقت ہے کہ کابل کا وزیر اعظم، وزیر جنگ اور وزیر مال ہندو تھے۔ فرقہ وارانہ تعصب مسلمانوں نے کبھی بھی پاس نہ آنے دیا۔ مسلمانوں کے عالم اسلام سے مذہبی اخوت کی بنا پر ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اپنے معاملات میں غیر ملکی مفادات کو مدنظر رکھتے ہیں اور جو لوگ یہ الزام لگاتے ہیں وہ مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں۔''

لیگ یہ کہہ رہی تھی اور کانگریس کے رہنمائے اعظم مسٹر تلک ''انجمن مخالفین ذبیح گاؤ'' کو فروغ دے رہے تھے، اور ہندو مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی سعی فرمارہے تھے۔

لیگ کونسل کی درخواست

ہندوستان کے دستوری ڈھانچے کے بارے میں قرطاس ابیض شائع ہونے کے بعد مسلمانوں کی صفوں میں مایوسی اور بے کسی پائی جاتی تھی۔ ان کی رہنمائی کے لیے کوئی چوٹی کا لیڈر نہ تھا۔ حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی جوہر، مہاراجہ محمود آباد اور سر محمد شفیع وفات پا چکے تھے۔ وہ واحد رہنما جس پر مسلمانوں کو اعتماد تھا اور جو بلا خوف قیادت مہیا کر سکتا تھا۔ لندن میں خود اختیاری جلاوطنی کی زندگی گزار رہا تھا۔ مسلم لیگ کونسل نے اس سوچ بچار پر بہت وقت صرف کیا کہ وہ قائداعظم محمد علی جناح کو واپسی پر آمادہ کرنے کے لیے اقدامات کرے۔ اس امر پر بھی غور کیا گیا کہ ایک وفد انگلستان بھیجا جائے جو قائداعظم محمد علی جناح سے مل کر ان پر واپسی کے لیے زور ڈالے۔ انجام کار کونسل نے ایک قرارداد منظور کی جس کے محرک عبدالمتین چوہدری تھے۔ جس میں قائداعظم سے ہندوستان واپس تشریف لا کر مسلمانوں کی رہنمائی کرنے کی درخواست کی گئی۔ اس قرارداد کا متن قائداعظم محمد علی جناح کو تار کے ذریعے بھیجا گیا، اس کے جواب میں قائداعظم محمد علی جناح نے جذبات تشکر کا اظہار کیا کہ لیگ نے انہیں یاد رکھا اور وعدہ کیا کہ وہ سال کے آخر تک ہندوستان آئیں گے۔ آخر کار وہ دسمبر 1933ء کے آخر میں بمبئی آ گئے جب کہ یہ قرارداد 12 مارچ 1933ء کو منظور کی گئی تھی۔



علامہ عبدالستار عاصم کی زیرِ نظر کتاب ''انسائیکلو پیڈیا جہانِ قائدؒ'' اپنی ضخامت، انفرادیت اور نوعیت کے حوالہ سے ایک قابلِ فخر کتاب ہے کہ پچھلے ستر سال میں قائداعظم کی شخصیت پر جو تصنیفی کام آج تک نہیں ہوا تھا وہ کام علامہ عبدالستار عاصم نے سرانجام دیا ہے۔ اس کتاب کے بعد یقیناً متذکرہ موضوع پر اور کتب بھی شائع ہوں گی مگر جو اعزاز اس کتاب اور اس کے مرتب کو حاصل ہوا ہے وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہو سکے گا کیونکہ علامہ عبدالستار عاصم نے اہلِ تصنیف و تالیف کو زیرِ نظر کتاب کی اشاعت کر کے گویا یہ پیغام دیا ہے کہ بانی پاکستان پر ایسا کام بھی ہو سکتا ہے۔

علامہ عبدالستار عاصم نے زیرِ نظر کتاب شائع کر کے قائداعظم اور پاکستان کی ارواح کو ایک تازگی اور فرحت فراہم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو عوام و خواص میں درجہ مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

☆☆☆



''جہانِ قائدؒ'' ایک حیرت انگیز کام ہے اور ولولہ انگیز بھی جسے کارنامہ کہنا چاہیے۔ ایسی تحقیقی معرکہ آرائی کم کم دیکھنے میں آتی ہے۔ قائداعظم کے ساتھ بھرپور محبت اور عقیدت کے بغیر یہ مرحلہ طے ہونے والا نہ تھا۔ عبدالستار عاصم ایک بے قرار اور سرشار شخصیت ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا بہت کام انہوں نے کیا ہے مگر اُن کا یہ کام ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ قائداعظم کی بے مثال زندگی کے ایک ایک لمحے کو زندہ کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ یہ معلومات ہیں جن کو محسوسات کے ساتھ ہم آہنگ کیا گیا ہے یوں لگتا ہے کہ قائداعظم کی زندگی ہمارے ساتھ گزری ہے۔

بڑی مستحکم مربوط مستند محیر العقول اور محبوب شخصیت کو [illegible]

ان کے رفیق بن گئے ہیں اور رفاقتوا [illegible]

''جہانِ قائداعظم'' قائداعظم [illegible]

لازمی ہے۔